ذخیرۃ الجنان

فی

فہم القرآن

جلد ہفتم

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرۃ الجنان

فی

فہم القرآن

جلد 7 ⇐ حصہ 19، 20، 21

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظر ثانی

مولانا علامہ زاہد الراشدی

شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الیٰ جمیع اولادی واحبابی وتلامذتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

راقم اثیم گکھڑ میں قرآن کریم و حدیث شریف کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا اس درس قرآن کریم کا بڑی عرقریزی کے ساتھ اردو میں ترجمہ مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جس کی طباعت کا انتظام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے۔ راقم اثیم طباعت کے جملہ حقوق ان کو دیتا ہے ہاں اگر علمی طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اثیم کے بچے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن سلمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی سب حقوق طباعت جناب میر صاحب کو دیدئے ہیں واللہ الموفق

ابو الزاہد محمد سرفراز عفی عنہٗ

۱۴ صفر ۱۴۲۳ھ

۲۸ر اپریل ۲۰۰۲ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الۡفَتۡحِ مَدَنِیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الۡحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ قٓ مَکِّیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الطُّوۡرِ مَکِّیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ النَّجۡمِ مَکِّیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الۡقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الرَّحۡمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الۡوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ
سُوۡرَۃُ الۡحَدِیۡدِ مَدَنِیَّۃٌ

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

جلد 7 ⟸ حصہ 19، 20، 21

افادات .... امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

نظر ثانی .... مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

سرورق .... محمد خاور بٹ، گوجرانوالہ

طابع وناشر .... لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

فون .... 0300 - 8741292
0321 - 8741292

قیمت ....

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح واصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ اُنیس)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے۔ شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دودن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی۔وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران

غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

نوٹ: اغلاط کی نشان دہی کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-6450340

بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ حٰمٓ

(۲۶)

آیاتھا ۳۸ (۴۷) سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّۃٌ (۹۵) رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ اور روکا اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿اَضَلَّ اَعْمَالَہُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿وَاٰمَنُوْا﴾ اور ایمان لائے ﴿بِمَا﴾ اس چیز پر ﴿نُزِّلَ﴾ جو اُتاری گئی ﴿عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ﴿وَّھُوَ الْحَقُّ﴾ اور وہ حق ہے ﴿مِنْ رَّبِّہِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿کَفَّرَ عَنْہُمْ﴾ اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے ان سے ﴿سَیِّاٰتِہِمْ﴾ ان کے گناہ ﴿وَاَصْلَحَ بَالَہُمْ﴾ اور درست کر دے گا ان کے حال کو ﴿ذٰلِکَ﴾ یہ اس لیے ﴿بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا﴾ کہ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ﴾ اُنھوں نے پیروی کی باطل کی ﴿وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اور بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿اتَّبَعُوا الْحَقَّ﴾ انھوں نے اتباع کیا حق کا ﴿مِنْ رَّبِّہِمْ﴾ جو ان کے رب کی طرف سے ہے ﴿کَذٰلِکَ﴾ اسی طرح ﴿یَضْرِبُ اللّٰہُ﴾ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿اَمْثَالَہُمْ﴾ ان کے حالات ﴿فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ﴾ پس جب تمھارا مقابلہ ہو ان لوگوں سے ﴿کَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ پس مارنا ہے ان کی گردنوں کا ﴿حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ﴾ یہاں تک کہ جب تم خوب خون ریزی کر چکو ﴿فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ پس باندھ دو تم مضبوطی سے باندھنا ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ﴾ پس پھر یا تو احسان کرنا اس کے بعد ﴿وَاِمَّا فِدَآءً﴾ اور یا فدیہ ہوگا ﴿حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا﴾ یہاں تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار ﴿ذٰلِکَ﴾ یہ ایسا ہی ہونا چاہیے ﴿وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَانْتَصَرَ مِنْہُمْ﴾ البتہ بدلہ لے ان سے ﴿وَلٰکِنْ لِّیَبْلُوَا بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ﴾ لیکن وہ آزماتا ہے تم میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿قُتِلُوْا﴾ جو قتل کیے گئے ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَہُمْ﴾ پس ہرگز نہیں ضائع کرے گا ان کے اعمال کو ﴿سَیَھْدِیْہِمْ﴾ بتاکید ان کو ہدایت دے گا ﴿وَیُصْلِحُ بَالَہُمْ﴾ اور درست کرے گا ان کے حال کو ﴿وَیُدْخِلُہُمُ الْجَنَّۃَ﴾ اور داخل کرے گا ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں ﴿عَرَّفَہَا لَہُمْ﴾ جس کی ان کو پہچان کرا دی ہے۔

تعارفِ سورت

اس سورہ کا نام سورہ محمد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اس کا نام رکھا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ترانوے [۹۳] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے چار رکوع اور اڑتیس [۳۸] آیات ہیں۔ کل کے سبق میں آپ نے پڑھا اور سنا کہ ﴿فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ "پس نہیں ہلاک کی جائے گی مگر فاسق قوم۔" اس سورت میں فاسقوں کی ہلاکت کا ذکر ہے۔

کافر کہتے تھے کہ ہم کیوں ہلاک کیے جائیں گے؟ کیا ہم اچھے کام نہیں کرتے؟ اور کرتے بھی تھے۔ بڑے بڑے سردار اور چودھری مسجد حرام میں جھاڑو پھیرتے اور مہمانوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ مسجد حرام کی خدمت کرتے تھے۔ حاجیوں کو اس زمانے میں مفت پانی پلاتے تھے جب کہ پانی کی بڑی قلت تھی۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے سولہ راستے انھوں نے بنائے ہوئے تھے اور ہر راستے پر وقفے وقفے سے مٹکے پانی کے رکھے ہوئے تھے کہ حاجیوں کو تکلیف نہ ہو۔ بیوہ عورتوں اور یتیموں کا خیال رکھتے تھے۔ بڑے بڑے اچھے کام کرتے تھے۔ تو کہتے تھے کہ ہم اتنے اچھے کام کرتے ہیں پھر بھی ہمیں کچھ نہیں ملے گا اور ہم ہلاک کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ وہ لوگ جو کافر ہیں اور روکتے ہیں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال۔ کفر تمام اعمال کو برباد کرنے والا ہے۔ ان میں دو خرابیاں ہیں۔ ① ایک کفر، ② پھر کفر کے ساتھ دوسروں کو ایمان لانے سے روکنا ہے۔

ان دو خرابیوں نے ان کے اچھے اعمال ضائع کر دیئے۔ کفر بڑے بڑے اچھے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور ایمان ایسی چیز ہے کہ رتی برابر بھی اچھا عمل ہو تو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کا بھی اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے۔ لیکن یہ چونکہ کافر ہیں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

ان کے مقابلے میں ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور محض ایمان ہی نہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل بھی اچھے کیے ﴿وَاٰمَنُوْا﴾ اور ایمان لائے ﴿بِمَا﴾ اس چیز پر ﴿نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ﴾ جو اُتاری گئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئیں ﴿وَّهُوَ الْحَقُّ﴾ اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے۔

قرآن کریم میں چار مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا ذکر

قرآن کریم میں چار مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی محمد آیا ہے اور ایک جگہ احمد آیا ہے۔

پہلا مقام: چوتھا پارہ سورۃ آل عمران رکوع نمبر ۶ آیت نمبر ۱۴۴ ہے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾۔

دوسرا مقام: پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۴۰ ہے ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾۔
تیسرا مقام یہی ہے ﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ﴾۔
اور چوتھا مقام سورہ فتح آیت نمبر ۲۹ میں ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان چار مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی محمد آیا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ایک مقام پر سورہ صف پارہ ۲۸ میں ہے ﴿اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ صلی اللہ علیہ وسلم۔ محمد کا معنیٰ ہے تعریف کیا ہوا۔ دنیا میں جتنی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے بعد اتنی تعریف کسی کی نہیں ہوئی۔ اپنوں نے بھی کی، غیروں نے بھی کی۔ اور احمد کا معنیٰ ہے سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جتنی حمد وثنا کی اتنی اور کسی نے نہیں کی۔

توفرمایا اور ایمان لائے اس چیز پر جو اُتاری گئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے ﴿كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ مٹادیتا ہے ان سے ان کے گناہ۔ ایمان اور نیکی کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں از خود معاف کر دیتا ہے ﴿وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ اور درست کر دے گا ان کے حال کو۔ روز بہ روز دینی لحاظ سے ان کی حالت اچھی سے اچھی کرے گا۔ یہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور کافروں کے اعمال اکارت کر دیتا ہے اور جو ایمان والے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں، اچھے عمل کرتے ہیں ان کی حالت اللہ تعالیٰ روز بہ روز اچھی کرتے جاتے ہیں۔

صغیرہ گناہ جتنے بھی ہوں نیکیوں کی برکت سے خود بخود مٹتے جاتے ہیں۔ مسجد کی طرف ایک قدم اُٹھانے سے دس نیکیاں ملتی ہیں ایک صغیرہ گناہ جھڑ جاتا ہے اور ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ وضو کی برکت سے گناہ جھڑ جاتے ہیں، نمازوں کی برکت سے جھڑ جاتے ہیں، روزوں کی برکت سے، عمرے کی برکت سے جھڑ جاتے ہیں۔ اور جو کبیرہ گناہ ہیں وہ یا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہیں یا بندوں کا حق ہیں۔ بندوں کے حقوق کبھی معاف نہیں ہوتے جب تک وہ ادا نہ کر دیئے جائیں یا صاحب حق خود معاف کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق اگر ایسے ہیں جن کی قضا ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، تو یہ توبہ سے معاف نہیں ہوں گے جب تک ان کی قضا نہیں لوٹائی جائے گی۔ جتنے روزے رہ گئے ہیں ان کی قضا لوٹائے، جتنی نمازیں رہ گئی ہیں ان کی قضا لوٹائے۔ اور زکوٰۃ کا باقاعدہ حساب کر کے ادا کرے۔ اور اگر ایسے گناہ ہیں جن کی کوئی قضا نہیں ہے مثلاً: شراب پی لی، زنا کیا تو سچے دل سے توبہ کرنے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔

فرمایا ﴿ذٰلِكَ﴾ کافروں کے عمل کیوں ضائع ہوئے اور مومنوں کے گناہ کیوں مٹا دیئے جاتے ہیں؟ یہ اس وجہ سے ﴿بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ﴾ کہ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں انھوں نے پیروی کی باطل کی۔ اس لیے ان کے اعمال بھی باطل ہوئے ﴿وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ اور بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اُنھوں نے اتباع کیا حق کا اپنے رب کی طرف سے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف کر دیتا ہے ان کے درجے بلند کر دیتا ہے اور ان کی حالت درست کر دیتا ہے ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حالات کہ کافروں کا یہ حال ہوگا اور

مومنوں کا یہ حال ہوگا کیونکہ رب تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ چونکہ حق اور باطل کی ٹکر ہمیشہ سے ہوتی رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے متعلق کچھ اصول بیان فرمائے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس جب تم ملاقات کرو کافروں کے ساتھ یعنی جب تمھارا مقابلہ ہو کافروں سے میدان جنگ میں ﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ پس مارنا ہے کافروں کی گردنوں کا، نرمی نہیں کرنی۔ سورۃ الانفال آیت نمبر ۵۷ پارہ ۱۰ میں ہے ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ "پس اگر آپ قابو پالیں ان پر لڑائی میں ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ پس ان کو ایسی عبرت ناک سزا دو کہ ان کے پچھلوں کے لیے عبرت بن جائے۔" تو فرمایا کہ جب کافروں کے ساتھ تمھارا ٹکراؤ ہو تو ان کی گردنیں اُڑا دو ان کے ساتھ نرمی نہ کرو ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ﴾ یہاں تک کہ جب تم نے ان کی خوب خون ریزی کر دی اور وہ تمھارے قابو میں آ گئے تو تمھارے پاس جو قیدی ہیں ﴿فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ پس باندھ دو تم مضبوطی سے باندھنا۔ وَثَاق کا معنیٰ ہے باندھنا اور شُدُّوا کا معنیٰ ہے سختی سے اور ان کا سارا انتظام تمھارے ذمہ ہے۔ انھیں کھلانا پلانا ان کی حفاظت کرنا۔ وہ تمھارے پاس امانت ہیں جب تک ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوتا ان پر جو تم خرچ کرو گے اس کا تمھیں اجر ملے گا۔ قیدی کے ساتھ سختی کرنے کا اسلام قائل نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت

بدر کے مقام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک جاسوس پکڑ لیا جو جائزہ لینے کے لیے آیا تھا اس سے پوچھ گچھ کی تم کتنے آدمی ہو، تمھاری فوج کتنی ہے۔ وہ صحیح بات نہیں بتلاتا تھا تو اس کی خوب پٹائی کی۔ کہنے لگا اب بتاتا ہوں۔ جب چھوڑا تو وہ پھر مکر گیا۔ مارتے تو کہتا بتاتا ہوں چھوڑتے تو مکر جاتا۔ پورا گوریلا جاسوس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس لے آؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دلاسہ دیا پانی وغیرہ پلایا، اس کا نام پوچھا اور گھر کے افراد پوچھے بڑی نرمی کے ساتھ گفتگو کی اور فرمایا کہ تم روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو کھانے کے لیے۔ اس نے کہا دس اُونٹ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہزار آدمی ہو کیونکہ ایک اونٹ سو آدمیوں کو کفایت کرتا ہے اور تھے بھی ہزار آدمی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی سے اس سے بات نکلوالی۔

اُس زمانے میں سو آدمی ایک اونٹ کھا جاتے تھے۔ اِس زمانے میں بھی بعض لوگ کھانے میں مشہور ہیں۔ میں شیخوپورہ گیا تو وہاں کے ساتھیوں نے بتایا کہ برات آئی تھی گوجرانوالا سے۔ نائی کو کھانا پکانے کا کہا ہے تو اس نے پوچھا کہ برات کہاں سے آئی ہے؟ ہم نے بتایا کہ گوجرانوالا سے۔ تو نائی سمجھ دار تھا اس نے کہا ڈیڑھ آدمی کے حساب سے گوشت چاول وغیرہ دو کیونکہ گوجرانوالا کے لوگ زیادہ کھاتے ہیں تا کہ کھانا کم نہ ہو جائے اور عین وقت پر تمھیں پریشانی نہ ہو۔

تو فرمایا جب تم ان کو قیدی بنا لو تو پھر حکم یہ ہے ﴿فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ پھر یا تو احسان کرنا اس کے بعد یا فدیہ ہو گا۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ کافروں پر احسان کر دو اور بلا معاوضہ قیدیوں کو رہا کر دو اگر تم اس میں خیر کی امید رکھتے ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معاوضہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قیدیوں کا تبادلہ کر لو اپنے قیدی ان سے لے لو اور ان کے قیدی ان کو دے دو۔

اس صورت میں فقہائے احناف کا اختلاف ہے کہ قیدیوں کا تبادلہ کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا بلکہ بزور بازو ان کو رہا کرانا ہے۔ یہ طبقہ بڑا دلیر اور مجاہدوں کا طبقہ ہے جو کہتا ہے قوت استعمال کر کے رہا کراؤ۔ دوسرا طبقہ کہتا ہے کبھی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ کافروں کے پاس قوت زیادہ ہوتی ہے اگر ہمارے قیدی ان کے پاس رہیں گے تو وہ ان سے بیگار لیں گے، ان کے ذہن خراب کریں گے لہٰذا تبادلے میں اپنے قیدی رہا کرا لو۔

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لو۔ پھر امیر لشکر مجاہدین میں ان کو تقسیم کرے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی چیز کسی کو دو تو دائیں ہاتھ سے دو اور لو تو دائیں ہاتھ سے لو۔ پکڑاؤ بھی دائیں ہاتھ سے اور پکڑو بھی دائیں ہاتھ سے۔ مجمع کے اندر امیر لشکر قیدی اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑاتا تھا اور مجاہد اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتا تھا گویا مجمع کے سامنے تعیین ہو جاتی تھی کہ یہ چیز فلاں کی ہے۔ چونکہ دائیں ہاتھ سے دی جاتی اور دائیں ہاتھ سے لی جاتی تھی اس لیے اس کو ملک یمین کہتے تھے۔ پھر لونڈی کے بارے میں تفصیل ہے کہ اگر وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں سے ہو تو مالک اس کے ساتھ ہم بستری کر سکتا ہے اور اگر وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہے اور مسلمان بھی نہیں ہوئی تو ملکیت میں رہے گی مگر اس کے ساتھ ہم بستری جائز نہیں ہے۔

تو فرمایا یا تو احسان کر دو یا فدیہ لے لو ﴿حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾ اَوْزَار۔ وِزْرٌ کی جمع ہے وِزْرٌ کا معنی ہے بوجھ، مراد ہتھیار ہے۔ یہاں تک کہ لڑائی رکھ دے اپنے ہتھیار ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح ہم نے بتایا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ البتہ بدلہ لے ان سے۔ خود براہ راست انتقام لے سکتا ہے، کسی آفت کے ذریعے ان کو ہلاک کر دے جیسے عاد و ثمود قوم کو تباہ کیا، قوم لوط کو تباہ کیا۔ مگر جنگ کی ایک حکمت یہ ہے کہ ﴿وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ آزماتا ہے تم میں سے بعض کو بعض کے ساتھ۔ تمھارا امتحان لیتا ہے کہ خون دینے والے مجنوں ہو یا چوری کھانے والے۔ پھر یہ ہے کہ بعض کو اس نے شہید کا درجہ دینا ہے بعض کو غازی بنانا ہے کچھ تم بھی کرو جنت اتنی سستی اور آسان چیز نہیں ہے۔ تمھیں درجے دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا ہے ورنہ وہ تمھارا محتاج نہیں ہے وہ ایک لمحے میں ہر چیز کو تباہ کر سکتا ہے۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے جاپان میں صرف سترہ سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا اس سے اتنی تباہی ہوئی تھی کہ جاپان حکومت نے اخبار میں بیان دیا تھا کہ حکومت ریلوے لائن اور سڑکوں کو چار سال میں مکمل نہیں کر سکتی۔ حالانکہ اس وقت جاپان صنعت کے اعتبار سے یورپ پر مسلط ہے ان کی رگیں اس نے کمزور کر دی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فوراً انتقام لینا چاہے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے مگر تم نے بھی کچھ کرنا ہے جنت کو حاصل کرنے کے لیے۔

فرمایا ﴿وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو قتل کیے گئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں، شہید ہوئے ﴿فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ پس ہرگز نہیں ضائع کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال۔ شہید کے ہر عمل کا بدلہ سات سو اور سات سو سے اوپر ہے ﴿سَیَهْدِیْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے گا یعنی ہدایت پر قائم رکھے گا ﴿وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾ اور درست کرے گا ان کے حال کو ﴿وَیُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو داخل کرے گا جنت میں ﴿عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾ جس کی ان کو پہچان کرادی ہے۔ اگلے رکوع میں جنت کی تعریف آرہی ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ﴾ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے ﴿یَنْصُرْكُمْ﴾ وہ تمھاری مدد کرے گا ﴿وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ اور ثابت رکھے گا تمھارے قدموں کو ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿فَتَعْسًا لَّهُمْ﴾ پس ہلاکت ہے ان کے لیے ﴿وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور ضائع کر دیا اس نے ان کے اعمال کو ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا﴾ اس وجہ سے کہ بے شک انھوں نے ناپسند کیا ﴿مَاۤ﴾ اس چیز کو ﴿اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ پس ضائع کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا﴾ کیا پس انھوں نے سیر نہیں کی ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَیَنْظُرُوْا﴾ پس دیکھتے ﴿كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ﴾ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ ہلاکت ڈالی اللہ تعالیٰ نے ان پر ﴿وَلِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا﴾ اور کافروں کے لیے ایسی ہی مثالیں ہیں ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ﴾ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کارساز ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ﴿وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور بے شک جو کافر ہیں ﴿لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿یَتَمَتَّعُوْنَ﴾ وہ فائدہ اُٹھاتے ہیں ﴿وَیَاْكُلُوْنَ﴾ اور کھاتے ہیں ﴿كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ جیسے جانور کھاتے ہیں ﴿وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ اور دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا ہے ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ﴾ اور کتنی ہی بستیاں ﴿هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً﴾ وہ زیادہ سخت تھیں قوت میں ﴿مِّنْ قَرْیَتِكَ﴾ آپ کی بستی سے ﴿الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ﴾ جس بستی والوں نے آپ کو نکالا ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کیا ﴿فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ پس ان کے

لیے کوئی مددگار نہیں ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ﴾ کیا پس وہ شخص جو ہے واضح دلیل پر ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿كَمَنْ﴾ اس کی طرح ہے ﴿زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ مزین کر دیا گیا اس کے لیے اس کا بُرا عمل ﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور انھوں نے پیروی کی خواہشات کی۔

ربط آیات

پہلی آیات میں کافروں کے ساتھ جہاد کا ذکر تھا کہ جب میدان جنگ میں ان کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں خوب مارو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا۔ لیکن یہ وعدہ مشروط ہے ایک شرط کے ساتھ۔ ارشاد ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ﴾ اگر تم مدد کرو گے اللہ تعالیٰ کی ﴿يَنْصُرْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد ہے۔ اور دین کی مدد کا مطلب ہے دین پر چلو، دین کو مانو اور قبول کرو۔ دین کو قبول کرنا اور دین پر چلنا یہ دین کی مدد ہے تو اگر تم دین پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا ﴿وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ اور ثابت رکھے گا تمھارے قدموں کو دشمن کے مقابلے میں۔ افراد کی قلت و کثرت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسلحہ کے تھوڑے زیادہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ بے شک تم تھوڑے ہو اور اسلحہ بھی تمھارے پاس تھوڑا ہے مگر تم دین پر چلنے والے ہو دین پر کاربند ہو تو اللہ تعالیٰ کا تمھارے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ تمھاری مدد کرے گا اور تم کامیاب ہو گے۔ اور جب دین پر چلنے میں کمی آئے گی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں ہوگی۔ اس پر قرآن پاک میں واقعات مذکور ہیں۔

غزوہ اُحد جو ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں پیش آیا سات سو مسلمانوں کا مقابلہ تین ہزار کافروں کے ساتھ تھا مسلمانوں کی کمان خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے۔ قیادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کا دستہ جبل رُماۃ پر کھڑا کیا اور فرمایا کہ تم نے اس مورچے سے نہیں ہلنا۔

لڑائی شروع ہوئی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ جبل رماۃ والے ساتھیوں سے غلطی ہوئی کہ گیارہ ساتھیوں کے سوا باقیوں نے مورچہ چھوڑ دیا جس سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے۔ باقیوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو زخمی نہ ہو کافی نقصان اٹھانا پڑا اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۵ پارہ ۴ میں ہے ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا﴾ "کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت تحقیق پہنچا چکے تھے تم اس سے دگنی ﴿قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا﴾ تم نے کہا یہ کہاں سے آئی؟ اے پیغمبر! ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ وہ تمھارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے۔" یہ نقصان تمھیں پیغمبر کی بات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اٹھانا پڑا ﴿وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آیت: ۱۵۲] "اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں وہ چیز دکھائی جسے تم پسند کرتے ہو۔" لیکن تم نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے حکم پر عمل نہ کیا جس کے نتیجے میں تمھیں نقصان اٹھانا پڑا۔

اورغزوہ حنین میں مسلمان بارہ ہزار تھے اور کافر چار ہزار تھے۔ کسی مسلمان کی زبان سے نکل گیا کہ آج تو ہم بہت زیادہ ہیں ہمیں شکست نہیں ہوگی۔ تم نے اپنی کثرت پر تعجب کیا اللہ تعالیٰ کی نصرت نے ساتھ نہ دیا تو تمھاری کثرت کام نہ آئی۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۲۵ پارہ ۱۰ میں ہے ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا﴾ "جب تمھیں تمھاری کثرت نے تعجب میں ڈالا پس نہ کفایت کی اس کثرت نے تم سے کچھ بھی ﴿وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ اور زمین تم پر تنگ ہوگئی باوجود کشادہ ہونے کے ﴿ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ﴾ پھر تم پھرے پشت پھیرتے ہوئے۔" جس مقام پر اللہ تعالیٰ کے ایک حکم میں بھی کمی آئے گی تو خدا کا وعدہ مدد کا پورا نہیں ہوگا۔

ایک سنت کے چھوٹنے کا نقصان

تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر نے قلعہ فسطاط کا محاصرہ کیا۔ مصر کا بادشاہ مقوقس مصر اور اس کے بڑے بڑے جرنیل اور مشیر وزیر بھی قلعہ میں موجود تھے۔ قلعہ بڑا مضبوط تھا دو مہینے گزر گئے فتح نہ ہوا۔ تھک کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حضرت! آٹھ ہزار فوج میرے پاس ہے ہم نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے مگر فتح نہیں ہو رہا کوئی طریقہ بتلائیں، دعا بھی فرمائیں اور ہو سکے تو مزید فوج بھی بھیجیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خط پڑھ کر رونے لگے اور فرمایا قَدْ تَرَكُوا سُنَّةً مِّنْ سُنَنِ النَّبِیِّ "ضرور تم سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوٹ گئی ہے۔" ورنہ فتح ہونے پر اتنی دیر نہیں لگنی تھی۔ فرمایا دعا بھی کرتا ہوں اور چار ہزار مزید فوج بھی بھیجتا ہوں۔ اب بارہ ہزار فوج ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بارہ ہزار مومن ہوں تو قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے کوئی اور وجہ ہو تو ہو۔ وہ چار ہزار فوج چار آدمی تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت خزرجی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ۔ یہ چار آدمی چار ہزار فوج پہنچی۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسواک کی سنت رہ گئی ہے۔ تو ایک سنت چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہ جانے کی وجہ سے امداد رک گئی۔

تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے دین پر چلو گے تو رب تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدموں کو ثابت رکھے گا ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿فَتَعْسًا لَّهُمْ﴾ پس ہلاکت ہے ان کے لیے ﴿وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ وہ چاہے مسجد حرام کی خدمت کریں، حاجیوں کو پانی پلائیں، صدقہ خیرات کریں، یتیموں کی نگہداشت کریں، بیوہ عورتوں کی نگرانی (دیکھ بھال) کریں۔ کتنے ہی اچھے کام کریں لیکن چونکہ ایمان نہیں ہے لہٰذا ان کے اعمال ضائع کر دیئے گئے۔ کیونکہ نیکی کے باقی رہنے کا مدار ایمان پر ہے۔ ایمان ہو تو پھر ذرہ برابر عمل بھی نجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

سیٹھی محمد یوسف صاحب مرحوم نے حفظ کے بڑے مدارس قائم کیے۔ وہ کہتے تھے کہ سندھ میں دو تین مقامات پر

ہمارے مدارس کا خرچہ ہندو دیتے ہیں۔ میں نے انھیں منع بھی کیا لیکن وہ ہندو کہنے لگے کہ نہیں ہمارے پاس مال ہے تم اپنے مدرس رکھو وہ پڑھائیں، حفاظ تیار کریں، قاری بنائیں پیسے ہم دیں گے۔ کتنی مدت تک وہ مدرسے ہندو چلاتے رہے۔ اب معلوم نہیں کہ کیا صورت حال ہے۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں

تو کافر بھی نیکیاں کرتے ہیں مگر وہ آخرت میں کام نہیں آئیں گی کیونکہ ایمان نہیں ہے۔ مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو رفاہِ عام کے کام جتنے کافر کرتے ہیں مسلمانوں کو اتنی توفیق نہیں ہے۔ پچھلے دنوں میں افریقہ کے سفر پر تھا کئی شہروں میں ساتھی مجھے لے گئے۔ صاف ستھرے شہر، سڑکیں صاف اور کسی سڑک پر پانی کا ایک قطرہ تک نظر نہ آیا۔ اور ہمارے شہروں کا یہ حال ہے کہ نہ کوئی سڑک صحیح ہے نہ گلی صحیح ہے۔ اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کسی راستے پر جائیں اور آپ کو راستے پر پانی کھڑا نہ ملے۔ وہ کافر ہیں اور ہم خیر سے مسلمان ہیں۔ ہم صرف اپنے گھروں کو بھرنا جانتے ہیں اور کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ کافروں کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال اللہ تعالیٰ نے اکارت کر دیئے ہیں۔ کیوں؟ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ یہ عمل ان کے اس وجہ سے اکارت ہوئے کہ بے شک انھوں نے ﴿كَرِهُوْا﴾ ناپسند کیا ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کو جو رب تعالیٰ نے نازل کی۔ قرآن پاک کی آیات۔ قرآن پاک کے بارے میں کہتے ہیں ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ [حم سجدہ: ۲۶] "اس قرآن کو نہ سنو اور شور مچاؤ۔" اور سورۃ الانعام آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ "اور وہ روکتے ہیں منع کرتے ہیں اس سے اور خود بھی دور ہوتے ہیں۔" یوں سمجھو کہ یہ قرآن مشرکوں کے لیے گولی ہے۔ حالانکہ یہ اتنی عظیم کتاب ہے کہ اس کا پڑھنا ثواب، اس کو ہاتھ لگانا ثواب، اس کو دیکھنا ثواب اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا زبانی پڑھنے کا بھی بڑا اجر ہے لیکن سامنے رکھ کر، دیکھ کر پڑھنے کا ثواب اور زیادہ ہے۔ کیونکہ جو زبانی پڑھے گا وہ نہ تو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ ہی حروف دیکھ سکے گا۔ اور جب قرآن سامنے ہوگا تو ہاتھ بھی لگے گا، حروف بھی نظر آئیں گے۔ تو زبان سے پڑھنا ثواب، ہاتھ لگانا ثواب، دیکھنا ثواب، مسلمان کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔

تو فرمایا یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے ناپسند کیا اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اکارت کر دیئے ان کے اعمال ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کیا پس انھوں نے سیر نہیں کی زمین میں، چلے پھرے نہیں زمین میں ﴿فَيَنْظُرُوْا﴾ پس دیکھ لیتے ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیسا ہوا انجام، کیا حشر ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ مکے والے تاجر پیشہ لوگ تھے۔ کبھی یمن جاتے تھے اور کبھی شام جاتے تھے۔ راستے میں کہیں لوط علیہ السلام کی تباہ شدہ بستیاں تھیں اور کہیں شعیب علیہ السلام کی اور کہیں قوم عاد اور قوم ثمود کی بستیاں تھیں اور قوم تبع کی۔ تو کیا یہ ان کے پاس سے نہیں گزرتے، ان کا حال نہیں دیکھتے ﴿دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ہلاکت ڈالی اللہ تعالیٰ نے ان پر ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا﴾ اور کافروں کے

لیے ایسی ہی مثالیں ہیں کہ کبھی غرق ہوں گے، کبھی زلزلے آئیں گے، کبھی سیلاب آئیں گے، کبھی کسی طرح کا عذاب اور کبھی کسی طرح کا عذاب مسلط ہوگا۔

اور مومنوں کی مدد کیوں کرے گا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ﴾ یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کارساز ہے، آقا ہے ایمان والوں کا ﴿وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ اور بے شک کافروں کا کوئی حقیقی آقا نہیں ہے۔ وہ ملک کے لیے لڑیں گے، پیسوں کے لیے لڑیں گے، ناک (اپنے وقار) کے لیے لڑیں گے اور مومن رب تعالیٰ کے واسطے لڑتے ہیں۔ قتل ہو گئے تو شہید بچ گئے تو غازی اور جنت کے وارث ہیں۔ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ وہ باغات کبھی اُجڑیں گے نہیں، ان کے پتے کبھی خشک نہیں ہوں گے، ان کے میوے کبھی ختم نہیں ہوں گے ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [الواقعہ: ۳۳، پارہ: ۲۷] "نہ وہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔" دانہ توڑیں گے فوراً دوسرا لگ جائے گا، کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔ ان باغات میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو داخل کرے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يَتَمَتَّعُوْنَ﴾ وہ فائدہ اٹھاتے ہیں دنیا کے ساز و سامان سے۔ انھیں آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے ﴿وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ اور وہ کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں، جانوروں کی طرح۔ جانوروں کے ساتھ کھانے میں تشبیہ ایک تو اس بات میں ہے کہ جیسے جانور کھانے میں حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے اسی طرح یہ بھی حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے۔ پھر یہ کہ جانور بے تحاشا کھاتے ہیں یہ بھی بے تحاشا کھاتے ہیں۔ اور جس طرح جانور کھڑے ہو کر کھاتے ہیں یہ بھی جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھاتے ہیں۔ جیسے جانوروں کے لیے چارا کھرلیوں میں بھرا جاتا ہے ان کے آگے بھی ویسی کھرلیاں بھری ہوئی ہیں۔ کوئی اِدھر کھاتا ہوا جا رہا ہے اور کوئی اُدھر جا رہا ہے۔

کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ممانعت

مسئلہ یاد رکھنا! نَهٰى رُسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا "آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔" سوائے دو قسم کے پانیوں سے۔ ایک آب زم زم کہ اس کو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے قبلہ کی طرف رخ کر کے پھر جہاں بھی تمھیں ملے اور یہ دعا پڑھ کر پیو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ. جتنے قطرے بھی تمھیں زم زم کے ملیں کھڑے ہو کر قبلہ رخ ہو کر پیو۔ اور دوسرا وہ پانی جس کے ساتھ تم نے وضو کیا ہے۔ وضو کرنے کے بعد جو پانی کوزے اور لوٹے میں بچا ہے اس کو کھڑے ہو کر پینا بھی مستحب ہے۔ ان دو پانیوں کے سوا بغیر مجبوری کے کھڑے ہو کر پینا منع ہے۔ بلکہ یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ اگر کسی نے کھڑے ہو کر پیا ہے تو فوراً قے کر دے فَلْيَسْتَقِئْ کے لفظ مسلم شریف میں ہیں۔

بعض مقامات پر گلاس زنجیر کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں اور زنجیر بھی چھوٹی ہوتی ہے بیٹھ کر نہیں پی سکتے تو یہ مجبوری ہے یا نیچے کیچڑ ہے ناپاک جگہ ہے بیٹھتے ہیں تو کپڑے ناپاک ہوتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مجبوری کے احکام علیحدہ ہیں۔ جس طرح کھڑے ہو کر پانی پینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اسی طرح کھڑے ہو کر کھانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا کیسا ہے؟ فرمایا نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔" پھر پوچھنے والے نے پوچھا حضرت! یہ بتلائیں کہ کھڑے ہو کر کھانا کیسا ہے؟ تو مسلم شریف کی روایت میں ہے ذٰلِكَ اَشَرُّ "یہ تو بہت ہی بُرا ہے۔" اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے ذٰلِكَ اَشَدُّ "یہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

اور مجمع الزوائد میں جو حدیث ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ عَنِ الْاَكْلِ وَ الشُّرْبِ قَائِمًا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ مسلمان کھڑے ہو کر کھائیں یا پئیں۔" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت پہلے لوگوں کی نقالی کرے گی ایک ایک چیز اور ایک ایک رسم میں۔ کھڑے ہو کر کھانا غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔

ہمارے ہاں بھی بعض لوگ شادیوں میں کھڑے ہو کر کھاتے ہیں۔ تین چار تقاریب میں جانے کا اتفاق ہوا ہے جہاں کھڑے ہو کر کھانے کا انتظام تھا۔ ایک مقام پر تو انھوں نے مجھے کھلی جگہ پر چادر بچھا کر دے دی اور ایک جگہ پر مجبوراً میرے لیے کرسی لائے۔ سامنے میز رکھا کھڑے ہو کر نہیں کھایا۔ اور ایک جگہ سے میں واپس آ گیا پیچھے بھاگتے رہے، معافیاں مانگتے رہے۔ میں نے کہا بھئی! میں نے کھانا نہیں کھانا۔ تو کھڑے ہو کر کھانا کافروں کی رسم ہے اس سے بچو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کرو۔ اور جانوروں کی طرح کھانے میں ایک تشبیہ اس بات میں بھی ہے کہ جیسے جانور کھا کر غافل ہو جاتا ہے یہ بھی کھا کر غافل ہو جاتے ہیں کھلانے والے کی طرف توجہ ہی نہیں ہے۔ ﴿وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ اور دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مکے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور کتنی ہی بستیاں تھیں ﴿هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ﴾ وہ زیادہ سخت تھیں قوت کے لحاظ سے آپ کی بستی سے ﴿الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ﴾ جس بستی کے رہنے والوں نے آپ کو نکالا ہے۔ بہت سی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے زیادہ طاقت ور تھے اس بستی کے رہنے والوں سے جنھوں نے آپ کو نکالا ہے یعنی مکہ مکرمہ والوں سے۔ اصل بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے رہنے والوں نے اتفاق کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے کا۔ آدمی مقرر ہو گئے، رات مقرر ہو گئی، وقت طے ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا اور عین نکلنے کے وقت ان پر نیند مسلط کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازہ کھول کر تشریف لے گئے بلکہ سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے نکلے۔ بھئی! جسے رب رکھے اسے کون چکھے۔ اصل مقصد تو ان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا پروگرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکلنے کا سبب بنا۔

تو فرمایا جس بستی والوں نے آپ کو نکالا ہے اس سے زیادہ طاقتور تھیں وہ بستیاں ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کر

دیا ﴿فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ پس ان کے لیے کوئی مددگار نہیں کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ مکے والوں کی بھی ہلاکت ایسے ہی ہوئی کہ جو آپ کے قتل کا مشورہ کرنے والے تھے سب کے سب بدر میں مارے گئے۔ فرمایا ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیا پس وہ شخص جو واضح دلیل پر ہے اپنے رب کی طرف سے۔ مومن اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہے۔ قرآن پاک سے بڑی کوئی دلیل نہیں ہے اور اسلام سے زیادہ سچا مذہب کوئی نہیں ہے۔ یہ جو واضح دلیل پر ہے ﴿كَمَنْ﴾ اس شخص کی طرح ہو جائے گا ﴿زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ جس کے لیے مزین کر دیا گیا اس کا بُرا عمل۔ شیطان نے اس کے لیے بُرا عمل مزین کیا ہے اور وہ بُرے کاموں میں لگا ہوا ہے، بُرے عقائد میں ہے۔

کیا جو واضح دلیل پر ہے اپنے رب کی طرف سے وہ اور یہ برابر ہوں گے جن کے لیے شیطان نے بُرے عمل مزین کیے ہیں ﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور انھوں نے پیروی کی خواہشات کی۔ یہ اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور وہ اپنے رب کے مطیع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے فرماں بردار ہیں جب کہ یہ اپنے نفس کے پیروکار ہیں۔ کیا یہ آپس میں برابر ہو جائیں گے؟ حاشا وکلا نیکی، بدی، ایمان، کفر، توحید اور شرک، سنت و بدعت، حق اور باطل، سچ اور جھوٹ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ تو پھر نتیجہ کیسے برابر ہو سکتا ہے۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ﴾ مثال اس جنت کی ﴿وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیز گاروں کے ساتھ ﴿فِيْهَآ اَنْهٰرٌ﴾ اس میں نہریں ہیں ﴿مِّنْ مَّآءٍ﴾ ایسے پانی کی ﴿غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ جو بدبودار نہیں ہوگا ﴿وَاَنْهٰرٌ﴾ اور نہریں ہیں ﴿مِّنْ لَّبَنٍ﴾ ایسے دودھ کی ﴿لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ﴾ جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوگا ﴿وَاَنْهٰرٌ﴾ اور نہریں ہیں ﴿مِّنْ خَمْرٍ﴾ ایسی شراب کی ﴿لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ جو لذت دینے والی ہے پینے والوں کو ﴿وَاَنْهٰرٌ﴾ اور نہریں ہیں ﴿مِّنْ عَسَلٍ﴾ ایسے شہد کی ﴿مُّصَفًّى﴾ جو صاف کیا ہوا ہے ﴿وَلَهُمْ فِيْهَا﴾ اور ان کے لیے ان بہشتوں میں ﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ہر قسم کے پھل ہیں ﴿وَمَغْفِرَةٌ﴾ اور بخشش ہے ﴿مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ﴾ کیا یہ برابر ہوں گے اس کے جو ہمیشہ رہنے والا ہوگا آگ میں ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا﴾ اور پلایا جائے گا ان کو پانی کھولتا ہوا ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ پس وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ﴾ اور بعضے ان میں سے وہ ہیں ﴿يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ جو کان لگا کے رکھتے ہیں آپ کی طرف ﴿حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا﴾ یہاں تک کہ جب وہ نکلتے ہیں ﴿مِنْ عِنْدِكَ﴾ آپ کے پاس سے ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ان لوگوں کو جن کو علم دیا گیا ہے ﴿مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ اس شخص نے ابھی کیا کہا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

﴿قُلُوْبِهِمْ﴾ مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور انھوں نے پیروی کی اپنی خواہشات کی ﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ﴿زَادَهُمْ هُدًى﴾ زیادہ کر دیتا ہے ان کے لیے ہدایت ﴿وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ اور دیا ان کو تقویٰ ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ﴾ پس نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر قیامت کا ﴿اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ کہ آئے گی ان پر اچانک ﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا﴾ پس تحقیق آچکی ہیں اس کی نشانیاں ﴿فَاَنّٰى لَهُمْ﴾ پس کہاں ہوگا ان کے لیے ﴿اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾ جب آئے گی ان کے پاس ان کی نصیحت ﴿فَاعْلَمْ﴾ پس آپ جان لیں ﴿اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ بے شک نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ اور بخشش طلب کر اپنی لغزشوں کے لیے ﴿وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ایمان والے مردوں کے لیے ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور ایمان والی عورتوں کے لیے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مُتَقَلَّبَكُمْ﴾ تمھارے پلٹنے کو ﴿وَمَثْوٰىكُمْ﴾ اور تمھارے ٹھکانے کو۔

ربطِ آیات

کل کے سبق کی آخری آیت کریمہ میں تھا کہ جو شخص کھلی دلیل پر ہو اپنے رب کی طرف سے کیا یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس کے لیے بُرے عمل کو مزین کر دیا گیا اور وہ اپنی خواہشات پر چلتے ہیں۔ تو پھر ان کی آخرت بھی برابر نہیں ہو سکتی۔ قرآن کا اتباع کرنے والے جنت میں جائیں گے اور خواہشات کی پیروی کر کے بُرے عمل کرنے والے دوزخ میں جائیں گے۔ تو متقیوں کو جو جنت ملنی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرمائی ہے۔

فرمایا ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ اس جنت کی مثال جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیز گاروں سے۔ متقی وہ ہیں جو کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ ان کے لیے جنت ایسی ہوگی کہ ﴿فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ اس میں نہریں ہوں گی ایسے پانی کی جو بدبودار نہیں ہوگا کبھی خراب نہیں ہوگا۔ ”اٰسِن“ ایسے پانی کو کہتے ہیں جو تالاب میں دیر تک رکا رہے اور اس میں تعفن پیدا ہو جائے۔ جنت کا پانی ہر قسم کی بدبو اور تعفن سے پاک ہوگا۔

جنت کی دوسری نعمت اور صفت: ﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ﴾ اور نہریں ہیں دودھ کی ﴿لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ﴾ جس کا مزہ، ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ دنیا کا دودھ کچھ عرصہ پڑا رہے تو خراب ہو کر بدمزہ ہو جاتا ہے مگر جنت کا دودھ کبھی خراب نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا ذائقہ تبدیل ہوگا۔ اس کے علاوہ فرمایا ﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ اور وہاں شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔ دنیا کی شراب تو بدذائقہ اور پینے والوں کو مدہوش کر دیتی ہے مگر جنت کی شراب ہر نقص سے پاک اور ذائقہ دار ہوگی جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اس کے پینے سے نشہ آئے گا اور نہ ہی کوئی اور خرابی پیدا ہوگی۔

اورنعمت: فرمایا﴿وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾ اور ایسے شہد کی نہریں ہوں گی جو صاف کیا ہوا ہوگا۔ اس میں موم وغیرہ کوئی شئے نہیں ہوگی۔ پھر یہ ساری نہریں آبادی سے دور جنگلات میں نہیں ہوں گی بلکہ ہر جنتی کے دروازے کے سامنے سے گزر رہی ہوں گی۔ یہ پینے والی چیزوں کا ذکر تھا، کھانے کے لیے بھی ہر چیز وہاں موجود ہوگی۔ فرمایا﴿وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ اور ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ جب جنتی کسی پھل کے کھانے کا ارادہ کرے گا اس درخت کی ٹہنی خود بخود جھک کر جنتی کے سامنے آجائے گی پھر جب وہ پھل توڑ کے کھائے گا فوراً اس جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا یہ تو جنتی کے کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر تھا۔ اس سے بڑی نعمت یہ ہوگی ﴿وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ اور بخشش ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ دنیا میں اچھے لوگوں سے بھی بعض اوقات کوتاہیاں ہوجاتی ہیں اللہ تعالیٰ سب کو معاف کردے گا۔ تو کیا جو شخص ان نعمتوں میں ہوگا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے ﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ﴾ جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والا ہوگا۔ کافر مشرک کے لیے دائمی دوزخ ہے پھر جب دوزخ میں ان کو پیاس ستائے گی اور پانی مانگیں گے۔ فرمایا﴿وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا﴾ اور پلایا جائے گا ان کو پانی کھولتا ہوا۔ جونہی وہ پانی دوزخی کے حلق سے نیچے اترے گا﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ پس کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو۔ آنتیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی پھر اصل حالت پر آجائیں گی، پھر پئیں گے پھر آنتیں کٹ جائیں گی اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور کفر، شرک اور برے اعمال سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور دوزخیوں کا حال بیان کردیا ہے تاکہ لوگ اس میں غور وفکر کر کے اپنے لیے صحیح مقام تلاش کریں۔

منافقین کا تذکرہ

اس سے پہلے مومنوں اور کھلے کافروں کا ذکر تھا اب منافقوں کا ذکر ہے۔ یہ بھی کافر ہیں بلکہ یہ کھلے کافروں سے زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ ظاہری طور پر یہ کلمہ پڑھتے ہیں اور دل سے کافر ہوتے ہیں ان سے نقصان کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ فرمایا ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ اور ان مخالفین میں سے بعضے وہ ہیں جو کان لگا کے رکھتے ہیں آپ کی طرف تاکہ وہ یہ تاثر دیں کہ وہ آپ کی بات کو کان لگا کر سن رہے ہیں ﴿حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اُٹھ کر آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ان لوگوں کو جن کو علم دیا گیا۔ صاحب علم لوگوں سے پوچھتے ہیں ﴿مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ اس شخص نے ابھی کیا کہا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی کیا کہا ہے؟ اس کا ایک مطلب یہ ہے جیسا کہ تفسیر کبیر اور قرطبی وغیرہ میں ہے کہ ہمیں تو کوئی دلچسپی نہیں تھی ان کی باتوں سے تم ہی بتاؤ اس نے کیا کہا ہے۔ تو اپنی بے رغبتی اور بے شوقی کا اظہار کرتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ لوگ اس کی باتوں کو سمجھے ہیں یا نہیں اور سمجھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں سے کیا اثر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ان کے اندرونی دشمنوں سے آگاہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان کی مذمت بیان فرمائی ہے بلکہ منافقوں کے نام سے ایک مستقل سورۃ نازل فرمائی ہے اور ان کے برے انجام کو ذکر کیا ہے۔

فرمایا﴿اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کہ ان کے دلوں میں کوئی اچھی بات داخل ہی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے نیکی کی توفیق سلب کر لی ہے۔ کیونکہ وہ راہ راست پر آنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں اور انھوں نے کفر کو پسند کر لیا ہے اور اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں ﴿وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور پیروی کی انھوں نے اپنی خواہشات کی۔ وہ اپنی خواہشات پر ہی چلتے ہیں اصل دین کے بجائے کفر، شرک، بدعات، رسومات اور رواج ہی کا اتباع کرتے ہیں

اس کے برخلاف ﴿وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے اور گمراہ ہونے سے ان کو بچاتا ہے ﴿وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ وہ کفر، شرک اور بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور معمولی گناہوں کے بھی قریب نہیں جاتے۔ وہ دنیا کی آلائشوں سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ان کو کفر، شرک، بدعات اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے وہ رسم و رواج کے قریب نہیں جاتے۔ یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

اور جو لوگ گمراہ ہیں قرآنی پروگرام کا انکار کرتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً﴾ پس یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر قیامت کا کہ آجائے ان کے پاس اچانک۔ مطلب یہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد دلائل کے ساتھ اس کو قبول نہ کرنا گویا قیامت کا انتظار کرنا ہے تاکہ حق اور باطل کے درمیان عملی فیصلہ ہو جائے۔ تو فرمایا کہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اچانک آجائے اور قیامت اچانک ہی آئے گی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی لقمہ سالن کے ساتھ لگا کر اٹھائے گا منہ میں ڈالنے کے لیے، منہ میں ڈال نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک آدمی جانور بیچے گا لینے والا پیسے دینے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا اور بیچنے والا پیسے لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا وہ دے نہیں سکے گا اور یہ لے نہیں سکے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔

علامات قیامت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کو قیامت میں شک ہے ﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا﴾ پس تحقیق آچکی ہیں اس کی نشانیاں۔ قیامت کی سب سے بڑی نشانی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنا ہے۔ آپ کے تشریف لانے کے بعد تخلیق کائنات کا مقصد پورا ہو چکا اب قیامت ہی باقی ہے۔ قرآن کریم کا نازل ہونا بھی قیامت کی نشانی ہے اور معجزہ شق القمر بھی قیامت کی نشانی ہے جس کو مکے والوں نے آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [پارہ:۲۷] "قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہادت والی انگلی اور درمیان والی انگلی اکٹھی کر کے فرمایا کَهَاتَیْنِ "مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں اکٹھی ہیں۔" البتہ درمیان والی انگلی شہادت والی انگلی سے ذرا آگے نکلی ہوئی ہے اس طرح میں قیامت سے ذرا آگے آگیا ہوں میرے پیچھے اب قیامت ہی آنے والی ہے۔ تو قیامت کی بعض

نشانیاں تو آچکی ہیں اور بعض بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہونا باقی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ "جب معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔" قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے دجال کا ظاہر ہونا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا اور سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ پھر جب یہ نشانیاں ظاہر ہوں گی تو پھر ایمان لانا مفید نہیں ہوگا توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

تو فرمایا تحقیق اس کی نشانیاں آچکی ہیں ﴿فَاَنّٰی لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾ پس کہاں ہوگا ان کے لیے جب قیامت آجائے گی ان کے پاس نصیحت کا پکڑنا۔ جب قیامت برپا ہوگئی تو ان کو نصیحت پکڑنے کا موقع کہاں ملے گا؟ اس وقت تو توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنی پروگرام کا ذکر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے نازل کرنے اور پیغمبر کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے افعال میں کوئی شریک ہے۔ فرمایا ﴿فَاعْلَمْ﴾ پس جان لو اور اس حقیقت کو ذہن میں بٹھا لو ﴿اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس نہیں ہے، کوئی دست گیر اور بگڑی بنانے والا نہیں ہے۔ خالق، مالک، علیم کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ آگے فرمایا ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ اور بخشش طلب کریں اپنی لغزشوں کی ﴿وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی بخشش کا سوال کریں۔

انبیائے کرام علیہم السلام تمام صغیرہ، کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں یہاں ذنب سے مراد لغزش ہے۔ چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا مرتبہ اور مقام بہت بلند ہوتا ہے اس لیے ان کی معمولی لغزش پر بھی اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں دن میں سو سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمت کے لیے بھی استغفار کرتے تھے۔ فرمایا ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمھارے پلٹنے کی جگہ کو اور تمھارے ٹھکانے کو۔ ﴿مُتَقَلَّبَكُمْ﴾ اور ﴿مَثْوٰىكُمْ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ متقلّب سے باپ کی پیٹھ مراد ہے اور مثویٰ سے ماں کا رحم مراد ہے اور یہ معنٰی بھی کرتے ہیں کہ متقلّب سے مراد ماں کا رحم ہے اور مثویٰ سے مراد زمین ہے۔ اور ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ متقلّب سے مراد زمین ہے جس پر تم پھرتے ہو اور مثویٰ سے مراد قبر ہے جس میں تم جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے اور کفر، شرک، بدعات اور رسومات سے حفاظت فرمائے اور بچائے۔ [آمین]

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ﴾ کیوں نہیں اُتاری گئی کوئی سورت ﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ پس جس وقت اُتاری جاتی ہے کوئی سورت اٹل ﴿وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ﴾ اور ذکر کیا جاتا ہے اس میں لڑنے کا ﴿رَاَيْتَ الَّذِيْنَ﴾ دیکھتے ہیں آپ ان لوگوں کو ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے ﴿يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ﴾ وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف ﴿نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ﴾ جیسے دیکھتا ہے وہ شخص جس پر غشی طاری ہو ﴿مِنَ الْمَوْتِ﴾ موت کی ﴿فَاَوْلٰى لَهُمْ﴾ پس ہلاکت ہے ان کے لیے ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ ان کی اطاعت ہے اور قول معلوم ہے یعنی دستور کے مطابق ہے ﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ﴾ پس جب پختہ ہو جائے معاملہ ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ﴾ پس اگر وہ سچ کر دکھائیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ البتہ ان کے لیے بہتر ہوتا ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾ پس تحقیق توقع ہے تم سے ﴿اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ اگر تم حاکم بن گئے ﴿اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کہ تم فساد مچاؤ گے زمین میں ﴿وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ اور قطع رحمی کرو گے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر ﴿فَاَصَمَّهُمْ﴾ پس ان کو بہرہ کر دیا ﴿وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾ اور اندھا کر دیا ان کی آنکھوں کو ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن پاک میں ﴿اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ﴾ جو پھر گئے اپنی پشتوں پر ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾ بعد اس کے کہ واضح ہوگئی ہدایت ان کے سامنے ﴿الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ﴾ شیطان نے ان کو فریب کر دیا ﴿وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ اور مہلت دی ہے ان کو۔

حکم جہاد

یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور اس کے نازل ہونے کے وقت تک جہاد کا حکم نہیں تھا۔ جہاد کا حکم بعد میں ملا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہار نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رہے۔ ان تیرہ سالوں میں کافروں نے ظلم کی انتہاء کی۔ کئی صحابی شہید کر دیئے گئے جیسے حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور دوسروں پر بڑے ظلم کیے۔ اس پر مومن بھی لڑنے کی اجازت مانگتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ [النساء: ۷۷] "اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔" مکہ مکرمہ میں جہاد کا حکم ہوتا تو عالم الاسباب میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی کافر ان کو ختم کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو جانتا ہے۔ حکمت کے تحت مکہ مکرمہ میں جہاد کا حکم نہیں دیا۔ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے مگر کافروں نے پیچھا پھر بھی نہ چھوڑا۔ مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک چراگاہ تھی۔ اس میں بیت المال کے اونٹ جو لوگ

زکوٰۃ میں دیتے تھے، چر رہے تھے۔ کرز بن جابر فہری کافر کا بڑا خاندان تھا، وہ آیا اور نگران چرواہے کو قتل کر کے بیت المال کے اُونٹ لے کر چلا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے پروردگار! ہمیں بھی جہاد کی اجازت مل جائے کہ کافروں نے یہاں بھی ہمارا تعاقب نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے متعلق آیتیں نازل فرمائیں ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾ [الحج: ۳۹] "اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے ساتھ کافر لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر البتہ قدرت رکھتا ہے۔" اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ﴿لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی کوئی سورت جس میں جہاد کا حکم ہو ﴿فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ پس جس وقت اتاری گئی سورت محکم اور اٹل ﴿وَّ ذُكِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ﴾ اور ذکر کیا گیا اس میں لڑنے کا، جہاد کا۔ یہ سورۃ حج والی آیت کریمہ ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾ یہ ابتدائی آیت کریمہ ہے جس میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے جس سے تمھیں جہاد کا حق مل گیا۔ جس وقت جہاد کا حکم سنا ﴿رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے منافقت کی ﴿یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ﴾ وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف ﴿نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ جیسے دیکھتا ہے وہ شخص جس پر غشی طاری ہو موت کی کہ آنکھ کھلی رہتی ہے۔ ایسے ہی منافقت کے مرض والے دیکھتے ہیں کہ اب کیا کریں گے جہاد کا حکم آ گیا ہے اور ہم نے تو کرنا نہیں ہے۔ مکہ مکرمہ میں تو منافق تھے نہیں۔ یا تو خالص کافر تھے یا خالص مومن تھے، درمیان والا طبقہ نہیں تھا۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو منافقین کا طبقہ پیدا ہوا۔ یہ اصل میں یہودی تھے ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ نمازیں آپ کے ساتھ پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، اندر سے شرارتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ بعض ایسے مکار تھے کہ آخر تک انھوں نے اپنے نفاق کا پتا نہیں چلنے دیا۔

منافقین کے احوال

قرآن پاک کی نزول کے اعتبار سے آخری سورۃ میں ہے ﴿وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [توبہ: ۱۰۱] "مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو منافقت پر ڈٹے ہوئے ہیں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔" بلکہ بعض اوقات ان کی ظاہری باتوں میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی امداد بھی کی ان کے ساتھ تعاون بھی کیا۔ چنانچہ ایک غزوہ میں چند منافق بھی شریک تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف باتیں کیں، اسلام کے خلاف باتیں کیں۔ سورۃ المنافقون میں ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا ﴿لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ [المنافقون: ۸] "ضرور نکالے گا عزت والا اس میں سے ذلت والوں کو۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذل (زیادہ ذلیل) سے تعبیر کیا (معاذ اللہ تعالیٰ) کہنے لگے غلطی ہماری ہے کہ ہم نے ان کو مکان دیئے، چندے دیئے، جس وقت آئے تھے اس وقت ان کو جگہ ہی نہیں دینی چاہیے تھی۔ اس قسم کی بڑی واہی تباہی کی باتیں کیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نوجوان صحابی تھے۔ انھوں نے ان کی یہ باتیں سنیں۔ پہلے تو خیال

ہوا کہ میں خود ان پر ٹوٹ پڑوں ان کو ماردوں یا مارا جاؤں۔ پھر فیصلہ کیا کہ آنحضرت ﷺ خود موجود ہیں مجھے خود کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔ ساری رات بے چارے پریشان رہے صبح ہوئی تو ان کی باتیں آپ ﷺ تک پہنچائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا ان سے پوچھا کہ تم نے یہ باتیں کی ہیں؟ منافقوں نے قسمیں اٹھائیں اور کہا توبہ توبہ ہماری زبانیں نہ جل جائیں اگر یہ باتیں کی ہوں ہمارے تو فرشتوں کو بھی ان باتوں کا علم نہیں ہے۔ ایسی پختہ قسمیں اٹھائیں کہ آنحضرت ﷺ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ٹوکا اور فرمایا خواہ مخواہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔

بخاری شریف میں الفاظ ہیں وَ صَدَّقَهُمْ وَ كَذَّبَنِيْ "آپ ﷺ نے ان کی تصدیق کی اور مجھے جھٹلایا۔" کہ ان شریف آدمیوں کے خلاف ایسی باتیں کرتے ہو کہ جن کا کوئی وجود ہی نہیں۔ جب مجلس سے اٹھے تو فرماتے ہیں کہ میرے چچے نے مجھے خوب دبایا اور یہ کہا کہ اب تجھے سچا کون کہے گا آنحضرت ﷺ نے اپنی پاک زبان سے تجھے جھوٹا کہہ دیا ہے نادان ایسی حرکت کیوں کی ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں پریشان خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں دھنس جاؤں۔ تھوڑی دیر گزری تو آنحضرت ﷺ کا قاصد آیا اور کہا: يَا زَيْدُ بن ارقم اَجِبْ رسول الله ﷺ۔ "تجھے آنحضرت ﷺ بلا رہے ہیں۔" فرماتے ہیں کہ میں کانپ گیا کہ مجھے جھوٹا فرمایا ہے اب مجھے درے لگیں گے، کوڑے مارنے ہوں گے۔ مخلص صحابی تھے حاضر ہوئے آپ ﷺ نے سورہ منافقون پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ زید بن ارقم تم سچے ہو اور منافق جھوٹے ہیں اِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَ يَا زَيْدُ "بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق کر دی ہے اے زید!" ﴿وَاللهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔" مطلب یہ کہ آپ کبھی ان کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے ان کی امداد بھی کر دیتے تھے کہ وہ منافقت ظاہر ہی نہیں ہونے دیتے تھے۔

تو فرمایا دیکھتے ہیں آپ کی طرف جیسے دیکھتا ہے وہ شخص جس پر غشی طاری ہو موت کی ﴿فَاَوْلٰى لَهُمْ﴾ پس ہلاکت ہے ان کے لیے، ان کے لیے بربادی ہے۔ اَولیٰ کے معنیٰ ہیں ہلاکت ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ ان کی اطاعت اور ان کی بات ہمیں معلوم ہے۔ زبانی طور پر بڑھ چڑھ کر کہتے ہیں حضرت! آپ حکم فرمائیں ہم عمل کے لیے تیار ہیں اپنا اعتماد دلانے کے لیے باتیں کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کی اطاعت بھی معلوم ہے اور ان کی باتیں بھی معلوم ہیں ہم سے کون سی چیز چھپی ہوئی ہے۔ ہم جانتے ہیں وہ کیا کچھ کرتے ہیں ﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ﴾ پس جس وقت پختہ ہو جائے معاملہ جہاد کا۔ جہاد کی بالکل تیاری ہو ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ﴾ پس اگر سچ کر دکھائیں اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ البتہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ پہلے بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں کہ جہاد ہوا تو ہم جانیں پیش کریں گے، مال پیش کریں گے، عین موقع پر بہانے بنا کر بھاگ جاتے ہیں۔

سورۃ تو یہ میں مذکور ہے غزوہ تبوک کا بڑا سفر تھا بڑی گرمی کا موسم تھا، فصلیں پکی ہوئی تھیں، رومیوں کے ساتھ مقابلہ تھا۔ بعض منافقوں نے تو حیلے بہانے بنا کر آپ ﷺ سے اجازت لے لی۔ کسی نے کہا حضرت! میری ماں بہت بیمار ہے،

قریب المرگ ہے اگر میں چلا گیا تو اس کو کون دفنائے گا؟ کسی نے کہا حضرت! میرا خادم بھاگ گیا ہے جبکہ اس کو خود بھگا دیا۔ وہ ہوتا تو جانوروں کو کھولتا، باندھتا، پانی پلاتا، یہ بے زبان جانور بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔ کسی نے کہا حضرت! میرے گھر میں اور کوئی آدمی نہیں ہے کھیتی پکی ہوئی ہے کھجوریں، گندم، جو وغیرہ پکے ہوئے ہیں، سب ضائع ہو جائیں گے۔ حالانکہ متبادل انتظام ہو سکتا تھا مگر بہانے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر اجازت لیتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ "اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر کرے ﴿لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی؟ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ [توبہ: ۴۳] یہاں تک کہ واضح ہو جائے آپ کے لیے وہ لوگ جو سچ کہنے والے ہیں اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔"

آگے فرمایا کہ اگر انھوں نے جانا ہوتا تو تیاری نہ کرتے، انھوں نے جانا تو تھا نہیں بہانے بنا کر اجازت لے لی۔ اور بعض منافق وہ تھے جنھوں نے اجازت لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ انھوں نے کون سا بچ کر واپس آنا ہے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمع ساتھیوں کے صحیح سالم واپس تشریف لے آئے سوائے دو ساتھیوں کے کہ وہ راستے میں فوت ہو گئے باقی ساری فوج جن کی تعداد چالیس ہزار بھی لکھی ہے اور ستر ہزار بھی لکھی ہے سب صحیح سالم واپس آ گئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرما دیا کہ اب یہ لوگ معذرت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ [التوبہ: ۹۴] "یہ منافق لوگ بہانے کریں گے تمھارے سامنے جب تم واپس لوٹو گے۔" لیکن آپ نے ان کے بہانے تسلیم نہیں کرنے یہ منافق بڑے ہوشیار اور چالاک لوگ تھے۔

تو فرمایا کہ لڑائی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ سچا کر دکھائیں تو البتہ ان کے لیے بہتر ہے ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾۔ ھل کا معنیٰ کرتے ہیں قد کا بمعنیٰ تحقیق۔ پس تحقیق تم سے یہی توقع ہے ﴿اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ اگر تم کو حکمرانی مل گئی تو تم سے یہ توقع ہے ﴿اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ کہ تم فساد مچاؤ گے زمین میں ﴿وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ اور قطع رحمی کرو گے۔ تم سے اسی چیز کی توقع ہے۔ آج سب کچھ تمھارے سامنے ہے تم دیکھ رہے ہو۔ ماں بیٹی کا اختلاف ہے، بہن بھائی کا جھگڑا ہے، اقتدار کی خاطر قطع رحمیاں ہوتی ہیں۔

عراق کے صدر صدام حسین نے اپنے سالے کو (جو اس کا چچازاد بھائی بھی تھا) اس لیے برطرف کر دیا کہ وہ اس کو گھورتا تھا۔ بیٹے بیٹیوں نے اختلاف کیا تو ان کو ایک طرف کر دیا۔ اب اس سے بڑی قطع رحمی اور کیا ہوگی کہ باپ بیٹے کی نہیں بنتی، بہن بھائی کی نہیں بنتی، ماں بیٹی کی نہیں بنتی۔ ملک میں یہی کچھ ہو رہا ہے کہ جس کے مخالف ہوئے اس کو نکال دیا اور جس سے خوش ہوئے اس کو وزیر بنا دیا۔ اس سے بڑا فساد دنیا میں کیا ہے۔

تو فرمایا پس تحقیق تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل گئی تو تم زمین میں فساد مچاؤ گے۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پس تحقیق اگر تم روگردانی کرو گے ایمان سے یعنی ایمان نہ لائے تو تم سے یہی توقع ہے کہ تم زمین میں

فساد مچاؤ گے اور قطع رحمی کرو گے۔ فساد فی الارض اور قطع رحمی سے بچانے والی چیز صرف ایمان ہے۔ فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ﴿فَاَصَمَّهُمْ﴾ پس ان کو بہرہ کر دیا ہے ﴿وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾ اور اندھا کر دیا ہے ان کی آنکھوں کو۔ آج دیکھو! مزدور طبقہ رو رہا ہے نہ ان کی کوئی بات سننے کے لیے تیار ہے اور نہ ان کی حالت دیکھنے کے لیے کوئی تیار ہے۔ یہ قابل رحم طبقہ ہے۔ ویسے بھی حق کی بات سننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے، حق کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کان ہیں سنتے نہیں ہیں، آنکھیں ہیں دیکھتے نہیں ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے اور بخاری شریف میں بھی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اَنْ تَرَى الصُّمَّ الْبُكْمَ عمی الْمُلُوك او كما قال عليه الصلوة والسلام۔ "کہ تم بہروں، گونگوں اور اندھوں کو بادشاہ دیکھو گے۔" بہرے، گونگے، اندھے بادشاہ ہوں گے۔ آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے جب مشکوٰۃ شریف پڑھ رہے تھے کہ یہ حدیث سامنے آئی تو ہم نے استاذ محترم مولانا عبدالقدیر صاحب سے پوچھا کہ حضرت! اس وقت آنکھوں والے نہیں ہوں گے، سننے والے نہیں ہوں گے، زبان والے نہیں ہوں گے کہ بہرے، گونگے، اندھے بادشاہ بنیں گے؟ تو حضرت استاذ محترم نے فرمایا میاں! (یہ ان کا تکیہ کلام تھا) آنکھیں بھی ہوں گی، کان بھی ہوں گے، زبانیں بھی ہوں گی لیکن حق کی چیزوں کو دیکھیں گے نہیں، مظلوموں کی فریاد نہیں سنیں گے، حق کی بات نہیں کریں گے۔ کئی کئی گھنٹے تقریر کریں گے مگر اس میں حق کی بات ایک بھی نہیں ہوگی۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے پس ان کو بہرہ کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ کیا پس وہ غور نہیں کرتے قرآن پاک میں کہ ان کا نفاق دور ہو جائے، ان کی ریاکاری ختم ہو جائے ﴿اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ اَقْفَالٌ قُفْلٌ کی جمع ہے۔ قُفْلٌ کا معنیٰ ہے تالا۔ معنیٰ ہوگا یا ان کے دلوں پر تالے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں ورنہ قرآن کریم پڑھنے اور سمجھنے والا تمام خرابیوں اور بدنامیوں سے بچتا ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ﴾ جو پھر گئے اپنی پشتوں پر ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾ بعد اس کے کہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہو چکی کہ قرآن پاک ان کے سامنے ہے، آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ان کے سامنے ہے، کھری کھوٹی بات کو سمجھتے ہیں پھر بھی حق کی طرف پشت پھیرتے ہیں۔ کیوں؟ ﴿الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ﴾ شیطان نے ان کو قریب کر دیا ہے۔ ان کی بدکاری کو ان کے لیے مزین کیا ہے۔ شیطان کے چیلے اس کی اطاعت کرتے ہیں ﴿وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ اور شیطان ان کو مہلت دیتا ہے کہ خیر سلا کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہے۔ یہ سب شیطان کے چیلے ہیں جو قرآن کو نہ سمجھنا چاہتے ہیں نہ ماننا چاہتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا﴾ یہ اس وجہ سے کہ کہا انھوں نے ﴿لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے ناپسند کیا ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿نَزَّلَ اللّٰهُ﴾ جس کو نازل کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ﴾ بتاکید ہم تمھاری اطاعت کریں گے بعض معاملات میں ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے پوشیدہ مشوروں کو ﴿فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ پس کیسے ہوگا جب جان نکالیں گے ان کی فرشتے ﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ﴾ ماریں گے ان کے چہروں پر ﴿وَاَدْبَارَهُمْ﴾ اور ان کی پشتوں پر ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ﴾ یہ اس وجہ سے کہ ﴿اتَّبَعُوْا﴾ انھوں نے پیروی کی ﴿مَآ﴾ اس چیز کی ﴿اَسْخَطَ اللّٰهَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتی ہے ﴿وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾ اور ناپسند کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اکارت کر دیا ان کے اعمال کو ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ﴾ کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے ﴿اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ﴾ کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ تعالیٰ ﴿اَضْغَانَهُمْ﴾ ان کے کینوں کو ﴿وَلَوْ نَشَآءُ﴾ اور اگر ہم چاہیں ﴿لَاَرَیْنٰكَهُمْ﴾ تو البتہ ہم دکھا دیں گے آپ کو وہ لوگ ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ﴾ پس آپ ان کی شناخت کرلیں ﴿بِسِیْمٰهُمْ﴾ ان کی نشانیوں سے ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ اور البتہ ضرور پہچان لیں گے ان کی گفتگو کے انداز سے ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تمھارے اعمال کو ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ اور ہم ضرور امتحان لیں گے تمھارا ﴿حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ﴾ تاکہ ہم معلوم کرلیں مجاہدوں کو ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ﴾ اور صبر کرنے والوں کو ﴿وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ﴾ اور امتحان لیں گے تمھاری خبروں کا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ﴾ اور مخالفت کی انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾ اور اس کے بعد کہ واضح ہوگئی ان کے سامنے ہدایت ﴿لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا﴾ وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ﴿وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ بے شک وہ لوگ جو پھر گئے اپنی پشتوں پر بعد اس کے کہ ہدایت ان کے لیے واضح ہو چکی یہ اس لیے پھرے کہ شیطان نے ان کو فریب دیا کفر، شرک، بداعمالی ان کے لیے مزین کی ﴿وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ اور ان کو مہلتیں دیتا ہے برائیوں پر۔ یہ شیطان کا تسلط ان پر کیوں ہوا کہ وہ شیطان کے پھندے میں آ گئے، اس کی وجہ کیا ہے؟

فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا﴾ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے کہا ﴿لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا﴾ ان لوگوں سے جنھوں نے ناپسند

﴿مَا نَزَّلَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ یعنی جو کھلے کافر تھے یہودی، عیسائی، مشرک، ان کو منافقوں نے کہا۔ کیا کہا ﴿سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ﴾ بہ تاکید ہم تمھاری اطاعت کریں گے بعض معاملات میں۔ اسلام کے خلاف جو تم کارروائی کرو گے، جہاد سے روکنے کے لیے جو تم کارروائی کرو گے اس میں ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ گویا ان منافقوں کا قارورہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہے:

الجنس يَميل اِلَى الجِنس. "جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔"

منافقوں کے دل کھلے کافروں کے ساتھ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کو ناپسند کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے پوشیدہ مشورے کرنے کو۔ جب دین کے خلاف باتیں کرتے تھے تو بڑی آہستہ آہستہ کرتے تھے کہ کوئی سن نہ لے۔ چلو اور کوئی نہیں سنے گا رب تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ اب تو لوگوں سے چھپتے پھرتے ہو کہ سن لیں گے تو ہمیں بُرا بھلا نہ کہیں۔ ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے منافق بڑے ڈرتے تھے۔ اتنا ڈرتے تھے کہ جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کی آہستہ باتیں کرنے کو اور خفیہ مشوروں کو ﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ پس کیسے ہوگا جب جان نکالیں گے ان کی فرشتے ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ﴾ ماریں گے ان کے چہروں پر ﴿وَاَدْبَارَهُمْ﴾ اور ان کی پشتوں پر ماریں گے۔

نفس مطمئنہ اور نفس خبیثہ

جب آدمی قریب الموت ہوتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ جان نکالنے والے فرشتے اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ جان نکالنے والا فرشتہ اس کے قریب آتا ہے اور باقی اٹھارہ فرشتے اس کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں بُرے آدمی کی جان نکالنے والا فرشتہ کہتا ہے يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ "اے خبیث روح! تونے رب تعالیٰ کو ناراض کیا ہے، رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اب تیرے جانے کا وقت ہے۔" اس وقت وہ بڑی منتیں کرتا ہے کہ مجھے تھوڑا سا وقت دے دو میں توبہ کرلوں گا لیکن فرشتوں کے نظر آجانے کے بعد ایمان بالغیب نہیں رہتا اور مطلوب ہے ایمان بالغیب۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ اس وقت فرشتے لوہے کے ہتھوڑوں سے اس کے منہ پر مارتے ہیں اور پشت پر مارتے ہیں اس کو مرنے والا ہی جانتا ہے دوسرے نہیں جانتے۔ دوسروں کو نہ فرشتے نظر آتے ہیں اور نہ ان کی کارروائی نظر آتی ہے اور نہ وہ مرنے والے کی تکلیف کو محسوس کرسکتے ہیں۔ بدروح آسانی سے بدن سے نہیں نکلتی فرشتے مار کر، کھینچ کر نکالتے ہیں۔ جیسے لوہے کی گرم سلاخ کو گیلی اون سے نکالا جائے وہ ساتھ اڑے گی بھی اور سی سی کی آواز بھی آئے گی۔ اس طرح سختی کے ساتھ روح باہر نکالتے ہیں۔

اور مومن کی روح کو قبض کرنے کی تشبیہ دی گئی ہے پانی کے مشکیزے سے باہر نکلنے کی۔ جیسے پانی کے مشکیزے کا منہ کھول دو تو پانی خود بخود باہر نکل جاتا ہے۔ اور روح نکالنے والے فرشتے اس کو بشارت دیتے ہیں اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطيبةُ

"اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے جنت میں تو اپنا مقام دیکھ اور اللہ تعالیٰ کی اُخروی نعمتوں کو دیکھ۔" پھر اس دنیا سے جدائی کا کوئی فکر نہیں ہوتا بخلاف مجرموں کے کہ ان کا بُرا حشر ہوتا ہے۔

تو فرمایا کیسے ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ماریں گے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا﴾ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے پیروی کی ﴿مَآ﴾ اس چیز کی ﴿اَسْخَطَ اللّٰهَ﴾ جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جس سے رب ناراض ہے؟ وہ شرک اور کفر ہے اور بُرے اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک پر راضی نہیں ہے کفر پر راضی نہیں ہے۔ بُرے اعمال، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، جوئے وغیرہ پر راضی نہیں ہے۔ یہ وہ کام کرتے تھے جن پر رب راضی نہیں تھا ﴿وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾ اور ناپسند کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے ان کو یہ ناپسند کرتے تھے۔ ایمان، توحید سے، نماز اور روزوں سے، حق سے، سچائی سے رب راضی ہے ان کو یہ پسند نہیں کرتے تھے اور جو رب تعالیٰ کو ناپسند تھیں ان کے پیچھے لگے رہے ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ وہ جو اچھے کام کرتے تھے مثلاً یتیموں کا خیال رکھتے تھے، بیوہ عورتوں کی دیکھ بھال کرتے تھے، مہمان نوازی کرتے تھے۔ کیونکہ ایمان نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اچھے اعمال ضائع کر دیئے۔ ایمان کے بغیر اچھے سے اچھے اور بڑے سے بڑے عمل کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایمان ہے تو کتے کو پانی پلانا نجات کا ذریعہ بن جائے گا اور اگر ایمان نہیں تو حاجیوں کو پانی پلانا بھی کسی کام کا نہیں ہے۔

آج تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سعودیہ والوں نے پانی اور دیگر ضروریات کے لیے بڑے انتظامات کیے ہیں۔ اس زمانے میں بڑی دقت تھی۔ بس زم زم کا کنواں تھا...... اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کو اس نے نہر زبیدہ نکال کر منیٰ تک پہنچائی جس کی لمبائی اسی، نوے میل تھی۔ وہ مختلف چشموں کا پانی اکٹھا کر کے یہاں پہنچاتی تھی۔

تو اس زمانے میں پانی کی بڑی دقت ہوتی تھی۔ لیکن ابوجہل، ابولہب وغیرہ بڑے بڑے سرداروں نے راستوں پر حاجیوں کے لیے سبیلیں لگائی ہوئی تھیں۔ اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے سولہ راستے ہوتے تھے تمام راستوں پر سبیلیں لگائی ہوئی تھیں اور سبیلوں کے اوپر چھپر بنائے ہوئے تھے تاکہ پانی گرم نہ ہو۔ یہ سب کچھ کافر اس طرح کرتے تھے مگر کیا فائدہ؟ ایمان کے بغیر ان چیزوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان نیکیوں کا قرآن کریم میں رد فرمایا ہے۔

سورہ توبہ آیت نمبر ۱۹ پارہ ۱۰ میں ہے ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ "کیا بنایا ہے تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اس شخص کی طرح جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر۔" کعبۃ اللہ کے ساتھ ان کو بڑی عقیدت تھی۔ بڑے بڑے سردار جھاڑو پکڑ کر بیت اللہ کی خود صفائی کرتے تھے مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہر شے اکارت ہوگئی۔

اہل بدعت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری محبت کرنا!

جیسے آج کل دیکھو! اہل بدعت حضرات جہالت کا شکار ہو کر ظاہری طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، دین کے ساتھ، قرآن کریم کے ساتھ، مگر اندر سے شریعت کے خلاف چلتے ہیں۔ تو ظاہری طور پر عقیدت کا کیا

فائدہ بھائی عقیدت، محبت وہ ہے جو اندر سے ہو۔ اندر کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو دل سے قبول کر کے اس پر عمل کرو اس کے خلاف چلنے والے کی عقیدت اور محبت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں بدعات ہیں اور بدعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ "جس کسی نے ہمارے اس معاملے میں کوئی نئی چیز نکالی وہ مردود ہے۔" جس نے دین میں کوئی نئی چیز گھڑی وہ مردود ہے اس کا گناہ ہوتا ہے ثواب بالکل نہیں ملتا۔ تو نری عقیدت سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک عقیدت شریعت کے معیار کے مطابق نہ ہو۔

تو فرمایا ان کے اعمال اکارت کر دیئے ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ﴾ کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے نفاق کی، کیا خیال کرتے ہیں ﴿اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ﴾۔ اَضْغَان ضِغْنٌ کی جمع ہے ضِغْنٌ کا معنیٰ ہے کینہ، بغض۔ معنیٰ ہوگا کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ تعالیٰ ان کے کینوں کو۔ یہ کیا سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کا جو کینہ ہے، اسلام کے خلاف ان کا جو کینہ ہے، مسلمانوں کے خلاف ان کا جو کینہ ہے اس کو رب تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرے گا کہ وقتاً فوقتاً ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا رہے گا ان کا اندر باہر آتا رہے گا۔

بشیر نامی منافق کا واقعہ

پانچویں پارے میں بشیر نامی منافق کا واقعہ آتا ہے ظاہری طور پر وہ پہلی صف میں بیٹھتا تھا۔ لوگ اس کو بڑا نیک سمجھتے تھے اندر سے منافق تھا۔ اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی چوری کی۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کافی بوڑھے تھے منہ میں دانت نہیں تھے اور چل پھر بھی نہیں سکتے تھے گھر والوں نے ان کے لیے میدہ منگوایا تھا کہ نرم سی روٹی کھالیں گے، کھجوریں وغیرہ سخت چیز چبا نہیں سکتے تھے۔ پچھلے کمرے میں میدہ کی بوری بھی پڑی تھی اور تلوار وغیرہ ہتھیار بھی پڑے تھے۔ کچے مکان ہوتے تھے بشیر نے پیچھے سے نقب لگائی، میدے کی بوری بھی لے گیا اور ہتھیار وغیرہ بھی لے گیا۔ اتفاق سے بوری میں سوراخ تھا آٹا گرتا گیا اور نشان چھوڑتا گیا۔ صبح ہوئی تو گھر والے اندر گئے دیکھا تو نہ بوری ہے نہ تلوار نہ ڈھال وغیرہ ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور حقیقت حال سے آگاہ کیا اور فرمایا بیٹے! میں بوڑھا آدمی ہوں چل پھر بھی نہیں سکتا اور منہ میں دانت نہ ہونے کی وجہ سے بات بھی نہیں سمجھا سکتا۔ تم میری طرف سے جا کر میرا مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کرو اور بتلاؤ کہ ہمارا گمان بشیر نامی آدمی پر ہے جو ہمارے محلے میں رہتا ہے۔ مجلس میں منافق بھی ہوتے تھے انھوں نے آکر بشیر اور اس کے گھر والوں کو بتایا کہ اس طرح تمھارے خلاف مقدمہ پیش ہوگیا ہے۔ منافقوں نے مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ہو ہم نے بشیر کو بچانا ہے کیونکہ یہ بدنامی کا داغ ساری زندگی نہیں دھلے گا۔

چنانچہ منافقوں نے بشیر کی پوری حمایت کی اور کہا کہ ان سے کہو کہ گواہ پیش کریں۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت گواہ

کہاں تھے۔ منافقوں نے قسمیں دیں اور اس کی پاک دامنی کو بیان کیا اور کہا کہ حضرت! ایک ایسے نیک، صالح، متقی، پرہیزگار آدمی پر بلاوجہ الزام لگا دینا بڑی زیادتی ہے۔ ان کی باتیں سن کر آنحضرت ﷺ کو یقین آ گیا کہ یہ چور نہیں ہے اور دعویٰ دائر کرنے والا غلط کہتا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تجھے شرم آنی چاہیے خواہ مخواہ تو نے ایک نیک، بے گناہ آدمی پر الزام لگا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات نازل فرمائیں اور حقیقت کو واضح فرمایا کہ یہ واقعتاً چور ہے اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ [النساء: ۱۰۵] "اور نہ ہوں آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والے۔" دو رکوع اس سلسلے میں نازل ہوئے کہ یہ منافق بڑے بے ایمان اور جھوٹے ہیں ان کا ظاہر کچھ ہے باطن کچھ ہے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف بغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے چوری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان کے کینے کو ظاہر کرتا رہے گا۔

تو فرمایا کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ تعالیٰ ان کے کینوں کو ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو البتہ ہم دکھا دیں گے اے نبی کریم ﷺ! آپ کو کہ یہ لوگ منافق ہیں لیکن یہ حکمت کا تقاضا نہیں ہے ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ﴾ پس آپ ان کو شناخت کر لیں گے ان کی نشانیوں سے، چہرے بشرے سے ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ اور البتہ ضرور پہچان لیں گے ان کو گفتگو کے انداز سے، تجربے سے۔ حقیقی اور تفصیلی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے وہ سورت جو آخر میں نازل ہوئی ہے اس میں ہے ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۰۱] "اور بعض اہل مدینہ میں سے جو اڑے ہوئے ہیں نفاق پر آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔" ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تمھارے اعمال کو۔ حقیقتاً نیک اور بد، اچھے اور برے لوگوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ اور ہم ضرور امتحان لیں گے تمھارا ﴿حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ﴾ تاکہ ہم جان لیں یعنی ظاہر کر دیں مجاہدوں کو تم میں سے ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ اور صبر کرنے والوں کو۔ جو چیز عمدہ اور اعلیٰ ہوتی ہے اس کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جنت اتنی قیمتی ہے کہ اس کی قیمت کا کوئی حساب ہی نہیں لگا سکتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ کی قیمت کے برابر نہیں ہے۔ اور جنت میں عورتوں کو جو لباس ملے گا باقی لباس تو درکنار دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس کے ایک دوپٹے کی قیمت کے برابر نہیں ہے۔ اتنی قیمتی شے مفت میں تو نہیں مل سکتی اور نہ آسانی کے ساتھ مل سکتی ہے اس کے لیے جہاد کرنا پڑے گا اور تکلیفوں پر صبر کرنا پڑے گا۔

ایک ہے جہاد اور ایک ہے قتال۔ جہاد عام ہے۔ اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دین کے لیے کوشش کرنا۔ اس کے لیے جو بھی کام کرے گا جہاد ہے۔ اس سلسلے میں مال خرچ کرنا بھی، مجاہدین کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا بھی جہاد ہے۔ قتال کہتے ہیں دشمن کے مقابلہ میں جہاد ہو۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے ابن ماجہ شریف کی روایت ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ ترجمہ کے بغیر سیکھنے کا ثواب سو نفل پڑھنے سے زیادہ ہے اور اسی روایت میں ہے کہ ایک آیت ترجمہ کے ساتھ سیکھنے کا ثواب ہزار رکعت سے زیادہ

ہے۔آخر سو رکعات اور ہزار رکعت پڑھنے پر بھی کچھ وقت لگتا ہے۔

توفرمایا تاکہ ہم ظاہر کردیں مجاہدوں کو اور صبر کرنے والوں کو ﴿وَ نَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ﴾ اور تاکہ ہم امتحان لیں تمھاری خبروں کا۔آسانی سے تمھیں جنت نہیں ملے گی اور سن لو ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ﴾ اور انھوں نے مخالفت کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾ بعد اس کے کہ واضح ہوگئی ان کے سامنے ہدایت۔فرمایا سن لو ﴿لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــٴًـا﴾ وہ ہرگز نہیں نقصان کر سکتے اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی۔رب تعالیٰ کو کون نقصان پہنچا سکتا ہے؟ نقصان تو اپنا ہوتا ہے ﴿وَ سَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اکارت کردے گا۔چونکہ ایمان نہیں ہے اس لیے اعمال آخرت میں کام نہیں آئیں گے۔اعمال کو باقی رکھنے والی شے ایمان ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ﴿وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ اور نہ باطل کرو اپنے اعمال کو ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿ثُمَّ مَاتُوْا﴾ پھر وہ مر گئے ﴿وَ هُمْ كُفَّارٌ﴾ اس حالت میں کہ وہ کافر تھے ﴿فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ پس ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ان کو ﴿فَلَا تَهِنُوْا﴾ پس تم سستی نہ کرو ﴿وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ﴾ اور نہ دعوت دو صلح کی ﴿وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ اور تم غالب آؤ گے ﴿وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے ﴿وَ لَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور ہرگز نہیں کمی کرے گا تمھارے اعمال میں ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی ﴿لَعِبٌ﴾ کھیل ہے ﴿وَّ لَهْوٌ﴾ اور تماشا ہے ﴿وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا﴾ اور اگر تم ایمان لاؤ ﴿وَ تَتَّقُوْا﴾ اور ڈرتے رہو ﴿یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ﴾ دے گا تم کو اللہ تعالیٰ تمھارے اجر ﴿وَ لَا یَسْــٴَـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾ اور نہیں مانگے گا وہ تم سے تمھارے سارے مال ﴿اِنْ یَّسْــٴَـلْكُمُوْهَا﴾ اگر وہ مانگے تم سے سارے مال ﴿فَیُحْفِكُمْ﴾ پس وہ تنگ کرے تم کو ﴿تَبْخَلُوْا﴾ تم بخل کرنے لگ جاؤ ﴿وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾ اور نکالے گا تمھارے اندر کے کھوٹ کو ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ﴾ خبردار تم یہ ہو ﴿تُدْعَوْنَ﴾ تمھیں بلایا جاتا ہے ﴿لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ﴾ بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں ﴿وَ مَنْ یَّبْخَلْ﴾ اور جو بخل کرے گا ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ وہ بخل کرے گا اپنے نفس کے لیے ﴿وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے ﴿وَ اَنْتُمُ

﴿الْفُقَرَآءُ﴾ اور تم محتاج ہو ﴿وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ اور اگر تم اعراض کرو گے ﴿یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ﴾ بدل دے گا تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو ﴿ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ پھر وہ نہیں ہوں گے تم جیسے۔

پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین حکم دیے ہیں ایمان والوں کو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کیا ہے۔فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ﴾ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ یہ پہلا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس پر عمل کرو چاہے وہ کرنے کی چیزیں ہیں یا چھوڑنے کی۔جن چیزوں کے کرنے کا کہا ہے وہ کرو اور جن چیزوں کے چھوڑنے کا کہا ہے وہ چھوڑ دو۔

دوسرا حکم: ﴿وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔سورۃ النساء آیت نمبر ۸۰ میں ہے ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ "جس شخص نے اطاعت کی رسول کی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

اور تیسرا حکم: ﴿وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ اور نہ باطل کرو، نہ ضائع کرو اپنے اعمال کو۔ایک آدمی نیک اعمال بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ شرک بھی کرتا ہے تو اس کی ساری نیکیاں اکارت ہوگئیں۔ کیونکہ کفر و شرک کی حالت میں کوئی نیک عمل بھی قبول نہیں ہے۔ایک آدمی توحید پر قائم تھا نیک اعمال کرتا تھا مگر بعد میں کسی وقت شرک میں مبتلا ہو گیا تو اس کی ساری نیکیاں برباد ہوگئیں۔ اسی طرح جو شخص مرتد ہو جائے گا اس کی ساری نیکیاں بھی برباد ہو جائیں گی۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۷ میں ہے ﴿وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ "اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور اس حالت میں وہ مرجائے کہ وہ کافر ہو پس ضائع ہو گئے ان لوگوں کے اعمال دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔" ریا اور دکھاوا بھی عمل کو برباد کر دیتا ہے یعنی جس عمل سے رب تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو وہ عمل باطل ہے اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔نیکی کر کے احسان جتلانا بھی نیکی کو برباد کر دیتا ہے۔اگر کسی کے ساتھ کوئی نیکی کی ہے کوئی بھلائی کی ہے تو اس کو نہ جتلائے۔

احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے صدقات کا باطل ہو جانا

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۴ میں ہے ﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ "اپنے صدقات کو باطل نہ کرو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔" مثال کے طور پر کسی آدمی کے ساتھ تم نے آج سے دس سال پہلے یا بیس سال پہلے یا چالیس سال پہلے نیکی کی ہے اب تم اس کو جتاؤ کہ میں نے تیرے ساتھ نیکی کی تھی۔ وہ نیکی برباد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر تم نے کسی کو صدقہ خیرات دیا ہے پھر تم اس کو اذیت پہنچاؤ کہ میرا کھا کر میرے سامنے باتیں کرتے ہو۔اس سے تمہارا عمل باطل ہو جائے گا، تمہارا ثواب ضائع ہو جائے گا۔ اگر

زبان سے کوئی کلمۂ کفر نکل گیا تو اعمال باطل ہو جائیں گے۔ نیکی کرنا بھی مشکل ہے لیکن اس کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن بعض ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کی نیکیوں کے ڈھیر لگے ہوں گے۔ وہ بڑے خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے خیر سلاّ ہے یہ میری نیکیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں اتنے میں اس سے حق لینے والے آجائیں گے۔ کوئی کہے گا اس نے میرا مال کھایا تھا، کوئی کہے گا اس نے میری عزت پر حملہ کیا تھا، کوئی کہے گا اس نے مجھے گالی دی تھی، کوئی کہے گا اس نے مجھے گھور کر دیکھا تھا مجھے اس سے بدلہ دلوائیں۔ کوئی کہے گا اس نے میری غیبت کی تھی۔ حقوق کے بدلے نیکیاں تقسیم ہو جائیں گی اور ابھی حقوق والے باقی ہوں گے۔ پھر حکم ہوگا کہ باقی حقوق والوں کے گناہ اس کے سر پر رکھ کر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے۔ تو بے شک نیکی کرنا بھی مشکل ہے مگر اس کو اپنے حق میں محفوظ رکھنا اس سے بھی مشکل ہے۔

معاف رکھنا! اور بات اچھی طرح سمجھنا۔ کسی مردے کے لیے ایصال ثواب بڑی اچھی بات ہے اگر قاعدے کے مطابق ہو۔ مگر ایصال ثواب قاعدے کے مطابق ہوتا نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشترک کھاتے سے خیرات کی جاتی ہے۔ جب کہ تمام فقہائے کرام کا اس مسئلے میں اتفاق ہے اور کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ایسا مشترک کھاتا کہ جس میں یتیم ہوں کیونکہ وارثوں میں نابالغ بھی ہوتے ہیں۔ تو ایسے مشترک کھاتے سے صدقہ خیرات کرنا حرام ہے۔ ایسے کھاتے سے ہونے والی خیرات کو کھانے والے خنزیر کھاتے ہیں۔

اگر سارے بالغ ہوں مگر کچھ موجود ہوں اور کچھ موجود نہ ہوں جو موجود نہ ہوں ان کی اجازت کے بغیر بھی خیرات جائز نہیں ہے کیونکہ اب وہ مرنے والے کا مال نہیں رہا وہ وارثوں کا ہے۔ پھر دنوں کی تعیین کا بدعت ہونا الگ مسئلہ ہے کہ خیرات تیسرے، ساتویں، دسویں اور چالیسویں کو ہوتی ہے۔ شریعت نے خیرات کے لیے کوئی دن مقرر نہیں کیا۔ پھر اس خیرات کو امیر کھا جاتے ہیں چچے، تائے، بھتیجے، بھانجے، داماد کھا جاتے ہیں۔

بھائی! خیرات تو غریبوں کا حق ہے تمھارا تو حق ہی نہیں ہے تم پیالے بھر بھر کر کس حیثیت سے کھا رہے ہو؟ پھر اس میں ریا اور دکھاوا بھی ہے کہ جب تک دیگ دروازے پر نہ کھڑ کے لوگ مطمئن نہیں ہوتے کہ لوگوں کو پتا چلے کہ خیرات ہو رہی ہے۔ پوشیدہ طریقے سے کوئی صدقہ و خیرات نہیں کرتا کہ لوگ کہیں گے کہ بے بے (ماں) مری ہے تو پچھلوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ تو ریا کاری ہے۔ اس کا ایک تنکے کے برابر ثواب نہیں ہے بلکہ گناہ لازم ہے۔ یہ مسئلہ اچھی طرح پلے باندھ لو۔ ہم ایصال ثواب سے نہیں روکتے اس کے غلط طریقے سے روکتے ہیں۔

پھر ایصال ثواب صرف مال ہی میں بند نہیں ہے۔ مال صدقہ کرو، قرآن کریم پڑھ کر بخشو، نفلی روزے رکھ کر بخشو، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھ کر ثواب بخشو۔ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے، الحمد للہ کہنے سے، اللہ اکبر کہنے سے دس دس نیکیاں ملتی ہیں، کسی کی نیت کر کے پڑھو ثواب پہنچ جائے گا اور پڑھنے والے کے اجر میں بھی کمی نہیں آئے گی۔

نسائی شریف میں روایت ہے کہ جتنا ثواب کسی کو بخشو گے اتنا ثواب تمھیں بھی بدستور ملے گا کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اپنے

اعمال باطل نہ کرنے کی مد میں ایک مسئلہ یہ بھی سمجھ لیں کہ اگر کسی نے نفلی نماز شروع کر کے توڑ دی تو اس کی قضا لازم ہے۔ کیونکہ نفلی نماز شروع کرنے سے ایک عمل بن گیا ہے اب وہ تمھارے ذمہ لازم ہے۔ اوقات مکروہہ کے سوا تم اس کو پڑھ سکتے ہو۔ کیونکہ اب وہ واجب ہے نفل نہیں ہے۔ نفلی روزہ تم نے شروع کر کے توڑ دیا تو اس روزے کی قضا واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے نفلی روزہ رکھا ہوا تھا کہ کسی نے اچھا کھانا بطور ہدیہ بھیج دیا اور ہمارے دل میں خیال آیا کہ ہم کھالیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے کہا حضرت! ہم نے نفلی روزہ رکھا ہوا تھا کھانا بڑا عمدہ آیا ہم نے کھالیا، روزہ توڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِقْضِيَا يَوْمًا مَكَانَهٗ "اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھو۔" تو نفلی عبادت شروع کرنے کے بعد اگر توڑ دے تو اس کی قضا لازم ہو جاتی ہے چاہے نماز ہو یا روزہ ہو چاہے طواف ہو۔ عمرہ سنت ہے فرض نہیں ہے لیکن اگر کسی نے عمرے کا احرام باندھنے کے بعد توڑ دیا تو اب اس کی قضا واجب ہے۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں، جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ خود بھی کافر اور دوسروں کو بھی ایمان کی طرف نہیں آنے دیتے قولاً اور فعلاً روکتے ہیں ﴿ثُمَّ مَاتُوْا﴾ پھر وہ مر گئے ﴿وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ اس حالت میں کہ وہ کافر تھے، کفر کی حالت میں موت آگئی ﴿فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ پس ہرگز نہیں بخشے گا ان کو اللہ تعالیٰ۔ جس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا اس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ مجاہدوں کو فرماتے ہیں ﴿فَلَا تَهِنُوْا﴾۔ وَهَنَ يَهِنُ کا معنیٰ ہے سستی کرنا۔ اے مجاہدو! پس تم جہاد میں سستی نہ کرو ﴿وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ﴾ اس تَدْعُوْا سے پہلے لَا مقدر ہے جیسے تَهِنُوا پر لَا ہے اسی طرح تَدْعُوْا پر بھی لا ہے۔ معنیٰ ہوگا اور نہ تم دعوت دو صلح کی۔ کافروں کو صلح کی دعوت تمھاری طرف سے نہ ہو۔ کیونکہ اس میں فی الجملہ تمھاری کمزوری ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی کمزوری کو گوارا نہیں کرتے کہ مسلمان کسی جگہ میں بھی اپنی کمزوری کا اظہار کریں۔

سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۱ میں ہے ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ "اگر وہ جھک جائیں صلح کی طرف تو آپ بھی جھک جائیں۔" اگر کافر صلح کی پیش کش کریں تو پھر آپ صلح کر لیں پہل تمھاری طرف سے نہ ہو۔ تو فرمایا نہ سستی کرو جہاد میں اور نہ دعوت دو صلح کی اور یاد رکھو ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾ اور تم ہی غالب ہو گے۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۹ میں ہے ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ "اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار رہو۔" ﴿وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی مدد تمھارے ساتھ ہے جب رب تعالیٰ کی مدد تمھارے ساتھ ہو تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

نصرت خداوندی

۱۹۶۵ء کی جنگ میں گکھڑ میں سات بم پھینکے گئے جن میں سے ایک بم پھٹا تھا جس کی وجہ سے ریل گاڑی کے کچھ ڈبے تباہ ہوئے تھے باقی چھ نہیں پھٹے۔ سرگودھا ہوائی اڈے پر دوسو اٹھاسی (۲۸۸) بم پھینکے گئے ان میں سے صرف تین پھٹے۔

یہ بھی رب تعالیٰ کی مدد کی صورتیں ہیں۔ اگر دوسو اٹھاسی (۲۸۸) بم سرگودھا میں پھٹ جاتے تو میرے خیال میں وہاں سے مٹی بھی ختم ہو جاتی انسان تو انسان ہیں۔

یہ چونڈہ تمھارے سامنے ہے۔ چونڈہ کے محاذ پر کھڑاک تڑاک کی وجہ سے ہمارے دروازے ہلتے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں ٹینکوں کی دوسری بڑی جنگ تھی۔ پہلی ہٹلر کے دور میں عالمین کے مقام پر ہوئی۔ دوسری چونڈہ میں ہوئی۔ جہاں کیپٹن ایس، اے زبیری کے پاس صرف سو (۱۰۰) نوجوان مجاہد تھے۔ اس نے مرکز سے رابطہ کیا کہ ہمارے مقابلے میں تین ہزار فوج اور ٹینکوں کی لائن لگی ہوئی ہے اور میرے پاس سو نوجوان اور تین ٹینک ہیں میرے لیے کیا ہدایت ہے؟ مرکز نے جواب دیا کہ نوجوان نہ مروا پیچھے ہٹ جا۔ کیپٹن ایس، اے زبیری نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ﴾ [البقرہ:۲۴۹] "بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔" مرکز سے اجازت مل گئی کہ جاؤ لڑو۔ چوبیس گھنٹے لڑائی ہوئی اس نے لڑائی کا رخ پھیر دیا، ٹینک اڑا دیئے، اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

تو فرمایا ﴿وَاللهُ مَعَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے ﴿وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور ہرگز کمی نہیں کرے گا تمھارے اعمال میں۔ وَتَرَ يَتِرُ کا معنیٰ ہے کمی کرنا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ فَاتَتْ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُه وَمَالُه "جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی وہ یوں سمجھے کہ اس کے گھر کے افراد بھی ختم ہو گئے اور اس کا سارا مال بھی لوٹ لیا گیا۔" اس سے اندازہ لگاؤ کہ جس کے گھر کا ایک فرد بھی نہ رہے اور مال بھی نہ رہے تو کتنا بھاری نقصان ہے۔ یہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے۔ ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ پختہ بات ہے کہ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ کھیل وہ ہوتا ہے جس میں لوگ آپس میں لگے ہوئے ہوں۔ لوگ اس کو کر (انجام دے) رہے ہوتے ہیں۔ اور تماشا کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنا ہے۔ یہ دنیا کھیل ہے کچھ کارخانے والے، کوٹھیوں والے ہیں، کاروں اور جہازوں والے ہیں اور ہم تم تماشائی ہیں ﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ اور اگر تم ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہو ﴿يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارا اجر دے گا۔ فرمایا ﴿وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾ اور نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ تم سے تمھارے سارے مال ﴿اِنْ يَّسْئَلْكُمُوْهَا﴾ اگر وہ مانگے تم سے سارا مال ﴿فَيُحْفِكُمْ﴾ پس وہ تنگ کرے تم کو۔ تمھارے پیچھے پڑ جائے ﴿تَبْخَلُوْا﴾ تم بخل کرنے لگو۔ زکوٰۃ تم سے چالیسواں حصہ مانگتی ہے، عشر دسواں یا بیسواں حصہ مانگتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتے کہ سارے کا سارا مال دو تو تم خود سمجھ لو کہ جو چالیسواں، دسواں اور بیسواں حصہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور دیتے ہوئے کڑھتے ہیں انھوں نے سارا مال کہاں دینا تھا۔ رب تعالیٰ کا احسان ہے کہ چالیس میں سے ایک روپیہ لیا ہے اور انتالیس روپے تمھاری جیب میں ہیں۔ دوسو میں سے پانچ روپے لیے ہیں ہزار میں سے پچیس روپے لیے ہیں۔ اگر بارانی زمین ہے تو دسواں حصہ ہے۔ اگر چاہی اور نہری ہے تو بیسواں حصہ ہے۔ اور یاد رکھنا! عشر ہر چیز میں ہے۔ اناج، پھل، سبزی، ٹماٹر، پیاز، تھوم، دھنیا، مرچیں، ہر چیز میں باقاعدہ عشر ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے كُلُّ مَا اَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ "جو چیز زمین میں پیدا ہوتی ہے اس میں

با قاعدہ عشر ہے۔" چاہے اس چیز کا دسواں حصہ دے دو یا اس کی قیمت دے دو۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ تم سے سارا مال نہیں مانگتا اگر سارا مال مانگے تو مبالغہ کرے تمھارے پیچھے پڑ جائے تو تم بخل کرنے لگ جاؤ ﴿وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾ اضغان۔ ضِغْنٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے کینہ۔ اور اللہ تعالیٰ نکالے گا تمھارے اندر کے کھوٹ کو۔ تمھارے سارے کینے باہر نکل آئیں گے کہ رب نے ہمارے پاس تو کچھ بھی نہ چھوڑا سارا کچھ لے لیا۔ اس وقت تم اس طرح کی باتیں کرتے۔ فرمایا ﴿هَآ﴾ خبردار ﴿اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ﴾ تم وہ ہو ﴿تُدْعَوْنَ﴾ تم کو دعوت دی جاتی ہے ﴿لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تاکہ تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَمِنْكُمْ﴾ پس بعض تم میں سے ایسے ہیں ﴿مَّنْ يَّبْخَلُ﴾ جو بخل کرتے ہیں۔ سب تو نہیں بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اور جو بخل کرے گا بے شک وہ بخل کرے گا اپنے نفس کے لیے۔ اس کے بخل کا وبال اسی پر پڑے گا رب تعالیٰ کا کیا بگڑے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ساری کی ساری دنیا اتقٰی قَلبِ رَجُلٍ متقی ہو جائے رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کا اضافہ نہیں ہو سکتا اور اگر معاذ اللہ سارے کے سارے کافر ہو جائیں تو رب تعالیٰ کی خدائی میں رتی برابر کمی نہیں ہو سکتی۔

تو جس نے بخل کیا اس نے اپنے نفس کے لیے کیا ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے پروا ہے ﴿وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ اور تم محتاج ہو۔ رب تعالیٰ تو صمد اور بے نیاز ہے ساری کائنات سے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا مقام سب سے بلند ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رب تعالیٰ کے محتاج ہیں، رو رو کر رب تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ اور اگر تم اعراض کرو گے اطاعت سے پھر جاؤ گے، اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت سے پھر جاؤ گے تو یاد رکھو ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ بدل دے گا تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو۔ تمھیں فنا کر کے دوسری قوم کو یہاں آباد کر دے گا اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے ﴿ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ پھر وہ نہیں ہوں گے تمھارے جیسے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مستحکم کر دیا۔ انھوں نے جان و مال کی قربانیاں پیش کیں اور اپنی وفاداری ثابت کر دی تو ان کی جگہ کسی دوسری قوم کو لانے کی ضرورت نہ پڑی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرماں بردار بنائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرماں بردار بنائے، ایمان پر قائم رکھے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡفَتۡحِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ حٰمٓ

(۲۶)

آیاتہا ۲۹ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۴۸) (۱۱۱) رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ بے شک ہم نے فتح دی آپ کو ﴿فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ فتح کھلی ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ تا کہ بخش دے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ﴿مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ﴾ جو پہلے ہو چکی ہیں آپ کی لغزشیں ﴿وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ اور جو بعد میں ہوں گی ﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ﴾ اور تا کہ پوری کرے اپنی نعمت کو ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿وَيَهْدِيَكَ﴾ اور چلاتا رہے آپ کو ﴿صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ سیدھے راستے پر ﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ﴾ اور تا کہ مدد کرے اللہ تعالیٰ آپ کی ﴿نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ زبردست مدد ﴿هُوَ الَّذِيْۤ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ﴾ جس نے اتارا اطمینان ﴿فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کے دلوں میں ﴿لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا﴾ تا کہ وہ زیادہ ہوں ایمان میں ﴿مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ اپنے ایمانوں کے ساتھ ﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ﴿جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ﴾ لشکر آسمانوں کے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا ﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تا کہ وہ داخل کرے ایمان والے مردوں کو ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور ایمان والی عورتوں کو ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغات میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان میں ﴿وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ﴾ اور تا کہ مٹا دے ان سے ﴿سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ان کی خطائیں ﴿وَ كَانَ ذٰلِكَ﴾ اور ہے یہ ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ﴿فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ کامیابی بڑی ﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور تا کہ سزا دے منافق مردوں کو ﴿وَالْمُنٰفِقٰتِ﴾ اور منافق عورتوں کو ﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور مشرک مردوں کو ﴿وَ الْمُشْرِكٰتِ﴾ اور مشرک عورتوں کو ﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ﴾ جو گمان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿ظَنَّ السَّوْءِ﴾ برا گمان ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ہے ﴿دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ بری گردش ﴿وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوا ہے ان پر ﴿وَ لَعَنَهُمْ﴾ اور ان پر لعنت کی ہے ﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ﴾ اور تیار کیا ہے ان کے لیے ﴿جَهَنَّمَ﴾ دوزخ ﴿وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

تعارف سورت

اس سورت کا نام سورۃ فتح ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں ﴿فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ کے لفظ موجود ہیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل

ہوئی۔ ایک سو دس سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے چار [۴] رکوع اور انتیس [۲۹] آیتیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ مگر قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب نہ چھوڑا۔ ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر پیش آیا رمضان المبارک کے مہینے میں۔ پھر ہجرت کے تیسرے سال شوال میں غزوہ احد پیش آیا اور ۵ ھ میں غزوہ خندق کا معرکہ پیش آیا۔ یہ تین لڑائیاں براہ راست مکے والوں سے لڑی گئیں۔

واقعہ حدیبیہ

۶ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں احرام باندھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کر رہے ہیں، طواف سے فارغ ہونے کے بعد کوئی سر منڈوا رہا ہے اور جس نے پٹے رکھے ہوئے ہیں وہ بال کٹوا رہا ہے۔ یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی ذکر فرمایا کہ میں نے اس طرح خواب دیکھا ہے۔

خواب کے متعلق یہ بات ذہن میں رکھیں کہ خواب کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ اس کی تعبیر فوری طور پر سامنے آ جائے۔ خواب اور اس کی تعبیر میں عرصہ دراز حائل ہو سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا اس کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ تو خواب کے لیے ضروری نہیں کہ رات کو دیکھو تو صبح کو اس کی تعبیر سامنے آ جائے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خواب کا ذکر فرمایا۔ سب کا خیال ہوا کہ شاید اسی سال عمرہ کرنا ہے۔ کیونکہ حج تو ابھی تک فرض نہیں ہوا تھا۔ حج ۹ ھ میں فرض ہوا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمرے کی تیاری کرو اور اپنے دفاع کا سامان بھی ساتھ رکھو کہ مکے والوں سے براہ راست تین جنگیں ہو چکی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ مزاحمت کریں تو ہم شکست نہ کھائیں۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اس سفر میں ایک بھی منافق شریک نہیں تھا۔ منافقوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ ایک بھی ان کے ساتھ نہ جائے کہ مکے والوں کے ساتھ تین لڑائیاں ہو چکی ہیں اور یہ ان کے گھر جا رہے ہیں۔ وہ اتنے بے غیرت ہیں کہ ان کو زندہ چھوڑ دیں گے؟

چنانچہ اگلے رکوع میں بات آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ کہ منافقوں نے کہا ﴿لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ "ہرگز نہیں واپس لوٹ کر آئیں گے اللہ کے رسول اور ایمان والے اپنے گھروں کی طرف کبھی بھی۔" ہمیں موت کے منہ میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھی منافق اس سفر میں آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

مدینہ طیبہ سے چھ میل دور ایک مقام ہے ذوالحلیفہ، آج کل اس کو بئر علی کہتے ہیں۔ یہ میقات ہے۔ وہاں سے آگے احرام کے بغیر نہیں جا سکتے۔ یوں سمجھو جیسے نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ فرض ہے، ہاتھ اٹھانا مستحب ہیں، اگر کسی نے تکبیر نہ کہی تو نماز نہیں ہوگی۔ اور تکبیر تحریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں پہلے حلال تھیں وہ تکبیر تحریمہ کے بعد حرام ہو گئی ہیں۔ اسی طرح

احرام کے بعد وہ کام نہیں کر سکتا جو پہلے کر سکتا تھا۔ سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، سر نہیں ڈھانک سکتا۔ مونچھیں نہیں کٹوا سکتا، ناخن نہیں تراش سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لیے۔ اگرچہ عمرے کے لیے قربانی ضروری نہیں ہے اور نہ مفرد حج کے لیے۔ قربانی قران اور تمتع والے کے لیے واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی عمرے کے موقع پر اور مفرد حج کے موقع پر کرے تو نُوْرٌ عَلٰی نُور ہے۔ قران اسے کہتے ہیں کہ حج عمرے کا اکٹھا احرام باندھا جائے۔ اور تمتع کہتے ہیں کہ ایک ہی سال میں پہلے عمرہ کرے پھر حج کرے۔

تو احرام باندھا، قربانی کے جانور ساتھ لیے اور لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کہتے ہوئے سفر شروع کیا۔ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے، کافروں کو علم ہوا تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ ہم پر حملے کے لیے آرہے ہیں چنانچہ انھوں نے لڑائی کی تیاری کر لی۔ مکہ مکرمہ سے چھ میل دور حدیبیہ کا مقام ہے۔ آج کل اس کا نام شمیسہ ہے حدیبیہ کے نام سے کوئی نہیں جانتا۔ اس کا کچھ حصہ حرم میں ہے اور کچھ حصہ باہر ہے۔ تو جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو کافروں نے مزاحمت کی، بڑا طویل قصہ ہے۔ کہنے لگے کہ ہم نے عمرہ نہیں کرنے دینا۔ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ احرام باندھے ہوئے ہیں لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے۔ پھر بھی کہنے لگے کہ ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ تمھیں اس سال عمرہ کرنے دیں آئندہ سال سہی۔ یکے بعد دیگرے ان کے چار نمائندے آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں بھی کوئی نمائندہ بھیجنا چاہیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے عمر! ان کے آدمی آئے ہیں اور ہمارے ساتھ جذباتی باتیں کر کے چلے گئے ہیں میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی کوئی نمائندہ بھیجنا چاہیے کہ وہ جا کر ان کے تجربہ کار اور معاملہ فہم لوگوں کے ساتھ بات کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت! بڑی اچھی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تمھیں نمائندہ بنا کر بھیجوں۔ کہنے لگے حضرت! مجھے نہ بھیجیں کیونکہ آپ کے علم میں ہے کہ میری طبیعت میں حدت ہے، تیزی ہے۔ اگر انھوں نے میرے ساتھ کوئی ایسی بات کی کہ میں برداشت نہ کر سکا تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ آپ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں کہ بڑی ٹھنڈی طبیعت کے مالک ہیں۔ جس طرح بھی کوئی بات کرے وہ بڑے ٹھنڈے دل سے سنتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے مزاج الگ الگ بنائے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مزاج کسی کا بنایا ہے وہ بدل نہیں سکتا۔ ہاں! مصرف بدل جاتا ہے۔ مثلاً صدیوں سے عربوں کا مزاج لڑائی کا تھا تو ان کو یہ نہیں کہا کہ تم لڑو نہ، بلکہ مصرف بدلا کہ پہلے تم اپنی ذات کے لیے لڑتے تھے اب تم خدا اور رسول کے لیے لڑو کافروں کے ساتھ۔ چنانچہ انھوں نے کافروں کے ساتھ جہاد کیا اور خوب کیا۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ احرام کی حالت میں ان کے پاس گئے اور ان کے بڑوں کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کے نوجوان جذباتی تھے دیکھ رہے تھے کہ ہمارے یہ بابے (بڑے اور بوڑھے لوگ) بڑی نرم نرم باتیں کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سے لیا اور ایک روایت میں ہے کہ کعبۃ اللہ میں بند کر دیا اور خبر مشہور کر دی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اور ایک روایت

میں ہے کہ قتل کی افواہ نہیں تھی بلکہ قید کرنے کی افواہ تھی اور یہ روایت زیادہ مضبوط ہے کہ قید کرنے کی افواہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انھوں نے ہمارے سفیر کو قید کرلیا ہے ہم اپنے قیدی کو چھڑائیں گے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے درخت کے نیچے ساتھیوں سے بیعت لی۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے کہ جب ان کا نمائندہ سہیل بن عمرو آیا تو معاملہ طے پا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب نویس بھی تھے اور زود نویس بھی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ لکھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ تمھاری علامت ہے یہ نہ لکھو بلکہ لکھو بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ محمد رسول اللہ ﷺ "یہ وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو نے طے کی ہے۔" سہیل بن عمرو نے کہا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو لڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ محمد بن عبداللہ لکھو۔ چنانچہ یہ بھی مٹا دیا گیا۔ کافی شرطیں تھیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

خیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا ضرور تھا مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس سال کریں گے۔ فرمایا ان شاء اللہ ضرور کریں گے۔ جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آئندہ سال آکر تم طواف کرو گے اور صرف تین دن یہاں ٹھہرو گے۔ تین دن کے بعد یہاں سے چلے جاؤ گے۔ اس موقع پر واپسی پر راستے میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

فرمایا ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا﴾ بے شک ہم نے آپ کو فتح دی فتح کھلی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! یہ شرائط تو ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! فتح ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ فتح کی تمہید تھی۔ یہ ۶ ھ کا واقعہ ہے اور دو سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ اس صلح کے بعد آمد و رفت شروع ہوگئی، نفرت کم ہوئی۔ اسی صلح کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فاتح شام مسلمان ہوئے اور اسی صلح کے زمانے میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر مسلمان ہوئے۔ آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا، ایک دوسرے سے متاثر ہوئے۔ تو یہ فتح کی تمہید تھی۔ تو فرمایا بے شک ہم نے آپ کو فتح دی کھلی فتح ﴿لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ﴾ تاکہ معاف کردے اللہ تعالیٰ آپ کی وہ لغزشیں جو پہلے ہو چکی ہیں ﴿وَمَا تَاَخَّرَ﴾ اور جو بعد میں ہوں گی۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں کبیرہ گناہوں سے بھی اور صغیرہ گناہوں سے بھی۔ رائے کی غلطی پیغمبر سے ہو سکتی ہے اور اس کو عربی میں زلت، لغزش کہتے ہیں۔ اور یہ نہ گناہ صغیرہ ہوتی ہے اور نہ کبیرہ ہوتی ہے۔ جیسے بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ ﷺ سے لغزش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔ شہد کی حرمت کے متعلق آپ ﷺ کو سورہ تحریم میں تنبیہ فرمائی۔ چونکہ مقام بہت اونچا ہوتا ہے اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی گرفت ہوتی ہے ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

جتنا کسی کا درجہ اونچا ہوتا ہے اتنی پابندیاں زیادہ ہوتی ہیں۔تو لغزشوں کو اللہ تعالیٰ نے ذنب کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی گزشتہ لغزشیں بھی معاف کردیں اور جو آئندہ ہوں گی وہ بھی معاف کردے گا ﴿ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ﴾ اور تاکہ پورا کرے اپنی نعمت کو آپ پر ﴿ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ اور تاکہ چلاتا رہے آپ کو سیدھے راستے پر ﴿ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴾ اور تاکہ مدد کرے اللہ تعالیٰ آپ کی زبردست مدد۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اور صلح حدیبیہ کے دو سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور تورات کی پیش گوئی بھی پوری ہوئی کہ آخری پیغمبر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے یثرب آئے گا۔ مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ پھر دس ہزار قدسیوں کے ہمراہ فاران کی چوٹیوں سے (جبل نور کا پہلا نام فاران ہے جس پر غار حرا ہے) سے ظاہر ہوگا اور فاتحانہ انداز میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوگا۔

اب جو تورات چھپی ہے اس سے پادریوں نے دس ہزار کا لفظ نکال دیا ہے تاکہ وہ آپ پر صادق نہ آئے۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی جو تورات ہے اس میں یہ لفظ موجود ہے۔ میں انگلستان گیا تھا۔ جب میں مانچسٹر پہنچا تو ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تورات کا کوئی پرانا نسخہ دکھاؤ۔ ساتھی پرانا نسخہ لائے۔ چونکہ میں انگریزی نہیں جانتا تھا ساتھیوں سے کہا کہ فلاں باب نکال کر یہ آیات پڑھو۔ انھوں نے جب پڑھیں تو ان میں یہ لفظ دس ہزار قدسیوں کا موجود تھا۔ یہودی، عیسائی اپنی کتابوں میں تحریف کرتے رہتے ہیں لفظی بھی اور معنوی بھی۔

تو مکے والوں کے ساتھ جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے بعض نرم تھیں مسلمانوں کے حق میں تھیں اور بعض سخت اور پریشان کن تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی نازل فرمائی۔ فرمایا ﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے اطمینان اتارا، تسلی اتاری ﴿ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ مومنوں کے دلوں میں ﴿ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ تاکہ وہ زیادہ ہوں ایمان میں اپنے ایمانوں کے ساتھ۔ تاکہ ان کا ایمان مزید بڑھ جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان میں تو پہلے ہی کامل تھے، تسکین نازل ہونے کے بعد ان کے ایمان اور مضبوط ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔ اگر کافروں کی اکثریت ہے تو کوئی بات نہیں لشکر سب رب تعالیٰ کے ہیں ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ﴿ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ تاکہ داخل کرے اللہ تعالیٰ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو ﴿ جَنّٰتٍ ﴾ ایسے باغات میں ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان جنتوں میں ﴿ وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ اور تاکہ مٹادے اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں ایمان کی برکت سے، نماز اور وضو کی برکت سے۔ نیکیوں کی برکت سے صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہوجاتے ہیں۔ بندے نے ایک قدم مسجد کی طرف اٹھایا نماز کے لیے ایک صغیرہ گناہ معاف ہوگیا، ایک درجہ بلند ہوگیا، دس نیکیاں بھی مل گئیں۔ اور اگر کوئی فی سبیل اللہ کے ارادے سے نکلے کہ ہم نے قرآن کا درس سننا ہے کیونکہ دین حاصل کرنا بھی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ تو ایک قدم پر کم از کم سات سو نیکیاں ہیں۔ آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی۔ اگر آنے جانے پر پیسہ خرچ ہوا ہے تو ایک روپے پر

کم از کم سات سو روپے کا ثواب ہے ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے زیادہ کرے۔

تو فرمایا مٹا دے گا ان سے ان کی خطائیں ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ بڑی کامیابی۔ آدمی کے گناہ مٹ جائیں، رب تعالیٰ راضی ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جائے، بڑی کامیابی ہے ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ﴾ اور تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو ﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ اور مشرک مردوں کو اور مشرک عورتوں کو ﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ جو گمان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بُرا گمان کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد نہیں کرے گا یہ سارے ختم ہو جائیں گے ان کا صفایا ہو جائے گا ﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ انھی پر ہے بُری گردش۔ ان پر گردش پڑے گی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہیں ہوگا ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے ان پر ﴿وَلَعَنَهُمْ﴾ اور ان پر لعنت کی ہے ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ﴾ اور ان کے لیے تیار کیا ہے دوزخ۔ اور کیا پوچھتے ہو؟ ﴿وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مومن مرد اور عورت کو جہنم سے بچائے اور اپنے فضل و کرم سے جنت کا وارث بنائے۔

﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ﴿جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ لشکر آسمانوں کے اور زمین کے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيْزًا﴾ غالب ﴿حَكِيْمًا﴾ حکمت والا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ بے شک ہم نے بھیجا آپ کو ﴿شَاهِدًا﴾ گواہی دینے والا ﴿وَّمُبَشِّرًا﴾ اور خوش خبری دینے والا ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور ڈرانے والا ﴿لِّتُؤْمِنُوْا﴾ تاکہ تم ایمان لاؤ ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ اور تاکہ تم اس کی مدد کرو ﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ اور تاکہ تم اس کی تعظیم کرو ﴿وَتُسَبِّحُوْهُ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور پچھلے پہر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يُبَايِعُوْنَكَ﴾ جو بیعت کرتے ہیں آپ سے ﴿اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ پختہ بات ہے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ﴿يَدُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ﴿فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کے ہاتھوں کے اُوپر ہے ﴿فَمَنْ نَّكَثَ﴾ پس جو شخص توڑے گا ﴿فَاِنَّمَا يَنْكُثُ﴾ پس بے شک وہ توڑتا ہے ﴿عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ اپنے نفس کے نقصان کے لیے ﴿وَمَنْ اَوْفٰى﴾ اور جس نے پورا کیا ﴿بِمَا﴾ اس چیز کو ﴿عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ﴾ جس پر اس نے معاہدہ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿فَسَيُؤْتِيْهِ﴾ پس عن قریب دے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اجر بڑا ﴿سَيَقُوْلُ﴾ عن قریب کہیں گے ﴿لَكَ﴾ آپ کے سامنے ﴿الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ جو پیچھے چھوڑ گئے ﴿مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ دیہاتیوں میں سے ﴿شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا﴾ مشغول رکھا ہمیں ہمارے مالوں نے ﴿وَاَهْلُوْنَا﴾ اور

ہمارے گھر کے افراد نے ﴿فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ پس آپ بخشش طلب کریں ہمارے لیے ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ﴾ کہیں گے یہ اپنی زبانوں سے ﴿مَّا﴾ وہ بات ﴿لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ جو ان کے دلوں میں نہیں ہوگی ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ﴾ پس کون مالک ہوگا تمھارے لیے ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿شَيْئًا﴾ کسی چیز کا ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ضرر کا ﴿اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾ یا ارادہ کرے تمھارے لیے نفع کا ﴿بَلْ كَانَ اللّٰهُ﴾ بلکہ ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ جو عمل تم کرتے ہو ﴿خَبِيْرًا﴾ خبر رکھنے والا۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتے ہوئے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن کافروں نے مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ انھیں اپنی اکثریت کا گھمنڈ تھا اور اس کا وہ رعب ڈالتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اکثریت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے۔ تمہارے آدمی کتنے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں انسان ہیں، جنات ہیں، فرشتے ہیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے کہ اگر ایک فرشتہ نیچے آ کر پر مارے تو سارے علاقے کو اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کے متعلق فرمایا ہے ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ [ہود: ۸۲] "اور کر دیا ہم نے ان کے اوپر والے حصے کو نیچے۔" تمام تفسیروں میں لکھا ہے جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ایک پَر پر ان بستیوں کو اٹھا کر بلندی پر جا کر الٹا کر کے نیچے پھینک دیا۔ تمہاری اکثریت کی کیا حیثیت ہے آسمانوں اور زمینوں کے لشکر صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ غالب رب تعالیٰ ہی ہے مگر وہ اپنی حکمت کے ساتھ کام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾ بے شک ہم نے بھیجا آپ کو گواہی بنا کر اپنی وحدانیت پر کہ آپ میری وحدانیت کی گواہی دیں۔ یہ مفہوم حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ شَاهِدًا لِلّٰهِ بِوَحْدَانِيَّتِهٖ "اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا گواہ بنایا۔" اکثر مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کا معنیٰ کرتے ہیں گواہی دینے والا اور گواہی دینے کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے جو بخاری شریف اور دیگر احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

اُمتِ محمدیہ کا حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اکٹھا کرے گا اور سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی جمع کرے گا تو کافروں اور نافرمانوں پر اتمام حجت کے لیے حضرات انبیائے عظام علیہم السلام سے سوال فرمائے

گا۔مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا کیا آپ نے اپنی اُمت کو تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے اے اللہ! میں نے واقعی تبلیغ کی تھی۔ پھر نوح علیہ السلام کی امت سے سوال کیا جائے گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمھیں تبلیغ کی تھی؟ امت انکار کردے گی کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا اے نوح! تمھارا کوئی گواہ بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے میری گواہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے (وہ لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانے میں موجود نہ تھے لہٰذا یہ گواہ کیسے ہوئے تو امت محمدیہ علیٰ صاحِبہا الف الف تحیہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن کریم پڑھا ہے جس میں صاف طور پر لکھا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے انبیائے عظام علیہم السلام نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق یہ فرماتے ہیں کہ مثلاً نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی تو ہم برحق اور سچی گواہی دیتے ہیں) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی شہادت اور گواہی کی صفائی اور تصدیق کریں گے کہ میری امت نے جو گواہی دی ہے وہ حق ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی۔ سورہ نساء آیت نمبر ۴۱ پارہ ۵ میں ہے ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾ "پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہم ہر امت میں سے گواہی دینے والا اور بلائیں گے آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے والا۔" اور سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳ میں ہے ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ "تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہی دینے والا ہو۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی صفائی پیش کریں گے کہ میری امت نے جو گواہی دی ہے صحیح دی ہے۔ کیونکہ جو اہم مقدمات ہوتے ہیں ان میں محض گواہی پر فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ تزکیۃ الشھداء گواہوں کی صفائی کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ مثلاً زنا کے چار گواہ ہیں تو قاضی خفیہ طور پر گواہوں کے متعلق تحقیق کرے گا کہ یہ گواہ فاسق و فاجر تو نہیں ہیں۔ ان گواہوں کی اس کے ساتھ لاگت بازی تو نہیں، کوئی دشمنی اور عداوت تو نہیں، یہ نماز روزے کے پابند ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جب گواہوں کی صفائی ہوجائے گی پھر جج اور قاضی فیصلہ کرے گا۔

اسی طرح چوری کے گواہوں، شراب کے گواہوں، قذف کے گواہوں کا تزکیہ ہوگا پھر فیصلہ ہوگا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی گواہی کی صفائی پیش کریں گے۔ اور یہ تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کی ہے کہ میں اپنی امت کے حق میں گواہی دوں گا کہ میری امت نے جو گواہی دی ہے صحیح ہے۔

قرآن کریم کے ترجمے میں احمد رضا خان بریلوی کا ظلم

قرآن کریم کے جتنے تراجم ہوئے ہیں عربی میں، فارسی میں، اردو میں اور دیگر زبانوں میں، ان میں سے جتنا ظلم لفظی ترجمہ میں احمد رضا خان بریلوی نے کیا ہے اتنا ظلم کائنات میں اور کسی نے نہیں کیا۔ وہ ﴿شَاهِدًا﴾ کا معنیٰ کرتے ہیں بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر۔ شاھد کا ترجمہ حاضر ناظر، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جب ایک سادہ مسلمان

یہ ترجمہ پڑھے گا تو وہ سمجھے گا کہ آپ کا حاضر و ناظر ہونا قرآن میں موجود ہے۔ تو پھر وہ حاضر و ناظر والا عقیدہ کیوں نہیں بنائے گا۔ میں نے اپنی کتاب تنقید متین اور اتمام البرھان میں اس پر کافی بحث کی ہے۔ میں نے کہا خان صاحب! فقہائے کرام رحمہم اللہ تو حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہتے ہیں چاہے وہ حنفی ہوں، شافعی ہوں، مالکی ہوں یا حنبلی ہوں، وہ کہتے ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر مانے وہ پکا کافر ہے۔ تو کفر قرآن کا ترجمہ کیسے ہو گیا؟ اتنا ظلم قرآن پر کسی نے نہیں کیا جتنا اس نے کیا ہے۔ پھر ان کے ایک شاگرد مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے تفسیر لکھی ہے۔ اس میں جتنی خرافات اور رسومات ہیں ان کو قرآن کی تفسیر بنا دیا ہے۔ تو جب ایک سادہ آدمی اس تفسیر کو پڑھے گا وہ اسی کے مطابق عقیدہ اور عمل بنائے گا اس بے چارے کو حقیقت کا کیا علم۔ احمد رضا خان کے ترجمہ کا نام ہے کنز الایمان یعنی ایمان کا خزانہ۔ اور مفتی نعیم الدین کی تفسیر کا نام ہے خزائن العرفان، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ انھوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔

یاد رکھنا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں یا اور کوئی پیغمبر ہو یا ولی، قطب، شہید ہو ان کے متعلق حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا تمام فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے۔ میں نے اپنی کتاب "تبرید النواظر" یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک میں حوالے درج کیے ہیں۔ ہماری کسی کے ساتھ ضد نہیں ہے اور نہ شراکت داری ہے، نہ رشتے ناتے کا کوئی جھگڑا ہے بات صرف اتنی ہے کہ جو قرآن کہتا ہے، حدیث کہتی ہے، فقہائے کرام کہتے ہیں وہ صحیح ہے باقی سب غلط ہے۔ تو شاہد کا معنیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے کہ میں قیامت والے دن اپنی امت کے حق میں گواہی دوں گا۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور ترجمے کی کیا حیثیت ہے؟

﴿وَمُبَشِّرًا﴾ اور خوش خبری دینے والا نیک لوگوں کو کہ اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہے اور تمھارے لیے جنت ہے ﴿وَنَذِيرًا﴾ اور ڈرانے والا بدکاروں کو، کفر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے جو قبر میں ہوگا، دوزخ میں ہوگا ﴿لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ﴾ تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُولِهِ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿وَتُعَزِّرُوهُ﴾ اور تاکہ تم اس کی مدد کرو۔ تعزیر کا لفظی معنیٰ ہے الْمَنْعُ وَالرَّدُّ "منع کرنا اور روکنا" یہ جو سزاؤں میں حدود و تعزیرات کا لفظ آتا ہے ان کو تعزیر اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ جرائم سے روکتی ہیں تو گویا معاشرے کو پاک کرنے پر مدد کرتی ہیں۔

اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ مثلاً میں بیٹھا ہوں اور تمہاری میرے ساتھ عقیدت ہے۔ کوئی شخص مجھ پر حملہ کرنا چاہے تو تم اس کو روکو گے تاکہ میری جان بچ جائے۔ تو یہ تعزیر ہے۔ یہ اس وقت ہوگی جب تم میری مدد کرو گے عالم اسباب میں۔

تو اس کا لازمی ترجمہ ہے مدد کرنا۔ تو معنیٰ ہوگا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد کرو، آپ کا دفاع کرو ﴿وَتُوَقِّرُوهُ﴾ اور تاکہ تم اس کی تعظیم کرو، عزت کرو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے بعد ساری کائنات میں سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرنا ایمان کی بنیاد ہے ﴿وَتُسَبِّحُوهُ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو ﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ پہلے پہر اور پچھلے پہر سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ پڑھو۔

حدیث پاک میں آتا ہے اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللهِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ اللہ تعالیٰ کو یہ کلمہ بہت اچھا لگتا ہے۔ اور

بخاری شریف میں روایت ہے کہ چار کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ۔ پہلے پہر اور پچھلے پہر ان کو پڑھا کرو خاص طور پر ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ [سورۃ ق:۳۹] "سورج کے طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے۔" ویسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

تو خیر کل بیان ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا تو کافروں نے ان کو قید کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو اس بات کی کہ ہم اپنے قیدی کو چھڑائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے شہید ہونے کی خبر تھی۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان کا بدلہ لیں گے۔ اس کا ذکر ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يُبَايِعُوْنَكَ﴾ جو بیعت کر رہے تھے آپ کے ہاتھ پر ﴿اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ﴾ پختہ بات ہے وہ بیعت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ سے۔ یوں سمجھو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔ کیونکہ ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ﴾ [النساء:۸۰] "جس شخص نے اطاعت کی رسول کی پس تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی۔" ﴿يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت، رب تعالیٰ کی نصرت، رب تعالیٰ کی امداد شامل حال ہے ﴿فَمَنْ نَّكَثَ﴾ پس جو شخص عہد توڑے گا عہد شکنی کرے گا ﴿فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ پس بے شک وہ توڑتا ہے اپنے نفس کے نقصان کے لیے۔ جو وعدے کی خلاف ورزی کرے گا اس کا وبال اس کے نفس پر پڑے گا ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللهَ﴾ اور جس نے پورا کیا اس چیز کو جس پر اس نے معاہدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ سے کہ میں میدان سے نہیں بھاگوں گا، پشت نہیں پھیروں گا موت بھی آئی تو قبول کروں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم بیعت کر رہے تھے موت پر اور یہ لفظ بھی ہیں عَلٰى اَنْ لَّا نَفِرَّ کہ ہم میدان سے پشت نہیں پھیریں گے۔ جو عہد کو پورا کرے گا ﴿فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پس عن قریب دے گا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم، بڑا اجر دے گا۔

کل میں نے عرض کیا تھا کہ حدیبیہ کا سفر ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں پیش آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اس سفر میں ایک منافق بھی شریک نہیں تھا کیونکہ منافقوں نے میٹنگ کر کے ایک دوسرے کو کہا تھا کہ جانے کی غلطی نہ کرنا یہ جھلے (بے وقوف) ہیں تین لڑائیاں ان کے ساتھ ہو چکی ہیں، بدر، احد، خندق۔ اب یہ ان کے گھر جا رہے ہیں وہ اتنے بے غیرت نہیں کہ ان کو زندہ چھوڑ دیں گے؟ موت کے منہ میں نہ جانا انھوں نے کون سا واپس آنا ہے۔ اس واسطے ایک بھی منافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں شریک نہیں تھا۔ بعض نے تو پہلے ہی کچھ حیلے بہانے کر کے اجازت لے لی اور بعض نے ضرورت ہی نہ سمجھی کہ انھوں نے کون سا واپس آنا ہے کہ ان کے سامنے حیلے بہانے کریں۔ لیکن ان کی توقع کے خلاف سب صحیح سالم واپس آ گئے صرف دو صحابی راستے میں فوت ہو گئے۔ یہ سورۃ حدیبیہ کے سفر سے واپسی میں نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيَقُوْلُ لَكَ﴾ عن قریب کہیں گے آپ کے سامنے ﴿الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ جن کو پیچھے چھوڑا گیا، منافقین ﴿مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ دیہاتیوں میں سے۔ کیا کہیں گے ﴿شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا﴾ مشغول رکھا ہمیں ہمارے مالوں نے

﴿وَاَهْلُوْنَا﴾ اور ہمارے گھر کے افراد نے۔ حضرت ہم بھی جانے کے لیے تو تیار تھے دل تو بڑا کرتا تھا مگر ہمارے جانور رکھوالنے والا، باندھنے والا کوئی نہیں تھا۔ دھوپ چھاؤں میں باندھنے والا کوئی نہیں تھا، چارا ڈالنے والا اور پانی پلانے والا کوئی نہیں تھا۔ کسی نے کہا حضرت! میری بے بے مرنے کے قریب تھی، کسی نے کہا میری بیوی بیمار تھی ہم بالکل تیار تھے بس اچانک یہ حادثہ پیش آ گیا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں یہ پیچھے رہ جانے والے عن قریب آپ کو یہ کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مالوں اور جانوروں نے مشغول رکھا، گھر کے افراد نے مشغول رکھا جس کی وجہ سے نہیں جا سکے ﴿فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ پس آپ بخشش طلب کریں ہمارے لیے۔ ہم مجبور تھے شریک نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا﴾ کہیں گے یہ اپنی زبانوں سے وہ بات ﴿لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ جو دلوں میں ہے اس کا ذکر آگے آ رہا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ پس کون مالک ہوگا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تمھیں کون بچائے گا ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾ اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے نقصان کا یا ارادہ کرے تمھارے لیے نفع کا۔ رب تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والا کون ہے اور اس کے نفع کو روکنے والا کون ہے مجھے بتلاؤ؟ کیونکہ نافع بھی اللہ تعالیٰ ہے اور ضار بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

درودِ تاج کی حقیقت

اکثر لوگ درودِ تاج پڑھتے ہیں۔ یہ بناوٹی اور جعلی درود ہے اگرچہ کچھ الفاظ اس کے صحیح ہیں لیکن درمیان میں غلط الفاظ بھی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو دافع البلاء والوباء والقحط والالم کہنا خالص شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر کوئی دافع البلا نہیں ہے کوئی تکلیفیں ٹالنے والا نہیں ہے۔ درودِ تاج ہو یا اور جتنے مصنوعی درود ہیں ان کے قریب نہیں جانا چاہیے خواہ ان کے کتنے ہی فضائل لکھے ہوں۔ اسلامی درود شریف اور صحیح درود شریف درودِ ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اس سے بہتر اور برکت والا کوئی درود شریف نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ایک ایک حرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔

تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے نقصان کا ارادہ کرے یا نفع کا ارادہ کرے تو کون مالک ہے اس کو ٹالنے والا ﴿بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ بلکہ ہے اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو اس سے خبردار۔ یہ جو تم باتیں کر رہے ہو ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جو بات تھی اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ﴾ بلکہ تم نے خیال کیا ﴿اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ﴾ اس بات کا کہ ہرگز نہیں واپس لوٹ کر آئیں گے اللہ کے رسول ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ایمان والے ﴿اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ اپنے اہل کی طرف کبھی بھی ﴿وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ﴾ اور مزین کی گئی یہ چیز ﴿فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ تمھارے دلوں میں ﴿وَظَنَنْتُمْ﴾ اور تم نے خیال کیا ﴿ظَنَّ السَّوْءِ﴾ برا خیال ﴿وَ

﴿كُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا﴾ اور ہو تم قوم ہلاک ہونے والی ﴿وَمَنْ﴾ اور جو شخص ﴿لَّمْ يُؤْمِنْ﴾ نہ ایمان لایا ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿فَاِنَّآ﴾ پس بے شک ہم نے ﴿اَعْتَدْنَا﴾ تیار کی ہے ﴿لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿سَعِيْرًا﴾ بھڑکتی ہوئی آگ ﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ بادشاہی آسمانوں کی ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کی ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ بخش دے گا جس کو چاہے گا ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور سزا دے گا جس کو چاہے گا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرًا﴾ بخشنے والا ﴿رَّحِيْمًا﴾ مہربان ﴿سَيَقُوْلُ﴾ عنقریب کہیں گے ﴿الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ پیچھے چھوڑے ہوئے ﴿اِذَا انْطَلَقْتُمْ﴾ جب تم جاؤ گے ﴿اِلٰى مَغَانِمَ﴾ غنیمتوں کی طرف ﴿لِتَاْخُذُوْهَا﴾ تاکہ تم ان کو لو ﴿ذَرُوْنَا﴾ چھوڑ دو ہمیں ﴿نَتَّبِعْكُمْ﴾ ہم بھی تمہارے پیچھے چلتے ہیں ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ یہ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ يُّبَدِّلُوْا﴾ کہ بدل دیں ﴿كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکو گے ﴿كَذٰلِكُمْ﴾ اسی طرح ﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ﴾ پس وہ بتاکید کہیں گے ﴿بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا﴾ بلکہ تم حسد کرتے ہو ہمارے ساتھ ﴿بَلْ كَانُوْا﴾ بلکہ ہیں وہ ﴿لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ نہیں سمجھتے ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِّلْمُخَلَّفِيْنَ﴾ ان کو جو پیچھے چھوڑے گئے ﴿مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ دیہاتیوں میں سے ﴿سَتُدْعَوْنَ﴾ عنقریب تم بلائے جاؤ گے ﴿اِلٰى قَوْمٍ﴾ ایک قوم کی طرف ﴿اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ جو سخت لڑنے والی ہے ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ﴾ تم ان سے لڑو گے ﴿اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے ﴿فَاِنْ تُطِيْعُوْا﴾ پس اگر تم نے اطاعت کی ﴿يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ﴾ دے گا تم کو اللہ تعالیٰ ﴿اَجْرًا حَسَنًا﴾ اچھا اجر ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ اور اگر تم نے روگردانی کی ﴿كَمَا تَوَلَّيْتُمْ﴾ جیسا کہ روگردانی کی تم نے ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿يُعَذِّبْكُمْ﴾ سزا دے گا تم کو ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ سزا دردناک۔

حدیبیہ کا واقعہ پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ یہ پیچھے رہ جانے والے دیہاتی اب حیلے بہانے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مالوں اور گھر والوں نے مشغول کر دیا تھا اس واسطے ہم آپ کے ساتھ نہیں جا سکے آپ ہمارے لیے استغفار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ زبانوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ یہ پکے منافق ہیں۔ جیسے آج کل کے سیاسی لیڈر کہ ظاہر میں کچھ ہیں اور باطن میں کچھ ہیں، قول کچھ ہے عمل کچھ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہ جانے کی جو وجہ یہ بتا رہے ہیں یہ نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ﴾ بلکہ تم نے خیال کیا ﴿اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ﴾ کہ ہرگز نہیں واپس لوٹ کر آئیں گے رسول ﷺ ﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ایمان والے ﴿اِلٰٓی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا﴾ اپنے اہل کی طرف کبھی بھی۔ تم نے یہ سمجھا کہ دشمن کے گھر جا رہے ہیں انھوں نے کون سا زندہ واپس آنا ہے لہٰذا اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے ﴿وَّ زُیِّنَ ذٰلِكَ﴾ اور مزین کی گئی یہ چیز، یہ بات، یہ نظریہ ﴿فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ تمھارے دلوں میں ﴿وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ اور تم نے خیال کیا بُرا خیال۔ رب تعالیٰ کی قدرت کی طرف تمھاری توجہ نہیں ہوئی کہ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ تم نے صرف ایک پہلو کو سامنے رکھا کہ دشمن کے پاس جا رہے ہیں وہ انھیں زندہ نہیں چھوڑے گا ﴿وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا﴾۔ بُوْرًا بَائِر کی جمع ہے۔ بائر کا معنیٰ ہے ہلاک ہونے والا۔ معنیٰ ہوگا تم ہلاک ہونے والی قوم ہو، دوزخ کا ایندھن بنو گے ﴿وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اور جو شخص ایمان نہ لایا صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ﴿فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ پس بے شک ہم نے تیار کی ہے کافروں کے لیے ﴿سَعِیْرًا﴾ بھڑکتی ہوئی آگ۔ دنیا کی آگ انسان برداشت نہیں کر سکتا اس میں پتھر راکھ ہو جاتے ہیں اور لوہے جیسی چیزیں پگھل جاتی ہیں اور جہنم کی آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے۔ ﴿وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا ﴿وَ الْاَرْضِ﴾ اور زمین کا۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا خالق اور مالک وہ ہے اور حکم بھی اسی کا ہے ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ بخش دے گا جس کو چاہے گا اور بخشے گا اسے جو ایمان لائے گا اور عمل اچھے کرے گا جو گناہوں سے بچا اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ﴿وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور سزا دے گا جس کو چاہے گا۔ کافر و مشرک کی بخشش نہیں ہے جو خدا اور رسول کا نافرمان ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔ وقت ہے توبہ کر لو اللہ تعالیٰ کی بخشش کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ سے بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے تو آپ کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودی مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور انھوں نے مشرکین کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے اور قبیلہ بنو اسد اور قبیلہ بنو غطفان وغیرہ نے بھی خوب تیاری کر لی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ بعض چیزیں محض افواہ کے درجے میں ہوتی ہیں اور حقیقت کچھ نہیں ہوتی لہٰذا اس افواہ کی تحقیق کرنی چاہیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چند سمجھ دار ساتھیوں سے فرمایا کہ تاجر بن کر، مسافر بن کر، سیاح بن کر خیبر جاؤ وہاں چلو پھرو اور حالات کا جائزہ لو، جاسوسی کرو کہ واقعتاً خیبر کے یہودی مدینہ طیبہ پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں یا محض افواہ ہے۔ چنانچہ یہ ساتھی گئے حالات کا جائزہ لیا اور واپس آ کر رپورٹ پیش کی حضرت! پکی بات ہے کہ وہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وقت کا تو علم نہیں ہے لیکن ارادہ ان کا پختہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم ان کو یہاں آنے کی تکلیف نہیں دیں گے بلکہ ہم خود جا کر ان کی خبر لیں گے۔

خیبر مدینہ طیبہ سے انگریزی میلوں کے حساب سے دو سو میل دور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو ساتھی حدیبیہ کے سفر میں

میرے ساتھ تھے وہ تیاری کرلیں۔منافقوں کو جب علم ہوا کہ یہ خیبر پر حملے کے لیے جارہے ہیں تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے کیونکہ مسلمانوں نے خیبر کو فتح کرلینا ہے۔اس لیے کہ یہودی مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے لازمی طور پر مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوگی اور یہودی بڑے امیر لوگ ہیں۔سونا، چاندی اور قیمتی چیزیں ان کے پاس ہیں بڑی غنیمتیں حاصل ہوں گی ہمیں بھی اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے کے لیے جاؤ گے تو یہ منافق تمہارے راستے پر کھڑے ہوں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لے جاؤ۔

تو اس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ عنقریب کہیں گے وہ جو پیچھے چھوڑے گئے سفر حدیبیہ سے۔ان کے نفسوں نے ان کو پیچھے چھوڑا یا دوسروں نے ان کو پیچھے چھوڑا کہ نہ جانا۔یہ کہیں گے ﴿اِذَا انْطَلَقْتُمْ﴾ جب تم جاؤ گے ﴿اِلٰی مَغَانِمَ﴾ مغانم مغنم کی جمع ہے،غنیمتوں کی طرف ﴿لِتَاْخُذُوْهَا﴾ تاکہ تم ان کو لو۔کیا کہیں گے ﴿ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ﴾ ہمیں چھوڑ دو ہم بھی تمھارے پیچھے چلتے ہیں خیبر کے لیے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہلے ہی آگاہ کردیا تھا کہ یہ تمھارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوجائیں گے مگر تم ان کو ساتھ نہ لے جانا ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ بدل دیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو۔رب تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ان کو ﴿لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاسکو گے ﴿كَذٰلِكُمْ﴾ اسی طرح ﴿قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمہارے ساتھ جائیں گے لیکن ان کو ساتھ نہیں لے جانا۔تم منافق لوگ صرف مال کے حریص ہو تم جانتے ہو کہ یہود کے پاس مال بڑا ہے۔اس وقت بھی یہودی تمام ملکوں کی دولت پر قابض ہیں۔یہ ایسی قوم ہے کہ ان کو دولت کمانے کے گر معلوم ہیں۔امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی سب ان کے قبضے میں ہیں۔روس ان کے قبضے میں ہے۔مالی شعبے تمام ملکوں کے یہودیوں کے قبضے میں ہیں۔پچھلے دنوں جنوبی افریقہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں بڑے بڑے کارخانے ہیں سونا صاف کرنے کے۔کسی جگہ سرخ سونے کی فیکٹری ہے، کہیں سفید سونے کی فیکٹری ہے۔پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سب یہودیوں کی ہیں۔میں نے پوچھا کہ کسی مسلمان کی بھی ہے؟ کہنے لگے نہیں۔کسی کالے افریقی کی ہے؟ کہنے لگے نہیں سب یہودیوں کی ہیں۔کچھ فیکٹریاں عیسائی انگریزوں کی بھی ہیں لیکن اکثر یہودیوں کی ہیں۔

تو فرمایا تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاسکو گے۔اسی طرح فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ یہ تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوجائیں گے مگر تم نے ان کو ساتھ نہیں لے جانا ﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ﴾ پس وہ بہ تاکید کہیں گے۔کیا کہیں گے؟ ﴿بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا﴾ بلکہ اے مسلمانو! تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو کہ یہ غنیمتیں کیوں لیں۔تم چاہتے ہو کہ ساری غنیمتیں تم لے لو اور ہمیں کچھ نہ دو۔فرمایا ﴿بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ بلکہ ہیں وہ منافق نہیں سمجھتے مگر بہت تھوڑا۔منافقوں کے ظاہری اور سطحی ذہن ہیں عمیق اور گہرے ذہن نہیں ہیں وہ بات نہیں سمجھتے۔خود غرض اور مطلب پرست ہیں اس لیے واویلا کرتے ہیں ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ آپ ان کو کہہ دیں جو پیچھے چھوڑے گئے ہیں سفر حدیبیہ سے دیہاتیوں میں سے۔جواب بڑھ

چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی ساتھ لے جاؤ آپ ان سے کہہ دیں ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ﴾ عن قریب تم بلائے جاؤ گے ایسی قوم کی طرف ﴿اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ جو سخت لڑنے والی ہوگی ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ﴾ تم ان کے ساتھ لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ کون سی قوم ہے جن کے ساتھ لڑنے کے لیے ان کو دعوت دی جائے گی؟ بعض اسے مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہونے والی جنگ پر محمول کرتے ہیں جو یمامہ کے مقام پر ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ تین دن میں سات سو حافظ قرآن شہید ہوئے تھے۔

بعض حضرات اسے غزوہ حنین سے تعبیر کرتے ہیں جو ۸ھ میں ہوازن اور ثقیف کے ساتھ ہوا۔ جس میں ایک دفعہ مسلمان مغلوب ہو گئے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا اور بعض مفسرین رحمہم اللہ ﴿اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ سے عراقی، ایرانی، کردی اور مصری قومیں مراد لیتے ہیں کہ یہ سب لڑاکا قومیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے خلاف جنگیں ہوئی ہیں۔ مصر کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا اور شام کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اور ایران کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ تو فرمایا عنقریب تمھیں بلایا جائے گا ایک سخت لڑاکا قوم کی طرف اور تمھاری بہادری کو دیکھا جائے گا۔ اب تم یہودیوں کا مال دیکھ کر تیار ہو گئے ہو تم ان کے ساتھ لڑو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔

چنانچہ بیشتر ان میں سے اپنے اپنے وقت پر مسلمان ہو گئے ﴿فَاِنْ تُطِیْعُوْا﴾ پس اگر تم نے اطاعت کی ﴿یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا﴾ دے گا تمھیں اللہ تعالیٰ اچھا اجر اور اطاعت ہوگی ایمان صحیح قبول کرنے سے ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا کہ تم پہلے جہاد سے پھر گئے مختلف موقعوں پر ﴿یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ سزا دے گا تم کو اللہ تعالیٰ دردناک۔ وہ تم بھگتو گے۔

﴿لَیْسَ﴾ نہیں ہے ﴿عَلَی الْاَعْمٰی﴾ اندھے پر ﴿حَرَجٌ﴾ کوئی حرج ﴿وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ﴾ اور نہ لنگڑے پر ﴿حَرَجٌ﴾ کوئی حرج ﴿وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ﴾ اور نہ مریض پر کوئی حرج ﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول کی ﴿یُدْخِلْهُ﴾ داخل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّ﴾ اور جو اعراض کرے گا ﴿یُعَذِّبْهُ﴾ سزا دے گا اس کو ﴿عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ سزا دردناک ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ﴾ البتہ تحقیق راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ایمان والوں سے ﴿اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ﴾ جس وقت وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی ﴿تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ درخت کے نیچے ﴿فَعَلِمَ﴾ پس اللہ تعالیٰ کو علم تھا ﴿مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ اس چیز کا جو ان کے دلوں میں تھی ﴿فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ﴾ پس نازل کی اللہ تعالیٰ نے تسلی ان پر ﴿وَاَثَابَهُمْ﴾ اور بدلہ دیا ان کو ﴿فَتْحًا قَرِیْبًا﴾

فتح قریب کا ﴿وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً﴾ اور بہت سی غنیمتوں کا ﴿يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ جن کو وہ لیں گے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ غالب حکمت والا ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ﴾ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ ﴿مَغَانِمَ كَثِيْرَةً﴾ بہت سی غنیمتوں کا ﴿تَاْخُذُوْنَهَا﴾ جن کو تم لو گے ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ﴾ پس جلدی کی ہے اس نے تمھارے لیے ﴿هٰذِهٖ﴾ یہ ﴿وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ﴾ اور روک دیا اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو ﴿عَنْكُمْ﴾ تم سے ﴿وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تاکہ ہو جائے نشانی مومنوں کے لیے ﴿وَ يَهْدِيَكُمْ﴾ اور تاکہ چلائے تمھیں ﴿صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ سیدھے راستے پر ﴿وَّ اُخْرٰى﴾ اور دوسری غنیمتیں ہیں ﴿لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا﴾ جن پر ابھی تک تم قادر نہیں ہوئے ﴿قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾ تحقیق احاطہ کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ ہر چیز پر قادر ﴿وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ﴾ اور اگر لڑیں گے تمھارے ساتھ وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ﴾ البتہ پھیریں گے پشتیں ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ﴾ پھر نہیں پائیں گے ﴿وَلِيًّا﴾ کوئی حمایتی ﴿وَّ لَا نَصِيْرًا﴾ اور نہ کوئی مددگار ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کا دستور وہ ہے ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ تحقیق جو گزر چکا ہے اس سے پہلے ﴿وَ لَنْ تَجِدَ﴾ اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ ﴿لِسُنَّةِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ﴿تَبْدِيْلًا﴾ تبدیلی۔

ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جن لوگوں نے سفر حدیبیہ میں شرکت نہیں کی اور ساتھ ساتھ آئندہ جہاد کی دعوت بھی دی اور شرکت نہ کرنے پر عذاب کی دھمکی بھی دی۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو مستثنیٰ ہیں اگر وہ شریک نہیں ہوں گے تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ﴾ نہیں ہے اندھے پر کوئی حرج ﴿وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ﴾ اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے۔ جس شخص کی آنکھیں نہیں ہیں وہ معذور ہے۔ وہ جہاد میں شرکت نہیں کرتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیوں کہ اسے نظر ہی کچھ نہیں آتا۔ ایک آدمی لنگڑا ہے، چل نہیں سکتا اس پر بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ معذور ہے ﴿وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے کہ وہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا، چل پھر نہیں سکتا چاہے وہ جوان ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ جہاد میں شرکت نہیں کرتا تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ تو اندھا بھی مستثنیٰ ہے، لنگڑا بھی مستثنیٰ ہے اور بیمار بھی مستثنیٰ ہے لیکن ہمت والے لوگوں کا معاملہ جدا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی

چنانچہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے، قریشی تھے جن کے متعلق سورۃ ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰی﴾ نازل ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قادسیہ کے مقام پر بہت جنگیں ہوئی ہیں۔ اس جنگ میں انھوں نے کہا کہ میں تمھارے ساتھ جاؤں گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ حضرت! آپ نابینا ہیں نہ لڑ سکتے ہیں اور نہ لڑائی کا نظارہ کر سکتے ہیں آپ جا کر کیا کریں گے؟ کہنے لگے میں تمھیں نمازیں پڑھاؤں گا، اذان دوں گا، تمھارے لیے دعائیں کروں گا۔ ان کو ساتھ لے گئے۔ صبح کی اذان دی، نماز پڑھائی، ساتھی ناشتے کی تیاری میں تھے اور دشمن بھی ناشتے کی تیاری میں مصروف تھا۔ بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ دشمن ہم سے کتنا دور ہے؟ ساتھیوں نے بتایا کہ دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ کہنے لگے کہ درمیان میں کوئی اونچی نیچی جگہ تو نہیں ہے؟ ساتھیوں نے کہا نہیں بلکہ زمین ہموار ہے۔ فرمانے لگے جھنڈا مجھے پکڑا دو۔ اس زمانے میں جھنڈا جس کے ہاتھ میں ہوتا تھا ساری فوج اس کے پیچھے ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اپنی لنگی اچھی طرح کسّی (باندھ لی)، نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمن کی طرف دوڑ لگا دی۔ ساتھی پیچھے دوڑے کہ یہ نابینا ہیں زخمی نہ ہو جائیں، مارے نہ جائیں۔ جب انھوں نے ان کے پیچھے دوڑ لگائی کافروں نے سمجھا کہ حملہ ہو گیا ہے وہ بھی ناشتہ چھوڑ کر بھاگے۔ یہ ان کے پیچھے اور وہ آگے آگے۔ کافر اگرچہ تعداد میں کافی زیادہ تھے مگر سب کچھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ کافی مال غنیمت آیا، بے شمار برتن وغیرہ اور کافی رقبہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ تاریخ والے جب حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھتے ہیں تو حیران بھی ہوتے ہیں اور ہنستے بھی ہیں کہ نابینا بابے نے کیا کیا؟ اچانک افراتفری پھیلا دی۔

تو ہمت والے کا معاملہ جدا ہے۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ لنگڑے تھے اشد العرج بہت زیادہ لنگڑے تھے۔ غزوۂ اُحد سے ایک دن پہلے بیٹوں سے کہا کہ کل میں نے جنگ میں ضرور شرکت کرنی ہے۔ بیٹوں نے کہا ابا جی! ہم صحت مند نوجوان ہیں ہم جہاد کریں گے آپ معذور ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی ہے۔ کہنے لگے نہیں مجھے ضرور شرکت کرنا ہے۔ باپ بیٹوں کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ باپ بیٹے آنحضرت رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ بیٹوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ ہمارے ابا جی ہیں آپ ان کو جانتے ہیں کہ یہ کافی لنگڑے ہیں اٹھتے ہیں تو یوں گھوم جاتے ہیں صحیح طریقے سے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے اور یہ اصرار کر رہے ہیں کہ میں نے صبح جہاد میں ضرور شریک ہونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لنگڑوں کو معذور قرار دیا ہے۔ پھر آپ کے تینوں بیٹے شرکت کے لیے جا رہے ہیں آپ نہ جائیں۔ آپ کے بیٹوں کا موقف صحیح ہے۔ کہنے لگے حضرت! یہ فرمائیں کہ لنگڑا اگر جہاد کرے تو کیا اس کے لیے جائز نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جائز ہے۔ حضرت! یہ بتلائیں کہ لنگڑے کے لیے جنت نہیں ہے؟ فرمایا، ہے۔ کہنے لگے پھر مجھے کیوں روکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے آپ شریک ہوں۔ تو ہمت کی بات الگ ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اگر یہ لوگ جہاد نہ کریں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ﴾ داخل کرے گا ان کو باغوں میں جاری ہیں ﴿مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے نیچے نہریں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والا جنت میں داخل ہوگا ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ اور جو اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اور اس کے رسول کی اطاعت سے ﴿يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ سزا دے گا اس کو اللہ تعالیٰ دردناک سزا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام نہ ماننے والے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام نہ ماننے والے کو سخت سزا ہوگی۔

پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اب اس بیعت کا ذکر ہے۔

بیعتِ رضوان

ہجرت کا چھٹا سال تھا اور دوپہر کا وقت تھا۔ کیکر کے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ کسی نے آ کر یہ خبر دی کہ آپ کے سفیر عثمان رضی اللہ عنہ کو مکے والوں نے شہید کر دیا ہے اور یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ آپ کے سفیر کو کافروں نے قید کر دیا ہے۔ قید ہونے کی خبر بھی پہنچی اور شہید ہونے کی خبر بھی پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ سب کے سب اِدھر آ جاؤ اور میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ ہم عثمان رضی اللہ عنہ کو رہا کرائے یا بدلہ لیے بغیر نہیں جائیں گے۔ بخاری شریف میں دو لفظ آتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بَايَعْنَا عَلَى الْمَوْتِ "ہم نے موت پر بیعت کی" کہ ہم مر جائیں گے آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اور دوسرے لفظ آتے ہیں عَلٰۤی اَنْ لَّا نَفِرَّ "کہ ہم میدان سے بھاگیں گے نہیں۔" سب نے جب بیعت کر لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ کھڑا کیا اور فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ کا دایاں ہاتھ ہے۔ فرمایا اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ کافروں کی قید میں ہیں اور اس بیعت کا بڑا درجہ ہے۔ اس وقت یہ میرا دایاں ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے، میں اس کی طرف سے بھی بیعت کرتا ہوں۔ بخاری شریف کی روایت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ غیر حاضر ہوتے ہوئے بھی نمبر لے گئے کہ ہم نے تو اپنے ہاتھوں سے بیعت کی اور عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کے ذریعے بیعت کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ﴾۔ لام بھی تاکید کا ہے اور قد بھی تاکید کا ہے۔ ڈبل تاکید ہوگئی۔ تو معنیٰ ہوگا البتہ تحقیق اللہ راضی ہوگیا ہے۔ ماضی کا صیغہ ہے۔ مضارع کا صیغہ ہوتا تو معنیٰ ہوتا اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔ نہیں بلکہ راضی ہوگیا ہے ﴿عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں سے ﴿اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ﴾ جس وقت وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی ﴿تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ درخت کے نیچے۔ بیعت کرنے والوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ موجود نہیں تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت کی۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت سعید رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم اس بیعت میں شامل تھے۔ رب تعالیٰ نے ان سب کو مومن کہا۔ جو شخص ان کو مومن نہیں سمجھتا وہ منکر قرآن ہے اور پکا کافر ہے۔

رافضیوں کا دھوکا

یہ رافضی مختلف بہانوں سے ہمارے سنی بھائیوں کو پھنساتے رہتے ہیں۔ کسی رافضی کو اپنی مسجد میں جگہ نہ دو، اپنے محلے میں جگہ نہ دو اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ دنیاوی معاملات چلتے رہتے ہیں مگر دین کے معاملے میں محتاط رہو۔ دیکھو! کتنے ظلم کی بات ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کو مومن کہا ہے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں تو اس کے دو جواب دیتے ہیں۔

❀ ایک یہ کہ یہ قرآن اصل نہیں ہے۔ اصل قرآن کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے۔ اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں ہیں اور یہ قرآن جو ہمارے پاس موجود ہے اس کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اصل قرآن ستر گز لمبا تھا۔ بھائی! اس کو تو پڑھنے کے لیے اسکوٹر (موٹر بائیک) کی ضرورت پڑے گی۔ یہ ساری باتیں ان کی مستند ترین کتاب اصول کافی میں موجود ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ قرآن اصل نہیں ہے اس کو ہم نہیں مانتے۔

❀ دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بداء ہو گیا کہ جس وقت رب نے ان کو مومن کہا اس وقت مومن تھے رب کو علم نہیں تھا کہ یہ مرتد ہو جائیں گے بعد میں علم ہوا کہ یہ مرتد ہو گئے ہیں، معاذ اللہ تعالیٰ۔ بداء کے عقیدے کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ جتنی بداء کے عقیدے سے عبادت قبول ہوتی ہے وہ کسی اور عقیدے کے ساتھ نہیں ہوتی۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ توحید راس الطاعات ہے۔ رافضی کہتے ہیں بداء سب عقائد سے بڑھ کر ہے کہ رب ایک فیصلہ کرتا ہے اس وقت اس کے علم میں نہیں ہوتا بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ اس نے غلط کیا ہے، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ لہٰذا رافضیوں کے پھندے میں نہ آنا۔ آج کل رافضی اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے قریب نہ جانا۔

تو فرمایا البتہ تحقیق راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے ﴿فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ کو علم تھا اس کا جو ان کے دلوں میں تھا اخلاص ﴿فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے نازل کی تسلی، تسکین ان پر ﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا﴾ اور بدلہ دیا ان کو فتح قریب کا۔ فتح قریب سے مراد خیبر کی فتح ہے۔ صلح حدیبیہ ذوالقعدہ کے مہینے میں ہوئی اور خیبر فتح ہوا ایک ماہ بعد محرم کے مہینے میں۔ اور اس قریبی فتح اور غنیمت کے علاوہ ﴿وَمَغَانِمَ كَثِیْرَةً﴾ اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿یَّاْخُذُوْنَهَا﴾ جن کو تم لو گے۔ وہ مصر کی، شام کی، عراق اور ایران کی غنیمتیں ہیں۔ اگرچہ بہ ظاہر حالات ایسے نہیں ہیں لیکن ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اس نے

وعدہ کیا ہے وہ تم کو دے گا مگر ہے حکمت والا ہر بات اس کی حکمت کے ساتھ ہے تم رب تعالیٰ کے وعدے پر یقین رکھو ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے تمھارے ساتھ ﴿مَغَانِمَ كَثِيْرَةً﴾ بہت سی غنیمتوں کا ﴿تَاْخُذُوْنَهَا﴾ جن کو تم لوگے ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے جلدی کی ہے تمھارے لیے یہ غنیمت خیبر کی ﴿وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ اور روک دیئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ہاتھ تم سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو بعض کافر لوگوں نے کہا کہ تعداد ہماری زیادہ ہے، اسلحہ ہمارے پاس زیادہ ہے، ساری برادریاں ہمارے ساتھ ہیں یہ ہمارے دروازے پر آئے ہوئے ہیں ان کا صفایا کر دو۔ کہنے لگے او بے غیرتو! گھر آئے ہوؤں کو چھوڑتے ہو۔ لیکن بعض نے کہا کہ وہ عمرے کے لیے آئے ہیں، احرام باندھے ہوئے ہیں لڑنے کے لیے نہیں آئے لہٰذا ان سے لڑنا نہیں ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال کر ان کے ہاتھ روک دیئے ﴿وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تاکہ یہ فتح خیبر اور غنیمت، ہو جائے نشانی مومنوں کے لیے۔ خیبر کے جہاد کے لیے پندرہ سو مسلمان گئے اور مقابلے میں تیس (۳۰) ہزار یہودی تھے اور یہودیوں کے پاس قلعے، مکانات، باغات اور بڑا کچھ تھا۔ پندرہ سو اور تیس ہزار کا مقابلہ ہوا۔ پندرہ (۱۵) مسلمان شہید ہوئے، ترانوے (۹۳) یہودی مارے گئے اور باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

تو فرمایا تاکہ یہ نشانی ہو ایمان والوں کے لیے ﴿وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ اور تاکہ چلائے تمھیں سیدھے راستے پر۔ یہ خیبر کی غنیمت تو تم نے لے لی ﴿وَّاُخْرٰى﴾ اور دوسری غنیمتیں ہیں ﴿لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا﴾ جن پر ابھی تک تم قادر نہیں ہوئے۔ مصر، شام، ایران، عراق، روم کے علاقے فتح ہوں گے اور غنیمتیں تمہارے ہاتھ آئیں گی ﴿قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾ تحقیق احاطہ کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے لڑائی نہیں ہونے دی ﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور اگر اس موقع پر کافر تمھارے ساتھ لڑتے ﴿لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ﴾ البتہ پھیر لیتے پشتیں۔ پشت پھیر کر بھاگتے اور ان کو شکست ہوتی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور مخلص مومن آپ کے ساتھ ہیں۔ رب تعالیٰ کی امداد ان کے ساتھ ہے۔ وہ پشتیں پھیر لیتے ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔ وہ کہتے تھے کہ فلاں فلاں قبیلہ ہماری مدد کرے گا۔ فرمایا کوئی بھی ان کی مدد کے لیے نہ آتا ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ اللہ تعالیٰ کا دستور وہ ہے جو گزر چکا ہے اس سے پہلے۔ وہ یہ ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [مومن: ۵۱] "بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان کے ساتھیوں کی۔" ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں تبدیلی۔ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۱۷۳] "اور بے شک ہمارا لشکر البتہ وہی غالب آئے گا۔" غلبہ انھی کو ملے گا۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿كَفَّ اَیْدِیَهُمْ﴾ جس نے روکے ان کے ہاتھ ﴿عَنْكُمْ﴾ تم سے ﴿وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ﴾ اور تمھارے ہاتھ ان سے ﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ مکہ مکرمہ کے پیٹ کے اندر ﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ﴾ بعد اس کے کہ کامیاب کر دیا تم کو ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿بَصِیْرًا﴾ دیکھنے والا ﴿هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا ﴿وَ صَدُّوْكُمْ﴾ اور روکا تمھیں ﴿عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے ﴿وَ الْهَدْیَ﴾ اور ہدی کے جانوروں کو روکا ﴿مَعْكُوْفًا﴾ جو رکے ہوئے ہیں ﴿اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾ کہ وہ پہنچیں اپنے حلال ہونے کی جگہ کو ﴿وَ لَوْ لَا رِجَالٌ﴾ اور اگر نہ ہوتے مرد ﴿مُّؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان والے ﴿وَ نِسَآءٌ﴾ اور عورتیں ﴿مُّؤْمِنٰتٌ﴾ ایمان والیاں ﴿لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ﴾ نہیں جانتے تم ان کو ﴿اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ﴾ کہ تم ان کو کچل دو گے ﴿فَتُصِیْبَكُمْ﴾ پس پہنچے گی تم کو ﴿مِّنْهُمْ﴾ ان کی وجہ سے ﴿مَّعَرَّةٌۢ﴾ مصیبت ﴿بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر ﴿لِیُدْخِلَ اللّٰهُ﴾ تاکہ داخل کرے اللہ تعالیٰ ﴿فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت میں ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے ﴿لَوْ تَزَیَّلُوْا﴾ اگر وہ الگ ہوتے ﴿لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ﴾ البتہ ہم سزا دیتے ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ جو کافر ہیں ان میں سے ﴿عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ سزا دردناک ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ﴾ جب ٹھہرایا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ﴾ اپنے دلوں میں غیرت کو ﴿حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ﴾ جاہلیت کی غیرت ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ پس نازل کی اللہ تعالیٰ نے ﴿سَكِیْنَتَهٗ﴾ اپنی تسلی ﴿عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ اپنے رسول پر ﴿وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مومنوں پر ﴿وَ اَلْزَمَهُمْ﴾ اور لازم کر دیا ان پر ﴿كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ پرہیز گاری کا کلمہ ﴿وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا﴾ اور وہ اس کے زیادہ حق دار تھے ﴿وَ اَهْلَهَا﴾ اور اس کے اہل تھے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ ہر چیز کو جاننے والا۔

صلح حدیبیہ کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جس کو آج کل شمیسہ کہتے ہیں تو مکے والوں نے روک لیا۔ اس دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ خالد بن ولید جو اس وقت تک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہوئے تھے، نے دو سو آدمی اکٹھے کر کے ارادہ کیا کہ رات کی تاریکی میں مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی امور کے بڑے ماہر اور کاری گر تھے فطرتی اور طبعی طور پر۔ چنانچہ انھوں نے حملہ کیا دو صحابی شہید ہوئے باقیوں نے ہمت کر کے ان کے اسی آدمی گرفتار کر لیے اور باقی بھاگ گئے۔ بعض جو بڑے جذباتی تھے انھوں نے کہا کہ ان کو قتل کر دو اور جو سمجھ دار حوصلے والے تھے انھوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ

تشریف فرما ہیں ان سے پوچھ کر کارروائی کرنی چاہیے۔ چنانچہ ان گرفتار زدگان کو لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی رائے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی رائے تھی کہ اگر ہم نے ان کو قتل کر دیا تو قتل وقتال کا بازار گرم ہو جائے گا اور جو صلح کی بات چل رہی ہے وہ یہیں رک جائے گی۔ لہٰذا ان کو رہا کر دیا گیا۔ ان کو چھوڑنا تھا کہ صلح کی بات شروع ہوگئی۔ قریش مکہ نے سوچا کہ ہمارے آدمی ان کے ہاتھ آئے ہوئے تھے انھوں نے چھوڑ دیئے حالانکہ ہم نے ان کے دو آدمی بھی شہید کیے پھر بھی انھوں نے درگزر سے کام لیا لہٰذا صلح کی بات کو آگے چلانا چاہیے۔ اس کا ذکر ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے ﴿كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾ جس نے روکے ان کے ہاتھ تم سے۔ جو وہ چاہتے تھے ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ ان کا مقصد تو یہ تھا کہ سب کا صفایا ہو جائے ﴿وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ﴾ اور تمھارے ہاتھ روکے ان سے۔ ان کے اَسّی (۸۰) آدمی جو گرفتار ہوئے تھے تم ان کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ڈالا کہ ان کو قتل نہ کرو ﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ مکہ کے پیٹ کے اندر۔ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ گکھڑ شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر اگر کوئی واقعہ ہو تو یہی کہا جاتا ہے کہ گکھڑ کا واقعہ ہے اور حدیبیہ کا تو کچھ حصہ حرم میں شامل ہے لہٰذا یہ کارروائی مکہ مکرمہ کے اندر ہی پیش آئی ﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ﴾ بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے کامیاب کر دیا تھا ان پر تم کو۔ تم نے ان کو گرفتار کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ بھی روک دیئے اور تمھارے ہاتھ بھی روک دیئے ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا۔ اس کے علم سے کوئی شے باہر نہیں ہے ﴿هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر اختیار کیا، کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں ﴿وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور انھوں نے روکا تم کو مسجد حرام سے، عمرہ نہیں کرنے دیا حالانکہ تمھارا مقصد عمرہ کرنا تھا۔ بیت اللہ کا طواف، سعی بین الصفا والمروہ، پھر ٹنڈ کرنا، بال کٹوانا۔ کیوں کہ جنھوں نے پٹے رکھے ہوئے ہوں وہ اگر انگلی کے ایک پورے کے برابر پیچھے سے سارے بال کٹوا دیں تو احرام سے نکل جائیں گے۔ اور یہ جو عام لوگوں نے تھوڑے تھوڑے بال رکھے ہوئے ہوتے ہیں اگر یہ ٹنڈ نہیں کرائیں گے، سارے سر پر استرا نہیں پھروائیں گے تو احرام سے نہیں نکل سکیں گے۔

تو فرمایا انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا ﴿وَ الْهَدْیَ﴾ اور قربانی کے جانوروں کو روکا ﴿مَعْكُوْفًا﴾ جو رکے ہوئے ہیں ﴿اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾ اس بات سے کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ کو پہنچیں۔ عمرے کے لیئے قربانی ضروری نہیں ہے جس طرح صرف حج کرنے والے کے لیے قربانی ضروری نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی کرے تو نور علیٰ نور ہے۔ قربانی متمتع کے لیے ضروری ہے اور قارن کے لیے ضروری ہے۔

متمتع اسے کہتے ہیں جو شوال کا چاند نظر آنے کے بعد عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج بھی کر لے۔ کیونکہ شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد احرام باندھنے کے دن شروع ہو جاتے ہیں۔

اور قارن اسے کہتے ہیں کہ جو حج عمرے کا احرام اکٹھا باندھے۔ پہلے عمرہ کرے گا اور احرام سے نہیں نکلے گا حج کرنے کے بعد احرام سے نکلے گا۔

دشمن صحیح بات کو بھی غلط بنا کر پروپیگنڈہ کرتا ہے:

آگے اللہ تعالیٰ لڑائی نہ ہونے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ میں نے لڑائی کیوں نہیں ہونے دی۔ ہر شے کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے لیکن کچھ لنگڑے، نابینا اور بوڑھے، کچھ عورتیں مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں اور انھوں نے تبلیغ نہیں چھوڑی۔ ان کی تبلیغ سے کافی تعداد میں مرد عورتیں مسلمان ہوئیں اور مدینہ طیبہ والوں کو ان کے ایمان لانے کا علم نہیں تھا کیونکہ ان سالوں میں آمد و رفت نہیں ہوئی کہ تین لڑائیاں ہو چکی تھیں، بدر، احد اور خندق۔ اب اگر لڑائی کی نوبت آتی تو وہ مسلمان، مرد عورتیں تمہارے ہاتھوں سے مارے جاتے پھر افواہیں پھیلتی کہ انھوں نے ہمیں تو مارا اپنوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ کیونکہ دشمن تو اعتراض کرنے کا موقع تلاش کرتا ہے۔

جس طرح یہود بنو نضیر نے کھجور کے درختوں کو آڑ بنایا ہوا تھا کہ مسلمان کھلی جگہ پر تھے اور وہ کھجوروں کے درختوں کے پیچھے تھے اور چھپ کر تیر مارتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ درخت کاٹ دو اور آگ لگا دو تاکہ ان کی یہ ڈھال ختم ہو جائے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح کیا تو یہودیوں نے پروپیگنڈہ کیا کہ دیکھو جی! کہتے ہیں کہ ہمارا پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے۔ آدمیوں کے ساتھ تو دشمنی ہوتی ہے درختوں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ یہ پھل دار درخت تھے ان کے پھل انسان کھاتے تھے، پرندے کھاتے تھے، لوگ ان کے سائے تلے بیٹھتے تھے۔ تو ان کو موقع مل گیا اعتراض کرنے کا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [الحشر: ۵] ”جو کاٹے ہیں تم نے کھجور کے درخت یا چھوڑا ہے ان کو اپنی جڑوں پر پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور تاکہ رسوا کرے اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو۔“ یہ درخت تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹے گئے تاکہ ان کا مورچا ختم ہو اور وہ رسوا ہوں۔ مگر انھوں نے تو پروپیگنڈہ کیا۔ تو دشمن پروپیگنڈے سے باز نہیں آتا۔ تو مسلمان تمھارے ہاتھوں سے مارے جاتے اور قریش مکہ تمھارے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور تمھیں بھی تکلیف ہوتی اس لیے میں نے جنگ نہیں ہونے دی۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ اور اگر نہ ہوتے مرد ایمان والے ﴿وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ﴾ اور عورتیں ایمان والی ﴿لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ﴾ نہیں جانتے تم ان کو ﴿اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ﴾ کہ تم ان کو کچل دو گے ﴿فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ﴾ پس پہنچے گی تم کو ان کی وجہ سے ﴿مَّعَرَّةٌ﴾۔ معرّہ کا معنیٰ گناہ بھی ہے اور عیب بھی ہے۔ تم پر عیب لگتا لوگ تمھارے ذمے گناہ لگاتے، تمھارے لیے تکلیف اور مصیبت بنتی ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ علم کے بغیر۔ تمھارے تو علم ہی میں نہیں تھا کہ یہ مرد عورتیں مومن ہیں جو تمھارے ہاتھوں سے مارے جاتے اور زخمی ہوتے۔ کافر پروپیگنڈہ کرتے تمھارے عیب نکالتے، تمھارا گناہ شمار کرتے کہ انھوں نے اپنے لوگوں کو

مارا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم تمھیں جہاد کا حکم دے دیتے ﴿لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ تاکہ داخل کرے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں تمھاری ہجرت کے بعد کہ ان مرد عورتوں کو ایمان کی توفیق دی ﴿مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے ﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا﴾ اگر وہ جدا ہوتے وہاں سے نکل جاتے ﴿لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ البتہ ہم سزا دیتے ان کو جو کافر ہیں ان میں سے ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ سزا دردناک۔ اگر وہاں مومن نہ ہوتے جن کا تمھیں علم نہیں تھا تو ہم تمھیں حکم دیتے لڑنے کا اور ان کو ایسی سزا دیتے کہ وہ یاد رکھتے ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ﴾ جب ٹھہرایا ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا اپنے دلوں میں غیرت کو ﴿حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ غیرت جاہلیت کی کہ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کرنے سے روکا یہ جاہلوں کی غیرت تھی۔ حالانکہ دیکھ رہے تھے کہ انھوں نے احرام باندھے ہوئے ہیں اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔ حالانکہ غیرت کا مقام تب ہوتا کہ یہ لڑنے کے لیے گئے ہوتے پھر ان کو روکتے۔ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے اس کو روکنا ناجائز ہے۔ وہ خود بھی حج عمرہ کرتے تھے، طواف کرتے تھے تو طواف سے روکنے کی غیرت جہالت کی غیرت تھی۔

❀...... دوسرا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح کی شرائط لکھنے کا حکم دیا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زود نویس بھی تھے اور خوب نویس بھی تھے۔ خط بھی بہت عمدہ تھا اور جلدی لکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کافروں کے نمائندہ سہیل بن عمرو جو بعد میں رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے، نے کہا کہ ہم یہ نہیں لکھنے دیں گے کیونکہ یہ تمھاری نشانی ہے، علامت ہے بلکہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔ اس پر کافی بحث ہوئی، طرفین سے ساتھی جذبات میں آئے آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھ دو یہ رب تعالیٰ کا نام ہے۔ بخاری اور مسلم شریف کی روایت ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٹا کر بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھ دیا۔

❀...... تیسری ان کی جہالت کی غیرت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے لفظ لکھوائے هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ محمد رسول اللہ "یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد رسول اللہ اور قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا ہے۔" تو سہیل بن عمرو نے کہا رسول اللہ کا لفظ مٹاؤ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو ٹکر کیوں لیتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو کہ میں محمد بن عبد اللہ بھی ہوں اور محمد رسول اللہ بھی ہوں ﷺ۔

اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے جذبات میں تھے۔ کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملتے اور کبھی کسی اور کو ملتے۔ پھر براہ راست آنحضرت ﷺ سے بات کی کہ حضرت! یہ بتلائیں کہ ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ فرمایا ایسا ہی ہے۔ اچھا حضرت! یہ بتلائیں کہ اگر لڑائی ہو جائے اور ہم میں سے کوئی مارا جائے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا؟ فرمایا جنت میں جائے گا۔ اور کافر مارے جائیں تو وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے؟ فرمایا دوزخ میں جائیں گے۔ کہنے لگے حضرت! فَلِمَ نَقْبَلُ بَعْضَ الدَّنِيَّةِ فِيْ دِيْنِنَا "پھر ہم بعض گھٹیا باتیں دین کے بارے میں کیوں قبول کریں؟"

تو خیر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یا علی اُمْحُ رسول اللہ یہ لفظ مٹا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ لَا اَمْحُ اَبَدًا

”اللہ کی قسم ہے میں کبھی نہیں مٹاؤں گا۔“ پھر آپ ﷺ نے خود مٹایا اور محمد بن عبداللہ لکھوایا۔

حدیث قرطاس کی وضاحت

یہاں پر ایک اہم بات بھی سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ بیمار تھے جمعرات کا دن تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ میں تمھیں لکھوادوں تاکہ تم بعد میں جھگڑا نہ کرو۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حسبنا کتاب اللہ ”اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم کیوں جھگڑا کریں گے۔“ ان لفظوں پر رافضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کاغذ قلم مانگا عمر نے مخالفت کی پیغمبر کا حکم نہ ماننے والا کافر ہے۔ اس کو واقعہ قرطاس کہتے ہیں اور اس کو بڑا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنا کہنے سے کافر ٹھہرے کہ انھوں نے کہا حسبنا کتاب اللہ۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیا فتویٰ لگاؤ گے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ میں نہیں مٹاؤں گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر آپ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ عمر! تم قلم دوات لاؤ اور یہاں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر فرمایا اے علی! مٹا دو اور انھوں نے انکار کر دیا۔ یہاں فتویٰ لگاؤ نا۔ لگتا ہے کہ نہیں لگتا؟ یہاں تو ڈبل فتویٰ لگنا چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں نہ وہاں فتویٰ لگتا ہے اور نہ یہاں لگتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ کا لفظ ہم دل سے تو کیا مٹائیں گے ہم کاغذ سے بھی مٹانے کے لیے تیار نہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ آپ تکلیف میں ہیں ہماری طرف سے پریشان نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم آپس میں کیوں جھگڑیں گے۔ جب کہ قرآن کریم میں موجود ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران: ۱۰۳، پارہ: ۴]

تو فرمایا جب ٹھہرایا ان لوگوں نے جو کافر ہیں اپنے دلوں میں غیرت کو جاہلیت کی غیرت۔ احرام کی حالت میں اندر داخل نہ ہونے دیا، بسم اللہ کا انکار کیا، آپ ﷺ کی رسالت کو نہ مانا ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ﴾ پس اتاری اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی ﴿عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ اپنے رسول ﷺ پر ﴿وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مومنوں پر کہ سب مسلمان جذبات میں تھے ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ اور لازم کر دیا ان پر تقوے کا کلمہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلمہ تقویٰ سے مراد کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اور مومنوں نے اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کر کے ثابت کر دیا کہ ﴿وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا﴾ اور وہی اس کے زیادہ حق دار تھے کلمہ تقویٰ کے ﴿وَاَهْلَهَا﴾ اور اس کے اہل تھے، کلمہ تقویٰ کے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا۔ مشرکوں کی ضد اور عناد بھی اس کے علم میں ہے اور مسلمانوں کے جذبہ اطاعت کو بھی وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ انھوں نے موت کی بیعت کر کے اپنے اس جذبے کا بھرپور انداز میں اظہار کیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

چنانچہ ان کی سب شرائط مان لی گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتدل قسم کے جو کافر تھے انھوں نے اپنوں کو دبایا کہ بھائی

دیکھو! غلطی تو ہماری ہے وہ بے چارے تو عمرے کے لیے آئے تھے ہم نے ان کو نا جائز روکا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا جاتا تو کیا ہوتا کہ تم رحمان، رحیم کو نہیں مانتے۔ رسول اللہ کا لفظ ان کے اپنے نمائندے نے لکھنا تھا وہ تو رسول اللہ مانتے تھے تم نے ضد کیوں کی؟ بہر حال ظاہری اور باطنی طور پر یہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں تھا۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے ﴿رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا﴾ اپنے رسول کا خواب ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿لَتَدْخُلُنَّ﴾ البتہ ضرور داخل ہو گے تم ﴿الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ مسجد حرام میں ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ نے چاہا ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ امن کی حالت میں ﴿مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ﴾ مونڈنے والے ہو گے اپنے سروں کو ﴿وَمُقَصِّرِيْنَ﴾ اور کترانے والے ہو گے اپنے پٹوں کو ﴿لَا تَخَافُوْنَ﴾ نہیں خوف کرو گے ﴿فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا﴾ پس اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس چیز کا جس کو تم نہیں جانتے ﴿فَجَعَلَ﴾ پس ٹھہرائی اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ﴾ اس سے پہلے ﴿فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ فتح قریب کی ﴿هُوَ الَّذِيْٓ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ جس نے بھیجا اپنے رسول کو ﴿بِالْهُدٰى﴾ ہدایت کے ساتھ ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین کے ساتھ ﴿لِيُظْهِرَهٗ﴾ تاکہ غالب کر دے اس دین کو ﴿عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ سب دینوں پر ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دینے والا ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ سخت ہیں کافروں پر ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں شفقت کرنے والے ہیں ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا﴾ تم دیکھو گے ان کو رکوع کرنے والے ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرنے والے ﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ﴿وَرِضْوَانًا﴾ اور رضا ﴿سِيْمَاهُمْ﴾ ان کی نشانیاں ﴿فِيْ وُجُوْهِهِمْ﴾ ان کے چہروں میں ہیں ﴿مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ سجدوں کے نشان سے ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ﴾ یہ مثال ان کی ﴿فِي التَّوْرٰىةِ﴾ تورات میں ہے ﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ اور مثال ان کی انجیل میں ﴿كَزَرْعٍ﴾ جیسے کھیتی ﴿اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ﴾ نکالا اس نے اپنا پٹھا ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ پس اس کو قوی کیا ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ پس وہ موٹا ہو گیا ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ پس وہ کھڑا ہو گیا اپنی نال پر ﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ تعجب میں ڈالتا ہے کاشت کاروں کو ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تاکہ غیظ و غضب میں ڈالے کفر کرنے والوں کو ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ﴾ وعدہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ﴾ اور جنھوں نے عمل کیے ان میں سے اچھے ﴿مَّغْفِرَةً﴾ بخشش کا ﴿وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور

بڑے اجر کا۔

اس سے قبل پوری تفصیل کے ساتھ حدیبیہ کا واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر عمرے کی ادائیگی کے لیے چل پڑے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو کافروں نے مزاحمت کی اور مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ ظاہری طور پر اس سفر کا سبب ایک خواب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا کہ ہم نے احرام باندھا ہوا ہے بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، کچھ ساتھی سر منڈھوا رہے ہیں اور جنھوں نے پٹے رکھے ہوئے ہیں وہ بال کترو ارہے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا تو وہ بیت اللہ شریف کی محبت میں بے تاب ہو گئے اور سب نے یہی سمجھا کہ اسی سال عمرہ کرنا ہے۔ حالانکہ خواب کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کی تعبیر فوراً ظاہر ہو جائے۔ خواب اور اس کی تعبیر میں بڑا بڑا وقفہ بھی ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر موجود ہے انھوں نے یہ خواب بچپن میں دیکھا تھا مگر اس کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ ہم اسی سال عمرہ کریں گے اور حرم میں داخل ہوں گے، طواف کریں گے مگر تعبیر ۷ھ میں ظاہر ہوئی۔ ۶ھ میں مشرکین مکہ نے روک لیا اور جو شرائط طے ہوئیں ان میں پہلی شرط ہی یہ تھی کہ مسلمان اس سال عمرہ ادا کیے بغیر واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال آ کر عمرہ کریں اور صرف تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کر سکیں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو منافقوں نے طعنہ زنی شروع کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو خواب آیا ہے اور نبی کا خواب تو سچا ہوتا ہے مگر تم عمرہ نہیں کر سکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ پیغمبر کا خواب بالکل سچا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پورا کر کے دکھایا۔ باقی تعبیر کا فوری طور پر ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ﴾ البتہ تحقیق سچا کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ البتہ ضرور داخل ہو گے تم مسجد حرام میں ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ امن کی حالت میں۔ کیونکہ صلح کے بعد طرفین ایک دوسرے سے خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے ﴿مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ﴾ مونڈنے والے ہوں گے اپنے سروں کو ﴿وَمُقَصِّرِيْنَ﴾ اور کترانے والے ہوں گے اپنے بالوں کو۔ جنھوں نے پٹے رکھے ہوئے ہیں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ حج عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام سے نکلنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ٹنڈ کروائے۔ اگر پٹے رکھے ہوئے ہیں تو ایک پورے کے برابر بال کٹوائے۔ جس طرح نماز سے نکلنے کے لیے سلام ہے کہ اگر سلام نہیں پھیرے گا تو نماز کے اندر ہی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح احرام سے نکلنے کے لیے ٹنڈ کرائے گا اگر پٹے ہیں تو ایک پور کے برابر کٹوائے گا پھر احرام سے نکلے گا۔

اور یاد رکھنا! وہاں حنبلی مسلک کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور شافعی مسلک کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ چند بال کاٹ لیے جائیں تو آدمی احرام سے نکل جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ آدمی احرام سے نہیں نکلتا

جب تک ٹنڈ نہ کرائے یا بال نہ کتروائے اگر پٹے رکھے ہوئے ہیں۔ باقی انگریزی "بودے" کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ ویسے بھی حرام ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ "جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم سے ہوگا۔" قیامت والے دن اسی قوم سے اٹھایا جائے گا۔

تو فرمایا استرے کے ساتھ سروں کو منڈوانے والے ہوں گے اور بالوں کو کتروانے والے ہوں گے اگر پٹے رکھے ہوئے ہیں ﴿لَا تَخَافُوْنَ﴾ نہیں خوف کرو گے تم کسی کا ﴿فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا﴾ پس اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس چیز کا جس کو تم نہیں جانتے ﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ پس ٹھہرائی اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فتح قریب کی۔ اس سے مراد خیبر کی فتح ہے۔

ہجرت کے ساتویں سال محرم کے مہینے میں یہی پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت کی قیادت میں خیبر گئے۔ تیس ہزار یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہوئی، ترانوے یہودی مارے گئے، پندرہ صحابی شہید ہوئے۔ یہودیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فتحِ قریب کا وعدہ پورا ہو گیا۔ فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت کے ساتھ یعنی ہدایت دے کر ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین کے ساتھ۔ سچا دین دے کر بھیجا ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ تاکہ غالب کر دے دینِ حق کو سب دینوں پر۔ الحمد للہ! آج تک اسلام دلائل و براہین کے اعتبار سے، حجت کے لحاظ سے، سب دینوں پر غالب ہے اور غالب رہے گا۔

مولانا احمد دیدات کا عیسائی پادریوں سے مناظرہ

آج سے تقریباً تین چار سال پہلے کی بات ہے کہ یورپ کے پادریوں نے بڑا اودھم مچایا۔ قرآن کریم پر اعتراض، اسلام کے اصولوں پر اعتراض کیے۔ مولانا احمد دیدات جو ڈھابیل سے فارغ اور دیوبند مسلک سے تعلق رکھتے ہیں ان کو انگریزی اور عیسائیت (کے لٹریچر) پر بھی عبور حاصل ہے۔ یہ یورپ پہنچ گئے وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ان پادریوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے ہمیں چین نہیں لینے دیتے۔ انھوں نے عیسائی پادریوں سے گفتگو کی مناظرہ طے پا گیا۔ مولانا نے کہا کہ مناظرہ ٹی، وی پر ہوگا۔ پانچ چھ ملکوں کے لوگ کروڑوں کی تعداد میں دیکھیں اور سنیں گے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ جج مقرر کرو جو فیصلہ کریں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، ٹی، وی پر مناظرہ ہوا ساٹھ ستر کروڑ انسانوں نے آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے مناظرہ سنا اور جج حضرات نے فیصلہ دیا کہ احمد دیدات جیت گیا ہے اس کے دلائل کھرے اور وزنی ہیں۔ پھر خدا کی قدرت کہ جج بھی سارے عیسائی تھے۔

آج تو الحمد للہ! ترپن ملک مسلمانوں کے ہیں اگرچہ برائے نام مسلمانوں کا اقتدار ہے کیونکہ امریکہ ان سب پر مسلط ہے بشمول عرب ممالک کے۔ مگر برائے نام ہیں تو سہی۔ اور ایک ایسا دور بھی گزرا ہے کہ ایک ملک میں بھی (برائے نام ہی سہی) اقتدار مسلمانوں کا نہیں تھا۔ اس دور میں بھی اسلام دلائل کے لحاظ سے غالب رہا ہے۔ اس دور میں محمد پکھتال جرمن مسلمان

ہوئے۔انھوں نے قرآن کریم کا بہت اچھا انگریزی میں ترجمہ کیا اوران کے ذریعے اسلام پھیلا۔اسی طرح ہندوستان میں مولانا عبیداللہ نومسلم جو پہلے پنڈت تھے،مسلمان ہوئے اورانھوں نے''تحفۃ الہند'' نامی کتاب لکھی۔اس کتاب کو پڑھ کرمولانا عبیداللہ سندھی ۱۰ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اورستراہ کے قریب چیانوالی قصبہ جوضلع سیالکوٹ میں ہے کے رہنے والے تھے۔اس زمانے میں اسلام قبول کیا اوراسلام کے غلبے کی بات کی اوراسلام کی حقانیت کے دنیا کودلائل دیئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کوسب دینوں پر غالب رکھا ہے ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔قرآن پاک میں چار مقامات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی محمد آیا ہے،صلی اللہ علیہ وسلم۔ایک چوتھے پارے میں ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾[آل عمران:۱۴۴] دوسرا بائیسویں پارے میں ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[الاحزاب:۴۰] تیسرا مقام اسی پارے میں سورہ محمد آیت نمبر ۲ میں ہے ﴿اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ﴾ صلی اللہ علیہ وسلم،اور چوتھا یہ مقام ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تمام رسولوں کے سردار اورامام ہیں۔خدا کی ساری مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ اوروہ لوگ جوآپ کے ساتھ ہیں ایمان میں،عمل میں۔

مَعَهٗ کا اولین مصداق

سارے صحابہ آپ کے ساتھ تھے ایمان میں،عمل میں لیکن ﴿مَعَهٗ﴾ کا اوّلین مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔جوآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفروحضر کے ساتھی ہیں۔جب سے اسلام قبول کیا اس وقت سے لےکرآخر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔سوائے ایک دوسفر کے کوئی سفرایسا نہیں ہے کہ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوں۔جہاد کا سفرہو یا ہجرت کا سفر ہوکہ جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوں۔پھر ہر اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا ہے۔مال وجان،اولاد کے اعتبار سے اورزندگی میں اورزندگی کے بعد بھی ساتھ دیا ہے کہ اسلام کوقائم رکھا اورکسی قسم کی اس پر آنچ نہیں آنے دی اورجتنے بھی فتنے اٹھے سب کی سرکوبی کی اوراسلام کواپنے پاؤں پرکھڑا کر دیا۔توابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر مقام اور ہر محاذ پرآپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ سخت ہیں کافروں پر۔سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافروں پرسخت تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وصف میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔وہ دین کے خلاف،آنحضرت رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی بات سننا تک گوارانہیں کرتے تھے۔اوراس معاملے میں وہ کسی شے کی بھی پروانہیں کرتے تھے۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایک دن گھرآ کراپنی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمر بن نفیل رضی اللہ عنہا جوچچے کی بیٹی اور بڑی سمجھ دار خاتون تھی،کوکہنے لگے کہ میری تلواروں میں سے جوسب سے زیادہ تیز تلوار ہے وہ مجھے دو۔بیوی نے کہا خیر ہے کہیں جہاد پر جانا ہے؟اس کے متعلق توکوئی پیغام نہیں سنا آپ نے تلوار کا کیا کرنا ہے؟ کہنے لگے بیٹی حفصہ کا سراتارنا ہے۔بیوی نے گھبرا کر پوچھا

کہ اس سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ فرمایا اٰذَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ " میں نے سنا ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو اذیت پہنچائی ہے۔" بیوی نے تلوار پکڑائی اور کہا کہ تحقیق کر لینا اگر واقعی تکلیف پہنچائی ہے تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ خیر جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ساری بیویوں کے ساتھ ناراض ہیں کہ انھوں نے زیادہ خرچ کا مطالبہ کیا ہے اس پر آپ ﷺ ناراض ہو گئے کہ میری کون سی خاص آمدنی ہے کہ میں تمھیں زیادہ خرچہ دوں جو کچھ ہے اس پر صبر و شکر کرو۔ اور یاد رکھنا! خاوند کی توفیق سے زیادہ خرچہ طلب کرنا بیوی کے لیے حرام ہے۔ خاوند کے ساتھ سخت کلامی اور تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر میری شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ اس لیے اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ نیک عورتیں اپنے ایمان کی بھی حفاظت کریں اور زبان کی بھی۔ یہ زبان انسان کو دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے۔

﴿رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾ آپس میں شفقت کرنے والے ہیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں مہربان تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وصف میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ اس کے اول مصداق ہیں۔ جس وقت بلوائیوں نے مکان کا محاصرہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے حضرت! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں کیا ہو رہا ہے۔ مسجد نبوی پر ان فاسق اور شرارتی لوگوں کا قبضہ ہے ہمیں نماز پڑھنے کے لیے بھی نہیں جانے دے رہے۔ آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کلمہ پڑھنے والوں کی گردنیں کاٹنے کا حکم کیسے دوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کلمہ پڑھنے والے شرارت پر اتر آئیں تو پھر کیا کریں؟ فرمایا ابھی تک تو قتل کی شرارت نہیں ہوئی نہ ہی انھوں نے کسی آدمی کو قتل کیا ہے لہٰذا میں ان کے قتل کا حکم کیسے دوں؟ انھوں نے کہا کہ حضرت! اُنھوں نے آپ کو قتل کرنا ہے۔ فرمایا یہ آسان ہے کہ وہ میری گردن کاٹیں لیکن یہ مشکل ہے کہ میں کلمہ پڑھنے والوں کے قتل کا حکم دوں۔ خود شہید ہو گئے مگر یہ حکم نہیں دیا۔

﴿تَرٰىھُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ دیکھیں گے آپ ان کو رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے۔ یہ وصف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں بڑھے ہوئے تھے۔ صفین کے مقام پر عین میدان جنگ میں گھوڑے سے نیچے اترے اور نماز پڑھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا ابا جی! تیروں کی بارش ہو رہی ہے آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا تیرا اپنا کام کریں علی اپنا کام کرے گا لَا یُبَالِی اَبُوْكَ عَلَی الْمَوْتِ سَقَطَ اَمْ سَقَطَ عَلَیْهِ الْمَوْتُ " تیرے باپ کو کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آپڑے۔" تیروں کی بارش میں بھی نماز نہیں چھوڑی۔

فرمایا ﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ تلاش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا ﴿سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ﴾ ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے ﴿مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ سجدوں کے نشان سے۔ ان کی پیشانیوں میں محراب پڑے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی پیشانیاں رب تعالیٰ کے سامنے جھکتی ہیں ﴿ذٰلِكَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ﴾ یہ مثال ان کی ہے تورات میں۔ تورات

میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور حلیے بیان کیے گئے تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیں گے کافروں پر سخت ہوں گے آپس میں مہربان ہوں گے، رکوع و سجود کرنے والے ہوں گے، ان کی پیشانیوں پر محراب پڑے ہوں گے ﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ﴾ اور ان کی مثال انجیل میں ﴿كَزَرْعٍ﴾ جیسے کھیتی ہے ﴿أَخْرَجَ شَطْأَهُ﴾ اس نے اپنا پٹھا نکالا۔ زمین میں جب بیج ڈالتے ہیں تو وہ اگتا ہے اس کو اردو میں پٹھا کہتے ہیں۔ وہ ایک ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں شاعر کہتا ہے: ؎

ہر گیا ، ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

جب وہ زمین سے نکل رہا ہوتا ہے وہ زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے میرا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ ﴿فَآزَرَهُ﴾ پھر اس کو مضبوط کیا، تقویت پہنچتی ہے ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ پھر وہ موٹا ہو جاتا ہے ﴿فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ﴾ پس وہ کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید کا بیج ڈالا ابوبکر رضی اللہ عنہ اُگے، پھر عمر رضی اللہ عنہ آکر ملے اور تقویت پہنچائی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ملے تو اور زیادہ مضبوط ہوا، پھر علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ ملے تو اپنی نال (تنے) پر کھڑا ہو گیا۔ پھر کافر بھی جرأت نہیں کرتے تھے ہاتھ ڈالنے کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ہم اپنے آپ کو قوی سمجھنے لگ گئے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان بزرگوں کی خلافت اور ان کی بزرگی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ تعجب میں ڈالتی ہے کاشت کاروں کو کہ میں نے کیا ڈالا تھا اور اب کیا بنی ہوئی ہے، اب کیسے خوشے لگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ دانے اور پھلیاں لگی ہوئی ہیں ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تاکہ غیظ و غضب میں ڈالے کفر کرنے والوں کو ان کے ذریعے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ سے استدلال

اس آیت کریمہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے جو آدمی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بغض اور غیظ کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ پکا کافر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے والا مسلمان نہیں کافر ہے کیونکہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ یہ کسی عام مولوی کا استدلال نہیں ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ہے جو چار اماموں میں سے ایک ہیں وَافَقُوْهُ عَلَيْهِ جَمَاعَةٌ "اور ایک بڑی جماعت نے ان کی تائید کی ہے۔" کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں سے جلتا ہے وہ واقعی کافر ہے۔ یہ رافضی ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کے ناموں سے جلتے ہیں۔

پیر جو گوٹھ کے مقام پر مناظرہ ہوا تھا مولانا منظور احمد چنیوٹی اور تاج دین حیدری کے درمیان۔ تاج دین حیدری شیعے کا دعویٰ تھا کہ اصحاب ثلاثہ کافر ہیں اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کا مؤقف یہ تھا کہ یہ مسلمان نہیں۔ اس سے اندازہ لگاؤ ان کی حقیقت کا۔

یقین جانو! اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ تین کافر ہیں تو پھر دنیا میں پیغمبروں کے بعد کوئی بھی مومن نہیں ہے۔ پھر شیعوں کے مقابلے میں خارجی آئے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تینوں مسلمان ہیں اور علی بڑا کافر ہے۔ وہ خارجی بھی پاکستان میں موجود ہیں اور کتابوں پر کتابیں شائع کرتے ہیں۔ الحمد للہ! ہم جو اہل حق ہیں اور صحیح معنیٰ میں اہل سنت والجماعت ہیں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک یہ تینوں بھی مسلمان ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہیں۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرو اور اپنے آپ کو ان فتنوں سے بچاؤ۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ﴾ اور جو اچھے عمل کرنے والے ہیں ان میں سے ﴿مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾ مغفرت کا اور بڑے اجر کا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ حٰمٓ

(۲۶)

آیاتها ۱۸ (۴۹) سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۶) رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے وہ لوگو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾ نہ بڑھو ﴿بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿سَمِيْعٌ﴾ سننے والا ہے ﴿عَلِيْمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ﴾ اے وہ لوگو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا﴾ نہ بلند کرو ﴿اَصْوَاتَكُمْ﴾ اپنی آوازیں ﴿فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر ﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ اور نہ بولو اونچی آواز سے اس کے سامنے ﴿كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ﴾ جیسا کہ بلند آواز سے بولنا تمھارا بعض ﴿لِبَعْضٍ﴾ بعض کے سامنے ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ کہ حبط نہ ہو جائیں تمھارے اعمال ﴿وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اور تمھیں شعور بھی نہ ہو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَغُضُّوْنَ﴾ جو پست رکھتے ہیں ﴿اَصْوَاتَهُمْ﴾ اپنی آوازوں کو ﴿عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿امْتَحَنَ اللّٰهُ﴾ خالص کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلُوْبَهُمْ﴾ ان کے دلوں کو ﴿لِلتَّقْوٰى﴾ تقویٰ کے لیے ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے ﴿وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ اور اجر ہے بڑا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يُنَادُوْنَكَ﴾ جو پکارتے ہیں آپ کو ﴿مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ حجروں کے سامنے سے ﴿اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ ان کی اکثریت عقل سے خالی ہے ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا﴾ اور اگر بے شک وہ صبر کرتے ﴿حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ﴾ یہاں تک کہ آپ ان کی طرف خود نکل کر آتے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ تو یہ بہتر ہوتا ان کیلئے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعارفِ سورت

اس سورت کا نام حجرات ہے۔ اسی رکوع میں حجرات کا لفظ آ رہا ہے اس وجہ سے اس کا نام حجرات ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ ایک سو پانچ سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے دو رکوع اور اٹھارہ آیتیں ہیں۔ ان دو رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے بڑے احکام بیان فرمائے ہیں جو ان شاء اللہ بیان ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾۔ یہ باب تفعیل ہے اس کا معنیٰ ہے آگے کرنا۔ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا جو رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے دو تین روزے رکھ لیتے

تھے لَا تُقَدِّمُوْا رَمَضَانَ بِيَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ "نہ رکھوتم رمضان سے پہلے ایک روزہ یا دو روزے۔" بعض ایسے لوگ تھے جو رمضان المبارک کے مہینے سے پہلے ایک دو روزے رکھ لیتے تھے۔

مسئلہ

مسئلہ سمجھ لیں کہ اگر کسی آدمی کی عادت ہے ہر مہینے کے آخر میں روزے رکھنے کی تو وہ رکھ سکتا ہے۔ عادت نہیں ہے محض استقبال رمضان کے لیے کوئی رکھتا ہے وہ منع ہے۔ اور کچھ ایسے لوگ تھے جو نماز عید سے پہلے قربانی کر لیتے تھے۔ مثلاً: حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے قربانی کے فضائل سنے۔ ان کے پڑوسی انتہائی غریب تھے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر کے پڑوسیوں کو گوشت پہنچا دیا اور گھر والوں سے بھی کہا کہ گوشت پکاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نماز پڑھا کر واپس آ رہے تھے کہ ایک مکان سے گوشت پکنے کی خوشبو آئی۔ اس وقت چھوٹے چھوٹے کمرے ہوتے تھے آج کل کی کوٹھیوں کا تو اس وقت تصور بھی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا گوشت پک رہا ہے؟ ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت میری قربانی کا گوشت ہے۔ فرمایا ابھی تو ہم نماز پڑھ کے آئے ہیں قربانی کب ہوگئی؟ انھوں نے کہا کہ حضرت! میں نے نماز سے پہلے ہی کر دی تھی۔ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز سے پہلے قربانی نہیں ہوتی شَاتُكَ كَشَاةِ لَحْمٍ "یہ گوشت ہے قربانی نہیں ہے۔"

مسئلہ یہ ہے کہ جس مقام پر عید کی نماز ہوتی ہے وہاں نماز سے پہلے قربانی درست نہیں ہے۔ وہ بڑے پریشان ہوئے۔ کہنے لگے حضرت! اب میرے پاس صرف ایک بچہ ہے بکری کا جس کی عمر چھ ماہ سے زاید ہے اس کے سوا میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی قربانی کر لے وَلَا تُجْزِئُ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ "تیرے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا کہ نماز عید سے پہلے قربانی نہ کرو۔

تو ﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾ کے اپنے معنیٰ کو سامنے رکھ کر یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ آگے نہ کرو رمضان سے ایک یا دو روزے اور نہ آگے کرو تم قربانی عید کی نماز سے۔

قرآن تین علوم کے بغیر سمجھ نہیں آسکتا

اور یاد رکھنا! قرآن کریم کی صحیح سمجھ اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک تین علوم پر عبور نہ ہو۔ صرف نحو کا علم، ادب کا علم اور لغت عرب کا علم۔ یہ تین فن کسی کو حاصل ہو جائیں تو پھر جا کر قرآن کریم کی صحیح سمجھ حاصل ہوتی ہے۔ الحمد للہ! یہاں کتنی بچیاں ہیں جن کو میں نے قاعدے کے مطابق ترجمہ پڑھایا ہے کہ صرف نحو کی کتابیں بھی پڑھائی ہیں، لغت بھی پڑھائی ہے۔ وہ قاعدے کے مطابق ترجمہ جانتی ہیں اور مختلف مقامات پر پڑھا رہی ہیں۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ ﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾ کو اپنے معنیٰ میں رکھ کر بیان ہوا۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ

﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾ باب تفعیل ہے لیکن تَفَعُّل کے معنٰی میں ہے۔ تو اب معنٰی ہوگا آگے نہ بڑھو، سبقت نہ کرو۔

شانِ نزول:

اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عرب کا ایک قبیلہ بنوتمیم مسلمان ہوگیا لیکن اس مسئلے میں ان کا آپس میں اختلاف ہوا کہ انتظامی امور سنبھالنے کے لیے اپنا سربراہ کس کو بنائیں، چودھری کس کو بنائیں؟ دو آدمی ان میں بڑے سمجھ دار تھے، اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ اور قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ۔ بعض نے کہا کہ یہ سردار بن جائے اور بعض نے کہا کہ وہ سردار بن جائے۔ فیصلے کے لیے آنحضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا جھگڑا آپ کے سامنے پیش کیا۔ ابھی آنحضرت رضی اللہ عنہ نے کچھ نہیں فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار مقرر کردو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قعقاع بن معبد کو مقرر کرو یہ زیادہ موزوں ہے۔ شیخین کا آپس میں اختلاف ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آوازیں اٹھ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی لیکن پہلے فرمایا ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے مومنو! ہو تم مومن ﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾ آگے نہ بڑھو ﴿بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی خاموش تھے اور یہ بولنے لگ گئے، یہ ان کی خطا تھی مگر اس خطا سے ایمان سے نہیں نکلے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اے مومنو آگے نہ بڑھو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے۔ اور یاد رکھنا! جھگڑا خوبیاں بیان کرنے سے نہیں ہوتا برائیاں بیان کرنے سے ہوتا ہے۔

تم نے ریڑھی والوں کو دیکھا ہوگا کہ اپنے اپنے سودے کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ بھی کہہ رہا ہے انگور میٹھے، یہ بھی کہہ رہا ہے انگور میٹھے۔ کوئی جھگڑا نہیں۔ جھگڑا اس وقت ہوگا کہ یہ کہے کہ میرے میٹھے ہیں اور اس کے کھٹے ہیں۔ میرا مال اچھا ہے اس کا نکما ہے۔ ہر کوئی اپنی نماز کی خوبی بیان کرے تو کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ جھگڑا اس وقت ہوگا ایک آدمی دوسرے کو کہے کہ میری تو نماز ہوئی ہے تیری نہیں ہوئی۔ کیونکہ تو نے رفع یدین نہیں کیا، امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھی، پاؤں چوڑے نہیں کیے۔

تو خوبیاں بیان کرنے سے جھگڑا نہیں ہوتا شیخین نے بھی خوبیاں بیان کیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اچھا ہے اس میں یہ خوبی، یہ خوبی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اچھا ہے اس میں یہ خوبی ہے، یہ خوبی ہے۔ دلوں میں کوئی فتور نہیں تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے گفتگو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور تنبیہ فرمائی کہ اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ نہ بلند کرو اپنی آوازوں کو ﴿فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے ﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ اور نہ بلند آواز سے بات کرو آپ ا کے سامنے ﴿كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ جیسا کہ بلند آواز سے بولنا ہے تمہارا بعض کا بعض کے ساتھ ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ کہ تمہارے

اعمال ضائع ہو جائیں ﴿وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ﴾ اور تمھیں شعور بھی نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے آواز کو بلند کرنا اعمال کے ضائع کرنے کا ذریعہ ہے، اعمال برباد ہو جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز طبعی طور پر بلند تھی مگر اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد اتنا آہستہ بولتے تھے کہ ان کی بات سمجھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار پوچھتے تھے کہ عمر! تو نے کیا کہا ہے؟ میں نے تیری بات نہیں سنی۔ دیکھو! بڑی عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود ہوتے ہوئے آہستہ بات کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن نہیں سکتے۔ اور اہل بدعت کہتے ہیں کہ ہم یہاں جو باتیں کرتے ہیں وہ آپ سنتے ہیں۔ اگر ہم یہاں سے پکاریں یا رسول اللہ مدد! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے سنتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ نظریہ بالکل شریعت کے خلاف ہے۔ اور یاد رکھنا! بدعتی آدمی کی نہ نماز قبول ہے، نہ روزہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ زکوٰۃ، کوئی شے قبول نہیں ہے۔ ویسے ہی ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔ توحید و سنت ہوگی تو عبادتیں ٹھکانے لگیں گی۔ شرک و بدعت کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت قبول نہیں اور سارے اہل حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و ناظر ماننے کو کفر کہتے ہیں۔ اور تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا بزرگوں کی ارواح کے بارے میں یہ کہے کہ وہ حاضر ہے یہ نظریہ رکھنے والا آدمی پکا کافر ہے۔ اور یہ بریلوی جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ بھئی! جب تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہو تو پھر بلند آواز سے کیوں بولتے ہو؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں تو پھر گلے کیوں پھاڑتے ہو؟ اس طرح تو تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ (اعمال ہیں کہاں جو ضائع ہو جائیں گے۔ کیونکہ بدعتی آدمی کا عمل کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ مرتب) لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنے والے نہ تقریریں کریں اور نہ بلند آواز سے نعتیں پڑھیں کہ قرآن کہتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں آواز بلند کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز فطری طور پر بلند تھی۔ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد ڈر کے گھر بیٹھ گئے کہ میرے اعمال ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ثابت نظر نہیں آرہے کیا وہ بیمار ہیں؟ انھوں نے عرض کیا حضرت وہ تو میرا پڑوسی ہے مگر مجھے اس کی بیماری کا علم نہیں ہے۔ جا کر معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ میں اس لیے نہیں آتا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے اعمال نہ ضائع ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ آیت کا مطلب آپ صحیح نہیں سمجھے۔ مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر آواز بلند نہ کرو طبعی طور پر بلند آواز مراد نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنۡتَ رَجُلٌ مِّنۡ اَھۡلِ الۡجَنَّۃِ "اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ تو جنتی آدمی ہیں۔"

تو فرمایا اپنی آوازوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں شعور بھی نہ ہو۔ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَھُمۡ﴾ بے شک وہ لوگ جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو ﴿عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿امۡتَحَنَ اللّٰہُ﴾۔ امام بخاری ترجمہ کرتے ہیں اَخۡلَصَ اللّٰہُ

اللہ تعالیٰ نے خالص کرلیا ہے ﴿قُلُوْبَھُمْ﴾ ان کے دلوں کو ﴿لِلتَّقْوٰی﴾ تقویٰ کے لیے۔ جو آپ ﷺ کی موجودگی میں آہستہ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو چن لیا ہے تقوے کے لیے ﴿لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے اور اجر ہے بڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کردی ہے اور اجر بہت بڑا ہے۔

اور مسئلہ : عربی کا مشہور مقولہ ہے:

صَاحِبُ الْغَرْضِ مَجْنُوْنٌ "غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔"

اس کو اپنی غرض کے ساتھ غرض ہوتی ہے اور کسی کے دکھ سکھ کو نہیں سمجھتا۔

آدابِ رسول اکرم ﷺ

عام لوگوں کو جب مسائل کی ضرورت ہوتی تھی (مسائل درپیش ہوتے) تو مسجد نبوی میں آکر دیکھتے کہ آپ ﷺ تشریف فرما ہیں تو مسائل دریافت کرلیتے۔ اگر آپ ﷺ مسجد نبوی میں نہ ہوتے تو پوچھتے کہ کون سے حجرے میں ہیں آج کس بیوی کی باری ہے؟ وہاں جاکر دروازے پر کھڑے ہوجاتے۔ ٹاٹ کا پردہ لٹکا ہوتا تھا اور یارسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ، انتہائی پیار کے ساتھ آواز دیتے۔ یہ مخلص مومنوں کی بات ہے۔ اور دیہاتی لوگ آتے جو آداب سے واقف نہ ہوتے تو وہ بلند آواز سے کہتے یَامُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا "اے محمد (ﷺ)! باہر ہمارے پاس آؤ۔" اور منافق بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر اس طرح آوازیں دینے سے کہ تمھیں اس طرح بلانے کا حق نہیں ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ﴾ بے شک وہ لوگ جو پکارتے ہیں آپ کو، بلاتے ہیں آپ کو ﴿مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ حجروں کے پیچھے سے، کمروں کے سامنے کھڑے ہوکر۔ وَراء کا لفظ اضداد میں سے ہے۔ اس کا معنیٰ سامنے کا بھی ہوتا ہے اور پیچھے کا بھی ہوتا ہے ﴿اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ اکثریت ان کی عقل سے خالی ہے۔ اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے حجرے میں ہوتے اور وحی نازل ہوتی تھی اور وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ اس کی شدت سے سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ کو پسینا آجاتا تھا۔ اب ادھر تو وحی نازل ہورہی ہے اور یہ دیوانہ باہر آوازیں لگا رہا ہے، یوں وحی میں خلل ہوتا۔

بعض دفعہ آپ ﷺ گھر میں نفلی عبادت میں مشغول ہوجاتے اور کئی کئی پارے پڑھ دیتے تھے۔ تو آپ ﷺ نفل پڑھ رہے ہیں اور یہ دیوانہ باہر سے آوازیں مار رہا ہے، بعض دفعہ آپ ﷺ آرام فرما رہے ہوتے تھے اور بعض دفعہ آپ ﷺ خانگی معاملات میں ہیں اور یہ دیوانہ باہر سے آوازیں لگا رہا ہے جو مناسب نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پابندی لگادی کہ آپ ﷺ کے کمروں کے باہر کھڑے ہوکر آوازیں نہ دو۔ فرمایا بے شک وہ لوگ جو پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے سامنے سے اکثریت ان کی عقل سے خالی ہے کہ ان کو اندرونی کیفیت کا علم ہی نہیں ہے کہ آپ کس حال میں ہیں ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا﴾ اور

اگر بے شک وہ صبر کرتے ﴿حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ﴾ یہاں تک کہ آپ خود ان کی طرف باہر تشریف لے آتے ﴿لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ﴾ تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اگر کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کام ہے بیٹھ جائیں، انتظار کریں، مسجد میں چلے جائیں جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائیں بات کرلیں۔ یہ ان کے حق میں بہتر ہے کہ اس میں نبوت کے آداب کا لحاظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفقت کی نگاہ سے دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی۔

مسائلِ استیذان

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو جب تک کہ تم اجازت نہ مانگ لو اور جب تک تم سلام نہ کرلو ان کے گھر والوں پر، یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ (سورۃ نور: ترجمہ آیت نمبر ۲۷) ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا﴾ "پس اگر نہ پاؤ گھر میں کسی کو ﴿فَلَا تَدْخُلُوْهَا﴾ تو پھر داخل نہ ہو ان میں ﴿حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے ﴿وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا﴾ اور اگر تم سے کہا جائے واپس لوٹ جاؤ ﴿فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾ پس واپس چلے جاؤ یہ بات تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔"

اگر اہل خانہ کہیں کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی تو واپس چلے جاؤ جھگڑا نہ کرو، تکرار نہ کرو کہ میں بڑی دور سے آیا ہوں، میں یہ ہوں وہ ہوں، میں ایسا ہوں۔ قرآن کریم کا حکم ہے وقت ہوگا ملاقات ہوگی وقت نہیں ہے تو نہیں۔ آخر جس کو تم ملنا چاہتے ہو وہ بھی انسان ہے اس کے بھی مسائل ہیں اس کا بھی خیال کرو۔

میں تمھیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ میں لوگوں کی آمد و رفت سے اتنا تنگ آ گیا ہوں کہ کچھ بتا نہیں سکتا۔ پھر یہ تعویذ لینے والے تو نہ مجھے دوپہر کو سونے دیتے ہیں اور نہ اطمینان سے نماز پڑھنے دیتے ہیں۔ چونکہ مفت کے تعویذ ہوتے ہیں اس لیے یہ خواتین بھاگتی ہوئی آجاتی ہیں دروازہ کھٹکھٹا کر کہتی ہیں مولوی صاحب کو اٹھاؤ ہم بڑی دور سے آئی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ فیس لگادوں کہ ایک تعویذ پانچ سو روپے میں ملے گا تاکہ میری جان چھوٹ جائے۔ میں بہت تنگ آ گیا ہوں میری عمر دیکھو! میرا بڑھاپا دیکھو! میری بیماریاں دیکھو! صرف اپنا الو سیدھا کرتے ہیں دوسرے کا کوئی خیال نہیں ہے۔ دوسرے کا بھی خیال کرو وہ بھی انسان ہے۔ لوہے اور ربڑ کا تو بنا ہوا نہیں ہے اس کے حالات کا بھی خیال رکھو۔

تو فرمایا اگر یہ صبر کرتے کہ آپ خود باہر تشریف لاتے تو یہ صبر ان کے لیے بہتر ہوتا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ﴾ اے وہ لوگو ﴿اٰمَنُوْۤا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿اِنْ جَآءَكُمْ﴾ اگر لائے تمھارے پاس ﴿فَاسِقٌۢ﴾ کوئی کچا آدمی ﴿بِنَبَاٍ﴾ کوئی خبر ﴿فَتَبَیَّنُوْۤا﴾ پس خوب تحقیق کرلو ﴿اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا﴾ کہ تم مصیبت میں ڈال

دو کسی قوم کو ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ جہالت کی وجہ سے ﴿فَتُصْبِحُوْا﴾ پھر ہو جاؤ تم ﴿عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ﴾ اس کارروائی پر جو تم نے کی ہے ﴿نٰدِمِيْنَ﴾ پشیمان ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ فِيْكُمْ﴾ بے شک تمھارے اندر ﴿رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ اللہ کا رسول ہے ﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ﴾ اگر وہ تمھاری بات مانے ﴿فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ بہت سے معاملات میں ﴿لَعَنِتُّمْ﴾ تو تم مشقت میں پڑ جاؤ ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ نے ﴿حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ﴾ محبوب قرار دیا ہے تمھارے لیے ایمان کو ﴿وَزَيَّنَهٗ﴾ اور اس کو مزین کیا ہے ﴿فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ تمھارے دلوں میں ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ﴾ اور ناپسند کیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے کفر ﴿وَالْفُسُوْقَ﴾ اور نافرمانی ﴿وَالْعِصْيَانَ﴾ اور حکم عدولی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں سیدھے راستے پر چلنے والے ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿وَنِعْمَةً﴾ اور اس کی نعمت ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ﴾ اور اگر دو گروہ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں میں سے ﴿اقْتَتَلُوْا﴾ آپس میں لڑ پڑیں ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ پس صلح کرادو ان دونوں کے درمیان ﴿فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا﴾ پس اگر ان میں سے ایک سرکشی کرے ﴿عَلَى الْاُخْرٰى﴾ دوسرے پر ﴿فَقَاتِلُوا﴾ پس تم لڑو ﴿الَّتِيْ﴾ اس کے ساتھ ﴿تَبْغِيْ﴾ جو زیادتی کرتا ہے ﴿حَتّٰى تَفِيْٓءَ﴾ یہاں تک کہ لوٹ آئے ﴿اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ﴿فَاِنْ فَآءَتْ﴾ پس اگر وہ گروہ لوٹ آئے ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ پس تم صلح کرادو ان کے درمیان ﴿بِالْعَدْلِ﴾ عدل کے ساتھ ﴿وَاَقْسِطُوْا﴾ اور انصاف کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں کے ساتھ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ پختہ بات ہے مومن ﴿اِخْوَةٌ﴾ بھائی بھائی ہیں ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ پس صلح کراؤ اپنے بھائیوں کے درمیان ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

شانِ نزول

پہلی دو آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ عرب کا ایک قبیلہ تھا بنو مصطلق۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کا بڑا مخالف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ یہ خود بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہا ہے اور دوسرے قبائل کو بھی ابھار اور آمادہ کر رہا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افواہوں پر یقین نہیں کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ساتھی تحقیق کے لیے بھیجے کہ آیا یہ خبر صحیح ہے یا غلط ہے۔ چنانچہ وہ ساتھی مسافروں اور تاجروں کے روپ میں گئے اور چند دن اس علاقے میں گزارنے کے بعد آکر رپورٹ پیش کی کہ واقعتاً وہ لوگ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں اور تیاری کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ پھر ہم پہل کر کے خود ان پر حملہ کریں گے۔ سن پانچ ہجری کا آخر تھا اور چھ ہجری کی ابتداء تھی۔ آپ ﷺ نے پانچ سو ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس غزوہ کو غزوہ بنو مصطلق بھی کہتے ہیں کیونکہ اس قبیلے کے ساتھ لڑائی ہوئی اور غزوہ مُریسیع بھی کہتے ہیں کیونکہ اس علاقے کا نام مریسیع تھا۔

مسلمان ہونے کے بعد جانوروں کی زکوٰۃ اور زمین کی پیداوار اور عشر اور باغوں کی پیداوار سے زکوٰۃ حکومت خود وصول کرتی ہے۔ اور سونا چاندی، سامان تجارت اور نقد پیسے کی زکوٰۃ خود مالک ادا کرتا ہے حکومت لینے کی مجاز نہیں ہے۔

ضیاء حکومت کی مدارس کے خلاف ایک سازش

ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں یہ قانون پاس ہوا کہ پیسوں کی زکوٰۃ حکومت بینکوں سے کاٹے گی۔ ہم نے بڑا احتجاج کیا، شور مچایا، خط بھی لکھے، ملاقاتیں بھی کیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اصل میں اس کے پیچھے بہت بڑی سازش تھی دینی مدارس کو بند کرنے یا کنٹرول کرنے کی۔ ضیاء الحق کے اردگرد جو غلط کار لوگ تھے انھوں نے اس کو مشورہ دیا کہ دینی مدارس زکوٰۃ، صدقات پر چلتے ہیں زکوٰۃ جب حکومت وصول کرے گی تو یہ ختم ہو جائیں گے یا حکومت کے قبضے اور کنٹرول میں آجائیں گے۔ چنانچہ حکومت نے یکم رمضان سے زکوٰۃ کاٹنا شروع کر دی۔ لیکن ان خبیثوں کی یہ پالیسی ناکام ہوئی۔ الحمد للہ! دینی مدارس چلتے رہے اور چل رہے ہیں۔

ہمارے مدرسہ نصرۃ العلوم میں اس وقت اٹھارہ سو (۱۸۰۰) طلبہ اور طالبات پڑھتے تھے اور ساٹھ افراد پر مشتمل عملہ تھا۔ پنجاب حکومت کا نمائندہ ہمارے پاس آیا پھر مرکزی حکومت کا نمائندہ ہمارے پاس آیا کہ تمہارے مدرسے کا کافی خرچہ ہے دورۂ حدیث تک کے طلبہ ہیں ہم سے چار لاکھ سالانہ لے لیا کرو۔ ہم نے کہا کہ ہم نے ایک پیسہ بھی نہیں لینا۔ مرکز کی طرف سے آنے والوں نے ہمیں ڈرایا دھمکایا بھی کہ حکومت دیتی ہے تم کیوں نہیں لیتے؟ گرفتار ہو سکتے ہو۔ ہم نے کہا کہ ہم نے پہلے بھی جیلیں کاٹی ہیں یہ جیل بھی بھگت لیں گے لیکن تم سے رقم نہیں لیں گے۔ رب تعالیٰ کا کام ہے وہ خود چلائے گا۔ پیسے نہیں لیے رب نظام چلا رہا ہے۔ ہمارے گکھڑ کے ساتھی چودھری ریاض احمد صاحب سے پہلے سال غلطی ہوئی کہ مجھ سے بالا بالا انھوں نے حکومت سے زکوٰۃ لے لی۔ اگلے سال میں ڈٹ گیا کہ نہیں لینی۔ پھر کبھی نہیں لی۔

الحمد للہ! ہمارے ہاں گکھڑ میں مجموعی لحاظ سے اٹھارہ، انیس قاری اور آٹھ، نو استانیاں کام کر رہی ہیں جن کا میں برائے نام سرپرست ہوں۔ بیرونی طلبہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کام چل رہا ہے۔ پھر ہمارا کوئی سفیر بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی حقیقی مدد اور ظاہری طور پر ساتھیوں کا تعاون ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حکومت کی پالیسی ناکام ہو گئی کہ ہم زکوٰۃ وصول کر لیں گے تو یہ مولوی بھوکے مر جائیں گے اور مدرسے ختم ہو جائیں گے۔ حالاں کہ مدرسے پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔

تو خیر جانوروں کی زکوٰۃ، زمین کی پیداوار اور جانوروں اور پھلوں کی زکوٰۃ حکومت وصول کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولید بن عقبہ بن ابی مُعیط رضی اللہ عنہ کو جو نوعمر صحابی اور بڑے حساب دان تھے ان کو سفیر بنا کر قبیلہ بنو مصطلق کی طرف بھیجا زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے۔ یہ بڑے خوش ہوئے کہ مجھے عہدہ ملا ہے اکیلے ہی چل پڑے۔ پہلے خالی الذہن تھے جس وقت بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا کہ میری تو زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ عداوت اور لاگت بازی تھی۔ کہیں مجھے اکیلا دیکھ کر قتل نہ کر دیں۔ ادھر اتفاق ایسا ہوا کہ جب ان لوگوں کو اطلاع ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمائندہ آ رہا ہے تو استقبال کے لیے وہی لوگ باہر نکلے جن کے ساتھ ان کی عداوت تھی۔ یہ اُن کو دیکھ کر واپس بھاگ آئے۔ اُنھوں نے بھی اپنی سواریاں ان کی سواری کے پیچھے دوڑا دیں کہ یہ آئے کیوں اور گئے کیوں؟ تھوڑا سا تعاقب کر کے پھر انھوں نے پیچھا چھوڑ دیا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر کہنے لگے حضرت! قسمت نے ساتھ دیا ورنہ وہ تو مجھے قتل کر دیتے۔ مجھے قتل کرنے کے لیے سارا گاؤں باہر آ گیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ حضرت! آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کے خلاف جہاد کی تیاری کریں یوں لگتا ہے کہ وہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گئے ہیں۔ اِدھر اُن کے خلاف جہاد کی تیاری ہو رہی تھی کہ ان کا نمائندہ وفد آ گیا اور کہا کہ حضرت! معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کا نمائندہ آیا بھی اور واپس بھی بھاگ آیا۔ پتا نہیں چلا کیوں بھاگا۔ ہم تو استقبال کے لیے باہر آئے تھے کہ عزت کے ساتھ ان کو گاؤں لے جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا وہم تھا حقیقت کچھ بھی نہیں تھی۔ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کام آنے والا ضابطہ بیان فرما دیا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں ﴿فَاسِقٌ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں کچا آدمی۔ اگر لائے تمہارے پاس کوئی کچا آدمی خبر تو اس کی خبر پر یقین نہ کرو ﴿فَتَبَیَّنُوْۤا﴾ پس خوب تحقیق کر لو۔ کیوں؟ ﴿اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ﴾ کہ مصیبت میں ڈال دو کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے کہ کچے آدمی کی بات پر یقین کر کے کسی قوم پر حملہ کر کے اس کو مصیبت میں ڈال دو اور خود بھی مصیبت میں پڑ جاؤ اور حقیقت کچھ اور ہو ﴿فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ پھر ہو جاؤ اس کارروائی پر جو تم نے کی ہے پشیمان۔

میں کہتا ہوں کہ اگر بندہ اس قاعدے پر عمل کرے تو جھگڑے ہی نہ ہوں۔ نہ گھروں کے، نہ عورتوں کے، نہ بچوں کے، نہ بڑوں کے، نہ چھوٹوں کے، نہ جماعتوں کے۔ اب ہوتا اس طرح ہے کہ کوئی بات پہنچتی ہے تو بغیر تحقیق لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ بات ہی غلط تھی۔ لہٰذا اس قاعدے کو پلے باندھ لو۔

یہ رب تعالیٰ کا ضابطہ تمام لوگوں کے لیے ہے کہ ہر کہہ مکہہ کی بات پر یقین نہ کرو اس کی تحقیق کر لو۔ پھر جو کچھ کرنا ہے کرو ﴿وَاعْلَمُوْۤا﴾ اور جان لو ﴿اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ بے شک تمھارے اندر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں۔ مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تشریف فرما تھے، زندہ موجود تھے ﴿لَوْ یُطِیْعُكُمْ﴾ اگر وہ تمھاری بات مان لیا کریں ﴿فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ بہت سے معاملات میں، بہت ساری چیزوں میں ﴿لَعَنِتُّمْ﴾ تو تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ۔ عَنِتُّمْ کا معنیٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ تم

گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ بے گناہوں کے خلاف کارروائی کرنا گناہ ہی میں مبتلا ہونا ہے۔ اور عَنَتِ کا معنیٰ فساد بھی ہے اور ہلاکت بھی ہے۔ تم فساد میں پڑ جاؤ گے، ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کا نبی بہت سے معاملات میں تمہاری بات کو مانے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب کر دیا تمھارے لیے ایمان کو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جو اس وقت مخاطب تھے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب قرار دے دیا ﴿وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور مزین کر دیا اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمھارے دلوں میں ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ﴾ اور ناپسند کیا تمھارے لیے کفر کو ﴿وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ اور نافرمانی اور حکم عدولی کو۔

فسق اور عصیان میں فرق

فسق اس گناہ کو کہتے ہیں جو سامنے نظر آئے۔ مثلاً: ایک آدمی نے ڈاڑھی صاف کرائی ہوئی ہے یا مٹھی سے کم کی ہوئی ہے۔ کیونکہ جیسے ڈاڑھی کا منڈوانا گناہ اور حرام ہے اسی طرح مٹھی سے کم کرانا بھی گناہ اور حرام ہے۔ مٹھی بھر ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے۔ اس سے زائد اگر کوئی کٹوائے تو جائز ہے نہ کٹوائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ یا سر پر انگریزوں کی طرح بال رکھائے۔ تو یہ گناہ نظر آتے ہیں۔ یہ فسق کہلاتے ہیں۔

اور عصیان ایسے گناہ کو کہتے ہیں جو سامنے نظر نہ آئے۔ جیسے جھوٹ ہے، غیبت ہے، ان کا وجود تو نہیں ہے جو نظر آئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ایسے گناہ بھی ناپسند کیے ہیں جو نظر نہیں آتے اور ایسے گناہ بھی تمھارے لیے، اپنے پیغمبر کے صحابہ کے لیے ناپسند کیے ہیں جو نظر آتے ہیں۔ کفر و شرک، ہر قسم کا گناہ، ظاہری باطنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ناپسند کیا ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں راہ راست پر چلنے والے ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿وَنِعْمَةً﴾ اور اس کی نعمت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ایمان اور نیکی کی توفیق دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ! تیرا فضل و کرم ہے، تیری نوازش ہے کہ تو نے مجھے ایمان اور نیکی کی توفیق دی ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

شانِ نزول

اگلی دو آیتوں کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی انتہائی شریر قسم کا آدمی تھا۔ شکل و صورت، قد و قامت اس کی ایسی تھی کہ دیکھنے والا آدمی اس کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتا تھا۔ اسلام کے خلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف عداوت میں اس نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اس خبیث نے "اذل" کا لفظ بھی استعمال کیا جو قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ حضرت! اس کے گھر جا کر اس کو اسلام کی دعوت دیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس نے ظاہری طور پر کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ گھر دشمن بھی آ جائے تو لوگ حیا کرتے ہیں کہ میرے گھر آ گیا ہے۔ تو حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر جا کر دعوت دیں اسلام کی۔ اتمام حجت بھی ہو جائے گی اور

شاید اس کی شرارتیں بھی مدہم پڑ جائیں۔فرمایا ٹھیک ہے چلتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گدھے پر سوار ہو کر جس کا نام غفیر تھا اس کے پاس گئے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔وہ باہر اپنے ڈیرے میں بیٹھا اپنے ساتھیوں کے ساتھ گپیں مار رہا تھا۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو اس نے اپنی ناک بند کر کے کہا کہ اپنے اس گدھے کو پیچھے کرو کہ مجھے اس کے پسینے کی بدبو آ رہی ہے۔بدبخت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانا کہ یہ کون شخصیت ہیں۔غفیر گدھے کے برابر بھی اس کو شعور نہیں تھا۔اس گدھے کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ گدھا بڑا پریشان ہوا۔کبھی مسجد نبوی کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو جاتا، کبھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا، کبھی کسی جگہ، کبھی کسی جگہ کھڑا ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتا جب عفیر گدھے نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہیں رہے تو اس نے ایک اونچے ٹیلے سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کر لی۔حیوان مکلف نہیں ہوتا کہ اس پر کوئی قانون لاگو ہو۔لیکن اس گدھے ابن ابی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان نہ ہوئی۔کہنے لگا اپنے اس گدھے کو پیچھے ہٹاؤ مجھے اس کے پسینے کی بدبو آ رہی ہے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی بو تیرے پسینے سے اچھی ہے۔تو ابن ابی کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔طرفین سے جملوں کا تبادلہ ہوا یہاں تک کہ لڑائی شروع ہو گئی، لاٹھیاں، جوتے بھی چلے۔اس لڑائی میں عبداللہ بن ابی کی برادری کے مسلمان بھی تھے۔تحقیق حال کے بغیر برادری سسٹم کے تحت وہ بھی لڑائی میں شریک ہو گئے۔اِدھر بھی مسلمان اُدھر بھی مسلمان شریک ہیں۔اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا ﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اگر دو گروہ ایمان والوں میں سے ﴿اقْتَتَلُوْا﴾ آپس میں لڑ پڑیں، جھگڑ پڑیں ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو ﴿فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا﴾ پس اگر زیادتی کرے ان میں سے ایک گروہ ﴿عَلَى الْاُخْرٰى﴾ دوسرے پر۔تم سمجھتے ہو کہ یہ گروہ زیادتی کر رہا ہے ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ﴾ پس تم لڑو اس گروہ کے ساتھ جو زیادتی کرتا ہے۔سب مل کر اس کے ساتھ لڑو کہ اس کا دماغ درست ہو جائے ﴿حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ لوٹ آئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف۔جب تک وہ رب تعالیٰ کے حکم کو تسلیم نہ کرے اس باغی کے ساتھ لڑو ﴿فَاِنْ فَآءَتْ﴾ پس اگر وہ گروہ لوٹ آئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ تو صلح کرا دو ان دونوں کے درمیان ﴿بِالْعَدْلِ﴾ عدل کے مطابق ﴿وَ اَقْسِطُوْا﴾ اور انصاف کرو، تحقیق کرو کس کی زیادتی ہے، ظالم کون ہے؟ مظلوم کون ہے؟ تحقیق کر کے مظلوم کا ساتھ دو ظالم کے خلاف لڑو ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں کے ساتھ۔اسلام آپس کی لڑائی کو پسند نہیں کرتا۔اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو ان کا تماشا نہ دیکھو بلکہ ان کے درمیان صلح کراؤ۔یہاں تک کہ اگر دو بچے بھی آپس میں لڑتے ہوئے نظر آئیں تو ان کا بھی تماشا نہ دیکھو کہ کیسے لڑتے ہیں؟ بلکہ ان کے درمیان صلح کراؤ، لڑائی سے الگ کرا دو۔حتیٰ کہ اسلام تو جانوروں کی لڑائی کو بھی گوارا نہیں کرتا۔

جانوروں کو آپس میں لڑانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔لوگ ریچھ اور کتے کو لڑاتے ہیں، کتے لڑاتے

ہیں، بھینسے لڑاتے ہیں، اونٹ لڑاتے ہیں، تیتر بٹیر لڑاتے ہیں۔ یہ سب از روئے شریعت حرام ہے۔ اور بعض جگہ صرف لڑاتے نہیں بلکہ ساتھ رقمیں بھی رکھتے ہیں یہ بالکل حرام ہے، یہ جوا ہے۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں کے ساتھ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ پختہ بات ہے کہ مومن بھائی بھائی ہیں ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ پس صلح کرادو اپنے بھائیوں کے درمیان کہ صلح ہی معاشرے میں امن وامان کی ضمانت ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی نافرمانی نہ کرو اس کے احکام کی پابندی کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ رحم تب ہی ہوگا جب تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کروگے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾ ٹھٹھا نہ کرے کوئی قوم دوسری قوم سے ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا﴾ ممکن ہے کہ وہ ﴿خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ ان سے بہتر ہوں ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ﴾ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں ﴿وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ اور نہ برے لقب ڈالو ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ برا ہے فسق کا نام ایمان کے بعد ﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ﴾ اور جس نے توبہ نہ کی ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ظالم ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اجْتَنِبُوْا﴾ بچو تم ﴿كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ بہت سے گمانوں سے ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ بے شک بعض گمان گناہ ہیں ﴿وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ اور نہ جاسوسی کرو ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اور نہ غیبت کرے تم میں سے بعض بعض کی ﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ﴾ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے ﴿اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا﴾ کہ کھائے اپنے مردہ بھائی کا گوشت ﴿فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ پس تم اس کو ناپسند کرتے ہو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! ﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ بے شک ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا﴾ اور بنائے ہم نے تمھارے بڑے قبیلے ﴿وَّقَبَآئِلَ﴾ اور چھوٹے قبیلے ﴿لِتَعَارَفُوْا﴾ تاکہ تم آپس میں جان پہچان رکھو ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے ﴿اَتْقٰىكُمْ﴾ جو تم میں بڑا متقی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

ربطِ آیات

ان آیات سے پہلی آیات میں اس چیز کا بیان تھا کہ اگر مومنوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی صلح کرادو۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جو لڑائی کا سبب بنتی ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز کسی کا مذاق اڑانا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾ نہ ٹھٹھا کرے کوئی قوم دوسری قوم سے۔ یہاں قوم سے مرد مراد ہیں کیونکہ عورتوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔ مرد مردوں کے ساتھ ٹھٹھا نہ کریں ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ﴾ ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں جن کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں وہ ان ٹھٹھا کرنے والوں سے بہتر ہوں۔ مثلاً: یہ گورا ہے وہ کالا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کالے کا درجہ زیادہ ہو۔ اگر کوئی لنگڑا ہے، اندھا ہے، بھینگا ہے، وہ ٹھٹھا کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو لہٰذا ٹھٹھا کسی کے ساتھ نہ کرو اس سے دوسرے کی تذلیل اور تحقیر ہوتی ہے اور کسی مسلمان کو ذلیل سمجھنا بڑا گناہ ہے۔ اور ٹھٹھا کرنے سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بسا اوقات نقصان بھی ہو جاتا ہے۔

آج سے چار دن پہلے کی بات ہے تم نے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ ہنگری کے ایک ٹھٹھے باز (مسخرے) نے ایسے تمسخر کیے کہ چھ آدمی موقع پر ہنستے ہنستے مر گئے۔ تو مسخرہ کرنا حرام ہے کسی کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے۔ فرمایا ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ﴾ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں۔ کیوں؟ ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ﴾ ممکن ہے یہ ان سے بہتر ہوں۔ جن کے ساتھ ٹھٹھا کرتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے بہتر ہوں۔

جھگڑے کا دوسرا سبب: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور نہ عیب لگاؤ اپنی جانوں پر۔ اپنی جانوں سے مراد بھائی، رشتہ دار، عزیز ہیں۔ اب معنیٰ ہوگا ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔ کسی کو کانا، اندھا، لنگڑا نہ کہو۔ وہ تمھیں اندھا، کانا، لنگڑا کہے گا، لڑائی ہوگی۔ اگر اندھا ہے تو رب نے اس کو اندھا کیا ہے تم نے تو نہیں کیا۔ لنگڑا، لولا، گورا، کالا، سب رب نے بنایا ہے اس کی مخلوق ہے۔ اس کو طعنے دینے کے بجائے تم خدا کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اندر یہ عیب نہیں رکھے۔ گورے کالے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

واقعہ : امریکہ میں ایک کالے رنگ کا آدمی تھا۔ پہلے اس نے اپنا نام محمد رکھا پھر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ نبوت کے دعوے کے بعد اس نے کہا آدم علیہ السلام کی اولاد صرف کالے ہیں اور یہ گورے شیطان کی اولاد ہیں۔ اس کا بیٹا تھا محمد دین، بڑا سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا کہ میرا والد کافر ہے اور اپنی قوم کی اصلاح کی۔

اس کی دوسری تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ اگر تم کسی پر عیب لگاؤ گے کہ تو ایسا ہے تو وہ تمھیں بھی جواب دے گا اور کہے گا تو بھی ایسا ہے۔ تو اب تم اپنے اوپر عیب لگوانے کا خود سبب بنے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کو گالیاں نہ دو۔ کسی نے پوچھا حضرت! اپنے ماں باپ کو کون گالیاں دیتا ہے؟ فرمایا تم کسی کے ماں باپ کو گالی دو گے وہ تمھاری ماں اور تمھارے باپ کو گالی دے گا تو گویا تو نے اپنے ماں باپ کو خود گالی دی ہے۔ لیکن خدا پناہ! آج تو براہ راست بھی ماں باپ کو گالیاں دینے والے موجود ہیں، مارنے پیٹنے والے موجود ہیں۔ تو کسی پر عیب لگانا یہ دوسرا سبب ہے لڑائی کا۔

تیسرا سبب: ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ اور نہ ڈالو برے لقب، چڑانے کے لیے۔ مثلاً: تم کسی کو کہو اوئینڈے، او کدو، او چوہے، او کریلے۔ اس طرح کے القاب بھی لڑائی کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا یہ بُرے لقب کسی کے مت رکھو ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ﴾ بُرا ہے فسق کا نام ایمان کے بعد۔ ایمان لانے کے بعد تم مومن بن چکے ہو۔ بُرے القاب ڈالنے کے بعد فاسق ہو جاؤ گے۔ تو کیا مومن ہو جانے کے بعد فاسق بننا پسند کرتے ہو۔ اور جس آدمی کی زبان محتاط نہ ہو وہ شرعی طور پر گواہ بھی نہیں بن سکتا اور محدثین اس کی روایت بھی قبول نہیں کرتے۔ تو فرمایا بُرا ہے فسق کا نام ایمان کے بعد ﴿وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ﴾ اور جس نے توبہ نہ کی ایسی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا ﴿فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ظالم۔ ایسا کرنے میں اس نے بندے کا بھی حق ضائع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی ضائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق اس طرح ضائع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ کسی کو ٹینڈا، کدو وغیرہ نہ کہو اور یہ باز نہیں آیا تو اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کیا۔ اور بندے کا حق ضائع کیا کہ اس کو بُرے القاب سے یاد کیا۔ لہٰذا توبہ دو حقوق سے ہوگی۔

① ایک اللہ تعالیٰ سے مانگے گا کہ اے پروردگار! تو نے مجھے منع کیا تھا لیکن مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کر دے۔

② اور اس آدمی سے بھی معافی مانگو کہ بھائی جی! میں نے غلطی سے یہ الفاظ کہے ہیں مجھے معاف کر دیں۔ جب اس طرح معافی نہیں مانگے گا تو توبہ نہیں ہوگی۔ محض توبہ توبہ کہنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔

جھگڑے کا چوتھا سبب ہے بدگمانی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ بچو تم بہت سارے گمانوں سے۔ کسی کے بارے میں بدگمانی بھی گناہ ہے اور بدگمانی بھی انسان کو لڑائی تک پہنچا دیتی ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ایک آدمی ایک بات کرتا ہے اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا مگر دوسرا آدمی اس کو خواہ مخواہ کھینچ کر اپنے اوپر منطبق کرتا ہے یا اپنے عزیزوں پر منطبق کرتا ہے تو یہ حرام ہے۔ ایسی بدگمانی جائز نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے ظُنُّوْا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا "مومنوں کے بارے میں اچھا گمان کرو۔" کسی نے کوئی بات کی ہے یا کوئی کام کیا ہے تو اس کو اچھے محل پر محمول کرو یہ نہ کہو کہ اس نے یہ بات میری ضد میں کی ہے۔ یہ بدگمانی بعض دفعہ لڑائی تک پہنچا دیتی ہے ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

لڑائی کا پانچواں سبب کسی کی جاسوسی کرنا ہے: فرمایا ﴿وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ اور جاسوسی نہ کرو کسی کی۔ ایک آدمی کمرے میں بیٹھا اپنا کام کر رہا ہے کوئی آدمی اس کی جاسوسی کرے کہ دیکھو یہ کیا کر رہا ہے۔ اس کو جب علم ہوگا تو وہ کہے گا تم کون ہوتے ہو ہماری نگرانی کرنے والے؟ تو لڑائی ہوگی۔ یا کسی کے گھر کے حالات کی جاسوسی کرنا، یہ بھی اچھی بات نہیں ہے، لڑائی کا سبب ہے۔ ہاں! اسلامی حکومت مجرموں کے بارے میں، باغیوں کے بارے میں جاسوس چھوڑے کہ دیکھو کیا کر رہے ہیں تو وہ بات علیحدہ ہے۔

لڑائی کا چھٹا سبب غیبت ہے: فرمایا ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا﴾ اور نہ غیبت کرے تم میں سے بعض بعض کی۔ غیبت

کہتے ہیں کہ کسی کے اندر سچ مچ عیب ہے اور تم اس کو اس کی پیٹھ پیچھے بیان کرتے ہو، یہ غیبت ہے۔ اور اگر اس میں عیب نہیں ہے اور تم اس کے ذمے لگاتے ہو تو اس کو بہتان کہتے ہیں۔ تو غیبت کہتے ہیں کہ کسی میں واقعی عیب اور خامی ہو اس کو اس کی پشت پیچھے (غیر حاضری میں) بیان کیا جائے۔ مثلاً: کوئی چور ہے، زانی ہے، جوئے باز ہے یا اس طرح کا کوئی اور عیب اس میں ہے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر کرو تو یہ غیبت ہے اور بڑا گناہ ہے۔ البتہ بعض مقامات اور حالات میں شریعت نے اجازت دی ہے کہ تم اس کی عدم موجودگی میں اس کے عیب بیان کر سکتے ہو۔ مثلاً: کسی آدمی نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے، ظلم کیا ہے اور یہ مظلوم مفتی سے مسئلہ پوچھتا ہے کہ فلاں نے یہ بات کی ہے، فلاں نے یہ کام کیا ہے مجھے اس کا حکم بتلائیں میں کیا کروں؟ تو اس موقع پر عیب بیان کرنا جائز ہے۔ یا قاضی اور جج کے پاس دادرسی کے لیے جائے اس کے سامنے عیب بیان کرے کہ فلاں آدمی نے میرے ساتھ یہ یہ زیادتی کی ہے اس کا مداوا کیا جائے۔ تو یہ بھی جائز ہے۔

اگر کوئی آدمی دوسرے آدمی سے مشورہ طلب کرے تو مشورہ دینے والا حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے عیب بیان کرے تو جائز ہے۔ مثلاً: ایک آدمی کہیں رشتہ کرنا چاہتا ہے اور ان کے حالات سے واقف نہیں ہے تم سے مشورہ کرتا ہے اور تم ان کے عیوب ظاہر کرتے ہو کہ وہ اچھے اخلاق کے مالک نہیں ہیں اور ان میں یہ یہ برائیاں ہیں۔ وہ بدعقیدہ لوگ ہیں، بدعتی ہیں، تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہاں ایک آدمی کی خیر خواہی مقصود ہے۔ یہاں پر تمھیں ثواب ملے گا گناہ نہیں ہوگا۔ یا باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہے یا دوست اپنے دوست کو سمجھاتا ہے کہ تو جن لوگوں کے ساتھ پھرتا ہے، بیٹھتا ہے وہ جواری اور ناجائز فروش ہیں، بدکردار ہیں، ان کے ساتھ مت بیٹھا کر، تو یہ بھی جائز ہے کہ ان کو ان کے شر سے بچانا ہے۔ ہاں! اگر کوئی شرعی مقصد نہ ہو اور محض دل کی بھڑاس نکالنی ہو اور کسی کے عیب بیان کرے تو یہ بڑا گناہ ہے۔

فرمایا ﴿اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا﴾ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ کھائے اپنے مردہ بھائی کا گوشت ﴿فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ پس تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو آدمیوں کو کسی کی غیبت کرتے ہوئے سن لیا۔ وہ روزے سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا روزہ ٹوٹ گیا ہے اس کی قضا لوٹانا۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ سچ مچ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسرے فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ اس کا اجر، ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ بھئی! جب ثواب نہ رہا تو کیا فائدہ؟

تو غیبت کرنے والے کو یوں سمجھو کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے۔ وہ سامنے ہوتا تو تمھیں دو ہاتھ دکھاتا۔ وہ تو غیب ہے۔ مردے کے ساتھ تشبیہ یہ ہے کہ مردہ کچھ نہیں کر سکتا اور یہ بھی کچھ نہیں کر سکتا کہ غائب ہے۔ غیبت کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس تک بات نہیں پہنچی جس کی غیبت کی گئی ہے تو اب یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ اور اگر اس کو علم ہو گیا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ کہ فلاں نے میری غیبت کی ہے تو پھر اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔ اس سے معافی مانگے بغیر معافی نہیں ہوگی کہ اس کا حق مارا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگے گا اور بندے

سے بھی ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ یہ جتنے گناہ بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے انسانو! تم ایک دوسرے کو حقیر کیوں سمجھتے ہو ﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ بے شک ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے۔ مرد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور عورت حضرت حوا علیہا السلام ہیں۔ تمہاری نسل انھی تک پہنچتی ہے۔ تم سب انسان ہو ایک دوسرے پر فخر تو تب کرو کہ کچھ انسان ہوں اور کچھ غیر انسان ہوں۔ جیسے جعلی نبی نے کہا تھا کہ یہ گورے شیطان کی اولاد ہیں اور ہم کالے آدم کی اولاد ہیں۔ جب تم سارے آدم علیہ السلام کی اولاد ہو تو ایک دوسرے پر فخر کرنے کا کیا مطلب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا فَخْرَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ كُلُّكُمْ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ خلق مِنْ تُرَابٍ او کما قال ”کسی عربی کو عجمی پر کوئی فخر نہیں ہے نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے تم سب آدم کی نسل سے ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔“ فضیلت کی وجہ آگے آرہی ہے۔ تو فرمایا ہم نے تمھیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا﴾۔ شُعُوْب شعبٌ کی جمع ہے، بڑا قبیلہ۔ ﴿وَّقَبَآئِلَ﴾ اور قبائل قبیلة کی جمع ہے، چھوٹا قبیلہ۔ معنیٰ ہوگا اور بنائے ہم نے تمھارے بڑے قبیلے اور چھوٹے قبیلے۔ چھوٹے بڑے قبیلوں میں تمھیں تقسیم کیا ﴿لِتَعَارَفُوْا﴾ تاکہ تم آپس میں جان پہچان رکھو۔ یہ قبیلے شناخت کے لیے ہیں۔ جیسے قریش بڑا قبیلہ ہے آگے اس کی شاخیں ہیں۔ کوئی بنو عبد شمس ہے کوئی بنو نوفل ہے، کوئی بنو فزارہ ہے۔ جس طرح جاٹ ایک خاندان ہے آگے اس کی شاخیں ہیں، کوئی چیمہ ہے، کوئی چٹھہ ہے، کوئی تارڑ ہے۔ دنیا کے معاملات ہیں، شادی بیاہ ہیں، جھگڑے ہیں، مقدمے ہیں، ان میں تفتیش کی ضرورت ہے، شناخت کی ضرورت ہے تو ان نسبتوں سے شناخت ہوگی۔ ویسے تو ایک نام کے کئی آدمی ہوتے ہیں ولدیتیں بھی مل جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے بڑے خاندان بنائے جان پہچان کے لیے۔ اس کے ساتھ فضیلت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فضیلت تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو تم میں بڑا متقی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔

ہندوستان میں ایک بہت بڑے مفتی گزرے ہیں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، وہ نائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے سیدوں کو ان کی جوتیاں سیدھی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مرحوم و مغفور موچی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ پیشے ہیں، نائی ہو یا موچی ہو اس میں گناہ یا ثواب کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں! نائی اگر داڑھی مونڈ کے اجرت لے گا، بودے (انگریزوں ایسے بال) بنا کر اجرت لے گا تو یہ حرام ہے اگرچہ عیسائی کی ہی داڑھی کیوں نہ مونڈھے۔ ٹھیک ہے وہ عیسائی ہے مگر یہ تو مسلمان ہے۔ قاعدے کے مطابق ٹنڈ کرے، مونچھیں کاٹے، ناخن کاٹے، یہ پیشہ ہے اس میں ثواب ہے گناہ کوئی نہیں ہے۔ گناہ اس وقت ہوگا جب اس میں خرابی آئے گی ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔ وہ تمھاری نیتوں کو جانتا ہے

اور تمہارے قول وفعل کی خبر رکھتا ہے۔ معاملہ تمھارا رب تعالیٰ کے ساتھ ہے اس بات کو نہ بھولنا اور رب تعالیٰ کے احکام کو نہ بھولنا۔

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ﴾ کہا دیہاتیوں نے ﴿اٰمَنَّا﴾ ہم ایمان لائے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾ تم ایمان نہیں لائے ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا﴾ لیکن تم کہو ﴿اَسْلَمْنَا﴾ ہم مسلمان ہوئے ہیں ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ﴾ اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان ﴿فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ تمھارے دلوں میں ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ اور اگر تم اطاعت کرو گے اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿لَا يَلِتْكُمْ﴾ نہیں کمی کرے گا اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ﴿مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا﴾ تمھارے اعمال میں سے کچھ بھی ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿غَفُوْرٌ﴾ بخشنے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ مہربان ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ﴾ پختہ بات ہے مومن وہ ہیں ﴿اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ﴿ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ پھر انھوں نے شک نہیں کیا ﴿وَجٰهَدُوْا﴾ اور جہاد کیا انھوں نے ﴿بِاَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ﴿وَاَنْفُسِهِمْ﴾ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں سچے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ﴾ کیا تم بتلاتے ہو اللہ تعالیٰ کو ﴿بِدِيْنِكُمْ﴾ اپنا دین ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ حالاں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ﴾ یہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر ﴿اَنْ اَسْلَمُوْا﴾ کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ﴾ نہ احسان جتلاؤ مجھ پر ﴿اِسْلَامَكُمْ﴾ اپنے اسلام کا ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے تم پر ﴿اَنْ هَدٰىكُمْ﴾ کہ ہدایت دی تم کو ﴿لِلْاِيْمَانِ﴾ ایمان کے لیے ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿غَيْبَ السَّمٰوٰتِ﴾ غیب آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے ﴿بِمَا﴾ اس چیز کو ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مالِ غنیمت تقسیم کرنا :

کافروں کے ساتھ جہاد میں فتح ہو جانے کے بعد جو ان کا مال ہاتھ آتا ہے اس کو مال غنیمت کہتے ہیں۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے تھے پانچواں حصہ خمس کہلاتا تھا۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے تھے اور خمس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جیسا کہ دسویں پارے کی ابتداء میں مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کنٹرول ہوتا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ضروریات کے

لیے بھی خرچ کرتے تھے اور اپنے قریبی رشتہ داروں پر بھی اور یتیموں، مسکینوں، بیواؤں، مسافروں پر بھی خرچ فرماتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوابدید پر ہوتا تھا جس کو جتنا چاہیں دیں۔ اب بھی امیر لشکر کو اس کا حق ہے کہ خمس جہاں چاہے دیانت داری کے ساتھ خرچ کرسکتا ہے۔

۸ ھ شوال کے مہینے میں غزوہ حنین پیش آیا تھا جس میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور کافر چار ہزار تھے۔ ابتداء میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ چالیس ہزار بکریاں، چوبیس ہزار اُونٹ اور منوں کے حساب سے سونا، چاندی غنیمت میں ملا۔ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کافی، کافی مال دیا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ اقرع بن حابس جو ایک سردار تھے۔ فرمایا اس کو سو اُونٹ دے دو۔ عیینہ بن حصن کو فرمایا سو اُونٹ دے دو۔ کسی کو سو اور کسی کو پچاس اُونٹ دیئے مگر انصارِ مدینہ کو کچھ نہ ملا۔ انصارِ مدینہ کے کچھ نوجوانوں نے کہا کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی برادری کی محبت غالب آ گئی ہے۔ قریش میں کسی کو سو اُونٹ اور کسی کو پچاس اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا۔ حالاں کہ ہماری تلواروں سے ابھی تک کافروں کا خون ٹپک رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصارِ مدینہ کو ایک جگہ جمع فرمایا اور فرمایا کہ انصار کے سوا اور کوئی یہاں نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شکایت پہنچی ہے کہ تم نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برادری کی محبت غالب آ گئی ہے اور کسی کو سو اُونٹ اور کسی کو پچاس اُونٹ دیئے ہیں۔ کیا واقعی تم نے یہ بات کہی ہے؟ جو سمجھ دار صاحبِ رائے تھے وہ بولے کہ حضرت! ہم نے تو یہ بات نہیں کہی البتہ چند نوجوانوں نے یہ بات کہی ہے کہ کافروں کی کھوپڑیاں ہم اُڑاتے ہیں اور مال ان کو مل گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھاری خدمات اور قربانیوں کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔ یہ جو کچھ میں نے دیا ہے ان کو خدمت کے صلے میں نہیں دیا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم پکے مومن ہو تمھیں کچھ ملے یا نہ ملے تمھارے ایمان میں کچھ فرق نہیں آئے گا تم مومن ہی رہو گے۔ یہ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں میں نے ان کو تالیف قلب کے لیے دیا ہے تاکہ ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ دین پر قائم رہیں، مرتد نہ ہو جائیں العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کسی شے کے صلے میں نہیں دیا۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے:

اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الاحسان. "انسان احسان کے نیچے دبا ہوتا ہے۔"

محسن کے سامنے آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ انصارِ مدینہ بتاؤ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں اُونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رب کے رسول کو لے کر جاؤ۔ سب نے کہا حضرت! ہم راضی ہیں۔

ابتداء میں تالیف قلب کے لیے کافروں کو بھی زکوٰۃ دینی جائز تھی کہ مسلمان تھوڑے تھے، کمزور تھے کہ اس طرح کافروں کے دل نرم ہو جائیں گے اور مسلمان ہو جائیں گے۔ اب جمہور اہل اسلام کے ہاں تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ کیوں کہ اب مسلمان افرادی لحاظ سے تھوڑے نہیں ہیں اور اس وقت جو نئے مسلمان ہوتے تھے ان کو بھی تالیف قلب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیسے (مال) دے دیتے تھے۔ دیہاتیوں نے سنا مسلمان ہوتے ہیں ان کو انعام ملتا ہے۔ تو

مدینہ طیبہ سے دور دور کے دیہاتی پچاس میل، سو میل، کوئی دو سو میل کے رہنے والے تھے ان تک جب یہ خبریں پہنچی کہ آپ ﷺ مومنوں کو تحفے دیتے ہیں وہ بھی آ گئے اور کہنے لگے ہم بھی مومن ہیں۔ اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا﴾ دیہاتیوں نے کہا، دیہات میں رہنے والوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں ہم بھی مومن ہیں ہمیں بھی کچھ دو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾ تم ایمان نہیں لائے ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ لیکن تم یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ ہم نے اسلام کا اظہار کیا ہے کچھ لینے کے لیے۔ رب تعالیٰ سے بہتر کون جانتا ہے، اس کو ہر شے کا علم ہے۔ قبیلہ بنو اسد، قبیلہ بنو غطفان جو اسلام کے سخت مخالف تھے صرف اُونٹ، بکریاں، سونا، چاندی لینے کے لیے انھوں نے یہ ڈرامہ رچایا کہ ﴿اٰمَنَّا﴾ ہم ایمان لائے ہیں۔ آپ فرمادیں تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو کہ ہم نے اسلام کا اظہار کیا ہے ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا تمھارے دلوں میں۔ ایمان والے ایمان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔ مومن کا کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ دنیا کی دولت لینے کے لیے ایمان کا اظہار کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ایمان سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے۔ پھر یہ ابدالآباد کی دولت ہے۔ دائمی زندگی اس دولت کے ساتھ بنے گی۔ دنیا کی دولت دنیا ہی میں رہ جائے گی۔ جن لوگوں نے حلال یا حرام طریقے سے اربوں کھربوں روپے کمائے، کیا ساتھ لے گئے؟ کسی کو کفن نصیب ہوتا ہے اور کسی کو کفن بھی نصیب نہیں ہوتا۔ انسان کے ساتھ ایمان اور عمل صالح جاتا ہے۔

نیک آدمی قبر میں فرشتوں کے سوال و جواب سے فارغ ہوتا ہے تو ایک انتہائی خوب صورت آدمی اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم کون ہو؟ کیسے آئے ہو؟ تیرے جیسا خوب صورت آدمی تو میں نے دنیا میں نہیں دیکھا حالاں کہ میں دنیا میں بڑا گھوما پھرا ہوں۔ وہ کہتا ہے تم مجھے نہیں پہچانتے اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ "میں تیرا نیک عمل ہوں۔" اگر بدکار، برا آدمی ہے تو اس کے سامنے کَرِیْہُ المنظر، بُری صورت والا آدمی آتا ہے۔ اس کے بدن اور کپڑوں سے بدبو آ رہی ہوتی ہے۔ یہ اس کو کہتا ہے او اللہ کے بندے! مجھے پہلے کیا کم تکلیف ہو رہی ہے کہ تو بھی مجھے تکلیف دینے کے لیے آ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے تو مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا برا عمل ہوں۔ تو ایمان بڑی دولت ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے۔

تو فرمایا آپ کہہ دیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ اور اگر تم اطاعت کرو گے اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول ﷺ کی دل سے، اخلاص کے ساتھ ﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ نہیں کمی کرے گا اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال میں کچھ بھی بلکہ تمھارے اعمال صالحہ کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کوتاہیوں اور کمزوریوں سے درگزر فرمائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ پختہ بات ہے حقیقت میں مومن وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر۔ دل کی گہرائیوں سے وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی کتابوں، فرشتوں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور اچھی بری تقدیر کہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پر صحیح طریقے سے یقین رکھتے ہیں

﴿ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا﴾ پھر انھوں نے کسی قسم کا شک نہیں کیا۔ اگر دل میں ذرا برابر بھی شک یا تردد آ گیا تو ایمان ضائع ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے ﴿فَهُمۡ فِیۡ رَیۡبِهِمۡ یَتَرَدَّدُوۡنَ﴾[توبہ:۴۵] " وہ شک و تردد ہی میں مبتلا رہتے ہیں۔" تو فرمایا ایمان والے وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد شک میں نہیں پڑتے ﴿وَ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ﴾ اور انھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ اپنی جانیں لے کر نکلے اور اپنے مال لے کر نکلے اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔

جہاد بھی مومن کا اہم فریضہ ہے سچا ایمان دار کبھی جہاد سے پیچھے نہیں ہٹتا اور منافق آدمی ہمیشہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو آدمی اپنی جان اور مال لے کر اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے نکلا ہے وہ مجاہد ہے اور جو اس کے معاون ہیں اس کے گھر کی حفاظت کرنے والے ہیں اس کے مال اور عزت کی حفاظت کرنے والے ہیں اس کے بچوں کی حفاظت کرنے والے ہیں وہ بھی مجاہد ہیں۔

بخاری شریف میں حدیث ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنۡ خَلَّفَ غَازِیًا فَقَدۡ غَزَا " جس نے مجاہد غازی کے گھر کی دیانت داری کے ساتھ نگرانی کی وہ بھی مجاہد ہے۔" جتنا ثواب اُس کو ملے گا اِس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ تو جہاد کا ایک شعبہ تو وہ ہے کہ تلوار لے کر، مال لے کر نکلا اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑا۔ اسی طرح قلم کے ساتھ بھی جہاد ہے کہ کتابیں، رسالے لکھ کر لوگوں کو باطل سے آگاہ کرے اور ان کے ایمان کی حفاظت کرے۔

اور زبان کے ساتھ بھی جہاد ہے۔ وعظ، تقریر کے ذریعے لوگوں کو حق و باطل سے آگاہ کرے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ﴾ یہی لوگ ہیں سچے۔ جو صحیح معنیٰ میں ایمان لائے اور پھر ایمان میں شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور جانوں کو لے کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ ﴿قُلۡ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیں جو آپ کے پاس آئے ہیں ﴿اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰهَ بِدِیۡنِكُمۡ﴾ کیا تم بتلاتے ہو، خبر دیتے ہو اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی کہ آکر کہتے ہو ﴿اٰمَنَّا﴾ ہم ایمان لائے ہیں ﴿وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ یہ مجمع میں آکر کہنا کہ ہم مومن ہیں اس کا کیا فائدہ؟ ﴿وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یہ کہہ کر کہ ہم مومن ہیں ﴿یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡكَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا﴾ یہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَكُمۡ﴾ نہ احسان جتلاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا۔ مجھ پر احسان نہ رکھو ﴿بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیۡكُمۡ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے تم پر ﴿اَنۡ هَدٰىكُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ﴾ کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ اگر ہو تم اپنے دعوے میں سچے کہ ہم مومن ہیں۔ ساری دنیا مسلمان ہو جائے ایک آدمی بھی دنیا میں کافر اور گناہ گار نہ رہے رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی کا بھی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور اگر ساری دنیا کافر ہو جائے، العیاذ باللہ، ایک آدمی بھی رب تعالیٰ کا نام لینے والا نہ رہے اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک رتی کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ جو ایمان لائے گا اپنے لیے، جو کفر کرے گا

اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔جس نے نیکی کی اس نے اپنا گھر سنوارا اور جس نے بدی کی اس نے اپنا بیڑا غرق کیا۔

قیامت والے دن ہر ایک کا اعمال نامہ اس کے سامنے ہوگا اس کے مطابق جزا سزا ہوگی۔ ہاں اتنی بات یاد رکھیں ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [زمر:۷] "اور وہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے کفر۔" اور جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے ان پر راضی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مد میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اس لیے ان کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سند ملی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

محدثین کرام،فقہائے عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب تم کسی پیغمبر کا نام لو تو ساتھ کہو ادب کے ساتھ۔اور صحابی کے نام کے ساتھ کہو رضی اللہ عنہ۔کسی بزرگ کا نام لو تو کہو رحمہ اللہ تعالیٰ۔دین میں ادب بڑی چیز ہے۔خود اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کا نام بے ادبی سے نہیں لیا۔لہٰذا نیکوں کا نام ادب کے ساتھ لو۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو ہدایت دی اگر ہو تم سچے تو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو اس کا شکر ادا کرو کہ آپ نے مجھے ایمان کی توفیق دی ہے۔کئی دفعہ تم یہ حدیث سن چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا اس کو بھی دیتا ہے جس پر راضی ہوتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا وَلَا يُعْطِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "اور ایمان صرف اس کو دیتا ہے جس پر وہ راضی ہوتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ إِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "دین اللہ تعالیٰ صرف اس کو دیتا ہے جس کے ساتھ اُسے محبت ہوتی ہے۔" لیکن ایمان اور دین صحیح ہو محض دعوے سے کچھ نہیں بنتا۔

قادیانی ابھی تک ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم مومن ہیں،منکر حدیث کہتے ہیں ہم مومن ہیں،بابی کہتے ہیں ہم مومن ہیں، بہائی کہتے ہیں ہم مومن ہیں،رافضیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم مومن ہیں،مشرک کہتے ہیں ہم مومن ہیں حاشا و کلّا ہرگز نہیں۔ مومن وہ ہیں جن کو خدا،رسول مومن کہے۔صحیح ایمان وہ ہے جو قرآن اور حدیث کے مطابق ہو۔جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے منقول ہے،فقہاء اور محدثین رحمہم اللہ سے منقول ہے۔باقی سب فراڈ اور دھوکا ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔جو چیزیں مخلوق سے چھپی ہوئی ہیں چاہے وہ آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں رب تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔عالم الغیب کا یہ معنیٰ نہ سمجھنا کہ رب تعالیٰ سے کوئی شے غائب ہے۔اللہ تعالیٰ سے کوئی شے غائب نہیں ہے جو چیزیں مخلوق سے غائب ہیں یا سامنے ہیں وہ سب کو جانتا ہے ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اس چیز کو جو تم کرتے ہو۔تمھارے سارے اعمال اس کے سامنے ہیں اس لیے رب تعالیٰ کو کسی وقت بھی نہ بھولو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ قٓ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ حٰمٓ

(۲۶)

آیاتہا ۴۵ سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (۵۰) (۳۴) رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ قسم ہے قرآن کی جو بزرگ ہے، عزت والا ہے ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا﴾ بلکہ انھوں نے تعجب کیا ﴿اَنْ﴾ اس بات پر ﴿جَآءَهُمْ﴾ کہ آیا ان کے پاس ﴿مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ ڈرانے والا ان میں سے ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پس کہا کافروں نے ﴿هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ یہ شے ہے عجیب ﴿ءَاِذَا مِتْنَا﴾ کیا جس وقت ہم مرجائیں گے ﴿وَكُنَّا تُرَابًا﴾ اور ہوجائیں گے مٹی ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ یہ لوٹنا ہے دور کا ﴿قَدْ عَلِمْنَا﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ﴾ جو کم کرتی ہے زمین ان میں سے ﴿وَعِنْدَنَا﴾ اور ہمارے پاس ﴿كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ کتاب ہے حفاظت کرنے والی ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ﴾ بلکہ جھٹلایا انھوں نے حق کو ﴿لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ جب آ گیا حق ان کے پاس ﴿فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ پس یہ لوگ الجھی ہوئی بات میں مبتلا ہیں ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا﴾ کیا پس نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اِلَى السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف ﴿فَوْقَهُمْ﴾ جو ان کے اوپر ہے ﴿كَيْفَ بَنَيْنٰهَا﴾ کیسے بنایا ہے اس کو ﴿وَزَيَّنّٰهَا﴾ اور ہم نے اس کو مزین کیا ہے ﴿وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ اور نہیں ہے اس میں کوئی دراڑ ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ اور زمین کو پھیلایا ہم نے ﴿وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا﴾ اور ڈالے ہم نے اس میں ﴿رَوَاسِيَ﴾ مضبوط پہاڑ ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا﴾ اور ہم نے اُگائیں اس میں ﴿مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ﴾ ہر قسم کی تروتازہ چیزیں ﴿تَبْصِرَةً﴾ بصیرت کے لیے ﴿وَّذِكْرٰى﴾ اور نصیحت کے لیے ﴿لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ ہر بندے کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے ﴿وَنَزَّلْنَا﴾ اور نازل کیا ہم نے ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿مُّبٰرَكًا﴾ برکت والا ﴿فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ﴾ پس ہم نے اُگائے اس کے ذریعے سے ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغات ﴿وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ﴾ اور دانے کٹی ہوئی کھیتی کے ﴿وَالنَّخْلَ﴾ اور کھجوریں پیدا کیں ﴿بٰسِقٰتٍ﴾ لمبی لمبی ﴿لَّهَا طَلْعٌ﴾ ان کے لیے خوشے ہیں ﴿نَّضِيْدٌ﴾ تہ بہ تہ ﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ رزق بندوں کے لیے ﴿وَاَحْيَيْنَا بِهٖ﴾ اور ہم نے زندہ کیا اس پانی کے ذریعے ﴿بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ مردہ شہر ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ اسی طرح ہے نکلنا۔

تعارفِ سورت

اس سورۃ کا نام سورہ قٓ ہے اور "ق" کا لفظ پہلی ہی آیت میں موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے

پہلے تینتیس [۳۳] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا چونتیسواں نمبر ہے نزول کے اعتبار سے۔ اور ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر پچاس ہے۔ اس کے تین رکوع اور پینتالیس آیتیں ہیں۔

﴿قٓ﴾ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: هِيَ مِنْ اَسْمَآءِ اللهِ تعالیٰ "یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ ﴿قٓ﴾ ہی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا مخفف ہے۔ تو پھر یہ قدیر کا بھی مخفف ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام قدیر بھی ہے کل شیء قدیر اور قادر کا مخفف بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام قادر بھی ہے۔ اور قاہر کا مخفف بھی ہوسکتا ہے۔ قاہر بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ [الانعام:۶۱] یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔

﴿وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ واو حرف قسم ہے۔ معنیٰ ہوگا قسم ہے قرآن کی جو بزرگ ہے، عظمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں اور صحیفے حق ہیں مگر جو رتبہ اور مقام قرآن کو حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ جیسے تمام پیغمبر برحق ہیں مگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت اور کوئی نہیں ہے۔ یہ مرتبہ اور مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ تو فرمایا قسم ہے بزرگ قرآن کی، کافر ایمان نہ لائے ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا﴾ بلکہ انھوں نے تعجب کیا ﴿اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان ہیں، ہاشمی بھی ہیں، قریشی بھی ہیں۔ ان کو تعجب ہوا کہ ہم میں سے نبی کیسے بن گیا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی فرشتہ نبی بن کر آتا یہ انسان کیسے پیغمبر بن گیا۔ سورۃ القمر آیت نمبر ۲۴ پارہ ۲۷ میں ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ﴾ "کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کا اتباع کریں گے۔" پھر ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر قرآن کسی انسان ہی پر اتارنا تھا تو پھر کسی بڑے آدمی پر اتارا جاتا اس یتیم پر کیوں اتارا گیا؟ ﴿وَقَالُوْا﴾ "اور کہا ان لوگوں نے ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف:۳۱] کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے۔" ایک بستی سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور دوسری بستی طائف کی۔ جدہ کا اس وقت وجود نہیں تھا۔ مکہ مکرمہ میں اترتا تو ولید بن مغیرہ پر اترتا کہ یہ بڑا مال دار اور سردار تھا تیرہ (۱۳) اس کے بیٹے تھے بڑے نوکر چاکر تھے اور تمام لوگ اس کو سلام کرتے تھے۔ اور طائف میں اترتا تو عروہ بن مسعود ثقفی پر اترتا کہ یہ بھی بڑا چودھری اور مال دار آدمی تھا۔ نبوت کے لیے رب کو یتیم ہی ملا تھا جس کے پاس نہ کوئی کوٹھی، نہ باغ، نہ نوکر چاکر، یہ کیسے نبی بن گیا؟

تو فرمایا بلکہ انھوں نے تعجب کیا اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پس کہا کافروں نے ﴿هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ یہ چیز ہے بڑی عجیب۔ پہلے تو اس کا نبی ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ غریب اور یتیم کیسے نبی بن گیا؟ پھر جو باتیں کرتا ہے وہ بھی بڑی عجیب ہیں۔ کہتا ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوگے، حساب کتاب ہوگا ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جس وقت ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ﴾ یہ لوٹنا ہے دور کا۔ ہم مر کے خاک ہو جائیں گے، ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی پھر ہم قبروں سے نکالے جائیں گے۔ یہ نکلنا کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ہمیں دوبارہ

کون اٹھائے گا؟

سورت مومنون آیت نمبر ۳۷ پارہ ۱۸ میں ہے ﴿اِنۡ ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ﴾ "نہیں ہے مگر ہماری صرف دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔" ﴿ہَیۡہَاتَ ہَیۡہَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ﴾ [ایضا:۳۶] "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" مرنے کے بعد کون اٹھے گا اور اکیسویں پارہ میں، سورۃ السجدہ آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿ءَ اِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَ اِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ﴾ "اور کہا ان لوگوں نے جس وقت ہم رل مل جائیں گے زمین میں کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔" ہمارے اجزاء مٹی کے اجزاء سے الگ کون کرے گا؟ جب ہم مٹی کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گے پھر کیا تمیز ہوگی کہ بندے کے اجزاء کون سے ہیں اور زمین کے کون سے ہیں۔ الگ الگ کون کرے گا؟ اس کا جواب دیتے ہیں۔

فرمایا ﴿قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں اس چیز کو جو کم کرتی ہے زمین ان میں سے۔ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے کتنے اجزاء زمین کے ساتھ رل مل گئے ہیں تمہارے اجزاء کون کون سے ہیں اور زمین کے اجزاء کون کون سے ہیں سب ہمارے علم میں ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ زمین نے ان میں سے کتنے کم کیے ہیں یعنی کتنے مر کے زمین میں دفن ہوئے ہیں۔ کیونکہ عرب بھی مردوں کو دفن کرتے تھے جلاتے نہیں تھے۔ تو ہمارے علم میں ہے کہ کتنے مر کے زمین میں دفن کیے گئے ہیں، زمین نے کتنے کم کیے ہیں۔

عرب کے دو قبیلوں عبد مناف اور بنو سہم میں جھگڑا ہوا۔ ایک کہتا تھا کہ ہماری تعداد زیادہ ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ ہماری تعداد زیادہ ہے۔ اس پر ان کے درمیان کافی جھگڑا ہوا۔ سمجھ دار لوگوں نے کہا جھگڑا نہ کرو مردم شماری کر لو، اپنی برادری کے آدمی گن لو۔ جب مردم شماری ہوئی تو بنو سہم کے لوگ تھوڑے نکلے اور عبد مناف زیادہ نکلے۔ اس پر انھوں نے لڈیاں ماریں اور بھنگڑے ڈالنے شروع کیے کہ ہم زیادہ ہیں۔ بنو سہم خاصے پریشان ہوئے کہ ہمارے ووٹ کم نکلے مگر اچھا زمانہ تھا لوگ جعلی ووٹ نہیں ڈالتے تھے۔ آج کے لوگوں سے کافر اچھے تھے آج لوگ ہزاروں، لاکھوں جعلی ووٹ ڈالتے ہیں۔ وزیر اعظم سے لے کر نیچے تک جعلی ووٹ بنواتے ہیں کہ آئندہ الیکشن ہو تو ہمیں شکست نہ ہو۔ اس وقت جعلی ووٹ نہیں بناتے تھے۔

تو بنو سہم خاصے پریشان ہوئے کہ ہمارے ووٹ کم نکلے ہیں۔ کہنے لگے قبریں بھی شمار کرو کہ مردے کن کے زیادہ ہیں؟ جب قبروں کو شمار کیا گیا تو بنو سہم کی زیادہ نکلیں۔ اب ان کی تعداد بڑھ گئی۔ اب انھوں نے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ﴾ "غفلت میں ڈال دیا تم کو کثرت کی طلب نے ﴿حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ﴾ یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی۔"

تو خیر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ذرہ ذرہ مٹی میں مل جائے، چاہے اس کو مچھلیاں کھا جائیں، جانور کھا جائیں، پرندے کھا

جائیں وہ سب کے اجزاء کو اکٹھا کر کے زندہ کھڑا کر دے گا۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا نباش (کفن چور) بعد میں اس نے کاروبار کر لیا اور بڑا مال دار ہو گیا اتنا کہ مال اس سے سنبھالا نہیں جاتا تھا۔ موت قریب آئی تو بیٹوں کو بلا کر کہا کہ مجھے بتلاؤ کہ میں تمھارا کیسا والد ہوں؟ بیٹوں نے کہا آپ ہمارے حق میں بہت اچھے ہیں ہمیں آپ کی طرف سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ کہنے لگا اچھا قسم اٹھاؤ کہ میں جو کام تمھارے ذمے لگاؤں گا اس کو پورا کرو گے۔ قسم لینے کے بعد کہا کہ جب میں مر جاؤں مجھے جلا کر راکھ کر دینا۔ پھر میری راکھ کچھ تو سمندر میں پھینک دینا اور کچھ ہوا میں اڑا دینا۔ بھائی ایک دوسرے کو دیکھنے لگ گئے کہ باپ نے ہم سے قسمیں لے کر پابند کر دیا۔ برادری کیا کہے گی، لوگ کیا کہیں گے؟ کیونکہ یہودی مردوں کو جلاتے نہیں تھے دفناتے تھے۔ تو کہنے لگے باپ نے ہمیں مشکل میں ڈال دیا ہے۔ بہر حال انھوں نے باپ کی وصیت پر عمل کیا جلا کر راکھ کچھ سمندر میں بکھیر دی اور کچھ ہوا میں اڑا دی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ جمع کر دیئے گئے تو وہ آدمی تھا جو کھڑا کر دیا گیا۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ جب وہ بندہ بنا کر کھڑا کر دیا گیا تو رب تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں مگر اس کا ایک طریقہ کار ہے۔ اس نے کہا اے پروردگار! تیرے ڈر سے۔ کیونکہ میں نے انسانوں والا کام تو کوئی کیا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ تو اس نے راکھ اور خاک کو بندہ بنا دیا اس کے لیے کیا مشکل ہے؟ اس لیے ملحدوں کے اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ جن کو سکھ، کھتری، بدھو (بدھ مت والے) جلا دیتے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ رب تعالیٰ سب کو قیامت والے دن کھڑا کرے گا۔ اور قبر کا عذاب بھی حق ہے وہ بھی ان کو ہو گا۔ رب تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

تو فرمایا تحقیق ہم جانتے ہیں اس چیز کو جو زمین کم کرتی ہے ان میں سے ﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ اور ہمارے پاس کتاب ہے حفاظت کرنے والی۔ لوح محفوظ میں سب کچھ درج ہے۔ اور یاد رکھنا! لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کا کروڑ در کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ میں تو درج ہے جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک کے حالات۔ جب کہ رب تعالیٰ کا علم تو اس سے پہلے کا بھی ہے اور بعد کا بھی ہے۔ تو لوح محفوظ تو رب تعالیٰ کے علم کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ فرمایا ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ بلکہ جھٹلایا انھوں نے حق کو جب حق ان کے پاس آ گیا۔ توحید حق ہے، نبوت حق ہے، قرآن حق ہے، قیامت حق ہے۔ ان سب چیزوں کو انھوں نے جھٹلایا ﴿فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ پس وہ لوگ ایک الجھی ہوئی بات میں مبتلا ہیں۔ وہ ایسے معاملے میں ہیں جو مضطرب ہے۔ قرآن کریم کے متعلق کبھی کہتے ہیں کہانت ہے، فال نکالنے والوں کے شوشے ہیں، کبھی کہتے ہیں جادو ہے، کبھی کہتے ہیں افتراء ہے۔ پیغمبر کے بارے میں کبھی کہتے ہیں جادوگر ہے، کبھی کہتے ہیں

کاہن فال نکالنے والا ہے، کبھی کہتے ہیں اس پر جادو کیا ہوا ہے، کبھی کہتے ہیں مجنون ہے، کبھی کہتے ہیں مفتری ہے قرآن اس نے خود بنایا ہے۔ مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ کسی ایک بات پر قائم رہنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قبر، حشر کے منکرو ذرا غور کرو! ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ﴾ کیا پس نہیں دیکھا انھوں نے آسمان کی طرف جوان کے اوپر ہے۔ ان کے سروں پر جو آسمان ہے وہ ان کو نظر نہیں آتا ﴿كَیْفَ بَنَیْنٰهَا﴾ کیسے بنایا ہے ہم نے اس کو۔ کتنا بڑا اور کتنا بلند ہے نہ اس کے نیچے کوئی کھمبا، نہ ستون۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھنے کے لیے آسمان کو دیکھو جو تمھارے سروں پر ہے ﴿وَ زَیَّنّٰهَا﴾ اور ہم نے اس کو مزین کیا ستاروں کے ساتھ ﴿بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ﴾ [صافات:٦]۔

رات کے وقت فضا صاف ہو تو آسمان کا عجیب نقشہ ہوتا ہے اس کو تم مانتے ہو ﴿وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ اور نہیں ہے اس آسمان میں کوئی دراڑ، کوئی سوراخ۔ قاعدے کے مطابق دروازے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب مومن آدمی مرتا ہے تو آسمان کے دو دروازے اس کے لیے روتے ہیں۔ ایک وہ دروازہ جس سے رب تعالیٰ کی رحمت اور رزق اس کے لیے اترتا تھا۔ اور دوسرا وہ دروازہ جس سے اس کے نیک اعمال اوپر چڑھتے تھے۔ اور کافر مرتا ہے تو ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ﴾ [الدخان:۲۹] "پس نہیں رویا ان پر آسمان اور زمین۔" نہ آسمان کے دروازے روتے ہیں نہ زمین روتی ہے۔'' اور مومن کے لیے زمین بھی روتی ہے۔ جس جگہ بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا تھا، نمازیں پڑھتا تھا، عبادت کرتا تھا وہ روتی ہے کہ میں محروم ہو گئی ہوں۔

تو قاعدے کے مطابق دروازے ہیں دراڑیں اور سوراخ نہیں ہیں۔ اور دیکھا نہیں ﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ اور زمین کو پھیلایا ہم نے۔ کتنی وسیع ہے دنیا میں پھر کر دیکھو ﴿وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾۔ رَوَاسِی راسیة کی جمع ہے، مضبوط پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور ڈالے ہم نے، رکھے ہم نے اس زمین میں مضبوط پہاڑ ﴿وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ﴾ اور اگائیں ہم نے اس میں ہر طرح کی تر و تازہ چیزیں۔ گندم، مکئی، چاول، باجرہ، سبزیاں، پھل فروٹ، پھول، درخت، پودے، عجیب عجیب شکلیں اور نمونے اللہ تعالیٰ نے بنائے ﴿تَبْصِرَةً﴾ بصیرت کے لیے۔ تمھارے دلوں میں قدرت کی نشانیوں کی بصیرت پیدا کر دی ہے ﴿وَّ ذِكْرٰى﴾ اور نصیحت کے لیے ﴿لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ﴾ ہر بندے کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے ﴿وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور نازل کیا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی ﴿مُّبٰرَكًا﴾ برکت والا۔ بڑا صاف ستھرا ﴿فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ﴾ پس اگائے ہم نے اس کے ذریعے سے باغات طرح طرح کے۔ انگوروں کے، کھجوروں کے، آموں کے، اناروں کے اور بے شمار چیزوں کے ﴿وَّ حَبَّ الْحَصِیْدِ﴾ اور دانے کٹی ہوئی کھیتی کے۔ بیج بونے کے بعد کھیتی اُگتی ہے پھر دانے لگتے ہیں پھر پکتی ہے پھر کھیتی کاٹتے ہو، دانے الگ کرتے ہو۔ یہ دانے کس نے لگائے ہیں؟ ﴿وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ﴾ اور کھجوریں لمبی لمبی جن کی بے شمار قسمیں ہیں۔ سب سے زیادہ کھجوریں خیبر کے علاقے میں ہوتی ہیں۔ دس ہزار کے قریب ان کی قسمیں ہیں۔ بعض کھجوریں ایسی ہیں کہ ان کے دانے گول ہوتے ہیں اور بعض کے لمبے ہوتے ہیں۔ بعض کی گٹھلی ہوتی ہے اور بعض کی گٹھلی نہیں ہوتی۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوادہ بن غزیہ رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے خیبر بھیجا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

جنیب نامی کھجور پیش کی جو بڑی لمبی اور موٹی ہوتی ہے اور گٹھلی برائے نام۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَکُلُّ تَمْرِ خَیْبَرَ ھٰکَذَا "کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہوتی ہیں۔" انھوں نے کہا نہیں حضرت! ساری ایسی نہیں ہوتیں۔

توفرمایا ہم نے لمبی لمبی اگائیں ﴿لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ﴾ ان کے ساتھ خوشے ہیں، گچھے ہیں تہہ بہ تہہ۔ دانے پر دانہ چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں عبدالخیل کے علاقے میں گیا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مہمان تھا۔ اس علاقے میں کھجوروں کے کافی درخت تھے۔ میں نے پوچھا کہ کتنی کتنی کھجوریں لگتی ہیں؟ تو ایک آدمی نے بتایا کہ ایک ایک خوشے کے ساتھ دس دس کلو اور پندرہ پندرہ کلو تک بھی ہوتی ہیں۔ یہ تو ڈیرہ اسماعیل خان کی بات ہے اور مدینہ، خیبر، بصرہ اور کوفے کی کھجوروں کی کیا بات ہے۔

توفرمایا ان کے خوشے تہہ بہ تہہ ہیں ﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ یہ خوراک ہے بندوں کے لیے ﴿وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ اور زندہ کیا ہم نے اس پانی کے ذریعے مردہ شہر۔ فرمایا جس طرح ہم نے آسمان بنائے، زمین بچھائی، مضبوط پہاڑ رکھے، مختلف چیزیں اگائیں، بارش نازل کی، لمبی لمبی کھجوریں پیدا کی ہیں ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ اسی طرح ہے نکلنا۔ وقت آنے پر ایک دن تم نے بھی اسی طرح زمین سے اگنا ہے جس رب نے یہ سارے کام کیے ہیں جن کا تم انکار نہیں کر سکتے وہی رب تمھیں قبروں سے نکالے گا۔ جس طرح یہ ساری چیزیں اُگی ہیں اسی طرح تم نے قبروں سے نکلنا ہے۔ یقین جانو! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

﴿كَذَّبَتْ﴾ جھٹلایا ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿قَوْمُ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم نے ﴿وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ﴾ اور کنویں والوں نے ﴿وَثَمُوْدُ﴾ اور قوم ثمود نے ﴿وَعَادٌ﴾ اور عاد قوم نے ﴿وَّفِرْعَوْنُ﴾ اور فرعون نے ﴿وَاِخْوَانُ لُوْطٍ﴾ اور لوط علیہ السلام کے بھائیوں نے ﴿وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾ اور جنگل والوں نے ﴿وَقَوْمُ تُبَّعٍ﴾ اور تبع کی قوم نے ﴿كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ﴾ سب نے جھٹلایا پیغمبروں کو ﴿فَحَقَّ وَعِيْدِ﴾ پس لازم ہوگئی میری وعید ﴿اَفَعَيِيْنَا﴾ کیا پس ہم تھک گئے ہیں ﴿بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ﴾ پہلی مخلوق پیدا کر کے ﴿بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ﴾ بلکہ یہ لوگ اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں ﴿مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ نئی مخلوق کے بارے میں ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿وَنَعْلَمُ﴾ اور ہم جانتے ہیں ﴿مَا﴾ جو ﴿تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ وسوسہ کرتا ہے اس کے ساتھ اس کا نفس ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ﴾ اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کی طرف ﴿مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ شہ رگ سے ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ﴾ جس وقت لیتے ہیں دو لینے والے ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف سے ﴿وَعَنِ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں طرف سے ﴿قَعِيْدٌ﴾ بیٹھا ہوتا ہے ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ﴾ نہیں بولتا وہ کوئی بات ﴿اِلَّا لَدَيْهِ﴾ مگر اس کے پاس ﴿رَقِيْبٌ﴾ نگران ہوتا ہے ﴿عَتِيْدٌ﴾ تیار ﴿وَجَآءَتْ﴾ اور آئی ﴿سَكْرَةُ الْمَوْتِ﴾ موت کی غشی ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ

﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ﴿مَا﴾ وہ چیز ہے ﴿كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ جس سے تو بھاگتا تھا ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور پھونکی جائے گی بگل ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾ یہ دھمکی کا دن ہے ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ﴾ اور آئے گا ہر نفس ﴿مَّعَهَا﴾ اس کے ساتھ ﴿سَآئِقٌ﴾ ایک چلانے والا ہوگا ﴿وَّشَهِيْدٌ﴾ اور ایک گواہ ہوگا۔

ربط آیات

پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ کافروں نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا، قیامت کا انکار کیا تو آپ ﷺ پریشان تو ہوتے تھے کہ انسان تھے۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ پریشان نہ ہوں صرف مکے والے ہی انکار نہیں کر رہے ان سے پہلی قوموں نے بھی انکار کیا ہے۔

فرمایا ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی مگر ایمان لانے والوں کی تعداد سو بھی نہیں تھی۔ ﴿وَاَصْحٰبُ الرَّسِّ﴾ اور کنویں والوں نے جھٹلایا۔

اصحاب الرس کا واقعہ

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "معالم التنزیل" میں لکھتے ہیں اور دیگر مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرموت عرب میں ایک علاقے کا نام ہے۔ آج بھی وہ علاقہ پورا صوبہ ہے۔ اس صوبے میں حاصورآء نامی ایک بڑا شہر تھا۔ اس شہر والوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے کافی عرصہ تک تبلیغ کی۔ ایک کالے رنگ کے حبشی غلام کے سوا ایک آدمی بھی مسلمان نہ ہوا، نہ بیوی، اولاد، نہ بھائی، نہ کوئی عزیز رشتہ دار۔ تمام شہر والوں نے مشورہ کیا کہ یہ ہر وقت ہمیں ستاتا رہتا ہے يٰاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "اے لوگو! کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" دن رات اسی کی رٹ ہے لہٰذا اس سے جان چھڑاؤ۔ شہر سے ایک دو میل کی مسافت پر ایک بڑا گہرا کنواں تھا جنگل میں۔ ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو اس کنویں میں ڈال کر اوپر بھاری بھرکم چٹان رکھ دی کہ وہ حبشی رسّا لٹکا کر نکال نہ سکے۔ وہ حبشی غلام بے چارہ رات کی تاریکی میں جا کر سلام کرتا اور سوراخ سے روٹی نیچے لٹکا دیتا تھا لیکن پتھر کو ہٹا نہیں سکتا تھا۔ ایک دن کہنے لگے حضرت! حکم ہو تو میں بھی کسی کنویں میں چھلانگ لگا دوں؟ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا کہ میں نے خود چھلانگ نہیں لگائی مجھے تو ظالموں نے ڈالا ہے تم ایسا نہ کرنا خودکشی حرام ہے۔ کئی دنوں کے بعد مرد عورتیں بھنگڑا ڈالتے ہوئے گئے کہ دیکھیں مر چکا ہوگا۔ چٹان اٹھائی۔ آواز دی كَيْفَ بِكَ يَا حَنْظَلَةُ "حنظلہ تمھارا کیا حال ہے۔" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے کنویں سے آواز دی يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ ظالموں نے کہا بڑا سخت جان ہے ابھی تک مرا نہیں اور نہ اپنی رائے چھوڑی ہے۔ پھر ان ظالموں

نے ریت، مٹی اور پتھروں سے کنواں بند کر دیا۔ کنویں کو ہموار کرنے کے بعد بھنگڑا ڈالنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کی شکل میں عذاب آیا اس نے سب کو جلا کر بھسم کر دیا۔ یہ ﴿وَّاَصۡحٰبُ الرَّسِّ﴾ کا لفظ ایک تو یہاں آیا ہے اور ایک انیسویں پارہ میں سورۃ فرقان میں آیا ہے۔

تو فرمایا کنویں والوں نے بھی جھٹلایا تھا ﴿وَثَمُوۡدُ﴾ اور ثمود قوم نے جھٹلایا صالح علیہ السلام کو ﴿وَعَادٌ﴾ اور عاد قوم نے جھٹلایا ہود علیہ السلام کو ﴿وَّفِرۡعَوۡنُ﴾ اور فرعون نے جھٹلایا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ﴿وَاِخۡوَانُ لُوۡطٍ﴾ اور لوط علیہ السلام کے بھائیوں نے جھٹلایا لوط علیہ السلام کو۔ بھائی انسان ہونے کی وجہ سے کہا ورنہ تھے وہ کافر ﴿وَّاَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ﴾ اور جنگل والوں نے بھی جھٹلایا حضرت شعیب علیہ السلام کو۔ مدین قوم تھی اور مدین شہر کا نام اسی قوم کی وجہ سے ہوا۔ مدین شہر کے چاروں اطراف میلوں میں پھیلا ہوا جنگل تھا۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ شعیب علیہ السلام اس قوم کے ایک فرد تھے۔ عرصہ دراز تک تبلیغ کرتے رہے۔ تھوڑے سے آدمیوں کے سوا سب نے ان کو جھٹلایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے خلاف بڑی عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے جو بیان کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا بیٹا کوئی نہیں تھا صرف دو بیٹیاں تھیں جو بے چاری بھیڑ بکریاں چراتی تھیں اور انھی پر گزر اوقات ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے بعد ان کو تباہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ سخت گرمی اور حبس تھا کہ ایک ٹکڑا بادل کا ان کو نظر آیا۔ چند آدمی اس کے نیچے گئے ان کو سکھ کا سانس ملا۔ انھوں نے دوسروں کو آوازیں دے کر بلایا کہ یہاں سانس آسانی سے آتا ہے۔ چنانچہ جب وہ سارے لوگ بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بادل سے ان پر آگ برسائی کہ سب کے سب ختم ہو گئے۔

قومِ تبع

﴿وَقَوۡمُ تُبَّعٍ﴾ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا۔ پچیسویں پارے میں تم سن چکے ہو کہ تبع حِمۡیَرۡ قبیلے کا بڑا نیک آدمی تھا۔ اس کا نام اسعد بن مُلیک اور کنیت ابو کرب اور ابو کریب بھی لکھ دیتے ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اس نے پہلی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات، حلیہ اور کارنامے پڑھے تھے۔ یہ یمن کا بادشاہ تھا بعض لوگوں نے اس کو یثرب یعنی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا مشورہ بھی دیا مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں میرے محبوب نے ہجرت کر کے آنا ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام خط بھی لکھا تھا جو میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا تھا۔ خط میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القاب لکھنے کے بعد لکھا کہ حضرت! کاش! میں آپ کے پاس ہوتا تو آپ کی خدمت کرتا اور میرے لیے یہ سعادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی اُمت میں شامل کر لیں۔ میں آپ کا امتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے اور قیامت والے دن میرے حق میں سفارش کرنا۔ بڑا عقیدت مندانہ خط اس نے لکھا۔ یہ خط حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا اور

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بھی یہی خط بنا۔

تاریخ والے لکھتے ہیں کہ وہ خط اتنا مشہور ہوا کہ جو نیک دل یہودی تھے انھوں نے مدینہ طیبہ آکر ڈیرے ڈال دیئے کہ وہ پیغمبر آئے گا ہم اس پر ایمان لائیں گے۔ یہ جو یہود تھے بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع۔ ان کے بڑے (آباؤاجداد) اچھے تھے۔ درمیان میں صدیاں گزر گئیں اور ان کی نسلیں بگڑ گئیں۔ تو یہودی مدینہ طیبہ میں اس خط کی وجہ سے آئے تھے۔

جیسے آج کل انھوں نے اسرائیل میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ ان کا اسرائیل میں اکٹھا ہونا بھی ایک مقصد کے لیے ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کی کمان میں یہود کے ساتھ لڑیں گے۔ آج سے تقریباً پچپن سال پہلے کی بات ہے۔ ہم مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مشکوٰۃ شریف پڑھتے تھے۔ جس وقت ہم نے یہ حدیثیں پڑھیں تُقَاتِلُوْنَ الْیَهُوْدَ "تم یہود کے ساتھ لڑوگے۔" اور عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے ان کی پہلی لڑائی یہود کے ساتھ ہوگی۔ اس وقت یہود کی تعداد چھ سات ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ ہم نے استاذ محترم سے پوچھا حضرت! یہ چھ سات ہزار یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی پھبتی نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا ان کے ساتھ لڑنا بنتا نہیں۔ پہلوان مقابلے کا ہونا چاہیے۔ طاقتور پہلوان کے مقابلے میں کمزور پہلوان ہو تو طاقتور پہلوان اپنی توہین سمجھتا ہے۔ یہ چھ سات ہزار یہودی اور وہ بھی چھپے ہوئے۔ ان کے ساتھ لڑنا کیا پوزیشن ہوگی؟ استاد محترم نے فرمایا او میاں! یہ ان کا تکیہ کلام تھا۔ میاں! جب چیونٹی مرنے پر آتی ہے تو اس کو پر لگ جاتے ہیں۔ جب ان کی تباہی کا وقت قریب ہوگا اس وقت ان کے پاس کافی قوت ہوگی۔ مسلمانوں کو ان کے ساتھ لڑنا پڑے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ان کے ساتھ لڑائی ہوگی۔

اُس وقت ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی۔ لیکن زمانہ گزرتا گیا اور یہودی اسرائیل میں اکٹھے ہوتے گئے۔ اس وقت اَسّی لاکھ کے قریب یہودی ہیں۔ دنیا میں اسلحہ ساز جتنی فیکٹریاں ہیں ان میں یہود کا تیسرا نمبر ہے اور انھوں نے اسلحہ کے انبار لگا رکھے ہیں۔ اس کا توڑ صدام حسین نے کیا تھا مگر وہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے مارا گیا۔ اس کی بے وقوفی یہ تھی کہ اس نے کویت پر حملہ کر دیا اور سارے عرب کو اپنا مخالف کر لیا۔ حالانکہ سارے عرب لوگ اس کے ساتھ تھے۔ طارق عزیز عیسائی اس کا وزیر تھا اس کے ذریعے امریکہ نے اس کا ذہن بنایا کہ کویت تو تمھارا ہے۔ پہلے یہ عراق کا حصہ تھا اس پر حملہ کر کے واپس لو۔ کئی سال صدام کی ذہن سازی کرتے رہے آخر انسان تھا ان کے بہکاوے میں آ گیا۔ پتھر پر بھی پانی کا قطرہ قطرہ گرتا رہے تو سوراخ کر دیتا ہے۔

امریکہ نے طارق عزیز کے ذریعے اس سے یہ نادانی کروائی اور اس نے کویت پر حملہ کر دیا۔ پھر انتیس حکومتوں نے اس پر حملہ کر دیا جن میں ہماری مہربان حکومت بھی شامل تھی۔ اِس وقت دنیا کا سب سے بڑا غنڈا امریکہ ہے۔ پچھلے دنوں امریکہ کو راضی کرنے کے لیے مالاکنڈ کے علماء اور عوام پر مظالم ڈھائے جو شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں۔ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے اور بڑی سازشیں ہو رہی ہیں اور یہ سب بے ایمان کر رہے ہیں۔

تو فرمایا تبع کی قوم نے بھی جھٹلایا ﴿ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ ﴾ ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو ﴿ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾ پس لازم

ہوگئی، ثابت ہوگئی میری دھمکی جو میں نے عذاب کی دی تھی اے دوبارہ اٹھنے کے منکرو! تم کہتے ہو قیامت نہیں آئے گی ﴿اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ﴾ کیا پس ہم تھک گئے ہیں پہلی مخلوق پیدا کر کے کہ دوبارہ ہم نہیں بنا سکتے ﴿بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ بلکہ وہ لوگ التباس میں ہیں، اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں، اضطراب میں ہیں نئی مخلوق کے متعلق، نئی پیدائش کے متعلق کہ رب تعالیٰ نے پہلے بھی پیدا کیا پھر بھی پیدا کرے گا۔ حالانکہ اس کے لیے یہ مشکل نہیں ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے کرتا ہے اس کے ساتھ اس کا نفس۔ اس کے دل میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کی طرف شہ رگ سے۔ جو دل کی طرف دماغ سے بڑی رگ جاتی ہے جس کے کٹ جانے سے عالم اسباب میں زندگی باقی نہیں رہتی اس کو رگ جاں بھی کہتے ہیں۔ فرمایا ہم اس سے بھی زیادہ قریب ہیں انسان کے ﴿اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ﴾ جس وقت لیتے ہیں دو لینے والے ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ﴾ دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے بیٹھا ہوتا ہے۔ ایک انسان کے دائیں کندھے پر اور ایک بائیں کندھے پر بیٹھا ہے ہمیں وہ نظر نہیں آتے اور نہ ان کا احساس ہوتا ہے۔ حالانکہ معمولی سی کوئی شے بھی کندھے پر رکھو تو اس کا احساس ہوتا ہے۔

یہ کراماً کاتبین ہیں، چار فرشتے ہیں۔ دو دن کے اور دو رات کے۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت ان کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں۔ رات والے فرشتے جب فجر کی نماز کھڑی ہوتی ہے اور امام اللہ اکبر! کہتا ہے، چلے جاتے ہیں اور دن والے فرشتے ان سے چارج لے لیتے ہیں اور جب عصر کی نماز کھڑی ہوتی ہے اور امام کہتا ہے اللہ اکبر! تو دن والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات والے فرشتے ان سے چارج لے لیتے ہیں۔ ایک مسجد کے ساتھ جتنے لوگ وابستہ ہیں اور جس محلے میں وہ مسجد ہے اس محلے کے جتنے لوگ ہیں سب کے فرشتوں کی ڈیوٹی کی تبدیلی کا تعلق اسی مسجد کے ساتھ ہے۔ دائیں طرف والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا برائیاں لکھتا ہے۔ جس وقت بات زبان سے نکلتی ہے وہ فرشتہ فوراً لکھ لیتا ہے۔ یہاں لفظ کا ذکر ہے ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ نہیں بولتا وہ کوئی بات مگر اس کے پاس نگران ہوتا ہے تیار۔

سورہ انفطار میں ہے ﴿وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ﴾ "اور بے شک تمہارے اوپر البتہ حفاظت کرنے والے مقرر ہیں ﴿كِرَامًا كَاتِبِیْنَ﴾ وہ باعزت لکھنے والے ہیں ﴿یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔" تو قول یہاں سے ثابت ہے اور فعل کا لکھنا وہاں سے ثابت ہے۔ جو بھی نیکی اور بدی کا قول و فعل ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی دیکھو کہ نیکی کا قول اور فعل تو فوراً لکھ لیتے ہیں لیکن اگر کوئی بری بات منہ سے نکالتا ہے یا برا کام کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ حکم دیتا ہے کہ ذرا ٹھہر جا لَعَلَّهٗ یَتُوْبُ اَوْ یَسْتَغْفِرُ "ممکن ہے توبہ کر لے یا معافی مانگ لے۔" اگر بندے نے توبہ کر لی تو برائی نہیں لکھی جاتی توبہ لکھی جاتی ہے۔ اسی واسطے حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مجلس سے اٹھتے تھے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ پڑھتے تھے تاکہ مجلس میں جو لغزشیں ہوئی ہیں

اس کلمے کی برکت سے وہ سب نیکیوں کی شکل میں لکھی جائیں۔

تو فرمایا نہیں بولتا وہ کوئی بات مگر اس کے پاس نگران ہوتا ہے تیار ﴿وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ﴾ اور آئی موت کی غشی حق کے ساتھ ﴿ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ﴾ یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔ اے بندے! موت سے تو کتنا بھاگے گا بچ نہیں سکتا۔ جب موت کی غشی آئے گی کون بھاگے گا اور کیسے بھاگے گا۔ یہ تو موت ہے انفرادی۔ یاد رکھو! ﴿وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ﴾ اور پھونکی جائے گی بگل۔ ایک نفخہ اولیٰ ہے جس سے دنیا فنا ہو جائے گی اور اس کے بعد نفخہ ثانیہ ہوگا جب سارے اٹھ کھڑے ہوں گے ﴿ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ﴾ یہ دھمکی کا دن ہے، عذاب کی دھمکی کے پورا ہونے کا دن ہے۔ قیامت کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں ہے ﴿وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ﴾ اور آئے گا ہر نفس ﴿مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ﴾ اس کے ساتھ ایک چلانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا۔ ایک فرشتہ اس کو چلائے گا اور ایک گواہ ہوگا۔ اور یہی دو فرشتے آخر تک اس کے ساتھ رہیں گے۔ جنت یا دوزخ میں جانے تک۔ تو قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور جو اس کے منکر ہیں رب نے ان کو دنیا میں بھی تباہ کیا اور وہ آخرت میں بھی تباہ ہوں گے۔

﴿لَقَدۡ﴾ البتہ تحقیق ﴿كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ﴾ تھا تو غفلت میں ﴿مِّنۡ هٰذَا﴾ اس کارروائی سے ﴿فَكَشَفۡنَا﴾ پس ہم نے کھول دیا ہے ﴿عَنۡكَ﴾ تجھ سے ﴿غِطَآءَكَ﴾ تیرے پردے کو ﴿فَبَصَرُكَ﴾ پس تیری آنکھ ﴿الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ﴾ آج بہت تیز ہے ﴿وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ﴾ اور کہے گا اس کا ساتھی ﴿هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ﴾ یہ وہ چیز ہے جو میرے پاس تیار ہے ﴿اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ﴾ پھینکو تم دونوں جہنم میں ﴿كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ﴾ ہر کافر ضدی کو ﴿مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ﴾ بہت روکنے والا ہے نیکی سے ﴿مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ﴾ تجاوز کرنے والا، شک میں ڈالنے والا ہے ﴿الَّذِىۡ جَعَلَ﴾ جس نے بنایا ﴿مَعَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ دوسرے کو الٰہ ﴿فَاَلۡقِيٰهُ﴾ پس دونوں پھینکو اس کو ﴿فِى الۡعَذَابِ الشَّدِيۡدِ﴾ سخت عذاب میں ﴿قَالَ قَرِيۡنُهٗ﴾ کہے گا اس کا ساتھی ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار ﴿مَاۤ اَطۡغَيۡتُهٗ﴾ میں نے اس کو سرکشی میں نہیں ڈالا ﴿وَلٰـكِنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ﴾ لیکن یہ خود ہی دور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَىَّ﴾ نہ جھگڑا کرو میرے پاس ﴿وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَيۡكُمۡ بِالۡوَعِيۡدِ﴾ اور تحقیق میں نے پہلے بھیج دی تھی تمھاری طرف عذاب کی وعید ﴿مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ﴾ نہیں تبدیل کی جاتی بات میرے سامنے ﴿وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ﴾ اور نہیں ہوں میں ظلم کرنے والا بندوں پر ﴿يَوۡمَ نَقُوۡلُ﴾ جس دن ہم کہیں گے ﴿لِجَهَنَّمَ﴾ جہنم کو ﴿هَلِ امۡتَلَـئۡتِ﴾ کیا تو بھر چکی ہے ﴿وَتَقُوۡلُ﴾ اور وہ کہے گی

﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کیا کچھ اور بھی ہے ﴿وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور قریب کردی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لیے ﴿غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ دور نہیں ہوگی ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہ ہے جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا ﴿لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے، حفاظت کرنے والا ہے ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ﴾ جس نے خوف کیا رحمٰن سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بغیر دیکھے ﴿وَ جَآءَ﴾ اور لایا ﴿بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ دل رجوع کرنے والا ﴿ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ﴾ داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ یہ دن ہے ہمیشگی کا ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ﴾ ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے ﴿فِيْهَا﴾ اس میں ﴿وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ اور ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے منکرین توحید و رسالت اور قیامت کے منکرین کی پُرزور تردید فرمائی ہے۔ اس سورت میں منکرین قیامت کا ذکر ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [قٓ: ۳] "کیا جس وقت ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے تو یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا اور فرمایا ﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ "اور صور پھونکا جائے گا۔" قیامت قائم ہوگی، یہ دھمکی کا دن ہوگا اور ہر نفس آئے گا اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ البتہ تحقیق تو غفلت میں تھا اس کارروائی سے اے بندے۔ تو کہتا تھا قیامت کوئی نہیں، میدان حشر کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کی عدالت کوئی نہیں، میزان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، جزا و سزا نہیں ہے۔ تو ان سب چیزوں سے غافل تھا ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ﴾ پس ہم نے کھول دیا ہے تجھ سے تیرے پردے کو۔ تیری آنکھوں سے پردہ دور کر دیا ہے۔ دیکھ! کچھ نظر آ رہا ہے یا نہیں؟ رب تعالیٰ کی عدالت قائم ہے یا نہیں؟ مخلوق اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے یا نہیں؟ ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ آج کے دن تیری آنکھ، تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

لوگ جب قبروں سے اٹھ کر ایک دو قدم چلیں گے تو آنکھیں تیز ہو جائیں گی اور اندھوں کو بھی بینائی مل جائے گی اور جو دنیا میں پڑھنا نہیں جانتے تھے وہ بھی پڑھنے والے بن جائیں گے اور ہر ایک کے ہاتھ میں اعمال نامہ پکڑا یا جائے گا اور حکم ہوگا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۴] "پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔" ہر آدمی اپنا پرچہ خود پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ "کیا میرے فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے۔" کہے گا نہیں اے پروردگار! جو میں نے کیا تھا وہی لکھا ہوا ہے۔ اچھا اور پڑھ، اور پڑھ۔ اور پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی؟ کہے گا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو ان چیزوں سے غفلت میں تھا آج ہم نے تیری آنکھوں کے پردے اٹھا دیئے ہیں آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے ﴿وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ اور کہے گا اس کا ساتھی۔ ساتھی سے مراد فرشتہ ہے اگر بندے کی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو نیکیوں والا ساتھی بولے گا اور اگر برا ہے تو برائی کا ساتھی بولے گا ﴿هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾ یہ وہ چیز ہے جو میرے پاس تیار ہے۔

فرشتہ کہے گا میرے پروردگار! اس کا سارا ریکارڈ میرے پاس محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے عدالت کا فیصلہ ہو چکا ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ ﴾ ڈال دو تم دونوں جہنم میں ﴿ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾ ہر کافر ضدی کو۔ یہ دائیں بائیں والے فرشتے عدالت کے بعد دوزخ کے کنارے لے جا کر دھکا مار کے دوزخ میں پھینک دیں گے ہر کافر ضدی کو ﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ﴾ بہت روکنے والا ہے نیکی سے۔ لوگوں کو اسلام سے روکتا تھا، اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتا تھا، حق سے روکتا تھا ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ تجاوز کرنے والا ہے حد سے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں بھی اور بندوں کے حقوق کے بارے میں بھی۔ زبانی طور پر بھی تجاوز کرتا ہے اور عملی طور پر بھی ﴿ مُّرِيْبٍ ﴾ شک میں ڈالنے والا ہے اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام کے بارے میں، قیامت کے بارے میں، حق کے بارے میں ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ جس نے بنایا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو الٰہ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ بنایا۔ الٰہ کا معنیٰ معبود بھی ہے، مسجود بھی ہے، حاجت روا، مشکل کشا بھی ہے، فریادرس بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا نہ کوئی معبود ہے، نہ مسجود ہے، نہ حاجت روا اور مشکل کشا ہے، نہ فریادرس، نہ دست گیر ہے۔ یہ تمام صفتیں صرف رب کی ہیں۔

جس وقت آدمی کلمہ پڑھتا ہے لا الٰہ الا اللہ تو سارے معبودانِ باطلہ کا رد کر دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود، مشکل کشا نہیں مانتا۔ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو الٰہ بنا رکھا ہے ﴿ فَاَلْقِيٰهُ ﴾ پس پھینک دو اس کو ﴿ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴾ سخت عذاب میں۔ فرشتے جب دوزخ میں ڈال کر فارغ ہو جائیں گے تو پھر انسان اور شیطان کی آپس میں چپقلش ہو گی۔ انسان کہے گا شیطان کو کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔ شیطان کہے گا ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ "اور نہیں تھا میرے لیے تمھارے اوپر کوئی غلبہ، زور ﴿ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ﴾ [ابراہیم: ۲۲] مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے میری بات کو قبول کر لیا۔" نہ مانتے حق والوں کی بات مان لیتے۔ اس نوک جھوک کا ذکر ہے۔

﴿ قَالَ قَرِيْنُهٗ ﴾ کہے گا اس کا ساتھی شیطان ﴿ رَبَّنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار ﴿ مَآ اَطْغَيْتُهٗ ﴾ میں نے اس کو سرکشی میں نہیں ڈالا۔ میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا ﴿ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴾ لیکن یہ خود ہی دور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ یہ مجھ پر غلط ذمہ داری ڈال رہا تھا میں نے اس کو نہیں بہکایا۔ یہ انسان کا مزاج ہے کہ چند ساتھی مل کر کام کریں اور کام صحیح ہو جائے تو ہر آدمی کامیابی کا سہرا اپنے سر پر رکھتا ہے کہ میری وجہ سے ہوا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ بگڑ جائے تو ہر آدمی دوسرے پر ڈالتا ہے کہ اس کی وجہ سے خراب ہوا ہے۔ تو انسان شیطان پر ڈالے گا اور شیطان انکار کرے گا اور کہے گا ﴿ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ "پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنی جانوں کو ﴿ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ﴾ [ابراہیم: ۲۲] "نہ میں تمھاری فریادرسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کرنے والے ہو۔" نہ میں تمھارے کام آ سکتا ہوں اور نہ تم میرے کام آ سکتے ہو مجھے ملامت مت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ جبراً کسی کو گمراہ کر سکے یا برائی کرا سکے وہ تو خواہشات پیدا کرتا ہے وساوس دل میں ڈالتا ہے اگر انسان ڈٹ جائے اور اس کے وساوس کی پروا نہ کرے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

اب دیکھو! تم نے وضو کیا، سنتیں پڑھیں، جماعت میں شریک ہوئے اور اب درس قرآن سن رہے ہو اپنے ارادے

سے۔اب شیطان تم پر وساوس ڈالتا رہے اس کا تم پر کیا اثر ہے۔اور وہ بد بخت جو ابھی تک سوئے ہوئے ہیں سورج چڑھنے کے بعد اٹھیں گے اور آنکھیں ملتے ہوئے دفتروں اور اپنے کاموں پر جائیں گے اور کوئی ہوں گے جو قضا نماز پڑھیں گے۔ شیطان نے تو ان کو باندھ کے نہیں رکھا وہ زبردستی نیکی سے نہیں روک سکتا اور نہ گناہ کرواسکتا ہے۔ وساوس ڈالتا ہے، بدی کی ترغیب دیتا ہے پھر ہر آدمی پر اثر ڈالنے والا ابلیس نہیں ہے۔ابلیس نے تو اپنا تخت سمندر پر بچھایا ہوا ہے۔وہ سرکاری دورے پر کبھی شام کے بعد، کبھی کسی وقت نکلتا ہے، باقی کام اس کے چیلے کرتے ہیں۔ ہر آدمی کے ساتھ ایک فرشتہ ہے اور ایک شیطان ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دل میں اچھا خیال پیدا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کا القاء ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور نیک کام کرے۔اور اگر دل میں بُرا خیال آئے تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ بائیں طرف لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر تھوک دے۔ کیونکہ دل کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے اور بائیں طرف شیطان ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان سرف تک بھاگ جاتا ہے۔سرف مدینہ طیبہ سے دور ایک جگہ کا نام ہے۔وہ اذان کے الفاظ سے بڑا گھبراتا ہے۔ پھر جب تکبیر شروع ہوتی ہے پھر بھاگ جاتا ہے۔ختم ہوتی ہے تو آ جاتا ہے۔جس وقت آدمی نماز شروع کرتا ہے تو وساوس ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کو یاد نہیں رہتا کہ میں نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعتیں پڑھی ہیں۔تو وساوس ڈالتا ہے جبر نہیں کرسکتا۔

فرمایا کہے گا اس کا ساتھی شیطان میں نے اس کو سرکشی میں نہیں ڈالا میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا لیکن یہ خود ہی دور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ﴾ میرے سامنے جھگڑا نہ کرو کہ ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالتے ہو ﴿وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ﴾ اور تحقیق میں نے پہلے بھیج دی تھی تمھاری طرف عذاب کی وعید۔ میں نے تمھیں دھمکی دے دی تھی کہ اگر برائی کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔پیغمبروں نے تمھیں بات سنا دی، صحابہ کرام نے تم تک پہنچا دی اور ہر زمانے میں حق والے حق کی آواز پہنچاتے رہے۔تم نے انکار کیا نہیں مانا ﴿مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ﴾ نہیں تبدیل کی جاتی بات میرے سامنے۔میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی وہی بات ہے جو ہو چکی ہے کہ بُرے، بے ایمان نے دوزخ میں جانا ہے، یہ فیصلہ اٹل ہے۔اور ایمان والے میری رحمت میں جگہ پائیں گے ﴿وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ اور نہیں ہوں میں بندوں پر ظلم کرنے والا۔رب تعالیٰ تو بڑا مہربان اور رحیم ہے، کریم ہے ہر بندے کے لیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک عورت ہانڈی تیار کر رہی تھی اور ہوا بڑی تیز چل رہی تھی۔اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا۔ہوا کی وجہ سے جب شعلہ اس کی طرف آتا تو وہ دوسری طرف ہو جاتی بچے کی وجہ سے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جتنا اس عورت کو اپنے بچے سے پیار ہے اور آگ سے بچا رہی ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ پیار ہے او کما قال۔اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ انسان دوزخ میں جلے۔اگر یہ خود ہی دوزخ کا سامان کرے تو اللہ تعالیٰ کا کیا قصور ہے۔

دوزخی اپنے اپنے ٹھکانے میں پہنچ جائیں گے تو پھر حالات یوں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ نَقُوْلُ﴾ جس دن

ہم کہیں گے ﴿لِجَهَنَّمَ﴾ دوزخ کو ﴿هَلِ امْتَلَاْتِ﴾ کیا تو بھر چکی ہے ﴿وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف میں روایت ہے کہ جہنم میں گناہ گار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادہ طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ تو وہ کہے گی قَطْ قَطْ یعنی بس بس! اب میں پُر ہوگئی ہوں پھر مزید مطالبہ نہیں کرے گی۔

جنت اور جنتیوں کے احوال

یہ تو جہنم کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اب آگے جنت کے متعلق فرماتے ہیں ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لیے ﴿غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ دور نہیں ہوگی۔ اور کہا جائے گا ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہ ہے جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا ﴿لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور یاد رکھنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کو اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والا ہے۔ سورت توبہ آیت نمبر ۱۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی صفت بیان فرمائی ہے ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ "کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ جس نے خوف کیا رحمن سے بغیر دیکھے۔ رحمان کو نہیں دیکھا مگر ڈرتا ہے اس کی مخالفت سے ﴿وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ اور لایا دل رجوع کرنے والا۔ جس کے دل کا رجوع رب تعالیٰ کی طرف ہو۔ جس میں یہ چار صفتیں ہوں گی وہ جنت کا وارث ہے۔

① اَوَّاب : اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا۔
② حَفِيْظ : اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والا۔
③ ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾: جو خوف کھاتا ہے رحمان سے بغیر دیکھے۔
④ قلب مُّنِيْب: ایسا دل لے کر آیا جو رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

ان لوگوں کو کہا جائے گا۔ فرشتے کہیں گے ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ۔ فرشتے بھی سلام کریں گے، حوریں بھی سلام کریں گی، غلمان چھوٹے بچے بھی سلام کریں گے حتی کہ ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ [یٰسین:۵۸] "رب تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام آئے گا۔" وہاں سلامتی ہی سلامتی ہوگی کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا، دکھ، تکلیف، بیماری نہیں ہوگی، کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا۔

﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ اب تم ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہم نہیں سمجھ سکتے۔ نہ لاکھوں، نہ اربوں، نہ کھربوں، بلکہ نہ ختم ہونے والی ہوگی۔ ہمارے دماغ فیل ہو جائیں گے سوچتے سوچتے ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا﴾ ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے جنت میں۔ اگر جنتی چاہے گا کہ میں اڑوں تو وہ اڑ کر جائے گا۔ جنت کے

کنارے پر پھل لگے ہوئے ہوں گے اس کا جی چاہے گا کھانے کو بس ارادہ کرنے کی دیر ہوگی وہ فوراً اس کے قریب آ جائے گا قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ "وہ خود جھک جائیں گے۔" اُڑتے پرندے نظر آئیں گے ارادہ کرے گا کھانے کا وہ پلیٹ میں بھنے ہوئے سامنے آ جائیں گے۔ جنت میں جو چاہیں گے ملے گا۔ فرمایا ﴿وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ اور ہمارے ہاں زیادہ سے زیادہ ہے۔ کوئی چیز ختم ہونے والی نہیں ہے۔ رب تعالیٰ کے خزانے بڑے وسیع ہیں وہ ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ نہ اس جہان میں اور نہ اُس جہان میں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جنتی لوگوں والے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَ كَمْ﴾ اور کتنی ﴿اَهْلَكْنَا﴾ ہلاک کیں ہم نے ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں ﴿هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ﴾ وہ زیادہ سخت تھیں ان سے ﴿بَطْشًا﴾ گرفت میں ﴿فَنَقَّبُوْا﴾ پس وہ تلاش کرتے رہے ﴿فِي الْبِلَادِ﴾ شہروں میں ﴿هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ کیا ہے کہیں بھاگنے کی جگہ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَذِكْرٰى﴾ البتہ نصیحت ہے ﴿لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ جس کے لیے دل ہو ﴿اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ﴾ یا اس نے کان لگائے ہیں ﴿وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ اور وہ دل سے حاضر ہو ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ﴾ اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ اور نہیں پہنچی ہمیں کوئی تھکاوٹ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ آپ صبر کریں ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں ﴿وَسَبِّحْ﴾ اور تسبیح بیان کریں ﴿بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کی حمد کی ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ﴾ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ﴿وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ اور غروب سے پہلے ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کو ﴿فَسَبِّحْهُ﴾ پس آپ اس کی تسبیح بیان کریں ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اور سجدوں کے پیچھے بھی ﴿وَاسْتَمِعْ﴾ اور کان لگا کر سنیں ﴿يَوْمَ يُنَادِ﴾ جس دن پکارے گا ﴿الْمُنَادِ﴾ پکارنے والا ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ قریب کی جگہ سے ﴿يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ﴾ جس دن سنیں گے یہ لوگ چیخ کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ یہ دن ہے نکلنے کا ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ﴾ بے شک ہم زندہ کرتے ہیں ﴿وَنُمِيْتُ﴾ اور مارتے ہیں ﴿وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾ اور ہماری طرف ہی لوٹنا ہے ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ﴾ جس دن پھٹے گی زمین ﴿عَنْهُمْ سِرَاعًا﴾ ان سے بڑی تیزی سے ﴿ذٰلِكَ حَشْرٌ﴾ یہ اکٹھا کرنا ﴿عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ ہمارے اُوپر آسان ہے ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ﴾ ہم خوب جانتے ہیں ﴿بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ جو وہ کہتے ہیں ﴿وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ اور نہیں ہیں آپ ان پر جبر کرنے والے ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ﴾ پس آپ نصیحت کریں قرآن پاک

کے ذریعے ﴿مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ﴾ اس شخص کو جو خوف کرتا ہے میری دھمکی سے۔

ربطِ آیات

پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جو توحید و رسالت اور قیامت کے منکر تھے۔ ان کو دلائل کے ساتھ قیامت کا اثبات سمجھایا۔ اب اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو تنبیہ فرماتے ہیں۔ فرمایا﴿وَکَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ﴾۔ قرن کا معنیٰ جماعت بھی ہے اور زمانہ بھی ہے۔ اس مقام پر معنیٰ جماعت کا ہے۔ اور ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے کتنی جماعتیں۔ نزول قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے ان سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی گئیں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم، عیسیٰ علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم اور بے شمار نافرمان قومیں تباہ کر دی گئیں ﴿ہُمۡ اَشَدُّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا﴾ وہ پہلے لوگ زیادہ سخت تھے ان سے گرفت میں۔ آج ان کو گھمنڈ ہے اپنی قوت پر، مال، اولاد اور افراد پر۔ پہلے والے زیادہ سخت تھے ان سے گرفت میں ﴿فَنَقَّبُوۡا فِی الۡبِلَادِ﴾۔ نَقَّبَ یُنَقِّبُ تَنۡقِیۡبًا کا معنیٰ ہوتا ہے ڈھونڈنا، تلاش کرنا۔ معنیٰ ہوگا پس وہ ڈھونڈتے رہے شہروں میں ﴿ہَلۡ مِنۡ مَّحِیۡصٍ﴾۔ محیص مصدر میمی بھی بن سکتا ہے اور اسم ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے۔ مصدر ہو تو معنیٰ ہوگا ہے کوئی چھٹکارا۔ اور ظرف بنائیں تو معنیٰ ہوگا ہے کوئی چھٹکارے کی جگہ۔ جس وقت عذاب کی نشانیاں ظاہر ہوئیں تو لگے بھاگنے کہ موت سے بچنے کا کوئی چھٹکارا یا جگہ ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آجانے کے بعد کون بچ سکتا ہے؟ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی﴾ بے شک اس میں جو ہم نے بیان کیا ہے نصیحت ہے مگر کس کے لیے؟ ﴿لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ﴾ جس کے لیے دل ہو۔ مراد یہ کہ دل زندہ ہو مردہ نہ ہو ﴿اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ﴾ یا اس نے کان لگائے ہیں یعنی اپنے کانوں کو متوجہ کیا بات سننے کے لیے ﴿وَہُوَ شَہِیۡدٌ﴾ اور وہ دل سے حاضر ہو۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مجلس میں بیٹھا ہوتا ہے لیکن بیان کرنے والے کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ اس کو علم ہی نہیں ہوتا کہ کیا بیان ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے جب دھیان نہیں ہوگا، توجہ نہیں ہوگی تو کیا حاصل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے دو قیدیں لگائی ہیں نصیحت حاصل ہونے کے لیے۔ دل زندہ ہو، کان لگا کر توجہ کے ساتھ سنے۔ دل حاضر ہو تو فائدہ ہوگا۔

منکرین قیامت کے لیے دلائل قدرت

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار کر کے قیامت کے منکروں کو سمجھایا ہے کہ میرے لیے قیامت کا برپا کرنا کیا مشکل ہے۔ فرمایا﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ﴾ اور البتہ ہم نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَیۡنَہُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ﴾ چھ دنوں میں۔ جو آسمان ہمارے سروں پر ہے اس کی بلندی اور وسعت کو دیکھو کہ اس کے نیچے نہ کوئی کھمبا، نہ ستون، نہ پلر، ہزارہا سال گزر گئے ہیں اس کو بنے ہوئے اس میں نہ کوئی خرابی نہ دراڑ۔ ہم چھوٹی چھوٹی عمارتیں بناتے ہیں کچھ عرصے کے بعد خراب ہو جاتی ہیں حالانکہ ان کے نیچے دیواریں اور کتنے ستون ہوتے ہیں۔ تو

رب تعالیٰ کی قدرت نہیں سمجھتے کہ سات آسمان اس نے سروں پر لٹکا دیئے ہیں زمین سے جتنا فاصلہ پہلے آسمان کا ہے اتنا فاصلہ ہر ہر آسمان کے درمیان ہے۔ پہلے سے دوسرے کا، دوسرے سے تیسرے کا، تیسرے سے چوتھے کا، چوتھے سے پانچویں کا اور پانچویں سے چھٹے کا اور چھٹے سے ساتویں کا فاصلہ ہے۔ اس کے اوپر عرش ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جسم اور حجم کے اعتبار سے عرش کا وجود بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

استویٰ علی العرش کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام مدینہ، جو بڑے امام اور فقیہ ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا: اَلْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ اس پر ایمان لانا واجب ہے وَ كَيْفِيَّتُهٗ مَجْهُوْلَةٌ اور اس کی کیفیت مجہول ہے کہ کیسے بیٹھا ہے۔ کوئی آدمی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، کوئی پلنگ پر، کوئی زمین پر، ہم کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے کیونکہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ [سورۃ الشوریٰ] "اس کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ تمام تشبیہات سے بالاتر ہے وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ اس کے بارے سوال کرنا، خواہ مخواہ کریدنا بدعت ہے۔ یوں کہو کہ عرش پر بیٹھا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور جس طرح عرش پر ہونا ماننا ہے اور عقیدہ رکھنا ہے اسی طرح یہ بھی عقیدہ رکھنا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ بھی ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید: ۴] "اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" کل کے سبق میں تم نے پڑھا ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ "ہم انسان کے زیادہ قریب ہیں شہ رگ سے۔" اور اٹھائیسویں پارے میں ہے ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ [سورۃ المجادلہ] "نہیں ہوتا کوئی مشورہ تین آدمیوں میں مگر وہ چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔" تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

تو فرمایا ہم نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں۔ چھ دنوں کا وقفہ مراد ہے۔ کیونکہ اس وقت نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ چاند تھا نہ سورج تھا۔ اور دنوں کا حساب تو ہوتا ہے اس طرح کہ سورج چڑھ گیا تو دن ہو گیا غروب ہوا تو دن ختم ہو گیا۔ تو چھ دنوں سے دنوں کا وقفہ مراد ہے۔ یہ اس کا ایک طریقہ تھا ورنہ وہ آنِ واحد میں ہر شے کو پیدا کر سکتا ہے ﴿اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [سورۃ یٰسین] "جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔" تو ایک قدرت اللہ اور ایک سنۃ اللہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ چھ دنوں کے وقفے میں کیوں پیدا کیا؟ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مخلوق کو بتانا مقصود ہے کہ قادر مطلق ہونے کے باوجود میرا کام تدریجی ہے اسی طرح تمھارے کام بھی تدریجی، آہستہ آہستہ ہونے چاہئیں ﴿وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ اور نہیں پہنچی ہمیں کوئی تھکاوٹ یہ تمام چیزیں بنانے کے باوجود۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنے کے لیے بس یہی باتیں کافی ہیں۔ جو ذات یہ سب کچھ کر سکتی ہے اس کے لیے تمھیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

کافر مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف الفاظ بکتے تھے، کبھی کہتے مجنون ہے، کبھی کہتے جھوٹا ہے، کبھی جادوگر اور مسحور کہتے، کبھی مفتری کہتے۔ ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف تو ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی آپ صبر کریں وقت آنے پر یہ سب اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ پس آپ صبر کریں ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں۔ جواب نہ دیں کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو ویسا ہی کہہ دیا تو فرق تو نہ رہا۔

سلام کا معنیٰ اور ایک یہودی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی اندر آنے کی۔ جب کوئی آدمی آتا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے چلی جاتی تھیں جو کپڑے کا لٹکا ہوتا تھا۔ اُم المومنین پردے کے پیچھے ہو گئیں، یہودی کو اندر آنے کی اجازت دی۔ اس نے کہا السَّامُ عَلَیْكَ درمیان میں لام کھا گیا۔ سام کا معنیٰ ہے موت۔ اور سلام کا معنیٰ ہے سلامتی۔ السلام علیکم کا معنیٰ ہے تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو اور السام علیك کا معنیٰ ہے تجھے اللہ مارے۔ یہاں پر ایک بات سمجھ لیں کہ سلامتی کی دعا اس کو دی جاتی ہے جس کو خطرہ ہو۔ بعض جاہل قسم کے لوگ پیار و محبت سے کہتے ہیں اللہ جی! یہ اللہ جی کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دعائیہ جملہ ہے اور اس کے لیے بولا جاتا ہے جس کو موت کا خطرہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو کون سا موت کا خطرہ ہے کہ تم اس کو زندہ ہونے کی دعا دے رہے ہو۔ اس واسطے السَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ کہنا جائز نہیں ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے لَا تَقُوْلُوا السَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ هُوَ السَّلَامُ "السلام علی اللہ نہ کہو کہ وہ تو خود سلامتی والا ہے۔" ہاں اماں جی! کہو، ابا جی! کہو، استاد جی! کہو، حافظ جی! کہو، کیونکہ ان کو موت کا خطرہ ہے۔ تو خیر اس یہودی نے کہا السام علیك۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بات کی طرف دھیان رکھتی تھیں۔ انھوں نے سن لیا تو پردے کے پیچھے سے ہی کہا عَلَیْكَ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ "تجھ پر موت اور لعنت ہو۔" یہودی جب بات کر کے چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ تو بڑے غصے میں تھی کیا بات تھی؟ کہنے لگیں اَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ "آپ نے سنا نہیں اس نے کیا کہا ہے؟" فرمایا اَلَمْ تَسْمَعِیْ مَا قُلْتُ لَهٗ "آپ نے نہیں سنا جو میں نے اس کو کہا ہے؟ اس نے مجھے کہا السَّامُ عَلَیْكَ تجھے موت آئے۔ میں نے کہا عَلَیْكَ تجھے آئے۔" بس جواب ہو گیا۔

تو فرمایا آپ صبر کریں ان کی باتوں پر ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔ مسلم شریف میں روایت ہے اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَی اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ یہ بخاری شریف کی آخری حدیث ہے كَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ "دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں زبان پر بڑے ہلکے ہیں ترازو میں بڑے بھاری ہیں، ایک کلمہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ ہے اور دوسرا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔" فرمایا اپنے رب کی تسبیح کرو ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ سورج کے طلوع ہونے سے

پہلے۔ یہ وقت پَو پھٹنے کے بعد کا ہے صبح صادق کے بعد اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کو ﴿فَسَبِّحْهُ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں۔ معراج پر جانے سے پہلے تین نمازیں ہوتی تھیں فجر، عصر اور تہجد۔ معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے تہجد فرض تھی۔ اس کے بعد تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی لیکن ثواب کے لحاظ سے نفلی نمازوں میں تہجد کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ تہجد کی نماز دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بھی پڑھی ہیں، چار، چھ، آٹھ اور بارہ بھی پڑھی ہیں۔ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ رکعتیں یا بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ جب آٹھ پڑھتے تھے تو چار چار رکعتیں کر کے پڑھتے تھے فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ "مت پوچھو ان کے حسن اور لمبے ہونے کے بارے میں۔" اور جب بارہ پڑھتے تھے تو دو دو رکعتیں کر کے پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کبھی بارہ پڑھ لو، کبھی آٹھ پڑھ لو۔ نہیں توفیق تو دو پڑھ لو۔ تہجد پَو پھٹنے کے بعد نہیں ہوتی۔

تو فرمایا تسبیح بیان کر اپنے رب کی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کو تسبیح بیان کر ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اور سجدوں کے پیچھے بھی یعنی نمازوں کے بعد۔ نمازوں کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمدللہ، اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر۔ اور آیۃ الکرسی اور استغفار اور جو وظیفے کر سکتے ہو، کرو اور آخرت کی تیاری کرو ﴿وَاسْتَمِعْ﴾ اور سن لے اے مخاطب! میری بات ﴿يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ جس دن پکارے گا پکارنے والا ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ قریب کی جگہ سے۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ صخرۂ بیت المقدس، بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو کر اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے جو ہر ایک کو ایسے محسوس ہوگا کہ میرے پاس سے آواز آرہی ہے۔ چاہے کوئی مشرق میں ہوگا یا مغرب میں یا شمال میں ہوگا یا جنوب میں۔ سب قریب سے سنیں گے ﴿يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ﴾ جس دن سنیں گے ایک چیخ ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ وہ حق کی آواز ہوگی اور جس وقت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ وہ نکلنے کا دن ہوگا قبروں سے۔ کیونکہ عرب مردوں کو دفن کرتے تھے جلاتے نہیں تھے اس لیے خروج فرمایا۔ باقی جو جلا دیا گیا وہ بھی آئے گا، جس کو مچھلیاں ہڑپ کر گئیں وہ بھی آئے گا، پرندے درندے کھا گئے وہ بھی آئے گا۔ سب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔

قیامت کا انکار کرنے والو سن لو! ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ﴾ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ ہماری قدرت مانتے ہو کہ نہیں؟ اور یاد رکھو ﴿وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾ اور ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔ اور ظرف کا صیغہ ہو تو معنیٰ ہوگا ہماری طرف ہے لوٹنے کی جگہ۔ کس دن آؤ گے؟ ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ﴾ جس دن پھٹے گی زمین ﴿عَنْهُمْ﴾ ان سے ﴿سِرَاعًا﴾ بڑی تیزی سے۔ بگل بجے گی آناً فاناً اللہ تعالیٰ ہڈیوں کے ساتھ ذرات کو جوڑ کر بندہ بنا کر کھڑا کر دیں گے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جیسے ماں کے پیٹ سے ننگے بدن پیدا ہوئے تھے ایسے ہی ہوں گے۔ پھر کسی کو ایک قدم کے بعد کپڑا ملے گا، کسی کو دو قدموں کے بعد۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

دارمی کی روایت میں آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر مجھے پہنایا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہلے اس لیے پہنایا جائے گا کہ جس وقت ان کو آگ کے بھٹے میں ڈالا گیا تھا جُرِّدَ عَنِ الثِّیَابِ "ننگا کر کے رسیوں میں جکڑ کر ڈالا گیا تھا۔" تو فرمایا بڑی تیزی سے نکلیں گے ﴿ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ یہ اکٹھا کرنا ہمارے اوپر آسان ہے۔ تم اس کو مشکل سمجھتے ہو اور کہتے ہو ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی تو پھر لوٹیں گے یہ لوٹنا دور کی بات ہے۔"

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اکٹھا کرنا ہمارے لیے آسان ہے ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ باتیں کرتے ہیں قیامت کے بارے میں، توحید و رسالت کے بارے میں، آپ کے بارے میں۔ آپ پریشان نہ ہوں آپ کی یہ خواہش ہے کہ یہ ایمان لے آئیں ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان پر جبر کرنے والے تو نہیں ہیں کہ جبراً ان کو مسلمان بنا دیں۔

سورہ یونس آیت نمبر ۹۹ میں ہے ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ "کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔" آپ کا کام یہ نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ ہے ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ﴾ پس آپ نصیحت کریں قرآن پاک کے ذریعے۔ قرآن کے ذریعے آپ ان کو سمجھائیں ﴿مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ اس شخص کو جو خوف کرتا ہے میری دھمکی سے کہ قیامت آئے گی، عذاب آئے گا۔ جس کو یہ خوف ہے اس کو یقیناً فائدہ ہوگا دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ کا کام ہے قرآن کے ذریعے تذکیر کرنا، ان کو قرآن سنانا اور سمجھانا۔ باقی ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ حٰمٓ، قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

٢٦ ٢٧

آیاتہا ۶۰ سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۵۱) (۶۷) رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالذّٰرِیٰتِ﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑاتی ہیں ﴿ذَرْوًا﴾ اڑانا ﴿فَالْحٰمِلٰتِ﴾ پس اٹھاتی ہیں ﴿وِقْرًا﴾ بوجھ کو ﴿فَالْجٰرِیٰتِ﴾ پس چلتی ہیں ﴿یُسْرًا﴾ آسانی سے ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ پس تقسیم کرتی ہیں معاملے کو ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک جس چیز کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جا رہا ہے ﴿لَصَادِقٌ﴾ البتہ سچا ہے ﴿وَّ اِنَّ الدِّیْنَ﴾ اور بے شک جزا ﴿لَوَاقِعٌ﴾ البتہ واقع ہونے والی ہے ﴿وَالسَّمَآءِ﴾ قسم ہے آسمان کی ﴿ذَاتِ الْحُبُكِ﴾ جو راستوں والا ہے ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿لَفِیْ قَوْلٍ﴾ ایسی بات میں ہو ﴿مُّخْتَلِفٍ﴾ جو مختلف ہے ﴿یُّؤْفَكُ عَنْهُ﴾ پھیرا جاتا ہے اس سے ﴿مَنْ اُفِكَ﴾ جس کو پھیرا گیا ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ ہلاک ہو گئے اٹکل سے باتیں کرنے والے ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ ﴿هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ﴾ جو غفلت میں ﴿سَاهُوْنَ﴾ پڑے ہوئے ہیں ﴿یَسْــٴَـلُوْنَ﴾ سوال کرتے ہیں ﴿اَیَّانَ﴾ کب ہوگا ﴿یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ بدلے کا دن ﴿یَوْمَ﴾ جس دن ﴿هُمْ عَلَى النَّارِ﴾ وہ آگ پر ﴿یُفْتَنُوْنَ﴾ آزمائے جائیں گے (کہا جائے گا) ﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ﴾ چکھو اپنے فتنے کا مزہ ﴿هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں تم جلدی کرتے تھے ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ بے شک پرہیزگار ﴿فِیْ جَنّٰتٍ﴾ باغوں میں ہوں گے ﴿وَّعُیُوْنٍ﴾ اور چشموں میں ﴿اٰخِذِیْنَ﴾ لینے والے ہوں گے ﴿مَآ﴾ وہ نعمتیں ﴿اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ﴾ جو دے گا ان کو ان کا رب ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا﴾ بے شک وہ تھے ﴿قَبْلَ ذٰلِكَ﴾ اس سے پہلے ﴿مُحْسِنِیْنَ﴾ نیکی کرنے والے ﴿كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ﴾ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے ﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور وہ سحری کے وقت بخشش مانگتے تھے۔

تعارفِ سورت

اس سورت کا نام ذاریات ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں ذاریات کا لفظ موجود ہے۔ اس سے پہلے چھیاسٹھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے تین رکوع اور ساٹھ آیات ہیں۔ واؤ قسم کا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالذّٰرِیٰتِ﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑاتی ہیں ﴿ذَرْوًا﴾ اڑانا۔ مخلوق کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا کسی کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً: اگر کوئی کہے کہ مجھے نبی کی قسم ہے، رسول کی قسم

ہے، پیر کی قسم ہے، باپ کی قسم ہے، دودھ پتر کی قسم ہے۔ یہ تمام قسمیں ناجائز ہیں اور شرک ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللهِ فَقَدْ اَشْرَكَ " جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔" یہ قانون مخلوق کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کسی قانون کا پابند نہیں ہے۔ اس نے بہت ساری چیزوں کی قسم اٹھائی لیکن قسم شہادت ہے۔ ایک قسم ہوتی ہے عظمت کی تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ عظمت والی کوئی شے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عظمت کی قسم اٹھائے۔ قسم شہادت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس چیز کی قسم کھاتا ہے اس کو بطور گواہ کے پیش کرتا ہے جس طرح کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو گواہ بناتا ہے کہ وہ علیم کل اور قادر مطلق ہے وہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ ہے۔ اور اگر میں جھوٹی قسم اٹھا رہا ہوں تو وہ مجھے سزا بھی دے سکتا ہے۔

اس کے برخلاف جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اس چیز کو بطور دلیل کے پیش کرتا ہے یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے جن ہواؤں یا دیگر چیزوں کی قسم اٹھائی ہے ان سے قیامت کے قائم ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں۔

تو فرمایا قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑاتی ہیں اڑانا۔ کپڑا اڑا دیتی ہیں، مٹی اور دیگر چیزیں اڑا دیتی ہیں ﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا﴾ اور قسم ہے ان ہواؤں کی جو اٹھانے والی ہیں بوجھ کو۔ بوجھ سے مراد بادل ہیں۔ بادلوں کو اٹھاتی ہیں کہ ان میں بڑا بوجھ ہوتا ہے ﴿فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا﴾ پس چلتی ہیں آسانی سے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی کے ساتھ چلنے کا حکم ہوتا ہے ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ پس تقسیم کرتی ہیں معاملے کو رب تعالیٰ کی طرف سے جہاں بادلوں کو پہنچانے کا حکم ہے وہاں پہنچا دیتی ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ سب ہواؤں کی صفات ہیں۔

دوسری تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑاتی ہیں اڑانا۔ پس قسم ہے بادلوں کی جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بادلوں میں پانی ہوتا ہے، اولے ہوتے ہیں۔ پس قسم ہے ان کشتیوں کی جو سمندر میں چلتی ہیں آسانی کے ساتھ۔ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو تقسیم کرتے ہیں معاملے کو۔ جو ڈیوٹیاں رب تعالیٰ نے ان کے ذمہ لگائی ہیں ان کو تقسیم کرتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے مُقَسِّمٰتِ سے مراد فرشتے ہیں، جٰرِیٰتِ سے مراد کشتیاں ہیں اور سے حٰمِلٰتِ مراد بادل ہوں گے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو چلتے ہیں۔ ستارے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو چلتے ہیں۔ ان کو سیارات کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو اپنی جگہ پر ٹکے رہتے ہیں، ان کو ثوابت کہا جاتا ہے یہ حرکت نہیں کرتے۔

سیارات چلتے ہیں۔ پھر کسی کی حرکت مشرق کی طرف، کسی کی مغرب کی طرف، کسی کی شمال کی طرف اور کسی کی جنوب کی طرف۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

فرمایا ان چیزوں کی قسم ہے ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ﴾ بے شک وہ چیز جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے البتہ سچا ہے ﴿وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ﴾ اور بے شک جزا البتہ واقع ہونے والی ہے۔ بدلے اور حساب کا دن ضرور واقع ہوگا، قیامت ضرور آئے گی، نیکی اور بدی کا بدلہ ضرور ملے گا ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾ [پارہ: ۳۰]

"جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا۔" نامہ اعمال میں سب کچھ درج ہوگا اور جب مجرم اعمال نامہ دیکھیں گے تو کہیں گے ﴿یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ [الکہف: ۴۷] "ہائے افسوس ہمارے لیے کیا ہے اس کتاب کو کہ نہیں چھوڑتی یہ کوئی بڑی چیز اور نہ چھوٹی مگر اس کو سنبھال رکھا ہے۔" اگر کسی نے آنکھ کے ساتھ کسی کو اچھا یا بُرا اشارہ کیا ہے وہ بھی درج ہوگا۔ اگر کسی کی نقل اتاری ہے ہاتھ کے ساتھ وہ بھی درج ہوگی اور جو کچھ ہم کرتے ہیں اس کا بدلہ ملے گا یقینی طور پر۔ مگر مادی دور کے حالات نے ہمارے چھوٹے بڑوں کے ذہن بگاڑ دیئے ہیں کہ ہم قیامت کو برائے نام مانتے ہیں۔ وہ لوگ بہت کم ہیں جو صحیح معنیٰ میں قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ محض اتنا کہنے سے تو کچھ نہیں بنے گا کہ قیامت آئے گی، قیامت آئے گی، جب تک اس کا یقین نہ کریں اور اس کی تیاری نہ کریں۔

تو فرمایا بے شک بدلہ البتہ واقع ہونے والا ہے ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾ حُبُك حِبْكٌ یا حِبْكَةٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے راستہ۔ معنیٰ ہوگا قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے۔ جس طرح زمین پر راستے ہیں کہ ان پر انسان، حیوان وغیرہ چیزیں چلتی ہیں ایسے ہی آسمانوں پر راستے ہیں جن پر فرشتے چلتے ہیں، چاند، سورج، ستارے چلتے ہیں۔ یہ چاند، سورج، ستارے جسم میں انسان سے بہت بڑے ہیں مگر مجبور محض ہیں جس کام پر اللہ تعالیٰ نے لگا دیا ہے اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ مگر اس چھوٹے سے انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اختیار دیئے ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے بیٹھتا ہے، اٹھتا ہے، چلتا پھرتا ہے۔ پھر اس کو اختیار ہے کہ آہستہ چلے، دوڑ لگائے، آگے جائے، پیچھے جائے، دائیں جا سکتا ہے، بائیں طرف مڑ سکتا ہے۔ لیکن سورج بچارے میں تو اتنی بھی قدرت نہیں ہے کہ راستے سے ایک انچ اِدھر اُدھر ہو سکے یا رفتار میں کمی بیشی کر سکے۔ جسم ان کے بڑے ہیں، روشنی ان کو رب تعالیٰ نے دی ہے لیکن اختیارات انسان اور جنات کے پاس زیادہ ہیں۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ ان سے روشنی سلب کر لی جائے گی اور چاند، سورج، دونوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بے چاروں کا کیا قصور ہے کہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

تو مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو سزا کے طور پر نہیں پھینکا جائے گا بلکہ کافروں، مشرکوں کو بتلانے کے لیے پھینکا جائے گا کہ یہ ہیں جن کی تم پوجا کرتے تھے اپنے معبودوں کا حال دیکھ لو دوزخ میں جل رہے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں چاند، سورج کی پوجا کرنے والے بھی ہیں، پتھروں، درختوں، دریاؤں کی پوجا کرنے والے بھی ہیں۔ ایک مومن ہے جس کا عقیدہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی اور نہ کسی کے سامنے جھکنا ہے۔ اس کا پہلا کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ "نہیں ہے کوئی معبود، مشکل کشا، حاجت روا، دستگیر، فریادرس، کوئی حاکم، کوئی قانون بنانے والا مگر اللہ تعالیٰ اور محمد اس کے رسول ہیں۔" اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے، نہ رازق ہے، نہ کوئی عالم الغیب ہے، نہ حاضر و ناظر ہے، نہ کوئی مختار کل ہے مگر صرف اللہ تعالیٰ۔

قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ کی تین تفسیریں

تو فرمایا قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے ﴿اِنَّكُمۡ لَفِيۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾ بے شک تم ایسی بات میں ہو جو مختلف ہے۔ ﴿قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾ سے کیا مراد ہے؟ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قرآن پاک مراد ہے۔ کوئی اس کو کہانت کہتا ہے، کوئی جادو کہتا ہے، کوئی گھڑا ہوا کہتا ہے۔ تو قرآن کریم کے متعلق مختلف باتیں ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کوئی آپ کے متعلق کہتا ہے کہ یہ کاہن ہے، کوئی مفتری کہتا ہے کہ اس نے قرآن خود بنایا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ کوئی شاعر کہتا ہے کوئی مجنوں کہتا ہے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾ سے مراد قیامت ہے۔ اس کے بارے میں اہل حق مانتے ہیں کہ آئے گی۔ منکرین قیامت کہتے ہیں نہیں آئے گی جیسے تم پہلی (پچھلی) سورت میں پڑھ چکے ہو ﴿ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجۡعٌۢ بَعِيۡدٌ﴾ پھر ماننے والوں میں عیسائی کہتے ہیں کہ صرف روحانی ہوگی۔ جیسے سویا ہوا آدمی خواب دیکھتا ہے۔ اور اہل حق کہتے ہیں جسمانی ہوگی اور اسی طرح ہوگی جس طرح قرآن وحدیث میں بتلائی گئی ہے۔ جس طرح آج ہم بیٹھے ہیں قیامت والے دن اس سے بھی زیادہ وزنی قوت کے ساتھ ہوں گے۔ تو ماننے والے مسلمان کہتے ہیں حسی ہوگی اور عیسائی کہتے ہیں صرف معنوی ہوگی۔

فرمایا ﴿يُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ﴾ پھیرا جاتا ہے اس سے جس کو پھیرا گیا۔ جو سیدھے راستے پر چلتا ہے وہ پہنچ جاتا ہے اور جو ٹیڑھے راستے پر چلتا ہے وہ نہیں پہنچے گا ﴿قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ﴾۔ خرص کہتے ہیں درختوں پر لگے ہوئے پھل کا اندازہ لگانا کہ یہ کتنا ہے۔ پھلوں کی زکوٰۃ کتنی ہوگی۔ مثلاً کوئی تجربہ کار آدمی باغ میں پھر کر اندازہ لگائے کہ کھجوریں کتنی ہوں گی اب اور خشک ہونے کے بعد کتنی ہوں گی۔ انگور کتنے ہوں گے اور منقی کتنے بنیں گے۔ سوگی (کشمش) کتنی بنے گی۔ خرص کا یہ معنیٰ ہے۔ آیت کریمہ کا معنیٰ ہوگا ہلاک کیے گئے اٹکل سے باتیں کرنے والے۔ دین کے متعلق اٹکل پچو باتیں کرنے کی کوئی وقعت نہیں۔ یہاں تصدیق کرنے اور ایمان لانے کا حکم ہے ﴿الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ غَمۡرَةٍ سَاهُوۡنَ﴾ وہ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں دنیا کے نشے میں ان کو انجام کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔

دنیا کے نشے کی مثال

اس کو تم اس طرح سے سمجھو کہ جب بندے کا آپریشن کیا جاتا ہے تو اس کو بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔ اس کو علم نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اس کی ٹانگ کاٹی جاتی ہے، بازو کاٹا جاتا ہے، پیٹ چاک کیا جاتا ہے مگر اس کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ جس وقت نشہ اترتا ہے ہوش میں آتا ہے پھر علم ہوتا ہے کہ میرا بازو کٹ گیا ہے یا ٹانگ کٹ گئی ہے وغیرہ۔ اسی طرح آج دنیا کی دولت کا نشہ ہے، دنیا کی محبت کا نشہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں پتا نہیں چل رہا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا نتیجہ کیا آئے گا اور ہمارا کیا حشر ہونے والا ہے؟ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے یہ دنیا کا نشہ اتر جائے گا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور

کیا دھرا سب سامنے آجائے گا۔

تو فرمایا وہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ یہ سوال کرتے ہیں کب ہوگا بدلے کا دن۔ یہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ﴾ جس دن وہ آگ کے کنارے کھڑے ہوں گے، آزمائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں کھڑے ہوں گے دوزخ نظر آرہا ہوگا اور انجام بھی نظر آرہا ہوگا۔ پھر اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور کہا جائے گا ﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ﴾ چکھو اپنے فتنے کا مزہ۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتنے سے مراد شرک ہے۔ شرک سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔ سورت بقرہ آیت نمبر ۱۹۱ میں ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ "فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔" شرک قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ مومن نے اگر جذبات میں آکر کسی مومن کو قتل کر دیا اور وہ اس قتل کو حلال نہیں سمجھتا تو سزا بھگت کر کسی نہ کسی وقت دوزخ سے نکل آئے گا لیکن شرک کرنے والے کے لیے تو قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ کبھی دوزخ سے نکلے گا۔ لہٰذا شرک کی سزا قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ فتنے سے مراد عام فتنے بھی ہیں۔ قتل ہو گیا بس ختم۔ اور فتنہ تو چلتا رہتا ہے اور فتنے باز لوگ ہر وقت فتنے میں ڈال کر رکھتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَیْقَظَهَا "فتنہ سویا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو اس کو بیدار کرے۔" فتنے کی بات کرنا اور فتنے کا کام کرنا بڑا سخت گناہ ہے۔ شریعت کو یہ قطعاً گوارا نہیں ہے۔ آج ساری دنیا فتنوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیا شہر، کیا دیہات قتل، اغوا، چوری، ڈکیتی، نہ گھروں میں سکون ہے، نہ بازاروں میں، نہ بسوں میں، کسی جگہ امن نہیں رہا ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ﴾ [روم: ۴۱] "ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں اس وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا ہے۔" اب ہمارے گناہ زیادہ ہو گئے ہیں اس لیے خلا بھی فتنے سے خالی نہیں ہے۔ تو فرمایا اپنے فتنے کا مزا چکھو ﴿هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں تم جلدی کرتے تھے کہ کب آئے گا حساب کا دن۔ اب آ گیا ہے اس کا مزہ چکھو۔

اب مومنوں کا حال سنو ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ﴾ بے شک پرہیزگار لوگ، کفر و شرک سے بچنے والے، گناہوں سے بچنے والے باغوں میں ہوں گے اور چشموں میں ہوں گے۔ باغ ایسے کہ جن کا پھل کبھی ختم نہیں ہوگا اور چشمے ایسے جو کبھی خشک نہیں ہوں گے ﴿اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ لینے والے ہوں گے وہ نعمتیں جو دے گا ان کو ان کا رب۔ جن کا کوئی حساب نہیں ہوگا اور ان نعمتوں کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے یہ چیزیں ان کو اس لیے ملیں گی کہ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک وہ اس سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔ پرہیزگاری کی زندگی بسر کی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ صلہ دیا۔ اور ان کی یہ بھی صفت ہے ﴿كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ﴾ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ ان کی راتیں عبادت میں گزرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے نہ ہو جاؤ كَالْحِمَارِ فِی النَّهَارِ وَ جِیْفَةٍ فِی اللَّیْلِ "دن کو گدھے بنے رہو اور رات کو مردے بنے رہو،

حاصل ترجمہ چارپائی سے ہی نہ ہلو۔ دن کو بھی نیکی کرو اور رات کو بھی نیکی کرو۔

ایک زمانہ تھا کہ اگر کسی کی ڈاڑھی میں ایک بال سفید آجاتا تو وہ تہجد شروع کر دیتا تھا باقی نمازوں کے تو پہلے ہی پابند ہوتے تھے۔ کہتے تھے جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ "تمھارے پاس ڈرانے والا آگیا ہے۔" اب ہمیں آخرت کی تیاری کرنی چاہیے۔ اور اب ہم ایسے پاگل ہیں کہ سارے طوفان ہمارے اوپر سے گزر جائیں ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

نیک بندوں کی تیسری صفت: ﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور وہ سحری کے وقت بخشش مانگتے ہیں اپنے رب سے۔ احادیث میں آتا ہے کہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ کی توجہ آسمان دنیا کی طرف ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ رب اترتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور آواز دیتا ہے هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ "ہے کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔" ہے کوئی مجھے پکارنے والا کہ میں اس کو قبولیت سے بخشوں جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو پورا کروں، ہے مجھ سے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں۔

توسحری کا وقت قبولیت کا وقت ہے۔ اس وقت دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، استغفار بھی قبول ہوتا ہے۔ تو یہ صفتیں بیان فرمائیں پرہیزگاروں کی۔

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ﴾ اور ان کے مالوں میں ﴿حَقٌّ﴾ حق ہے ﴿لِّلسَّآئِلِ﴾ سوال کرنے والے کے لیے ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور محروم کے لیے ﴿وَفِي الْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿اٰيٰتٌ﴾ نشانیاں ہیں ﴿لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ یقین کرنے والوں کے لیے ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور تمھاری جانوں میں ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس تم دیکھتے نہیں ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ﴾ اور آسمانوں میں تمھارا رزق ہے ﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ﴾ پس قسم ہے آسمان کے رب کی ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کے رب کی ﴿اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ بے شک وہ قیامت البتہ حق ہے ﴿مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ﴾ جیسے تم بے شک ﴿تَنْطِقُوْنَ﴾ بولتے ہو ﴿هَلْ اَتٰىكَ﴾ کیا آئی ہے آپ کے پاس ﴿حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی بات ﴿الْمُكْرَمِيْنَ﴾ جو عزت والے تھے ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ جس وقت وہ داخل ہوئے ان پر ﴿فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ پس انھوں نے کہا سلام ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے کہا سلام ﴿قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہیں ﴿فَرَاغَ﴾ پس مائل ہوئے ﴿اِلٰٓى اَهْلِهٖ﴾ اپنے گھر والوں کی طرف ﴿فَجَآءَ﴾ پس لائے ﴿بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾ بچھڑا موٹا تازہ ﴿فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ﴾ پس اس کو قریب کیا ان کے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ کیا تم کھاتے نہیں ﴿فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ﴾ پس محسوس کیا ان سے ﴿خِيْفَةً﴾

کچھ خوف ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿لَا تَخَفْ﴾ نہ کر خوف ﴿وَبَشَّرُوْهُ﴾ اور خوش خبری سنائی انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ﴿بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ ایک علم والے لڑکے کی ﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ﴾ پس سامنے آگئی بیوی ان کی ﴿فِيْ صَرَّةٍ﴾ آہستہ آہستہ بات کرتے ہوئے ﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا﴾ پس اس نے تھپڑ مارا اپنے چہرے پر ﴿وَقَالَتْ﴾ اور کہنے لگی ﴿عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾ بڑھیا ہے بانجھ ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہنے لگے ﴿كَذٰلِكِ﴾ اسی طرح ہوگا ﴿قَالَ رَبُّكِ﴾ فرمایا ہے آپ کے رب نے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿هُوَ الْحَكِيْمُ﴾ وہ حکیم ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ جاننے والا ہے۔

قیامت والے دن کامیاب ہونے والوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اب ان کے چند کام بتاتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ﴾ اور ان کے مالوں میں حق ہے ﴿لِّلسَّآئِلِ﴾ مانگنے والے کے لیے ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور محروم کے لیے۔ سائل اسے کہتے ہیں کہ محتاج ہے اور خود سوال کرتا ہے کہ میں ضرورت مند ہوں میری مدد کرو۔

محروم وہ ہے جو حاجت مند ہے مگر باضمیر، خوددار ہے۔ عزت نفس کی خاطر کسی سے سوال نہیں کرتا۔ اسی لیے حکم ہے کہ اپنی زکوٰۃ، صدقات، خیرات نکالتے وقت اپنے عزیز رشتہ دار اور محلے والوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ آدمی کو اپنے عزیز رشتہ داروں اور محلے داروں کا علم ہوتا ہے۔ ان کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ لیکن مسئلہ یاد رکھنا! زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، نذر و منت، قسم اور کفارے کا پیسہ اس کو لگے گا جو ضرورت مند ہونے کے ساتھ صحیح العقیدہ ہو اور نماز روزے کا بھی پابند ہو۔ باقی دیتے وقت ڈھنڈورا پیٹنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ لے بھائی یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، یہ فطرانہ ہے، یہ میں تجھے عشر دے رہا ہوں۔ بلکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ ان الفاظ کا استعمال اچھی بات نہیں ہے۔ اس کو کہو لے بھائی! یہ تمہاری مدد ہے۔ اور اگر عید کا موقع ہے تو کہہ دو یہ تمہاری عید ہے۔ دل میں نیت زکوٰۃ، عشر، فطرانہ، جو بھی دے رہا ہے، اس کی کر لے، ثواب برابر ملے گا۔ رب تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی ضرورت مند ہے مگر زکوٰۃ، عشر، صدقے کے نام سے گھبراتا ہے تو اس کی عزت نفس کا خیال رکھو۔ دل میں نیت کر کے ان چیزوں کا نام لیے بغیر دے دو۔ تو سائل وہ ہے جو حاجت مند ہے اور مانگتا ہے اور محروم وہ ہے جو ضرورت مند ہے مگر نہ مانگنے کی وجہ سے محروم رہتا ہے۔

تو فرمایا متقیوں کے مال میں سائل کا بھی حق ہے اور محروم کا بھی حق ہے ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ﴾ اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں ﴿لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ یقین کرنے والوں کے لیے۔ زمین میں باغات ہیں، میدان ہیں، درخت ہیں، عجیب عجیب شکلوں والے حیوان ہیں۔ انسانوں کے کئی قسم کے ماڈل اور نمونے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ فرمایا دور جانے کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور تمہاری جانوں میں نشانیاں ہیں۔ اس حقیر قطرے سے اللہ تعالیٰ نے خوب صورت انسان بنایا کہ وہ قطرہ انسان کے بدن سے نکلے تو سارا بدن ناپاک ہو جاتا

ہے ﴿مَاءٍ مَّهِيْنٍ﴾ اس ذلیل پانی سے انسان کا سارا جسم بنایا، ہاتھ بنائے، منہ بنایا، پاؤں بنائے، کان بنائے، سر بنایا، سمجھ دی، عقل دی اور تمھارے جسم میں کتنے کارخانے لگائے؟ اپنے وجود پر غور کرو رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں نظر آئیں گی ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا پس تم دیکھتے نہیں کہ کیا تھے اور کہاں پہنچے ہو؟ رب تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنے والو اور قیامت کے منکرو! تمھیں اپنا وجود نظر نہیں آتا ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ﴾ اور آسمانوں میں تمھارا رزق ہے ﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور وہ چیز بھی وہیں ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ آسمان سے بارش ہوتی ہے جس کے نتیجے میں اناج، پھل، سبزیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں جو مخلوق کی خوراک بنتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز کا حکم تو آسمان ہی سے آتا ہے تو تمھارے رزق کا مرکز تو آسمان ہے کہ ہر چیز کا فیصلہ اوپر ہی سے ہوتا ہے۔

(مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں تو کوئی شک و شبہ والی بات نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چند مشاہدے کی باتیں ذکر کرتا ہوں۔ ایک تو خود میرا واقعہ ہے کہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ ایک قصبہ میں بیٹھا تھا ایک ساتھی کے ڈیرے پر کہ بارش شروع ہوگئی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ پانی کے ساتھ ڈڈیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا دیکھو! لگتا ہے اس علاقے میں ڈڈیوں کی کمی ہوگئی تھی اللہ تعالیٰ نے پوری کردی۔

ایک دوسرے ساتھی نے بتایا کہ ہم ایک گاؤں میں بیٹھے تھے کہ بارش شروع ہوگئی دیکھا کہ پانی کے ساتھ ساتھ مچھلیوں کی بارش ہو رہی ہے۔ غالباً 12 یا 13 مئی 2014ء ایکسپریس اخبار میں خبر آئی کہ سری لنکا میں مچھلیوں کی بارش ہوئی ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ﴾ "اور آسمان میں تمھارا رزق ہے۔" محمد نواز بلوچ: مرتب)

تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو تمھیں رزق ملے گا اور جتنا حکم ہوگا اتنا ملے گا۔ کتنے آدمی ایسے ہیں کہ ساری عمر تڑپتے رہتے ہیں لیکن سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اور کئی آدمی ایسے ہیں کہ اپنے دفتروں میں بیٹھے ہیں مگر اپنی دولت شمار نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا! دولت کماتے وقت حلال و حرام کا فرق رکھنا ضروری ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے جس کے بدن میں حرام کا، سود کا، ایک ذرہ بھی ہوا فالنار اولیٰ بِہٖ "دوزخ کی آگ اس کے لیے بہتر ہے۔" وہ دوزخ میں جائے گا جنت میں جانے کا مستحق نہیں ہے۔ آج تو حال یہ ہے کہ حلال، حرام کی تمیز ہی ختم ہوگئی ہے اور ہمارے حکمران اور لیڈر اس میں سر فہرست ہیں۔ پاکستان کی دولت باہر کے ملکوں میں رکھوائی ہوئی ہے۔ دعا کرو رب تعالیٰ حلال کا دے چاہے تھوڑا دے۔ وہی کام آئے گا اس سے حقیقی زندگی بنے گی۔ حرام کھانے سے خدا خوفی اور نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ جیسے ناقص چیزیں کھانے سے آدمی کی صحت نہیں بنتی بلکہ بسا اوقات بدہضمی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حرام مال بھی اپنا اثر دکھاتا ہے۔ چونکہ ہمارے جسموں میں حرام کا حصہ زیادہ ہے اس لیے ہمیں دین کی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔

اور قیامت کا حکم بھی آسمان کی طرف سے آنا ہے ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ﴾ پس قسم ہے آسمان کے رب کی ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کے رب کی ﴿اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ بے شک وہ قیامت البتہ حق ہے ﴿مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ جیسا کہ بے شک تم بولتے ہو۔ جیسے

کہ تم کو اپنے بولنے میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ ہم بول رہے ہیں یا نہیں بول رہے۔ اسی طرح سمجھو کہ قیامت کے آنے میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ قیامت یقینی ہے، حق ہے، آئے گی۔

متقیوں کے امام کا تذکرہ

اوپر ذکر تھا متقیوں کا۔ آگے متقیوں کے امام کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پیدائش سے لے کر آخر تک عجیب وغریب زندگی ہے۔ مشکلات اور پریشانیوں سے عبارت ہے۔ امتحان ہی امتحان ہیں۔ عراق کے ملک میں کوثی بروزن طوبیٰ چھوٹا سا شہر تھا مگر وہ اس وقت ملک عراق کا دارالخلافہ تھا۔ اس کے قریب چھوٹی سی بستی تھی "اُر" نامی، جہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نمرود بن کنعان بادشاہ تھا جو بڑا اکثر قسم کا مشرک اور ظالم وجابر حکمران تھا۔ اپنی بات سے پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا۔ اس شہر میں کئی بت خانے تھے۔ ایک بت خانہ وہ تھا جس میں وہ خود آ کر پوجا کرتا تھا۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ اس بت خانے میں بہتر (۷۲) بت، ٹکائے اور سجائے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرصہ دراز تک ان کو سمجھایا اور بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ سوائے بیوی محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام جو ان کی چچا زاد بہن تھی اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے، لوط بن ہاران بن آزر، اور کوئی بندہ مسلمان نہ ہوا۔ یہ تینوں بزرگ عراق کے علاقے سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور سدوم کے علاقے میں تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام بحر میت، بحر لوط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دمشق میں رہائش اختیار کی۔ دمشق اور بحر میت کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس خبر ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔ معزز مہمانوں کی خبر کیا آپ کے پاس پہنچی ہے۔ تفسیروں میں تین کا بھی ذکر آتا ہے چھ، دس اور بارہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ حقیقت میں یہ فرشتے تھے، حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل علیہم السلام۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس عمر رسیدہ لوگوں کی شکل میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اختیار دیا ہے جو شکل وہ چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے کبھی کسی دیہاتی کی شکل میں آتے، کبھی کسی اور آدمی کی شکل میں آتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھی اختیار دیا ہے کہ وہ بھی مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ انسان بن کر سامنے آ جائیں، کتا، بلا بن جائیں، سانپ بن جائیں، بھینسا بن جائیں لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حالت پر رکھا ہے۔

جس وقت فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی اور بیوی کی عمر ننانوے سال تھی، ایک کم سو۔ اور اس وقت گھر میں بیوی کے سوا اور کوئی نہیں تھا ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ جس وقت وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام،

داخل ہوئے ﴿فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ پس انھوں نے سلام کہا ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے سلام کہا یعنی سلام کا جواب دیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ سلام کرنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو بہتر، اگر صرف السلام علیکم کہے پھر بھی ٹھیک ہے۔ سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا ﴿قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ کی شناخت نہیں کرسکا میرا آپ سے تعارف نہیں ہے۔ ناواقف مہمان آئے تو آدمی پوچھتا ہے میرا آپ سے تعارف نہیں ہے آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیسے آئے ہیں۔ مگر وہ مہمان بولے نہیں خاموش ہوگئے۔ پنجابی میں کہتے ہیں "دڑوٹ" گئے۔

ابراہیم علیہ السلام اٹھے ﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ﴾ پس مائل ہوئے اپنے گھر والوں کی طرف۔ گھر جھونپڑی کی طرح تھا ﴿فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾۔ سمین کا معنیٰ ہے پلا ہوا، موٹا تازہ۔ پس لائے بچھڑا موٹا تازہ۔ اور سورہ ہود آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ﴾ "کہ لے آئے ایک تلا ہوا بچھڑا۔" بچھڑے کو ذبح کر کے کھال اتار کر گوشت بنایا اور اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ کچھ مسالا بنادو مہمانوں کے لیے۔ اس نے بڑے شوق کے ساتھ گوشت بھونا، تیار کیا۔ اس سارے وقت میں مہمان اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اتنے کام میں کافی وقت لگتا ہے۔ ذبح کرنا، بنانا، پکانا۔ بہت بڑی پرات میں رکھ کر لے آئے ﴿فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ﴾ پس اس کو قریب کیا، ان کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے کہ ہمارے ساتھ یہ کیا مذاق ہے ہم کوئی گوشت خور ہیں۔ وہ تو فرشتے تھے، فرشتے کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ ان کی خوراک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہنا پڑا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ کیا تم کھاتے نہیں۔ تم کھاتے کیوں نہیں؟ وہ پھر بھی خاموش رہے بولے نہیں ﴿فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً﴾ پس محسوس کیا ان سے کچھ خوف۔ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں کھٹکا ہوا کہ یہ کھاتے نہیں کہیں میرے دشمن تو نہیں ہیں۔

اس زمانے میں ڈاکوؤں اور چوروں کا دستور تھا کہ جن گھروں میں چوری، ڈکیتی کرنی ہوتی تھی ان گھروں سے کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ کہتے تھے نمک حرامی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس زمانے کے چور اور ڈاکو بھی بڑے شریف اور بھلے مانس ہوتے تھے۔ آج کل کے تو حکمران بھی بدمعاش ہیں۔ بدمعاشوں کی حکومت اور زور ہے۔

فرشتوں نے جب ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ خوف زدہ ہیں ﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ﴾ کہنے لگے خوف نہ کریں۔ سورہ ہود آیت نمبر ۷۰ میں ہے کہنے لگے آپ خوف نہ کریں ﴿اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ﴾ "بے شک ہم بھیجے ہوئے ہیں قوم لوط کی طرف۔" میں جبریل ہوں، یہ میکائیل ہے، یہ اسرافیل ہے، علیہم السلام۔ ہم کھانا کھانے والے نہیں ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔

پیغمبر علم غیب نہیں جانتے یہ جاہلوں کا عقیدہ ہے

دیکھو! فرشتے سامنے ہیں گفتگو ہو رہی ہے، علیک سلیک بھی ہوئی ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کو علم نہیں ہوا کہ یہ انسان ہیں یا فرشتے۔ انسان سمجھ کر ہی بچھڑا بھون تل کر سامنے لاکر رکھا اور آج بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر علم غیب جانتا ہے اور

حاضر وناظر ہوتا ہے۔بھئی! موٹی سی بات ہے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں دوسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔ پہلا نمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔تو جو کائنات میں دوسرے نمبر کی شخصیت ہیں ان کو علم نہ ہو سکا کہ یہ فرشتے ہیں یا انسان ہیں۔تو پیغمبر کے لیے علم غیب کیسے مان لیں، حاضر وناظر ہونا کیسے مان لیں؟ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام کئی دفعہ ان کے پاس وحی لے کر آئے مگر اس وقت حلیہ اور تھا، نہیں پہچان سکے۔ پھر جب نبی عالم الغیب نہیں ہے تو ولی کس طرح عالم الغیب ہو گیا؟ اور اُن کے بارے میں یہ عقیدہ کہ اولیاء کی نگاہ میں عرش تک کی تمام چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ سب خرافات ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ہاں بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بہت سی چیزیں بتلائی ہیں، معجزے کے طور پر بہت کچھ دیا اور بتلایا ہے اس کا انکار نہیں ہے مگر ہر چیز کا علم نہیں دیا اور نہ غیب کا علم دیا ہے۔علیم کل، عالم الغیب، حاضر و ناظر صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے اور کوئی نہیں ہے۔

تو خیر فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کریں ﴿وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ﴾ اور انھوں نے خوش خبری سنائی ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے لڑکے کی۔ سمجھ دار لڑکے کی خوش خبری سنائی۔ اور سورہ ہود آیت نمبر ۷۱ میں ہے ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ﴾ "پس ہم نے خوش خبری دی اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔" نام بھی خود تجویز فرمایا اور بتایا کہ تم بیٹا بھی دیکھو گے اور پوتا بھی دیکھو گے۔'' بیوی پہلے پردے میں تھی کہ انسان ہیں۔نزدیک کھڑی تھی کہ کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو اشارہ کریں گے لا دوں گی۔جس وقت علم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں تو سامنے آگئیں کہ فرشتوں سے پردہ نہیں ہے کیونکہ ان سے کوئی خدشہ اور خطرہ نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ پانچ سال تک کے بچوں سے پردہ نہیں ہے اور جو بالکل بوڑھے ہوں کہ اٹھتے ہوئے گر پڑتے ہیں ان سے بھی کوئی پردہ نہیں ہے جیسا کہ سورہ نور میں ہے غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ من الرِّجَالِ۔

﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ﴾ پس سامنے آگئی بیوی ان کی آہستہ آہستہ بولتے ہوئے۔جس کو پنجابی میں کہتے ہیں منثر منثر کرنا۔﴿صَرَّةٍ﴾ کا معنیٰ ہے آہستہ آہستہ باتیں کرنا کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور نکلا کیا؟ بچھڑا ذبح کیا، بھونا، تلا، مسالے تیار کیے ﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا﴾ پس اس نے تھپڑ مارا اپنے چہرے پر۔عورتوں کی عادت ہے عجیب بات پر تعجب کے اظہار کے لیے پیشانی پر ہاتھ مارتی ہیں ﴿وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ﴾ اور کہنے لگی بوڑھی بانجھ ہے یہ بچہ جنے گی۔سورۂ ہود آیت نمبر ۷۲ میں ہے: کہنے لگی تعجب ہے میرے لیے ﴿ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا﴾ "کیا میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔" میری عمر ننانوے سال ہے اور اس کی ایک سو بیس سال۔ عادتاً اس عمر میں بچے نہیں ہوتے۔ جب فرشتوں کے سامنے یہ بات ہوئی ﴿قَالُوْا﴾ فرشتے کہنے لگے ﴿كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ﴾ اسی طرح کیا ہے آپ کے رب نے۔ وہ بڑھاپے میں دے گا وہ قادر مطلق ہے۔

جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، ساری کائنات بنائی، اس کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔ وہ رب جو حضرت ایوب علیہ السلام کو سات لڑکے، تین لڑکیاں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے دے سکتا ہے۔اس کے لیے کیا مشکل ہے ایک لمحے میں

جو چاہے کرسکتا ہے۔لہٰذا تعجب کی کوئی بات نہیں ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ بے شک وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔باقی قصہ آگے آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ﴾ پس کیا مہم ہے تمھاری ﴿اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے بھیجے ہوئے فرشتو! ﴿قَالُوْٓا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنَّآ اُرْسِلْنَآ﴾ بے شک ہم بھیجے گئے ہیں ﴿اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ مجرم قوم کی طرف ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ﴾ تاکہ ہم پھینکیں ان پر ﴿حِجَارَةً﴾ پتھر ﴿مِّنْ طِيْنٍ﴾ گارے سے بنے ہوئے ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ نشان لگائے ہوئے ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کے ہاں ﴿لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ حد سے گزرنے والوں کے لیے ﴿فَاَخْرَجْنَا﴾ پس ہم نے نکالا ﴿مَنْ كَانَ فِيْهَا﴾ جو تھے اس بستی میں ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں میں سے ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا﴾ پس نہیں پایا ہم نے اس بستی میں ﴿غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ مسلمانوں کے ایک گھر کے علاوہ ﴿وَتَرَكْنَا فِيْهَآ﴾ اور چھوڑی ہم نے اس میں ﴿اٰيَةً﴾ نشانی ﴿لِّلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ جو ڈرتے ہیں دردناک عذاب سے ﴿وَفِيْ مُوْسٰٓى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی ہے ﴿اِذْ اَرْسَلْنٰهُ﴾ جس وقت بھیجا ہم نے ان کو ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف ﴿بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی دلیل دے کر ﴿فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ﴾ پس اس نے اعراض کیا اپنی قوت کے ساتھ ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿سٰحِرٌ﴾ یہ جادوگر ہے ﴿اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ یا دیوانہ ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) ﴿فَاَخَذْنٰهُ﴾ پس پکڑا ہم نے اس کو ﴿وَجُنُوْدَهٗ﴾ اور اس کے لشکروں کو ﴿فَنَبَذْنٰهُمْ﴾ پس پھینک دیا ہم نے ان کو ﴿فِي الْيَمِّ﴾ دریا میں ﴿وَهُوَ مُلِيْمٌ﴾ اور وہ غمگین تھا ﴿وَفِيْ عَادٍ﴾ اور قوم عاد میں بھی نشانی ہے ﴿اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ﴾ جس وقت بھیجی ہم نے ان پر ﴿الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ ہوا جو نامبارک تھی ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ﴾ نہیں چھوڑتی تھی وہ کسی شے کو ﴿اَتَتْ عَلَيْهِ﴾ جس پر وہ چلتی تھی ﴿اِلَّا جَعَلَتْهُ﴾ مگر کر دیتی تھی اس کو ﴿كَالرَّمِيْمِ﴾ جیسے بوسیدہ ہڈی ہوتی ہے ﴿وَفِيْ ثَمُوْدَ﴾ اور ثمود قوم میں بھی نشانی ہے ﴿اِذْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ جس وقت کہا گیا ان لوگوں سے ﴿تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ﴾ فائدہ اٹھالو ایک مدت تک ﴿فَعَتَوْا﴾ پس انھوں نے سرکشی کی ﴿عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے حکم کے سامنے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ پس پکڑا ان کو کڑک نے ﴿وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ اور وہ دیکھ رہے تھے ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا﴾ پس نہ طاقت رکھی انھوں نے ﴿مِنْ قِيَامٍ﴾ کھڑے ہونے کی ﴿وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور نہ وہ بدلہ لینے والے تھے ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ اور نوح (علیہ السلام) کی قوم میں نشانی ہے

ہم نے ان کو تباہ کیا ﴿مِنۡ قَبۡلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ﴾ بے شک وہ نافرمان قوم تھی۔

ربط آیات

کل کے سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چند معزز مہمان تشریف لائے جن کی خدمت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑا بھون تل کر پیش کیا مگر انھوں نے کھانے کے لیے ہاتھ آگے نہ بڑھائے تو پریشان ہو گئے کہ شاید میرے دشمن ہیں۔ اس پر مہمانوں نے کہا کہ ہم تو فرشتے ہیں ہماری غذا روحانی ہے جسمانی نہیں ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو ایک سمجھ دار بچے کی خوش خبری دی اور ساتھ پوتے کی خوش خبری بھی دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ خوش خبری دینے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا یہ اچھی خاصی جماعت محض خوش خبری سنانے کے لیے نہیں آئی کوئی اور معاملہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿فَمَا خَطۡبُكُمۡ﴾ پس کیا مہم ہے تمھاری ﴿اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ﴾ اے بھیجے ہوئے فرشتو! خوش خبری تو ایک فرشتہ بھی آ کر دے سکتا ہے یہ اچھی خاصی جماعت کس مقصد کے لیے آئی ہے، وہ مقصد اور کام کیا ہے؟ ﴿قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ﴾ انھوں نے کہا، فرشتوں نے کہا بے شک ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم کی طرف۔ وہ مجرم قوم لوط علیہ السلام کی قوم تھی جو سدوم کے علاقے میں بستی تھی۔ بستی سدوم اور دمشق کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ تم اس طرح سمجھو کہ ابراہیم علیہ السلام پشاور رہتے تھے اور لوط علیہ السلام لاہور رہتے تھے۔ وہاں کیا کرنا ہے، کیوں بھیجے گئے ہیں؟ ﴿لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ﴾ تاکہ ہم پھینکیں ہم ان پر پتھر گارے سے بنے ہوئے۔ گارے کو پکا کر پتھر بنائے ہوئے تھے جیسے کمہار لوگ برتن پکاتے ہیں ﴿مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ﴾ نشان لگائے ہوئے آپ کے رب کے ہاں ﴿لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ﴾ حد سے بڑھنے والوں کے لیے، رب کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے۔ ہر پتھر اس نافرمان پر پڑ کر اسے ہلاک کر دے گا جس پر جس کا نشان لگا ہوا ہوگا۔

سورہ عنکبوت آیت نمبر ۳۲ پارہ ۲۰ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم اس بستی کو تباہ کرنے کے لیے جا رہے ہو ﴿اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا﴾ "بے شک اس بستی میں لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں۔" جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور میرے بھتیجے ہیں۔ فرشتوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں اس بستی میں رہنے والوں کو ﴿لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ﴾ "ہم ضرور بچا لیں گے لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے۔"

قوم لوط پر چار عذاب

اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر چار قسم کے عذاب نازل فرمائے اور چاروں کا ذکر قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ایک عذاب کا ذکر تو یہاں ہے کہ ہم ان پر پتھر پھینکیں گے۔ اور دوسرے عذاب کا ذکر سورۃ القمر پارہ ۲۷ میں ﴿فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ﴾ "پس ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں ایک لمحے میں۔" وہ سب کے سب اندھے ہو گئے۔ تیسرے عذاب کا ذکر سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۳ میں

ہے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ "پس پکڑا ان کو ایک چیخ نے۔" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آوز نکالی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ اور چوتھے عذاب کا ذکر سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۷۴ اور سورۃ ہود آیت نمبر ۸۲ میں بھی ہے ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ "پس کر دیا ہم نے ان بستیوں کے اوپر والے حصے کو نیچے۔" تو اس قوم پر چار قسم کے عذاب نازل ہوئے۔

فرمایا ﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس ہم نے نکالا اس سدوم بستی میں سے جو مومن تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام، ان کی دو یا تین بیٹیاں اور چند ساتھی اور تھے۔ بیوی ایمان نہیں لائی۔ لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا کہ کلمہ پڑھ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا کہ مجھے تیرے کلمے کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑا عجیب منظر تھا بیٹیوں نے منت کی، پاؤں پکڑے کہ کلمہ پڑھ لو ہمارے ساتھ چلو۔ مگر اس نے کہا کہ میں نے دھڑا نہیں چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ بُرے دھڑے سے بچائے۔ تباہ ہوگئی دھڑا نہیں چھوڑا۔

فرمایا ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ پس نہ پایا ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے علاوہ۔ ایک بڑی حویلی تھی اس میں کمرے تھے۔ ایک کمرے میں لوط علیہ السلام رہتے تھے اور باقی جو دس پندرہ مومن تھے وہ علیحدہ علیحدہ کمروں میں رہتے تھے۔ گھر ایک ہی تھا۔ تو فرمایا نہ پایا ہم نے اس بستی میں سوائے ایک گھر کے مسلمانوں کے ﴿وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً﴾ اور چھوڑی ہم نے اس بستی میں نشانی ﴿لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے جو خوف کھاتے ہیں ﴿الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ دردناک عذاب سے۔ اس بستی کو جب الٹا کر کے پھینک دیا گیا تو وہاں کوئی شے عذاب سے نہ بچی۔ آج کل کے جغرافیے میں اس کا نام بحر میت ہے، آب سیاہ۔ اس مٹی کی شکل ہی کچھ اور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ اور لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے بعد فرمایا ﴿وَفِيْ مُوْسٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی ہے ﴿اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ جب بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف ﴿بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی سند اور دلیل دے کر۔ فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ نام اس کا ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ دادا ریّان وہ ہے جس نے یوسف علیہ السلام کے لیے تخت خالی کر دیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ کر حکومت یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی تھی۔ کہنے لگا حضرت ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ آپ کا کلمہ پڑھنے کے بعد بادشاہ رہوں۔ آج کوئی کرسی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی ٹوٹی پھوٹی کیوں نہ ہو۔ اس نے بادشاہی چھوڑ دی چھوٹی بات نہیں ہے۔ خدا کی شان اور قدرت کہ دادا کتنا نیک اور نرم اور پوتا کتنا بد اور سخت۔ ایک نے پیغمبر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور دوسرے نے پیغمبر کا مقابلہ کیا۔

جیسے ہماری تاریخ میں مروان بن حکم اپنے زمانے میں بڑا ظالم تھا اس نے بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ اس کا بیٹا عبد العزیز قدرے اچھا تھا اور پوتا عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد بنا اور پہلی صدی کا مجدد تھا۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔

تو فرمایا بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی سند دے کر۔ لاٹھی پھینکتے تھے اژدہا بن جاتی تھی، گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے سورج کی طرح روشن ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کئی نشانیاں تھیں ﴿فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ﴾ پس اس نے اعراض کیا اپنی قوت کے

ساتھ، اپنی فوج کے ساتھ اور حق کی طرف پشت کر لی ﴿وَقَالَ﴾ اور کہنے لگا ﴿سٰحِرٌ﴾ یہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہے ﴿اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ یا دیوانہ ہے، پاگل ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) محض انکار ہی نہیں کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور دیوانہ بھی کہا۔ یہ یا جادوگر ہے یا پاگل ہے اس کی اطاعت نہ کرنا۔ کبھی موسیٰ علیہ السلام کو دھمکیاں دیتا کہ میں تجھے قید کر دوں گا، میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور عوام کو کہتا خبردار اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو میں تمہارے بچے ذبح کر دوں گا۔ لوگ بے چارے ڈرے ہوئے تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اس نے بارہ ہزار بچے ذبح کیے تھے اور یہ سارا منظر لوگوں کے سامنے تھا اور فرعون ﴿كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الدخان: ۳۱] "بڑا سرکش حد سے بڑھنے والا تھا۔" اس کا لقب تھا ذِی الْاَوْتَاد میخوں والا۔ جس کے ساتھ بگڑتا تھا اس کو سولی پر لٹکا کر میخیں ٹھونک دیتا تھا۔ پھر اس کے کارندے بھی بڑے ظالم تھے۔ کسی بے چارے کو جب سولی پر لٹکایا جاتا اور وہ تڑپتا تو یہ تالیاں بجا کر خوش ہوتے کہ کیسے تڑپ رہا ہے۔ ایسے ایسے ظالم بھی دنیا میں گزرے ہیں کہ وہ تڑپتے ہوئے جان دے رہا ہے اور یہ شرابیں پی کر مزے لے رہے ہیں۔

اس وقت بھی یہی حال ہے۔ انسان جب انسانیت کی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو بھیڑیئے سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ تو کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے یا پاگل ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ﴾ پس پکڑا ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو جن پر اس کو گھمنڈ تھا ﴿فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ پس پھینکا ہم نے ان کو دریا میں ﴿وَهُوَ مُلِيْمٌ﴾ اور وہ اس وقت ملامت کرنے والا تھا۔ اپنے آپ میں غمگین تھا۔ اس کے غرق ہونے کا منظر قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ بڑا عجیب منظر تھا۔ جس وقت وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس: ۹۰] "ایمان لایا ہوں میں کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر ایمان لائے ہیں بنی اسرائیل اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔" تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی آواز آئی ﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ﴾ "اب تو ایمان لایا ہے اور تحقیق پہلے تم نافرمانی کرتے تھے۔" "او غنڈیا ہن توں ایمان لے اونا این پہلے تو بدمعاشی کرداسیں تے میرے پیغمبراں دا مقابلہ کرداسی۔" ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ "پس آج کے دن ہم بچا لیں گے تیرے بدن کو تاکہ ہو جائے وہ ان لوگوں کے لیے نشانی جو تیرے پیچھے ہیں۔" تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ یہ وہ ہے جو کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ [سورۃ النزعت: پارہ ۳۰] "میں تمہارا بڑا رب ہوں۔"

تو فرمایا ہم نے پھینکا ان کو دریا میں اور وہ ملامت کرتا تھا۔ ﴿وَفِيْ عَادٍ﴾ اور عاد قوم میں بھی رب کی قدرت کی نشانی ہے ﴿اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ جس وقت چھوڑی ہم نے ان پر ہوا جو نامبارک تھی۔ عَقِيْم اس مرد اور عورت کو کہتے ہیں جن کی اولاد نہ ہو لوگ اس کو منحوس کہتے ہیں، نامبارک۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی ہوا چھوڑی جو نامبارک تھی اس میں خیر نہیں تھی۔ وہ اتنی تیز تھی کہ اس نے بڑے بڑے قد آور لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکا ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقہ: ۷] "گویا کہ کھجور کے تنے اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہیں۔" ایک فرد بھی نہ بچا۔ ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ﴾ نہیں چھوڑتی تھی وہ کسی شے کو ﴿اَتَتْ عَلَيْهِ﴾ جس پر وہ آتی تھی ﴿اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ مگر کر دیتی تھی اس کو جیسے بوسیدہ ہڈی ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد آدمی کی ہڈیاں کچھ

عرصہ تک رہتی ہیں مگر اس ہوا کی تاثیر تھی جس پر سے گزری اٹھا کر پھینکا اور ہڈیاں ایسی کر دیں کہ ہاتھ لگاؤ تو ریزہ ریزہ ہو جائیں ﴿وَفِيْ ثَمُوْدَ﴾ اور قوم ثمود کے واقعہ میں بھی نشانی ہے ﴿اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ﴾ جس وقت کہا گیا ان لوگوں سے فائدہ اٹھا لو ایک مدت تک۔

اس کی تفصیل سورۃ ہود میں اس طرح ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ پر ایمان تب لائیں گے کہ چٹان سے اونٹنی نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جس چٹان پر انھوں نے ہاتھ رکھا وہ پھٹی اور اونٹنی باہر آ گئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک خاص نشانی ہے۔" اس کو چھوڑ دو اس کو نہ چھیڑنا۔ یہ کھائے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا۔ مگر ان ظالموں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں۔ اونٹنی نے آسمان کی طرف منہ کر کے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جب اونٹنی کی آواز سنی، دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے او ظالمو! تم نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ "فائدہ اٹھا لو تم اپنے گھروں میں تین دن تک ﴿ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔" کل اٹھو گے تمھارے چہرے زرد ہوں گے، پرسوں اٹھو گے تمہاری شکلیں اور ہوں گی، پھر اٹھو گے تمھارے چہرے سیاہ ہوں گے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی کسی نے توبہ نہیں کی، کوئی ایمان نہیں لایا کیونکہ دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کے دل کو سخت کر دیتا ہے تو ﴿كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ [البقرۃ: ۷۴] "وہ پتھر کی طرح ہو جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت۔" چاہے مرد ہو یا عورت۔

مسلمان قوم کی اخلاقی گراوٹ (پستی)

کل کا واقعہ ہے کہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ ہوائی جہاز میں سوار ہوا اور باوضو تھا۔ عملے سے قبلے کی سمت پوچھی۔ وہ لڑکیاں تو ہمارے گلے پڑ گئیں۔ کہنے لگیں سفر میں کون سی نماز ہوتی ہے، جہاز میں کون سی نماز ہوتی ہے؟ وہ ہمیں قبلے کی سمت بتانے سے بھی تنگ ہو رہی تھیں۔ حالانکہ وہ لڑکیاں مسلمان کہلانے والی ہیں۔ پھر ایک بیرے کو کاغذ پر لکھ کر دیا کہ ہمیں بتلاؤ قبلے کی سمت کس طرف ہے مگر انھوں نے بحث شروع کر دی۔ ہمیں کسی نے سمت نہیں بتلائی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس قوم کو بڑی سخت ہوگئی ہے۔ ان سے تو اخلاق میں انگریز بہت اچھے ہیں۔

پچھلے دنوں میں امریکہ کے سفر پر تھا۔ میرے ساتھ مولوی محمد حنیف صاحب تھے دھاگے والے۔ ہم نے میموں کو کہا کہ ہم نے نماز پڑھنی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم تمھیں پچھلا کمرہ کھول دیتی ہیں وہاں پڑھ لو۔ میں نے مولانا کو کہا کہ اذان کہو۔ انھوں نے اذان دی پھر ہم نے اپنا کپڑا بچھا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب تک ہم نماز پڑھتے رہے وہ میمیں وہیں کھڑی ہیں۔ اور مسلمانوں نے ہمیں اجازت نہ دی حیلے اور حجتیں کرتے رہے۔ یہ حال ہے ہمارا۔

تو فرمایا ان سے جب کہا گیا فائدہ اٹھا لو ایک وقت تک ﴿فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ پس انھوں نے سرکشی کی اپنے رب

کے حکم کے سامنے۔ اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کی ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ پس پکڑا ان کو ایک کڑک نے۔ صاعقہ کا معنٰی آواز بھی اور عذاب بھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراونی آواز نکالی ساتھ ہی زلزلہ آ گیا ﴿وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ اور وہ دیکھ رہے تھے ایک دوسرے کو ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ﴾ پس وہ نہیں طاقت رکھتے تھے کھڑے ہونے کی۔ عذاب آیا وہ گرا، وہ گرا، وہ گرا، اٹھنے کی طاقت ہی نہ رہی ﴿وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور نہ وہ بدلہ لینے والے تھے۔ انتقام بھی نہیں لے سکتے تھے۔ اپنا حشر ہو گیا انتقام کیا لیں گے ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ﴾ اور نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی نشانی ہے ہم نے ان کو تباہ کیا ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ ان قوموں سے پہلے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بے شک وہ نافرمان قوم تھی۔ ہم نے کسی پر ظلم نہیں کیا ہر ایک کو ان کے اعمال کا نتیجہ ملا۔

﴿وَالسَّمَآءَ﴾ اور آسمان کو ﴿بَنَيْنٰهَا﴾ بنایا ہم نے ﴿بِاَيْىدٍ﴾ ہاتھوں کے ساتھ ﴿وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور بیشک البتہ ہم قدرت رکھنے والے ہیں ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿فَرَشْنٰهَا﴾ بچھایا ہم نے ﴿فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ پس ہم کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور ہر چیز سے ﴿خَلَقْنَا﴾ ہم نے پیدا کیے ﴿زَوْجَيْنِ﴾ جوڑے جوڑے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ پس تم بھاگو اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿اِنِّيْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿مِّنْهُ﴾ اس کی طرف سے ﴿نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ﴾ اور نہ بناؤ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ دوسرا معبود ﴿اِنِّيْ لَكُمْ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ﴿مِّنْهُ﴾ اس کی طرف سے ﴿نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿مَآ اَتَى الَّذِيْنَ﴾ نہیں آیا ان لوگوں کے پاس ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ کوئی رسول ﴿اِلَّا قَالُوْا﴾ مگر انھوں نے کہا ﴿سَاحِرٌ﴾ یہ جادوگر ہے ﴿اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ یا دیوانہ ہے ﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ﴾ کیا وہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں اس بات کی ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ بلکہ وہ قوم ہے سرکش ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں ﴿فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ﴾ پس نہیں ہے آپ پر کوئی ملامت ﴿وَّذَكِّرْ﴾ اور آپ نصیحت کریں ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى﴾ پس بے شک نصیحت ﴿تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نفع دیتی ہے ایمان والوں کو ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ﴾ اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں کو ﴿وَالْاِنْسَ﴾ اور انسانوں کو ﴿اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں ﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ میں نہیں ارادہ کرتا ان سے رزق کا ﴿وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ﴾ اور میں نہیں ارادہ کرتا کہ وہ مجھے کھلائیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے ﴿ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ مضبوط طاقت والا ہے ﴿فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ﴾ پس بے شک ان لوگوں کے لیے ﴿ظَلَمُوْا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿ذَنُوْبًا﴾ ڈول

ہے ﴿مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ﴾ جیسے ان کے ساتھیوں کا ڈول ہے ﴿فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ پس وہ جلدی نہ کریں ﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا ﴿مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ﴾ اس دن جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

سورت کی ابتدا میں منکرین قیامت کا ذکر تھا کہ وہ آپ سے پوچھتے ہیں ﴿اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ "قیامت کا دن کب آئے گا۔" وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ﴿یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ﴾ "جس دن وہ آگ پر گرم کیے جائیں گے اس دن آئے گا۔" وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم جب مر کر مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ لوٹنا بڑی دور کی بات ہے۔ اس شبہے کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا﴾ اور آسمان کو ہم نے بنایا ﴿بِاَیْىدٍ﴾ اپنے ہاتھوں کے ساتھ۔ اَیْد کا معنیٰ ہاتھ بھی ہے جو ہاتھ رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔

قرآن پاک میں رب تعالیٰ کے ہاتھوں کا ذکر ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ [سورۃ الملک] "بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک۔" اور سورت مائدہ آیت نمبر ۶۴ میں ہے ﴿بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ "بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ تو کشادہ ہیں۔" یہاں رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے۔ بس ہم یہ کہیں گے جو اس کی شان کے لائق ہیں ہم تشبیہ نہیں دے سکتے کہ جیسے: یہ میرا ہاتھ ہے اس میں پانچ انگلیاں ہیں چھوٹی بڑی اور ہتھیلی ہے۔ حاشا وکلّا! کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی کیوں کہ ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ ذات ہے۔ یہی کہیں گے جو ہاتھ رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ اور اَیْد کا معنیٰ قوت بھی ہے۔ تو پھر معنیٰ ہوگا اور آسمان کو بنایا ہم نے قوت کے ساتھ ﴿وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور بے شک ہم قدرت رکھنے والے ہیں بڑی وسیع۔ انسان کے سمجھنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جس رب نے اتنا بڑا وسیع آسمان بنایا ہے جو ہمیں نظر آ رہا ہے اور اس کے اُوپر چھ آسمان اور ہیں۔ اس کے لیے انسان کا دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔

دوسری دلیل: ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا﴾ اور زمین کو بچھایا ہم نے ﴿فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ پس کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں ہم۔ زمین میں میدان ہیں، پہاڑ ہیں، ٹیلے ہیں، دریا ہیں، کتنی مخلوق اس میں آباد ہے یہ سب کچھ تمھیں نظر آ رہا ہے اور اس بات کو تم تسلیم کرتے ہو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور بنایا ہے۔ تو کیا وہ اس چھوٹے سے انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

تیسری دلیل: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ﴾ اور ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا جوڑے جوڑے۔ ہر چیز کو رب تعالیٰ نے جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ انسان بھی نر مادہ ہیں، جنات میں بھی نر مادہ ہیں، حیوانات میں بھی نر مادہ ہیں حتی کہ نباتات میں بھی نر مادہ ہیں۔ اور جوڑے جوڑے کا یہ بھی مطلب ہے کہ رات کے مقابلے میں دن بنایا، سیاہ کے مقابلے میں سفید بنایا، آسمان کو بلند بنایا، زمین کو پست بنایا، میٹھے بنائے، کڑوے بنائے۔ جس ذات نے یہ اضداد چیزیں بنائی ہیں وہ تمھیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

تو فرمایا ہر چیز کو ہم نے بنایا جوڑے جوڑے ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو کہ جس ذات نے یہ سب

کچھ پیدا کیا ہے وہ رب قادر ہے کہ تمھیں دوبارہ بنائے لہٰذا حیل وحجت نہ کرو ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ پس بھاگو تم اللہ تعالیٰ کی طرف کہ اس کے احکام مانو۔ اس نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے سچ ہے اس پر تم نے چلنا ہے ﴿اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں، رب تعالیٰ کے عذاب سے کھول کر۔ لگی لپٹی نہیں رکھتا صاف لفظوں میں واضح کر کے تم کو بتاتا ہوں اگر تم نہیں مانو گے دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ ہے ہی۔ اس لیے رب تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔

سرداران قریش کی فرمائش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت

ایک موقع پر کفار کے بڑے بڑے سرداروں نے مشورہ کیا کہ اس کو لالچ دے کر خاموش کراؤ۔ عقبہ ابن ابی معیط نے کہا کہ میں لڑکی دینے کے لیے تیار ہوں اگر وہ اپنے مشن سے باز آجائے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں اس کے آگے دولت کے ڈھیر لگانے کے لیے تیار ہوں اگر وہ ہماری بات مان جائے۔ عقبہ بن ابی معیط کی جوان سال بڑی خوب صورت لڑکیاں تھیں اور ولید بن مغیرہ مکے کا بڑا مال دار آدمی تھا۔ چنانچہ عقبہ بن ابی معیط نے آکر کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں سردار ہوں اور میری لڑکیاں بڑی خوب صورت ہین اگر آپ لا الٰہ الا اللہ کی رٹ لگانی چھوڑ دیں تو میں آپ کو لڑکی کا رشتہ دینے کے لیے تیار ہوں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ امیر آدمی ہوں۔ اگر آپ اپنی تبلیغ چھوڑ دیں تو میں آپ کو اتنا مال دینے کے لیے تیار ہوں کہ آپ مزے سے زندگی گزاریں گے اور آپ کی سات پشتوں کے لیے کافی ہوگا۔ یہ کوئی چھوٹی قربانیاں نہیں تھیں، لڑکی پیش کرنا، مال پیش کرنا۔ سب انتظار میں تھے کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے اختیار میں تو صرف یہی ہے نا کہ رشتہ پیش کر دو، مال پیش کر سکتے ہو وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ "اس رب کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں طاقت ہو اور تم سورج کو لا کر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند کو اُتار کر میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دو میں پھر بھی اپنے مشن سے باز آنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

محققین فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے دن کا بھی بادشاہ مان لو اور رات کا بھی بادشاہ مان لو میں پھر بھی اپنی بات چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ تمھارے لڑکیوں کے رشتے پیش کرنے اور مال پیش کرنے کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں یہی کہوں گا ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ بھاگو تم اللہ تعالیٰ کی طرف۔ بے شک میں تمھارے لیے خدا کی طرف سے کھول کر ڈرانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ورنہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جلو گے۔ میں تم سے یہی کہتا ہوں ﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور نہ بناؤ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر نہ بناؤ۔ دنیا میں جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں سب کا یہی سبق تھا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔"

فرمایا ﴿اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک میں تمھارے لیے ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا کھول کر۔ بات کو کھول کر بیان کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے جب بھی اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی تو بڑے عمدہ پیرائے میں پیش کی۔ پیغمبروں کے وعظ کا اثر ہوتا تھا۔ کافر یہ نہیں کہتے تھے کہ ان کی بات کا اثر نہیں ہے۔ بلکہ وہ ظالم اس اثر کی کڑی جادو کے ساتھ ملاتے تھے۔ یہ جادوگر ہے اس کے جادو کا ہمارے دل دماغ پر اثر ہوتا ہے اور دیوانہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ ساری قوم ایک طرف ہے اور یہ ایک طرف ہے۔

ظاہر بات ہے سارا مجمع ایک طرف ہو اور ایک آدمی دوسری طرف ہو تو لوگ اس کو پاگل ہی کہیں گے۔ فرمایا ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح جس طرح آپ کو کہا ہے ﴿مَآ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ نہیں آیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے کوئی رسول۔ پہلی قوموں کے پاس جو بھی رسول آیا ﴿اِلَّا قَالُوْا﴾ مگر انھوں نے کہا ﴿سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ سورہ ص پارہ ۲۳ میں تم پڑھ چکے ہو کہ مکے کے کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سٰحِرٌ كَذَّابٌ کہا۔ "یہ جادوگر ہے اور جھوٹا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)۔" تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے ہیں جھوٹا کہتے ہیں تو پریشان نہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر بھی تشریف لائے ہیں کافروں نے ان کو جادوگر بھی کہا ہے اور دیوانہ بھی کہا ہے ﴿اَتَوَاصَوْا بِهٖ﴾ کیا وہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں اس بات کی۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو وصیت کی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آئے تو اس کو جادوگر کہنا، دیوانہ کہنا۔ فرمایا یہ وصیت نہیں کی ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ بلکہ وہ قوم ہے سرکش۔ جو سرکشی اُن کے مزاج میں تھی وہی سرکشی اِن کے مزاج میں بھی ہے ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! پس آپ ان سے اعراض کریں ان کو کس طرح کا جواب نہ دیں۔ کیوں کہ اگر آپ بھی جواب میں ان کو جادوگر اور دیوانہ کہیں گے تو فرق نہیں رہے گا۔ آپ ان کی توں سے اعراض کریں۔

تاریخ گواہ ہے کہ کافروں نے جتنے بھی سخت الفاظ اور بُرے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ یہی مفہوم ہے ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ کا کہ آپ ان سے اعراض کریں ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [سورۃ القلم] "اور بے شک آپ بڑے خلق پر ہیں۔" لہٰذا ان کی بے ہودہ باتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے ﴿فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ﴾ پس نہیں ہے آپ پر کوئی ملامت۔ آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ آپ اپنا کام کیے جائیں اور ان کی فضول حرکتوں کی پروانہ کریں ﴿وَّذَكِّرْ﴾ اور آپ نصیحت کریں ان کو سمجھاتے رہیں ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ پس بے شک نصیحت نفع دیتی ہے ایمان والوں کو۔ جن کے دلوں میں خیر اور طلب ہے یقیناً اچھی باتیں ان کو فائدہ دیتی ہیں اور جن کے دل اوندھے اور الٹے ہوتے ہیں ان کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ تو یہی کہیں گے ﴿مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ [ہود: ۹۱] "نہیں سمجھتے ہم بہت سی وہ باتیں جو آپ کہتے ہیں۔" حالاں کہ شعیب علیہ السلام خطیب الانبیاء تھے اپنے دور میں۔ بڑے فصیح اور بلیغ تھے۔ بڑے عمدہ پیرائے اور انداز میں بات کرتے تھے مگر مخالفوں نے کہہ دیا کہ آپ کی بہت سی باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں۔ پیغمبر کوئی

اور بولی تو نہیں بولتا۔ کیسی عجیب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ [ابراہیم: ۴] "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔" پیغمبر کی زبان بڑی صاف ہوتی ہے اور وہ قوم کی زبان میں بات کرتا ہے۔ اور وہ پھر بھی نہ سمجھیں تو مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کی بات نہیں ماننی۔ آج بھی اگر بات نہ ماننی ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آتی کہ میں نے ماننی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ نصیحت کرتے رہیں مومنوں کو نصیحت نفع دیتی ہے۔

فرمایا ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مخلوق کے پیدا کرنے کی غرض بیان فرمائی ہے کہ میں نے ان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ مگر آج کتنے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے۔ کافروں کو تو چھوڑ و جو ماننے والے ہیں، مسلمان کہلانے والے ہیں ان میں کتنے ہیں عبادت کرنے والے؟

عیاں راچہ بیاں

کھلی چیز کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی پانچ ارب کے قریب ہے۔ ان میں ایک ارب اور تیس کروڑ کے لگ بھگ مسلمان ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں۔ مردم شماری کرنے والوں نے اس میں مرزائیوں کو، ذکریوں کو، شیعوں کو اور تمام باطل فرقوں کو مسلمانوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن جو اپنے آپ کو صحیح مسلمان کہتے ہیں ان میں سے کتنے صحیح عبادت گزار ہیں؟ دیکھو! ابھی تک بعض منحوس سوئے ہوئے ہیں۔ اس وقت اٹھیں گے جب ان کو پیشاب، پاخانہ تنگ کرے گا یا اس وقت اٹھیں گے جب دکانیں کھولنی ہوں گی یا دفتر جانا ہوگا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں۔ لمبی لمبی راتوں میں بھی ان کی نیند پوری نہیں ہوتی۔ زندگی ختم ہو جائے گی مگر ان کی نیند پوری نہیں ہوگی۔ رب تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس آیت کریمہ کو اچھی طرح یاد رکھنا ہے۔

فرمایا ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ سونے اور دوسری چیزوں کے لیے پیدا نہیں کیا۔ فرمایا ﴿مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ میں نہیں ارادہ کرتا ان سے رزق کا۔ میں ان سے اپنے لیے رزق کا مطالبہ نہیں کرتا۔ ساری مخلوق کے رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [ہود: ۶] "اور نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والا جانور زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کی روزی۔" تو فرمایا میں نہیں ارادہ کرتا ان سے روزی کا ﴿وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ﴾ اور میں نہیں ارادہ کرتا کہ وہ مجھے کھلائیں۔ میں ان سب چیزوں سے پاک ہوں۔ میں نہ کھاتا ہوں، نہ پیتا ہوں بلکہ سب کو کھلاتا پلاتا ہوں ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے ﴿ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ مضبوط اور ٹھوس طاقت والا ہے۔ رزق کے لیے جھلے نہ ہوئے پھرو (مارے مارے نہ پھرو)۔ بے شک کمانے کا حق ہے مگر اس طریقے سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا﴾۔ ایک لفظ ہے ذُنُوب ذال کے ضمے کے ساتھ، یہ جمع ہے۔

ذَنْبٌ کی۔اور ذَنْبٌ کامعنٰی ہے گناہ۔ اور ذُنُوب کے معنٰی ہوں گے بہت سارے گناہ۔اور ایک لفظ ہے ذَنُوب ذال کے فتح کے ساتھ۔اس کامعنٰی ہے ڈول، جوکنویں میں ڈال کر پانی نکالتے ہیں۔وہ ڈول اگر پانی سے بھرا ہوا نہ ہوتو پانی کے اوپر تیرتا ہے اور اگر بھرا ہوا ہوتو وہ ڈوب جاتا ہے۔معنٰی ہوگا بے شک ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا،ڈول ہے۔مراد ہے بھرا ہوا ڈول۔تو اب وہ ڈوبیں گے ﴿مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ﴾ جیسے ان کے ساتھیوں کا ڈول ہے۔جیسے پہلے لوگوں کے ڈول بھرے گناہوں سے اور وہ ڈوب گئے۔

اور ذنوب کامعنٰی حصہ بھی ہے۔تو پھر معنٰی ہوگا ان ظالموں کے لیے رب تعالیٰ کی گرفت کا حصہ ہے جیسے حصہ تھا پہلے لوگوں کے لیے ﴿فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ پس وہ جلدی نہ کریں۔جلدی سے نہیں مانگنا چاہیے۔اس دن ظالموں کے لیے کوئی خیر نہیں ہوگی۔کیوں جلدی کرتے ہیں؟ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس ہلاکت ہے، تباہی ہے،خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں۔ کب ہوگی؟ ﴿مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴾ اس دن جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔دنیا میں تو تھوڑی بہت سزا اور تنبیہ ہوتی ہے اصل تباہی وعدے والے دن ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الطُّوۡرِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

(۲۷)

آیاتہا ۴۹ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (۵۲) (۲) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالطُّوْرِ﴾ قسم ہے طور کی ﴿وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی ﴿فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ﴾ کشادہ کاغذ میں ﴿وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾ قسم ہے آباد گھر کی ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾ قسم ہے بلند چھت کی ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾ قسم ہے سمندر کی جو پانی سے بھرا ہوا ہے ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ﴾ بے شک آپ کے رب کا عذاب ﴿لَوَاقِعٌ﴾ واقع ہونے والا ہے ﴿مَّا لَهٗ﴾ نہیں ہے اس عذاب کو ﴿مِنْ دَافِعٍ﴾ کوئی ٹالنے والا ﴿يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا﴾ جس دن حرکت کرے گا آسمان حرکت کرنا ﴿وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ اور چلیں گے پہاڑ چلنا ﴿فَوَيْلٌ﴾ پس ہلاکت ہے ﴿يَّوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ جھٹلانے والوں کے لیے ﴿الَّذِيْنَ هُمْ﴾ وہ ہیں ﴿فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ﴾ جو دنیاوی باتوں میں کھیل رہے ہیں ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ﴾ جس دن ان کو دھکیلا جائے گا ﴿اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی آگ کی طرف ﴿دَعًّا﴾ دھکیلا جانا ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ﴾ یہ آگ ہے وہ ﴿كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے ﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ﴾ کیا پس یہ جادو ہے ﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یا تم نہیں دیکھتے ﴿اِصْلَوْهَا﴾ داخل ہو جاؤ اس میں ﴿فَاصْبِرُوْٓا﴾ پس تم صبر کرو ﴿اَوْ لَا تَصْبِرُوْا﴾ یا صبر نہ کرو ﴿سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ﴾ برابر ہے تم پر ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ﴾ پختہ بات ہے تم کو بدلہ دیا جائے گا ﴿مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کا جو تم عمل کرتے تھے۔

تعارفِ سورت

اس سورت کا نام طور ہے۔ پہلی ہی آیت میں طور کا لفظ موجود ہے۔ اس سورت سے پہلے پچھتر [۷۵] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا چھہترواں نمبر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے دو رکوع اور انچاس [۴۹] آیتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالطُّوْرِ﴾۔ واو قسمیہ ہے۔ قسم ہے طور کی۔ طور بھی کہتے ہیں اور طور سینین بھی کہتے ہیں ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝﴾ اور طور سینا بھی کہتے ہیں۔ سورۃ مومنوں آیت نمبر ۲۰ پارہ ۱۸ میں طور سینا کا لفظ آیا ہے۔ یہ وہ مبارک پہاڑ ہے جس پر کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمائی ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: ۱۶۴] اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تیسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔ پہلا نمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے دوسرا نمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا نمبر ہے۔ طور کی عظمت بھی اسی وجہ سے ہے کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کئی بار اللہ تعالیٰ کے

ساتھ ہم کلام ہوئے۔

چار مقامات پر دجال داخل نہیں ہو سکے گا

اور احادیث میں آتا ہے دجال ساری دنیا میں گھومے گا مگر چار مقامات پر نہیں جا سکے گا۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا مگر فرشتے اس کے منہ پر مار کر بھگا دیں گے داخل نہیں ہونے دیں گے۔ مدینہ منورہ میں بھی داخل ہونے کی کوشش کرے گا مگر فرشتے اس کو مار کر پیچھے ہٹا دیں گے۔ کوہ طور پر چڑھنے کی کوشش کرے گا مگر چڑھ نہیں سکے گا۔ اور چوتھا مقام بیت المقدس ہے۔ اس میں ایک پہاڑ ہے صہیون ہا پہلے ہے اور یا بعد میں۔ صحافی حضرات صیہون لکھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ پہاڑ سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے جیسے کوہ مری ہے پاکستان میں۔ صہیون پہاڑ کے اوپر شہر آباد ہے جس کا نام بیت المقدس ہے۔ مفعول کے صیغے کے ساتھ اور ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے۔ اسی بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ ہے جس پر اس وقت یہود کا قبضہ ہے۔ انھوں نے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا ہوا ہے اور اس کو یروشلم بھی کہتے ہیں۔ اس مقام میں بھی دجال داخل نہیں ہو سکے گا۔ داخل ہونے کی کوشش کرے گا مگر فرشتے داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ان چار مقامات پر شیطان لعین کے ناپاک قدم نہیں پہنچیں گے۔

کِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ کی تفسیر

تو فرمایا قسم ہے طور پہاڑ کی جہاں موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے رہے ﴿وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴾ اور قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کتاب مسطور سے مراد تورات ہے۔ کیونکہ پہلے طور کا ذکر ہوا اور طور پر یہی کتاب ملی تھی۔ دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کتاب مسطور سے مراد آسمانی کتاب اور صحیفہ مراد ہے جو بھی ہو۔ چار آسمانی کتابیں تو مشہور ہیں۔ قرآن کریم، تورات، انجیل اور زبور۔ ان کے علاوہ صحیفۂ ابراہیم اور صحیفۂ موسیٰ کا ذکر بھی آتا ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھی صحیفے نازل ہوئے ہیں۔ ان سب کو ماننا ہمارے ایمان میں داخل ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ کل کتنی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں ان کی تعداد ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس چیز کا پابند نہیں بنایا کہ سب کے نام اور تفصیل معلوم کریں۔ تو دوسری تفسیر یہ ہوئی کہ ہر آسمانی کتاب مراد ہے بہ شمول قرآن کریم۔

اور تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کتاب مسطور سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لوح محفوظ میں جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر فنا ہونے تک ہر آدمی کا اور ہر شے کا ریکارڈ موجود ہے۔

اور چوتھی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کتاب مسطور سے مراد اعمال نامہ ہے کہ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ہماری ہر نیکی بدی فرشتے اس میں درج کرتے ہیں جو قیامت والے دن ہر آدمی کی گردن میں لٹکا ہوا ہوگا اور رب تعالیٰ فرمائیں گے اِقْرَاْ كِتٰبَكَ "اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے۔" تو کتاب مسطور سے مراد اعمال نامہ ہے جس میں ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں ﴿فِیْ رَقٍّ

﴿مَّنشُوْرٍ﴾ کشادہ ورق میں۔ رَق کا لفظی معنیٰ ہے باریک چمڑا۔ پہلے سادہ زمانہ ہوتا تھا اس وقت یہ کاغذ عموماً دستیاب نہیں تھا۔ کبھی ایران اور تبوک سے آتا تھا مگر بہت مہنگا ملتا تھا۔ لوگوں نے جو بات لکھنی ہوتی تھی چوڑے پتوں پر لکھ لیتے تھے یا چمڑے پر لکھ لیتے تھے۔ اب اس کا لازمی معنیٰ کرتے ہیں کشادہ ورق۔ یہ قرینہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے کہ وہ ایک لمبی چوڑی تختی ہے جس پر سب کچھ لکھا ہوا ہے۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ یہ قرآن جو ہمارے سامنے ہے کتنے اوراق پر لکھا ہوا ہے اور ایک کاغذ پر بھی پورا قرآن لکھا ہوا دیکھا ہوگا۔ مگر اس کو حافظ پڑھ سکتے ہیں یا خُرد بین کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ مگر تم نے اپنی زندگی میں ایک کاغذ پر لکھا ہوا دیکھ تو لیا۔ اسی طرح لوح محفوظ میں بھی سب کچھ لکھا ہوا ہے ﴿وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾ قسم ہے آباد گھر کی۔ بیت المعمور فرشتوں کا کعبہ ہے ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کے عین برابر ہے۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں اور جس فرشتے نے ایک دفعہ طواف کر لیا پھر عمر بھر اس کو دوبارہ موقع نہیں ملتا۔ بیت المعمور کا طواف کبھی بند نہیں ہوا کعبۃ اللہ کا طواف کبھی بند بھی ہو جاتا ہے۔

کعبۃ اللہ پر باغیوں کا قبضہ

آج سے چند سال پہلے کی بات ہے جب باغیوں نے کعبۃ اللہ پر قبضہ کیا تو سترہ دن مسلسل نہ اذان ہوسکی، نہ جماعت، نہ طواف ہوسکا۔ ان کے قبضہ کرنے کی وجہ کیا تھی؟ تو میں نے وہاں کے مقامی لوگوں سے دریافت کیا تو مختلف قسم کی باتیں سامنے آئیں۔ ایک یہ بات بتلائی گئی کہ کچھ مذہبی قسم کے لوگ تھے جنھوں نے حکومت کو نوٹس دیا کہ عرب کی سرزمین جہاں سے اسلام پوری دنیا میں پھیلا ہے یہاں سینما گھر اور ٹی، وی جیسی خرافات جو تم نے شروع کر دی ہیں یہ صحیح نہیں ہیں ان کو ختم کرو۔ حکومت نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ کیونکہ حکومت وہاں کی ہو یا کسی اور جگہ کی وہ اپنی بے بے امریکہ کے اشارے کے بغیر نہیں چلتی۔ امریکہ جو کہے گا وہ کریں گے۔ یہ بے اختیار لوگ ہیں۔ تو جب حکومت نے نہ مانا تو انھوں نے بغاوت کر دی۔

دوسری بات یہ بتلائی گئی کہ مذہبی قسم کے فوجی تھے جنھوں نے وقت کے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی کہ موجودہ حکمران اسلام کے مطابق نہیں چل رہے۔ عرب میں مکمل اسلامی حکومت ہونی چاہیے جیسا کہ پینتالیس (۴۵) کے قریب مذہبی ذہن رکھنے والے ہمارے فوجی تھے جو کشمیر میں کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن ان کو کچھ نہیں کرنے دیا گیا۔ کل کے اخبار میں تھا کہ ان کو جبراً ریٹائر کر دیا گیا یہ کہہ کر کہ انھوں نے ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔ حالانکہ انھوں نے کوئی بغاوت نہیں کی اور نہ ہی حکومت سے براہ راست ٹکر لینا چاہتے تھے۔ وہ کشمیر میں مسلمانوں پر مظالم برداشت نہ کرنے کی وجہ سے کہ وہاں ہندو، سکھ، مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں کر رہے ہیں، عورتوں کے ساتھ زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایک ایک عورت کے ساتھ چالیس چالیس ہندو، سکھ بدمعاشی کرتے ہیں لہٰذا ان کا دفاع کیا جائے۔ دین دار صحیح العقیدہ لوگ تھے لیکن حکومت نے ان کو کچھ نہیں کرنے دیا۔

جنرل اسلم بیگ کا بیان تم نے کل کے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ ان فوجیوں کے ارادوں کی قدر کرنی چاہیے تھی۔ تو وہ بھی اس طرح کے مذہبی لوگ تھے جنھوں نے کارروائی کی تھی۔

اور یہ بات بھی کہی گئی کہ کچھ شہزادے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اقتدار کا نشہ بُرا ہوتا ہے۔ ان شہزادوں نے کچھ مذہبی لوگ اپنے ساتھ ملائے انقلاب لانے کے لیے مگر ناکام رہے۔

تو فرمایا قسم ہے آباد گھر کی ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾ قسم ہے بلند چھت کی۔ مراد آسمان ہے جو ہم سے لاکھوں میل دور ہے ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾ قسم ہے سمندر کی جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ دنیا کے سو حصوں میں سے اکہتر (۷۱) حصوں پر پانی ہے اور انتیس (۲۹) حصے خشک ہیں۔ ان انتیس حصوں پر دنیا کی ساری حکومتیں قائم ہیں۔ تو فرمایا پانی سے بھرے ہوئے سمندر کی قسم ہے۔ ان سب کا جواب ہے ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ﴾ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے ﴿مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ﴾ نہیں ہے کوئی اس کو ہٹانے والا۔ عذاب اللہ تعالیٰ چاہے دنیا میں بھیجے، چاہے برزخ، قبر میں یا میدان حشر کی سزا ہو یا دوزخ کا عذاب ہو اس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ ﴿يَّوْمَ﴾ اس دن واقع ہوگا ﴿تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا﴾ جس دن حرکت کرے گا آسمان حرکت کرنا۔ آج تو زمین بھی ساکن ہے آسمان بھی ساکن ہے۔

سائنس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں نظریہ قرآن اٹل ہے

سائنس دانوں کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ کہتا ہے زمین حرکت کرتی ہے، سورج، چاند اپنی جگہ کھڑے ہیں۔ ایسے پاگل بھی موجود ہیں۔ اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ زمین اور آسمان اپنی جگہ کھڑے ہیں اور سورج اور چاند ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ [سورۃ یٰسین] "یہ سب اپنے مدار کے اندر تیر رہے ہیں۔" قرآن کریم سے یہی ثابت ہے ﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [فاطر: ۱۳] "ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر مدت تک۔" ہاں اگر کوئی معقول دلیل پیش کرے سورج اور چاند کی حرکت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ زمین میں حرکت ہے تو ہم تسلیم کرلیں گے۔ لیکن اگر کوئی معقول دلیل نہ ہو تو ہم قرآن کریم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ سائنس دانوں کے نظریے بدلتے رہتے ہیں۔

طالیس ملتی یونانیوں کا حکیم جو آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے گزرا ہے اس کا نظریہ تھا کہ پانی بسیط ہے، مفرد ہے۔ یہی نظریہ دنیا میں چلتا رہا۔ پھر کیونڈس (Cavendus) آیا اس نے اپنی تحقیق پیش کی اور کہا کہ پانی مرکب ہے اس میں آکسیجن بھی ہے اور ہائیڈروجن بھی ہے۔ اب سائنس دانوں نے پہلا نظریہ چھوڑ کر کیونڈس (Cavendûs) کا نظریہ اپنا لیا ہے۔

لاؤڈ سپیکر اور سائنس دان

لاؤڈ سپیکر کے بارے میں سائنس دانوں کا اختلاف تھا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ اصلی آواز ختم ہو جاتی ہے اور یہ اس کے مثل آواز پیدا کرتا ہے۔ جیسے گنبد یا پہاڑ کے دامن میں آدمی آواز دیتا ہے تو اصل آواز ختم ہو کر نئی آواز پیدا ہو کر واپس آتی ہے۔ تو

علماء نے فتویٰ دیا کہ سپیکر پر نماز جائز نہیں ہے۔ جیسے گنبد کی آواز آئے اور امام کی اصل آواز سنائی نہ دے تو اس میں امام کی اقتداء صحیح نہیں ہے۔ یہ جزئیہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

پھر سائنس دانوں نے مل کر آپس میں مشاورت کی تحقیق کی تو پچانوے فیصد سائنس دانوں نے فیصلہ دیا کہ اصل آواز ہی ہے اور یہ آلہ اس کو دو چند کر دیتا ہے، اس کو بڑھا دیتا ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے فتویٰ دیا تھا کہ سپیکر میں نماز درست نہیں ہے۔ پھر جب سائنس دانوں کی رائے بدلی تو حضرت نے پہلے فتویٰ سے رجوع فرمایا اور فتویٰ دیا کہ سپیکر پر نماز درست اور جائز ہے۔ تو سائنس بدلتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے۔

تو فرمایا جس دن حرکت کرے گا آسمان حرکت کرنا ﴿وَّتَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا﴾ اور چلیں گے پہاڑ چلنا۔ آج آدمی ان پہاڑوں کی مضبوطی اور بلندی کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ چمن کے علاقے میں ایک پہاڑ ہے سطح سمندر سے نو ہزار فٹ کی بلندی پر۔ بس پھرتی پھراتی چوٹی پر جاتی ہے۔ مجھے بھی ساتھی وہاں لے گئے۔ جب ہم چوٹی پر پہنچے تو میں نے شیشہ کھولا کہ دیکھوں تو سہی۔ بڑی تیز ہوا منہ کو لگی اور ڈرائیور نے کہا شیشہ نہ کھولو۔

تو یہ مضبوط پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو کر پتنگوں کی طرح اڑیں گے۔ تو فرمایا چلیں گے پہاڑ چلنا ﴿فَوَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ﴾ پس ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ جو ثواب و عقاب کو جھٹلاتے ہیں، جنت و دوزخ کو جھٹلاتے ہیں توحید کو جھٹلاتے ہیں۔ کون ہیں؟ ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ ہیں ﴿هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ﴾ جو دنیاوی باتوں میں کھیل رہے ہیں۔ نمازیں جاتی ہیں تو جائیں ٹی، وی دیکھ رہے ہیں نماز کی پرواہی نہیں ہے۔ دنیا تو ویسے ہی کھیل تماشا ہے ہم نے اس کو تماشا در تماشا بنا دیا ہے۔ معلوم ہو جائے گا ﴿یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴾ جس دن ان کو دھکیلا جائے جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جانا۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجرموں کو جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی دھکے مار کر دوزخ کے قریب لے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہیں گے ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ یہ ہے وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے دنیا میں۔ کہتے تھے کوئی نہیں ﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ﴾ کیا پس یہ جادو ہے ﴿اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ یا تم دیکھتے نہیں۔ یہ آگ تم کو نظر نہیں آ رہی۔ کون وہاں انکار کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی زبانی حکم ہوگا ﴿اِصْلَوْهَا﴾ اے مجرمو! داخل ہو جاؤ اس آگ میں ﴿فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا﴾ صبر کرو یا صبر نہ کرو دوزخ کے جھیلنے پر، برداشت کرنے پر صبر کرو یا نہ کرو چھٹکارا کوئی نہیں۔

دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے اور دوزخ کی آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے اور ایمان اور اعمال درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو فرمایا صبر کرو یا نہ کرو ﴿سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ﴾ تمہارے اُوپر برابر ہیں دونوں حالتیں۔ یہ کارروائی تمہارے ساتھ کیوں ہو رہی ہے ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پختہ بات ہے تم کو

بدلہ دیا جائے گا اس چیز کا جو تم کرتے تھے۔ ہماری طرف سے کوئی زیادتی نہیں ہے۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ بے شک پرہیز گار ﴿فِیْ جَنّٰتٍ﴾ باغوں میں ہوں گے ﴿وَّ نَعِیْمٍ﴾ اور نعمتوں میں ہوں گے ﴿فٰكِهِیْنَ﴾ مزے کر رہے ہوں گے ﴿بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ﴾ ان نعمتوں پر جو دی ان کو ان کے رب نے ﴿وَ وَقٰىهُمْ﴾ اور بچایا ان کو ﴿رَبُّهُمْ﴾ ان کے رب نے ﴿عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾ آگ کے شعلوں کے عذاب سے (ان سے کہا جائے گا) ﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ ﴿وَ اشْرَبُوْا﴾ اور پیو ﴿هَنِیْٓــٴًـا﴾ مزے دار ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ﴾ ٹیک لگائے ہوں گے ﴿عَلٰى سُرُرٍ﴾ کرسیوں پر ﴿مَّصْفُوْفَةٍ﴾ جو صف بہ صف بچھی ہوں گی ﴿وَ زَوَّجْنٰهُمْ﴾ اور ہم ملا دیں گے ان کو ﴿بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴾ موٹی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ﴾ اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ﴿بِاِیْمَانٍ﴾ ایمان میں ﴿اَلْحَقْنَا بِهِمْ﴾ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ﴿ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ ان کی اولاد کو ﴿وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ﴾ اور ہم نہیں کمی کریں گے ان کے لیے ﴿مِّنْ عَمَلِهِمْ﴾ ان کے عمل سے ﴿مِّنْ شَیْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿كُلُّ امْرِئٍۭ﴾ ہر آدمی ﴿بِمَا كَسَبَ﴾ جو اس نے کمایا ہے ﴿رَهِیْنٌ﴾ گروی رکھا ہوا ہے ﴿وَ اَمْدَدْنٰهُمْ﴾ اور ہم ان کو مدد دیں گے ﴿بِفَاكِهَةٍ﴾ پھلوں کے ساتھ ﴿وَّ لَحْمٍ﴾ اور گوشت کے ساتھ ﴿مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ﴾ اس میں سے جو وہ چاہیں گے ﴿یَتَنَازَعُوْنَ﴾ وہ دل لگی کر رہے ہوں گے ﴿فِیْهَا﴾ ان جنتوں میں ﴿كَاْسًا﴾ پیالے ہوں گے ﴿لَّا لَغْوٌ فِیْهَا﴾ نہ بے ہودگی ہوگی اس میں ﴿وَ لَا تَاْثِیْمٌ﴾ اور نہ کوئی گناہ ﴿وَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ﴾ اور پھریں گے ان کے سامنے ﴿غِلْمَانٌ لَّهُمْ﴾ بچے ان کے لیے ﴿كَاَنَّهُمْ﴾ گویا کہ وہ ﴿لُؤْلُؤٌ﴾ موتی ہیں ﴿مَّكْنُوْنٌ﴾ پردے میں چھپے ہوئے ﴿وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور متوجہ ہوں گے ان میں سے بعض بعض کی طرف ﴿یَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿قَالُوْۤا﴾ کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا﴾ بے شک ہم تھے ﴿قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فِیْۤ اَهْلِنَا﴾ اپنے اہل خانہ میں ﴿مُشْفِقِیْنَ﴾ ڈرنے والے ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا﴾ پس احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے اُوپر ﴿وَ وَقٰىنَا﴾ اور بچایا ہمیں ﴿عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ لو کے عذاب سے ﴿اِنَّا كُنَّا﴾ بے شک تھے ہم ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿نَدْعُوْهُ﴾ اسی کو پکارتے تھے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ﴾ بے شک وہ اچھا سلوک کرنے والا ہے ﴿الرَّحِیْمُ﴾ بے حد مہربان ہے۔

ربط آیات

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں اٹھا کر فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی، مجرموں کو سزا ہوگی جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔اب مومنوں کے متعلق فرمایا کہ قیامت برپا ہونے کے بعد ﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ﴾ بے شک پرہیز گار باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے ﴿فٰكِهِیْنَ﴾ مزے اڑا رہے ہوں گے ﴿بِمَآ﴾ بسبب ان نعمتوں کے ﴿اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ﴾ جو دی ان کو ان کے رب نے۔تقویٰ کا معنیٰ بچنا۔سب سے اعلیٰ تقویٰ ہے کفر و شرک سے بچنا۔آخری درجہ ہے خلاف اولیٰ چیزوں سے بچنا۔اس کے درمیان بڑے درجے ہیں۔مثلاً مردوں کا ننگے سر بازاروں میں پھرنا تقویٰ کے خلاف ہے۔فقہائے کرام ایسے شخص کی گواہی کو قبول نہیں کرتے۔اگر کوئی روایت بیان کرے تو وہ بھی قبول نہیں ہے۔اسی طرح بغیر کسی عذر کے لوگوں کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنا بھی تقویٰ کے خلاف ہے۔

تو فرمایا متقی باغوں اور نعمتوں میں مزے اڑا رہے ہوں گے۔اس چیز کے ساتھ جو ان کے رب نے ان کو دی ﴿وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾۔جحیم کا معنیٰ شعلہ مارنے والی آگ۔معنیٰ ہوگا اور بچایا ان کو ان کے رب نے شعلے مارنے والی آگ کے عذاب سے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کہا جائے گا ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ کھاؤ اور پیو ﴿هَنِیْٓـًٔا﴾ مزے دار ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے۔تمہارے اعمال اچھے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اچھا بدلہ دیا ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ﴾ سرر سریر کی جمع ہے۔ سریر کا معنیٰ ہے کرسی۔ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے کرسیوں پر جو صف بہ صف بچھی ہوئی ہوں گی۔جنت میں کوئی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔جنت بڑی وسیع ہے۔ایسے انداز میں ہوں گے کہ سب ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴾ اور ملا دیں گے ہم ان کو موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ۔کم از کم دو حوریں ملیں گی۔مرتبے اور مقام کے اعتبار سے زیادہ زیادہ بھی ملیں گی۔بعض کے لیے بہتر (۷۲) بہتر (۷۲) حوروں کا بھی ذکر آتا ہے۔دنیا کی بیویاں بھی ساتھ ہوں گی۔اللہ تعالیٰ مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر قوت عطا کرے گا کسی کو کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہوگا کوئی کمی نہیں ہوگی۔

فرمایا ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ﴾ اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان میں ﴿اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ﴾ ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ﴿وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے لیے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی۔

اب بات سمجھیں۔وہ اس طرح کہ ایک آدمی مومن موحد بڑا نیک پارسا ہے۔اس کی اولاد ہے، لڑکے ہیں، لڑکیاں ہیں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں ہیں۔یہ سب ذریت میں شامل ہیں۔یہ بھی مومن موحد ہیں۔مومن ہونے کے حوالے سے باباجی کے پیروکار ہیں مگر عمل اتنے نہیں ہیں جتنے باباجی کے ہیں۔اب باباجی کو تو جنت میں بلند مقام ملے گا اگرچہ جنت میں کوئی چیز ناقص نہیں ہے۔ہر چیز اور ہر مقام ہی اعلیٰ ہے مگر اس میں بھی درجے موجود ہیں۔جیسے ہوائی جہاز میں سفر کیا ہوگا۔وہ سارا

ہی آرام دہ ہوتا ہے مگر اس میں بھی فرسٹ کلاس، سیکنڈ کلاس ہے۔ اب بابا جی تو تقویٰ، طہارت اور کثرت اعمال کی وجہ سے فرسٹ کلاس میں پہنچ گئے اور اولاد اعمال کی کمی کی وجہ سے تھرڈ کلاس میں ہوگی۔ یہ بزرگ چاہیں گے کہ ہم سب اکٹھے رہیں۔ تو اس کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بابا جی کو تھرڈ کلاس میں پہنچا دیا جائے۔ مگر یہ صورت نہیں ہوگی کیونکہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ نہ ہوا۔

دوسری صورت یہ ہے تھرڈ کلاس والوں کو سیکنڈ کلاس میں پہنچا دیا جائے اور بابا جی کو بھی سیکنڈ کلاس میں پہنچا دیا جائے اور سب اکٹھے ہو جائیں۔ یہ بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ بابا جی کے اعمال کے بدلے میں کمی آئے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اولاد در اولاد کو بابا جی کے اعمال کی برکت سے فرسٹ کلاس میں پہنچا دیا جائے۔ یہی صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ آئی کہ خاندان میں، گھر میں کسی ایک آدمی کا نیک ہونا صرف اپنے لیے نہیں ہوتا بلکہ سارے خاندان کے لیے ہوتا ہے۔

جیسے قرآن پاک حفظ کرنے والے کو اپنی برادری کے دس آدمیوں کی سفارش کا موقع ملے گا کُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ "ان سب کے لیے دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔" اور جس نے قرآن پاک یاد کیا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کے سر پر رب تعالیٰ ایسا تاج رکھیں گے جو سورج سے بھی زیادہ چمکیلا ہوگا۔ تو گویا حافظ صرف اپنے لیے حفظ نہیں کر رہا بلکہ دوسروں کے لیے بھی کر رہا ہے۔ اس کے حفظ کرنے میں جتنے معاونین ہیں، اساتذہ ہیں، وہ سب ان نعمتوں کے مستحق ہیں۔ اگر کسی نے ایک وقت کا کھانا حافظ کو دیا ہے وہ بھی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا (بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ کھلایا ہو۔ بلوچ)

تو فرمایا ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور نہیں کمی کریں گے ان کے اعمال میں سے کسی شے کی ﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ ہر آدمی اپنی کمائی میں رہن رکھا ہوا ہے، پھنسا ہوا ہے۔ جس نے جو کمایا ہے اس کا بدلہ اس کو ملے گا۔ رہن کا معنیٰ گروی ہے اِنْ كَانَ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ كَانَ شَرًّا فَشَرٌّ "اگر نیک عمل کیا ہے تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برا عمل کیا ہے تو برا بدلہ ملے گا۔" بعض ایسے برے اعمال ہیں جن کو برا عمل ہی نہیں سمجھتے۔ مثلاً مسجد سے نکلتے ہوئے سیڑھیوں میں تھوکنا، پھل کھا کر چھلکا راستے میں پھینک دینا۔ گھروں میں کوڑا کرکٹ کا پڑا رہنا، صفائی نہ کرنا، راستے پر بلغم تھوک دینا، یہ تمام گناہ کے کام ہیں۔

اسلام بڑا پاکیزہ اور صاف ستھرا مذہب ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔ نیکیوں کی وجہ سے ایسی برائیاں مٹ جاتی ہیں مگر ان لوگوں کی کہ جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو۔ نفلی نمازیں پڑھتے ہوں، نفلی روزے رکھتے ہوں، امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ہے ﴿يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ [فرقان: ۷۰] "تبدیل کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں۔" اگر نیکیوں کا پلہ بھاری نہ ہوا تو پھر کچھ بھی نہیں۔ یہاں تک کہ اگر ایک آدمی کی پچاس نیکیاں ہیں اور پچاس بدیاں ہیں تو جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک مقام ہے اعراف۔ وہاں رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا حضرت اعراف والے کون ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَنِ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهٗ وَسَيِّئَاتُهٗ "جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔" اگر ایک نیکی بڑھ جاتی جنت میں چلا جاتا، ایک بدی بڑھ جاتی جہنم میں چلا جاتا۔ تو فرمایا ہر آدمی اپنی کمائی میں رہن ہے ﴿وَ اَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ﴾ اور ہم ان کو مدد دیں گے پھلوں کے ساتھ ﴿وَّلَحۡمٍ﴾ اور گوشت کے ساتھ ﴿مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ﴾ جس قسم کا وہ چاہیں گے۔ جنتی جس طرح کا پھل میوہ چاہیں گے وہ ان کو ملے گا ﴿يَتَنَازَعُوۡنَ﴾ کا لفظی معنیٰ تو ہے ایک دوسرے سے چھیننا۔ مگر یہاں مراد ہے دل لگی کرنا۔ وہ دل لگی کر رہے ہوں گے ﴿فِيۡهَا﴾ جنت میں ﴿كَاۡسًا﴾ پیالے میں ﴿لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا﴾ اس میں بے ہودگی بھی نہیں ہوگی ﴿وَلَا تَاۡثِيۡمٌ﴾ اور گناہ بھی نہیں ہوگا۔ جنتی لوگ آپس میں دل لگی کریں گے اس طرح کہ مثلاً: ایک پانی پینے کے لیے پیالہ ہاتھ میں لے گا دوسرا اس سے لے لے گا۔ اس میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا مذاق اور دل لگی ہوگی۔ دل ایسے صاف ہوں گے جیسے شیشہ ہوتا ہے کسی کے دل میں کسی کے خلاف کوئی جذبہ نہیں ہوگا۔

﴿وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ﴾ اور پھریں گے ان پر سامنے ان کے لیے بچے ﴿كَاَنَّهُمۡ لُـؤۡلُـؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ﴾ گویا کہ وہ موتی ہیں پردوں میں چھپے ہوئے۔ موتی خود صاف ہوتا ہے اور پردے میں چھپا ہوا ہو تو اور صاف ہوتا ہے اس پر مکھی کا اثر نہیں ہوتا، گرد و غبار نہیں پڑتا۔ یہ اپنے بچے بھی ہو سکتے ہیں جو تھوڑی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔ اور وہاں کی مخلوق بھی ہے جیسے حوریں وہاں کی مخلوق ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ کافروں کے وہ بچے جو نابالغ فوت ہوئے ہیں وہ جنتیوں کی خدمت کریں گے ﴿وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ﴾ اور متوجہ ہوں گے ان کے بعض بعض کی طرف ﴿يَّتَسَآءَلُوۡنَ﴾ ایک دوسرے سے سوال کریں گے ﴿قَالُوۡۤا﴾ کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا﴾ بے شک تھے ہم ﴿قَبۡلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ﴾ اپنے اہل میں ڈرنے والے۔ خوف زدہ تھے کہ خدا جانے مرنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہوگا، قبر میں کیا ہوگا، میدان حشر میں کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے تو کیا بنے گا؟ ہم بہت خوف زدہ تھے پس ہوا کیا ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر احسان کیا ﴿وَوَقٰٮنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ﴾۔ سموم ایسی گرم ہوا کو کہتے ہیں جو مسامات میں داخل ہو جائے۔ تو معنیٰ ہوگا اس لُو کے عذاب سے بچایا جو مسامات میں داخل ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ مومن دنیا میں بھی رب تعالیٰ کو نہیں بھولتا اور آخرت میں بھی نہیں بھولتا۔ مرتے وقت بھی اس کی زبان پر کلمہ ہوگا۔ جب فرشتے پوچھتے ہیں مَنۡ رَّبُّكَ؟ تو کہتا ہے رَبِّیَ اللهُ جب پوچھتے ہیں مَنۡ نَّبِيُّكَ؟ تو کہتا ہے نبی محمد ﷺ جب پوچھتے ہیں مَا دِيۡنُكَ؟ تو کہتا ہے دِيۡنِیَ الۡاِسۡلَامُ میرا دین اسلام ہے۔ یہ تب ہی کہے گا اگر اسلام پر چلتا رہا اور اگر اسلام کی مخالفت کرتا رہا ہے تو کس منہ سے کہے گا دِيۡنِیَ الۡاِسۡلَامُ اور اگر آپ ﷺ کی پیروی نہیں کی تو کس منہ سے کہے گا کہ میں آپ ﷺ کا امتی ہوں اور محمد ﷺ میرے پیغمبر ہیں۔ اور کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ﴾ بے شک ہم تھے اس سے پہلے دنیا میں ﴿نَدۡعُوۡهُ﴾ اسی کو پکارتے۔ ہم کہتے تھے اللہ تعالیٰ ہی ہمارا حاجت روا اور مشکل کشا ہے، فریاد رس ہے۔ رب تعالیٰ ہی ہمارا دست گیر ہے ہم اسی کو پکارتے تھے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ﴾ بے شک وہ نیک سلوک کرنے والا ہے۔ بَرّ زبر کے

ساتھ ہوتو اس کا معنیٰ ہے نیک سلوک کرنے والا اور کسرے کے ساتھ ہوتو اس کا معنیٰ ہے نیکی۔ ﴿الرَّحِیۡمُ﴾ وہ بے حد مہربان ہے۔

﴿فَذَکِّرۡ﴾ پس آپ نصیحت کریں ﴿فَمَاۤ اَنۡتَ﴾ پس نہیں ہیں آپ ﴿بِنِعۡمَتِ رَبِّکَ﴾ اپنے رب کے فضل سے ﴿بِکَاہِنٍ﴾ فال نکالنے والے ﴿وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ﴾ اور نہ دیوانے ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں ﴿شَاعِرٌ﴾ یہ شاعر ہے ﴿نَّتَرَبَّصُ بِہٖ﴾ ہم انتظار کرتے ہیں اس کے بارے میں ﴿رَیۡبَ الۡمَنُوۡنِ﴾ زمانے کی گردش کا ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿تَرَبَّصُوۡا﴾ تم انتظار کرو ﴿فَاِنِّیۡ مَعَکُمۡ﴾ پس بے شک میں بھی تمھارے ساتھ ﴿مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِیۡنَ﴾ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿اَمۡ تَاۡمُرُہُمۡ﴾ کیا حکم کرتی ہیں ان کو ﴿اَحۡلَامُہُمۡ﴾ ان کی عقلیں ﴿بِہٰذَاۤ﴾ ایسی باتوں کا ﴿اَمۡ ہُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ﴾ یا وہ قوم ہے سرکشی کرنے والی ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ﴾ کیا وہ کہتے ہیں ﴿تَقَوَّلَہٗ﴾ یہ نبی قرآن کو گھڑ لایا ہے ﴿بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے ﴿فَلۡیَاۡتُوۡا﴾ پس چاہیے کہ لائیں وہ ﴿بِحَدِیۡثٍ﴾ کوئی بات ﴿مِّثۡلِہٖۤ﴾ اس جیسی ﴿اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ﴾ اگر ہیں وہ سچے ﴿اَمۡ خُلِقُوۡا﴾ کیا یہ پیدا کیے گئے ہیں ﴿مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ﴾ بغیر کسی چیز کے ﴿اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ﴾ یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں ﴿اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ﴾ یا انھوں نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالۡاَرۡضَ﴾ اور زمین کو ﴿بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ﴾ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے ﴿اَمۡ عِنۡدَہُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ﴾ کیا ان کے پاس ہیں آپ کے رب کے خزانے ﴿اَمۡ ہُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ﴾ یا وہ داروغے لگے ہوئے ہیں ﴿اَمۡ لَہُمۡ سُلَّمٌ﴾ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے ﴿یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡہِ﴾ جس پر چڑھ کر سنتے ہیں ﴿فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُہُمۡ﴾ پس چاہیے کہ لائے ان کا سننے والا ﴿بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ﴾ کوئی کھلی دلیل ﴿اَمۡ لَہُ الۡبَنٰتُ﴾ کیا رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں ﴿وَلَکُمُ الۡبَنُوۡنَ﴾ اور تمھارے لیے بیٹے ہیں ﴿اَمۡ تَسۡـَٔلُہُمۡ اَجۡرًا﴾ کیا آپ ان سے سوال کرتے ہیں کسی معاوضے کا ﴿فَہُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ﴾ پس وہ اس تاوان کی وجہ سے ﴿مُّثۡقَلُوۡنَ﴾ بوجھ کے نیچے ڈالے ہوئے ہیں۔

مشرکین کا ایک ماحول بنا ہوا تھا۔ اس کو چھوڑنا ان کے لیے کافی مشکل تھا۔ جیسے آج کل شادی بیاہ، منگنی اور ماتم کی رسمیں ہیں اکثریت ان کو غلط سمجھتی ہے لیکن ماحول کی وجہ سے نکل نہیں سکتے۔ کہتے ہیں کیا کریں ناک نہیں رہتا، برادری نہیں چھوڑتی، برادری ناراض ہو جائے گی۔ بس اس ناک اور برادری نے بیڑا غرق کر دیا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ کفر وشرک کی رسموں میں مبتلا تھے۔ ان کے سامنے جب توحید ورسالت کا مسئلہ پیش کیا جاتا، قیامت کا مسئلہ پیش کیا جاتا تو ماحول کی وجہ سے ان کو سمجھ نہیں آتا

تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف قسم کے شوشے چھوڑتے تھے۔ ان شوشوں میں سے یہ بھی تھے کہ یہ شاعر ہے، کاہن ہے، دیوانہ ہے، اس کے پھندے میں نہ آنا۔

رب تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿فَذَكِّرْ﴾ پس آپ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! نصیحت کریں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے پس آپ نصیحت کرتے رہیں ﴿فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ﴾ پس نہیں ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے ﴿بِكَاهِنٍ﴾ فال نکالنے والے ﴿وَّلَا مَجْنُوْنٍ﴾ اور نہ دیوانے ہیں۔ ان کے کہنے سے نہ آپ کاہن ہو جائیں گے اور نہ دیوانے ہو جائیں گے۔

فال نکالنے اور نکلوانے کی ممانعت

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فال نکالنے والے کے پاس گیا فَقَدْ كَفَرَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ "پس تحقیق اس نے انکار کر دیا اس چیز کا جو اتاری گئی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔" ایسا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی رو سے اسلام سے خارج ہو گیا ہے، اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ یہ بیماری مردوں میں بھی ہے لیکن عورتوں میں بہت زیادہ ہے۔ پہلے اپنی چیز کو سنبھالتے نہیں گم ہونے کے بعد فال نکلواتے پھرتے ہیں۔ وہ چیز تو ضائع ہوئی ایمان بھی ضائع کر آئے۔

ترمذی شریف میں حدیث ہے مَنْ اَتٰى كَاهِنًا "جو آدمی کاہن کے پاس گیا فَصَدَّقَهٗ پھر اس کی تصدیق کی جو اس نے کہا فَقَدْ كَفَرَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ پس اس نے اس شریعت کا انکار کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔" وہ کافر ہے اس شریعت کا۔ بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی آدمی کاہن کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ دل لگی کے طور پر اس کو کہتا ہے کہ فال نکالو تو چالیس دن رات کی نمازوں کا اجر باطل ہو جاتا ہے۔ اگر تصدیق کرتا ہے ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ فال نکالنے والا غیب تو نہیں جانتا غیب کا علم تو صرف پروردگار کے پاس ہے۔

ضماد کا قبول اسلام

مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بڑا مشہور کیا کہ یہ کاہن ہے اور دیوانہ ہے۔ دور، دراز کے علاقوں تک یہ بات پہنچی کہ عبدالمطلب کا پوتا ہے ماں باپ اس کے فوت ہو گئے ہیں، غربت کی وجہ سے دیوانہ ہو گیا ہے۔ ازدشنوٗ قبیلے کا ایک آدمی تھا جس کا نام ضماد تھا۔ وہ پاگلوں اور دیوانوں کا علاج کرتا تھا۔ انسانی ہمدردی کے تحت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ کہنے لگا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدشنوٗ قبیلے کا نام سنا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے سنا ہے۔ کوئی ضماد نامی آدمی بھی سنا ہے جو دیوانوں کو دم کرتا ہے اور رب تعالیٰ شفا دیتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سنا ہے۔ کہنے لگا وہ فقیر میں ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محض انسانی ہمدردی کے تحت آیا ہوں کوئی فیس نہیں لینی میں آپ کو دم کر دوں گا لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيْكَ عَلٰى يَدِيْ مسلم شریف کی روایت ہے کہ "شاید اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے دے میرے ہاتھ پر۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا

دیکھو! ان لوگوں نے کتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا ہے کہ دور دراز تک میرے دیوانے ہونے کی تشہیر ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں دیوانہ نہیں ہوں۔ اس نے کہا پھر آپ ﷺ کیا کہتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کو دیوانہ کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا جو آپ حضرات جمعہ میں سنتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ اس کے بعد سورہ وَالسَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ پڑھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عربی اس کی مادری زبان تھی۔ جیسے جیسے آپ ﷺ پڑھتے جاتے تھے وہ روتا جاتا تھا۔ کہتا تھا یہ بندوں کا کلام نہیں ہے۔ میں خود شاعر ہوں، مقرر ہوں، میں سمجھتا ہوں یہ بندوں کا کلام نہیں ہے۔ ضماد آیا تھا تو کافر تھا گیا تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو کر، صحابی بن کر گیا۔

تو فرمایا آپ اپنے رب کے فضل سے فال نکالنے والے نہیں ہیں اور نہ آپ دیوانے ہیں۔ فرمایا ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ﴾ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ﴿نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾۔ ریب کا معنیٰ ہے گردش اور منون کا معنیٰ زمانہ بھی ہے اور موت بھی ہے۔ معنیٰ ہوگا ہم انتظار کرتے ہیں اس کے بارے میں زمانے کی گردش کا یا موت کی گردش کا۔ دونوں معنیٰ صحیح ہیں کہ مر جائے گا ہمارا پیچھا چھوٹ جائے گا یا زمانے کی گردش کا انتظار کرتے ہیں کہ زمانے کے ساتھ یہ پلٹ جائے اور اس طرح کے حالات نہ رہیں۔ تو آپ ﷺ کو شاعر بھی کہتے تھے۔ سورہ یٰسین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ "اور نہیں ہم نے سکھائی پیغمبر کو شعر و شاعری اور نہ ہی ان کے لائق تھی۔" کیوں؟ سورہ شعراء میں آتا ہے ﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ [آیت: ۲۲۶] "اور بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔" ہمارے دور کے بہت بڑے شاعر علامہ اقبال مرحوم ہیں۔ ایسے شاعر کہیں صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ وہ خود اقرار کرتے ہیں:

گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

گفتار کیسی تھی اور کردار کیسا تھا؟ اللہ تعالیٰ سب کو معافی دے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی شان یہ ہے کہ جو دل میں ہوتا ہے وہ زبان پر ہے۔ اور جو زبان پر ہے وہ عمل میں ہے۔ یہاں دو رنگی نہیں ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ۲۱] "البتہ تحقیق تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے۔" نماز میں، روزے میں، چلنے پھرنے میں، کھانے پینے میں، ہر ہر فعل اور ہر ہر حرکت میں تمھارے لیے مجسم نمونہ ہے۔

تو فرمایا کیا یہ کہتے ہیں شاعر ہے ہم انتظار کر رہے ہیں زمانے کی گردش کا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿تَرَبَّصُوْا﴾ تم انتظار کرو ﴿فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ﴾ پس بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ دیکھیں گے کون کامیاب ہوتا ہے۔ یہ سورت مکی ہے تھوڑے ہی عرصے کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس نے کافروں کی کمر توڑ کے رکھ دی۔ ستر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے اور جو میدان چھوڑ کر بھاگے وہ شرمندگی کی وجہ سے کئی کئی ماہ اپنے گھروں میں داخل نہیں ہوئے۔ جب گھروں کو گئے تو عورتیں شرم (عار) دلاتی تھیں اور کہتی تھیں اس ذلت سے تو بہتر تھا کہ تم بھی مر جاتے۔ تو فرمایا انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ﴾ کیا حکم کرتی ہیں ان کو ان کی عقلیں ایسی باتیں کرنے

کی۔ کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی کاہن کہتے ہیں، کبھی دیوانہ کہتے ہیں ﴿اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ﴾ یا یہ قوم سرکشی کرنے والی ہے۔ سرکشی کی بنیاد پر ایسی باتیں ان کے ذہن میں آتی ہیں ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ﴾ یا یہ کہتے ہیں کہ یہ نبی قرآن خود گھڑ کے لایا ہے ﴿بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے ﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ﴾ پس چاہیے کہ وہ لائیں کوئی بات قرآن پاک جیسی ﴿اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہیں وہ سچے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ان کو تین قسم کے چیلنج کیے ہیں۔

قرآن پاک کا چیلنج

پہلا چیلنج پندرہویں پارے میں مذکور ہے ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ "آپ فرما دیں اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے اس بات پر کہ وہ لائیں اس قرآن کے مثل ﴿لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ [سورہ بنی اسرائیل: ۸۸] نہیں لا سکیں گے اس کے مثل اگرچہ بعض ان کے بعض کے مددگار ہوں۔" اگر ایک آدمی بقول ان کے قرآن بنا سکتا ہے تو تمام انسان اور جنات مل کر کیوں نہیں بنا سکتے۔ اس موقع پر ان کو یہ چیلنج قبول کر کے کہنا چاہیے تھا کہ ہم لے آتے ہیں۔ کئی سال اس چیلنج کو گزر گئے چیلنج قبول نہ کر سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چیلنج میں کچھ چھوٹ (رعایت) دے دی۔ فرمایا ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ﴾ [ہود: ۱۳] "لاؤ اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئیں۔" یعنی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک سو چار سورتیں تمھیں معاف ہیں صرف دس سورتیں بنا لاؤ۔ پہلے چیلنج میں انسانوں اور جنوں کا ذکر تھا اس میں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا لفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جنوں، انسانوں، فرشتوں کو بھی ساتھ ملا لو۔ یہ چیلنج قبول کرنے کی بھی کسی نے ہمت نہ کی۔ آخر میں رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرہ: ۲۳] "اور اگر ہو تم شک میں اس چیز کے بارے میں جو ہم نے نازل کی ہے اپنے بندے پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پس لاؤ تم ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ تم اپنے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر ہو تم سچے۔" اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات اکٹھی ہو جائے قرآن کریم جیسی ایک چھوٹی سی سورت ہی لے آؤ۔ قرآن کریم کی سورتوں میں سے تین سورتیں سب سے چھوٹی ہیں۔ سورۃ العصر، سورۃ النصر اور سورۃ الکوثر۔ ان تین آیات والی سورتوں جتنی کوئی چھوٹی سی سورت ہی لے آؤ۔ اور ساتھ ہی فرما دیا ﴿وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ "اور تم ہرگز نہیں لا سکو گے۔" آج تک صدیاں گزر گئی ہیں کوئی چھوٹی سی سورت نہیں لا سکا اور نہ لا سکے گا قیامت تک۔ لیکن شوشے چھوڑنے سے کوئی باز نہیں آتا۔ جھوٹے سے جھوٹا آدمی بھی خاموش ہو جائے اس کا کبھی تصور بھی نہ کرنا۔

بلکہ جھوٹا زیادہ باتیں کرتا ہے۔ ہار ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ مشہور کہاوت ہے: "کیا پدی، کیا پدی کا شوربا۔"

یہ پدی روڑی (کوڑا کرکٹ کے ڈھیر) پر پھر رہی تھی وہاں دھاگے تھے ان میں اس کے پاؤں پھنس گئے۔ اڑتی ہے پھڑ پھڑا کر گر جاتی ہے۔ کوے نے دیکھا خالہ پھنس ہوئی ہے اس کو چھڑا دوں۔ آ کر اس نے پوچھا کیا ہوا ہے؟ کہنے لگی زمین تول رہی ہوں۔ پدی زمین کو تول رہی ہے۔ اندازہ لگاؤ! خاموش تو پدی بھی نہ رہی۔ تو دنیا میں خاموش کوئی نہیں رہتا۔ باطل سے باطل

فرقے والا بھی کبھی خاموش نہیں رہے گا۔مگر سمجھ دار لوگ باتوں سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے۔

تو فرمایا پس چاہیے کہ لائیں وہ کوئی بات اس قرآن جیسی اگر وہ سچے ہیں ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ﴾ یہاں شے کا لفظ خالق پر بولا گیا ہے۔کیا وہ پیدا کیے گئے ہیں خالق کے بغیر۔اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا نہیں کیا ﴿اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔خود خالق بنتے پھرتے ہیں ﴿اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ یا انھوں نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ﴾ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے کسی چیز کا۔نہ ایمان کا، نہ توحید کا، نہ رسالت کا، نہ قیامت کا۔الٹا کہتے تھے ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ [زخرف:۳۱] "کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں میں سے۔" مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ بڑا مال دار آدمی ہے اس پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ طائف میں عروہ بن مسعودؓ ثقفی بڑا سردار تھا اس پر کیوں نہیں اُتارا گیا۔قرآن کے لیے یہ یتیم ہی رہ گیا تھا۔رب کو یہ یتیم ہی ملا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ﴾ کیا ان کے پاس ہیں آپ کے رب کے خزانے کہ وہ جس کو چاہیں نبوت دیں اور جس پر چاہیں قرآن نازل کریں ﴿اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ﴾ یا وہ داروغے لگے ہوئے ہیں کہ اس طرح کی تنقید کرتے ہیں ﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ﴾۔سُلَّمٌ کا معنیٰ ہے سیڑھی۔یا ان کے پاس سیڑھی ہے ﴿یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ﴾ جس پر چڑھ کر سنتے ہیں رب تعالیٰ کی باتیں کہ ان کو پیغمبر کی ضرورت نہیں ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ پیغمبر ہیں۔رب تعالیٰ پیغمبر کو احکام دیتے ہیں وہ مخلوق تک پہنچاتا ہے۔اگر ایسی بات ہے کہ ان کے پاس سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر خود سنتے ہیں ﴿فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ﴾ پس چاہیے کہ لائے ان کا سننے والا ﴿بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ کوئی کھلی دلیل۔اس بات پر واضح دلیل پیش کرے کہ دیکھو! یہ سیڑھی میرے پاس ہے اس پر چڑھ کر میں عرش تک جاتا ہوں اور رب تعالیٰ کے حکم میں خود سنتا ہوں، فرشتوں کو دیکھتا ہوں۔محض شوشے چھوڑنے سے کچھ نہیں بنتا۔

پھر بہت سی قومیں تھیں جن میں عرب کے مشرک بھی تھے جو کہتے تھے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اسی لیے پردے میں رہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ﴾ کیا رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمھارے لیے بیٹے ہیں۔کیسی تقسیم ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے پسند کرتے ہیں۔

سورۃ النحل آیت نمبر ۵۸ میں ہے ﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی﴾ "اور جب خوش خبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی کی ﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ﴾ ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ اور اس کا دل گھٹنے لگ جاتا ہے۔" بلکہ بعض ایسے تھے جو گھر سے بھاگ جاتے تھے کہ لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔

ایک تاریخی واقعہ

تاریخی واقعہ ہے کہ ابوحمزہ ایک چودھری تھا جو بڑا مال دار اور خوب صورت جوان تھا۔ڈیرا اس کا ہر وقت آباد رہتا تھا، مجلس لگی رہتی تھی۔لوگوں کو شراب کباب کھلاتا پلاتا رہتا تھا۔چنانچہ ایک دن مجلس لگی ہوئی تھی کہ لونڈی نے آکر کان میں کہا آپ

کے ہاں لڑکی ہوئی ہے۔ جب اس نے یہ سنا تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا، مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا اور پھر واپس گھر نہیں آیا۔ اس کی بیوی نے قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

مَا لِأَبِیْ حَمْزَةَ لَا يَأْتِيْنَا يَظَلُّ فِي الْبَيْتِ الَّذِيْ يَلِيْنَا
غَضْبَانَ أَن لَّا نَلِدَ الْبَنِيْنَا تَاللّٰهِ مَاذَاكَ فِيْ أَيْدِيْنَا
فَنَحْنُ كَزَّرْعٍ لِزَارِعِيْنَ نُنْبِتُ مَا قَدْ زَرَعُوْهُ فِيْنَا

"میرے خاوند کو کیا ہو گیا ہے میرا کیا قصور ہے۔ ہمارے اختیار میں کیا ہے؟ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو رب تعالیٰ نے پیدا کی ہے یا میں نے پیدا کی ہے؟ ہم تو ایسے ہی ہیں جیسے کھیتی ہوتی ہے کھیتی کرنے والوں کے لیے۔ ہم تو وہی کچھ اگائیں گی جو بیج ہمارے اندر ڈالا جائے گا۔"

اوظالمو! اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہو اور رب تعالیٰ کے لیے لڑکیاں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی بات تمھاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ یہ آپ کی بات کیوں نہیں سنتے اور سمجھتے؟ ﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا﴾ کیا آپ ان سے سوال کرتے ہیں کسی معاوضے کا کہ ان کو خطرہ ہو کہ ہمارے اُوپر بوجھ ڈالے گا ہم سے چندہ مانگے گا کیا اس لیے بھاگتے ہیں؟ ﴿فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴾ پس وہ اس تاوان کی وجہ سے بوجھ کے نیچے ڈالے ہوئے ہیں، بوجھ کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے محض ضدی لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ ضد سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ حق سمجھنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ پس وہ اس کو لکھتے ہیں ﴿اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا﴾ کیا وہ ارادہ کرتے ہیں تدبیر کا ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ﴾ وہی آتے ہیں تدبیر میں ﴿اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ﴾ کیا ان کے لیے کوئی الٰہ ہے ﴿غَيْرُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿عَمَّا﴾ ان چیزوں سے ﴿يُشْرِكُوْنَ﴾ جن کو یہ لوگ شریک بناتے ہیں ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا﴾ اور اگر یہ دیکھیں کوئی ٹکڑا ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿سَاقِطًا﴾ گرتا ہوا ﴿يَّقُوْلُوْا﴾ کہیں گے ﴿سَحَابٌ﴾ یہ بادل ہے ﴿مَّرْكُوْمٌ﴾ گہرا ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿حَتّٰى يُلٰقُوْا﴾ یہاں تک کہ ملیں ﴿يَوْمَهُمُ الَّذِيْ﴾ اپنے اس دن سے ﴿فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ﴾ جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے ﴿يَوْمَ﴾ جس دن ﴿لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ﴾ نہیں کفایت کرے گی ﴿كَيْدُهُمْ﴾ ان کی تدبیر ﴿شَيْئًا﴾ کچھ بھی ﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے لیے ﴿ظَلَمُوْا﴾ جو ظالم ہیں ﴿عَذَابًا﴾ عذاب ہے

﴿دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اس سے پہلے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ﴾ لیکن اکثر ان کے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور آپ صبر کریں ﴿لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کے حکم سے ﴿فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ پس بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کی ﴿حِيْنَ تَقُوْمُ﴾ جس وقت آپ اُٹھتے ہیں ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کو ﴿فَسَبِّحْهُ﴾ پس اس کی تسبیح بیان کریں ﴿وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ اور ستاروں کے پشت پھیرنے کے بعد تسبیح بیان کریں۔

عالم الغیب اور انباء الغیب کا فرق

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ آسمانوں اور زمینوں کا ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ یہ صفت صرف پروردگار کی ہے۔ سورۃ نحل آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔" اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور ایک ہیں غیب کی خبریں۔ غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بتلائی ہیں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔ سب سے زیادہ خبریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بتلائی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ تمام صفات میں تمام مخلوق سے بڑھ کر ہیں۔ چنانچہ آل عمران آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ "یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" اور سورۃ ہود آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ﴾ "یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔"

انبیائے کرام علیہم السلام نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ غائب کی خبریں ہیں غیب نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے سے پہلے کے واقعات بھی بیان فرمائے اور اپنے بعد قیامت تک آنے والے اہم اہم واقعات بیان فرمائے۔ فرمایا یاجوج ماجوج چھوڑے جائیں گے، دجال نکلے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور کا ہوگا، مہدی آئیں گے۔ بے شمار زلزلے آئیں گے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ قبر میں نیک آدمی کے ساتھ کیا ہوتا ہے، بُرے کے ساتھ کیا ہوتا ہے، میدان محشر میں کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی، پل صراط سے گزرنا ہے، جنت میں کیا ہوگا، دوزخ میں کیا ہوگا۔ ہمیں تو کسی چیز کا علم نہیں تھا یہ ساری باتیں اجمالی طور پر آپ ﷺ نے ہمیں بتلائی ہیں۔ یہ سب کی سب غیب کی خبریں ہیں جو پیغمبروں ہی نے بتلائی ہیں۔ ان چیزوں میں مخلوق عالم اسباب میں پیغمبر کی محتاج ہے۔ پیغمبر ہی بتلائے گا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے۔ جو لوگ آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں کیا ان کے پاس غیب ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ پس وہ اس کو لکھتے ہیں وہاں سے دیکھ کر کہ پہلے کیا ہوا اور آئندہ کیا ہوگا، قبر، حشر میں کیا ہوگا، جنت، دوزخ کے حالات کیا ہیں۔ یہ چیزیں انھوں نے از خود حاصل کر لی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ساری چیزیں پیغمبروں نے بتلائی ہیں اور ان چیزوں میں ہم ان کے محتاج ہیں۔ یہ ضرورت نبوت کی دلیل ہے۔ پیغمبر کے بغیر مسئلہ حل

نہیں ہو سکتا کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ رب تعالیٰ کس چیز سے راضی ہے اور کس چیز سے ناراض ہے۔ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ نیکی ہے، یہ بدی ہے۔ اس جہان کی باتیں، اگلے جہان کی باتیں، یہ سب غیب کی خبریں ہیں اور پیغمبروں نے بتلائی ہیں۔ ان کے پاس کون سا غیب ہے کہ وہاں سے دیکھ کر ان کو ان چیزوں کا علم ہو گیا ہے ﴿اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا﴾ کیا یہ ارادہ کرتے ہیں کسی تدبیر کا ﴿فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھُمُ الْمَکِیْدُوْنَ﴾ پس وہ لوگ جو کافر ہیں وہی اپنی تدبیر میں پھنسیں گے۔

دارالندوہ میں ایک اہم میٹنگ

اس سے مراد وہ تدبیر ہے جو ہجرت سے پہلے انھوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق دارالندوہ میں کی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا ادارا تھا جہاں بیٹھ کر یہ لوگ گپیں مارتے تھے۔ یہ مسجد حرام کے قریب ہی تھا مگر اب وہ مسجد حرام میں شامل ہو گیا ہے۔ کیونکہ مسجد حرام کی توسیع کر لی گئی ہے۔ اس وقت چند خاندان تھے انھوں نے جو بھی بات کرنا ہوتی تھی دارالندوہ میں کرتے تھے۔

چنانچہ ابو جہل، عتبہ، اور ولید وغیرہ نے مشورہ کیا کہ محمد ﷺ کی تبلیغ روز بہ روز بڑھتی چلی جا رہی ہے ہم نے ان کو مارا بھی ہے ان کے ساتھی زخمی بھی کیے، شہید بھی کیے، تین سال تک نظر بند بھی کیا لیکن اس کے پروگرام میں کمی نہیں ہوئی۔ ہم نے اب آخری فیصلہ کرنا ہے۔ چنانچہ تمام خاندانوں کے سربراہوں کی میٹنگ بلائی گئی۔ چوکیدار کو سرداروں کے نام لکھ کر دیئے کہ ان کے سوا اندر کوئی نہ آئے۔ جب سارے اکٹھے ہو گئے ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ ایک بزرگ شخصیت آئی وہ مقامی نہیں تھا۔ چوکیدار نے اندر جا کر بتلایا کہ ایک بزرگ بڑی عمدہ شکل وصورت کا آیا ہے یہاں کا معلوم نہیں ہوتا اندر آنا چاہتا ہے اس کو آنے دوں یا نہیں؟ انھوں نے کہا کہ اس کو پوچھو تم کہاں سے آئے ہو۔ چوکیدار نے پوچھ کر بتلایا کہ وہ نجد سے آیا ہے نجد مکہ مکرمہ سے کافی دور ہے انھوں نے کہا کہ اس کو اندر آنے دو۔ وہ بھی آکر ممبر کی حیثیت سے بیٹھ گیا۔ یہ آنے والا ابلیس لعین تھا جو بزرگ کی شکل بنا کر آیا تھا۔ ایجنڈے کے مطابق گفتگو شروع ہوئی۔ کہنے لگے کہ ہم سب اپنا پورا زور لگا چکے ہیں لیکن اس کے مشن میں کمی نہیں آئی ہم سب اکتائے ہیں۔ آج ہم نے تم سب کو بلایا ہے کوئی فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اس کو کس طرح ختم کر سکتے ہیں۔ ایک آدمی نے اٹھ کر کہا کہ اس کو نظر بند کر دو۔ نہ اُس کو کوئی ملے اور نہ وہ کسی کو۔ کچھ لوگوں نے اس کی تائید کی۔ ابو جہل نے اٹھ کر کہا مشہور مقولہ ہے:

مَنْ جَرَّبَ المجرّبَ فقد حلت به الندامة

"جو آدمی تجربہ شدہ بات کا تجربہ کرتا ہے وہ شرمندہ ہوتا ہے۔"

ایک بات کا دوبارہ تجربہ نہیں کرنا چاہیے۔ سو تین سال تک ہم نے ان کو شعب ابی طالب میں قید کیا ہر طرح سے پہرہ دیا رات کو بھی اور دن کو بھی۔ لیکن ان دنوں میں بھی لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت انہی دنوں میں مسلمان ہوئی۔ لہٰذا ایک چیز کا بار بار تجربہ نہیں کرنا چاہیے۔ محرک نے کہا کہ میں اپنی تجویز واپس لیتا ہوں۔

دوسرا اٹھا اس نے کہا اس کو جلاوطن کر دو نہ تم اس کو دیکھو اور نہ وہ تم کو دیکھے۔ ایک دو نے اس کی بھی تائید کی۔ ابو جہل نے کھڑے ہو کر کہا تمہاری تجویز بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ تم جانتے ہو اس کی زبان اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ "شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہے۔" تیرہ سال ہم نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے مگر روک نہیں سکے۔ وہ جس علاقے میں بھی جائے گا ہماری طرح کا مقابلہ بھی کوئی نہیں کرے گا وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر جماعت تیار کر لے گا اور تم پر حملہ کر کے تمھیں کچل دے گا اور تمہارے مظالم کا جواب دے گا۔ تو اس تجویز کے محرک نے کہا کہ میں اپنی تجویز واپس لیتا ہوں۔

اب تیسرا اٹھا اس نے کہا پھر ایک ہی صورت باقی بچی ہے کہ اس کو قتل کر دو۔ وہ نجد سے جو بزرگ مہمان آیا تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی یہی رائے مناسب لگتی ہے۔ سب نے اس رائے کی تائید کی اور قتل کے لیے آدمی منتخب کر لیے گئے۔ رات بھی مقرر ہوگئی، وقت بھی مقرر ہو گیا۔ ان لوگوں نے جب آپ ا کے گھر کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند مسلط کر دی۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سروں پر مٹی ڈال کر تشریف لے گئے۔ جس کو رب رکھے اس کو کون چکھے۔ بلکہ تھوڑے سے عرصہ کے بعد یہ سب مشورہ کرنے والے بدر کے میدان میں ذلت کی موت مرے۔ اس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ ارادہ کرتے ہیں تدبیر کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا جائے اور دین اس طرح مٹ جائے۔ پس وہ لوگ جو کافر ہیں وہی آتے ہیں تدبیر میں۔ وہ خود تدبیر کا شکار ہوں گے۔

فرمایا ﴿اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے، معبود ہے، نذر و نیاز کے لائق ہے، مشکل کشا اور حاجت روا ہے؟ ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ شریک بناتے ہیں۔

حلال و حرام کا اختیار صرف رب تعالیٰ کو ہے

خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ ابو جہل کی لڑکی جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم جویریہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو۔ کہنے لگے ہاں حضرت! ارادہ تو ہے۔ فرمایا سن لو! لَسْتُ مُحَرِّمًا حَلَالًا وَّلَا اُحِلُّ حَرَامًا "میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔" میں اس کا مجاز نہیں ہوں یہ رب تعالیٰ کا کام ہے۔ اس کے ساتھ نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ میری بیٹی کا مزاج اور ہے اور اس کی بیٹی کا مزاج اور ہے۔ میری بیٹی اس کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو تو میری بیٹی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ ان کے بعد متعدد عورتوں سے نکاح کیے۔ اکیس لڑکے اور انیس لڑکیاں ہوئیں۔ حرام، حلال کا اختیار صرف رب تعالیٰ کو ہے۔ کون اس سے پوچھ

سکتا ہے کہ چھوٹا سا بٹیر حلال کیا ہے جو ایک لقمہ بنتا ہے اور اتنا بڑا ہاتھی حرام کیا ہے جس کو پورا قصبہ کھا سکتا ہے؟

تو اللہ تعالیٰ پاک ہے شریکوں سے۔ اس کے سوا نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ مشکل کشا ہے، نہ کوئی قانون ساز ہے مگر یہ مشرک اتنے ضدی ہیں ﴿وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا﴾ اور اگر یہ دیکھیں کوئی ٹکڑا آسمان کی طرف سے گرتا ہوا۔ اگر ان پر عذاب کا کوئی ٹکڑا آسمان کی طرف سے گرے اور ان سے کہا جائے کہ یہ عذاب تم پر آ رہا ہے تو ﴿یَّقُوْلُوْا﴾ کہیں گے ﴿سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ﴾ یہ بادل ہے گہرا۔ اتنے ضدی ہیں کہ ماننے کے قریب نہیں آتے ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ﴾ یہاں تک کہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس دن میں یہ بے ہوش کیے جائیں گے، قیامت کے دن ﴿فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ [الزمر: ۶۸] "پس بے ہوش ہو جائے گا جو ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں مگر وہ جس کو اللہ چاہے۔" سب پر بے ہوشی طاری ہوگی سوائے موسیٰ علیہ السلام کے۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جب ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہوشی سے مستثنیٰ کیا ہے یا طور کے اوپر ان کو جو بے ہوشی ہوئی تھی اس کے بدلے میں بے ہوش نہیں ہوئے۔ فرمایا اس دن کا انتظار کریں ﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا﴾ جس دن ان کو کفایت نہیں کرے گی ان کی کید ان کو کچھ بھی، کتنی بھی تدبیریں کریں وہ وقت نہیں ٹلے گا ﴿وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿وَ اِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور بے شک ان لوگوں کے لیے جو ظالم ہیں عذاب ہے اس عذاب سے پہلے۔ کبھی شکست، کبھی قحط سالی، کبھی بیماری، کبھی کسی طرح کا عذاب ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ﴿وَ اصْبِرْ﴾ اور آپ صبر کریں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ان کی حرکتوں پر، ان کی باتوں پر ﴿لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کے حکم کی خاطر ﴿فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا﴾ پس بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ہماری نگرانی میں ہیں یہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ پڑھیں ﴿حِیْنَ تَقُوْمُ﴾ جس وقت آپ اٹھتے ہیں۔

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اٹھتے ہیں نیند سے۔ تو اس وقت پڑھیں الحمد للہ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھیں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ تبلیغ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو پہلے خطبہ پڑھیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ۔ بعض فرماتے ہیں کہ جس وقت مجلس سے اٹھیں تو اس وقت پڑھیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْكَ۔ میں کہتا ہوں ساری باتیں صحیح ہیں۔ ﴿وَ مِنَ الَّیْلِ﴾ اور رات کو بھی ﴿فَسَبِّحْهُ﴾ پس تسبیح بیان کریں رب تعالیٰ کی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ "اللہ تعالیٰ کو یہ کلام بہت پیارا ہے۔" اور بخاری شریف میں روایت ہے چار کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ واللهُ اکبر۔ تیسرے کلمے کا ورد ہر وقت رکھو یا کم از کم دوسو مرتبہ روزانہ پڑھو اور دوسو مرتبہ استغفار پڑھو اور دوسو مرتبہ درود شریف پڑھو۔ اس کے لیے وضو کی بھی شرط نہیں ہے۔ عورتیں جن دنوں میں نماز نہیں پڑھ سکتیں ان دنوں میں بھی پڑھیں کوئی پابندی نہیں ہے۔ اٹھتے بیٹھتے پڑھو، گھر میں پڑھو، دکان اور دفتر میں پڑھو ﴿وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾ اور ستاروں کے پشت پھیرنے کے بعد۔ صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے ستارے نظر نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اور طلوع آفتاب تک ذکر واذکار میں رہے اس کو مکمل حج وعمرے کا ثواب ملتا ہے بغیر کسی کمی کے۔

مثال کے طور پر نماز باجماعت پڑھ کر درس سنو۔ اس کے مقابلے میں تم چوبیس گھنٹے عبادت کرو تو اس درس کا ثواب زیادہ ہے۔ بعض لوگ درس کے دوران میں تسبیح پھیرتے رہتے ہیں۔ یہ بڑی غلطی اور نادانی کی بات ہے۔ درس بالکل خاموشی کے ساتھ سنو۔ یہ بہت بڑی عبادت ہے۔ تو فرمایا ستاروں کے پشت پھیرنے کے وقت تسبیح کرو۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کثرت سے کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ النَّجۡمِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

(۲۷)

آیاتھا ۶۲ (۵۳) سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (۲۳) رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿وَالنَّجْمِ﴾ اور قسم ہے ستارے کی ﴿إِذَا هَوٰى﴾ جب وہ گرا ﴿مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ نہیں بہکا تمھارا ساتھی ﴿وَمَا غَوٰى﴾ اور نہ وہ بے راہ ہوا ﴿وَمَا يَنْطِقُ﴾ اور نہیں بولتا وہ ﴿عَنِ الْهَوٰى﴾ اپنی خواہش سے ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ﴾ نہیں ہے وہ مگر وحی ﴿يُوْحٰى﴾ جو وحی کی جاتی ہے ﴿عَلَّمَهٗ﴾ تعلیم دی اس کو ﴿شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ سخت قوتوں والے نے ﴿ذُوْمِرَّةٍ﴾ جو طاقت والا ہے ﴿فَاسْتَوٰى﴾ پس وہ سیدھا ہوا ﴿وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى﴾ اور وہ بلند کنارے پر تھا ﴿ثُمَّ دَنَا﴾ پھر وہ قریب ہوا ﴿فَتَدَلّٰى﴾ پس اور قریب ہوا ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ پس ہوا اندازہ دو کمانوں کا ﴿أَوْ أَدْنٰى﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب ﴿فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ﴾ پس اس نے وحی کی اپنے بندے کی طرف ﴿مَا أَوْحٰى﴾ جو وحی کی ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ﴾ نہیں جھٹلایا دل نے ﴿مَا رَاٰى﴾ جو کچھ اس نے دیکھا ﴿أَفَتُمٰرُوْنَهٗ﴾ کیا پس تم اس کے ساتھ جھگڑا کرتے ہو ﴿عَلٰى مَا يَرٰى﴾ ان چیزوں پر جو اس نے دیکھی ہیں ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ﴾ اور البتہ تحقیق پیغمبر نے دیکھا اس کو ﴿نَزْلَةً أُخْرٰى﴾ ایک اور دفعہ بھی ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى﴾ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ﴾ جس وقت ڈھانپ لیا بیری کے درخت کو ﴿مَا يَغْشٰى﴾ جس چیز نے ڈھانپ لیا ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ نہیں ٹیڑھی ہوئی نگاہ ﴿وَمَا طَغٰى﴾ اور نہ آگے بڑھی ﴿لَقَدْ رَاٰى﴾ البتہ تحقیق دیکھی اس نے ﴿مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ اپنے رب کی بڑی نشانیاں۔

تعارفِ سورت

اس سورت کا نام نجم ہے اور نجم کا لفظ پہلی آیت کریمہ ہی میں موجود ہے۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے بائیس [۲۲] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا تیئیسواں [۲۳] نمبر ہے۔ اس کے تین [۳] رکوع اور باسٹھ [۶۲] آیتیں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قسم اٹھاتے ہیں ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى﴾ اور قسم ہے ستارے کی جب وہ گر گیا۔ مراد ہے غروب ہو گیا۔ ہمارے تمھارے لیے قانون یہ ہے کہ ہم غیر اللہ کی قسم نہیں اُٹھا سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ

اَشْرَكَ بِاللهِ۔ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔ ہم نہ ستارے کی قسم اٹھا سکتے ہیں، نہ چاند کی، نہ سورج کی، نہ نبی کی، نہ ولی کی، نہ کعبے کی، جو بھی غیر اللہ ہے اس کی قسم اٹھانا ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔ یہ قانون مخلوق کے لیے ہے خالق کے لیے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر مخلوق والا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ ہم کسی چیز کو حلال، حرام نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں حلال اور بے شمار چیزیں حرام کی ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو نہیں مار سکتے رب تعالیٰ روزانہ ہزاروں کو مارتا ہے اسے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ لہٰذا رب تعالیٰ کی ذات کو اپنے اُوپر اور اپنے آپ کو رب تعالیٰ کی ذات پر قیاس نہ کرو۔ تو فرمایا قسم ہے ستارے کی۔ یہ کون سا ستارہ ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہکشاں مراد ہے۔ یہ اکٹھے ستارے ہوتے ہیں جس کو ثریا کہتے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کُلُّ نَجْمٍ فِی السَّمَآءِ "آسمان میں جتنے بھی ستارے ہیں سب کی قسم ہے۔"

بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں چاند مراد ہے کہ چاند کی روشنی بہ نسبت دوسرے ستاروں کے زیادہ ہوتی ہے۔ امام اخفش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نجم سے زمین کے پودے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں قسم ہے ستارے کی جب وہ چلتے چلتے غروب ہو جائے ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ﴾ نہیں بہکا تمھارا ساتھی غلطی سے۔ ساتھی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ﴿وَمَا غَوٰى﴾ اور نہ وہ بے راہ ہوا۔ دیدہ ودانستہ غلط راستے پر چلنے کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی غلط فہمی کا شکار ہو کر غلط راستے پر چل پڑے۔ دوسرا یہ کہ قصداً غلط راستے پر چلے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی نفی فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو غلط فہمی کا شکار ہو کر غلط راستے پر چلے ہیں اور نہ دیدہ ودانستہ طور پر۔ جو راستہ رب تعالیٰ نے متعین کیا ہے اس پر چلے ہیں۔

اس بات کے ساتھ ستارے کی کیا مناسبت ہے کہ رب تعالیٰ نے ستارے کی قسم اُٹھا کر یہ بات بیان فرمائی ہے؟ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جس طرح ستارہ طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے تک لائن نہیں چھوڑتا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے راستے پر ہیں دائیں بائیں نہیں ہوتے۔ اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ ستارے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ثوابت، جو اپنی جگہ ٹکے رہتے ہیں، اپنی جگہ سے ہلتے نہیں ہیں۔ اور دوسرے سیارات ہیں جو چلتے ہیں اور بے شمار ایسے ستارے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کسی کا راستہ مشرق سے مغرب کی طرف ہے اور کسی کا مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ کسی کا شمال سے جنوب اور کسی کا جنوب سے شمال کی طرف ہے۔ اور ان کی تیز رفتاری ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ لیکن آج تک کسی نے نہیں سنا کہ تارہ، ستارے کے ساتھ ٹکرایا ہو۔ جب کہ ہوائی جہاز اور بحری جہاز ٹکراتے رہتے ہیں، گاڑیاں ٹکراتی ہیں، بندے ٹکراتے ہیں مگر وہ رب تعالیٰ کا نظام ہے۔ تو جس طرح ستارہ اپنی لائن نہیں چھوڑتا اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے راستے سے نہیں ہٹتے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ اور وہ نہیں بولتا اپنی خواہش سے۔ یعنی جو بات زبان سے نکلتی ہے اس میں خواہش نفسانی کا دخل نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر کبھی اجتہادی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تنبیہ فرما دیتے ہیں اس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ تو رائے میں غلطی لگ سکتی ہے۔

واقعہ تابیر نخل

چنانچہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ زراعت پیشہ تھے۔ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا کہ نر کھجوروں کا بور امادہ کھجور پر ڈال رہے ہیں۔اس کو وہ تابیر نخل کہتے تھے اور اس سے پھل زیادہ ہوتا تھا۔کھجوروں میں نر بھی ہوتے ہیں مادہ بھی ہوتے ہیں۔اور علم نباتات والوں نے ثابت کیا ہے کہ ہر پودے میں نر مادہ ہوتے ہیں۔

تو خیر آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ تو ساتھیوں نے بتلایا کہ تابیر نخل کر رہے ہیں۔نر کھجور کا پھل لے کر مادہ کھجور پر چھڑک دیتے ہیں۔اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فصل بڑی اچھی ہوتی ہے۔فرمایا اس کو چھوڑ دو۔اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی دے سکتا ہے۔آپ ﷺ کا حکم تھا انھوں نے چھوڑ دیا۔اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس سال فصلیں بہت کم ہوئیں۔مثلاً: اگر کسی کی بیس من کھجوریں ہوتی تھیں تو اس کو چار من ملیں۔آنحضرت ﷺ کو بتلایا کہ حضرت! ہم نے آپ ﷺ کے حکم پر تابیر نخل چھوڑ دی تھی فصلیں کم ہوئی ہیں۔اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ أُخْطِئُ وَ اُصِیْبُ "میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں میری رائے غلط بھی ہوسکتی ہے اور صحیح بھی ہوسکتی ہے اِذَا اَمَرْتُکُمْ شَیْءٌ مِنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْهُ جب میں تمھیں کوئی دین کی بات بتلاؤں تو اس کو ضرور لے لیا کرو کیوں کہ وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جب میں تمھیں کوئی دنیا کی بات کہوں تو (اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ) دنیا کے معاملات تم بہتر سمجھتے ہو۔" یعنی جب میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔مگر آپ ﷺ نے جو رائے دی تھی اس میں کوئی نفس کی خواہش نہیں تھی بلکہ ہمدردی تھی کہ کیا ضرورت ہے اس مشقت کی کہ ایک درخت پر چڑھو، اُترو پھر دوسرے پر چڑھو، اُترو۔

اسی طرح بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو آپ ﷺ کی رائے تھی وہ ان کے حق میں مفید تھی اس میں نفس کی خواہش نہیں تھی۔تو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ نہیں ہوتی وہ بات مگر وحی جو وحی کی جاتی ہے ﴿عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی﴾ تعلیم دی تمھارے اس ساتھی محمد ﷺ کو سخت قوتوں والے نے ﴿ذُوْمِرَّةٍ﴾ جو بڑی طاقت والا ہے۔اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو الٹنے کا تو انھوں نے ایک پَر پر اُٹھا کر الٹ کر پھینک دیں۔جو بستیاں میلوں پر پھیلی ہوئی تھیں اور جبرئیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چھ سو پر عطا فرمائے ہیں۔تو وہ کتنی طاقت والا ہے؟

تو فرمایا تعلیم دی اس کو سخت قوت والے نے ﴿ذُوْمِرَّةٍ﴾ جو طاقت والا ہے ﴿فَاسْتَوٰی﴾ پس وہ سیدھا ہوا ﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی﴾ اور وہ بلند کنارے پر تھا ﴿ثُمَّ دَنَا﴾ پھر وہ قریب ہوا ﴿فَتَدَلّٰی﴾ پس اور قریب ہوا ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ﴾ پس اندازہ تھا دو کمانوں کا ﴿اَوْ اَدْنٰی﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب۔آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اصلی شکل میں ساری زندگی

میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں تھے جو جبلِ نور پر ہے، جبریل علیہ السلام نے آسمان کے سارے کنارے کو گھیرا ہوا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج والی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جبریل علیہ السلام کو اپنی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ جتنی دفعہ تشریف لائے ہیں یا تو اندر ہی اندر دل پر گھنٹی کی طرح آواز ہوتی تھی نظر نہیں آتے تھے یا کسی دیہاتی کی شکل میں۔ اکثر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی دیکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دیکھتے تھے۔

معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات

قریب ہونے کو آپ اس تناظر میں سمجھیں کہ زمانہ جاہلیت میں لڑائی کے ہتھیار تیر، کمان، تلوار یا نیزہ ہوتے تھے۔ اگر دشمن دور ہوتا تو تیر سے وار کرتے تھے، دو چار قدم پر ہوتا تو نیزہ استعمال ہوتا اور دست بہ دست لڑائی تلوار سے ہوتی تھی۔ اگر دو آدمی آپس میں دوستی کا حلف لیتے تو دونوں اپنی کمانوں کو برابر رکھ کر جوڑتے تھے کہ میں تمھارا دوست ہوں اور تم میرے دوست ہو۔ اگر تمھارے ساتھ کوئی لڑا تو میں تمھارے ساتھ ہوں گا اور میرے ساتھ کوئی لڑا تو تم میری طرف سے لڑو گے۔ تو فرمایا جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے قریب ہوئے جیسے دو کمانوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر اور زیادہ اس سے قریب ہوئے ﴿فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی﴾ پس اس نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ایک گروہ یہ مطلب بیان کرتا ہے کہ وحی کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے جبریل علیہ السلام کی طرف جو انھوں نے وحی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا۔ جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ یہ وحی جبریل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور تین چیزیں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائیں۔

① ...... پچاس نمازیں جو بعد میں پانچ رہ گئیں۔

② ...... سورۃ بقرہ کی آخری آیات ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے لے کر آخر تک۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص رات کو یہ آیتیں پڑھے یہ آیات اس کے لیے کافی ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ اگر عادت ہے تہجد کی مگر کسی دن نہیں اُٹھ سکا۔ اگر یہ آیتیں پڑھ کر سویا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ تہجد کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو چور، ڈاکو، دشمن اور شیطان سے محفوظ رکھے گا۔

③ ...... تیسری یہ بشارت ملی کہ تمھاری اُمت میں سے اس شخص کی مغفرت کر دوں گا جو اس حالت میں مرا کہ اس نے میرے

ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

تو فرمایا پس وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ نہیں جھٹلایا دل نے اس چیز کو جس کو دیکھا یعنی نہیں غلطی کھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے جو کچھ اس نے دیکھا۔ معراج کی رات جو کچھ دیکھا اس میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ پہلا آسمان، دوسرا آسمان، تیسرا آسمان، چوتھا آسمان، پانچواں، چھٹا، ساتواں آسمان، عرش بھی دیکھا، جنت بھی دیکھی، دوزخ بھی دیکھا، جو کچھ بھی دیکھا صحیح طور پر دیکھا غلطی نہیں کھائی ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى﴾ کیا پس تم اس کے ساتھ جھگڑا کرتے ہو ان چیزوں پر جو اس نے دیکھی ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھا حضرت! اِلْتَمَسْتُكَ عَلٰى فِرَاشِكَ فَلَمْ اَجِدْكَ "حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کی کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی ویسے دروازہ بند تھا میں نے دروازہ کھول کر چارپائی پر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معراج پر لے گیا تھا۔ پھر سارا واقعہ سنایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی قیل وقال کے کہا اٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ "مشرکین کو جب خبر پہنچی تو ان کے لیے یہ بات بڑی انوکھی اور نرالی تھی۔" کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہم یہاں سے اُونٹوں پر چلتے ہیں دو، دو مہینے لگ جاتے ہیں مسجد اقصیٰ پہنچنے میں اور یہ کہتا ہے کہ میں رات کو وہاں بھی گیا پھر آسمانوں پر گیا۔ اُوپر جانے والی بات چھوڑ دو ہمیں مسجد اقصیٰ کی چیزوں کے متعلق بتلائے۔ ان لوگوں کے حافظے بڑے تیز ہوتے تھے۔ علامتیں انھوں نے یاد کر رکھی تھیں۔ امتحان لینے کے لیے آ گئے۔ کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہتے ہیں میں مسجد اقصیٰ گیا ہوں ہمیں بتلاؤ کہ مسجد اقصیٰ کے بڑے مینار کتنے ہیں اور چھوٹے مینار کتنے ہیں؟ سنگ یشب کے ستون کتنے ہیں اور سنگ مرمر کے کتنے ہیں، سنگ عقیق کے کتنے ہیں۔ فرمایا وہ نشانیاں پوچھیں جو مجھے یاد نہیں تھیں (اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نشانیاں یاد کرنے کے لیے گئے تھے۔ مرتب)

مثلاً: دیکھو! اس مسجد کا سنگ بنیاد میں نے اپنے گناہ گار ہاتھوں سے رکھا ہے اور سالہا سال سے میں اس میں آ جا رہا ہوں۔ اگر تم مجھ سے پوچھو کہ اس کی کھڑکیاں کتنی ہیں، روشن دان کتنے ہیں تو میں نہیں بتلا سکتا۔ کیوں کہ مسجد میں آنے کا مقصد کھڑکیاں گننا نہیں ہے۔

کافر کہنے لگے ابوبکر کو تو منا سکتا ہے ہمیں منوائے تو بات ہے۔ ان کے لیے تماشا بن گیا۔ دو آ رہے ہیں، چار جا رہے ہیں کہ بتلائیں جی! فلاں چیز کتنی ہے۔ ایک دن کافی اکٹھے ہو کر آئے۔ بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے کر دیا۔ وہ پوچھتے جاتے تھے اور میں بتلاتا جاتا تھا لیکن ان ضدی لوگوں میں سے ایک بھی ایمان نہ لایا۔ بس دعا کرو اللہ تعالیٰ حق کے خلاف کسی میں ضد نہ رکھے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔

تو فرمایا کیا پس جھگڑا کرتے ہو اس کے ساتھ ان چیزوں کے بارے میں جو اس نے دیکھی ہیں ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ اور البتہ تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا جبریل کو مرۃ اخریٰ دوسری مرتبہ اصل شکل میں ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾

سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔ ساتویں آسمان پر بیری کا درخت ہے بہت بڑا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح بڑے بڑے ہیں اور اس کے بیر اتنے موٹے ہیں جیسے ہجر قبیلے کے مٹکے۔ اُن کے مٹکے بڑے بڑے ہوتے تھے اور عجیب قسم کے پروانے اور پتنگے اور چڑیاں اس درخت پر آتے جاتے ہیں۔ عجیب منظر تھا۔ سدرۃ المنتہٰی ہیڈ کوارٹر ہے۔ نیچے اور اُوپر والے فرشتوں کا، وہاں جمع ہوتے ہیں۔

فرمایا ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی﴾ سدرۃ المنتہٰی کے پاس جنت ہے جو مومنوں کا ٹھکانا ہے ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى﴾ جس وقت ڈھانپ لیا بیری کے درخت کو جس چیز نے ڈھانپ لیا، پروانے، پتنگے، چڑیاں ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾ نہیں ٹیڑھی ہوئی نگاہ اور نہ آگے بڑھی۔ نہ دائیں بائیں ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر چیز اچھی طرح، واضح انداز میں دکھائی ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ البتہ تحقیق دیکھی اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں۔ آسمان، عرش، کرسی، جنت، دوزخ، بہت کچھ دیکھا۔ یہ معراج کے دوسرے حصے کا ذکر ہے۔

﴿اَفَرَءَيْتُمُ﴾ کیا پس تم نے دیکھا ہے ﴿اللّٰتَ﴾ لات کو ﴿وَالْعُزّٰی﴾ اور عزّیٰ کو ﴿وَمَنٰوةَ﴾ اور منات کو ﴿الثَّالِثَةَ﴾ جو تیسرا ہے ﴿الْاُخْرٰی﴾ پیچھے ہے ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ﴾ کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں ﴿وَلَهُ الْاُنْثٰی﴾ اور اس کے لیے بیٹیاں ہیں ﴿تِلْكَ﴾ یہ ﴿اِذًا﴾ اس وقت ﴿قِسْمَةٌ﴾ تقسیم ہے ﴿ضِيْزٰی﴾ بھونڈی ﴿اِنْ هِيَ﴾ نہیں ہیں یہ ﴿اِلَّآ اَسْمَآءٌ﴾ مگر نام ﴿سَمَّيْتُمُوْهَا﴾ جو تم نے رکھ لیے ہیں ﴿اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمھارے باپ دادا نے ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ﴿مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ کوئی دلیل ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ﴾ نہیں پیروی کرتے وہ ﴿اِلَّا الظَّنَّ﴾ مگر گمان کی ﴿وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ اور اس چیز کی جو نفس چاہتے ہیں ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق آچکی ان کے پاس ﴿مِّنْ رَّبِّهِمُ﴾ ان کے رب کی طرف سے ﴿الْهُدٰی﴾ ہدایت ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی﴾ کیا انسان کے لیے ہے وہ جو چاہے ﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے آخرت ﴿وَالْاُوْلٰی﴾ اور دنیا ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ﴾ اور کتنے فرشتے ہیں ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں میں ﴿لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ﴾ نہیں کفایت کرتی ان کی سفارش ﴿شَيْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ﴾ مگر بعد اس کے ﴿اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ﴾ کہ اجازت دے اللہ تعالیٰ ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿وَيَرْضٰی﴾ اور پسند کرے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ نہیں ایمان رکھتے آخرت پر ﴿لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ البتہ وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے ﴿تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰی﴾ عورتوں جیسے نام۔

مشرکین مکہ کے بتوں کی تفصیل

اہل مکہ نے تین سو ساٹھ بت کعبۃ اللہ کی بیرونی دیواروں پر نصب کیے ہوئے تھے۔ جن میں ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ بھی تھا، اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ بھی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی تھا۔ عرب میں رہنے والے سب لوگوں کو جوڑنے کے لیے انھوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہوا تھا کہ یہودی بھی آئیں، عیسائی بھی آئیں۔ ان کے نزدیک ان بتوں میں سب سے بڑا بت ہبل تھا۔ کہتے تھے اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُبَلُ۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کا مجسمہ تھا جس کو بھائی قابیل نے شہید کیا تھا۔ مشرکین جنگوں میں اسی کا نعرہ مارتے تھے اُعْلُ ھُبَلُ ''ہبل زندہ باد'' ان کا خیال تھا کہ وہ مظلوم شہید ہوا ہے اس مظلوم شہید کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔

دوسرا بڑا بت عزّیٰ تھا اور تیسرا منات تھا۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ لات لفظ اللہ کی مونث ہے اور عزّیٰ عزیز کی مؤنث ہے اور منات منّان کی مونث ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لات ایک آدمی کا نام تھا جو طائف کا رہنے والا تھا اور بڑا سخی آدمی تھا یَلُتُّ السَّوِیْقَ لِلْحُجَّاجِ ''حج کے دنوں میں یہ حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا مفت۔'' یہ جب فوت ہوا تو طائف میں اس کی قبر بنائی گئی اور قبر پر میلہ اور عرس شروع کر دیا گیا۔ جیسے آج کل بزرگوں کی قبروں پر عرس اور میلے ہوتے ہیں۔ یہ تمام خرافات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں جو وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی اور دعا کی: اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ ''اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے۔'' لوگ یہاں آ کر پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں کے جو محافظ بنائے ہیں وہ ایسے خشک مزاج ہیں کہ کسی کو قریب نہیں آنے دیتے۔ میرے خیال میں یہ تکوینی طور پر حفاظت ہے۔ رب تعالیٰ نے انتظام کیا ہے۔ بڑے خشک قسم کے نجدی لوگ ہیں۔ اگر کوئی قریب آئے تو پھڑکا دیتے ہیں کیوں کہ عقیدت میں لوگ بڑا کچھ کرتے ہیں چاہے صحیح العقیدہ بھی ہوں۔

تو لات کی قبر انھوں نے طائف میں بنائی ہوئی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر پر میلہ اور عرس بھی کرتے تھے اور اس کا ایک مجسمہ مکے والوں نے بھی نصب کیا ہوا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''بدور بازغہ'' میں فرماتے ہیں کہ وَکَانُوْا یَسْتَغِیْثُوْنَ بِھِنَّ مِنَ الشَّدَائِدِ ''سختیوں اور مصیبتوں میں ان سے مدد مانگتے تھے۔'' کہتے تھے یَآلَاتَ اَغِثْنِیْ یَا مَنَاتَ اَغِثْنِیْ ''اے لات میری مدد کر۔ اے منات میری مدد کر، اے عزّیٰ میری مدد کر۔'' جیسے یہاں کے اہل بدعت کو تم نے دیکھا اور سنا ہوگا سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے مدد مانگتے ہیں اور کھل کر کہتے ہیں:

امداد کن امداد کن از بندِ غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

اگر یہ چیزیں شرک نہیں ہیں تو شرک دنیا میں کس بلا کا نام ہے؟ عزّیٰ کے بارے میں نسائی شریف میں روایت ہے کہ ۸ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ جا کر عزّیٰ کو ختم کرو (مکہ مکرمہ کے قریب چند میل کے فاصلے پر عزّیٰ کا ڈیرا تھا، کچھ مکان اور کچھ درخت تھے۔ ملنگوں نے وہاں ڈیرا لگایا ہوا تھا۔ کوئی مرغا چڑھاوا چڑھا جاتا اور کوئی بکرا چھوڑ جاتا، کوئی دودھ اور ستو دے جاتا۔ یہ چڑھاوے ملنگ کھاتے پیتے تھے۔) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ چند ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچے۔ مکان گرا دیئے، درخت اکھیڑ دیئے اور ملنگوں کو بھگا دیا۔ جب واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے عزّیٰ کے ساتھ کیا کیا؟ کہنے لگے حضرت! وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ فرمایا تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ جاؤ عزّیٰ کو ختم کر کے آؤ۔ دوبارہ گئے تو وہاں دیکھا اِمرَءَۃٌ نَاشِرَۃٌ ایک عورت ہے اس نے سر کے بال بکھیرے ہوئے ہیں اور سر پر خاک ڈال رہی ہے اور کہہ رہی ہے عُزّٰی کُفرانَكَ "عزّیٰ تیرا تو گھر تباہ کر دیا گیا ہے، تیری ناشکری کی گئی ہے۔" واویلا کر رہی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ اصل میں وہ ایک پری تھی کبھی ظاہر ہوتی تھی اور کبھی چھپ جاتی تھی۔ جب واپس آ کر بتلایا کہ وہاں ایک عورت تھی سر کے بال اس نے بکھیرے ہوئے تھے اور واویلا کر رہی تھی میں نے اس کا سر قلم کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تِلْكَ الْعُزّٰی وَلَمْ تُعْبَد بعد الیوم "ہاں یہ عزّیٰ تھی آج کے بعد اس کی عبادت نہیں ہوگی۔"

اور منات ایک نیک آدمی تھا۔ اتنا پارسا تھا کہ لوگ اس کی نیکی کی مثالیں بیان کرتے تھے۔ اس کے فوت ہونے کے بعد لوگوں نے اس کا مجسمہ بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ عزّیٰ چند میل کے فاصلے پر تھا، لات بھی قریب تھا اور منات مُشَلَّل کے (علاقہ میں قُدَیْد کے) مقام پر ساحل سمندر کے قریب رکھا ہوا تھا۔ (منات چوں کہ دور بھی تھا اور درجے میں بھی ان سے پیچھے تھا) اس لیے اُخریٰ فرمایا کہ جو ان سے ہٹا ہوا ہے۔ فرمایا لات، منات، عزّیٰ کے پاس کچھ نہیں ہے، خدائی اختیارات رب تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیئے۔ نہ پیغمبروں کو دیئے ہیں، نہ ولیوں کو دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] "بے شک میں مالک نہیں ہوں تمھارے لیے نفع ونقصان کا۔" اور سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۸ میں ہے ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ "نہیں مالک میں اپنے لیے نفع ونقصان کا۔"

اگر نفع اور نقصان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہوتا تو احد کے مقام پر آپ کا دانت مبارک شہید نہ ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی نہ ہوتا، یہ تکلیفیں پیش نہ آتیں۔ خدائی اختیارات صرف خدا کے پاس ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگ سمجھتے ہیں کہ پیروں کے پاس خدائی اختیارات ہیں، ملنگ کو دیکھ کر کہیں گے خدا جانے اس کے پاس کیا ہے۔ بھائی! کسی کے پاس کچھ نہیں ہے۔

پچھلے دنوں گوجرانوالا سے ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں کیا لو گے؟ میں نے کہا میں لیتا دیتا کچھ نہیں ہوں چند باتیں بتلاؤں گا ان پر عمل کرنا ہے۔ توحید وسنت پر قائم رہنا ہے، شرک وبدعت کے قریب نہیں جانا، نمازیں پڑھنی ہیں۔ قرآن پڑھا ہوا ہے تو اس کی تلاوت کرنی ہے، تیسرے کلمے کا ورد کرنا ہے، استغفار اور درود شریف پڑھنا ہے۔ جائز

کام کرنے ہیں، ناجائز سے بچنا ہے۔ حلال طریقے سے روزی بھی کمانی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد آیا اور کہنے لگا میں آپ کا مرید ہوا تھا مگر میرا کوئی کام بھی نہیں ہوا لہٰذا اب میں آپ کا مرید نہیں ہوں۔ میں نے کہا بہت اچھی بات ہے۔ اگر تو اس لیے مرید ہوا تھا کہ مرید ہونے کے بعد تجھے خزانے مل جائیں گے، تجھے بادشاہی مل جائے گی تو بھئی! میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ اگر اس لیے ہوئے تھے تو یہ بالکل باطل بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرے ہزاروں مرید ہیں جو اللہ اللہ کرنے والے ہیں اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنے گھٹنوں کا درد ٹھیک کرتا۔

بھائی! ہمارا تو کام ہے سیدھا راستہ بتلانا۔ نماز پڑھو، روزہ رکھو، اللہ اللہ کرو، آخرت کی فکر کرو، جائز طریقے سے دنیا بھی کماؤ، میں تمھیں بادشاہی تو نہیں دے سکتا۔

تو فرمایا ﴿اَفَرَءَيْتُمُ﴾ کیا دیکھا ہے تم نے بتلاؤ ﴿اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ لات اور عزّیٰ کو ﴿وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ﴾ اور منات کو جو تیسرا ہے ﴿الْاُخْرٰى﴾ جو پیچھے ہٹا ہوا ہے ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ﴾ کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں ﴿وَلَهُ الْاُنْثٰى﴾ اور رب تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ہیں۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۵۷ میں ہے ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ "اور بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں۔" اور کہتے تھے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ او ظالمو! تمھارے لیے لڑکے اور رب تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ یہ تقسیم اس وقت بڑی بھونڈی ہے، ناقص ہے۔ اپنے لیے تو تم لڑکی کا تصور بھی ناجائز سمجھتے ہو۔ تمھیں جب کہا جائے کہ لڑکی ہوئی ہے تو تمہارا منہ کالا ہو جاتا ہے اور رب تعالیٰ کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہو۔ آج بھی کئی لوگ ہیں کہ لڑکی ہو جائے تو کہتے ہیں ہائے ہائے کیا ہو گیا (بلکہ لڑکیاں ہونے کی وجہ سے طلاقیں ہوئی ہیں۔ مرتب)

لڑکی، لڑکا دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

بھائی لڑکی، لڑکے کا ہونا بندوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ میں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ "پیدا کرتا ہے جو چاہے ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا﴾ بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں ﴿وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ یا جوڑا جوڑا دیتا ہے ان کو بیٹے اور بیٹیاں ﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ اور بناتا ہے جس کو چاہے بانجھ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا، قدرت رکھنے والا ہے۔" جو رب نے دینا ہے وہی ہونا ہے۔ رب تعالیٰ نہ دے تو بے شک ساری عمر ڈاکٹروں کے پاس پھرتے رہیں، حکیموں کے پاس جائیں، تعویذ کرائیں، کالی مرچیں اور اجوائن دم کرا کر کھائیں، کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جب رب تعالیٰ ہی نے نہیں دینا تو پھر کون دے گا؟

(جو لوگ پیروں کے پاس اور درباروں پر جاتے ہیں اور منتیں مانگتے ہیں اور بچہ، بچی ہو جاتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نہیں بابے نے دیا ہے۔ ان کو بھی رب ہی دیتا ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کیا ہے، ہر

شے کا ایک وقت مقرر کیا ہے ﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ [الطلاق: ۳] ﴿كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ﴾ [القمر: ۳] ہوتا اس طرح ہے کہ شادی کے بعد جانبین سے یہ خواہش ہوتی ہے کہ امید ہو جائے۔ لیکن رب تعالیٰ نے ان کے لیے تین سال بعد، پانچ سال بعد یا دس سال بعد بچی، بچے کا ہونا لکھا ہے۔ ایک سال تو انتظار کرتے ہیں۔ پھر کہنے لگ جاتے ہیں کہ بچی بیمار مل گئی ہے ٹیسٹ اور علاج شروع ہو جاتے ہیں۔ ٹیسٹ سارے صحیح آتے ہیں۔ تو پھر کہتے ہیں کہ کسی نے بندش کرائی ہے۔ تعویذ گنڈے والوں کے پاس جانے لگتے ہیں۔ اِدھر وقت گزرتا جا رہا ہے اور تقدیر جا رہی ہے۔ تعویذ دھاگے والے بھی زور لگا کر بس کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندش بہت سخت ہے۔ ڈاکٹروں، حکیموں اور عاملوں نے جواب دے دیا۔ زندوں کی بس ہو گئی تو مردوں کے پاس چل پڑے۔ کبھی کسی دربار پر دھکے کھا رہے ہیں اور کبھی کسی دربار پر دھکے کھا رہے ہیں۔ چلتے چلاتے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت قریب آ گیا اور یہ کسی دربار پر دامن پھیلا کے بیٹھا تھا۔ امید ہو گئی، رب نے دے دیا اور اس نے سمجھا کہ بابے نے دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سب کو دیتا ہے اور جن کو اس نے نہیں دینا وہ سب درباروں کی خاک چھان مارتے ہیں اور کچھ نہیں حاصل ہوتا اور لا ولد دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ محمد نواز بلوچ، مرتب)۔

تو فرمایا تمھارے لیے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں اس وقت یہ تقسیم بھونڈی اور ناقص ہے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ﴾ نہیں ہیں یہ مگر نام ﴿سَمَّيْتُمُوْهَآ﴾ جو تم نے رکھ لیے ہیں ﴿اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کوئی دلیل ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے وہ مگر گمان کی ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز کی ﴿تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ جس کو پسند کرتے ہیں ان کے نفس ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ اور البتہ تحقیق آ چکی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت قرآن کریم کی صورت میں۔ یہ قرآن پاک نری ہدایت ہے هُدًى لِّلنَّاسِ ہے۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں جو آدمی قرآن پاک کا لفظی ترجمہ ہی پڑھ لے گا سمجھ کر تشریح چاہے نہ ہو اس کو اسلام سمجھ آ جائے گا۔ شرک و بدعت کے قریب نہیں جائے گا لیکن ہم نے تو قرآن صرف تیجے، ساتے کے لیے رکھا ہوا ہے یا قسموں کے لیے رکھا ہوا ہے یا جانوروں کو نیچے سے گزارنے کے لیے رکھا ہوا ہے۔ بھائی قرآن کو پڑھو، سمجھو، اہل خانہ کو پڑھاؤ، سمجھاؤ۔ یہ تمہارا فرض ہے۔ قیامت والے دن سوال ہو گا وَلَا تَلَيْتَ وَلَا دَرَيْتَ "تو نے قرآن نہ پڑھا نہ سمجھا۔" یہ صرف مولویوں اور طالب علموں کے لیے نہیں ہے بلکہ سب کے لیے ہیں۔

تو فرمایا رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى﴾ کیا انسان کے لیے ہے وہ جو چاہے۔ ﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آخرت اور دنیا۔ آخرت بھی اس کی اور دنیا بھی اسی کی۔ دنیا بھی اسی سے طلب کرو اور آخرت بھی اسی سے طلب کرو۔ فرمایا ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں ﴿لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا﴾ نہیں کفایت کرتی ان کی سفارش کچھ بھی۔ نہیں کام دیتی ان کی سفارش کچھ بھی ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ﴾ مگر بعد اس کے کہ اجازت دے اللہ تعالیٰ ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿وَيَرْضٰى﴾ اور پسند کرے جس کے لیے راضی ہو۔

وہ لوگ فرشتوں کی پوجا اس لیے کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیاری بیٹیاں ہیں وہ اپنی بیٹیوں کی بات رد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے حکم کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا۔

فرشتوں کا حال تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جبریل کو کوئی حکم دینا چاہتے ہیں تو باقی فرشتوں کے ہوش وحواس خطا ہو جاتے ہیں۔ دوسروں سے پوچھتے ہیں ﴿مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ﴾ [سبا: ۲۳] "کیا فرمایا ہے تمھارے رب نے۔" رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے ان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ تو وہ رب تعالیٰ سے جبری طور پر کیا منوا سکتے ہیں۔

تو فرمایا کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ نہیں کام دیتی ان کی سفارش کچھ بھی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے وہ راضی ہو ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ﴿لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے ﴿تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى﴾ عورتوں جیسے نام کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ بالکل غلط کہتے ہیں آگے اس کی تردید آئے گی۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہے۔ مخلوق نور سے پیدا ہوئے ہیں اور معصوم ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں، نہ سوتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ ہر ہر آدمی کے ساتھ اعمال لکھنے والے فرشتے بھی ہیں اور جان کی حفاظت کرنے والے بھی ہیں۔ پاک کلمات پہنچانے والے اور درود شریف پہنچانے والے علیحدہ ہیں وہ نظر نہیں آتے۔

﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے اس بارے ﴿مِنْ عِلْمٍ﴾ کچھ علم ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ﴾ اور بے شک گمان ﴿لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ نہیں کفایت کرتا حق کے سامنے کچھ بھی ﴿فَاَعْرِضْ﴾ پس آپ اعراض کریں ﴿عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى﴾ اس سے جس نے منہ موڑ لیا ﴿عَنْ ذِكْرِنَا﴾ ہمارے ذکر سے ﴿وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور نہیں ارادہ کیا اس نے مگر دنیا کی زندگی کا ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ یہی پہنچ ہے ان کے علم کی ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ﴾ وہ خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ ضَلَّ﴾ اس کو جو گمراہ ہوا ﴿عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اس کے راستے سے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى﴾ اور وہ خوب جانتا ہے اس کو جس نے ہدایت پائی ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ ہے زمین میں ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا﴾ تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جنھوں نے برائی کی اس کا جو انھوں نے عمل کیا ﴿وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى﴾ اور تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جنھوں نے اچھائی کی اچھا بدلہ ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ﴾ وہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور بے حیائی کی باتوں سے ﴿اِلَّا اللَّمَمَ﴾ مگر صغیرہ گناہ ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب

﴿وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ وسیع مغفرت والا ہے ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ﴾ وہ خوب جانتا ہے تم کو ﴿اِذْ اَنْشَاَكُمْ﴾ جس وقت اس نے پیدا کیا تم کو ﴿مِّنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ﴾ اور جس وقت تم بچے تھے ﴿فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ﴿فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ پس صفائی نہ پیش کرو اپنی جانوں کی ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ وہ خوب جانتا ہے اس کو جو متقی ہے۔

ربط آیات

کل کے درس میں یہ بات گزری تھی کہ ﴿لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى﴾ "البتہ وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے عورتوں جیسے نام۔" فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں بناتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے اس بارے میں کچھ علم کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، عورتیں ہیں اس کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں ہے۔ اور آپ حضرات کئی دفعہ سن چکے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خُلِقَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ "کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے خاک بھی پیدا کی ہے نور بھی پیدا کیا ہے، آگ بھی پیدا کی ہے، پانی بھی پیدا کیا ہے۔ جو نور مخلوق ہے یہ فرشتوں کا مادہ ہے۔ وہ نور نہیں ہے جو رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور نہ ہی اس نور سے کوئی شے پیدا ہوئی ہے۔ تو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق نور سے پیدا کیا ہے اور جنات کو آگ سے پیدا کیا ہے ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ [الحجر: ۲۷] "اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی لو سے۔" اور یہ کہتے ہیں کہ فرشتے عورتیں ہیں ان کو کچھ بھی علم نہیں ہے۔ رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی زبان مبارک سے جو نکلا ہے وہ حق ہے۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں نہ مرد ہیں نہ عورتیں، نہ لڑکے ہیں نہ لڑکیاں ہیں ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ نہیں پیروی کرتے وہ مگر گمان کی۔ من گھڑت باتیں ان کی چل رہی ہیں ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ اور بے شک گمان کفایت نہیں کرتا حق کے مقابلے میں کچھ بھی۔ حق کو تو علم کے ساتھ ہی پایا جا سکتا ہے۔ اور کوئی عقیدہ قطعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

مذکورہ آیت کریمہ سے منکرین حدیث کا باطل استدلال

اس آیت کریمہ سے منکرین حدیث یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ احادیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) کیونکہ احادیث ظنی ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ "اور بے شک ظن کفایت نہیں کرتا حق کے مقابلے میں کچھ بھی۔" اس طرح یہ عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ یاد رکھنا! ساری احادیث ظنی نہیں ہیں۔ جو احادیث متواتر ہیں وہ اسی طرح قطعی ہیں جس طرح قرآن کریم قطعی ہے۔ متواتر اسے کہتے ہیں کہ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کافی تعداد نے بیان کیا ہو۔ پھر تابعین اور تبع تابعین نے بھی کثرت کے ساتھ نقل کیا ہو۔ جیسے نماز منقول ہوتی چلی آ رہی ہے، کلمہ نقل ہوتا چلا آ رہا

ہے، قرآن کریم نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ تو ان کا یہ کہنا کہ ساری احادیث ظنی ہیں یہ بالکل صریح جھوٹ ہے۔ (مزید سمجھنے اور تفصیل کے لیے حضرت کی کتاب انکار حدیث کے نتائج اور شوقِ حدیث کا مطالعہ کریں۔ مرتب) تو فرمایا اور بے شک گمان کام نہیں دیتا حق کے مقابلے میں کچھ بھی ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا﴾ پس آپ اعراض کریں اس سے جس نے منہ موڑ لیا ہمارے ذکر سے، قرآن سے۔ قرآن کریم کا ایک نام ذکر بھی ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹] "بے شک ہم نے نازل کیا ذکر کو یعنی نصیحت والی کتاب کو اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" تو فرمایا آپ ان سے اعراض کریں جو قرآن سے اعراض کرتے ہیں، نہیں مانتے ﴿وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور نہیں ارادہ کیا اس نے مگر دنیا کی زندگی کا۔ یعنی صرف دنیا کو مقصود بنالیا۔ ورنہ دنیا میں رہ کر دنیا کمانا ناجائز نہیں ہے صرف دنیا کو مقصود بنانا ناجائز ہے کہ نہ نماز، نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ حلال و حرام کی تمیز، یہ بُری چیز ہے۔ باقی یہ بات تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اسلام پسند نہیں کرتا کہ انسان فارغ رہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو پسند نہیں کرتا جو تندرست ہو کر فارغ رہے، لوفر بنے۔ اس کے ساتھ رب تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہے۔ کوئی نہ کوئی کام کرے جو جائز ہو۔ تو فرمایا نہیں ارادہ کیا اس نے مگر دنیا کی زندگی کا ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ یہی اس کے علم کا مبلغ ہے، یہی پہنچ ہے اس کے علم کی۔ اس کا علم دنیا ہی تک پہنچتا ہے آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ حالانکہ دنیا میں آنے کا اصل مقصد آخرت کی تیاری کرنا ہے۔ دنیا کمائے جائز طریقے سے اور اس سے بھی آخرت تلاش کرے۔ دنیا کمانا بُری چیز نہیں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی بنایا کہ جب تک یہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوتا تم نے ان کو کھلانا پلانا ہے۔ وہ ان کے گھر سے کھاتے پیتے تھے۔ مگر وہ باغیرت تھے تھوڑے دن گزرے تو تجارت شروع کر دی کیونکہ تاجر پیشہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں برکت دی، شادی بھی کر لی اور مرتے وقت چار بیویاں تھیں۔ وراثت کا آٹھواں حصہ جب عورتوں پر تقسیم ہوا تو ایک ایک بیوی کو اسّی اسّی ہزار درہم ملے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مرتے وقت ان کی بھی چار بیویاں تھیں۔ چھ کروڑ کی جائیداد چھوڑی۔ ہر ہر بیوی کو اڑتالیس لاکھ روپیہ ملا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تو اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا تھا کہ وہ غنی کہلاتے تھے۔ بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شریعت یہ نہیں کہتی کہ نہ کماؤ۔ کماؤ مگر جائز طریقے سے۔ خرچ کرو جائز طریقے سے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کو ضائع نہ کرو۔

تو فرمایا ان کا مبلغ علم صرف دنیا تک ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ﴾ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ جو گمراہ ہوا اس کے راستے سے ﴿وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى﴾ اور وہ خوب جانتا ہے اس کو جس نے ہدایت حاصل کی۔ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی جانتا ہے۔ فرمایا ﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا بھی خالق وہی ہے اور جو کچھ زمین میں

ہے اس کا بھی خالق وہی ہے، مالک وہی ہے، متصرف بھی وہی ہے، حکم بھی اسی کا چلتا ہے، اختیارات بھی سارے اسی کے پاس ہیں۔ اس نے خدائی اختیارات کسی کو نہیں دیئے۔ پھر ایک وقت آئے گا ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ﴾ تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو ﴿أَسَاءُوا﴾ جنھوں نے برائی کی ﴿بِمَا عَمِلُوا﴾ اس کا جو انھوں نے عمل کیا۔ قیامت والے دن ظالم کے سامنے ظلم کے انبار لگے ہوں گے وہ دیکھ کر گھبرائے گا اور واویلا کرے گا، اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾ [السجدہ: ۱۲] "پس لوٹا دے ہمیں تاکہ ہم اچھے عمل کریں بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔" لیکن ۔

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اب تو بدلے کا دن ہے۔ اگر کسی نے رتی برابر بھی ظلم کیا ہوگا تو اس کا بدلہ پائے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی کسی جانور کو کند چھری کے ساتھ ذبح کرتا ہے تو یہ بھی ظلم ہے۔ کند چھری سے ذبح کرنے والا بھی حساب دے گا۔

فرمایا ﴿وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى﴾ اور تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنھوں نے اچھے کام کیے اچھا بدلہ۔ جنت سے بہتر بدلہ کیا ہوگا؟ اگر کسی نے رتی برابر بھی نیکی کی ہے اس کا بھی بدلہ ملے گا۔ نیک لوگ کون ہیں؟ فرمایا ﴿الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ﴾ جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے ﴿وَالْفَوَاحِشَ﴾ اور بے حیائی کی باتوں سے۔ كَبَائِرُ كَبِيْرَة کی جمع ہے، بڑا گناہ۔ فَوَاحِش فَاحِشَةٌ کی جمع ہے، بے حیائی۔ گناہ تو سارے ہی گناہ ہوتے ہیں مگر سات گناہ بہت بڑے ہیں۔

سات بڑے گناہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِجْتَنِبُوا السبع الموبقات "بچو تم سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے۔" ان میں سے پہلا: الاشراك بِاللّٰه "اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔" اس سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں اور کوئی نہیں ہے۔

دوسرا: عقوق والدین "ماں باپ کی دل آزاری سے بچو۔" یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ وہ دل آزاری چاہے قولاً ہو یا فعلاً ہو۔ بات ایسی کرے جس سے والدین کو تکلیف ہو یا کام ایسا کرے جس سے والدین کو تکلیف ہو۔ یہ بڑا گناہ ہے۔

تیسرا: أكل مال يتيم "یتیم کا مال کھانا۔" جو سارے کھاتے ہیں تیجے پر، ساتویں پر، دسویں پر، چالیسویں پر۔ ناک کو سنبھالتے پھرتے ہیں کہ برادری ناراض نہ ہو۔ رب ناراض ہوتا ہے تو کوئی پروا نہیں ہے۔ تو یتیم کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔

چوتھا: وقذف المحصنات المومنت: "پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔" اسی طرح پاک دامن مردوں پر تہمت لگانا بھی بڑا گناہ ہے۔ اور مسئلہ یاد رکھنا! اگر کسی نے اپنی آنکھوں سے کسی کو زنا کرتے دیکھا ہے تو جب تک اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں بیان نہ کرے۔ اگر تین گواہ، دو گواہ ہیں، ایک گواہ بیان کرے گا تو اسی کوڑے لگیں گے۔ ہاں چار شرعی گواہ ہوں

پھر بیان کر سکتا ہے۔ یہ قرآن کا مسئلہ ہے۔ یہ آج کل گواہ تو کوئی نہیں ہوتا محض شہادت کی بنیاد پر کسی پر الزام لگانا بڑے گناہوں میں سے ہے۔

جادو کرنا بھی بڑے گناہوں میں سے ہے۔ آج ساری دنیا جادو کے پیچھے لگ گئی ہے خدا کی پناہ! زیادہ یہ مرض عورتوں میں ہے۔ اور یاد رکھنا! ہر بیٹی کی کڑی جادو کے ساتھ ملانا بھی اچھی بات نہیں ہے۔

بڑے گناہوں میں سے شراب پینا اور زنا کرنا ہے۔ اور بڑے گناہوں میں سے التولّی یوم الزحف "میدانِ جنگ سے پشت پھیر کر بھاگنا بھی ہے۔" اور بہت سے بڑے گناہ ہیں جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے حد مقرر کی ہے کوڑوں کی یا رجم کی۔ وہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔

اور بے حیائی سے بچتے ہیں۔ آج ان مغربی قوموں نے اتنی بے حیائی پھیلائی ہے کہ مسلمان کو مسلمان نہیں رہنے دیا۔ ہاں! اگر مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان ہوں اور ان چیزوں کے آگے بند باندھ دیں تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ضلع کرک کے لوگوں نے آج تک وہاں سینما نہیں بننے دیا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ ہم نے بھی یہاں انیس سال تک سینما نہیں بننے دیا۔ پھر جس وقت یہاں فوجی چھاؤنی بنی تو ہم بے بس ہو گئے۔ ضلع کرک میں صرف دیوبندی مسلک کے لوگ ہیں دوسرا کوئی مسلک وہاں نہیں ہے۔ انھوں نے برائی کا مقابلہ کیا ہے اور ہمارے علاقے میں تو چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن بگاڑ دیئے گئے ہیں، ایسی ایسی عجیب باتیں کرتے ہیں کہ ہم جیسے بوڑھوں کو بھی ان کا علم نہیں ہے۔ بندہ سن سن کے حیران ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا وہ بے حیائی سے بچتے ہیں ﴿اِلَّا اللَّمَمَ﴾ مگر صغیرہ گناہ۔ صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انتظام کیا ہے۔ مسجد کی طرف آؤ گے ایک ایک قدم کے بدلے دس دس نیکیاں بھی ملیں گی اور ایک ایک صغیرہ گناہ بھی خود بخود جھڑتا جائے گا۔ وضو سے، نماز سے صغیرہ گناہ جھڑ جاتے ہیں اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ "بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔" صغیرہ گناہ نیکیوں کی برکت سے ختم ہو جاتے ہیں۔

فرمایا ﴿اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔ اس کی مغفرت اتنی وسیع ہے کہ چاہے تو ساری دنیا کو بخش دے ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ﴾ وہ خوب جانتا ہے تم کو ﴿اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ جس وقت اس نے پیدا کیا تم کو زمین سے ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران:۵۹] "آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اس نے فرمایا اس کو ہو جا پس وہ ہو گیا۔" تم آدم کی اولاد ہو۔ ﴿وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾۔ اَجِنَّة جمع ہے جنین کی۔ جنین اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہو۔ اور جس وقت تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے اس وقت بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اس کا علم ازلی، ابدی ہے۔ جس وقت کوئی چیز موجود نہیں تھی اس وقت بھی وہ ہر چیز کو جانتا تھا ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ پس اپنی صفائیاں مت بیان کرو کہ میں ایسا ہوں رب تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔

دیکھو! لوگ رسمی طور پر الفاظ لکھتے ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض لکھتے ہیں بکترین خلائق خدا کی مخلوق

میں سب سے گھٹیا۔لیکن اگر اس کو کہو کہ تم چوڑے ہو تو لڑ پڑے گا۔اس کو کہو کہ تم گدھے ہو تو لڑ پڑے گا۔بھئی! تم نے خود مانا ہے کہ میں کمترین خلائق ہوں اب لڑتے کیوں ہو۔یہ رسمی باتیں ہوتی ہیں حقیقت تو کسی کی نہیں ہوتی۔لکھتے ہیں فدوی یعنی قربان۔لیکن بات کرو تو لڑنے لگ جاتا ہے تو فدوی کیسے ہو گیا؟

تو فرمایا اپنی صفائیاں مت بیان کرو ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کو جو متقی ہے۔تمھیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔دعا کرو اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنیٰ میں متقی بنائے اور ظاہر داری سے بچائے۔

﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ﴾ کیا پس آپ نے دیکھا ہے اس شخص کو ﴿تَوَلّٰى﴾ جس نے اعراض کیا ﴿وَاَعْطٰى قَلِيْلًا﴾ اور اس نے دیا تھوڑا سا ﴿وَّاَكْدٰى﴾ اور بہت سخت نکلا ﴿اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ﴾ کیا اس کے پاس علم غیب ہے ﴿فَهُوَ يَرٰى﴾ پس وہ اس کو دیکھتا ہے ﴿اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ﴾ کیا اس کو نہیں پہنچی وہ خبر ﴿بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى﴾ جو موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں ہے ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی کتابوں میں ہے ﴿الَّذِيْ وَفّٰى﴾ جنھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ﴾ کہ نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا ﴿وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ دوسرے کا بوجھ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ﴾ اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے لیے ﴿اِلَّا مَا سَعٰى﴾ مگر وہ جو اس نے محنت کی ﴿وَاَنَّ سَعْيَهٗ﴾ اور بے شک اس کی کوشش ﴿سَوْفَ يُرٰى﴾ عن قریب اس کو دکھائی جائے گی ﴿ثُمَّ يُجْزٰىهُ﴾ پھر اس کو بدلہ دیا جائے گا ﴿الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى﴾ بدلہ پورا ﴿وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ اور بے شک آپ کے رب کی طرف انتہاء ہے ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ﴾ اور بے شک وہی ہے جو ہنساتا ہے ﴿وَاَبْكٰى﴾ اور رُلاتا ہے ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ﴾ اور بے شک وہی مارتا ہے ﴿وَاَحْيَا﴾ اور زندہ کرتا ہے ﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ﴾ اور بے شک اسی نے پیدا کیا جوڑا ﴿الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ نر اور مادہ ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ نطفے سے ﴿اِذَا تُمْنٰى﴾ جب ٹپکایا جاتا ہے ﴿وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى﴾ اور بے شک اس کے ذمہ ہے دوسری مرتبہ اُٹھانا ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى﴾ اور بے شک وہی جس نے غنی کر دیا ﴿وَاَقْنٰى﴾ اور محتاج بنایا ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ﴾ اور بے شک وہی ہے ﴿رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ شعریٰ کا رب ﴿وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ﴾ اور بے شک وہی ہے جس نے ہلاک کیا ﴿عَادَا الْاُوْلٰى﴾ عادِ اولیٰ کو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ولید بن مغیرہ کو اسلام کی دعوت دینا

مکہ مکرمہ کا ایک سردار تھا ولید بن مغیرہ۔مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔اس کے بڑے ہٹریل

(کڑیل) جوان تیرہ بیٹے تھے۔ تیرہ بیٹوں میں سے تین مسلمان ہوئے۔ خالد بن ولید، ولید بن ولید، سعد بن ولید رضی اللہ عنہم۔ درجنوں کے حساب سے اس کے غلام تھے، کئی دکانیں تھیں، بڑا وسیع کاروبار تھا۔ اس لیے اس میں کافی تکبر تھا۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تنہائی میں بلا کر سمجھایا کہ آپ اچھے خاصے سمجھ دار آدمی ہیں رب تعالیٰ نے آپ کو دولت سے نوازا ہے، بیٹے دیئے ہیں، نوکر چاکر دیئے ہیں، سارے لوگ آپ کی عزت کرتے ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق اور مالک ہے۔ اس بات کو تم بھی مانتے ہو۔ اس رب تعالیٰ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میری چالیس سالہ زندگی نبوت سے پہلے آپ کے سامنے گزری ہے۔ اس میں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو بتاؤ۔ اس زندگی میں میں نے اگر کوئی خلاف واقع بات کی ہے تو بتاؤ؟ اور قرآن پاک کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان لوگوں کی زبان عربی تھی، سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سے اسلام کی طرف کچھ مائل ہوا۔ باتیں اچھی ہوں تو دل کو اپیل کرتی ہیں۔ اس بات کا ابوجہل کو علم ہوا کیونکہ کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ ابوجہل بڑا پریشان ہوا کہ اگر یہ مسلمان ہوگیا تو ظاہر بات ہے اس کے بیٹے بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اس کے نوکر چاکر بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کا حلقہ احباب بھی وسیع ہے لہٰذا ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

ابوجہل رات کو ولید بن مغیرہ کے گھر پہنچا اپنے چند ساتھی لے کر پریشر اور دباؤ ڈالنے کے لیے۔ کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ ولید بن مغیرہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو باتیں کرتا ہے میرے خیال میں وہ صحیح ہیں۔ اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں تاکہ آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں۔ اگر میں نے باتیں نہ مانیں تو مجھے ڈر ہے کہ مجھے سزا ہوگی۔ ابوجہل گفتگو کا بڑا ماہر تھا۔ کہنے لگا تیرے جیسے آدمی باپ دادا کا دین چھوڑ دیں، دھڑا چھوڑ دیں تو عورتیں کیا کہیں گی، مرد کیا کہیں گے کہ غدار ہے، بے وفا ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا، اس کی باتیں نہ مان، لوگ تیری بوٹی بوٹی کر دیں گے۔ رہی بات عذاب سے ڈرنے کی تو آپ مجھے پیسے دے دیں آپ کا عذاب میں برداشت کرلوں گا۔ چونکہ مال دار آدمی تھا اس نے ابوجہل کے حوالے کچھ رقم کر دی اور کہا کہ کچھ پھر دے دوں گا کہ یہ میرا عذاب اُٹھالے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتظار میں تھے کہ ولید بن مغیرہ اپنی کیا رائے قائم کرتا ہے؟ اس نے آکر کہا کہ میں نے آپ کی گفتگو سنی۔ باتیں آپ کی مجھے صحیح معلوم ہوتی ہیں مگر میں دھڑا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اور جو بقیہ رقم ابوجہل کو دینی تھی وہ بھی نہ دی۔ اس کا ذکر ہے ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى﴾ کیا پس آپ نے دیکھا ہے اس شخص کو جس نے منہ پھیرلیا، اعراض کیا، ولید بن مغیرہ نے ﴿وَاَعْطٰى قَلِيْلًا﴾ اور اس نے دیا تھوڑا سا مال وعدے کے مطابق ﴿وَّاَكْدٰى﴾ اور بہت سخت نکلا باقی نہ دیا اکدیہ کا معنیٰ ہوتا ہے چٹان، سخت پتھر، جس کا توڑنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کا لازمی معنیٰ کرتے ہیں بڑا سخت نکلا اور آگے رک گیا ﴿اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ﴾ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے ﴿فَهُوَ يَرٰى﴾ پس وہ اس کو دیکھتا ہے کہ تیرا بوجھ دوسرا آدمی اٹھالے گا اور قبر، حشر اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائے گا ﴿اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى﴾ کیا اس کو نہیں پہنچی وہ خبر جو موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں ہے، صحیفوں میں ہے ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۴ میں ہے ﴿ وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ "اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ جب امتحان لیا ابراہیم علیہ السلام کا اس کے رب نے چند باتوں میں پس انھوں نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔" ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ خواب میں اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو۔ ابراہیم علیہ السلام نے وہ مطالبہ بھی پورا کر دیا۔ ان دو بزرگوں کا نام اس لیے لیا کہ عرب میں اکثریت انھی دو بزرگوں کو ماننے والوں کی تھی۔ مردم شماری میں پہلا نمبر مشرکوں کا تھا اور دوسرا نمبر یہودیوں کا تھا۔

ان میں کیا خبر ہے؟ اس کی دو شقیں ہیں۔ ایک: ﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ﴾۔ وازرۃ نفس کی صفت ہے اور اُخرٰی بھی نفس کی صفت ہے۔ معنٰی ہوگا کہ نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے نفس کا بوجھ۔ وزر کا معنٰی ہے بوجھ۔ وزیر کا لفظی معنٰی ہے بوجھ اٹھانے والا۔ وزیر اسے کہتے ہیں جو قوم کی خدمت کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ مگر آج کل کے وزیر لوگوں کا مال اٹھا کر لے جاتے ہیں اور کوٹھیاں بنا لیتے ہیں۔ تو کوئی نفس کسی نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور سورہ لقمان آیت نمبر ۳۳ میں ہے ﴿ لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَیۡـًٔا ﴾ "نہیں کام آئے گا باپ بیٹے کی طرف سے اور نہ بیٹا باپ کی طرف سے کچھ بھی۔" اس میں عیسائیت اور یہودیت کا بھی رد ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ عیسیٰ علیہ السلام ہو گئے ہیں۔ ہم جو گناہ کرتے ہیں اس کے بدلے میں ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ تم گناہ اور بدمعاشیاں کرو دو ہزار سال بعد اور وہ سولی پر لٹکا دیے جائیں دو ہزار سال پہلے؟ کوئی عقل کی بات تو کرو۔ اور یہود کہتے ہیں ﴿ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ﴾ [مائدہ: ۱۸] "ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔" پیغمبروں کی اولاد ہیں ہمیں سزا نہیں ہوگی۔ بے شک یہ ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی اولاد ہیں مگر رب تعالیٰ نے ضابطہ بتا دیا کہ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا۔

اور دوسری شق یہ ہے ﴿ وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے محنت کی ﴿ وَ اَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی ﴾ اور بے شک اس کی کوشش عن قریب اس کو دکھائی جائے گی۔

منکرین ایصالِ ثواب کا رد

ایک فرقہ ہے جس کی تعداد کراچی میں کافی ہے اور دوسرے علاقوں میں بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ایصال ثواب درست نہیں ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اور اس پر انھوں نے کافی کتابیں اور رسالے بھی لکھے ہیں اور مفت تقسیم کرتے ہیں۔ یہ ایصال ثواب کے منکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے ﴿ وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی تو دوسروں کی دعاؤں کا کیا فائدہ ہوگا؟ عوام بڑے سطحی ہوتے ہیں وہ مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ سمجھو کہ اگر دوسرے کی دعا کا فائدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام

کی دعا کا ذکر کیوں کیا ہے؟ سورہ نوح میں ہے ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ "اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو اس کو بخش دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے۔"

اور سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ "اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔" اگر دعا کا فائدہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ مہمل طریقے کیوں بیان فرمائے ہیں اور بتلائے ہیں۔ اور سورہ حشر پارہ ۲۸ میں ہے کہ بعد میں آنے والے مومن کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ﴾ "اے ہمارے رب بخش دے ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے سبقت لے گئے ایمان میں۔" اور جنازے میں دعا کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وغیرہ دوسری دعائیں کرتے ہیں۔ اگر ان کا فائدہ نہیں ہے تو شریعت نے یہ مہمل سبق کیوں دیا ہے؟ اگر دوسرے کی دعا نہیں پہنچتی تو جنازہ پڑھنا بھی چھوڑ دو۔ خدا پناہ! کتنا غلط نظریہ ہے۔

اس آیت کریمہ سے ان کا استدلال کرنا بھی غلط ہے۔ بلکہ یہ آیت کریمہ تو ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں ثواب پہنچتا ہے۔ دیکھو! ایک آدمی نے شادی کی اللہ تعالیٰ نے اولاد دی، اس نے اولاد کی تربیت کی، ان کو تعلیم دی۔ اس کے فوت ہو جانے کے بعد اولاد دعا کرے گی تو کیا یہ اس کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے؟ اسی طرح استاد نے شاگردوں پر محنت کی۔ یہ شاگرد استاد کے لیے دعا کریں گے تو استاد کی محنت کا نتیجہ ہوگا کہ اس نے محنت کی، مغز کھپایا، تعلیم دی۔ اس کا اچھا اخلاق تھا، دوست احباب کے ساتھ تعاون کیا، اچھے طریقے سے پیش آیا، غریبوں کی خدمت کی۔ اب وہ دعا کریں گے تو یہ اس کی کوشش کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

لہٰذا اس آیت کریمہ سے عدم ایصال ثواب کا استدلال کرنا غلط ہے۔ جائز طریقے سے صدقات، خیرات سب صحیح ہیں اور دعائیں بھی صحیح ہیں۔ البتہ بدعات سے بچو کہ ان سے ثواب نہیں ہوگا بلکہ عذاب نازل ہوگا۔ یہ تیجہ، ساتا، دسواں، چالیسواں سے، برسی سے عذاب لازم ہے ثواب کچھ بھی نہیں ہے۔ ایصال ثواب کے لیے دیگیں کھڑکانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دائیں ہاتھ سے دو بائیں کو علم بھی نہ ہو۔ معاملہ رب تعالیٰ کے ساتھ ہے ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

یہ مدرسہ چل رہا ہے اس میں بچے بھی پڑھتے ہیں، بچیاں بھی پڑھتی ہیں۔ ان کے لیے لنگر چل رہا ہے خاموشی کے ساتھ آ کر دے دو۔ جس نیت کے ساتھ دو گے ثواب پہنچ جائے گا۔

تو فرمایا اور یہ کہ نہیں انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور اس کی کوشش عنقریب اس کو دکھائی جائے گی ﴿ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى﴾ پھر اس کو بدلہ دیا جائے گا پورا بدلہ ﴿وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾ اور بے شک آپ کے رب کی طرف انتہاء ہے۔ اے بندے تو نے رب تعالیٰ کی طرف جانا ہے اس بات کو نہ بھول ﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى﴾ اور بے شک وہی اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے۔ دنیا دے کر ہنساتا ہے، غم دے کر رُلاتا ہے ﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْیَا﴾ اور بے شک وہی ہے

مارتا اور زندہ کرتا۔ زندہ کرنا اور مارنا بھی اسی کا کام ہے ﴿وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ﴾ اور بے شک اسی نے پیدا کیا جوڑا ﴿الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی﴾ نر اور مادہ ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی﴾ نطفے سے جب ٹپکایا جاتا ہے۔ اس پانی کے قطرے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے لڑکا بھی پیدا ہوتا ہے اور لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے ﴿وَ اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی﴾ اور بے شک اسی کے ذمہ ہے دوسری دفعہ اٹھانا اگلے جہان میں ﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَ اَقْنٰی﴾ اور بے شک وہی ہے جس نے غنی کر دیا اور محتاج بنایا۔ ﴿اَقْنٰی﴾ کا ایک معنیٰ تو کرتے ہیں فقیر بنایا اور بعض مفسرین کرام ﴿اَقْنٰی﴾ قِنْیَه سے لیتے ہیں قاف کے کسرے کے ساتھ۔ قِنْیَه کا معنیٰ ہوتا ہے ڈھیر مال۔ تو اس لحاظ سے معنیٰ ہوگا کہ رب نے غنی کر دیا اور ڈھیر مال دیا ﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی﴾ اور بے شک وہی ہے شعریٰ کا رب۔ یہ قطب ستارے کے پاس ایک ستارہ ہے۔ ریاضی والے اس کو غبور بھی کہتے ہیں اور جوزا بھی کہتے ہیں۔ عرب کے کچھ لوگ شعریٰ ستارے کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں شعریٰ ستارے کی پوجا کرتے ہو اور شعریٰ کے رب کی پوجا نہیں کرتے۔

جس طرح آج کل بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں قطب ستارے کی طرف ٹانگیں نہ کرو۔ بھائی! یہ تمھیں کس نے بتلایا ہے؟ پھر بعض کہتے ہیں کہ فلاں کی قبر کی طرف پاؤں نہ کرو۔ بھائی! بزرگوں کی قبر سے کون سا علاقہ خالی ہے۔ یہ جہالت کی باتیں ہیں۔ فرمایا ﴿وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا لْاُوْلٰی﴾ اور بے شک وہی ہے جس نے ہلاک کیا عادِ اولیٰ کو۔ جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ باقی مجرموں کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

~~~

﴿وَ ثَمُوْدَاۡ﴾ اور ثمود قوم کو ہلاک کیا ﴿فَمَاۤ اَبْقٰی﴾ پس کسی کو باقی نہ چھوڑا ﴿وَ قَوْمَ نُوْحٍ﴾ اور نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا﴾ بے شک تھے وہ ﴿هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰی﴾ وہ بڑے ظالم اور بڑے سرکش ﴿وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰی﴾ اور الٹی بستی والوں کو پٹخ دیا ﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰی﴾ اور ڈھانپ لیا اس کو اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ﴾ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت میں ﴿تَتَمَارٰی﴾ شک کرو گے ﴿هٰذَا نَذِیْرٌ﴾ یہ ڈرانے والا ہے ﴿مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی﴾ پہلے ڈرانے والوں میں سے ﴿اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ﴾ قریب آ گئی قریب آنے والی ﴿لَیْسَ لَهَا﴾ نہیں ہے اس کے لیے ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿كَاشِفَةٌ﴾ کوئی کھولنے والا ﴿اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ﴾ کیا پس اس بات سے ﴿تَعْجَبُوْنَ﴾ تم تعجب کرتے ہو ﴿وَ تَضْحَكُوْنَ﴾ اور ہنستے ہو ﴿وَ لَا تَبْكُوْنَ﴾ اور روتے نہیں ﴿وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ﴾ اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ﴾ پس سجدہ کرو تم اللہ تعالیٰ کو ﴿وَ اعْبُدُوْا﴾ اور عبادت کرو اسی کی۔
~~~

قوم عاد کی ہلاکت

کل کے سبق کی آخری آیت میں تھا ﴿وَاَنَّہٗٓ اَہْلَکَ عَادَا اِۨلْاُوْلٰی﴾ "اور بے شک وہی ہے جس نے ہلاک کیا عادِ اولیٰ کو۔" ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ ان کے علاقے کا نام احقاف تھا جو یمن اور حضرموت، عمان کے درمیان اور نجران کے قریب تھا۔ عرصہ دراز تک ہود علیہ السلام ان کو تبلیغ کرتے رہے لیکن بد بخت قوم نے نبی کی بات نہیں مانی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش روک دی، خشک سالی ہوگئی۔ چشمے بھی خشک ہو گئے، درخت سوکھ گئے، فصلیں پیدا نہ ہوئیں۔ کئی لوگوں نے وہاں سے نقل مکانی کر لی۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا میری بات مان لو اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش برسائے گا اور تم پر رحمت بھی نازل کرے گا۔ کہنے لگے ہمیں موت منظور ہے مگر تیری وجہ سے بارش آئے تو ہمیں اس بارش کے ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ضد کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کم و بیش تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ بارانی علاقہ ہو اور تین سال تک بارش نہ ہو تو اندازہ لگا لو ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

ایک دن بادل کا ایک ٹکڑا ان کے علاقے کی طرف آیا تو بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ کہنے لگے ﴿ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ [سورۃ الاحقاف، پارہ:۲۶] "یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا۔" ہم آسودہ حال ہو جائیں گے۔ بادل بالکل ان کے سروں کے قریب آ گیا اور اس سے آواز آئی:

رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرُ مِنْ عَادٍ اَحَدًا۔

"ان کو راکھ کر دے عاد قوم کے کسی فرد کو نہ چھوڑ۔"

پھر اس بادل سے ایسی تیز ہوا نکلی کہ اس نے ان کو اٹھا اٹھا کر زمین پر مارا اور ہلاک کر دیا۔

اب ثمود کا ذکر ہے جس کو عادِ ثانی کہا جاتا ہے۔ فرمایا ﴿وَثَمُوْدَاۡ﴾ اور ہلاک کیا قوم ثمود کو رب تعالیٰ نے ﴿فَمَآ اَبْقٰی﴾ پس نہ باقی چھوڑا ان میں سے کسی ایک کو ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ﴾ اور نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا اس سے پہلے۔ نوح علیہ السلام کا زمانہ ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام نوح علیہ السلام سے بعد تشریف لائے ہیں۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کو تبلیغ کی ہے اور تبلیغ بھی اس انداز سے ﴿اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَہَارًا﴾ "میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی۔" ﴿اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَہُمْ وَاَسْرَرْتُ لَہُمْ اِسْرَارًا﴾ [سورۃ نوح، پارہ:۲۹] "پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی اور میں نے ان کو پوشیدہ طور پر بھی دعوت دی۔"

حضرت نوح علیہ السلام کا اندازِ تبلیغ

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات پڑھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ قوم پر کیسی محنت کی۔ اگر کوئی آدمی کلہاڑی لے کر جنگل کی طرف لکڑیاں کاٹنے کے لیے جا رہا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ بھائی لا الٰہ الا اللہ

پڑھو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں ہے۔ اگر کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے، بیل چلا رہا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور دعوت دے رہے ہیں ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾ اگر شادی کے موقع پر لوگ اکٹھے ہوئے ہیں تو اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے وہاں پہنچ کر دعوت دے رہے ہیں ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾ اگر جنازہ اٹھا کر جا رہے ہیں تو یہ بھی ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور دعوت دے رہے ہیں ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾ بازار میں کوئی آدمی شے خرید رہا ہے، کوئی بیچ رہا ہے، اس کو سمجھا رہے ہیں۔ جس انداز سے انھوں نے قوم کو سمجھایا ہے آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اتنا طویل عرصہ قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیا۔ مگر بارھویں پارے میں آتا ہے ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ [ہود: ۴۰] "پس نہیں ایمان لائے اس کے ساتھ مگر بہت تھوڑے۔" حتیٰ کہ ایک بیٹا اور بیوی بھی مسلمان نہ ہوئی۔ ایمان لانے والے کسی نے اسی لکھے ہیں، کسی نے چوراسی لکھے ہیں، کسی نے نوے۔ سو کو نہیں پہنچتے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ حق قبول کرنا کتنا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کشتی تیار کرو۔ جیسے ہمارے ہاں شیشم کی لکڑی بڑی پکی ہوتی ہے، سرحد میں اخروٹ کی اور ہندوستان میں ساگوان کی لکڑی بڑی پکی اور مضبوط ہوتی ہے۔ شام کے علاقے میں گوکھر کی لکڑی ہوتی ہے اس سے کشتی بنائی پچاس (۵۰) فٹ چوڑی اور اکانوے (۹۱) فٹ آٹھ انچ اونچی تھی۔ تین اس کے درجے تھے۔ نیچے والا درجہ سامان کا، درمیان والا جانوروں کا اور اوپر والا انسانوں کا۔ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے سے کہا ﴿یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا﴾ یٰبُنَیَّ تصغیر ہے۔ "اے میری پتری! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔" ظالم قوم کے ساتھ نہ رہو۔ بیٹے نے کہا کہ یہ پانی میرا کیا بگاڑے گا ﴿سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ﴾ [ہود: ۴۳] "میں پناہ پکڑوں گا اس پہاڑ کی، اس کی چوٹی پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے بچا لے گا پانی میں ڈوبنے سے۔" فرمایا بیٹے! ﴿لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ﴾ "نہیں ہے کوئی آج کے دن بچانے والا اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر وہ جس پر رحم کیا اس نے۔" جو میری کشتی پر سوار ہو گا وہی بچے گا۔ یہ سیلاب سارے جہان میں آیا تھا۔ سات مہینے سترہ دن ان کی کشتی پانی پر چلتی رہی پھر رب تعالیٰ کے حکم سے بارش رکی اور زمین نے پانی کو جذب کیا۔ کشتی جودی پہاڑ پر جا رکی۔ آج کل کے جغرافیے میں اس کا نام ارارات ہے۔ یہ عراق کے صوبہ موصل کے جزیرے میں ہے۔ سترہ ہزار فٹ سے زیادہ اس کی بلندی ہے۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کا ڈھانچا دیکھا ہے اَدْرَکَتْھَا اَوَائِلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ. تو فرمایا اس سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا ﴿اِنَّھُمْ کَانُوْا ھُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی﴾ بے شک وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔ اور کس کو تباہ کیا؟ ﴿وَالْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی﴾ اور الٹی بستی والوں کو پٹخ دیا۔ ﴿اَھْوٰی﴾ کا معنیٰ ہے الٹا کر دینا۔ یہ بستی سدوم کی بات ہے جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

اصل میں تو لوط علیہ السلام عراق کے رہنے والے تھے ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کا نام فلدان بھی لکھا ہے اور ہاران بھی لکھا ہے لاہوری ھا کے ساتھ، ہاران بن آزر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق سے ہجرت

کی تو ان کے ساتھ ان کی بیوی سارہ علیہا السلام جو ان کے چچے کی لڑکی تھی اور بھتیجا لوط علیہ السلام بھی ساتھ تھا۔ ملک شام میں دمشق کے علاقے میں جب پہنچے تو لوط علیہ السلام کو بستی سدوم جو بہت بڑا شہر تھا کی طرف بھیجا گیا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے ان کی وضع قطع، شکل وصورت دیکھ ان کو رشتہ بھی دے دیا لیکن اہلیہ نے کلمہ نہیں پڑھا۔ تین لڑکیاں ہوئیں انھوں نے والد کا ساتھ دیا۔ جب عذاب آنے والا تھا لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں سے فرمایا کہ یہاں سے نکل چلو۔ بیٹیوں نے ماں کی بڑی منت ساجت کی کہ امی! ہمارے ساتھ چلو۔ تو وہ دور سے ہی ہاتھ ہلا کر کہتی تھی دفع ہو جاؤ میں نے کلمہ نہیں پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر چار قسم کے عذاب نازل ہوئے۔ چاروں کا قرآن پاک میں ذکر ہے ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی بینائی ختم کر دی۔"

دوسرا عذاب: صیحہ کا تھا کہ ڈراؤنی آواز آئی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔

تیسرا عذاب: کہ ان پر پتھر برسائے گئے۔

چوتھا عذاب: ﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى﴾ پس چھا گیا اس بستی پر وہ عذاب جو چھا گیا۔ آنکھیں چھیننے کے بعد پتھروں کی بارش کر دی گئی، چیخ کے ذریعے کلیجے پھاڑ دیئے گئے۔ پھر اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دیا گیا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى﴾ اِلا اَلَیٰ یا اُلَیٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے نعمت۔ ﴿اٰلَآءِ﴾ جمع ہے۔ آگے خطاب ہے انسان کو۔ پس اپنے رب کی کون سی نعمتوں کے بارے میں شک کرو گے۔ وجود نعمت ہے اس میں ہاتھ نعمت، پاؤں نعمت، آنکھیں نعمت، کان نعمت، زبان نعمت، دل و دماغ نعمت، جگر، گردے نعمت، مال، خوراک، لباس نعمت۔ ہم نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔ فرمایا مکے والو! ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴾۔ هٰذَا کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے کہ یہ ڈرانے والا ہے رب تعالیٰ کے عذاب سے پہلے ڈرانے والوں میں سے۔ اسی جماعت سے ہے جو پہلے ڈرانے والے تھے۔ نوح علیہ السلام، صالح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام۔ اگر تم اِس کی بات نہیں مانو گے تو جو حشر اُن کے مخالفوں کا ہوا تمھارا بھی وہی حشر ہوگا۔

بدر سے پہلے بڑے اچھلتے کودتے تھے۔ بدر کی ذلت ناک شکست کے بعد کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ فرمایا ﴿اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ﴾ قریب آگئی قریب آنے والی۔ مراد قیامت ہے کہ قیامت کا نام الساعة بھی ہے، الحاقة بھی ہے، القارعة بھی ہے اور ازفہ بھی ہے۔ یہ سب نام قرآن میں موجود ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے کے لوگ کہتے تھے کہ جب تک نبی آخر الزماں نہیں آئے گا قیامت نہیں آئے گی اور جب تک چاند دو ٹکڑے نہیں ہوگا قیامت نہیں آئے گی۔ اب وہ نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں۔ چند نشانیوں کے سوا قیامت کی نشانیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اب تو قیامت ہمارے سر پر کھڑی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں کے بارے میں کہ قتل کثرت کے ساتھ ہوں گے، نہ مارنے والے کو علم ہوگا کہ اس نے کیوں مارا ہے اور نہ مرنے والے کو علم ہوگا کہ مجھے کیوں مارا گیا ہے۔

آج حادثاتی دور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو آدمی گھر سے جائے اور رات کو خیریت سے واپس آجائے تو اسے دو نفل

پڑھنے چاہئیں کہ ربا تیرا شکر ہے میں خیریت سے گھر آ گیا ہوں۔

تو فرمایا قریب آ گئی ہے قریب آنے والی ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ﴾ نہیں ہے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کھولنے والا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۷ پارہ ۹ میں ہے ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ "نہیں ظاہر کرے گا اس کو وقت پر مگر وہی۔" ﴿اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ﴾ کیا پس اس بات سے تم تعجب کرتے ہو کہ قیامت آئے گی ﴿وَتَضْحَكُوْنَ﴾ اور ہنستے ہو ﴿وَلَا تَبْكُوْنَ﴾ اور روتے نہیں ہو۔ اگر تمھیں قیامت کی ہولناکیوں کا احساس ہو تو بہت روؤ ﴿وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ﴾ سٰمِدُوْنَ کا معنیٰ غَافِلُون کرتے ہیں اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ اور اس کا معنیٰ متکبرون بھی کرتے ہیں کہ تم تکبر کرتے ہو۔ اور منکرون بھی کرتے ہیں کہ تم انکار کرتے ہو۔ سب معانی صحیح ہیں۔ ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ﴾ پس تم سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو ﴿وَاعْبُدُوْا﴾ اور اس کی عبادت کرو۔ یہ آیت کریمہ سجدے والی ہے۔ میں نے پڑھی ہے اور جس جس نے بھی سنی ہے تمام مرد عورتوں پر سجدہ لازم ہے نہ کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ اس کے لیے تمام وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ باوضو ہو، جگہ پاک ہو، کپڑے پاک ہوں۔ سورج کے طلوع اور غروب اور زوال کے وقت نہیں کر سکتے۔ اگر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے وقت ہے تو کر لو ورنہ بعد میں کر لینا۔ گھروں میں بھی جا کر کر سکتے ہیں، دفتروں میں بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں بیٹھے رہنا ضروری نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

۲۷

آیاتُھا ۵۵ ﴿۵۴﴾ سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۳۷﴾ رُکُوْعَاتُھَا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ ﴾ قریب آ گئی قیامت ﴿ وَانْشَقَّ ﴾ اور پھٹ گیا ﴿ الْقَمَرُ ﴾ چاند ﴿ وَ اِنْ یَّرَوْا ﴾ اور اگر دیکھیں یہ لوگ ﴿ اٰیَۃً ﴾ کوئی نشانی ﴿ یُّعْرِضُوْا ﴾ اعراض کرتے ہیں ﴿ وَ یَقُوْلُوْا ﴾ اور کہتے ہیں ﴿ سِحْرٌ ﴾ جادو ہے ﴿ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ طاقتور ﴿ وَ کَذَّبُوْا ﴾ اور جھٹلایا انھوں نے ﴿ وَاتَّبَعُوْٓا ﴾ اور پیروی کی انھوں نے ﴿ اَھْوَآءَھُمْ ﴾ اپنی خواہشات کی ﴿ وَ کُلُّ اَمْرٍ ﴾ اور ہر معاملہ ﴿ مُّسْتَقِرٌّ ﴾ ٹھہرا ہوا ہے (اپنے وقت پر) ﴿ وَ لَقَدْ جَآءَھُمْ ﴾ اور البتہ تحقیق آ چکی ہیں ان کے پاس ﴿ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ ﴾ خبروں میں سے ﴿ مَا فِیْہِ ﴾ وہ جن میں ﴿ مُزْدَجَرٌ ﴾ ڈانٹ ہے ﴿ حِکْمَۃٌۢ بَالِغَۃٌ ﴾ حکمت ہے انتہاء کو پہنچنے والی ﴿ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴾ پس نہیں فائدہ دیتے ڈرسنانے والے ﴿ فَتَوَلَّ عَنْھُمْ ﴾ پس آپ اعراض کریں ان سے ﴿ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ ﴾ جس دن پکارے گا پکارنے والا ﴿ اِلٰی شَیْءٍ نُّکُرٍ ﴾ ناگوار چیز کی طرف ﴿ خُشَّعًا اَبْصَارُھُمْ ﴾ جھکی ہوئی ہوں گی آنکھیں ان کی ﴿ یَخْرُجُوْنَ ﴾ نکلیں گے ﴿ مِنَ الْاَجْدَاثِ ﴾ قبروں سے ﴿ کَاَنَّھُمْ ﴾ گویا کہ وہ ﴿ جَرَادٌ ﴾ ٹڈیاں ہیں ﴿ مُّنْتَشِرٌ ﴾ بکھری ہوئیں ﴿ مُّھْطِعِیْنَ ﴾ تیزی سے چل رہے ہوں گے ﴿ اِلَی الدَّاعِ ﴾ پکارنے والے کی طرف ﴿ یَقُوْلُ الْکٰفِرُوْنَ ﴾ کہیں گے کافر لوگ ﴿ ھٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ ﴾ یہ دن بہت سخت ہے ﴿ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے ﴿ قَوْمُ نُوْحٍ ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم نے ﴿ فَکَذَّبُوْا عَبْدَنَا ﴾ پس جھٹلایا انھوں نے ہمارے بندے کو ﴿ وَ قَالُوْا ﴾ اور کہا انھوں نے ﴿ مَجْنُوْنٌ ﴾ دیوانہ ہے ﴿ وَّ ازْدُجِرَ ﴾ جھڑکا ہوا ہے ﴿ فَدَعَا رَبَّہٗٓ ﴾ پس پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ ﴾ بے شک میں عاجز ہوں ﴿ فَانْتَصِرْ ﴾ پس آپ انتقام لیں ﴿ فَفَتَحْنَآ ﴾ پس کھول دیا ہم نے ﴿ اَبْوَابَ السَّمَآءِ ﴾ آسمان کے دروازوں کو ﴿ بِمَآءٍ ﴾ پانی کے ساتھ ﴿ مُّنْھَمِرٍ ﴾ جو زور سے بہنے والا تھا ﴿ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ ﴾ اور چلا دیئے ہم نے زمین میں ﴿ عُیُوْنًا ﴾ چشمے ﴿ فَالْتَقَی الْمَآءُ ﴾ پس مل گیا پانی ﴿ عَلٰٓی اَمْرٍ ﴾ ایک معاملے پر ﴿ قَدْ قُدِرَ ﴾ جو طے کر دیا گیا تھا ﴿ وَ حَمَلْنٰہُ ﴾ اور ہم نے سوار کیا اس کو ﴿ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ ﴾ تختوں والی پر ﴿ وَّ دُسُرٍ ﴾ اور کیلوں والی پر ﴿ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ﴾ جو چلتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ﴿ جَزَآءً ﴾ بدلہ تھا ﴿ لِّمَنْ ﴾ اس کا ﴿ کَانَ کُفِرَ ﴾ جس

کی ناقدری کی گئی ﴿وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ﴾ اور البتہ تحقیق چھوڑا ہم نے اس کو ﴿اٰيَةً﴾ نشانی ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا ﴿وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن کو ﴿لِلذِّكْرِ﴾ نصیحت کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

وجہ تسمیہ وشان نزول

اس سورت کا نام سورۃ القمر ہے۔ قمر کا معنیٰ ہے چاند۔ قمر کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے جس کی نسبت سے اس سورت کا نام قمر رکھا ہے۔ اس سورت کا شان نزول اس طرح بتاتے ہیں کہ صنادید قریش کا ٹولا، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، حارث بن ہشام، اسود بن مطلب، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ جو اکٹھے اٹھتے بیٹھتے تھے اور ان سب کا مزاج ایک جیسا تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ کی رات کا سماں تھا اکٹھے بیٹھے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ اکیلے بیٹھے ہیں صرف ایک آدمی ان کے ساتھ ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ کہنے لگے آج اس کو ستائیں، تنگ کریں۔ ایسا سوال کریں کہ وہ نہ کر سکے اور پھر اس کا مذاق اڑائیں۔ کسی نے کہا یہ نشانی مانگو، کسی نے کہا یہ نشانی مانگو۔ پھر کہنے لگے کہ اس کو کہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں چاند دو ٹکڑے کر دیں۔ کیونکہ تیرا رب اس پر قادر ہے۔ چنانچہ ایک ایک ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ کہنے لگے یا محمد (ﷺ)! آپ کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور رب تعالیٰ ہماری دعائیں قبول کرتا ہے۔ لہٰذا اپنے رب سے کہیں کہ چاند کو دو ٹکڑے کر دے کہ اس کے لیے تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اگر ایسا ہو جائے تو مان لو گے؟ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ کہنے لگے مان لیں گے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر جو کعبۃ اللہ سے مشرق کی طرف ہے اور دوسرا ٹکڑا جبل قُیقُعان پر جو بیت اللہ سے مغرب کی طرف ہے۔ سب نے دیکھا ایک دوسرے سے پوچھتے کہ واقعی تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں۔ وہ کہتا دو ہی نظر آ رہے ہیں۔ وہاں سے چند قدم دور جا کے دیکھا پھر بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے وعدہ کیا تھا ایمان لانے کا۔ کہنے لگے تیرا جادو بڑا طاقت ور ہے اور ہم کیوں جادو کو مانیں؟

شق القمر کا واقعہ تاریخ فرشتہ میں

تاریخ کی مشہور کتاب ہے "تاریخ فرشتہ" ملاں احمد احمد نگری نے لکھی ہے ہندوستان کے حالات پر۔ فارسی زبان میں تھی اُردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ پہلے نایاب تھی ایک نسخہ میرے پاس تھا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں تھا۔ شاید ایک آدھ کسی اور

کے پاس ہو۔ اب اس کو اکوڑہ خٹک والوں نے طبع کر دیا ہے۔ اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ لکھا ہے کہ بمبئی کے پاس ایک ریاست ہے جس کا نام مالابار اور ملیبار بھی کہتے ہیں۔ وہاں کے ہندو راجے کھلے میدان میں بیٹھے تھے ان کی رانیاں بھی موجود تھیں اور خدمت گار عملہ بھی موجود تھا کہ انھوں نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ اپنی ڈائری طلب کر کے اس میں تاریخ اور وقت لکھا کہ ہم نے اس رات چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ یہ لوگ تو تحقیق کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ان کی اولاد تحقیق میں لگی رہی یہاں تک کہ ۹۶ھ میں مالک بن دینار اور ان کے چند ساتھی رحمۃ اللہ علیہم تاجروں کی شکل میں ریاست مالابار میں پہنچے۔ اُن راجوں کے ڈیروں پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ فلاں رات کو چاند دو ٹکڑے ہوا تھا یہ ڈائریوں میں ہمارے بڑوں نے اپنے دستخطوں کے ساتھ لکھا ہے اور ہمیں تاکید بھی کی تھی کہ اس کی تحقیق کرنا کہ کیا قصہ ہوا ہے؟ تو عرب سے آئے ہوئے بول پڑے جن کی تعداد چھ بھی لکھی ہے اور سات بھی لکھی ہے کہ ہمیں معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھیجا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے والد صاحب کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہے۔ نبوت سے پہلے سارے لوگ اس کو اچھا جانتے تھے نبوت کے بعد مخالف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر عجیب و غریب کرشمے ظاہر فرمائے۔ ان کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چودھویں رات کے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا اور پھر تمام قصہ سنایا قریش مکہ کے مطالبے کا۔

جب راجوں نے یہ قصہ سنا تو سارے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ دیکھو! جن کی قسمت میں ایمان تھا مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی مسلمان ہو گئے۔ اور بدقسمت تھے وہ جو قریب ہوتے ہوئے بھی محروم رہے۔

تو فرمایا ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ قریب آ گئی قیامت ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ اور پھٹ گیا چاند، دو ٹکڑے ہو گیا ﴿وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً﴾ اور اگر دیکھیں یہ لوگ کوئی نشانی ﴿یُّعْرِضُوْا﴾ تو اعراض کرتے ہیں ﴿وَیَقُوْلُوْا﴾ اور کہتے ہیں ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ مُسْتَمِر اگر مرّۃ سے لیں جیسا کہ تم نے پچھلی سورت میں پڑھا ہے ﴿ذُوْمِرَّةٍ﴾ "قوت والا" یہ جبریل علیہ السلام کی صفت ہے۔ تو معنی ہو گا طاقت ور جادو۔

بعض حضرات نے اس کا مجرد مرور سے لیا ہے۔ بولتے ہیں مرور زمانہ، زمانے کا گزرنا۔ تو پھر معنی ہو گا ختم ہونے والا جادو۔ یعنی دو تین دن رہے گا پھر ختم ہو جائے گا اور بعضوں نے اِسْتِمْرَار سے لیا ہے۔ دوام کا معنی ہو گا کہ یہ جادو مسلسل چلتا آ رہا ہے پہلے پیغمبر بھی کرتے آئے ہیں اور یہ بھی کر رہا ہے ﴿وَکَذَّبُوْا﴾ اور انھوں نے جھٹلا دیا ﴿وَاتَّبَعُوْا اَھْوَآءَھُمْ﴾ اور انھوں نے پیروی کی اپنی خواہشات کی۔ منہ مانگا معجزہ ظاہر ہوا لیکن تسلیم نہ کیا۔ فرمایا ﴿وَکُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ﴾ مُسْتَقِرّ کا لازمی کا معنی بھی کرتے ہیں اور متعدی کا معنی بھی کرتے ہیں۔ لازمی کا باب بنائیں تو پھر معنی ہو گا ہر معاملہ اپنی جگہ ٹکا ہوا ہے۔ یعنی جس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو وقت مقرر فرمایا ہے وہ چیز اس وقت پر آئے گی۔ اور متعدی کا معنی کریں تو پھر معنی ہو گا ہر معاملہ ٹکانے والا ہے۔ نیکی کا معاملہ ہوا تو جنت میں ٹکا دے گا۔ بدی کا ہو گا تو دوزخ میں ٹکا دے گا۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق آچکی ہیں ان کے پاس ﴿مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ﴾ خبروں میں سے ﴿مَا﴾ وہ ﴿فِيْهِ مُزْدَجَرٌ﴾ جن میں ڈانٹ ہے، توبیخ ہے، عبرت ہے۔ یعنی صرف چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی چیزیں یہ دیکھ چکے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ معجزات

مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنِّیْ لَاَعْلَمُ حَجَرًا "بے شک میں اس پتھر کی شناخت کر سکتا ہوں کہ جب میں نبوت ملنے سے پہلے اس کے پاس سے گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کرتا تھا اور سننے والے سنتے تھے۔"

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ کھلا میدان تھا پردے والی جگہ نہیں تھی۔ اس میدان میں دو طرف درخت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کو اشارہ کیا تو وہ زمین کو چیرتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگیا پھر دوسرے درخت کو اشارہ فرمایا تو وہ بھی زمین کو چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹہنیوں کو جڑنے کا اشارہ کیا تو وہ جڑ گئیں اور پردہ بن گیا۔ قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان درختوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ۔ وہ درخت اپنی جگہ چلے گئے۔

(یہ جگہ بیت اللہ سے مشرق اور شمال کے کونے میں تھوڑے سے فاصلے پر ہے اور دونوں درختوں کی جگہ پر انھوں نے مسجدیں بنا دی ہیں۔ ایک مسجد سڑکوں کے ایک طرف ہے اور دوسری مسجد سڑکوں کے دوسری طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں مسجدیں دیکھنے کا شرف بخشا ہے اور وہاں کے ساتھی بتاتے ہیں کہ یہ درختوں والی جگہ پر بنائی گئیں ہیں۔ مرتب محمد نواز بلوچ)

ایک سفر کی بات ہے کہ پانی تھوڑا تھا ساتھی زیادہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انگلیوں سے ایسے پانی چل رہا تھا جیسے نہریں چل رہی ہوں۔ کوئی ایک معجزہ تو نہیں ہے بے شمار معجزے ہیں۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصارِ مدینہ کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے ایک آدمی نے آکر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں میں نبی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں فقط کہتا نہیں ہوں بلکہ واقعتا اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ کہنے لگا میری تسلی کے لیے کچھ کر دو تاکہ میں بھی مان لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دیکھ کھجور پر خوشے لگے ہوئے ہیں اگر اس کا خوشہ (گچھا) میری گود میں آجائے تو مان لو گے۔ کہنے لگا مان لوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ترمذی شریف کی روایت ہے گچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں آگیا۔ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گچھے کو اشارہ کیا تو وہ اپنی جگہ پر درخت کے ساتھ جڑ گیا۔ اور اس طرح کے بے شمار معجزے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے مگر جنھوں نے نہیں ماننا تھا وہ نہیں مانے۔

تو فرمایا البتہ تحقیق آچکی ان کے پاس وہ خبریں جن میں ڈانٹ ہے، زجر ہے، توبیخ ہے، سبق ہے، عبرت ہے ﴿حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ﴾ حکمت ہے انتہاء کو پہنچنے والی۔ یہ قرآن پاک انتہاء کو پہنچنے والی حکمت ہے ﴿فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ پس نہیں فائدہ دیتے ڈر سنانے والے۔ نُذُرٌ نَذِیر کی جمع ہے ڈر سنانے والے۔ کیونکہ ضدی آدمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے

نوسو سال وعظ وتبلیغ کی مگر قوم نے نہیں مانا۔ دیگر پیغمبروں نے بھی پیغام رسالت کا حق ادا کیا مگر قوم نے نہیں مانا۔ پیغمبر بیچارے کیا کرتے پیغمبروں کا کام تو اتنا ہی ہے کہ وہ حق کو واضح کر دیں۔ منوانا تو ان کے فرائض میں داخل نہیں ہے ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ پس آپ ان سے اعراض کریں۔ ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ منہ مانگا معجزہ انھوں نے دیکھ لیا ہے نہیں مانتے تو آپ پریشان نہ ہوں ان کو اس دن تک کے لیے چھوڑ دیں ﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ﴾ جس دن پکارے گا پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف۔ اجنبی اور نرالی چیز کی طرف۔ داعی سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ جب وہ دوبارہ ایسے بگل میں پھونک ماریں گے (حضرت نے سپیکر میں پھونک مار کر بھی دکھائی) جب وہ دوبارہ پھونک ماریں گے تو مشرق، مغرب، شمال، جنوب والے سب اکٹھے ہو جائیں گے ﴿خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ﴾ خُشَّعًا خَاشِعَةٌ کی جمع ہے۔ آنکھیں ان کی جھکی ہوئی ہوں گی۔ کیونکہ ساری حقیقت تو برزخ میں دیکھ چکے ہوں گے اور یہ بھی علم ہے کہ اب اور پٹائی ہونی ہے تو اپنے اعمال پر شرمندہ ہوں گے ﴿يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ﴾۔ اجداث جدث کی جمع ہے۔ جدث کا معنیٰ ہے قبر۔ نکلیں گے قبروں سے ﴿كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ﴾ جَرَاد جَرَادَةٌ کی جمع ہے بمعنیٰ مکڑی، ٹڈی۔ گویا کہ وہ مکڑیاں ہیں، ٹڈیاں ہیں بکھری ہوئیں۔ جس طرح مکڑیاں بے ہنگم ہوتی ہیں اسی طرح قبروں سے نکلیں گے تو کوئی ترتیب نہیں ہوگی۔ قبر کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عرب کے مشرک مردوں کو دفن کرتے تھے جلاتے نہیں تھے۔ یہودی اور عیسائی بھی دفن کرتے تھے۔ لیکن جس کو جلایا گیا یا اس کو درندے، پرندے کھا گئے، مچھلیاں کھا گئیں، بندے کھا گئے، سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آکر کھڑے ہوں گے۔

رب تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے ایک آدمی بڑا گناہ گار تھا۔ مرتے وقت اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تمہارا کس طرح کا باپ ہوں؟ بیٹوں نے کہا کہ آپ ہمارے حق میں بڑے اچھے ہیں۔ کہنے لگا کہ قسم اٹھاؤ میں نے تمھیں ایک کام کہنا ہے وہ کرو گے۔ بیٹوں نے کہا ابا جی! بات بتلاؤ پہلے قسم نہ اٹھوائیں۔ کہنے لگا نہیں پہلے قسم اٹھاؤ۔ پہلے سب سے قسمیں اٹھوائیں پھر کہا کہ میں جب مر جاؤں تو مجھے جلا کر راکھ کر دینا۔ ہڈیاں جل جائیں تو ان کو پیس لینا۔ میری راکھ میں سے کچھ تو سمندر میں پھینک دینا اور کچھ ہوا میں اڑا دینا۔ بیٹوں نے باپ کی وصیت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا اور پانی کو حکم دیا اس کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہوا۔ سارے ذرات کو اکٹھا کر کے بندہ بنا کر کھڑا کر دیا جیسا کہ مرنے سے پہلے تھا۔ رب تعالیٰ کو تو علم تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے مگر ضابطے کے مطابق فرمایا اے بندے! بتا تو نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟ اس نے کہا اے پروردگار! تیرے ڈر کی وجہ سے کی ہے کہ آپ نے مجھے مال دیا، اولاد دی اور بہت کچھ دیا مگر میں نے بندوں والا کوئی کام نہیں کیا۔ میں نے سوچا کہ رب تعالیٰ کے سامنے راکھ ہو کر پیش ہوں شاید کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ یہ خلاصہ ہے بخاری اور مسلم شریف کی روایت کا۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔

تو فرمایا نکلیں گے قبروں سے گویا مکڑیاں ہیں بکھری ہوئیں ﴿مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ﴾ تیزی سے چل رہے ہوں گے پکارنے والے کی طرف۔ جس طرف سے بگل کی آواز آرہی ہوگی اس طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے ﴿يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کہیں گے کافر ﴿هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ﴾ یہ دن بہت سخت ہے، بڑا مشکل ہے۔

قریش مکہ نے منہ مانگا معجزہ دیکھ لیا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا پھر بھی نہ مانا تو اس سے آنحضرت ﷺ کو کافی دکھ اور صدمہ ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے چند واقعات بیان فرمائے کہ آپ پریشان نہ ہوں اگر انھوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو پہلے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے جھٹلایا ہے۔ اس لیے آپ تسلی رکھیں۔ فرمایا ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ﴾ جھٹلایا ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو ﴿فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا﴾ پس جھٹلایا انھوں نے ہمارے بندے نوح علیہ السلام کو ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿مَجْنُوْنٌ﴾ یہ دیوانہ ہے۔ نوح علیہ السلام کے بارے میں قوم نے کہا کہ یہ پاگل ہے ﴿وَّازْدُجِرَ﴾ اور جھڑکا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام جب چند آدمیوں کو اکٹھا بیٹھا ہوا دیکھتے تو غنیمت سمجھتے ہوئے کہ اکٹھے مل گئے ہیں ان کو حق سنانے قریب جاتے، بیان شروع کرتے تو وہ ان کو دھکے مار کر باہر نکال دیتے تھے کہ پاگل آگیا ہے۔ تو آپ علیہ السلام سے پہلے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا ہے اور دیوانہ کہا گیا ہے۔ تو فرمایا، کہا انھوں نے دیوانہ ہے جھڑکا ہوا ہے ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ﴾ پس پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو ﴿اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ اے پروردگار! میں مغلوب ہو گیا ہوں، عاجز ہو گیا پس آپ انتقام لیں ان سے۔ ان پر اب میرا بس نہیں چلتا میں حق پہنچا چکا ہوں۔ پھر کیا ہوا؟ ﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ﴾ پس ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے ﴿بِمَآءٍ﴾ ایسے پانی کے ساتھ ﴿مُّنْهَمِرٍ﴾ جو زور سے بہنے والا تھا۔ موسلا دھار بارش ان پر برسائی۔ اوپر سے بارش شروع ہوئی ﴿وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا﴾ اور چلا دیئے ہم نے زمین میں چشمے۔ یہ زمین کا پانی اور آسمان کا پانی ﴿فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ﴾ پس مل گیا پانی ایک معاملے پر، ایک کام پر ﴿قَدْ قُدِرَ﴾ جو طے ہو چکا تھا۔ تمام مجرم اس میں غرق کر دیئے گئے ﴿وَحَمَلْنٰهُ﴾ اور ہم نے سوار کیا نوح علیہ السلام کو ﴿عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ﴾ الواح لوح کی جمع ہے تختی۔ تختوں والی پر ﴿وَّدُسُرٍ﴾ دُسُر کا معنیٰ ہے میخ۔ میخوں والی پر۔ چونکہ کشتی کی تختیوں کو میخوں سے مضبوط کیا جاتا ہے۔ وہ کشتی ﴿تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا﴾ چلتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے، ہماری حفاظت میں ﴿جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾ یہ بدلہ ہوا اس کا جس کی ناشکری کی گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی انھوں نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ڈبو دیا۔

اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں یہ بدلہ تھا اس کا جس کی ناقدری کی گئی ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً﴾ اور البتہ تحقیق چھوڑا ہم نے اس کشتی کو نشانی۔ بخاری شریف کی روایت ہے اَدْرَكَتْهَا اَوَائِلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ "اس امت کے پہلے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کشتی کا ڈھانچا دیکھا ہے جبل ارارات پر۔" ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا جو نصیحت حاصل کرے ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ میرا ڈرانا کیسا ثابت ہوا؟ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن نصیحت کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے

والا۔ قرآن پاک پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مجھے پڑھو، سمجھو، عمل کرو، رب تعالیٰ کو راضی کرو، آخرت بناؤ، رب تعالیٰ کے عذاب سے بچو۔

﴿كَذَّبَتْ﴾ جھٹلایا ﴿عَادٌ﴾ قوم عاد نے ﴿فَكَيْفَ كَانَ﴾ پس کیسا تھا ﴿عَذَابِيْ﴾ میرا عذاب ﴿وَنُذُرِ﴾ اور میرا ڈرانا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا﴾ بے شک بھیجی ہم نے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿رِيْحًا﴾ ہوا ﴿صَرْصَرًا﴾ تند و تیز ﴿فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ﴾ منحوس دن میں ﴿مُّسْتَمِرٍّ﴾ لگاتار ہوا ﴿تَنْزِعُ النَّاسَ﴾ اکھاڑتی تھی وہ ہوا لوگوں کو ﴿كَاَنَّهُمْ﴾ گویا کہ وہ ﴿اَعْجَازُ نَخْلٍ﴾ کھجور کے تنے ہیں ﴿مُّنْقَعِرٍ﴾ اکھڑے ہوئے ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب ﴿وَنُذُرِ﴾ اور میرا ڈرانا ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن ﴿لِلذِّكْرِ﴾ سمجھنے کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ﴾ جھٹلایا ثمود قوم نے ﴿بِالنُّذُرِ﴾ ڈرانے والوں کو ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا﴾ کیا ایک بشر جو ہم میں سے ہے اکیلا ﴿نَّتَّبِعُهٗٓ﴾ ہم اس کی پیروی کریں ﴿اِنَّآ اِذًا﴾ بے شک ہم اس وقت ﴿لَّفِيْ ضَلٰلٍ﴾ البتہ گمراہی میں ہوں گے ﴿وَّسُعُرٍ﴾ اور پاگل پن میں ہوں گے ﴿ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ﴾ کیا ڈالا گیا ہے ذکر، وحی اس پر ﴿مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ ہمارے درمیان ﴿بَلْ هُوَ كَذَّابٌ﴾ بلکہ وہ بڑا جھوٹا ہے ﴿اَشِرٌ﴾ اور بڑا اشریر ہے ﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا﴾ عنقریب وہ جان لیں گے کل ﴿مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ کون ہے بڑا جھوٹا بڑا متکبر ﴿اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ﴾ بے شک ہم بھیجنے والے ہیں اونٹنی کو ﴿فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ آزمائش ان کے لیے ﴿فَارْتَقِبْهُمْ﴾ پس آپ انتظار کریں ان کا ﴿وَاصْطَبِرْ﴾ اور صبر کریں ﴿وَنَبِّئْهُمْ﴾ اور خبر دے دیں ان کو ﴿اَنَّ الْمَآءَ﴾ بے شک پانی ﴿قِسْمَةٌۢ﴾ تقسیم ہو چکا ہے ﴿بَيْنَهُمْ﴾ ان کے درمیان ﴿كُلُّ شِرْبٍ﴾ ہر ایک کو اس کی باری پر ﴿مُّحْتَضَرٌ﴾ پہنچنا ہے ﴿فَنَادَوْا﴾ پس بلایا انھوں نے ﴿صَاحِبَهُمْ﴾ اپنے ساتھی کو ﴿فَتَعَاطٰى﴾ پس اس نے ہاتھ آگے بڑھایا ﴿فَعَقَرَ﴾ پس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب ﴿وَنُذُرِ﴾ اور میرا ڈرانا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ﴾ بے شک بھیجی ہم نے ان پر ﴿صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ ایک آواز ﴿فَكَانُوْا﴾ پس ہو گئے ﴿كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ جیسے روندی ہوئی ہو باڑ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن کو ﴿لِلذِّكْرِ﴾ نصیحت کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

یہ بات تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے کہ مشرکوں نے کہا چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید میں چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ سب نے دیکھا مگر ایمان کوئی نہ لایا اور کہا کہ یہ جادو ہے بڑا طاقت ور۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبعی طور پر صدمہ ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ منہ مانگا معجزہ ملنے کے بعد بھی انھوں نے جھٹلا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لیے پہلے پیغمبروں کے واقعات بیان فرمائے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ جو کل بیان ہوا تھا۔ اب ہود علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرماتے ہیں۔

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ﴾ جھٹلایا قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو۔ یہ قوم نوح علیہ السلام کے بعد تھی۔ ان کے علاقے کا نام احقاف تھا جو نجران کے قریب تھا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ میں نے ان کو پہلے آگاہ کیا تھا کہ اگر تم اسی طرح منکر رہے تو تم پر میرا عذاب آئے گا۔ آگے اس کی تھوڑی سی تفصیل بتاتے ہیں۔ فرمایا ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا﴾ بے شک بھیجی ہم نے ان پر ہوا ﴿صَرْصَرًا﴾ تند و تیز۔ کم و بیش تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ پھر ایک بادل کا ٹکڑا آیا اس کو دیکھ کر کہنے لگے ﴿هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ [الاحقاف: ۲۴] "یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا۔" فرمایا ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ﴾ "نہیں بلکہ وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے ﴿رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ "یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔" جب وہ ان کے سروں کے قریب آیا تو اس سے آواز آئی جو انھوں نے سنی:

رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ أَحَدًا.

"ان کو راکھ اور خاک کر دے کسی ایک کو نہ چھوڑنا۔"

یہ لوگ بڑے قد آور اور طاقتور تھے للکارتے ہوئے کہتے تھے ﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم سجدہ: ۱۵] "کون ہے ہم سے زیادہ طاقتور۔" اور یہ نہ سوچا کہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے وہ زیادہ طاقتور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز و تند ہوا بھیجی جس نے ان کو پٹخ پٹخ کر مارا۔ فرمایا ہم نے بھیجی ان پر ہوا تند و تیز ﴿فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ﴾ منحوس دن میں لگاتار ہوا ﴿تَنزِعُ النَّاسَ﴾ اکھاڑتی تھی وہ لوگوں کو، اٹھا کر پھینکتی تھی ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ﴾۔ اعجاز عَجُزٌ کی جمع ہے مُڈھ، تنا، کھجور کا درخت۔ منقعر اکھڑے ہوئے۔ گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہیں اکھڑے ہوئے۔

کوئی دن منحوس نہیں

بعض لوگوں نے یوم نحس سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دن بھی منحوس ہوتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۱۶ میں ہے ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ "پس بھیجی ہم نے ان پر ہوا تند و تیز منحوس دنوں میں۔" تو یہاں جمع کا لفظ ہے کئی دن۔ وہ کئی دن کتنے تھے؟ اس کا ذکر سورۃ الحاقہ میں ہے ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ﴾ "ہوا کو ان پر مسلط کر دیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل ان پر چلتی رہی۔" اب اس کا تو مطلب یہ بنے گا کہ ہفتے کے سارے دن ہی منحوس ہیں سعد دن تو ایک بھی نہ رہا۔ پھر اگر دنوں میں ذاتی نحوست ہوتی تو ہود علیہ السلام

اوران کے ساتھی کس طرح بچتے؟ ان دنوں میں ان کا تو ایک بال بھی ٹیڑھا نہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ دنوں میں ذاتی طور پر نحوست نہیں ہے نحوست ان کے کفر شرک کی وجہ سے تھی، ان کی بداعمالی کی وجہ سے تھی۔ جو بداعمال تھے ان کے حق میں منحوس تھے اور جو اچھے اعمال والے تھے ان کے حق میں سعد تھے کہ ان کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ دنوں میں کوئی نحس اور سعد نہیں ہے۔ سب رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ہاں جن دنوں کی آنحضرت ﷺ نے فضیلت بیان فرمائی ہے وہ صحیح ہیں۔ فرمایا جمعہ کا دن سید الایام ہے تمام دنوں کا سردار ہے۔ لیلۃ القدر کی فضیلت ہے، چھوٹی بڑی عید کی فضیلت ہے، عرفہ کے دن کی فضیلت ہے۔ تو ان دنوں کی شریعت نے فضیلت بیان فرمائی ہے ورنہ ذاتی طور پر دنوں میں کوئی نحوست نہیں ہے۔

تو فرمایا اس ہوا نے اکھاڑ پھینکا لوگوں کو گویا کہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن کو سمجھنے کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

تیسرا واقعہ: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ﴾ نُذُر نَذِیر کی جمع ہے۔ جھٹلایا ثمود قوم نے ڈرانے والوں کو۔ اور سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۴۱ میں ہے ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ "جھٹلایا ثمود قوم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو۔" یہاں بھی جمع کا صیغہ ہے حالانکہ ڈرانے والا ایک ہی تھا حضرت صالح علیہ السلام۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ایک پیغمبر کو جھٹلانا تمام پیغمبروں کو جھٹلانا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ دین سب پیغمبروں کا ایک ہے۔ توحید، رسالت اور قیامت کے مسئلے میں سب پیغمبر متفق ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبروں کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی کی مختلف بیویوں سے اولاد ہے تو ان کی مائیں الگ الگ ہوں گی اور باپ ایک ہی ہوگا۔ اسی طرح پیغمبروں کی شریعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اصول میں سب متفق ہیں۔ تو ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب پیغمبروں کو جھٹلانا ہوا۔

تو فرمایا جھٹلایا ثمود قوم نے ڈرانے والوں کو ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا﴾ کیا ایک بشر جو ہم میں سے ہے ﴿وَاحِدًا﴾ اکیلا ﴿نَّتَّبِعُهٗٓ﴾ ہم اس کی پیروی کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے لے کر آنحضرت ﷺ کے زمانے تک مشرکوں کا یہ نظریہ بھی چلتا رہا ہے کہ پیغمبر بشر نہیں ہونا چاہیے۔ اس سے پہلے ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا ﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ [المومنون: ۳۳] "نہیں ہے یہ مگر ایک انسان تمھارے جیسا کھاتا ہے ان چیزوں میں سے جن سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس میں سے جو تم پیتے ہو۔" یہ کیسے نبی بن گیا؟ اور انھوں نے کیا کہا ایک بشر ہم میں سے ہے اکیلا اس کا ہم اتباع کریں ﴿اِنَّآ اِذًا﴾ بے شک اس وقت ہم ﴿لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ﴾ البتہ ہم گمراہی میں ہوں گے اور پاگل پن میں ہوں گے۔ پھر تو ہم پاگل ہوئے نا جو بشر کی بات مان لیں۔ اور کہنے لگے ﴿ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا﴾ کیا ڈالا گیا ہے ذکر یعنی وحی اس پر ہمارے درمیان۔ اس کو نبوت ملی ہے ہم اللہ تعالیٰ کو نظر نہیں آئے تھے۔ یہی بات مشرکین مکہ نے کہی تھی ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف: ۳۱] "کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو بستیوں

میں سے۔" دو بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے کیونکہ جدہ اس وقت نہیں تھا یہ شہر بعد میں آباد ہوا ہے۔

جدہ شہر کی وجہ تسمیہ

میں جب حج کرنے کے لیے گیا تو ڈرائیور سے پوچھا جو بڑا خوش طبع قسم کا آدمی تھا کہ جدہ کو جدہ کیوں کہتے ہیں؟ تو کہنے لگا ھِنَا جَدَّتُنَا حَوَّاء "یہاں ہماری دادی حوا علیہا السلام ہیں۔" عربی میں جدۃ دادی کو کہتے ہیں۔ میں نے اس کو کہا کہ براہِ مہربانی آپ مجھے ان کی قبر دکھا دیں۔ کہنے لگا ٹھیک ہے۔ وہ مجھے ایک قبرستان لے گیا اس نے مجھے ایک قبر دکھائی جو بہت زیادہ لمبی نہیں تھی عام قبروں سے ایک آدھ بالشت لمبی ہوگی۔ کہنے لگا ھٰذَا قَبْر جَدَّتُنَا حَوَّا "یہ ہماری دادی حوا علیہا السلام کی قبر ہے۔" اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے تاریخی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (اب وہ قبر بھی مٹا کے برابر کر دی گئی ہے۔ اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ مرتب)

مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ بڑا مال دار آدمی تھا جس کے ایک بیٹے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی تھا جو طائف کا سردار تھا۔ کہنے لگے کہ قرآن ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک پر کیوں نہیں اترا؟ رب کو نبوت کے لیے یتیم ہی ملا تھا۔ یہی بات صالح علیہ السلام کی قوم نے کہی کہ کیا ڈالی گئی نصیحت اس پر ہمارے درمیان سے ہماری موجودگی میں ﴿بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ﴾۔ کَذّاب مبالغے کا صیغہ ہے، بڑا جھوٹا۔ اور اَشِر کا معنیٰ متکبر بھی ہے اور شریر کا بھی کرتے ہیں۔ صالح علیہ السلام کو کہنے لگے بلکہ وہ بڑا جھوٹا ہے بڑا متکبر اور بڑا شریر ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿سَيَعْلَمُونَ غَدًا﴾ عنقریب کل یہ جان لیں گے ﴿مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ﴾ کون ہے بڑا جھوٹا، کون ہے بڑا متکبر، کون ہے بڑا شرارتی۔ ان کو علم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے مطالبے پر چٹان سے اونٹنی نکال دی۔ فرمایا ﴿إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ﴾ بے شک ہم بھیجنے والے ہیں اونٹنی کو ﴿فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ ان کی آزمائش کے لیے ﴿فَارْتَقِبْهُمْ﴾ پس آپ انتظار کریں ان کا ﴿وَاصْطَبِرْ﴾ اور صبر کریں۔ ڈٹ کر رہیں اپنے مشن میں۔ پانی کا ایک چشمہ تھا پینے کی باری مقرر ہوگئی کہ ایک دن یہ اونٹنی پیئے گی اور ایک دن تمھارے جانور پیئیں گے اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿وَنَبِّئْهُمْ﴾ اور آپ ان کو خبر دے دیں ﴿أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ﴾ بے شک پانی تقسیم ہو چکا ہے ان کے درمیان۔ ایک دن اونٹنی کی باری ہوگی اور ایک دن تمھارے جانوروں کی ﴿كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ﴾ ہر ایک کو اس کی باری پر پہنچنا ہے۔ تمھارے جانور اپنی باری پر حاضر ہوں اور اونٹنی اپنی باری پر حاضر ہو۔ وہاں ایک عورت تھی جس کا نام تھا عُنیزہ بنت غنم۔ خاوند اس کا فوت ہو گیا تھا اس کی جوان سالہ لڑکیاں تھیں جانور اس کے بہت زیادہ تھے، بھیڑ بکریاں، گائیں، بھینسیں، اونٹ، جب ان کے جانوروں کے پینے کی باری ہوتی تھی اس کے کچھ جانور پیاسے رہ جاتے تھے کیونکہ زیادہ تھے۔ اس شہر میں نو غنڈے بدمعاش تھے۔ سورۃ النمل آیت نمبر ۴۸ پارہ ۱۹ میں ہے ﴿وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا

﴿يُصْلِحُوْنَ﴾ بڑے غنڈے کا نام قیدار بن صالح تھا۔ بعض قِدار بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس عورت نے اس کے ساتھ ساز باز کی اور کہا کہ میری جوان سال لڑکیاں ہیں جو لڑکی تم کہو گے میں تمھیں دے دوں گی شرط یہ ہے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے میری جان چھڑاؤ۔ کیونکہ اس کی وجہ سے میرے جانور پیاسے رہ جاتے ہیں۔ قیدار جس کا قد چھوٹا، آنکھیں نیلی اور مجسم شیطان تھا۔ اس نے اپنے یاروں سے مشورہ کیا۔ پہلے تو انھوں نے کہا کہ پہلے صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو ہلاک کریں پھر اونٹنی کو ماریں۔ پھر کہنے لگے نہیں پہلے اونٹنی کا کام تمام کرتے ہیں۔ چنانچہ قیدار نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ اونٹنی نے عجیب قسم کی آواز نکالی، بڑ بڑائی۔ حضرت صالح علیہ السلام روتے ہوئے قوم کے پاس پہنچے کہ قوم کی تباہی کا وقت آ گیا ہے۔ قوم سے فرمایا دیکھو! آج جمعرات ہے اللہ تعالیٰ تمھیں تین دن کی مزید مہلت دیتا ہے ﴿ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ [ہود: ٦٥] کل تم اٹھو گے تو تمہارے چہرے سبز ہوں گے، پرسوں اٹھو گے تو سرخ ہوں گے، چوتھ اٹھو گے تو چہرے سیاہ ہوں گے۔ باز آ جاؤ توبہ کرلو اب بھی اللہ تعالیٰ مہربان ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ سخت دل تھے انھوں نے توبہ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ﴾ پس انھوں نے پکارا اپنے ساتھی کو ﴿فَتَعَاطٰى﴾ پس اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تلوار لے کر ﴿فَعَقَرَ﴾ پس اس نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ پس کس طرح تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ کیا گزری ان پر؟ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ بے شک بھیجی ہم نے ان پر ایک آواز۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز نکالی ﴿فَكَانُوْا﴾ پس ہو گئے وہ ﴿كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ جیسے روندی ہوئی ہو باڑ۔ هَشِيْم کا معنیٰ چورا۔ رب تعالیٰ نے ان کا چورا چورا کر دیا جس طرح باڑ کو جانور روند کر چورا چورا کر دیتے ہیں اس طرح چورا چورا کر دیا ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے قرآن پڑھو، سمجھو اور نصیحت حاصل کرو، عمل کرو۔ رب تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ﴾ جھٹلایا لوط علیہ السلام کی قوم نے ﴿بِالنُّذُرِ﴾ ڈرانے والوں کو ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا﴾ بے شک ہم نے بھیجے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿حَاصِبًا﴾ سنگریزے ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ﴾ مگر لوط علیہ السلام کے گھرانے والے ﴿نَجَّيْنٰهُمْ﴾ ہم نے نجات دی ان کو ﴿بِسَحَرٍ﴾ سحری کے وقت ﴿نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ یہ نعمت تھی ہماری طرف سے ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِيْ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ﴿مَنْ شَكَرَ﴾ جو شکر ادا کرے ﴿وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ڈرایا اس نے ان کو ﴿بَطْشَتَنَا﴾ ہماری پکڑ سے ﴿فَتَمَارَوْا﴾ پس انھوں نے شک کیا ﴿بِالنُّذُرِ﴾ ڈرانے والوں کی بات میں ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ﴾ اور البتہ تحقیق انھوں نے مطالبہ کیا لوط علیہ السلام سے ﴿عَنْ ضَيْفِهٖ﴾ ان کے مہمانوں کے بارے میں ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ پس ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں ﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ﴾ پس چکھو تم میرا عذاب ﴿وَ

﴿نُذُرِ﴾ اور میرا ڈرانا ﴿وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً﴾ اور البتہ تحقیق صبح سویرے آیا ان پر ﴿عَذَابٌ﴾ عذاب ﴿مُّسْتَقِرٌّ﴾ ٹکنے والا ﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ﴾ پس چکھوتم میرا عذاب اور میرا ڈرانا ﴿وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن نصیحت کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ﴿وَ لَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ اور البتہ تحقیق آئے فرعونیوں کے پاس ﴿النُّذُرُ﴾ ڈرانے والے ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جھٹلایا انھوں نے ہماری نشانیوں کو ﴿كُلِّهَا﴾ سب کو ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے پکڑا ان کو ﴿اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ زبردست قدرت والے کا پکڑنا ﴿اَكُفَّارُكُمْ﴾ کیا تمھارے کافر ﴿خَيْرٌ﴾ بہتر ہیں ﴿مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ﴾ ان سے ﴿اَمْ لَكُمْ﴾ یا تمھارے لیے ہے ﴿بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ﴾ برأت کتابوں میں۔

تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مکے کے سرداروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منہ مانگا معجزہ طلب کیا کہ اگر چاند دوٹکڑے ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ تفصیلی روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ "معجزے اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں لیکن اگر رب تعالیٰ میری تصدیق کے لیے ایسا کر دے تو مان لو گے۔" کہنے لگے ہاں! مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو دوٹکڑے کر دیا انھوں نے آنکھوں سے دیکھا لیکن یقین جانو! ایک شخص بھی ایمان نہ لایا ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ کہہ کر جھٹلا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبعی طور پر صدمہ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے۔ نوح علیہ السلام کا، عاد قوم کا ذکر فرمایا پھر ثمود قوم کا کہ انھوں نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا ان کا کیا حشر ہوا۔ اب چوتھے نمبر پر قوم لوط کا ذکر ہے۔

واقعہ قوم لوط علیہ السلام

فرمایا ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ﴾ جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو۔ لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے حاران بن آزر کے بیٹے "ح" حلوے والی۔ بعض لاہوری "ھا" کے ساتھ بھی لکھ دیتے ہیں اور بعض فاران، ف کے ساتھ بھی لکھ دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق سے شام کے لیے ہجرت کی تو یہ ساتھ تھے۔ شام، دمشق، فلسطین کا علاقہ تو ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہوا کہ ان کو آپ نے تبلیغ کرنی ہے اور شہر سدوم جس کے ارد گرد اور بھی بستیاں تھیں یہ لوط علیہ السلام کے حوالے کیا کہ ان کی تبلیغ تمہارے ذمہ ہے۔ لیکن ان لوگوں نے لوط علیہ السلام کی تکذیب کی۔ چونکہ ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے اس لیے جمع کا صیغہ لائے۔ فرمایا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا﴾ بے شک بھیجے ہم نے ان پر سنگریزے ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ﴾ مگر لوط علیہ السلام کے گھرانے والے۔

اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ دو کا ذکر یہاں ہے۔ پتھر برسائے جو نشان لگے ہوئے تھے۔ [سورۂ ہود] اور دوسرا ان کی آنکھیں مٹا دیں۔ تیسرے عذاب کا ذکر سورۃ الحجر پارہ ۱۴ میں ہے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ "پس

پکڑا ان کو چیخ نے۔" اور چوتھا عذاب : ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ "پس کر دیا ہم نے ان بستیوں کے اوپر والے حصے کو نیچے۔" حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے علاقے کو پَر پر اٹھا کر الٹا کر کے گرا دیا۔ تو اس کا ذکر ہے کہ پھینکے ہم نے ان پر سنگ ریزے مگر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو ہم نے بچا لیا۔ وہ لوط علیہ السلام کی دو، تین بیٹیاں تھیں اور چند ساتھی اور تھے جو ایک ہی حویلی میں رہتے تھے ﴿نَجَّيْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو نجات دی ﴿بِسَحَرٍ﴾ سحری کے وقت۔ یہ نجات دینا ﴿نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ نعمت تھی ہماری طرف سے۔ ہمارا فضل وکرم اور مہربانی تھی جس طرح ہم نے ان کو نجات دی ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس کو جو شکر ادا کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے سچا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے؟ ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ [النساء:۱۲۲]۔

فرمایا ﴿وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ڈرایا ان کو لوط علیہ السلام نے ﴿بَطْشَتَنَا﴾ ہماری پکڑ سے، ہماری گرفت سے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہیں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤ گے لیکن ﴿فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾ پس انھوں نے شک کیا ڈرانے والوں کی باتوں میں۔ کہنے لگے ویسے ہی باتیں کرتے ہیں۔

فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے معزز مہمانوں کی شکل میں بڑی عمر میں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ایک جبرئیل علیہ السلام تھے، ایک میکائیل علیہ السلام تھے، ایک اسرافیل علیہ السلام تھے۔ چھ بھی لکھتے ہیں، دس اور بارہ بھی لکھتے ہیں۔ اور جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو چھوٹی عمروں میں۔ تیرہ سال، چودہ سال، پندرہ سال کی عمر میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئے اور کبھی کسی دیہاتی کی شکل میں آتے۔

تو جب یہ فرشتے آئے قوم کو علم ہوا قوم بڑی بدمعاش تھی جنسی خواہشات عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتی تھی۔ دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آگئے لوط علیہ السلام بڑے پریشان ہوئے۔ فرمایا ﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ [سورہ ہود] "یہ میری بیٹیاں ہیں یہ تمھارے لیے پاک ہیں۔" یعنی میری بیٹیوں کا رشتہ لے لو اور مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔

مستدرک حاکم میں اس کی ایک تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ کیا کہ تم میں سے جو سردار ہیں اثر و رسوخ والے آدمی ہیں میں ان کو اپنی بیٹیوں کا رشتہ دیتا ہوں تاکہ وہ اپنی قوم پر دباؤ ڈالیں کہ یہ لوگ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کریں۔ بڑی قربانی ہے۔

جب کہ جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ﴾ سے قوم کی بیٹیاں مراد ہیں۔ کیونکہ پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الاحزاب:۶] "نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔" اور ماں فرع ہے باپ کی۔ مائیں تب ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی باپ ہیں۔

پیغمبر بہ منزلہ باپ کے ہوتا ہے

ایک موقع پر یہودیوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا۔ کہنے لگے تمہارا نبی بھی بڑا عمدہ ہے یُعَلِّمُ کُلَّ شَیْءٍ حَتّٰی الْخِرَاءَةَ "وہ تمھیں ہر شے بتاتا ہے یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔" حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے تجربہ کار تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتح الباری میں کہ ان کی عمر اڑھائی سو سال تھی اور اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی صحت عطا فرمائی تھی ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے ساٹھ ستر سال کے ہیں۔ یہودیوں سے کہا ہاں! ہمارے پیغمبر ہمیں پیشاب، پاخانے کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ ہمیں فرمایا ہے کہ پیشاب کرتے وقت نہ قبلے کی طرف منہ کرو نہ پشت کرو۔ یہ کون سا برا کام ہے؟ انھوں نے ہمیں بتایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرو، ہڈی کے ساتھ صفائی نہ کرو۔ اچھی باتیں بتلائی ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو کہا کہ حضرت! آج مجھے یہودیوں نے گھیر لیا تھا انھوں نے مجھ سے یہ سوال کیا۔ میں نے یہ جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ "میں تمھارے لیے ایسے ہی ہوں جیسے باپ اولاد کے لیے ہوتا ہے۔" تم سب میری اولاد ہو۔ باپ اپنی اولاد کو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی سکھاتا ہے۔ مثلاً: بیٹا ناک بائیں ہاتھ سے صاف کرنی ہے دائیں ہاتھ سے نہیں کرنی، جوتا بائیں ہاتھ سے پکڑنا ہے وغیرہ۔

تو خیر لوط علیہ السلام نے قوم سے فرمایا ﴿اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ﴾ [ہود: ۷۸] "کیا تم میں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں ہے۔" جو میری بات کو سمجھے۔ فرشتے ایک طرف بیٹھے ہیں دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں جب دیکھا کہ لوط علیہ السلام بہت پریشان ہو گئے ہیں تو بول پڑے حضرت! پریشان نہ ہوں میں جبرئیل علیہ السلام ہوں، یہ میکائیل علیہ السلام ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، ہم تو ان کے لیے عذاب لے کر آئے ہیں بس یہاں سے نکل جاؤ تمھارے نکلنے کے برابر ان کو مہلت ہے۔ پھر دیکھو ہم ان کا کیا حشر کرتے ہیں۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ﴾ اور البتہ تحقیق انھوں نے مطالبہ کیا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کے بارے میں۔ ان کے ساتھ بدکاری کرنے کا ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ﴾ پس مٹا دیں ہم نے ان کی آنکھیں، انھیں اندھا کر دیا۔ اب دیکھو کیا دیکھتے ہو ﴿فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ﴾ پس چکھو تم میرا عذاب اور میرا اڈرانا۔ میرا پیغمبر تمھیں ڈراتا تھا اور تم مانتے نہیں تھے اب اس کا مزہ چکھو ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُکْرَةً﴾ اور البتہ تحقیق آ گیا ان پر صبح سویرے ہی ﴿عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ﴾ عذاب ٹکنے والا۔ ایسا ٹکا کہ ختم نہ ہوا ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کے لیے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ قرآن پاک سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے یہ صرف مولویوں اور طالب علموں کے لیے نہیں ہے یہ هُدًی لِّلنَّاسِ ہے تمام مردوں اور عورتوں کے لیے ہے۔ جس نے قرآن کریم کو پڑھا اور سمجھا وہ بہت سی برائیوں اور خرابیوں سے بچ جائے گا۔

پانچواں واقعہ: فرمایا ﴿وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ﴾ اور البتہ تحقیق آئے فرعونیوں کے پاس ڈرانے والے۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسے ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ اور روم کے بادشاہ کا لقب قیصر اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبع

ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بڑا شاطر اور چالاک تھا جیسے آج کل کے ہمارے لیڈر ہیں۔ یہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ بڑا ظالم اور جابر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو اس کے پاس بھیجا۔ انھوں نے اس کو اور اس کی قوم کو ڈرایا نو نشانیاں بھی دکھائیں ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا﴾ جھٹلا دیا انھوں نے ہماری ساری نشانیوں کو سب معجزے جھٹلا دیئے ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے پکڑا ان کو ﴿اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ قدرت والے غالب کا پکڑنا۔ وہی فرعون جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا اور جس نے کہا تھا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ [القصص: ۳۸] "میں نہیں جانتا تمھارے لیے کوئی الٰہ اپنے سوا۔" جب بحر قلزم کی موجوں نے گھیرا تو کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُ﴾ "ایمان لایا میں ﴿اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ﴾ بے شک نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی ﴿اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ﴾ [یونس: ۹۰] جس پر ایمان لائے ہیں بنی اسرائیل۔" جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بڑا عجیب منظر تھا بڑا واویلا کر رہا تھا۔ میں نے کالے قسم کا گارا اٹھا کر فرعون کے منہ میں ٹھونسا کہ کہیں اس پر رب رحم نہ کھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جسم کو کنارے پر پھینک دیا تاکہ لوگوں کے لیے عبرت ہو کہ یہ تھا جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ آج بھی اس کی لاش مصر کے عجائب گھر میں محفوظ پڑی ہے۔

تو فرمایا ہم نے ان کو پکڑا قدرت والے غالب کا پکڑنا۔ یہ واقعات ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے مکے کے کافرو! ﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ﴾ کیا تمھارے کافر بہتر ہیں ان سے مال کے لحاظ سے، تعداد کے لحاظ سے، بادشاہی اور وج کے لحاظ سے کہ وہ تباہ ہو گئے اور تم بچ جاؤ گے۔ تم باز نہ آئے تو انھی کی طرح تباہ ہو گے ﴿اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ﴾۔ زبر زبور کی جمع ہے، صحیفہ، کتاب۔ یا تمھارے لیے برأت لکھی ہوئی ہے صحیفوں میں کہ تم جو چاہو کرتے پھرو تمھیں کوئی نہیں پکڑے گا۔ یہ واقعات بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ پیغمبروں کی تکذیب کا نتیجہ اور انجام کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا ہے تو پہلے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ پریشان نہ ہوں۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ کیا وہ کہتے ہیں ﴿نَحْنُ﴾ ہم ﴿جَمِيْعٌ﴾ سب اکٹھے ہیں ﴿مُّنْتَصِرٌ﴾ انتقام لینے والے ﴿سَيُهْزَمُ﴾ عن قریب شکست دی جائے گی ﴿الْجَمْعُ﴾ اس مجمع کو ﴿وَيُوَلُّوْنَ﴾ اور پھیریں گے ﴿الدُّبُرَ﴾ پشتوں کو ﴿بَلِ السَّاعَةُ﴾ بلکہ قیامت ﴿مَوْعِدُهُمْ﴾ ان کے وعدے کا وقت ہے ﴿وَالسَّاعَةُ﴾ اور قیامت ﴿اَدْهٰى﴾ بڑی دہشت والی ہے ﴿وَاَمَرُّ﴾ اور بڑی کڑوی ہے ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ بے شک مجرم ﴿فِيْ ضَلٰلٍ﴾ گمراہی میں ہیں ﴿وَّسُعُرٍ﴾ اور جنون میں ہیں ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ﴾ جس دن گھسیٹے جائیں گے ﴿فِي النَّارِ﴾ آگ میں ﴿عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ چہروں کے بل ﴿ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ﴾ چکھو دوزخ کی آگ کا مزہ ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو ﴿خَلَقْنٰهُ﴾ پیدا کیا ہے ﴿بِقَدَرٍ﴾ اندازے سے ﴿وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ﴾ اور نہیں ہے ہمارا حکم ﴿اِلَّا

وَاحِدَةٌ﴾ مگر ایک ہی دفعہ ﴿كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کی ہیں ﴿اَشْيَاعَكُمْ﴾ تمھاری جیسی جماعتیں ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ﴾ اور ہر وہ چیز ﴿فَعَلُوْهُ﴾ جو انھوں نے کی ہے ﴿فِي الزُّبُرِ﴾ کتابوں میں لکھی ہوئی ہے ﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ﴾ اور ہر چھوٹی چیز ﴿وَّكَبِيْرٍ﴾ اور بڑی چیز ﴿مُّسْتَطَرٌ﴾ لکھی ہوئی ہے ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک پرہیزگار ﴿فِيْ جَنّٰتٍ﴾ باغوں میں ہوں گے ﴿وَّنَهَرٍ﴾ اور نہروں میں ہوں گے ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ سچی بیٹھک میں ﴿عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ بڑی قدرت رکھنے والے بادشاہ کے پاس۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں پہلی نافرمان قوموں کی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اے مکے والو! کیا تمھارے کافران کافروں سے بہتر ہیں قوت میں، طاقت میں، مال میں، تعداد میں کہ تم جو کچھ کرتے پھر و تم کو کوئی نہیں پوچھے گا یا تمھارے لیے برأت لکھی ہوئی ہے پہلے صحیفوں میں کہ تمھاری گرفت نہیں ہوگی۔ آگے اس کا جواب ہے کہ گرفت ہوگی۔ تو ان کو جب عذاب کی گرفت کی دھمکی دی جاتی تھی تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تھوڑے سے مسلمان ہمیں تکلیف پہنچائیں گے، ہم پر حملہ کریں گے تو ظاہری طور پر تو اس کا کوئی معنیٰ نہیں تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بھی تھوڑی تھی، اسلحہ بھی تھوڑا تھا۔ اس کے مقابلے میں کافر ہر لحاظ سے بہت زیادہ تھے تو وہ کہتے تھے۔ فرمایا ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ کیا یہ کہتے ہیں ﴿نَحْنُ جَمِيْعٌ﴾ ہم سب اکٹھے ہیں، زیادہ ہیں ﴿مُّنْتَصِرٌ﴾ بدلہ لیں گے۔ مکہ مکرمہ میں یا خالص مسلمان تھے یا خالص کافر تھے منافق کوئی نہیں تھا۔ یہ منافقت کا فتنہ مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا ہے کہ وہاں یہودیوں کا غلبہ تھا۔ انھوں نے جب یہ سمجھا کہ ہم ان کے ساتھ ظاہری ٹکر نہیں لے سکتے تو انھوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر اندر سے اپنا کام کرو۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کی اکثریت یہودیوں میں سے تھی۔ مکے کے لوگ بڑے کھرے تھے یا اِدھر یا اُدھر، درمیانہ طبقہ نہیں تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی لیکن جتنے بھی تھے، تھے بڑے پکے۔

تو کافروں نے کہا کہ اگر تم نے ہم پر حملہ کیا تو ہم بدلہ لیں گے کہ ہم زیادہ ہیں، اکٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ عن قریب ان کی جماعت شکست کھا جائے گی ﴿وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ اور پھیریں گے پشتوں کو۔ پشتیں پھیر کر بھاگیں گے۔

واقعہ غزوۂ بدر

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ تین سو بارہ ساتھیوں کو لے کر مدینہ طیبہ سے چلے تیرھویں آپ ﷺ خود تھے۔ عرب کا علاقہ پتھریلا ہے وہاں پتھر ہی پتھر ہیں۔ اس زمانے میں سڑکیں بھی نہیں تھی اور ایسے ساتھی بھی تھے

جن کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا۔ وہاں ننگے پاؤں چلنا کوئی کھیل نہیں تھا اور ایسے بھی تھے کہ جن کے سر پر ٹوپی پگڑی نہیں تھی۔ ایسے بھی تھے جن کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے، ستر اُونٹ ہیں۔ یہ کل اثاثہ ہے۔ مدینہ طیبہ سے بدر پرانے اسی میل کی مسافت پر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک اُونٹنی تھی باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔ ایک میل ایک سوار ہوتا۔ کیوں کہ اُونٹنی تینوں کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو یہ دونوں بزرگ کہتے حضرت! نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ "ہم آپ کی طرف سے پیدل چلیں گے آپ سوار رہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے رب تعالیٰ نے مجھے طاقت دی ہے میں بھی چلوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں میرے پاؤں پر بھی گرد وغبار پڑے۔ اپنی باری پر سوار ہوں گا اور اپنی باری پر چلوں گا۔ جس وقت بدر کے مقام پر پہنچے تو پانی کے کنوئیں پر کافر قبضہ کر چکے تھے۔ دوسری طرف ریت کا ٹیلا تھا جہاں مسلمانوں کو جگہ ملی۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ ہم حق پر ہیں اور ہمیں پانی نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وسوسہ دور فرمایا کہ بارش نازل فرمائی جس سے ریت جم گئی۔ پانی کا انتظام بھی ہو گیا مسلمانوں نے مشکیں بھر لیں، برتن بھر لیے اور جہاں کافر کھڑے تھے وہاں پر پانی جمع ہو گیا، کیچڑ ہو گئی، ان کا چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز پڑھا کر سرخ رنگ کے چمڑے کے خیمے میں تشریف لے گئے اور گڑگڑا کر دعا کی اے پروردگار! یہ میری پندرہ سال کی کمائی ہے جو میں یہاں لے کر آیا ہوں اے پروردگار! اگر یہ ہلاک ہو گئے تو آپ کی خالص توحید کا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اے پروردگار! یہ بے سہارا ہیں ان کا سہارا آپ ہیں۔ اے پروردگار! ان کی خوراک کا انتظام فرما یہ بھوکے ہیں، اے پروردگار! ان کی مدد فرما۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خیمے سے باہر تھے جب انھوں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رقت طاری ہے تو اندر چلے گئے۔ کہنے لگے حضرت! بس کریں لَقَدْ اَلْحَحْتَ عَلٰی رَبِّكَ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی آہ وزاری کی ہے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو رد نہیں کرے گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ بخاری شریف کی روایت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ "عن قریب ان کی جماعت کو شکست ہو گی اور یہ پشتیں پھیر کر بھاگیں گے۔" مسلمانوں کی فتح کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ مقابلے میں ایک ہزار آدمی ہے اور ہر ایک کے پاس تلوار، نیزہ، تیر کمان ہے۔ ادھر تین سو تیرہ، آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، دو گھوڑے اور ستر اُونٹ ہیں۔ ظاہری طور پر کیا مقابلہ ہے؟ صبح ہوئی تو کافروں نے للکارا کہ جو تم میں سے بہادر ہیں باہر نکلیں بہادر۔ کافروں کی طرف سے عتبہ، شیبہ، ربیعہ میدان میں آئے کہ یہ اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتے تھے۔ اس (دوسری) طرف سے انصار مدینہ کے چند نوجوان سامنے آئے۔ عتبہ نے آواز دی تم کون ہو، کیا نام ہیں۔ انھوں نے بتلایا کہ ہم انصار ہیں یہ ہمارے نام ہیں۔ کہنے لگے تم واپس چلے جاؤ تم ہماری ٹکر کے آدمی نہیں ہو۔ تمھارے ساتھ لڑنے کو ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ہمارے بھائیوں قریشیوں کو نکالو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قم یا حمزہ، قم یا علی، قم یا ابا عبیدۃ رضی اللہ عنہم۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور کافر تینوں مارے گئے۔ اس کے بعد پھر عام لڑائی شروع ہوئی۔

سورہ انفال میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ میرے قریب ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہے جس کی ٹوپی، پگڑی اور لباس سفید ہے اور اعلیٰ عمدہ گھوڑا ہے۔ میں نے اس بندے کو نہ پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔ وہ اپنے گھوڑے کو کہہ رہا ہے اَقْدِمْ حَیْزُوْم "حیزوم آگے بڑھو۔" وہ جس کافر کو چابک مارتا تھا وہ اسی وقت مر کر نیچے گر جاتا تھا۔ میں حیران ہوا کہ یہ بندہ کون ہے؟ اسی طرح میں نے ایک اور گھڑسوار کو بھی دیکھا۔ جنگ کے اختتام پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا حیزوم اس گھوڑے کا نام ہے جس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سوار تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نصرت فرمائی فرشتوں کے ساتھ۔ آج بھی اگر ہم ان کے نقش قدم پر چلیں تو اللہ تعالیٰ ہماری نصرت ضرور فرمائیں گے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ [محمد: ۷] "اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے یعنی دین پر قائم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کریں گے اور تمھیں ثابت قدم رکھیں گے۔" کمی ہوئی ہے تو ہماری طرف سے ہوئی ہے اس لیے ہم رب تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہو گئے ہیں۔

کافروں کے تین سرداروں کے سوا باقی سب مارے گئے اور یہ تین بھی اس لیے بچے کہ ان کا مسلمان ہونا رب تعالیٰ کے علم میں تھا۔ ابوسفیان، عکرمہ اور صفوان بن امیہ۔ یہ تینوں ۸ ھ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ رب تعالیٰ کی حکمت تھی۔

کافر جب مکہ مکرمہ سے چلے تھے تاریخ نے ان کی عجیب منظر کشی کی ہے۔ وہ اپنے ساتھ ضرورت سے زائد اُونٹ لے کر چلے، سریلی آواز نور جہاں جیسی، گانے والیاں ساتھ لے کر چلے، شراب کے بھرے ہوئے مٹکے اور بوتلیں ساتھ لے کر چلے کہ فتح ہونے کے بعد آس پاس کے قبیلوں کی دعوت کریں گے، عورتیں ہماری جیت کے گیت گائیں گی، شراب چلے گی، بھنگڑے ڈالیں گے۔ رب تعالیٰ کی قدرت سے ستر بڑے بڑے مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے، باقیوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا کہ کدھر جانا ہے۔ اُونٹ مسلمانوں کے لیے غنیمت بنے۔ شراب کی بوتلیں پینا تو نصیب نہ ہوئیں ان غریبوں کے ہاتھ موت کے پیالے بھر بھر کے پیے۔ عورتوں نے گیت گانے کی بجائے تعزیت کے مرثیے پڑھے۔ ہمارا دادا مر گیا، ہمارا نانا مر گیا، ہمارا خاوند مر گیا، ہمارا بھتیجا مر گیا۔ اور جو بھاگ گئے تھے وہ چھ چھ مہینے، سال سال گھروں میں داخل نہیں ہوئے کہ کیا منہ دکھائیں گے۔

تو فرمایا عنقریب اس مجمع کو شکست دی جائے گی اور یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ اگلا عذاب: ﴿بَلِ السَّاعَةُ

﴿مَوْعِدُهُمْ﴾ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے ﴿وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى﴾ اور قیامت بڑی دہشت والی ہے۔ آج دنیا کی عدالتوں میں کوئی جب پیش ہوتا ہے تو اس کا بدن کانپ جاتا ہے اور وہ تو رب تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور وہاں کسی قسم کا کوئی داؤ نہیں چل سکے گا ﴿وَاَمَرُّ﴾۔ اس کا مادہ ہے مرٌّ اور مرٌّ کا معنیٰ ہے کڑوا۔

اَلْحَقُّ مُرٌّ وَلَوْ كَانَ فِيْهِ دُرٌّ .

”حق کڑوا ہوتا ہے اگرچہ اس میں موتی ہوں۔“

معنیٰ ہوگا قیامت بڑی کڑوی ہے ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ بے شک مجرم ﴿فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ﴾ گمراہی میں ہیں اور جنون میں ہیں۔ حق کی بات ان کو سمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے متعلق جو ان کے لیے سراپا خیر خواہ ہے کذاب اور ساحر کے لفظ بولتے ہیں۔

اس کیا حالت ہوگی؟ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ﴾ جس دن یہ گھسیٹے جائیں گے ﴿فِي النَّارِ﴾ آگ میں ﴿عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ اپنے چہروں کے بل۔ بڑی لمبی لمبی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ فرشتے ان کو پکڑ کر اُلٹے منہ آگ میں ڈالیں گے اور رب تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا ﴿ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ﴾۔ سقر کا معنیٰ ہے آگ کے شعلے۔ آگ کے شعلوں کا مزہ چکھو۔ دنیا میں تم نے حق کا مقابلہ کیا، پیغمبر کی مخالفت کی، قرآن کو جھٹلایا آج آگ کا مزہ چکھو ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ بے شک ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اندازے کے ساتھ۔ مرد، عورتیں، کالے، گورے، سالم، ناقص، پتلے، موٹے، سب اندازے کے ساتھ پیدا فرمائے ہیں اور حکمت کے ساتھ پیدا فرمائے ہیں۔ وہ اپنی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔

فرمایا ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ﴾ ای مَرَّةً وَاحِدَةً۔ اور نہیں ہے ہمارا حکم مگر ایک ہی دفعہ ﴿كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ﴾ آنکھ کے جھپکنے کی طرح یعنی جس طرح تم آنکھ جھپکتے ہو اور پتا نہیں چلتا کہ آنکھ بند کی ہے یا نہیں اسی طرح ہم پلک کے جھپکنے میں قیامت برپا کر دیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آدمی دکان پر بیٹھے ہوں گے دکان دار کپڑا نکال کر دکھائے گا، گاہک لینے کے لیے بھاؤ طے کر رہے ہوں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ فرمایا ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ﴾۔ اشیاع شِيْعَةٌ کی جمع ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کی ہیں تمھاری جیسی جماعتیں۔ تمھارے جیسے مجرموں کے گروہ ہم نے پہلے بھی ہلاک کیے ہیں جن کا ذکر تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ اگر باز نہیں آؤ گے تو تمھارا بھی انھی جیسا حشر ہوگا ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ یہ قرآن بڑی نصیحت آموز کتاب ہے اس میں بڑی نصیحتیں ہیں اگر دل پتھر ہو جائیں تو اثر قبول نہیں کرتے۔

فرمایا ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ﴾ اور ہر وہ چیز جو انھوں نے کی ہے وہ کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ہر ایک کے عمل لکھے ہوئے ہیں ﴿وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ اور ہر چھوٹی چیز اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ اگر کسی نے زبان سے کچھ نہیں بولا اچھائی یا برائی کا آنکھ سے اشارہ کیا ہے تو وہ بھی لکھا ہوا ہے۔ اگر کسی کو آنکھ سے گھور کر دیکھا ہے تو وہ بھی لکھا ہوا ہے۔ قیامت والے دن بندہ جب اپنا نامہ اعمال پڑھے گا تو کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ [الکہف: ۴۹]

"کیا ہو گیا ہے میرے اس اعمال نامے کو نہیں چھوڑتا یہ کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اس نے اسے سنبھال رکھا ہے۔" لہٰذا قیامت کی تیاری ہر وقت ہونی چاہیے زندگی ایک وہمی چیز ہے اور موت یقینی ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ سورۃ الحجر کی آخری آیت ہے، پارہ ۱۴۔ "اور عبادت کر اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔" یقین کا معنیٰ موت ہے۔ رب تعالیٰ نے موت کا نام یقین رکھا ہے۔

پہلے مجرموں کا حشر سنا ہے اب متقیوں کے متعلق سن لو۔ فرمایا ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾ بے شک پرہیزگار باغوں میں ہوں گے اور نہروں میں ہوں گے۔ عرب کے علاقے میں سبزے اور پانی کی بڑی قلت تھی اس لیے ان کے سامنے باغ اور نہر کا ذکر انتہائی اہم تھا ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ مقعد کا معنیٰ ہے بیٹھنے کی جگہ۔ صدق کا معنیٰ سچائی۔ معنیٰ ہو گا سچی بیٹھک میں۔ ایسی سچائی کی بیٹھک ہو گی کہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو گی۔ پھر یہ چیزیں ہوں گی کہاں؟ ﴿عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین، مومنات کو، مسلمین اور مسلمات کو یہ مقام نصیب فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الرَّحۡمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

(۲۷)

آیاتہا ۷۸ سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ (۵۵) (۹۷) رُکُوْعَاتُہَا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ رحمان وہ ہے ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ جس نے تعلیم دی قرآن کی ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ اس نے پیدا کیا انسان کو ﴿عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾ سکھایا اس کو بولنا ﴿اَلشَّمْسُ﴾ سورج ﴿وَالْقَمَرُ﴾ اور چاند ﴿بِحُسْبَانٍ﴾ ایک حساب سے چل رہے ہیں ﴿وَّالنَّجْمُ﴾ ستارے ﴿وَّالشَّجَرُ﴾ اور درخت ﴿یَسْجُدٰنِ﴾ سجدہ کرتے ہیں ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا﴾ اور آسمان کو اس نے بلند کیا ﴿وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ﴾ اور رکھا اس نے ترازو ﴿اَلَّا تَطْغَوْا﴾ کہ زیادتی نہ کرو ﴿فِی الْمِیْزَانِ﴾ ترازو میں ﴿وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ﴾ اور قائم کرو ترازو کو ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کے ساتھ ﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ﴾ اور نہ کمی کرو تولنے میں ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا﴾ اور زمین کو رکھا اس نے ﴿لِلْاَنَامِ﴾ مخلوق کے لیے ﴿فِیْهَا فَاكِهَةٌ﴾ اس میں پھل ہیں ﴿وَّالنَّخْلُ﴾ اور کھجوریں ہیں ﴿ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾ غلاف چڑھی ہوئی ﴿وَالْحَبُّ﴾ اور دانے ﴿ذُو الْعَصْفِ﴾ بھوسے والے ﴿وَالرَّیْحَانُ﴾ اور خوشبودار پودے ہیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ پیدا کیا اس نے انسان کو ﴿مِنْ صَلْصَالٍ﴾ بجنے والی مٹی سے ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ جیسے ٹھیکری ہوتی ہے ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ﴾ اور اس نے پیدا کیا جنوں کو ﴿مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ آگ کے شعلے سے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ﴾ وہ دونوں مشرقوں کا رب ہے ﴿وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ﴾ اور دونوں مغربوں کا رب ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ﴾ چلائے اس نے دو دریا ﴿یَلْتَقِیٰنِ﴾ جو آپس میں مل کر چلتے ہیں ﴿بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ﴾ ان دونوں کے درمیان پردہ ہے ﴿لَّا یَبْغِیٰنِ﴾ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا﴾ نکلتے ہیں دونوں دریاؤں سے ﴿اللُّؤْلُؤُ﴾ موتی ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مونگے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿وَلَهُ﴾ اور اسی کے لیے ہیں ﴿الْجَوَارِ﴾ کشتیاں ﴿الْمُنْشَئٰتُ﴾ جو چلتی ہیں ﴿فِی الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿كَالْاَعْلَامِ﴾ پہاڑوں کی طرح ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

آنحضرت ﷺ کے بڑے معجزوں میں سے ایک چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے جس کا ذکر پہلے سورۃ میں گزر چکا ہے۔ دوسرا بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو قیامت تک محفوظ رہے گا۔ پڑھنے والے پڑھتے رہیں گے اور عمل کرتے رہیں گے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کافروں کو چیلنج کیا کہ تم سارے مل کر ایسی کتاب نہیں لا سکتے۔ دس سورتیں ہی اس جیسی لے آؤ۔ آخر میں فرمایا ایک چھوٹی سی سورۃ ہی لے آؤ اور ساتھ ہی فرمادیا کہ تم نہیں لا سکتے۔ تو قرآن بہت بڑا معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ رحمان نے تعلیم دی قرآن کی۔ پہلے آنحضرت ﷺ کو تعلیم دی اللہ تعالیٰ نے پھر آپ ﷺ نے تعلیم دی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعلیم دی تابعین کو، انھوں نے تبع تابعین رحمہم اللہ کو۔ اور آج تک اس کی تعلیم دی جا رہی ہے اور قیامت تک دی جاتی رہے گی۔

قرآن کریم بہت بڑی نعمت اور دولت ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث تم کئی دفعہ سن چکے ہو خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ "تم میں سے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے۔" قاریوں کو خوش ہونا چاہیے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں پڑھانے کا موقع دیا ہے اور پڑھنے والوں کو خوش ہونا چاہیے کہ تیرا شکر ہے پروردگار! تو نے ہمیں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اصل اس کی قدر تو آنکھیں بند ہونے کے بعد ہوگی ابھی تو ڈالروں اور نوٹوں کی قدر نظر آتی ہے۔

تو فرمایا رحمان نے تعلیم دی قرآن کی ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ رحمان نے پیدا کیا انسان کو ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ سکھایا اس کو بولنا۔ اور بھی تو جانور ہیں مگر بول نہیں سکتے۔ طوطے پر بڑی محنت کرو گے تو دو چار لفظ رٹ لے گا۔ باقی جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی لمبی زبانیں دی ہیں مگر بولنے کی طاقت نہیں دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بولنا سکھایا ہے۔ بولنے کی قدر گونگے سے پوچھو اشاروں کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جب نہیں سمجھا سکتے یا نہیں سمجھ سکتے تو وہ بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ اس نے ہماری بات کیوں نہیں سمجھی، مکے بناتے ہیں۔

تو فرمایا رحمان نے سکھایا ہے اس کو بولنا ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ سورج اور چاند ایک حساب سے چلتے ہیں۔ ان کی جو رفتار رب تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے مجال ہے کہ اس میں کمی بیشی کر سکیں۔ اپنے حساب سے چلتے ہیں ﴿وَّالنَّجْمُ﴾۔ نجم کا معنیٰ ستارے بھی کرتے ہیں اور پودے بھی کرتے ہیں جو زمین میں ہوتے ہیں جن کے تنے نہیں ہوتے ﴿وَالشَّجَرُ﴾ اور درخت ﴿يَسْجُدٰنِ﴾ سجدہ کرتے ہیں۔ یہ چیزیں جس طریقے سے سجدہ کرتی ہیں یا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتی ہیں اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا خود یہ چیزیں جانتی ہیں، ان کا عمل ہے۔ مثال کے طور پر صبح کو جب سورج طلوع ہوتا ہے ان چیزوں کا سایہ لمبا ہوتا ہے پھر جوں جوں سورج اوپر چڑھتا ہے ان کا سایہ کم ہوتا جاتا ہے یہی ان کا سجدہ ہے۔ اسی طرح ستارے اور پودے بھی سجدہ کرتے ہیں، درخت سجدہ کرتے ہیں لیکن انسان اور جن مکلف ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں کہ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا﴾ اور آسمان کو اس نے بلند کیا ﴿وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ اور رکھا اس نے ترازو۔ اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ تو ترازو

سے مراد یہی ترازو لیتے ہیں جس سے ہم چیزیں تولتے ہیں لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میزان سے مراد عقل ہے کہ عقل کے ذریعے کھوٹی کھری چیزوں میں انسان تمیز کرسکتا ہے۔ یہ مطلب بھی صحیح ہے۔

فرمایا ﴿اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ﴾ یہ کہ زیادتی نہ کرو ترازو میں یعنی تولنے میں۔ اور اگر عقل مراد ہو تو مطلب ہوگا عقل کے ساتھ چیزوں کو تولو اس کی خلاف ورزی نہ کرو جو چیز عقل کے مطابق ہے وہ کرو اور جو چیز عقل کے مطابق نہیں ہے وہ نہ کرو۔ ﴿وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ اور قائم رکھو ترازو کو، درست رکھو ترازو کو انصاف کے ساتھ ﴿وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ﴾ اور نہ کمی کرو تولنے میں۔ یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے اور حقوق العباد بڑا سخت مسئلہ ہے۔

مسئلہ حقوق العباد اور غنیۃ الطالبین کا ایک واقعہ

کئی دفعہ سن چکے ہو کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی بڑا نیک اور پرہیزگار تھا۔ فوت ہونے کے بعد خواب میں کسی دوست کو ملا۔ اُس نے حال پوچھا کہ کیا بنا۔ اِس نے کہا کہ مجھے سزا تو نہیں ہوئی لیکن فرشتے جنت میں داخل نہیں ہونے دے رہے۔ کہتے ہیں کہ تو نے پڑوسی سے سوئی مانگی تھی لیکن واپس نہیں کر کے آئے۔ جب تک تیرے وارث سوئی واپس نہیں کریں گے تو جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہاں کارخانے لوگ کھا جاتے ہیں، مکان اور دکانیں کھا جاتے ہیں پرواہی نہیں ہے۔ حقوق العباد کو کسی نے سمجھا ہی نہیں ہے خاص طور پر ہمارے اس دور میں۔ یہاں ہر کوئی دوسرے کو کھانے پر لگا ہوا ہے، ناپ تول میں کمی عام ہے۔ دکان دار پیسے کلو کے لے گا لیکن چیز چودہ چھٹانک ہوگی دو چھٹانک گاہک کا حق کھا گیا۔ بھئی! جب تو نے سیر (کلو) کے پیسے لیے ہیں تو پورا کلو دے اس کا حق کیوں مارتا ہے؟

تو فرمایا نہ کمی کرو تولنے میں ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ اَنَام کا معنیٰ ہے مخلوق۔ اور زمین کو رکھا اس نے مخلوق کے لیے۔ اس میں انسان بھی رہتے ہیں، جنات اور حیوان بھی رہتے ہیں ﴿فِیْهَا فَاكِهَةٌ﴾ اس میں پھل ہیں مختلف ﴿وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾ اَكْمَام كِمٌّ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چھلکا۔ کیلے کا چھلکا، اخروٹ کا چھلکا، پستہ، مغز، بادام کا چھلکا اور کھجوریں ہیں غلاف چڑھی ہوئی ﴿وَالْحَبُّ﴾ یہ حَبَّةٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے دانہ ﴿ذُو الْعَصْفِ﴾ اور دانے ہیں بھوسے والے۔ رب تعالیٰ نے دانے پیدا کیے ہیں گندم، مکئی، باجرہ، چاول وغیرہ۔ ان کے ساتھ توڑی (بھوسا) بھی ہوتی ہے جو رب تعالیٰ نے جانوروں کی خوراک بنائی ہے اور مغز تمھارے لیے ﴿وَالرَّیْحَانُ﴾ مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ریحان کے تین معنیٰ کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رزق کا معنیٰ کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے رزق پیدا کیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے یہ معنیٰ بھی صحیح ہے۔ ریحان کا معنیٰ پتے کا بھی کرتے ہیں یہ جو درختوں کے پتے ہوتے ہیں، جانوروں کی خوراک بھی بنتے ہیں اور انسان بھی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ریحان کا معنیٰ خوش بودار چیزیں بھی کرتے ہیں جیسے نیاز بو وغیرہ بے شمار پھول ہیں جن کی خوش بو سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ بھی رب تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں رب تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ

گے۔ دونوں سے مراد انسان اور جن ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہ جملہ سورہ رحمن میں اکتیس مرتبہ آیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت کریمہ پڑھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خاموشی کے ساتھ سنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا میں نے جب جنات کے سامنے یہ سورۃ پڑھی تھی تو جنات نے جواب میں یہ الفاظ کہے تھے لَابِشَیْءٍ مِّنْ نِعْمَتِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ وَلَكَ الْحَمْدُ "اے ہمارے رب ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اور تعریف آپ ہی کی ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنات کو تبلیغ کرنا اور مسجد جن

ایک موقع پر جنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ کہنے لگے حضرت! ہم نے کافی تعداد میں جنات کو اکٹھا کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر ان کو تبلیغ کریں۔ یہ دعوت دینے والے مومن جنات تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ جب جلسہ گاہ کے قریب پہنچے تو بعض جنات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان مبارک میں کہا کہ حضرت! آپ اکیلے تشریف لائیں ان کو ساتھ نہ لے کر آئیں۔ ہماری شکلیں علیحدہ ہیں، لباس علیحدہ ہے، بود و باش علیحدہ ہے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اردگرد ایک دائرہ کھینچا اور فرمایا تم نے اس کے اندر رہنا ہے جب تک میں نہ آؤں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اندر وہ نہیں آسکتے تھے باہر میں نہیں جا سکتا تھا مگر عجیب عجیب ان کے نمونے تھے، عجیب عجیب ان کی حرکتیں تھیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تبلیغ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے متاثر ہو کر کافی جنات مسلمان ہو گئے۔ اس جگہ یادگار کے طور پر مسجد تعمیر کی گئی ہے جس کا نام مسجد جن ہے، مکہ مکرمہ میں۔ اب وہ شہر کے اندر آ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حج کی توفیق عطا فرمائے تو دیکھنا۔ احادیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ مرتبہ جنات کی کانفرنسوں میں تشریف لے گئے ہیں۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو جنات نے کہا لَابِشَیْءٍ مِّنْ نِعْمَتِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ وَلَكَ الْحَمْدُ "ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اے ہمارے پروردگار! اور تعریف تیرے لیے ہی ہے۔" ہمیں بھی یہی کہنا چاہیے جب یہ آیت کریمہ سنیں۔

فرمایا ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ﴾ پیدا کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو بجنے والی مٹی سے ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ جیسے ٹھیکری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے زمین کے چہرے سے مٹی جمع کی پھر اپنی قدرت کے ہاتھوں سے اس کو گوندھا پھر وہ خشک ہو کر بجنے لگی اس سے انسان کو پیدا فرمایا ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ﴾ اور جنات کو پیدا کیا ﴿مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ آگ کے شعلے سے۔ انسان خاکی ہے جنات ناری ہیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں رب تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ مشرقین سے

مراد مشرق الصیف اور مشرق الشتاء ہے۔ گرمیوں میں سورج اس طرف چلا جاتا ہے اور سردیوں میں واپس آ جاتا ہے۔ اسی طرح غروب بھی تو گرمیوں کی مشرق اور مغرب مراد ہے اور سردیوں کی مشرق اور مغرب مراد ہے۔ اور مشارق کا لفظ بھی آتا ہے تو پھر اس سے مراد روزانہ کا طلوع ہونا ہے۔ آج یہاں سے چڑھا کل وہاں سے چڑھا، درمیان میں کروڑوں میل کا فاصلہ ہوتا ہے لیکن ہم سے چونکہ دور ہے ہم فرق نہیں کر سکتے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ﴾ چلائے اس نے دو دریا جو آپس میں مل کر چلتے ہیں ﴿بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ﴾ ان دونوں کے درمیان پردہ ہے، آڑ ہے ﴿لَّا یَبْغِیٰنِ﴾ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے۔ بہت سارے علاقے ہیں جہاں دو دریا ایک میٹھا اور دوسرا کڑوا اکٹھے چلتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فوائد عثمانیہ میں لکھتے ہیں چاٹگام سے ارکان تک دو ندیاں چلتی ہیں ایک کا پانی میٹھا اور دوسری کا کڑوا۔ لیکن آپس میں رلتے ملتے نہیں ہیں۔ حالانکہ پانی سیال ہے لیکن رب تعالیٰ کی قدرت ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ نکلتے ہیں دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے۔ دونوں قیمتی چیزیں ہیں لوگ ان کے ہار بھی بناتے ہیں اور دوائیاں بھی بناتے ہیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿وَلَهُ الْجَوَارِ﴾ جوار۔ جاریۃ کی جمع ہے۔ جاریۃ کا معنیٰ ہے کشتی، جوار کشتیاں۔ اور اسی کے لیے ہیں کشتیاں ﴿الْمُنْشَئٰتُ﴾ جو چلتی ہیں اسی کے حکم سے ﴿فِی الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿کَالْاَعْلَامِ﴾ اعلام عَلَمٌ کی جمع ہے پہاڑ، گھاٹی۔ اگر تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے تو دور سے کشتیاں گھاٹیاں نظر آتی ہیں جوں جوں قریب آتی ہیں تو تعیین ہوتی ہے کہ کشتی ہے، جہاز ہے۔ معنیٰ ہوگا پہاڑوں کی طرح ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا﴾ جو کوئی بھی ہے زمین پر ﴿فَانٍ﴾ فنا ہونے والا ہے ﴿وَّیَبْقٰی﴾ اور باقی رہے گی ﴿وَجْهُ رَبِّکَ﴾ تیرے رب کی ذات ﴿ذُو الْجَلٰلِ﴾ جو عظمت والی ہے ﴿وَالْاِکْرَامِ﴾ اور عزت والی ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یَسْئَلُهٗ﴾ سوال کرتا ہے اس سے ﴿مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ہے ﴿کُلَّ یَوْمٍ﴾ ہر دن ﴿هُوَ فِیْ شَاْنٍ﴾ وہ ایک شان میں ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿سَنَفْرُغُ لَکُمْ﴾ عنقریب ہم فارغ ہوں گے تمھارے لیے ﴿اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ اے دو بھاری قافلو ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ﴾ اے جنوں کے گروہ! ﴿وَالْاِنْسِ﴾ اور انسانوں کے گروہ! ﴿اِنِ اسْتَطَعْتُمْ﴾ اگر تم طاقت رکھتے ہو ﴿اَنْ تَنْفُذُوْا﴾ نکل جاؤ ﴿مِنْ اَقْطَارِ

﴿السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کے کناروں سے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کے کناروں سے ﴿فَانْفُذُوْا﴾ پس نکل جاؤ ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ نہیں نکل سکتے مگر غلبے کے ساتھ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یُرْسَلُ﴾ چھوڑے جائیں گے ﴿عَلَیْكُمَا﴾ تمھارے اوپر ﴿شُوَاظٌ﴾ شعلے ﴿مِّنْ نَّارٍ﴾ آگ کے ﴿وَّ نُحَاسٌ﴾ اور دھواں ﴿فَلَا تَنْتَصِرٰنِ﴾ پس تم بدلہ نہیں لے سکو گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ پس جب پھٹ جائے گا آسمان ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً﴾ پس ہو جائے گا گلابی ﴿كَالدِّهَانِ﴾ جیسے تلچھٹ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فَیَوْمَئِذٍ﴾ پس اس دن ﴿لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ﴾ نہیں سوال کیا جائے گا اس کے گناہ کے بارے میں ﴿اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ پہچانے جائیں گے مجرم ﴿بِسِیْمٰهُمْ﴾ اپنی نشانیوں سے ﴿فَیُؤْخَذُ﴾ پس پکڑا جائے گا ان کو ﴿بِالنَّوَاصِیْ﴾ پیشانیوں سے ﴿وَالْاَقْدَامِ﴾ اور قدموں سے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ﴾ یہ ہے وہ جہنم ﴿یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ جس کو جھٹلاتے تھے مجرم ﴿یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا﴾ چکر لگائیں گے جہنم کے درمیان ﴿وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ﴾ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ذوالعقول مخلوقات

عقل والی مخلوقات تین ہیں۔ پہلے نمبر پر فرشتے ہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل مند بنایا ہے لیکن فرشتے مکلف نہیں ہیں ان میں نافرمانی کا مادہ نہیں ہے وہ فطری طور پر فرماں بردار ہیں۔ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے اور ان میں نیکی بدی کا مادہ ہے اور نیکی بدی کا انہیں اختیار دیا ہے مگر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل مند بنایا ہے نیکی بدی کا اس میں مادہ رکھا ہے اور اس کو حکم دیا ہے کہ نیکی کرے اور بدی سے باز رہے۔ ان دونوں کو اس سورت میں بار بار خطاب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ﴾ جو کوئی بھی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے۔ زمین پر انسان ہیں، جنات ہیں، حیوانات ہیں، نباتات ہیں، جمادات ہیں، سب ختم ہو جائیں گے۔ ان میں سے کوئی شے باقی نہیں رہے گی ﴿وَّیَبْقٰى وَجْهُ

رَبِّكَ﴾ وَجْهُ کا معنیٰ ذات بھی ہے اور چہرہ بھی ہے۔ اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات ﴿ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ جو عظمت اور بزرگی والی ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿يَسْئَلُهٗ﴾ سوال کرتا ہے رب سے ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ آسمانوں میں فرشتے یا اور جو بھی مخلوق ہے سب کے سب رب سے سوال کرتے ہیں۔ زمین میں انسان ہیں، جنات ہیں اور جتنی مخلوقات ہے سب رب تعالیٰ سے سوال کرتی ہے۔ خوش ہو کر کرے یا ناخوش ہو کر۔

مستدرک حاکم اور مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اعلان کیا کہ فلاں میدان میں کالی مٹی پر ہم نے نماز استسقاء پڑھنی ہے۔ دیکھا تو ایک چیونٹی نے آسمان کی طرف ٹانگیں کی ہوئی ہیں اور دعا کر رہی ہے اے پروردگار! ہم بھی تیری مخلوق ہیں بارش نہ ہونے کی وجہ سے تنگی میں ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساتھیوں سے فرمایا جلدی جلدی گھروں کو پہنچو اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کی دعا قبول کر لی ہے ابھی بارش ہوگی۔

توسب اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ اکبرالہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبرؔ
یہی وہ در ہے جہاں ذلت نہیں سوال کے بعد

اور حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ "جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔" اس کو تم اس طرح سمجھو کہ گھر کے افراد اپنے سرپرست سے نہ مانگیں اور محلے والوں سے مانگیں تو اس کو غصہ آئے گا کہ میں بڑا ہوں مجھ سے کیوں نہیں مانگتے محلے والوں سے کیوں مانگتے ہیں؟ بیوی خاوند کے بجائے کسی اور کو کہے کہ مجھے جوتا لے دے، مجھے پراندہ لے دے۔ تو اسے غصہ آئے گا کہ میری بیوی ہو کر دوسروں سے مانگتی ہے۔ اور وہ تو رب ہے اسے بھی غضب آتا ہے کہ میری مخلوق ہو کر مجھ سے کیوں نہیں مانگتی؟ تو فرمایا سوال کرتے ہیں اسی رب سے جو ہیں آسمانوں میں اور جو ہیں زمین میں ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ ہر دن وہ ایک شان میں ہے۔ کسی کو بادشاہ بناتا ہے کسی کو گدا بناتا ہے، کسی کو پیدا کرتا ہے کسی کو مارتا ہے، کسی کو صحت دیتا ہے کسی کو بیمار کرتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلیل کرتا ہے۔ ہر روز وہ ایک شان میں ہے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ عن قریب ہم فارغ ہوں گے تمہارے لیے اے دو بھاری قافلو! اے دو بھاری چیزو! امام باقر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ثقل کا معنیٰ ہوتا ہے بوجھ کہ انسان کا بوجھ بیل، بھینسے، ہاتھی سے زیادہ نہیں ہوتا اس کو بھاری کیوں کہا؟ جنات تو انسان سے بھی ہلکے ہوتے ہیں۔ امام باقر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان پر جو احکام کا بوجھ ہے اس کی وجہ سے ثَقَلٰن فرمایا ہے۔

سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۷۲ پارہ ۲۲ میں ہے ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ﴾ "بے شک ہم نے پیش کی امانت ﴿عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین پر ﴿وَالْجِبَالِ﴾ اور پہاڑوں پر ﴿فَاَبَيْنَ﴾ پس انھوں نے انکار کیا ﴿اَنْ يَّحْمِلْنَهَا﴾

کہ اٹھائیں اس کو ﴿وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ اور ڈر گئے اس سے ﴿وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ اور اٹھالیا اس کو انسان نے۔" وہ امانت کا بوجھ اور ذمہ داری ان پر ہے اس لیے ان کو ثَقَلٰن فرمایا۔ فارغ ہونے کے متعلق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کا مقولہ ہے کہ اس کو کوئی کام نہیں ہوتا تھا اور وہ کہتا تھا سَنفرُغ لَكَ اے اٰخِذُكَ "میں تجھے غفلت میں پکڑوں گا حالانکہ وہ اس وقت بھی مصروف نہیں ہے۔" تو مطلب بنے گا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں تمھیں اچانک پکڑوں گا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ سَنَفْرُغُ کا معنیٰ ہے سَنَقْصِدُ عن قریب ہم ارادہ کریں گے تمھارے بارے میں اور رتی رتی کا حساب لیں گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ﴾ اے جنوں اور انسانوں کی جماعت ﴿اِنِ اسْتَطَعْتُمْ﴾ اگر تم طاقت رکھتے ہو ﴿اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کہ نکل جاؤ تم آسمانوں کے کناروں سے اور زمین کے کناروں سے ﴿فَانْفُذُوْا﴾ پس تم نکل جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا ہے کہ تم میری نافرمانی کر کے میری گرفت سے بچ نہیں سکتے کہ میری بادشاہت تو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، میری سلطنت سے بھاگ کر دکھاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ نہیں نکل سکتے مگر غلبے کے ساتھ۔ سلطان کا معنیٰ غلبہ، سند، دلیل۔ یہ غلبہ تمھارے پاس موجود نہیں ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

دنیا میں تو لوگ ایک ملک چھوڑ کر دوسرے ملک چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے گرفت سے بچ جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی سلطنت تو ہر جگہ ہے اس کے سوا کسی کی حکومت ہے ہی نہیں، جاؤ گے کہاں؟ کس کے آسمان کے نیچے جاؤ گے؟ کس کی زمین پر جاؤ گے؟ نہیں جا سکتے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ چھوڑے جائیں گے تم پر آگ کے شعلے ﴿وَّ نُحَاسٌ﴾ اور دھواں ﴿فَلَا تَنْتَصِرٰنِ﴾ پس تم بدلہ نہیں لے سکو گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

دیانند سرسوتی کا اعتراض

ایک بہت بڑا ہندو پنڈت آریہ سماج کا لیڈر تھا دیانند سرسوتی، بڑا منہ پھٹ آدمی تھا۔ اس کی کتاب ہے "ستیارتھ پرکاش" نایاب ہے مگر میرے پاس موجود ہے۔ اس کا چودھواں باب قرآن پاک پر اعتراضات کے بارے میں ہے۔ اس آیت کریمہ پر بھی اس نے اعتراض کیا ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد، العیاذ باللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ قرآن کا مصنف جاہل ہے، عقل سے محروم ہے اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نعمت کیا ہے غیر نعمت کیا ہے؟ کہتا ہے تم پر آگ کے شعلے پھینکیں جائیں گے اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم انتقام نہیں لے سکو گے۔ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ آگ کے شعلے کون سی نعمت ہے اور دھواں کون سی نعمت ہے؟

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کو انھوں نے تمام اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔ قرآن

پاک کے جو اردو تر جمے ہیں ان میں بہترین ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو انھوں نے پورے چالیس سال میں لکھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی ترجمہ ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر قرآن پاک ہندوستان میں نازل ہوتا تو شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں نازل ہوتا۔ ترجمے کے بعد اس پر مختصر سا حاشیہ بھی لکھا ہے۔ بڑا کھرا اور صاف۔ جب فارغ ہوئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ شعر پڑھا۔

روز قیامت ہر کسے در زیر بغل نامہ عمل
من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآں در بغل

"قیامت والے دن ہر ایک کی بغل میں نامہ اعمال ہوگا میں بھی حاضر ہوں گا اور میری بغل میں قرآن کریم کی تفسیر ہوگی۔"

وہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے بڑے اختصار کے ساتھ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی خبر دینا کہ آفت ہے اس سے بچ جاؤ یہ بھی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو آگ کے شعلے پڑیں گے دھواں چھوڑا جائے گا۔ تو یہ خبر دینا بھی نعمت ہے۔

فرمایا ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ پس جب پھٹ جائے گا آسمان ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً﴾ پس ہو جائے گا گلابی رنگ۔ اب نیلے رنگ کا ہے اس وقت گلابی رنگ میں ہوگا ﴿كَالدِّهَانِ﴾ جیسے تلچھٹ۔ تیل کے نیچے جو میل کچیل ہوتا ہے اس کو تلچھٹ کہتے ہیں۔ اور دھان کا معنیٰ سرخ چمڑے کا بھی کرتے ہیں۔ پھر معنیٰ ہوگا کہ یہ آسمان سرخ رنگ کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ یہ ساری چیزیں ہم تمھیں وقت سے پہلے بتلا رہے ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

دفع تعارض بین الآیتین

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ﴾ پس اس دن نہیں پوچھا جائے گا اس کے گناہ کے بارے میں ﴿اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ نہ کسی انسان سے اور نہ کسی جن کے بارے میں۔ بہ ظاہر اس آیت کریمہ کا سورہ حجر کی آیت نمبر ۹۲ سے تعارض معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ہے ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ "پس تیرے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔" تو ایک میں نفی ہے اور ایک میں اثبات ہے۔

تو مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جہاں نفی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ معلومات حاصل کرنے کے لیے سوال نہیں ہوگا کہ اس نے نیکی کی ہے یا نہیں، بدی کی ہے یا نہیں۔ وہ علیم بذات الصدور ہے اسے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور جہاں اثبات ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ سوال ہوگا کہ میں نے تمھیں فلاں کام سے منع کیا تھا تم نے کیوں کیا؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو منع فرمایا تھا ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ "اس درخت کے قریب نہ جانا۔" جب ان سے لغزش ہوگئی تو فرمایا ﴿اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾ [الاعراف:۲۲] "کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا اس درخت سے۔" تو اس طرح کا سوال ہوگا۔ لہٰذا آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ پہچانے جائیں گے مجرم ﴿بِسِيْمٰهُمْ﴾ اپنی نشانیوں سے۔ وہ نشانیاں کیا ہوں گی؟ چوتھے پارے میں ہے ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ [آل عمران:۱۰۶] "جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے۔" اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت اور ھوا کے سیاہ ہوں گے۔ جیسا کہ اس کی تفسیر میں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم مرفوع روایت نقل فرماتے ہیں۔

تو فرمایا نشانیوں سے پہچانے جائیں گے ﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ پس پکڑا جائے گا اس کو پیشانیوں سے اور قدموں سے۔ جیسے دنبے کو قصائی گراتا ہے ایسے ہی پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں گرایا جائے گا ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ رب تعالیٰ تمھیں ہر وقت آگاہ کر رہا ہے ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ﴾ یہ ہے وہ جہنم ﴿يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ جس کو مجرم جھٹلاتے تھے جس میں تم پہنچ چکے ہو ﴿يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ﴾ چکر لگائیں گے، پھریں گے دوزخ کے درمیان اور گرم پانی کے درمیان۔ آن کا معنیٰ ہے کھولتا ہوا، ابلتا ہوا پانی۔ کبھی گرم پانی میں ہوں گے اور کبھی آگ میں ہوں گے اور کبھی زمہریر جو ٹھنڈا طبقہ ہے اس میں پھینک دیئے جائیں گے۔ روئیں گے، چیخیں گے مگر عذاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔ اے مجرمو! ہم تمھیں ابھی بتلا رہے ہیں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

﴿وَلِمَنْ﴾ اور اس شخص کے لیے ﴿خَافَ﴾ جو ڈرا ﴿مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ﴿جَنَّتٰنِ﴾ دو باغ ہوں گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ﴾ دو باغ گھنی شاخوں والے ہوں گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِيْهِمَا عَيْنٰنِ﴾ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے ﴿تَجْرِيٰنِ﴾ جاری ہوں گے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِيْهِمَا﴾ ان دونوں باغوں میں ﴿مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ﴾ ہر قسم کے پھل ہوں گے ﴿زَوْجٰنِ﴾ جوڑے جوڑے ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے ﴿عَلٰى فُرُشٍ﴾ بستروں پر ﴿بَطَآئِنُهَا﴾ جن کے استر ﴿مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ موٹے ریشم کے ہوں گے ﴿وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ اور

پھل دونوں باغوں کا قریب ہوگا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِیْهِنَّ﴾ ان باغوں میں ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی ﴿لَمْ یَطْمِثْهُنَّ﴾ نہیں ہاتھ لگایا ان کو ﴿اِنْسٌ قَبْلَهُمْ﴾ کسی انسان نے ان سے پہلے ﴿وَلَا جَآنٌّ﴾ اور نہ کسی جن نے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ﴾ گویا کہ وہ موتی ہیں ﴿وَالْمَرْجَانُ﴾ اور مرجان ہیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ﴾ نہیں ہے بدلہ نیکی کا ﴿اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ مگر نیکی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ربط آیات

اس سے پہلے رکوع میں مجرموں کے بارے میں ذکر تھا کہ انہیں پیشانیوں اور قدموں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اب اس کے مدمقابل نیکوں کا ذکر ہے کہ ان کی کیسی عزت ہوگی؟ فرمایا ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ اور اس شخص کے لیے جو ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے دو باغ ہوں گے۔ جو شخص یقین رکھتا ہے کہ قیامت آئے گی، اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی اور میں رب کے سامنے کھڑا ہوں گا اور رب تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا۔ ظاہر بات ہے ایسا آدمی جو نیکی کرے گا اور برائی سے بچے گا، زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارے گا۔ تو ایسے لوگوں کے لیے دو باغ ہوں گے۔ ان باغوں کی وسعت اور فراخی آج ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا خوف جس آدمی کے دل میں ہوتا ہے وہ قدم بڑے احتیاط کے ساتھ رکھتا ہے۔

قصہ اصحاب الغار

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ تین آدمی سفر میں شریک تھے کہ زور کی بارش ہونے لگی تو ان تینوں نے بارش سے بچنے کے لیے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ بارش کی وجہ سے اوپر سے ایک چٹان گری جس سے غار کا منہ بند ہوگیا۔ چٹان اتنی وزنی تھی کہ یہ اس کو ہلا نہیں سکتے تھے۔ تینوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ عالم الاسباب میں ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتا اس وقت رب تعالیٰ ہی نے مدد کرنی ہے۔ لہٰذا تم اپنے نیک اور خالص عملوں کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو شاید رب تعالیٰ قبول کرلے اور اس چٹان کو ہٹادے۔ کیونکہ اچھے کاموں کی برکت سے بھی اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے۔

تو ان میں سے ایک نے کہا: اے پروردگار! میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور میرے بچے چھوٹے تھے، میں بکریاں چراتا تھا۔ جب ریوڑ واپس لے کر آتا تو دودھ نکال کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنے بچے کو پلاتا۔ ایک

دن مجھے درختوں کے پتے لینے کے لیے دور جانا پڑا اور میں اتنی دیر سے واپس آیا کہ ماں باپ سو چکے تھے۔ میں نے حسب دستور دودھ دوہا، والدین کے حصہ کا دودھ لے کر میں ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ تو وہ دونوں چوں کہ سو چکے تھے میں نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ بغیر ان کے پلائے بچوں سے ابتدا کروں۔ میرے بچے میرے پاس آ کر (بلبلاتے رہے) دودھ مانگتے رہے مگر میں نے کہا کہ پہلے ماں باپ کو پلاؤں گا پھر تمھیں پلاؤں گا۔ میں ساری رات دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا رہا یہاں تک کہ جب وہ سحری کے وقت اٹھے تو میں نے ان کو دودھ پلایا پھر اپنے بچوں کو پلایا۔

اے پروردگار! میں نے یہ عمل، یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے۔ اگر میرا یہ عمل تیرے ہاں مقبول ہے تو اے پروردگار! اس چٹان کو ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے وہ چٹان تھوڑی سی ہٹا دی۔

اور دوسرے نے کہا: اے پروردگار! میری چچا زاد بہن بڑی خوب صورت تھی۔ میں اس سے بہت محبت کرتا تھا میں نے اس کو نفس کی خواہش کے لیے بلایا۔ اس نے کہا کہ سو دینار لاؤ پھر بات بنے گی۔ میں نے ایک سال میں سو دینار کمائے۔ ایک روایت میں ایک سو بیس دینار کا بھی ذکر آتا ہے۔ میں نے دینار لا کر اس کو دے دیے اس شرط پر کہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے اور میری مراد پوری کر دے۔ ہم آمنے سامنے ہو گئے۔ عین برائی کا موقع تھا کہ اس نے کہا اتق اللہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ناحق اس مہر کو مت توڑ یہ تیرے لیے حلال نہیں۔ میں اس سے ہٹ گیا اور دینار بھی واپس نہ لیے اور گناہ سے باز آ گیا۔ اچھا ہوا کہ تو نے بروقت سمجھا دیا۔ میری توبہ آج کا کوئی درندہ ہوتا تو کبھی معاف نہ کرتا اور کہتا کہ میں نے پورا سال مزدوری کر کے یہ پیسے کمائے ہیں اب عین موقع پر مجھے ٹرخاتی ہے۔ مگر اچھا زمانہ تھا وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا۔ اے پروردگار! تیرے ڈر اور خوف کی وجہ سے میں نے گناہ چھوڑ دیا تھا اگر آپ کے نزدیک میرا یہ عمل قبول ہے تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ چنانچہ وہ چٹان تھوڑی سی اور ہٹ گئی لیکن نکلنے کے قابل ابھی راستہ نہ ہو سکا۔

تیسرے نے کہا اے پروردگار! میں نے مزدوری پر مزدور لگائے تھے باقی مزدوروں کو میں نے مزدوری دے دی لیکن ایک مزدور بگڑ گیا کہ مزدوری تھوڑی ہے۔ میں نے کہا جو میں نے تیرے ساتھ طے کیا تھا وہ تجھے دے رہا ہوں۔ کہنے لگا میں نے نہیں لینا اور اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کو جو چاول باجرا دینا تھا اپنے خادموں کو کہا کہ اس کو زمین میں کاشت کرو (اس کی مزدوری کو زراعت پر لگا دیا)۔ دو تین سال کی پیداوار سے کافی آمدنی ہوئی۔ میں نے اس سے جانور خریدے۔ کئی سالوں کے بعد وہ آیا اور اپنی مزدوری مانگی کہ میرا حق مجھے دے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ جتنے بیل، بکریاں اور اونٹ وغیرہ ہیں، یہ سب تیرے ہیں لے جا۔ اس نے کہا میرے ساتھ مذاق نہ کرو میری مزدوری تو دو چار سیر چاول، باجرا تھے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ گواہ ہے میں نے تیری مزدوری کو فالتو زمین میں کاشت کیا اس سے جو آمدنی ہوئی اس سے یہ بیل، اونٹ، بکریاں خریدیں۔ یہ سب کچھ تیرا ہے۔ وہ سب کچھ لے گیا۔

اے پروردگار! اگر میں نے یہ آپ کی رضا کے لیے کیا تھا اور میرا یہ عمل تیرے ہاں مقبول ہے تو اس چٹان کو اور ہٹا دے

تاکہ ہم نکل سکیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ رب تعالیٰ نے چٹان ہٹادی اور وہ سب باہر آ گئے۔ آج کا زمانہ ہوتا تو کہتا نہیں لیتا تو نہ لے۔ ہم خود استعمال کرلیں گے۔ مگر خدا خوفی کا زمانہ تھا اس نے اس کے ساتھ نیکی کی۔ جوں جوں قیامت قریب آئے گی خدا خوفی ختم ہوتی جائے گی اور ایسے حالات پیدا ہوں گے کہ قبر کے پاس سے گزرنے والا آدمی کہے گا کاش کہ میں مر چکا ہوتا اور یہ قبر میری ہوتی۔ ان تکلیفوں سے میری جان چھوٹ جاتی۔

تو فرمایا اور اس شخص کے لیے جو ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے دو باغ ہوں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ان باغوں میں جو مکان اور کوٹھیاں ہوں گی ان کی دیواریں، دروازے، کرسیاں، برتن سب کچھ سونے کا ہوگا ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ﴾ دو باغ گھنی شاخوں والے ہوں گے۔ افنان فَنَنٌ کی جمع ہے معنیٰ ہے شاخ ٹہنی، اور ذواتا تثنیہ ہے ذات کی۔ بڑی ٹہنیوں اور شاخوں والے باغ ہوں گے۔ کیونکہ جن درختوں کی ٹہنیاں نہ ہوں ان کی بھی رونق نہیں ہوتی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ﴾ ان دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ باغوں کی رونق پانی سے ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ﴾ ان دو باغوں میں ہر قسم کے پھل ہوں گے جوڑے جوڑے۔ ذائقہ مختلف، رنگ مختلف۔ سفید بھی، سرخ بھی، تازہ بھی، خشک بھی۔ آم، کنو وغیرہ تر اور پستہ، مغز، بادام، چلغوزے وغیرہ خشک ہوتے ہیں۔ پھر ہر قسم کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ پھر ان باغوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ نہ ختم ہوں گے نہ ممنوع ہوں گے جس طرح چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ۔

تو فرمایا ہر قسم کے پھل جوڑے جوڑے ہوں گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍ﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اپنے بستروں پر ﴿بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ بطائن بِطَانَۃٌ کی جمع ہے کوٹ کے استر کو کہتے ہیں، اندرونی حصہ۔ اور اِسْتَبْرَق اِسْتَبْرَقَۃٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے موٹا ریشم۔ استر ان کے موٹے ریشم کے ہوں گے ﴿وَجَنَا﴾ جنا کا معنیٰ پھل جو چنا جاتا ہے ﴿الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ﴾ دان کا معنیٰ قریب دنو سے۔ دنیا کو بھی دنیا اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ قریب ہی ختم ہونے والی ہے۔ اور پھل ان دونوں باغوں کے قریب ہوں گے۔ پھل توڑنے کے لیے اٹھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب دل میں کسی پھل کے کھانے کی خواہش ہوگی وہ رب تعالیٰ کے حکم سے خود بہ خود اس کے قریب آجائے گا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر فرمایا ہے کہ جنت کیا ہوگی ایک چھوٹی خدائی ہوگی۔ جیسے رب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے ایسے ہی بندہ جو ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیں گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ ان باغوں میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی ﴿لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ﴾ نہیں چھوا ان کو کسی انسان نے، نہیں ہاتھ لگایا ان کو کسی انسان نے ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿وَلَا جَآنٌّ﴾ اور نہ

کسی جن نے ان کو ہاتھ لگایا ان سے پہلے۔ یہ جنت کی حوریں کستوری، عنبر، کافوراور زعفران سے پیدا کی گئی ہیں۔ ہر ہر جنتی کو اللہ تعالیٰ دو دو حوریں عطا فرمائے گا اور دنیا کی بیویاں الگ ہوں گی۔ اور یہ دنیا کی بیویاں حوروں کی سردار ہوں گی۔

مودودی صاحب کی تفسیری غلطیاں

حوریں خاکی مخلوق نہیں ہیں۔ مودودی صاحب تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ "حوریں کافروں کی، یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کی وہ لڑکیاں ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے مرگئیں۔" ان کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ اور مودودی صاحب نے اور بھی بڑی غلطیاں کی ہیں۔ حالانکہ احادیث میں آتا ہے کہ حوریں کستوری سے پیدا ہوئی ہیں، کچھ زعفران سے کچھ کافور اور کچھ عنبر سے۔ تو مودودی صاحب کا نظریہ احادیث کے بالکل خلاف ہے۔ جب علماء حق نے تعاقب کیا تو کہنے لگا کہ یہ علماء میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ علمائے حق ویسے ہی نہیں اس کے پیچھے پڑے ہوئے، غلطیاں کی ہیں تو پیچھے پڑے ہیں۔ تو حوریں خاکی مخلوق نہیں ہیں۔

کافروں کی نابالغ اولاد جو فوت ہوئی ہے وہ کدھر جائے گی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے وہ فرماتے ہیں رب تعالیٰ جہاں چاہے گا بھیج دے گا جنت میں یا دوزخ میں ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ اور وہ بخاری شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کافروں کے نابالغ بچوں کے بارے میں جو فوت ہو گئے ہیں کہاں جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا کَانُوۡا عَامِلِیۡنَ "یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ انھوں نے بڑے ہو کر کیا کرنا تھا۔" ایک گروہ کہتا ہے کہ جنت میں جائیں گے اور جنتیوں کے خادم ہوں گے اطفال المشرکین خدمُ اھل الجنۃ۔ اور علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ دوزخ میں جائیں گے۔ اس میں علماء کا کافی اختلاف ہے۔ لیکن حوریں کافروں کی لڑکیاں یقیناً نہیں ہیں۔ مودودی صاحب سے جب پوچھا گیا کہ تم کہتے ہو کہ حوریں کافروں کی لڑکیاں ہیں اس پر تم کوئی روایت پیش کر سکتے ہو جب کہ سلف صالحین کہتے ہیں کہ وہ وہاں کی مخلوق ہے؟ مودودی صاحب نے جواب دیا کہ سلف صالحین کا بھی قیاس ہے اور میرا بھی قیاس ہے۔ (حضرت نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ) مودودی صاحب کا یہ جواب بالکل غلط ہے۔ کیونکہ سلف صالحین کا قیاس نہیں ہے بلکہ انھوں نے احادیث پیش کی ہیں۔

میرا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے مودودی صاحب کے چند غلط فتوے۔ اس میں مَیں نے پوری تفصیل بیان کی ہے، وہ لے کر پڑھو۔ لیکن افسوس ہے کہ گکھڑ والوں کو پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔

الغرض حوریں وہاں کی مخلوق ہیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ نیچی نگاہ والیاں ہوں گی کا ایک مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ شرم و حیا والیاں ہوں گی۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عَلٰۤی اَزۡوَاجِھِنَّ ان کی نگاہیں اپنے خاوندوں پر بند ہوں گی، ان پر نگاہیں ٹکی ہوں گی۔ اِدھر اُدھر نگاہ نہیں اٹھائیں گی ﴿کَاَنَّھُنَّ

﴿الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ﴾ گویا کہ وہ موتی اور مونگے ہیں۔ ان کی رنگتیں موتیوں اور مونگوں کی طرح صاف ہوں گی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ نہیں ہے نیکی کا بدلہ مگر نیکی۔ انھوں نے دنیا میں نیکیاں کیں، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، قرآن شریف پڑھا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کیا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، صدقہ خیرات کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا اچھا بدلہ دیا۔ اللہ تعالیٰ یہ خوشیاں سب کو نصیب فرمائے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اے انسانوں اور جنوں کے گروہ!

﴿وَ مِنْ دُوْنِهِمَا﴾ اور ان دو باغوں کے علاوہ ﴿جَنَّتٰنِ﴾ دو باغ اور ہوں گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ وہ دو باغ گہرے سبز ہوں گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِیْهِمَا﴾ ان دو باغوں میں ﴿عَیْنٰنِ﴾ دو چشمے ہوں گے ﴿نَضَّاخَتٰنِ﴾ ابلتے ہوئے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ﴾ ان دونوں باغوں میں پھل ہوں گے ﴿وَّ نَخْلٌ﴾ کھجوریں ہوں گی ﴿وَّ رُمَّانٌ﴾ اور انار ہوں گے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ ان باغوں میں اچھی خصلت والی خوب صورت عورتیں ہوں گی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ﴾ حوریں جو بند ہوں گی ﴿فِی الْخِیَامِ﴾ خیموں میں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿لَمْ یَطْمِثْهُنَّ﴾ نہیں ہاتھ لگایا ان کو ﴿اِنْسٌ قَبْلَهُمْ﴾ کسی انسان نے ان سے پہلے ﴿وَ لَا جَآنٌّ﴾ اور نہ کسی جن نے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿مُتَّكِـِٕیْنَ﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے ﴿عَلٰى رَفْرَفٍ﴾ گاؤ تکیے پر ﴿خُضْرٍ﴾ جو سبز رنگ کے ہوں گے ﴿وَّ عَبْقَرِیٍّ﴾ اور قالین ہوں گے ﴿حِسَانٍ﴾ بہت عمدہ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ بڑی برکت والا ہے نام آپ کے رب کا ﴿ذِی الْجَلٰلِ﴾ جو بزرگی والا ہے ﴿وَ الْاِكْرَامِ﴾ اور عزت دینے والا ہے۔

پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ عقل مند مخلوقات تین ہیں۔ ایک فرشتے، دوسرے جنات اور تیسرے انسان۔ فرشتے تو معصوم ہیں ان میں نیکی اور بدی کا مادہ نہیں ہے نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں۔ جنات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا اور زمین کی بادشاہی ان کے حوالے کی۔ انھوں نے وہ کچھ کیا جو کچھ آئ

انسان کررہے ہیں۔اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ سب کچھ تمہارے سامنے ہے اخبارات میں تم پڑھتے رہتے ہو۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ جنات کی حکومت کا کیا انجام ہوا ہوگا اور انھوں نے کتنا فتنہ وفساد برپا کیا ہوگا۔کیونکہ ان میں شر کا مادہ انسان سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی آدم علیہ السلام کو دی۔انھوں نے ایک ہزار سال حکمرانی کی اور ان کی نسل در نسل میں حکمرانی چلتی آئی۔آدم علیہ السلام کی موجودگی میں ان کے بیٹے قابیل نے ہابیل رحمہ اللہ تعالیٰ کو شہید کردیا۔تو فتنہ وفساد تو تھا مگر جنات سے کم تھا۔اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اکتیس (۳۱) مرتبہ خطاب کرکے فرمایا ہے کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ رب تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین بنائی، آسمان بنایا، پھل میوے، اناج، تمہارے لیے پیدا فرمائے۔ساتھ ہی جہنم کا نقشہ بھی سامنے رکھا کہ اگر ناشکری کروگے تو دوزخ میں جلوگے، تھوہر کا درخت کھاؤ گے، زخموں کی پیپ پیوگے، آگ کے شعلے اور دھواں تمھیں اپنی لپیٹ میں لے گا اور جو آدمی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہوں گے۔ان باغوں کی وسعت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان باغوں میں جو محل ہوں گے ان کی دیواریں، چھتیں سونے کی ہوں گی۔وہاں کرسیاں اور برتن بھی سونے کے ہوں گے۔اگلی سورت میں آئے گا کہ تین گروہ ہوں گے۔ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال اور السابقون الاولون، ﴿ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ مقربین کی اکثریت بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائے گی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے اور ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہزار ہوگا۔یہ بڑی تعداد بنتی ہے، جمع کرلو۔ان شاء اللہ خیر سلاً ہے۔اصحاب الیمین جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا ان کا ذکر ہے کہ ان کے لیے کیا ہوگا۔

فرمایا ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴾ اور ان دو باغوں کے علاوہ اور دو باغ ہیں ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴾ وہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے۔حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں گہرے سبز جیسے سیاہ ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴾ ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے ابلتے ہوئے۔جوش مار رہے ہوں گے، چشموں سے پانی جوش سے نکل رہا ہوگا ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ سورت تلاوت کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خاموشی کے ساتھ سنی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنات نے مجھے اپنی کانفرنس میں بلایا تھا ان کے سامنے میں نے یہ سورۃ پڑھی۔جب میں نے یہ آیت پڑھی ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ تو جنات نے کہا لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعْمَتِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ وَ لَكَ الْحَمْدُ "اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اور حمد تیرے ہی لیے ہے۔" فرمایا ﴿ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ ﴾ ان دونوں باغوں میں پھل ہوں گے ﴿ وَّنَخْلٌ ﴾ کھجوریں ہوں گی ﴿ وَّرُمَّانٌ ﴾ اور انار ہوں گے ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ کھجوروں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ خیبر میں تقریباً دس ہزار قسم کی کھجوریں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے خیبر کی لمبی لمبی کھجوریں پیش کیں تو آپ نے تعجب سے فرمایا اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا "کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہوتی ہیں۔" کہنے لگا نہیں حضرت! یہ اعلیٰ قسم کی کھجور ہے اس میں گٹھلی برائے نام ہوتی ہے ہم جس کو تحفہ بھیجتے ہیں تو یہ کھجور بھیجتے ہیں۔ باوجود اس کے آنحضرت ﷺ عرب میں پیدا ہوئے مگر اس سے پہلے یہ کھجور نہیں دیکھی تھی۔ اور اناروں کی بھی بے شمار اقسام ہوں گی۔ اور یاد رکھنا! یہ کھجوریں اور انار وہاں نہیں ہیں تم نے یہاں سے ساتھ لے کر جانا ہے۔ یہ ہمارے اعمال ہی وہاں کے باغات ہیں، پھل اور میوے ہیں۔ ایک دفعہ الحمد للہ! پڑھنے سے ایک درخت لگ جاتا ہے، سبحان اللہ! کہا ایک درخت لگ گیا، اللہ اکبر! کہا ایک درخت لگ گیا۔

معراج والی رات آنحضرت ﷺ کی جہاں اور پیغمبروں کے ساتھ ملاقات ہوئی وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِقراء مِنّی اُمَّتَكَ السَّلَامَ "اے محمد! اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا علیه و علی نبینا و علی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات اور ان کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ جنت کی زمین طَيِّبَةٌ تربةٌ بڑی عمدہ اور زرخیز زمین ہے وعذبة الماء اور پانی بڑا میٹھا ہے لیکن قیعان سفید میدان ہے۔" اس کے لیے درخت وہاں سے ساتھ لے کر آنے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم وہاں حوض کوثر کی شکل میں ہوگا۔ جو اس کو پڑھے گا اس پر عمل کرے گا اس کو حوض کوثر کا پانی پینا نصیب ہوگا۔ اور جس نے نہیں پڑھا اور نہیں سمجھا اسے فرشتے دھکے مار کر دور لے جائیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ کچھ لوگ حوض کوثر کی طرف آرہے ہوں گے فرشتے ان کو دھکے مار کر پیچھے ہٹا رہے ہوں گے۔ میں کہوں گا اُصَيْحَابِي اُصَيْحَابِي میرے امتی معلوم ہوتے ہیں۔ پوچھا گیا حضرت کیسے پہچانو گے؟ فرمایا وضو والی جگہیں چمکیں گی سچوں کی چمک زیادہ ہوگی اور جھوٹوں کی چمک تھوڑی ہوگی میں اس چمک سے پہچان لوں گا فیقول الرب تبارك و تعالیٰ بخاری شریف کی روایت ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ "آپ نہیں جانتے ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں گھڑی تھیں فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا میں فرشتوں کو کہوں گا دفع کرو ان کو میری نگاہوں سے دور کر دو۔" اہل بدعت کو حوض کوثر سے پانی پینا نصیب نہیں ہوگا۔

فرمایا ﴿فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ خَيْرَات خِيْرَةٌ کی جمع ہے اور حِسَان حَسِيْنَةٌ کی جمع ہے۔ ان جنتوں میں اچھی خصلت والی خوب صورت عورتیں ہوں گی۔ شکل کے لحاظ سے بھی خوب صورت ہوں گی اور اخلاق کے اعتبار سے بھی خوب صورت ہوں گی۔ خوب صورت بھی ہوں گی اور خوب سیرت بھی ہوں گی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ خِيَام خَيْمَةٌ کی جمع ہے۔ حوریں جو بند ہوں گی خیموں میں۔

بخاری شریف میں ہے خیمے موتیوں کے ہوں گے۔ موتی اندر سے کھوکھلے ہوں گے اور وہ مکان ساٹھ ساٹھ میل پر پھیلا ہوا ہوگا۔ اور جو کم از کم مکان ہوگا یعنی چھوٹے سے چھوٹا وہ تین فرسخ کا ہوگا۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ گویا کہ چھوٹی کوٹھی نو

میل کی ہوگی۔ ان میں کمرے ہوں گے اور ہر ہر کمرے میں ہر شے ہوگی۔ کسی شے کو کہیں اٹھا کر لے جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دنیا والی بیویاں بھی ساتھ ہوں گی اور یہ حوروں کی سردار ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو حسن بھی زیادہ دے گا۔ حوریں کہیں گی کہ ہم کستوری، عنبر، کافور اور زعفران سے پیدا ہوئی ہیں لیکن تم خاکی ہو کر ہم سے درجہ لے گئی ہو؟ یہ کہیں گی کہ ہم نمازیں پڑھتی تھیں، روزے رکھتی تھیں، گرمی، سردی میں وضو کرتی تھیں اس وجہ سے ہمارا درجہ بلند ہوا ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ﴾ نہیں ہاتھ لگایا ان کو کسی انسان نے ان سے پہلے ﴿وَلَا جَآنٌّ﴾ اور نہ کسی جن نے ہاتھ لگایا ہے ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ﴿مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ﴾ رفرف رَفْرَفَةٌ کی جمع ہے بمعنی گاؤ تکیہ ﴿خُضْرٍ﴾ خضراء کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے سبز۔ معنیٰ ہوگا ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے سبز رنگ کے تکیوں پر۔

عرب کا علاقہ خشک ہے عربیوں کو سبز رنگ بڑا مرغوب ہے (اس رنگ کو بڑا پسند کرتے ہیں) کیونکہ وہاں ہریالی بہت کم ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کو بھی سبز رنگ کیا ہے۔ فرمایا ﴿وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ﴾ اور قالین ہوں گے بہت عمدہ۔ عَبْقَرِیّ عَبْقَرِیَّةٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے قالین۔ حسان کا معنیٰ ہے عمدہ۔ دوسری جگہ سُرُرٍ کا لفظ بھی آتا ہے، آرام دہ کرسیوں پر ہوں گے۔ عَلَى الارائك کا لفظ بھی آتا ہے، آرام دہ کرسیاں۔ جس طرف گھماؤ گھوم جائیں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ پس تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ﴾ بڑی برکت والا ہے نام آپ کے رب کا جو بزرگی والا ہے ﴿وَالْاِکْرَامِ﴾ اور عزت دینے والا ہے۔ صحیح معنوں میں جو مومن ہوں ان کو عزت دیتا ہے وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔ یہ بھی رب تعالیٰ کی صفات ہیں ﴿کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ﴾ ہر روز وہ کسی نہ کسی معاملہ میں ہوتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ

۲۷

آیاتھا ۹۶ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۵۶) (۴۶) رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ جس وقت واقع ہوگی واقع ہونے والی ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا﴾ نہیں ہے اس کے واقع ہونے میں ﴿كَاذِبَةٌ﴾ جھوٹ ﴿خَافِضَةٌ﴾ پست کرنے والی ہے ﴿رَّافِعَةٌ﴾ بلند کرنے والی ہے ﴿اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ﴾ جب ہلا دی جائے گی زمین ﴿رَجًّا﴾ ہلایا جانا ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ﴾ اور ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پہاڑ ﴿بَسًّا﴾ ریزہ ریزہ کر دینا ﴿فَكَانَتْ﴾ پس ہو جائیں گے پہاڑ ﴿هَبَآءً﴾ گرد و غبار ﴿مُّنْبَثًّا﴾ اُڑا ہوا ﴿وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ اور ہو جاؤ گے تم تین قسم پر ﴿فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ پس دائیں ہاتھ والے ﴿مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ کیا ہی اچھے ہیں دائیں ہاتھ والے ﴿وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ اور بائیں ہاتھ والے ﴿مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ﴾ اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ یہی لوگ مقرب ہیں ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ بڑی جماعت ہوگی پہلوں میں سے ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور تھوڑے ہوں گے پچھلوں میں سے ﴿عَلٰى سُرُرٍ﴾ ایسی کرسیوں پر ہوں گے ﴿مَّوْضُوْنَةٍ﴾ جو سونے کی تاروں سے بنی ہوئی ہوں گی ﴿مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے ان کرسیوں پر ﴿مُتَقٰبِلِيْنَ﴾ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ پھریں گے ان پر بچے ﴿مُّخَلَّدُوْنَ﴾ ہمیشہ رہنے والے ﴿بِاَكْوَابٍ﴾ پیالے لے کر ﴿وَّاَبَارِيْقَ﴾ اور جگ لے کر ﴿وَكَاْسٍ﴾ اور پیالے ﴿مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ نتھری ہوئی صاف شراب کے ﴿لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا﴾ نہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اس سے ﴿وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾ اور نہ وہ بدحواس ہوں گے۔

سورۃ کی وجہ تسمیہ اور قیامت کے متعدد نام

اس سورت کا نام سورہ واقعہ ہے۔ لفظ واقعہ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ قیامت کے متعدد نام ہیں۔ ایک نام واقعہ بھی ہے، ایک نام رادفہ ہے، ایک نام الحاقہ ہے، ایک نام القارعہ ہے۔ اس سورت میں قیامت کا ذکر ہے اور قیامت میں نیکوں اور بُروں کے ساتھ جو ہونا ہے اس کا ذکر ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جو آدمی اس سورت کو رات کو پڑھے گا اس کے گھر میں فاقہ نہیں آئے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر تھے مگر مالی حالت انتہائی کمزور تھی۔ اس وقت کے گورنر کو آج کل کے گورنروں پر قیاس نہ کرنا یہ تو سارا صوبہ لوٹ کر کھا جاتے ہیں۔ اُن کو ضرورت کے مطابق وظیفہ ملتا تھا، روزانہ کا آٹا اور دال وغیرہ۔ سال میں دو جوڑے کپڑوں کے ملتے تھے اور جو تا مل جاتا تھا۔ اگر بیمار ہوتے تو علاج کا خرچہ دیا جاتا تھا۔ بیت المال پر ان کا اتنا ہی حق ہوتا تھا۔ رشوت نہیں لیتے تھے اللہ تعالیٰ کے سچے بندے تھے۔ عام لوگوں سے افسروں کی دنیوی حالت کمزور ہوتی تھی۔ وہ اس حالت میں تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے تھے حتی کہ اگر ان کے گھروں میں کوئی مہمان آجاتا تھا تو آپس میں مشورہ کرتے کہ ہم آج تھوڑا تھوڑا کھالیں گے کہ مہمان کا کھانا نکل آئے۔

سورۃ واقعہ کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی تیمارداری کے لیے گئے۔ دیکھا کافی تکلیف ہے۔ فرمایا پریشان ہو؟ کہنے لگے حضرت اَخَافُ ذنوبی۔ اپنے گناہوں کی پریشانی ہے۔ فرمایا کس چیز کی امید رکھتے ہو؟ کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہوں۔ فرمایا اگر اجازت دیں تو میں آپ کی مالی امداد کردوں۔ کہنے لگے حضرت! عوام بڑے سطحی ذہن کے ہوتے ہیں وہ سمجھیں گے کہ انھوں نے گورنری کی کسی مد سے پیسے لیے ہیں اگر میں گورنر نہ ہوتا تو آپ کا ہدیہ قبول کر لیتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کی بچیوں کی خدمت کر دیتا ہوں (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی لڑکیاں زیادہ تھیں بچہ ایک آدھ تھا) کہ آپ کے بعد بھوک سے نہ مریں۔ کہنے لگے حضرت! ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بھوک سے نہیں مریں گی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص رات کو سورۃ الواقعہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو بھوکا نہیں رکھے گا۔ اور میں نے اپنی بچیوں کو یہ سبق دیا ہے وہ یہ سورت پڑھتی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمھارے لیے کوئی طبیب لے آؤں؟ کہنے لگے حضرت! طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہوا ہے۔ کوئی پیش کش قبول نہ فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان حق ہے ان لوگوں کے عقائد بڑے پکے تھے، زبانیں صاف ہوتی تھیں ان کا پڑھنا کام آتا تھا۔ آج ہم سارا قرآن پڑھ جائیں تو کچھ اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ ہماری زبانیں صاف نہیں ہیں ہماری خوراک صحیح نہیں ہے، عمل صحیح نہیں ہیں۔ دیکھو! ہر چیز کا ایک قاعدہ ہوتا ہے۔ قاعدے کے مطابق استعمال ہو تو نتیجہ سامنے آتا ہے۔ مثلاً: کارتوس ہے۔ اگر اس کو بندوق میں رکھ کر چلاؤ گے تو وہ اپنا اثر دکھائے گا اگر ویسے پھینک دو گے تو نہ پھٹے گا نہ کوئی اثر دکھائے گا۔ تو ہمارے اندر نقص اور کمزوریاں ہیں ورنہ قرآن کا اثر آج بھی وہی ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی رات کو سورۃ واقعہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو فقر و فاقہ سے محفوظ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ جس وقت واقع ہو گی واقع ہونے والی یعنی جب قیامت آئے گی ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾ نہیں ہے اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ۔ کاذبۃ مصدر بھی آتا ہے اس کا معنیٰ ہے جھوٹ اور

کاذبۃ اسم فاعل کا صیغہ بھی ہے۔تو پھر معنیٰ ہوگا نفس کاذبۃ کوئی نفس جھٹلانے والا نہیں ہے،کوئی نفس اس کی تکذیب نہیں کرسکتا، قیامت حق ہے۔﴿خَافِضَةٌ﴾ وہ قیامت پست کرنے والی ہے۔مجرم لوگ جب قبروں سے نکلیں گے ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ [المعارج:۴۴] "ان کی نگاہیں پست ہوں گی۔" سرشرم کی وجہ سے جھکے ہوئے ہوں گے ﴿يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾ [الشوریٰ:۴۵] "دیکھیں گے نیچی نگاہوں سے۔" پھر دوزخ میں داخل ہوں گے۔تو اس سے زیادہ پستی کیا ہوگی؟ ﴿رَّافِعَةٌ﴾ وہ قیامت بلند کرنے والی ہے۔اس دن مومنوں کی گردنیں بلند ہوں گی،بلند نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور جنت کا محل وقوع بھی بلندی پر ہے اور ان کی شان بھی بلند ہوگی۔یہ کب ہوگا؟ ﴿اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا﴾ جب ہلا دی جائے گی زمین ہلایا جانا۔جس وقت زمین پر زلزلہ طاری کیا جائے گا ایسا زلزلہ کہ مکان تو مکان رہے ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا﴾ اور ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ کیا جانا۔ہر شے برابر کردی جائے گی کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی ﴿لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا﴾ [طٰہٰ:۱۰۷] "نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا۔" مشرق سے مغرب تک زمین کو ایسے ہموار کردیا جائے گا کہ اگر کوئی مشرق سے انڈا لڑھکائے گا تو مغرب تک چلا جائے گا درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

تو فرمایا یہ پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے ﴿فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا﴾ پس ہو جائیں گے پہاڑ گرد وغبار اڑایا ہوا۔یہ بڑے بڑے مضبوط پہاڑ گرد وغبار کی طرح اُڑتے پھریں گے۔یہ نفخہ اولیٰ کے وقت ہوگا پھر چالیس سال کے بعد نفخہ ثانیہ ہوگا اسرافیل بگل پھونکیں گے ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ﴾ [یٰسین:۵۱] "پس پھونکا جائے گا صور میں پس وہ اچانک قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں گے۔" اس وقت ﴿وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً﴾ ازواج زوج کی جمع ہے اور زوج کا معنیٰ ہے قسم۔اور ہو جاؤ گے تم تین قسم پر۔اصولی طور پر آدمیوں کی تین قسمیں ہوں گی ﴿فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ پس دائیں ہاتھ والے۔ایک وہ ہوں گے جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔لوگوں کو کہتے پھریں گے ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ [الحاقۃ:۱۹] "میرا نامۂ اعمال پڑھ لو۔" آج دنیا کے امتحان میں جو کامیاب ہو جاتا ہے وہ لڈو تقسیم کرتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا ہوں۔حالانکہ آخرت کے امتحان کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ تمام مومنوں کو آخرت کے امتحان میں کامیاب فرمائے۔

تو فرمایا ﴿فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ پس دائیں ہاتھ والے ﴿مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ کیا ہی اچھے ہیں دائیں ہاتھ والے۔ان کی تفصیل آگے آرہی ہے ﴿وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ اور بائیں ہاتھ والے ﴿مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے۔فرشتے پیچھے سے آکر بڑی بے پروائی سے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پکڑائیں گے۔جب ان کو پرچہ ملے گا تو کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ﴾ [الحاقۃ:۲۵] "کاش کہ میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ کاش کہ میں مر جاتا۔" مگر وہ تو موت نہیں ہے۔واویلا کریں گے،ٹکریں ماریں گے،کہیں گے اے پروردگار!ہمیں دنیا میں لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔مگر اس وقت کا چیخنا چلانا کسی کام نہیں آئے گا۔آج اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے آگاہ کردیا ہے کہ نیکی کا کیا نتیجہ ہے اور

بدی کا کیا نتیجہ ہے لہٰذا وقت سے فائدہ اٹھاؤ وقت ضائع نہ کرو۔ باقی اگر کوئی نہ سمجھے تو وہ پاگل ہے یا اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، تندرست ہوں، موت ابھی دور ہے، تو بے وقوف ہے۔ موت ہر ایک کے لیے ہے۔ بچوں کے لیے بھی ہے، جوانوں اور تندرستوں کے لیے بھی ہے ہر وقت موت کو پیش نظر رکھو۔

زیارتِ قبور

اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے موت کو کثرت سے یاد کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے لوگوں کو قبرستان جانے سے منع فرمایا تھا کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں کفر، شرک کرتے تھے جس طرح آج کل لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ کوئی چراغ جلاتا ہے، کوئی وہاں سے چیزیں اٹھا کر لاتا ہے برکت کے لیے۔ یہی خرافات اُس زمانے میں بھی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبرستان جانے سے منع فرما دیا تھا۔ جب لوگوں کے ذہن پختہ ہو گئے اور کفر، شرک کو سمجھ گئے، سنت، بدعت کا مفہوم سمجھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ "میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب میں تمھیں اجازت دیتا ہوں قبروں کے پاس جاؤ قبریں دیکھ کر تمھیں موت یاد آئے گی۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ آخرت یاد آئے گی۔ لیکن آج ہمارے دل اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ ہم قبرستان میں بیٹھ کر تاش کھیلتے ہیں اور خرافات کرتے ہیں موت یاد نہیں آتی، آخرت یاد نہیں آتی۔ یہ انتہائی خطرناک بات ہے ہمارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

تو فرمایا بائیں ہاتھ والے کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے۔ اب تیسرا گروہ: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ﴾ اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں۔ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے تو نیکیوں میں سبقت ہی لے جانے والے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مقبول ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی خوبیاں پہلے بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جو مقرب بندے ہیں ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ جو سابقون الاولون ہیں ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ بڑی جماعت ہوگی پہلوں میں سے ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے۔ پہلے، پچھلوں سے کیا مراد ہے؟

اوّلین اور آخرین کی تفسیر

ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ پہلے پیغمبروں کے صحابی مراد ہیں۔ صحابی کا درجہ بہت بلند ہے۔ وہ پہلی اُمتوں کے زیادہ ہوں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی نسبت تھوڑے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد ڈیڑھ لاکھ پوری نہیں ہوتی مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈیڑھ لاکھ نہیں تھے ساری دنیا تھے (پوری دنیا پر حاوی ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے)۔ انھوں نے جہاد کے ذریعے تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے لوگوں کے دل پلٹ دیئے یعنی سبب

بنے، پلٹنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اسی اُمت کے پہلے اور پچھلے مراد ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس امت کے پہلے دور کے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہے اور پچھلے دور کے لوگوں میں کم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ میں نیکیوں میں سبقت لے جانے والوں کی تعداد زیادہ ہے بہ نسبت بعد کے دور کے لوگوں کے یعنی ایمان میں، نیکیوں میں سبقت لے جانے والے تو قیامت تک ہوں گے مگر پہلے دور یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں زیادہ ہیں۔

پہلے لوگوں کی نیکی کا یہ عالم تھا کہ اشراق سے فارغ ہو کر ناشتہ کرتے پھر دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھتے کہ میری نیکی صحیح ٹھکانے لگ جائے۔ دو تھیلے لے کر نکلتے۔ ایک میں دینار ہوتے، سونے کا سکہ۔ اور ایک میں درہم ہوتے چاندی کا سکہ۔ اور دعا کرتے کہ اے پروردگار! آج مجھے کوئی زکوٰۃ کا حق دار مل جائے تاکہ میرا یہ فرض ادا ہو جائے۔ محلوں میں پھرتے، گلیوں اور بازاروں میں پھرتے، جس کو کمزور سمجھتے اسے کہتے بھائی جی! یہ میرے پاس زکوٰۃ کی رقم ہے اگر آپ مصرف ہیں تو لے لیں۔ وہ کہتا بھائی جی! میرے کپڑے میلے دیکھ کر مجھے زکوٰۃ کا مصرف نہ سمجھو میں تو خود زکوٰۃ دینے والا ہوں۔

اگر آج کا دور ہوتا تو وہ کہتا بڑی مہربانی زکوٰۃ کا مصرف میں ہی ہوں ساری رقم مجھے ہی دے دو۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ! آج تو زکوٰۃ کی رقم سے گلیاں، نالیاں بنتی ہیں۔ حلال، حرام، جائز، ناجائز کی تمیز ہی ختم ہوگئی ہے۔

تو فرمایا مقربین کی جماعت پہلوں میں زیادہ ہوگی اور پچھلوں میں تھوڑی ہوگی ﴿عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ﴾ سرر۔ سریر کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے کرسی۔ موضونہ کا معنیٰ ہے سونے کی تاروں سے بنی ہوئی۔ پہلے چار پائیاں بان کی بنی ہوئی ہوتی تھیں اب نائیلون آ گیا ہے۔ وہ سونے کی تاروں سے بُنی ہوئی ہوں گی۔ سونے کی تاروں سے بُنی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا﴾ ان کرسیوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے ﴿مُتَقٰبِلِيْنَ﴾ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کسی کی کسی کی طرف پشت نہیں ہوگی۔ کیونکہ پیچھے بیٹھنے والا خفت محسوس کرتا ہے وہاں کسی کی خفت نہیں ہوگی ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ﴾ ولدان وَلَدٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے بچہ۔ پھریں گے ان پر بچے ﴿مُّخَلَّدُوْنَ﴾ جو ہمیشہ رہیں گے۔ اپنے جو چھوٹے بچے فوت ہوئے ہیں اور کافروں کے جو نابالغ بچے فوت ہوئے ہیں وہ بھی خدمت کریں گے اور وہاں کی مخلوق بھی ہوگی جیسے حوریں ہیں اسی طرح خوب صورت بچے بھی ہوں گے۔ کوئی اِدھر کو بھاگتا جائے گا کوئی اُدھر کو بھاگتا جائے گا عجیب منظر ہوگا ﴿بِاَكْوَابٍ﴾ کوب کی جمع ہے۔ ایسا برتن جس کی دستی نہ ہو، گلاس، پیالہ وغیرہ۔ پیالے، گلاس لے کر پھریں گے ﴿وَّاَبَارِيْقَ﴾ یہ ابریق کی جمع ہے ایسا برتن جس کے پیچھے دستہ لگا ہوا ہو۔ جیسے جگ ہے، چینک ہے، کپ ہے کہ اس کو دستے سے پکڑ لیتے ہیں۔ تو معنیٰ ہوگا اور جگ لے کر پھریں گے ﴿وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ اور نتھری ہوئی شراب کے پیالے لے کر پھریں گے۔ خالص شراب ہوگی اس کی دو صفتیں ہوں گی ﴿لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا﴾ صُدَاع کا معنیٰ ہے سر درد۔ اس شراب کے پینے سے سر درد میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ دنیا کی شراب

کے متعلق شرابی جانیں کیا حقیقت ہے؟ سنا ہے کہ اس کے پینے سے سر میں معمولی سا درد ہوتا ہے، وہاں نہیں ہوگا۔ امام بخاری صُدَاع کا معنی کرتے ہیں وجع البطن، پیٹ درد، مروڑ۔ ممکن ہے دنیا کی شراب پینے سے پیٹ میں درد یا مروڑ ہوتا ہو لیکن وہاں کی شراب سے کوئی درد اور مروڑ نہیں ہوگا ﴿وَلَا یُنۡزِفُوۡنَ﴾ اور نہ وہ بدحواس ہوں گے۔ دنیا کی شراب پی کر لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں، بکواس کرتے ہیں، گالیاں نکالتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں وہاں ایسا کوئی قصہ نہیں ہوگا۔ طاقت ہوگی، لذت اور سرور آئے گا۔

﴿وَفَاكِهَةٍ﴾ اور پھل ہوں گے ﴿مِّمَّا يَتَخَيَّرُوۡنَ﴾ جو وہ پسند کریں گے ﴿وَلَحۡمِ طَيۡرٍ﴾ اور پرندوں کا گوشت ﴿مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ﴾ جو وہ چاہیں گے ﴿وَحُوۡرٌ﴾ اور حوریں ہوں گی ﴿عِيۡنٌ﴾ موٹی آنکھوں والیاں ﴿كَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ﴾ موتیوں کی طرح ﴿الۡمَكۡنُوۡنِ﴾ جو پردے میں چھپے ہوئے ہوں ﴿جَزَآءًۢ﴾ بدلا ہوگا ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴾ جو وہ عمل کرتے تھے ﴿لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا﴾ نہیں سنیں گے وہ اس جنت میں ﴿لَغۡوًا﴾ بے ہودہ بات ﴿وَّلَا تَاۡثِيۡمًا﴾ اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات ﴿اِلَّا قِيۡلًا﴾ مگر یہی قول ہوگا ﴿سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ سلام سلام کا ﴿وَاَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ﴾ اور دائیں ہاتھ والے ﴿مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ﴾ کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے ﴿فِىۡ سِدۡرٍ﴾ بیریوں میں ہوں گے ﴿مَّخۡضُوۡدٍ﴾ جو کانٹوں سے خالی ہوں گی ﴿وَّطَلۡحٍ﴾ اور کیلے ہوں گے ﴿مَّنۡضُوۡدٍ﴾ تہہ بہ تہہ ﴿وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ﴾ اور لمبے سائیوں میں ہوں گے ﴿وَّمَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ﴾ اور بہائے ہوئے پانی میں ﴿وَّفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ﴾ اور پھل ہوں گے بہت سارے ﴿لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ﴾ نہ وہ ختم ہوں گے ﴿وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ﴾ اور نہ روکے جائیں گے ﴿وَّفُرُشٍ﴾ اور بچھونے ہوں گے ﴿مَّرۡفُوۡعَةٍ﴾ اونچے درجے کے ﴿اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ﴾ بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے ﴿اِنۡشَآءً﴾ ایک قسم کا پیدا کرنا ﴿فَجَعَلۡنٰهُنَّ﴾ پس ہم نے بنایا ان کو ﴿اَبۡكَارًا﴾ کنواریاں ﴿عُرُبًا﴾ محبت کرنے والیاں ﴿اَتۡرَابًا﴾ ہم عمر ﴿لِّاَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ﴾ دائیں ہاتھ والوں کے لیے ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ بڑی جماعت ہوگی پہلوں میں سے ﴿وَثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ﴾ اور بڑی جماعت ہوگی پچھلوں میں سے ﴿وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں ہاتھ والے مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ﴾ کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے ﴿فِىۡ سَمُوۡمٍ﴾ گرم آگ کی لو میں ہوں گے ﴿وَّحَمِيۡمٍ﴾ اور گرم پانی میں ہوں گے ﴿وَّظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ﴾ اور دھوئیں کے سائے میں ہوں گے ﴿لَّا بَارِدٍ﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا ﴿وَّلَا كَرِيۡمٍ﴾ اور نہ آرام دہ ہوگا ﴿اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ﴾ بے شک تھے یہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) ﴿مُتۡرَفِيۡنَ﴾ آسودہ حال ﴿وَكَانُوۡا يُصِرُّوۡنَ﴾ اور اصرار کرتے تھے ﴿عَلَى

﴿الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑے گناہ پر۔

مقربین کے لیے انعامات

مقربین کے لیے انعامات کا ذکر چلا آرہا ہے۔فرمایا﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ﴾ اور پھل ہوں گے جو وہ پسند کریں گے۔ان کے من پسند پھل انھیں مہیا کیے جائیں گے اوران کے حاصل کرنے کے لیے ان کو کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ہی ان کے استعمال سے روکا جائے گا﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ﴾ اور پرندوں کا گوشت ہوگا﴿مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ جو وہ چاہیں گے۔ پرندوں کا گوشت، بھیڑ، بکری، اونٹ کی بہ نسبت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔تو سابقین کے لیے پرندوں کا من پسند گوشت بھی ہوگا۔دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور دل بہلانے کے لیے کچھ نہ ہوتو زندگی بدمزہ ہوتی ہے۔کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

گلگشت میں تب مزہ ہے کہ گل روح بھی ساتھ ہو
بے یار کو کیا ہے باغ و بہار سے

(مرتب)

تو دل کی خوشی کا بھی انتظام ہوگا۔فرمایا﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ﴾ اور حوریں ہوں گی موٹی آنکھوں والیاں جن سے جنت والے اپنا دل بہلائیں گے۔یہ جنت کی مخلوق ہوگی، کستوری،عنبر، کافوراور زعفران سے پیدا کی گئی ہوں گی۔ان کے حسن و جمال کا یہ عالم ہوگا ﴿كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ﴾ موتیوں کی طرح جو پردوں میں چھپے ہوئے ہوں، گرد وغبار سے پاک۔یہ چیزیں ان کو کیوں ملیں گی؟ فرمایا﴿جَزَآءً﴾ بدلہ ہوگا﴿بِمَا﴾ ان کاموں کا﴿كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو وہ کرتے تھے۔چونکہ انھوں نے نیک کاموں میں سبقت کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بدلہ دیا۔

پھر جنت کی یہ خوبی ہے ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی بے ہودہ بات۔نہ وہاں کوئی جھگڑا، نہ گالی گلوچ، نہ کوئی دل آزاری کی بات ہوگی﴿وَّلَا تَاْثِيْمًا﴾ اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات ہوگی۔ایک یہ ہے کہ بندہ خود گناہ کرے اور ایک صورت یہ ہے کہ بندہ خود گناہ نہیں کرتا دوسرا اس کو گناہ گار کرتا ہے۔وہاں یہ بات بھی نہیں ہوگی۔اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ ایک آدمی خود تو جھوٹ نہیں بولتا لیکن ایسی مجلس میں بیٹھا ہے کہ جہاں جھوٹ بولا جارہا ہے تو اس مجلس میں بیٹھنے کی وجہ سے یہ بھی گناہ گار ہے۔چوں کہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے جھوٹ بولنے والے اس کو گناہ گار کررہے ہیں۔جنت میں یہ بات نہیں ہوگی۔

مسئلہ یہ ہے کہ جس مجلس میں گناہ ہورہا ہو اُسے روکنا چاہیے۔اگر منع کرنے کی طاقت نہیں ہے تو وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں۔اگر بیٹھے رہیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔مثلاً: کسی مجلس میں غیبت ہورہی ہے تو غیبت کرنے والے کو منع کرو۔اگر منع

کرنے کی ہمت نہیں ہے تو وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے تو اس کو منع کرو اگر اس کو روکنے کی طاقت نہیں ہے تو وہاں سے چلے جاؤ۔ اگر وہاں بیٹھے رہو گے تو گناہ گار ہو جاؤ گا۔ رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جہاں خلاف شریعت باتیں ہو رہی ہوں تو وہاں نہ بیٹھو ﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ﴾ "پس نہ بیٹھو تم ان کے ساتھ ﴿حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ﴾ یہاں تک کہ وہ گھس (مشغول) ہو جائیں کسی دوسری بات میں۔" اگر ان خلاف شرع باتوں کے ہوتے ہوئے تم ان کے ساتھ بیٹھے رہے ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ [النساء: ۱۴۰] "بے شک تم اس وقت ان جیسے ہو گے۔" انھی کی طرح تم بھی گناہ گار سمجھے جاؤ گے۔

اسی آیت کریمہ کے پیش نظر فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ باطل فرقوں کے پروگراموں میں جانا، جلسوں میں جانا، درست نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے ضرور واہی تباہی باتیں کرنی ہیں تو ان کے پاس بیٹھنے والا انھی کی طرح گناہ گار ہوگا۔ ہاں! وہ آدمی جا سکتا ہے جو ان کی غلط باتوں کو سمجھ سکتا ہے تاکہ ان کی تردید کی جا سکے۔ کچے آدمیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ مجبوری کا مسئلہ جدا ہے۔ مثلاً: ایک آدمی کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہے اور گرفتار کرنے والے خلاف شرع باتیں کر رہے ہیں تو اس حالت میں یہ مجبور ہے کیونکہ قید میں ہے۔ اسی طرح اگر بس میں یا ویگن میں یا جہاز میں بیٹھا ہے اور انھوں نے گانے لگائے ہوئے ہیں اور منع کرنے سے بھی باز نہیں آتے تو مجبوری ہے اس لیے وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

تو فرمایا نہیں سنیں گے جنت میں کوئی بے ہودہ بات اور نہ گناہ میں ڈالنے والی بات ﴿اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا﴾ مگر یہی قول ہوگا سلام سلام کا۔ آپس میں ملیں گے سلام کریں گے، حوریں سلام کہیں گی، فرشتے سلام کہیں گے حتی کہ ﴿قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ "سلام کہا جائے گا رب رحیم کی طرف سے کہ اے جنتیو! تمھیں میری طرف سے سلام ہو۔"

اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ کا تذکرہ

یہاں تک ﴿السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ﴾ کا ذکر تھا۔ آگے دوسرا گروہ ﴿وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ اور دائیں ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں ہاتھ والے۔ کیا شان ہے ان کی ﴿فِيْ سِدْرٍ﴾ ایسی بیریوں کے درختوں کے سائے میں ہوں گے ﴿مَّخْضُوْدٍ﴾ جو کانٹوں سے خالی ہوں گی۔ ان کے کانٹے اترے ہوئے ہوں گے۔ دنیا کی بیریوں کے کانٹے ہوتے ہیں جنت کی بیریوں میں کانٹا نہیں ہوگا ﴿وَّ طَلْحٍ﴾ اور کیلے ہوں گے ﴿مَّنْضُوْدٍ﴾ تہہ بہ تہہ۔ گچھوں کے گچھے ہوں گے ﴿وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ اور لمبے سائے ہوں گے وہ ان کے نیچے رہیں گے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔ اس کا اتنا لمبا سایہ ہوگا کہ تیز رفتار گھوڑا اس کے ایک کونے سے دوڑنا شروع کرے تو سو سال تک دوسرے کونے تک نہیں پہنچ سکے گا ﴿وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ﴾ اور بہائے ہوئے پانی میں۔ سرزمین عرب میں سایہ، درخت اور پانی بڑی نعمتوں میں سے ہیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ جنتی آدمی کے ہاتھ میں سونے کی لاٹھی ہوگی اس کے ساتھ پانی کو جس طرف اشارہ کرے گا وہ

ادھر ہی بہنا شروع کر دے گا ﴿وَّفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ﴾ اور پھل ہوں گے بہت سارے مقدار میں۔ ان کی خصوصیات ہوں گی ﴿لَا مَقْطُوعَةٍ﴾ نہ وہ ختم ہوں گے ﴿وَّلَا مَمْنُوعَةٍ﴾ اور نہ وہ روکے جائیں گے۔ دنیا کے پھل موسمی ہیں موسم کے بعد ختم ہو جاتے ہیں جنت کے پھل ختم نہیں ہوں گے۔ جب کوئی دانہ توڑا جائے گا فوراً دوسرا لگ جائے گا۔ اور نہ ممنوع ہوں گے جب چاہو کھاؤ اور جہاں سے چاہو کھاؤ ﴿وَّفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ اور بچھونے ہوں گے عمدہ اونچے درجے کے ﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ﴾ بے شک ہم نے حوروں کو پیدا کیا ہے ﴿إِنشَاءً﴾ ایک خاص قسم کا پیدا کرنا۔ کسی کو کستوری سے، کسی کو عنبر سے، کسی کو کافور اور زعفران سے۔ وہ جنت کی مخلوق ہیں ﴿فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ پس بنایا ہم نے اِن کو کنواریاں۔ جب بھی خاوند ان کے پاس آئے گا کنواریاں ہی پائے گا تکلیف کوئی نہیں ہوگی ﴿عُرُبًا﴾ عروب کی جمع ہے۔ ایسی عورت کو کہتے ہیں جو دل سے خاوند کے ساتھ محبت کرے۔ ظاہری محبت، وقت گزارنے والی نہیں دل سے محبت کرنے والیاں ہوں گی ﴿أَتْرَابًا﴾ تِرْبٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنٰی ہے ہم عمر۔ اس کا ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حوریں ہم عمر ہوں گی اور یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں جن کو ملیں گی ان کی ہم عمر ہوں گی ﴿لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ﴾ یہ دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ﴾ بڑی جماعت ہوگی پہلوں میں سے ﴿وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ اور بڑی جماعت ہوگی پچھلوں میں سے جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ الحمد للہ! یہ پہلوں میں سے بھی بہت زیادہ ہوں گے اور پچھلے جو قیامت تک آنے والے ہیں ان میں سے بھی بہت زیادہ ہوں گے۔

أَصْحَابُ الشِّمَالِ کا تذکرہ

آگے تیسرے طبقے کا ذکر ہے ﴿وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے جن کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ کیا پوچھتے ہو کیا ہوں گے بائیں ہاتھ والے ﴿فِي سَمُومٍ﴾ گرم آگ کی لو میں ہوں گے جو مسامات میں داخل ہونے والی ہے۔ دنیا کی آگ کی لُو میں لوہے تک ہر چیز پگھل جاتی ہے اور جہنم کی آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اس کی تیزی کی کیا حد ہوگی مارنے کے لیے تو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ﴾ [سورۃ الاعلیٰ: پارہ ۳۰] "نہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا۔" کیونکہ مر گیا تو پھر سزا کون بھگتے گا۔ تو گرم آگ کی لو میں ہوں گے ﴿وَحَمِيمٍ﴾ اور گرم پانی میں ہوں گے۔ کبھی تو گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا اور کبھی سر پر ڈالا جائے گا کہ چمڑا سارا اتر جائے گا اور پینے کے لیے دیا جائے گا تو یشوی الوجوہ ہونٹ جل جائیں گے ﴿وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ﴾ اور دھوئیں کے سائے میں ہوں گے کہ سانس لینا مشکل ہوگا۔ آج دنیا میں بھی دھواں زیادہ ہو تو آدمی وہاں سے بھاگتا ہے کہ سانس نہیں آتا اور وہ تو دوزخ کا دھواں ہوگا بڑا سخت ﴿لَّا بَارِدٍ﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا ﴿وَلَا كَرِيمٍ﴾ اور نہ آرام دہ ہوگا کہ عزت ملے۔ یہ کارروائی ان کے ساتھ کیوں ہوگی؟ فرمایا ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ﴾ بے شک تھے وہ لوگ اس سے پہلے آسودہ حال

دنیا میں۔ایمان اور عمل صالح کے بغیر جس نے دنیا میں جتنی آسائش اور آرام میں زندگی گزاری آخرت میں اتنا ہی تنگی میں رہے گا۔تو فرمایا یہ آسودہ حال تھے ﴿وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ﴾ حنث کا معنی ہے گناہ اور عظیم کا معنی ہے بڑا۔اور وہ تھے اصرار کرتے بڑے گناہ پر۔بڑے گناہ سے مراد شرک ہے۔شرک گناہوں میں سب سے بڑا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا اَیُّ ذَنْبٍ اَعْظَمُ "یعنی سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔" لہٰذا اپنا عقیدہ پختہ رکھو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، دست گیر نہ مانو۔اللہ تعالیٰ کی صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں نہیں ہے۔تو فرمایا یہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔

﴿وَ كَانُوْا﴾ اور تھے وہ ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ﴿اَئِذَا مِتْنَا﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے ﴿وَ كُنَّا تُرَابًا﴾ اور ہو جائیں گے مٹی ﴿وَّ عِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ﴿ءَاِنَّا﴾ کیا بے شک ہم ﴿لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ البتہ دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے ﴿اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ﴾ بے شک پہلے ﴿وَالْاٰخِرِيْنَ﴾ اور پچھلے ﴿لَمَجْمُوْعُوْنَ﴾ البتہ جمع کیے جائیں گے ﴿اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک مقرر دن کے وعدے پر ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ﴾ پھر بے شک تم ﴿اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ﴾ اے گمراہو! ﴿الْمُكَذِّبُوْنَ﴾ جھٹلانے والو ﴿لَاٰكِلُوْنَ﴾ البتہ کھانے والے ہو گے ﴿مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ﴾ تھوہر کے درخت سے ﴿فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا﴾ پس بھرنے والے ہو گے اس سے ﴿الْبُطُوْنَ﴾ پیٹوں کو ﴿فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ﴾ پس پینے والے ہو گے اس پر ﴿مِنَ الْحَمِيْمِ﴾ گرم پانی ﴿فَشٰرِبُوْنَ﴾ پس پینے والے ہو گے ﴿شُرْبَ الْهِيْمِ﴾ پیاسے اونٹوں کی طرح پینا ﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ﴾ یہ ان کی مہمانی ہو گی ﴿يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ بدلے والے دن ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ﴾ ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ﴾ پس تم کیوں نہیں تصدیق کرتے ﴿اَفَرَءَيْتُمْ﴾ پس بتلاؤ تم ﴿مَّا تُمْنُوْنَ﴾ جو منی تم ٹپکاتے ہو ﴿ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ﴾ کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو ﴿اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا﴾ ہم نے مقدر کی ہے ﴿بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ﴾ تمھارے درمیان موت ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم عاجز آنے والے ﴿عَلٰٓى اَنْ﴾ اس بات پر ﴿نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ﴾ تبدیل کر دیں تمھاری طرح کے ﴿وَ نُنْشِئَكُمْ﴾ اور تمھیں پیدا کریں ﴿فِيْ مَا﴾ اس جہان میں ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ جس کو تم نہیں جانتے۔

امت کے تین گروہ

اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت والے دن مخلوق کی تین قسموں کا بیان فرمایا۔ایک وہ جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے۔دوسرے وہ جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور تیسرے وہ جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پہلے دونوں گروہوں کا ذکر ہو چکا اب تیسرے گروہ کا ذکر جاری ہے جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

ان کے متعلق کل تم نے سنا کہ وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے یعنی شرک سے باز آنے کے لیے تیار نہیں تھے اور کہتے کیا تھے ﴿وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے تھے ﴿اَئِذَا مِتْنَا﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے ﴿وَكُنَّا تُرَابًا﴾ اور ہو جائیں گے مٹی، خاک ہو جائیں گے ﴿وَّعِظَامًا﴾ اور ہڈیاں ہو جائیں گے ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ کیا بے شک ہم دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے۔گویا کہ ان کے نزدیک یہ بات بڑی مشکل تھی خاک ہو جانے کے بعد اور ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد دوبارہ انسانوں کا بنانا ﴿اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ کیا ہمارے اگلے باپ دادا جو پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے۔

ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔مشرکین عرب کا یہ عام ذہن بن چکا تھا اور یہی گفتگو ہوتی تھی اس کا ہر ایک پر اثر پڑتا تھا کیونکہ ماحول کا اثر ہوتا ہے چاہے وہاں ہونے والی گفتگو عقل کے خلاف کیوں نہ ہو۔

عقیدۂ تثلیث

جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ خدائی نظام تین سے چلتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام اور بعض حضرت مریم علیہا السلام کی جگہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو شامل کرتے ہیں۔اس کو وہ تثلیث کہتے ہیں۔قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ "اور نہ کہو تین خدا باز آجاؤ تین خدا کہنے سے یہ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [النساء:۱۷۱] اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے۔" ان سے جب کہا جاتا ہے کہ تمہاری کتابوں میں واضح طور پر توحید کا ذکر ہے تورات میں، انجیل میں ، زبور میں اور تین کا عقیدہ تو توحید کے خلاف ہے تو کہتے ہیں: التوحید فی التثلیث و التثلیث فی التوحید "ایک تین میں ہے اور تین ایک میں ہیں۔" بھائی! تین ایک ہوتے تو جب سے رب تعالیٰ کی ذات چلی آرہی ہے جبرئیل علیہ السلام بھی اس وقت سے ساتھ ہوتے ،حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت سے ساتھ چلے آتے۔رب تھا دوسرے دو تین تو نہیں تھے ان کو تو رب تعالیٰ نے بعد میں پیدا کیا پھر یہ رب تعالیٰ میں کیسے گڈمڈ ہو گئے۔پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب ان کو پیدا نہیں کیا تھا اس وقت رب تعالیٰ کامل تھا یا ناقص تھا؟ اگر وہ کامل تھا اور یقیناً کامل تھا تو ان کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میں کون سا نقص پیدا ہو گیا اور کون سی کمی آگئی کہ ان کو ساتھ گڈمڈ کرنا پڑ گیا۔پھر تم کہتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا۔ تو بتلاؤ کہ رب بھی ساتھ مر گیا تھا یا الگ ہو گیا تھا۔کیا منطق ہے ایک تین اور تین ایک؟ ایک چار ہوتے ہیں؟ پانچ ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں نہیں۔تو پھر ایک تین کیسے ہو گئے؟ تمھاری عقل ماری گئی ہے۔مگر ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ان کا ماحول ہے سارے یہی

نظریہ رکھتے ہیں۔ اگر ماحول اچھا نہ ہوتو بندہ حق کو حق سمجھتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتا۔

ان کا ماحول بنا ہوا تھا کہ جو مر گئے ،خاک ہو گئے ،ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں وہ دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ﴾ بے شک پہلے بھی اور پچھلے ﴿لَمَجْمُوْعُوْنَ﴾ البتہ جمع کیے جائیں گے ﴿اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک مقرر دن کے وعدے پر۔ وہ معلوم ہے، قیامت کا ہے جب حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے، میدان محشر برپا ہوگا اس وقت سارے اکٹھے کر دیئے جائیں گے اور سب کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ بعض ملحد قسم کے لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جن کو جلا دیا گیا، جن کو پرندے کھا گئے، درندے کھا گئے، مچھلیاں کھا گئیں، وہ کیسے آئیں گے ؟ان لوگوں کے ڈھکوسلے دیکھو! قرآن وسنت کے مقابلے میں۔ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔

خوفِ خدا

یہ روایت کئی دفعہ سن چکے ہو جو بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ ایک گناہ گار بندے نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد مجھے جلا کر میری ہڈیوں کو پیس دینا۔ پھر کچھ راکھ کو ہوا اور کچھ کو پانی میں بہا دینا۔ اولاد نے باپ کی وصیت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ، سارے ذرات جمع کر دو۔ قدرت کاملہ سے وہ آدمی اچھا بھلا بندہ بن کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے ڈر کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ تو رب تعالیٰ کے لیے کون سی چیز مشکل ہے۔

تو فرمایا بے شک اگلے پچھلے سب جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وعدے پر ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ﴾ پھر بے شک تم اے گمراہو! ﴿الْمُكَذِّبُوْنَ﴾ جھٹلانے والے رب تعالیٰ کی توحید کو، قیامت کو، پیغمبروں کو، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو، حق کو ﴿لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ﴾ البتہ کھانے والے ہو تھوہر کے درخت کو عذاب کے طور پر۔ ان پر ایسی بھوک مسلط کی جائے گی کہ وہ اس کے کھانے پر مجبور ہوں گے۔

احادیث میں آتا ہے کہ کہ زانی مرد عورتوں کو پیشاب، پاخانہ اور منی کھلائی جائے گی اور یہ کھانے پر مجبور ہوں گے۔ احادیث اور تفسیروں میں آتا ہے کہ تھوہر کا درخت اتنا کڑوا ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا سمندر کڑوا ہو جائے۔ اس سے اس کی کڑواہٹ کا اندازہ لگائیں۔ اور اتنا بدبودار ہوگا کہ اس کا ایک قطرہ دنیا میں پھینک دیا جائے تو مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک سب جانور مر جائیں گے۔ فرمایا کھانے والے ہوں گے تھوہر کے درخت سے ﴿فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ﴾ مَلَاءَ کا معنیٰ ہے بھرنا۔ پس بھرنے والے ہوں گے اپنے پیٹوں کو اس زقوم کے درخت سے۔ پھر بطور عذاب ان پر اتنی پیاس مسلط کی جائے گی کہ اس کو بجھانے کے لیے ﴿فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ﴾ پس پینے والے ہوں

گے اس پر گرم پانی۔ وہ اس قدر گرم ہوگا کہ ہونٹ جل جائیں گے ﴿یَشْوِی الْوُجُوْهَ﴾ [الکہف: ۲۹] اور ﴿وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ [المومنون: ۱۰۴] "اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے۔" نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف تک چلا جائے گا اور اوپر والا پیشانی تک۔ بڑی عجیب شکل ہوگی اور وہ پانی مسلسل پئیں گے۔

سورہ ابراہیم آیت نمبر ۱۷ پارہ ۱۳ میں ہے ﴿یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ﴾ "اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا اور قریب نہیں ہے کہ اس کو حلق سے اتار سکے جو چند قطرے اندر جائیں گے۔" ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ [محمد: ۱۵] "پس وہ کاٹ ڈالے گا ان کی آنتوں کو۔" انتڑیاں ریزہ ریزہ ہو کر پاخانے کے راستے نکل جائیں گی۔ پھر فرشتے رب تعالیٰ کے حکم سے منہ کے راستے سے پیٹ میں ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ بچائے ان عذابوں سے۔ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ بتا دیا ہے کہ جنت میں یہ کچھ ہوگا اور دوزخ میں یہ کچھ ہوگا، میدانِ محشر میں یہ کچھ ہوگا آج تم سوچ لو، سمجھ لو۔ اسی لیے قرآن پاک پڑھنا، سمجھنا ضروری ہے۔

تو فرمایا پس پینے والے ہوں گے اس پر کھولتے ہوئے پانی کو ﴿فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ﴾ هِیْم اَهْیَم کی جمع ہے اور اَهْیَم اس اونٹ کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ پیاسا ہو۔ جانوروں میں اونٹ سے بڑھ کر جفاکش جانور اور کوئی نہیں ہے۔ کئی کئی دن تک بھوک پیاس برداشت کر لیتا ہے اور پیاسا اونٹ جب پانی پر پہنچتا ہے تو پھر پانی پیتے وقت سانس بھی نہیں لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے پانی پینے کو پیاسے اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح پیاسے اونٹ پانی پیتے ہیں اسی طرح دوزخی بے تحاشا گرم پانی پئیں گے۔

ایک مسئلہ سمجھ لیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پیو فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَاْكُلُ وَ یَشْرَبُ بِشِمَالِهٖ "بے شک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔" اور پانی پیتے وقت تین سانس لو۔ پیالہ، گلاس منہ کے ساتھ لگاؤ، پیو پھر الگ کر لو، پھر پیو پھر الگ کر لو، پھر پیو۔ یہ مستحب اور سنت طریقہ ہے۔ اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیو۔ تو فرمایا پس پانی پینے والے ہوں گے پیاسے اونٹوں کی طرح ﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ یہ ان کی مہمانی ہوگی بدلے والے دن۔ چونکہ وہ دوبارہ پیدا ہونے کو بڑا عجیب سمجھتے تھے ﴿اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔" تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص انداز میں سمجھایا ہے۔

فرمایا ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ﴾ ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ﴾ پس تم کیوں نہیں تصدیق کرتے۔ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے تھے اپنا بھی، آسمانوں اور زمینوں کا بھی، چاند، سورج، ستاروں کا بھی، پہاڑوں اور دریاؤں کا بھی خالق رب تعالیٰ کو مانتے تھے۔ تو جب وہ خالق ہے تو متصرف بھی ہے وہ موت دینے پر بھی قادر ہے اور موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ تم بعث بعد الموت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ﴿اَفَرَءَیْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿مَّا تُمْنُوْنَ﴾ جو منی تم ٹپکاتے ہو عورتوں کے رحم میں ﴿ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ﴾ کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو تم بچہ بناتے ہو ﴿اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ وہ حقیر ذلیل پانی جو بدن سے شہوت کے ساتھ نکلتا ہے کہ اس کے نکلنے سے سارا بدن پلید ہو جاتا ہے اور غسل کے

غیر پاک نہیں ہوتا۔ یہ بتلاؤ اس پانی کے ٹپکانے سے بچہ تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ یہ تو روزمرہ کی بات ہے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے اور مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ تو اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیوں نہیں مانتے؟ اور سن لو ﴿نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ﴾ ہم نے مقدر کی ہے تمہارے درمیان موت۔ کوئی بچپن میں مرجاتا ہے، کوئی جوانی میں، کوئی بڑھاپے میں، کوئی بیمار ہو کر، کوئی صحت میں، کوئی حادثے میں مرجاتا ہے یہ ہم نے مقدر کیا ہے۔ اور سن لو ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾ اور نہیں ہیں ہم عاجز آنے والے۔ مسبوق پیچھے رہ جانے والے کو کہتے ہیں۔ مثلاً: نماز کھڑی ہوگئی اور امام نے دو رکعت پڑھا دیں اب جو آ کر ملے گا وہ مسبوق ہوگا کہ باقی نمازی اس سے آگے نکل گئے ہیں۔ تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم مسبوق نہیں ہیں کہ تم ہم سے آگے نکل جاؤ اور ہم پیچھے رہ جائیں۔ ہمارے احکام سے تم آگے نکل جاؤ اور ہم عمل نہ کرا سکیں ﴿عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ﴾ اس بات پر کہ تبدیل کردیں تمہارے جیسے۔ یعنی تمہیں بندر اور خنزیر بنادیں۔ بنی اسرائیل کی ایک قوم کو اللہ تعالیٰ نے احکام کی مخالفت کی وجہ سے بندر اور خنزیر بنایا تھا ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ﴾ [المائدہ:۶۰] "اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر۔ نوجوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنایا۔ تین دن کے بعد سب کو ختم کردیا گیا اور یاد رکھنا! اس امت میں بھی بندر اور خنزیر بنیں گے۔

بخاری شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے؟ فرمایا کلمہ کیا يُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ "نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے، روزے بھی رکھتے ہوں گے، حج بھی کرتے ہوں گے لیکن گانے سننے کے شوقین ہوں گے۔" رات کو گانے سنتے سنتے سوئیں گے صبح کو بندر اور خنزیر بنے ہوئے ہوں گے۔ آج ہمارا حال سب کے سامنے ہے۔ مغربی قوموں نے مسلمانوں کا حلیہ بالکل بگاڑ کے رکھ دیا ہے، عقائد بگاڑ دیئے ہیں، اخلاق بگاڑ دیئے ہیں، مسلمان نہیں رہنے دیا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ تنہا ترکوں نے سارے یورپ کو پانچ سو سال تک آگے لگائے رکھا (محکوم رکھا) حالانکہ ترکوں کی کل تعداد اس وقت دو لاکھ بھی نہیں تھی۔ ان خبیث قوموں نے سوچا کہ مسلمان کو اگر مسلمان رہنے دیا تو یہ ہمارے قابو میں نہیں آئیں گے ان کے عقائد بگاڑ دو، تہذیب اور تمدن بگاڑ دو، اخلاق بگاڑ دو۔ انھوں نے ہمیں آج کچھ کا کچھ کردیا ہے اور ہم بھی بڑے بے غیرت ہیں کہ ہم نے ان کی ساری حرکتیں قبول کر لی ہیں۔ ہم نے اپنی اصل وضع قطع، تہذیب، تمدن، نشست و برخاست ختم کر کے خود کو کافروں کے رنگ میں رنگ لیا ہے۔

تو فرمایا کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تبدیل کردیں تمہارے جیسے ﴿وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تمہیں پیدا کردیں اس امت میں جس کو تم نہیں جانتے۔ کہ تمہیں بندر اور خنزیر بنادیں۔ اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ دوسرے لوگ تبدیل کردیں، تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئیں۔ اور تمہیں ایسی جگہ اٹھائیں کہ جس کو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے کہ وہ تمہیں دوسرے جہان میں زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کردے۔

﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿عَلِمْتُمُ﴾ تم جانتے ہو ﴿النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى﴾ پہلی پیدائش کو ﴿فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ پس تم کیوں نہیں نصیحت حاصل کرتے ﴿اَفَرَءَيْتُمْ﴾ بھلا دیکھو ﴿مَّا تَحْرُثُوْنَ﴾ جس کو تم بوتے ہو ﴿ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ﴾ کیا تم اس کو اُگاتے ہو ﴿اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾ یا ہم اگانے والے ہیں ﴿لَوْ نَشَآءُ﴾ اگر ہم چاہیں ﴿لَجَعَلْنٰهُ﴾ البتہ ہم کر دیں اس کو ﴿حُطَامًا﴾ چورا چورا ﴿فَظَلْتُمْ﴾ پس لگ جاؤ تم ﴿تَفَكَّهُوْنَ﴾ باتیں کرنے ﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ بے شک ہم تاوان کے نیچے آگئے ہیں ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں ﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ﴾ بھلا دیکھو وہ پانی ﴿الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ﴾ جو تم پیتے ہو ﴿ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ﴾ کیا تم نے اتارا ہے اس کو ﴿مِنَ الْمُزْنِ﴾ بادلوں سے ﴿اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ﴾ یا ہم اتارنے والے ہیں ﴿لَوْ نَشَآءُ﴾ اگر ہم چاہیں ﴿جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾ کر دیں ہم اس کو نمکین ﴿فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾ پس کیوں نہیں تم شکر ادا کرتے ﴿اَفَرَءَيْتُمُ﴾ بھلا دیکھو تم ﴿النَّارَ الَّتِيْ﴾ وہ آگ ﴿تُوْرُوْنَ﴾ جس کو تم جلاتے ہو ﴿ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ﴾ کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت ﴿اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ﴾ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ﴿نَحْنُ جَعَلْنٰهَا﴾ ہم نے بنایا اس کو ﴿تَذْكِرَةً﴾ نصیحت کے لیے ﴿وَّمَتَاعًا﴾ اور فائدے کی چیز ﴿لِّلْمُقْوِيْنَ﴾ مسافروں کے لیے ﴿فَسَبِّحْ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں ﴿بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کے نام کی ﴿الْعَظِيْمِ﴾ جو بڑا ہے۔

منکرین قیامت کا شبہ

منکرین قیامت کا یہ شبہ تھا کہ ﴿اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے یا ہمارے اگلے باپ دادا۔" اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا رد کیا اور فرمایا ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ہماری بات کو تم کیوں نہیں مانتے کہ تمھیں دوبارہ بھی پیدا کیا جائے گا۔ اسی سلسلے میں مزید دلائل بیان فرمائے ہیں۔

فرمایا ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى﴾ اور البتہ تحقیق تم جانتے ہو پہلی پیدائش کو۔ تم پیدا ہوئے تھے، بچے تھے، پھر جوان ہوئے، پھر بوڑھے ہوئے، یہ وجود تمھیں رب تعالیٰ نے عطا کیا ہے ﴿فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ پس تم کیوں نہیں نصیحت حاصل کرتے۔ وہی رب تمھیں دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے یا پہلی پیدائش کا تم انکار کرو کہ ہمیں رب تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ حقیر قطرے سے تمھیں کیسا خوب صورت انسان بنایا ہے؟ یہ سب کچھ مانتے ہو دوبارہ پیدا کرنے کو نہیں مانتے۔ مان لو دوبارہ بھی پیدا ہونا ہے۔ اور دلیل: فرمایا ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ﴾ بھلا دیکھو جس کو تم بوتے ہو جو تم کھیتی باڑی کرتے ہو زمین میں تم دانے بوتے ہو ﴿ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ﴾ کیا تم اس کو اگاتے ہو ﴿اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾ یا ہم اُگاتے ہیں۔ فصلیں زمین سے کون پیدا کرتا ہے،

سبزیاں کون اُگاتا ہے، درخت کون پیدا کرتا ہے؟ یہ ساری باتیں تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ تو وہ ذات جو پہلی مرتبہ پیدا کر سکتی ہے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی یہ کیوں نہیں مانتے؟ اور سنو! ﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ اگر ہم چاہیں تو البتہ کر دیں اس کو چورا چورا۔ دانے لگنے سے پہلے پہلے ہم اس کو تباہ کر دیں ہم قادر ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾ پس لگ جاؤ تم باتیں کرنے، تعجب کرنے لگ جاؤ۔ تَفَكُّه کا معنیٰ تعجب کرنا۔ کیا باتیں کرو گے کیا تعجب کرو گے ﴿اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ بے شک ہم تاوان کے نیچے آگئے ہیں۔ اس سال بیج بھی گیا، محنت بھی گئی، نفع کے بجائے اصل بھی ضائع ہو گیا، نقصان ہو گیا تاوان کے نیچے آگئے۔

(اکثر کسان، آڑھتیوں سے رقم لے کر کاشت کرتے ہیں تو کھیتی تو ہوئی نہ، تاوان کے نیچے آگئے۔ مرتب) اور یہ کہو گے ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں اس فصل سے کوئی شے ہمارے ہاتھ نہ آئی۔ اچھا اور دلیل سنو! ﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ﴾ بھلا دیکھو وہ پانی جو تم پیتے ہو ﴿ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ﴾ مُزْن۔ مُزْنَةٌ کی جمع ہے اور مُزْنَةٌ کا معنیٰ ہے بادل۔ معنیٰ ہوگا کیا تم نے اُتارا ہے اس پانی کو بادلوں سے ﴿اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ﴾ یا ہم اتارنے والے ہیں۔ ہمارے علاقوں میں تو الحمدللہ! پانی کی فراوانی ہے ان علاقوں میں جاؤ جہاں پانی کی قلت ہے پھر تمھیں احساس ہوگا اور پانی کی قدر معلوم ہوگی۔

ہم چمن سے قندھار جا رہے تھے تقریباً چالیس میل کے علاقے تک ہمیں کوئی پودا بھی نظر نہیں آیا۔ زمین سڑی ہوئی، پتھر سڑے ہوئے۔ نماز کا وقت ہو گیا بعض ساتھیوں نے وضو کرنا تھا تو ڈرائیور نے کہا کہ تقریباً پندرہ میل آگے جا کر تھوڑا سا پانی ملے گا۔ ان علاقوں میں لوگ آج بھی پانی کو ترستے ہیں اور بارش کے پانی پر گزارا کرتے ہیں۔ جانور بھی وہی پیتے ہیں، اسی سے غسل کرتے ہیں خود بھی وہی پیتے ہیں۔ اور پاکستان میں بھی ایسے علاقے موجود ہیں کہ جہاں زمین میں پانی بہت گہرا ہے۔ غریب لوگ نہیں نکال سکتے۔ وہ بارشی پانی پر گزارا کرتے ہیں۔ بارشی پانی کو تالابوں میں جمع کرتے ہیں جانور بھی وہیں سے پیتے ہیں اور انسان بھی۔

تو فرمایا تم نے اتارا ہے بادلوں سے پانی یا ہم اتارنے والے ہیں ﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾ اگر ہم چاہیں کر دیں اس کو نمکین۔ ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان اور فیصل آباد کے بعض علاقوں میں آج بھی پانی نمکین اور کڑوا ہے۔ وضو کے لیے منہ میں ڈالیں تو کافی دیر تک منہ کڑوا رہتا ہے لوگ مجبوراً استعمال کرتے ہیں۔ اگر اس پانی سے غسل کریں اور سر پر صابن لگائیں تو وہ پانی سر سے صابن نہیں نکالتا۔ ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے وافر پانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے پانی بڑی نعمت ہے۔ اور نعمت کی قدر اس وقت ہوتی ہے کہ جب آدمی اس نعمت سے محروم ہو ﴿فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾ پس کیوں نہیں تم شکر ادا کرتے اے نادانو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا۔ اپنی پیدائش کو دیکھو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھو پھر اپنی ناشکری پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فصلیں تمھارے لیے پیدا کی ہیں ان کے لیے پانی کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جس نے یہ سب کچھ تمھارے لیے کیا ہے اس کا شکر بھی ادا کرو تمھیں اپنی پیدائش کا مقصد ہی معلوم نہیں۔ یہ سب کچھ تمھارے لیے پیدا کیا گیا ہے اور تم کس کے لیے پیدا کیے گئے ہو؟ تم نے بھینس رکھی ہوئی ہے تم اس کو چارا ڈالتے ہو، پانی پلاتے ہو، نہلاتے ہو، دھوپ سایہ

میں باندھتے ہو اگر وہ بگڑ جائے اور دودھ نہ دے پھر تم اس کو ڈنڈے مارتے ہو۔ گائے بھینس کو تم نے پیدا تو نہیں کیا پیدا تو رب تعالیٰ نے کیا ہے اور موت و حیات کا مالک بھی وہی ہے تم صرف مجازی مالک ہو لیکن تمھاری مرضی کے مطابق نہ چلے تو چھتر ول کرتے ہو، ڈنڈے مارتے ہو۔ اے بندے! ذرا سوچ تو سہی رب تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا اور کئی قسم کی نعمتیں تیرے اوپر بہادیں لیکن تو اس کی نافرمانی کرتا ہے پانچ وقت نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا تو رب تعالیٰ کی بھی لاٹھی ہے یا نہیں؟ وہ مارے گا تو کیا حشر ہوگا؟ سوچو تو سہی آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سب پتا چل جائے گا۔

اور دلیل: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ﴾ بھلا دیکھو وہ آگ جس کو تم جلاتے ہو ﴿ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا﴾ کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت ﴿أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ﴾ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ عرب میں اور درخت بھی ہوں گے لیکن تین درختوں کا نام تفسیروں میں آتا ہے۔ مدح، کرخ، عفار۔ ان کی سبز ٹہنیاں ایک دوسرے پر رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی تھی اور اس سے وہ لوگ اپنا نظام چلاتے تھے۔ سفر پر جاتے تو سبز ٹہنیاں کپڑوں میں لپیٹ کر رکھ لیتے تھے جہاں ضرورت پڑتی استعمال کرتے، آگ جلاتے۔ تو جس ذات نے سبز ٹہنیوں سے آگ پیدا کی ہے وہ تمھیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟

چنانچہ سورہ یٰسین پارہ ۲۳ میں ہے ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ﴾ "کیا نہیں دیکھا انسان نے کہ بے شک ہم نے پیدا کیا ہے اس کو ایک حقیر قطرے سے ﴿فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ پس اچانک وہ بڑا جھگڑا کرنے والا ہے ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا﴾ اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرتا ہے ﴿وَنَسِيَ خَلْقَهُ﴾ اور بھول گیا ہے اپنی پیدائش کو ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ کون زندہ کرے گا وہ ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿يُحْيِيهَا الَّذِي﴾ وہ زندہ کرے گا ان کو ﴿أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جس نے پیدا کیا ان کو پہلی مرتبہ ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر پیدائش کو خوب جانتا ہے ﴿الَّذِي﴾ وہ ﴿جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے سبز درخت سے آگ ﴿فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ﴾ پس اچانک تم اس آگ کو جلاتے ہو، سلگاتے ہو۔ ان نادانوں سے پوچھو ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم﴾ قادر اس بات پر کہ وہ پیدا کرے ان جیسے ﴿بَلَىٰ﴾ کیوں نہیں وہ قادر ہے ﴿وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ اور وہ بڑا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

تو فرمایا بھلا دیکھو وہ آگ جس کو تم جلاتے ہو کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت یا ہم اس کو پیدا کرنے والے ہیں ﴿نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً﴾ ہم نے اس درخت کو نصیحت بنایا ہے تمھارے لیے کہ درخت سبز ہیں تو ان سے آگ نکلتی ہے اور اگر خشک ہو جائیں تو نہیں نکلتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمھیں سمجھ نہیں آتی۔ خدا کی قدرت سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے ﴿وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ﴾ مقوین کا مادہ قَوِيٌّ ہے ایسا علاقہ جہاں نہ گھاس ہو نہ پانی۔ مسافروں کو ایسے علاقے بھی طے کرنے پڑتے تھے۔ تو لفظی ترجمہ ہوگا ایسا علاقہ طے کرنے والے جہاں نہ گھاس ہے نہ پانی ان کے لیے سامان ہے فائدہ اٹھانے کے لیے۔ پھر لازی جمہ کرتے ہیں۔ فائدہ اٹھانے کے لیے ہے مسافروں کے لیے۔ کہ مسافر لوگ وہ سبز ٹہنیاں اپنے پاس رکھ لیتے تھے جہاں

ضرورت پڑتی تھی ان کو آپس میں رگڑ کر آگ جلا لیتے تھے ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو بڑا ہے، بڑی عظمتوں والا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ احب الکلام الی اللہ سبحان اللہ و بحمدہ "اللہ تعالیٰ کو یہ کلام بہت محبوب ہے سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ۔" یہ بخاری شریف کی آخری روایت ہے۔ دو کلمے ہیں اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں زبان پر بہت ہلکے ہیں ترازو میں بڑے وزنی ہیں جب قیامت والے دن تولے جائیں گے تو بڑے وزنی نکلیں گے۔ اک کلمہ ہے سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ اور دوسرا کلمہ ہے سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔ ان کو ہر حال میں پڑھ سکتے ہو اٹھتے، بیٹھتے، جاگتے، وضو ہو یا نہ ہو۔ عورتیں ان دنوں میں پڑھ سکتی ہیں جن دنوں میں انھوں نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی۔ ان دو کلموں میں اللہ تعالیٰ کی ساری صفات آ جاتی ہیں ایجابی ہوں یا سلبی۔

اور مستدرک حاکم اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ان کو کثرت سے پڑھنے والے کا اللہ تعالیٰ رزق کشادہ کر دیتے ہیں۔ باقی ہم بڑے جلد باز ہیں ہم کہتے ہیں کہ لفظ زبان سے نکلیں اور گندم کی بوری ہمارے سامنے پڑی ہو۔ رب تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھو اور پڑھتے رہو۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ﴾ پس میں قسم اٹھاتا ہوں ﴿بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ﴾ ستاروں کے گرنے کی ﴿وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ﴾ اور بے شک البتہ یہ قسم ہے ﴿لَّوْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانو ﴿عَظِيْمٌ﴾ بڑی ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک یہ ﴿لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ﴾ البتہ قرآن ہے عزت والا ﴿فِيْ كِتٰبٍ﴾ ایسی کتاب میں ہے ﴿مَّكْنُوْنٍ﴾ جو چھپائی ہوئی ہے ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ نہیں چھوتے اس کو مگر پاک باز لوگ ﴿تَنْزِيْلٌ﴾ یہ اتارا ہوا ہے ﴿مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب العالمین کی طرف سے ﴿اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ﴾ کیا اس بات میں ﴿اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ﴾ تم سستی کرتے ہو ﴿وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ﴾ اور بناتے ہو تم اپنا نصیب ﴿اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو ﴿فَلَوْ لَآ﴾ پس کیوں نہیں ﴿اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ جب پہنچتی ہے جان گلے تک ﴿وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ﴾ اور تم اس وقت ﴿تَنْظُرُوْنَ﴾ دیکھ رہے ہوتے ہو ﴿وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ﴾ اور ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس کے ﴿مِنْكُمْ﴾ تم سے ﴿وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ﴿فَلَوْ لَآ﴾ پس کیوں نہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ﴾ اگر تم ﴿غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ﴾ بدلہ نہیں دیئے جاؤ گے ﴿تَرْجِعُوْنَهَآ﴾ کیوں نہیں تم لوٹا لیتے اس کو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ پس اگر ہوا وہ مقربین میں سے ﴿فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ﴾ پس اس کے لیے راحت ہے اور روزی ہے ﴿وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾

اور نعمت کے باغ ہیں ﴿ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴾ اور اگر ہے اصحاب یمین میں سے ﴿ فَسَلٰمٌ لَّكَ ﴾ پس سلامتی ہے تیرے لیے ﴿ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴾ دائیں طرف والوں میں سے ﴿ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴾ اور اگر ہے وہ جھٹلانے والوں میں سے ﴿ الضَّآلِّیْنَ ﴾ جو بھکے ہوئے ہیں ﴿ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴾ پس مہمانی ہے گرم پانی کی ﴿ وَّ تَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴾ اور ڈالنا ہے آگ کے شعلوں میں ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴾ بے شک یہ بات البتہ حق الیقین ہے ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو بڑا ہے۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ قسم سے پہلے لا آجائے یا ما آجائے تو وہ زائدہ ہوتا ہے اس کا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا۔اب ﴿ فَلَاۤ اُقْسِمُ ﴾ کا معنیٰ ہے پس میں قسم اٹھاتا ہوں۔لا کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔﴿ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴾ ستاروں کے گرنے کی جگہ کی۔ستارے چلتے چلتے غروب ہو جاتے ہیں۔تو ان چلنے والے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ کی قسم اٹھاتا ہوں ﴿ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ ﴾ اور بے شک یہ البتہ قسم ہے ﴿ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اگر تم جان لو ﴿ عَظِیْمٌ ﴾ بڑی ﴿ اِنَّهٗ ﴾ بے شک یہ ﴿ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴾ البتہ قرآن ہے عزت والا۔

ستاروں کی دو قسمیں

ستارے دو قسم کے ہیں۔ایک ثوابت جو اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں اور دوسرے سیارات ہیں جو چلتے ہیں۔ان کی لائن اور رفتار مقرر ہوتی ہے۔نہ تو وہ اپنی لائن سے دائیں بائیں جا سکتے ہیں اور نہ وہ یہ طاقت رکھتے ہیں کہ رفتار میں کمی بیشی کر لیں۔رب تعالیٰ نے ان کو جس لائن میں چلایا ہے اسی لائن میں وہ چلتے ہیں۔ان ستاروں کی رب تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے جو طلوع سے لے کر غروب تک صحیح اپنی لائن پر چلتے ہیں کہ یہ قرآن عزت والا ہے جس طرح ستارے سیدھے اپنی لائن میں چلتے ہیں اسی طرح یہ قرآن بھی سیدھا راستہ دکھاتا ہے اس میں بھی کوئی بات غلط نہیں ہے۔خود بھی صراط مستقیم ہے اور چلنے والوں کو بھی صراط مستقیم کی راہنمائی کرتا ہے ﴿ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴾ ایسی کتاب میں ہے جو چھپائی ہوئی ہے۔پوشیدہ کتاب میں ہے جس کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔تمام آسمانی کتابوں میں اس کا مرتبہ بلند ہے ﴿ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾ نہیں چھوتے اس کو مگر پاک باز لوگ۔اس کا ایک معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ لوح محفوظ کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاکیزہ فرشتے۔یہ اس وقت ہے جب کہ ہٗ ضمیر کو کتاب مکنون کی طرف لوٹائیں۔لوح محفوظ کی جانب پاکیزہ فرشتے ہی جاتے ہیں وہاں اور کوئی نہیں جا سکتا۔

اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ اس قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاکیزہ لوگ۔قرآن پاک کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔زبانی پڑھ سکتے ہیں ہاتھ لگانے کے لیے وضو شرط ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گورنر عمرو بن حزم کو بہت سی ہدایات جاری فرمائیں۔ان میں یہ ہدایت بھی فرمائی کہ تَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا وَ

اَنْتَ طَاهِرٌ " قرآن کو ہاتھ نہ لگانا مگر اس حال میں کہ تو پاک ہو یعنی باوضو ہو۔" عورتیں بھی ماہواری کے دنوں میں زبانی نہیں پڑھ سکتیں، درود شریف، تیسرے کلمہ کا ورد کر سکتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتی ہیں کوئی پابندی نہیں ہے۔

فرمایا ﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ یہ کتاب اتاری ہوئی ہے رب العالمین کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک مقام ہے اُسے بیت العزت اور بیت العظمت بھی کہتے ہیں، وہاں اتاری اور پھر وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس سال میں نازل فرمائی ﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴾ کیا پس اس بات پر تم سستی کرتے ہو۔ قرآن پاک کے بارے میں تم سستی کرتے ہو۔ اس کے پڑھنے میں، سمجھنے میں سستی نہ کرو، اس پر عقیدہ رکھنے میں سستی نہ کرو، اس کے مطابق عمل کرنے میں سستی نہ کرو۔ قرآن پاک اول تا آخر ہدایت ہے اس کے بارے میں بالکل سستی نہ کرو۔ اور تمہارا حال یہ ہے ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ رزق کا معنیٰ نصیب، حصہ۔ اور بناتے ہو تم اپنا نصیب، حصہ کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو، اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تکذیب کرتے ہو۔

کافر بڑے زور سے کبھی تو کہتے کہ خود بنا کے لایا ہے کبھی کہتے یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ " سکھاتا ہے اس کو ایک انسان۔" ایک بے چارہ رومی غلام تھا فسطاس، جبر، یعیش اور بلعام اس کا نام بتاتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے قریب رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انسانی ہمدردی کے تحت اس کی کوئی ضرورت ہوتی تو اپنی توفیق کے مطابق پوری کر دیتے۔ کافروں نے یہ کڑی ملائی کہ یہ قرآن اس سے سیکھ کر ہمیں آکر سنا دیتا ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ﴿ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ [النحل: ۱۰۳] " اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے۔" بات کرتے وقت آدمی کچھ سوچے تو سہی کہ کوئی جوڑ بھی ہے۔ اس بے چارے کو تو صحیح عربی نہیں آتی ٹوٹے پھوٹے جملے بولتا تھا۔ اس غلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بے چارہ بیمار تھا اور چراغ اس کے پاس جل رہا تھا۔ ایک آدمی اس کی تیمارداری کے لیے آیا۔ اس نے کہا کہ میں اُٹھ نہیں سکتا اُقْتُلِ السِّرَاجَ " چراغ کو قتل کر دو۔" کہنا تو چاہیے تھا اَطْفِأِ السِّرَاجَ " چراغ کو بجھا دو۔" اور یہ کہہ رہا ہے چراغ کو قتل کر دو۔ وہ کیا قرآن بنا کے دے گا؟ مگر دنیا شوشے چھوڑنے سے باز نہیں آتی۔

تو فرمایا اور بناتے ہو تم اپنا حصہ کہ تم جھٹلاتے ہو اس قرآن کو۔ اس وقت کو یاد رکھو جب تم پر نزع کا عالم طاری ہوتا ہے تو کتنے بے بس ہوتے ہو۔ فرمایا ﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴾ پس کیوں نہیں جب پہنچتی ہے جان گلے تک اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ مرنے والا تمھارے سامنے مرتا ہے، ہاتھ پاؤں بے حس، ٹانگیں بے حس، تمھارے سامنے مر رہا ہے اور تم دیکھ رہے ہو ﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ ﴾ اور ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس کے نسبت تمھارے ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴾ لیکن تم نہیں دیکھ سکتے ہمیں ﴿ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴾ پس کیوں نہیں اگر تم بدلہ نہیں دیئے جاؤ گے۔ تم کسی کے حکم کے پابند نہیں اور جزا نہیں ملنی ﴿ تَرْجِعُوْنَهَآ ﴾ کیوں نہیں لوٹا لیتے اس کو۔ اس مردے کی روح بدن میں کیوں نہیں لوٹاتے

اگر تمھارے بس میں کچھ ہے۔ڈاکٹروں کے اختیار میں ہے،حکیموں کے پاس کوئی اختیار ہے،چھومنتر کرنے والوں کے پاس اگر کوئی اختیار ہے تو مرنے والے کی روح کو واپس بدن میں لوٹا دیں؟

ماں باپ کھڑے ہیں،عزیز رشتہ دار بھی موجود ہیں،آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں لیکن کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔اس کی جان نکل رہی ہے اگر ہمت ہے تو اسے موت کے منہ سے بچا کر دکھاؤ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔اگر یہاں تم بے بس ہو تو جب جزا وسزا کی منزل آئے گی اس کو تم کیسے روک سکو گے؟اور جس طرح تم اس کی روح کو نہیں لوٹا سکتے اور رب تعالیٰ لے جا رہے ہیں تو دوبارہ اٹھنے کا بھی انکار نہ کرو یقیناً وہ رب دوبارہ اٹھائے گا۔نہ تمھارا آنا تمھارے اختیار میں ہے اور نہ جانا تمہارے اختیار میں ہے۔شاعر نے کہا ہے: ؎

لائی حیات، آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ موت وحیات ہمارے بس میں نہیں ہے۔زندگی اور موت حقیقت ہے جزا،سزا بھی حقیقت ہے۔پھر کیا ہوگا ﴿فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ پس ہوا اگر مرنے والا مقربین میں سے،جن کی موت بھی نرالی ہوتی ہے۔احادیث میں آتا ہے ملک الموت آتے ہیں اور اس کے پیچھے اٹھارہ فرشتوں کی صف ہوتی ہے۔ان کے پاس خوشبو والا کفن ہوتا ہے۔ملک الموت قریب آکر بڑے ادب کے ساتھ سلام کرتا ہے السلام علیکم۔مرنے والا ملک الموت اور دوسرے فرشتوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔وہ کہتے ہیں اُخْرُجِيْ اِلٰى رِضْوَانٍ مِّنَ اللّٰهِ "اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طرف نکل۔" اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے۔جنت میں تیرا محل ہے۔مرتے وقت اس کو بتلا دیا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے۔اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہے۔اس وقت مومن کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو۔اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بلا مجبوری جنازے میں تاخیر نہ کرو۔کیونکہ اگر نیک ہے تو اس کو جلدی خوشیوں میں پہنچا دو اور اگر دوسری مد کا ہے تو اس بلا سے تمھاری جان چھوٹ جائے گی۔اگر مرنے والا برا ہے تو فرشتے نہایت کرخت الفاظ اور تند لہجے میں اس کے ساتھ پیش آتے ہیں،سلام نہیں کرتے۔کہتے ہیں:اُخْرُجِيْ اِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ غَضَبِهٖ يَاۤ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةِ "اے خبیث روح نکل خدا کی ناراضگی اور غضب کی طرف۔" اب تم پر خدا کا قہر ہوگا،رب تجھ سے ناراض ہے اور دوزخ میں یہ تیرا ٹھکانا ہے۔وہ بڑی منتیں کرتا ہے۔کہتا ہے ﴿لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ "اے پروردگار!کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی مدت تک تاکہ میں صدقہ کرتا اور ہو جاتا نیکوں میں سے۔" لیکن ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ [سورۃ المنافقون] "اور اللہ تعالیٰ ہرگز موخر نہیں کرے گا کسی کی جان سے اس کی موت جب اس کا وعدہ آ گیا۔" ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں ہوگی۔

تو فرمایا اگر ہوا وہ مقربین میں سے ﴿فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ﴾ تو اس کے لیے راحت ہے اور روزی ہے۔روح کا معنیٰ راحت اور ریحان کا معنیٰ رزق۔اور ریحان کے معنیٰ خوشبو کے بھی ہیں۔رزق بھی ہوگا اور خوشبوئیں بھی ہوں گی ﴿وَ جَنَّتُ

نَعِیْمٍ﴾ اورنعمتوں کے باغ ہیں۔مقربین ایسے باغوں میں ہوں گے جونعمتوں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ان کا جسم اگرچہ ہمارے سامنے پڑا ہوتا ہے لیکن جنت کے ساتھ ان کا کنکشن قائم ہوجاتا ہے وہاں کی خوراک اورراحتیں ان کو میسر ہوجاتی ہیں اور یہ سارا کچھ اسی قبر میں ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَان "قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔" جوہمیں صرف مٹی کا ڈھیر نظر آتا ہے اس جہاں کے سارے معاملات ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔اگر ہم قبر کوکھول کر دیکھیں گے توہمیں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا لیکن مومن کے لیے خوشی کی کوئی حد نہیں اور کافر گناہ گار کے لیے غم اور پریشانی کی کوئی حد نہیں ہے۔

﴿وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ اور بہرحال اگر ہوا وہ اصحاب یمین میں سے ﴿فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ پس سلامتی ہے تیرے لیے دائیں طرف والوں میں سے۔تم پرسلامتی ہے کہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہو۔فرشتے ان کوسلام کرتے ہیں،غلمان اور حوریں ان کوسلام کہتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہوتی ہے۔تمھارے لیے سلامتی ہے کوئی تکلیف نہیں ہوگی،کوئی پریشانی نہیں ہوگی ﴿وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ اور بہرحال اگر ہے وہ جھٹلانے والوں میں سے جو بہکے ہوئے ہیں، گمراہ ہیں۔توحید کوجھٹلایا،نبوت کوجھٹلایا،قیامت کوجھٹلایا،رب تعالیٰ کے احکام کوجھٹلایا،قرآن کوجھٹلایا،ان کے لیے کیا ہوگا؟ ﴿فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ گرم پانی کی مہمانی ہوگی۔اتنی شدید پیاس لگے گی کہ گرم پانی کے پینے پر مجبور ہوجائیں گے۔ پانی جب ہونٹوں کو لگے گا ہونٹوں کوجلادے گا يَشْوِی الْوُجُوْهَ قطرہ قطرہ کر کے اندر جائے گا انتڑیوں کوکاٹ کر پاخانے کے راستے سے نکال دے گا۔پھر فرشتے انتڑیاں منہ کے راستے ڈالیں گے۔پھر اس کے ساتھ کیا ہوگا ﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ﴾ [الحج:۲۰] "پگھلایا جائے گا اس کے ساتھ وہ جوان کے پیٹوں میں ہے اوران کی کھالیں بھی۔" سروں پرگرم پانی ڈالا جائے گا کھولتا ہوا سارا چمڑا اتر جائے گا۔جس طرح تم گرم پانی کے ذریعے مرغیوں کی کھال اتارتے ہو۔

توفرمایا گرم پانی کی مہمانی ہوگی ﴿وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ﴾ اور ڈالنا ہے آگ کے شعلوں میں،داخل ہونا ہے آگ کے شعلوں میں۔آج دنیا کی آگ ہماری برداشت سے باہر ہے اور دوزخ کی آگ تو اس سے انہتر گنا تیز ہے۔اگر مارنا مقصود ہوتو اس کا ایک جھونکا ہی کافی ہے لیکن چونکہ سزا دینی ہے ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى﴾ "نہ مرے گا نہ جیے گا۔" ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ﴾ بے شک یہ بات جوہم کررہے ہیں حق الیقین ہے۔

علم کے تین درجے:

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے تصوف پر جس کا نام ہے "معارف لدنیہ" اس میں وہ فرماتے ہیں علم کے تین درجے ہیں علم الیقین، عین الیقین اور تیسرا درجہ ہے حق الیقین۔تجربہ کار، سچے آدمی کی بات پر یقین کرنا اور ماننا اس کو

علم الیقین کہتے ہیں۔مثلاً: ایک آدمی کہتا ہے کہ آگ جلاتی ہے۔ابھی اس نے آگ کو جلاتے ہوئے دیکھا نہیں ہے۔اس کی بات پر کوئی یقین کرتا ہے تو یہ علم الیقین ہے۔پھر آنکھوں سے آگ کو جلاتے ہوئے دیکھ لیا کہ وہ لکڑیوں کو، کپڑوں کو جلا رہی ہے تو یہ عین الیقین ہے۔اور اگر اس کے بدن کا کوئی حصہ آگ میں گیا اور اس نے جلا دیا تو یہ حق الیقین ہے۔یہ یقین کی آخری حد ہے۔

تو فرمایا یہ جو کچھ ہم کہتے ہیں یہ صرف علم الیقین اور عین الیقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین ہے۔اس سے اوپر یقین کا کوئی درجہ نہیں ہے۔یہ قرآن حق الیقین ہے ہم جو کہتے ہیں یہ حق الیقین ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔رب تعالیٰ نے تجھے آگاہ کر دیا ہے لہٰذا ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو بڑا ہے۔سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ، کثرت سے پڑھتے رہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

(۲۷)

آیاتہا ۲۹ ﴿۵۷﴾ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ﴿۹۶﴾ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ﴾ تسبیح بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ زبردست ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ حکمتوں والا ہے ﴿لَهٗ﴾ اسی کے لیے ﴿مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ ملک آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿يُحْيٖ﴾ وہ زندہ کرتا ہے ﴿وَيُمِيْتُ﴾ اور مارتا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ﴾ وہ اول ہے ﴿وَالْاٰخِرُ﴾ اور آخر ہے ﴿وَالظَّاهِرُ﴾ اور وہ ظاہر ہے ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ اور باطن ہے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى﴾ پھر وہ قائم ہوا ﴿عَلَى الْعَرْشِ﴾ عرش پر ﴿يَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿مَا يَلِجُ﴾ جو داخل ہوتا ہے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ اور جو چیز نکلتی ہے اس سے ﴿وَمَا يَنْزِلُ﴾ اور جو اترتی ہے ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا﴾ اور جو چڑھتی ہے اس میں ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ اور وہ تمھارے ساتھ ہے ﴿اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ جہاں کہیں بھی تم ہو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ اسی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ﴾ داخل کرتا ہے رات کو ﴿فِي النَّهَارِ﴾ دن میں ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ﴾ اور داخل کرتا ہے دن کو ﴿فِي الَّيْلِ﴾ رات میں ﴿وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اور وہ جانتا ہے دلوں کے راز۔

تعارف سورۃ

اس سورت کا نام سورۃ الحدید ہے۔ حدید کا معنیٰ لوہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک لوہا بھی ہے۔ دنیا کا کافی نظام لوہے پر موقوف ہے۔ سورت کے آخر میں لوہے کا ذکر آئے گا۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ترانوے (۹۳) سورتیں نازل ہو چکی تھیں یہ چرانوے (۹۴) نمبر پر نازل ہوئی۔ اس کے چار رکوع اور انتیس آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ تسبیح بیان کرتی ہے، پاکیزگی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے وہ مخلوق جو

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتوں کے علاوہ بے شمار مخلوق ہے جس کو صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ چاند، سورج، ستارے ہیں۔ اور جو مخلوق زمین میں ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ درختوں کا ایک ایک پتہ پانی کا ایک ایک قطرہ، اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہے ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ "اور نہیں ہے کوئی شے مگر وہ تسبیح بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ ﴿وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ [بنی اسرائیل: ۴۴] مگر تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔" ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے زبان حال سے یا زبان قال سے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

﴿وَ هُوَ الْعَزِیْزُ﴾ اور وہ غالب ہے، زبردست ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو کوئی قوت اور طاقت حاصل نہیں ہے ﴿الْحَكِیْمُ﴾ حکمت والا ہے۔ اس کی ہر بات حکمت اور دانائی والی ہے ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ اسی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا۔ آسمان بھی اس نے پیدا کیے ہیں اور زمین بھی اسی نے پیدا کی ہے۔ خالق بھی وہی، مالک بھی وہی، زمین اور آسمانوں میں تصرف بھی اسی کا، تدبیر بھی اس کی۔ خدائی اختیارات میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے ﴿یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ﴾ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ موت دینا بھی اس کی صفت ہے اور زندگی دینا بھی اسی کی صفت ہے ﴿وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ﴾ وہی اول ہے۔ سب سے پہلے وہی ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں ہے ﴿وَ الْاٰخِرُ﴾ اور آخر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ نہ اس کی ابتدا اور نہ اس کی انتہا۔ وہ ازلی اور ابدی ہے ﴿وَ الظَّاهِرُ﴾ اور وہ ظاہر ہے اپنی قدرت کی نشانیوں سے۔

وَ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

"اور ہر شے میں دلیل ہے جو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔"

﴿وَ الْبَاطِنُ﴾ اور باطن ہے اپنی ذات کے لحاظ سے۔ کوئی دوربین لگا کر بھی اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اپنی ذات کے اعتبار سے باطن ہے دلائل قدرت کے اعتبار سے ظاہر ہے۔

روس کا خدا اور مذہب کا جنازہ نکالنا

آج سے کوئی ستر (۷۰) اسی (۸۰) سال پہلے کی بات ہے کہ روس نے بڑے زوردار طریقے سے یہ نظریہ پھیلایا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں ہے اور ان کے دین سے دور ہونے اور متنفر ہونے کی وجہ یہ بنی کہ روس کے سربراہ سارنوف نے جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اور روسی اصولی طور پر عیسائی ہیں۔ سارنوف نے اپنے وزیروں، مشیروں کو بلا کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے گھر میں روحانیت پھیل جائے۔ میرے بیوی بچے، پوتے، نواسے روحانیت کا سبق حاصل کریں اور روحانیت میں کامل بنیں۔ اس کے لیے اچھے عمدہ قسم کا ایک مذہبی پیشوا چاہیے جو ان کو تعلیم دے اور ان کی اصلاح کرے۔ اس وقت راسکوتیس بڑا

پادری تھا اور عمر بھی اس کی اسی سال سے اوپر تھی۔ وزیروں، مشیروں نے اُسے پیش کر دیا کہ یہ ان کو تعلیم دے گا، اخلاق کی اصلاح کرے گا، روحانی تربیت کرے گا، بڑا پاک باز اور نیک ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں اس کے حوالے کیں کہ ان کو تعلیم دو، ان کی اصلاح کرو، روحانی تربیت کرو۔ لیکن ہوا یہ کہ اس نے شیطانی حرکتیں شروع کر دیں اور بچیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا۔ بادشاہ کو علم ہوا۔ وہ بڑا جذباتی آدمی تھا آخر بادشاہ تھا۔ اس نے کہا کہ جب سب سے بڑے مذہبی پیشوا اور پادری کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ وہ مذہب سے متنفر ہوگیا۔ روسیوں کے مذہب سے بیزار ہونے کا سبب وہ بڑا پادری بنا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بھی منکر ہو گئے۔ پھر وہ وقت آیا کہ روسیوں نے ۳۷-۱۹۳۸ء کی بات ہے کہ اپنے ملک سے دو جنازے باہر نکالے، ایک خدا کا اور دوسرا مذہب کا۔ باقاعدہ دو جنازے تیار کیے گئے، ان پر پھول ڈالے گئے اور ناچتے کودتے، دھمالیں ڈالتے ہوئے سرحد پر لے گئے اور لاتوں سے جنازے والی چار پائی سرحد سے باہر پھینک دی۔ پھر دوسری چار پائی پھینک دی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے میں اس وقت جوان (عالم شباب میں) تھا۔ کہنے لگے ہم نے خدا اور مذہب کو ملک سے نکال دیا ہے۔ پھر جس وقت ہٹلر کی مار پڑی تو روسی لیڈروں نے کہا کہ ہر مذہب والا اپنے اپنے معبد خانے میں خدا کو پکارے کہ رب تعالیٰ ہمیں اس بلا سے نجات دے۔

تو فرمایا وہ سب سے اول ہے اور وہی سب سے آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ﴾ وہ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں۔ چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کا وقفہ ہے۔ کیونکہ اس وقت نہ سورج تھا، نہ چاند تھا، نہ زمین تھی، نہ آسمان تھا کہ دنوں سے یہ دن مراد لیے جائیں، بلکہ چھ دنوں کا وقفہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایک سیکنڈ میں ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر چھ دنوں کے وقفے میں پیدا کرنے کی حکمت کیا تھی؟ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سبق دیا ہے کہ میں نے قادرِ مطلق ہوتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ کام کیا ہے لہٰذا تمھارے کام بھی تدریجاً یعنی آرام آرام سے ہونے چاہییں ورنہ وہ ایک لمحے میں سب کچھ کر سکتا ہے۔

دو سال کا عرصہ گزرا ہے اس نے جاپان پر صرف سترہ سیکنڈ کا زلزلہ مسلط کیا تھا۔ سترہ سیکنڈ کیا ہوتے ہیں؟ آدمی سترہ سیکنڈ میں ایک بات نہیں کر سکتا۔ اس سے اتنا نقصان ہوا تھا کہ جاپان جیسا صنعتی ملک جو صنعت میں پورے یورپ سے بڑھا ہوا ہے، نے کہا تھا کہ ہماری حکومت یہ نقصان چار سالوں میں پورا نہیں کر سکتی۔

استویٰ علی العرش کا معنیٰ

تو فرمایا وہ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ پھر رب تعالیٰ

مستوی ہوا عرش پر۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگرد نے پوچھا حضرت استوی علی العرش کا کیا معنیٰ ہے؟ ہمیں سمجھاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے کا کیا مفہوم ہے؟ دیکھو! اس وقت ہم صفوں پر بیٹھے ہیں، قالینوں پر بیٹھے ہیں، کوئی چار پائی پر بیٹھتا ہے، کوئی منبر پر بیٹھتا ہے، مختلف نشستیں ہیں لوگوں کے بیٹھنے کی تو ہمیں سمجھاؤ رب تعالیٰ عرش پر کیسے قائم ہے؟

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ "اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ (کیونکہ قرآنِ کریم میں ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ اور سورہ طٰہٰ میں ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ وَ كَيْفِيَّتُهٗ مَجْهُوْلَةٌ اور اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے کہ کیسے بیٹھا ہے؟ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔" اس کے پیچھے پڑنا بدعت ہے۔ بس اتنا کہہ دو کہ جو اس کی شان کے لائق ہے۔ رب تعالیٰ سنتا بھی ہے، بولتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اس طرح بولتا ہے دیکھتا ہے ﴿يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ [المائدہ: ۶۴] "رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔" ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ جو اس کی ذات کے لائق ہیں۔ ہم اس سے زیادہ کے مکلف نہیں ہیں۔ تو فرمایا پھر وہ قائم ہوا عرش پر ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ﴾ جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں۔ مردے زمین میں دفن کیے جاتے ہیں، بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے، کیڑے مکوڑے زمین میں داخل ہوتے ہیں، بارش کو زمین جذب کر لیتی ہے۔ غرض کہ جو چیز بھی زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اس کو رب تعالیٰ جانتا ہے ﴿وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے۔ زمین سے تیل نکلتا ہے، گیس نکلتی ہے فصلیں نکلتی ہیں یعنی اگتی ہیں، درخت نکلتے ہیں، کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

دہریے قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ پچاس سال کے بعد لوگ کیا کھائیں گے، کہاں سے کھائیں گے؟ بھائی تمھیں کیا فکر ہے؟ جس رب نے پیدا کیا ہے وہ انتظام بھی کرے گا۔ مخلوق کم تھی زمین کی پیداوار بھی کم تھی۔ اب مخلوق زیادہ ہوگئی ہے پیداوار بھی بڑھ گئی ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [ہود: ۶] "اور نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والا جانور زمین میں مگر اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

دیکھو! گیس کے متعلق کوئی سوچ سکتا تھا کہ ایسا ایندھن آئے گا جو سر پر بھی نہیں اٹھانا پڑے گا۔ جلے گا مگر نہ اس کا دھواں ہوگا اور نہ راکھ ہوگی۔ آج سے پچاس سال پہلے کوئی کہتا تو لوگ اس کو پاگل خانے میں بند کرا دیتے کہ یہ کیا کہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو علم ہے کیا چیز زمین سے کب نکالنی ہے۔ ابھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں کا اظہار فرمائیں گے جیسے جیسے قیامت قریب آئے گی زمین اپنے دفینے نکالے گی ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اور جو چیز آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے، فرشتے نازل ہوتے ہیں، رب تعالیٰ کی رحمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں ﴿وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا﴾ اور جو چیز چڑھتی ہے آسمان میں وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ فرشتے اوپر جاتے ہیں، نیک آدمیوں کے اعمال اوپر جاتے ہیں اور جو کچھ بھی اوپر جاتا ہے رب تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور صرف یہ نہ سمجھنا کہ وہ عرش پر مستوی ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھنا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

دونوں عقیدے ضروری ہیں۔عرش پر بھی قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور تمہارے ساتھ بھی ہے علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، اپنی ذات کے لحاظ سے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ دونوں باتیں قرآن میں موجود ہیں ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا۔آسمانوں اور زمین کی شاہی اسی کی ہے ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔ ہر چیز پر قبضہ اور اختیار اسی کا ہے۔سب کچھ رب تعالیٰ ہی کرتا ہے اور کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے، نہ کوئی بادشاہ بنا سکتا ہے، نہ گدا بنا سکتا ہے، نہ کوئی اولاد دے سکتا ہے، نہ کوئی رزق دے سکتا ہے، نہ کوئی صحت دے سکتا ہے اور نہ کوئی بیمار کر سکتا ہے۔سب کچھ رب تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔اس کی قدرت کو دیکھو! ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ﴾ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں۔گرمی کے موسم میں راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں اور دن لمبے ہو جاتے ہیں، رات کا حصہ کاٹ کر دن میں شامل کر دیتا ہے ﴿وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ اور وہ داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔آج کل راتیں لمبی ہیں سردی کا موسم ہے اور دن چھوٹے ہیں، دن کا حصہ کاٹ کر رات میں شامل کر دیا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے روزمرہ کے انقلابات ہیں۔سب سمجھتے ہیں اس کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اور وہ جانتا ہے دلوں کے راز۔ صدور ۔ صَدْرٌ کی جمع ہے صدر کا معنیٰ ہے سینہ، مراد دل ہے۔ رب تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے۔لہٰذا اپنے دلوں کو صاف رکھو معاملہ پروردگار کے ساتھ ہے۔

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول پر ﴿وَاَنْفِقُوْا﴾ اور خرچ کرو ﴿مِمَّا﴾ اس چیز سے ﴿جَعَلَكُمْ﴾ بنایا تم کو اللہ تعالیٰ نے ﴿مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾ نائب اس میں ﴿فَالَّذِيْنَ﴾ پس وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے ﴿وَاَنْفَقُوْا﴾ اور انھوں نے خرچ کیا ﴿لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ ان کے لیے اجر ہے بڑا ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور کیا ہو گیا ہے تم کو ﴿لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ نہیں ایمان لاتے تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ﴾ حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہا ہے ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ﴾ کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ﴾ اور تحقیق لیا اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ عہد ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم ماننے والے ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿يُنَزِّلُ﴾ جو اتارتا ہے ﴿عَلٰى عَبْدِهٖ﴾ اپنے بندے پر ﴿اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ واضح آیتیں ﴿لِّيُخْرِجَكُمْ﴾ تاکہ نکالے تمھیں ﴿مِّنَ الظُّلُمٰتِ﴾ اندھیروں سے ﴿اِلَى النُّوْرِ﴾ روشنی کی طرف ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿بِكُمْ﴾ تمھارے ساتھ ﴿لَرَءُوْفٌ﴾ البتہ شفقت کرنے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ مہربان ہے ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَّا تُنْفِقُوْا﴾ کہ تم خرچ نہیں کرتے ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں

﴿وَ لِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ﴿مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ میراث آسمانوں کی اور زمین کی ﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ﴾ نہیں ہیں برابر تم میں سے ﴿مَّنْ اَنْفَقَ﴾ جنھوں نے خرچ کیا ﴿مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ﴾ فتح سے پہلے ﴿وَ قٰتَلَ﴾ اور لڑائی کی ﴿اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً﴾ یہ لوگ بہت بڑے ہیں درجے کے لحاظ سے ﴿مِّنَ الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ﴾ جنھوں نے خرچ کیا فتح کے بعد ﴿وَ قٰتَلُوْا﴾ اور لڑائی کی ﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ اور ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اچھائی کا ﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے۔

ربطِ آیات

اس رکوع کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر تھا اور اس کے دلائل تھے۔ توحید اور اس کے دلائل بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر کہ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور مارنے والا ہے اور اس کے رسول پر اور ایمان لانے کے بعد ﴿وَ اَنْفِقُوْا﴾ اور خرچ کرو تم ﴿مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ﴾ اس چیز میں سے کہ اللہ تعالیٰ نے نائب بنایا ہے تم کو اس میں۔ اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ انفاق سے مال کا خرچ کرنا مراد ہے۔ مال کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے برائے نام شرعی طور پر اس نے تم کو نائب بنایا ہے تم رب تعالیٰ کے خلیفہ ہو۔ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے تمہارے پاس چند دن کے لیے امانت ہے اس مال کو تم خرچ کرو اس سے زکوٰۃ دو، عشر دو، فطرانہ دو، قربانی کرو، صدقہ خیرات کرو، اپنوں پر، دوسروں پر۔ اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ تو یہی تفسیر کرتے ہیں۔ لیکن علامہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفسر ہیں۔ ان کی تفسیر کا نام بحر المحیط ہے۔ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے چوٹی کے مفسر ہیں ان کی تفسیر کا نام ہے روح المعانی۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں ہر شے مراد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال دیا ہے تو وہ مال خرچ کرے، علم دیا ہے تو علم خرچ کرے، اگر جسمانی قوت دی ہے تو کمزوروں کے لیے وہ خرچ کرے، ہنر اور فن دیا ہے تو وہ خرچ کرے، عقل اور سمجھ دی ہے تو اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ جو بھی نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کو خرچ کرے۔ فرمایا ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ پس وہ لوگ جو ایمان لائے تم میں سے ﴿وَ اَنْفَقُوْا﴾ اور انھوں نے خرچ کیا ﴿لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

قبولیتِ اعمال کی تین شرائط

یہ بات تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ نیکیوں کے قبول ہونے کے لیے تین بنیادی شرطیں ہیں۔

① ایمان، کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

② اخلاص۔ ریا، دکھاوے کے طور پر جو نیکی ہوتی ہے اس کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے۔

③ اور تیسری شرط اتباعِ سنت ہے۔ جو نیکی بھی ہو سنت کے مطابق ہو۔ اگر سنت کے مطابق نہیں ہے تو وہ نیکی قبول نہیں ہوگی۔ چاہے وہ شکل وصورت کے اعتبار سے کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہو۔

کوفے کے شہر میں عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین عید گاہ میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک صوفی قسم کا آدمی وہاں نماز پڑھ رہا ہے۔ اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کو جا کر کہو کہ عید والے دن کوئی نفلی نماز نہیں ہے۔ اشراق پڑھنے والا ہے تو عید والے دن اشراق نہ پڑھے، چاشت کا عادی ہے تو عید گاہ میں نہیں پڑھ سکتا گھر جا کر کہیں چھپ کر پڑھے۔ وہ سخت قسم کا آدمی تھا نماز میں لگا رہا توڑی نہیں۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جا کر اس کا کندھا پکڑ کر فرمایا کہ عید والے دن عید گاہ میں نماز عید کے سوا کوئی اور نماز منع ہے۔ اس نے کہا کہ کیا میں کوئی گناہ کا کام کر رہا ہوں کہ آپ مجھے روکتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! تم گناہ کا کام کر رہے ہو صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زندگی گزاری ہے نہ آپ نے عید گاہ میں نماز پڑھی ہے اور نہ ہی پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ تم گناہ کر رہے ہو یہ نماز پڑھ کر۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مہر لگی ہوئی نہیں تھی اس لیے اس کو گناہ فرمایا، حالانکہ نماز ہے۔

تو عبادات کے قبول ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں:

✿...... ایمان ✿...... اخلاص ✿...... اتباعِ سنت

ان شرائط کے ساتھ اگر کوئی آدمی نیکی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر عطا فرمائیں گے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [الانعام:۱۶۰] یہ کم از کم ہے زیادہ جتنا چاہیں اللہ تعالیٰ عطا کریں۔ مثلاً: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو کہا السلام علیکم! تو دس نیکیاں تو اس کی پکی ہیں اور اس کے ساتھ اس کا ایک صغیرہ گناہ بھی معاف ہو جائے گا اور ایک درجہ بھی بلند ہو جائے گا۔ اور اگر نیکی فی سبیل اللہ کی مد میں ہے تو ادنیٰ ترین اس کا بدلہ سات سو ہے ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرہ:۲۶۱] "اور اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔" دینی تعلیم کے لیے جو قدم اٹھائے گا، تبلیغِ دین کے لیے جو قدم اٹھائے گا، کفار کے مقابلے میں جو قدم اٹھائے گا تو ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے زیادہ کر دے۔

تو فرمایا اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجر ہے بڑا ﴿وَمَا لَكُمْ﴾ اور کیا ہو گیا ہے تم کو ﴿لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ نہیں ایمان لاتے تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ﴾ حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو دعوت دے رہے ہیں ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ﴾ کہ ایمان لاؤ تم اپنے رب پر۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے داعی بھیجے ہیں ان میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ سب سے بلند ہے۔ اے مکے والو! تمھیں دعوت دینے والا اللہ تعالیٰ کا وہ پیغمبر ہے جو تمام کائنات میں سب سے اعلیٰ وارفع ہے اور تمہاری زبان میں تمھیں دعوت دے رہا ہے پھر تمہارے پاس کون سا بہانہ ہے قبول نہ کرنے کا۔ اس نے نبوت سے پہلے عمر کے چالیس سال تمھارے ساتھ گزارے ہیں۔ سورۃ یونس آیت نمبر ۱۶ پارہ ۱۱ میں ہے ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ "پس بے شک میں

ٹھہرا ہوں تمھارے درمیان عمر کا ایک حصہ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔" کہ کتنی صاف شفاف زندگی تمھارے اندر گزاری ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جگہ سے گزرتے تھے تو لوگ اشارہ کر کے کہتے تھے کہ ایسا نیک آدمی ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق کہتے تھے۔ تو سب سے بڑا داعی تمھیں دعوت دے رہا ہے مگر تم اس کی پروا نہیں کرتے ﴿وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ﴾ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے لیا ہے تم سے پختہ عہد عالم ارواح میں وادی مُعَرَّۃ النعمان میں جس کو آج کل عرفات کہتے ہیں۔

عہدِ الست

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یہاں کھڑا کر کے پشت کی دائیں طرف اپنا دایاں ہاتھ پھیرا جو اس کی شان کے لائق ہے تو اصحاب الیمین چیونٹیوں کی طرح سامنے آ گئے۔ پھر بائیں طرف ہاتھ پھیرا تو اصحاب الشمال چیونٹیوں کی طرح سامنے آ گئے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا اے پروردگار! یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے جو قیامت تک آئے گی۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی بدصورت ہے کوئی خوب صورت ہے، کوئی موٹا ہے، کوئی پتلا ہے، کوئی لمبا ہے، کوئی چھوٹا ہے۔ کہنے لگے اے پروردگار! هَلَّا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ "اپنے بندوں کو ایک جیسا کیوں نہیں بنایا۔" رب تعالیٰ نے فرمایا اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ "میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا ہوتا رہے۔" (لہٰذا جو اپنے سے کمزور کو دیکھ کر شکر ادا نہیں کرتا حقیقت میں وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔)

اس عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے سب کو سمجھ دی اور فرمایا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ [الاعراف: ۱۷۲] "کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ سب نے کہا اے پروردگار! آپ ہمارے رب ہیں۔" ہمیں تو یہ عہد یاد نہیں ہے لیکن تفسیروں میں بہت سارے بزرگوں کے نام دیئے ہیں جو کہتے تھے کہ ہمیں وہ عہد یاد ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عہد یاد ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ میثاق یاد ہے۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ عہد لیا ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر ہو تم ماننے والے اس بات کو تو ایمان لاؤ ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے ﴿يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ﴾ جو اتارتا ہے اپنے بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ﴿اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ واضح اور صاف آیتیں۔ بعض نادان لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بندہ کہنے میں توہین ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایسا نہیں ہے عبد ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت ہے اور جب تک ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت کا اقرار نہ کریں ہماری کوئی نماز مکمل نہیں ہوتی، فرض ہو، واجب ہو، سنت مؤکدہ ہو، نفل ہو، اس میں ہم نے پڑھنا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبد کہنے میں توہین ہوتی تو رب تعالیٰ ہمیں یہ سبق کبھی نہ دیتا حاشا وکلا۔ یاد رکھنا! عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے لفظ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح ہے، تعریف اور توصیف ہے، تنقیص نہیں ہے۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ وہ ہے جو نازل کرتا ہے اپنے بندے پر واضح اور صاف آیتیں۔ کیوں نازل کرتا ہے؟ ﴿لِيُخْرِجَكُمْ

﴿مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تا کہ وہ نکالے تمھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ کفر، شرک، تکبر، بغض، حسد کے اندھیروں سے نورِ ایمان کی طرف، نورِ توحید، نورِ سنت اور نورِ حق کی طرف ﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر البتہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اسی لیے اس نے تمھیں سمجھانے کے لیے اپنا پیغمبر بھیجا ہے اپنی کتاب بھیجی ہے ﴿وَ مَا لَكُمْ﴾ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کہ تم خرچ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں سے کسی مد میں ﴿وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی۔ کیا یہ جو تمھارے پاس مال ہے، زمین ہے، باغات ہیں، کارخانے اور کوٹھیاں ہیں، سونا چاندی ہے، کیا یہ چیزیں قبر میں تمھارے ساتھ جائیں گی؟ خوش نصیب ہے جس کو کفن نصیب ہو جائے۔ مرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو کفن بھی نصیب نہیں ہوتا، زمین میں دفن ہونا نصیب نہیں ہوتا، درندے، پرندے، مچھلیاں ان کو ہضم کر جاتی ہیں۔ لہٰذا رب تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو رب تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کر کے رب تعالیٰ کو راضی کر لو۔ ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے اس نے یہ چیزیں تمھیں عارضی طور پر عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر کے رب تعالیٰ کو راضی کر لو۔ پھر اس نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا جو تم کر نہ سکو۔ زکوٰۃ صاحب مال پر سال کے بعد چالیس روپے میں سے ایک روپیہ ہے، فطرانہ سال کے بعد نصف صاع ہے۔

آسانی کے لیے یوں سمجھو کہ دو سیر گندم ہے اور زمین کی پیداوار میں سے بارانی ہے تو دسواں حصہ اور اگر چاہی نہری ہے تو بیسواں حصہ ہے نو حصے یا انیس حصے تمھارے پاس ہیں اور جو باقی تمہارے پاس ہے یہ بھی ہے اللہ تعالیٰ کا۔ تمھارے مرنے کے بعد اگر تمھارے وارث اچھے ہیں وہ کھائیں پئیں گے تمھیں ثواب ملے گا۔ اور اگر خدانخواستہ شرابی کبابی ہیں، جواری ہیں، بُرے ہیں تو یاد رکھنا! تمھاری کمائی کھا کر گناہ تمھاری قبر میں پہنچائیں گے۔ کمایا تم نے کھایا انھوں نے اور مار قبر میں تمھیں پڑے گی۔

تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ﴾ نہیں ہیں برابر تم میں سے جنھوں نے خرچ کیا مال ﴿مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ﴾ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے پہلے ﴿وَ قٰتَلَ﴾ اور لڑائی کی کافروں سے۔ ۸ھ رمضان المبارک کے مہینے میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی پوزیشن کمزور تھی۔ ان دنوں میں خرچ کرنا اور لڑنا بڑا کام تھا۔ اور مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد سارے عرب پر جھنڈا لہرا دیا گیا، مالی پوزیشن بھی مضبوط ہو گئی اور افرادی قوت بھی۔ اب مال خرچ کرنا بھی آسان اور لڑنا بھی آسان ہو گیا۔ لہٰذا جو فتح سے پہلے لڑے اور مال خرچ کیا ﴿اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً﴾ یہ لوگ بہت بڑے ہیں درجے کے لحاظ سے ﴿مِّنَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں سے ﴿اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا﴾ جنھوں نے خرچ کیا فتح مکہ کے بعد اور لڑائی کی کافروں کے ساتھ۔ کیونکہ اب آسانی پیدا ہو گئی ہے لیکن ﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ اور ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اچھائی کا۔ اجر سب کو ملے گا مگر درجات برابر نہیں ہو سکتے۔ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے پہلے جنھوں نے مال خرچ کیا اور جہاد کیا ان کا درجہ بعد والوں سے بہت بلند ہے لیکن بعد میں خرچ کرنے والوں کا بھی درجہ ہے ﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

﴿خَبِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خبر رکھتا ہے کہ کون اخلاص کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور کون دکھاوے کے لیے۔ کون اتباعِ سنت میں خرچ کرتا ہے اور کون خواہش نفسانی کے تحت۔ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ﴾ کون شخص ہے وہ ﴿یُقْرِضُ اللّٰهَ﴾ جو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ کو ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ اچھا قرض ﴿فَیُضٰعِفَهٗ﴾ پس وہ اس کو بڑھا دیتا ہے ﴿لَهٗ﴾ اس کے لیے ﴿وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ اور اس کے لیے عمدہ اجر ہوگا ﴿یَوْمَ﴾ جس دن ﴿تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ آپ دیکھیں گے ایمان والے مردوں کو ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور ایمان والی عورتوں کو ﴿یَسْعٰى نُوْرُهُمْ﴾ دوڑ رہا ہوگا ان کا نور ﴿بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ ان کے آگے ﴿وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ اور ان کے دائیں طرف ﴿بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ﴾ خوش خبری ہے تمھارے لیے آج کے دن ﴿جَنّٰتٌ﴾ باغات ہیں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان باغات کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی ہے وہ بڑی کامیابی ﴿یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جس دن کہیں گے منافق مرد ﴿وَالْمُنٰفِقٰتُ﴾ اور منافق عورتیں ﴿لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿انْظُرُوْنَا﴾ ہماری طرف دیکھو ﴿نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ﴾ تاکہ ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمھاری روشنی سے ﴿قِیْلَ﴾ کہا جائے گا ﴿ارْجِعُوْا﴾ لوٹ جاؤ ﴿وَرَآءَكُمْ﴾ اپنے پیچھے ﴿فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ پس تلاش کرو روشنی ﴿فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ﴾ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان ﴿بِسُوْرٍ﴾ ایک دیوار ﴿لَّهٗ بَابٌ﴾ جس کا دروازہ ہوگا ﴿بَاطِنُهٗ﴾ اس کے اندر کی طرف ﴿فِیْهِ الرَّحْمَةُ﴾ اس میں رحمت ہوگی ﴿وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ﴾ اور اس کے ظاہر کی طرف ﴿الْعَذَابُ﴾ عذاب ہوگا ﴿یُنَادُوْنَهُمْ﴾ یہ ان کو کہیں گے ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ وہ کہیں گے کیوں نہیں ﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ﴾ لیکن تم نے فتنے میں ڈالا ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی جانوں کو ﴿وَتَرَبَّصْتُمْ﴾ اور تم انتظار کرتے رہے ﴿وَارْتَبْتُمْ﴾ اور تم نے شک کیا ﴿وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ﴾ اور دھوکے میں ڈالا تم کو خواہشات نے ﴿حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ آ گیا اللہ تعالیٰ کا حکم ﴿وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ اور دھوکے میں ڈالا تم کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے باز نے ﴿فَالْیَوْمَ﴾ پس آج کے دن ﴿لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ﴾ نہیں لیا جائے گا تم سے ﴿فِدْیَةٌ﴾ کوئی جرمانہ ﴿وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور نہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں ﴿مَاْوٰىكُمُ النَّارُ﴾ ٹھکانا تمھارا دوزخ ہے ﴿هِیَ مَوْلٰىكُمْ﴾ یہی دوزخ کی آگ تمھاری ساتھی ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور بری جگہ ہے لوٹنے کی۔

قرضِ حسنہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون شخص ہے وہ جو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا۔ آدمی جو صدقہ وخیرات کرتا ہے اور قربانی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو قرض کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور تشبیہ اس بات میں ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کو قرض دیتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ مقروض اس کو اتنی رقم لوٹائے گا۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمھیں ضرور ملے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے اللہ تعالیٰ غریب ہو گیا ہے اور اس کو قرضے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ جیسے یہودیوں نے کہا تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ﴾ [آل عمران: ۱۸۱] "بے شک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔" بلکہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح قرض واپس آنا ہوتا ہے اسی طرح جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمھیں ضرور ملے گا بلکہ اچھا بدلہ ملے گا کہ ایک کے بدلے میں دس گنا۔ یہ عام حالات میں ہے اور جو فی سبیل اللہ کی مد میں ہوگا اس کا بدلہ سات سو گنا ہو گا کم از کم۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے بڑھا دے گا۔ پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ صدقہ وخیرات کا بدلہ دس گنا ہے اور اگر کوئی کسی کو قرضِ حسنہ دے تو اس کا بدلہ ستر گنا۔ کیونکہ دینے والا اس کی غربت کا خاص خیال رکھتا ہے۔ تو قرضِ حسنہ کا بہت بڑا ثواب ہے۔ لیکن ہمارا زمانہ عجیب ہے کہ قرض لیتے وقت بڑے پیار محبت سے پیش آئیں گے پیاری پیاری باتیں کریں گے۔ دیتے وقت اکثر تو منکر ہو جاتے ہیں اور کچھ گھور گھور کے دیکھتے ہیں اور کچھ لڑ پڑتے ہیں۔ اچھے لوگ بھی ہیں مگر بہت کم ہیں۔

تو فرمایا کون شخص ہے وہ جو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض ﴿فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ﴾ پس اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا دیتا ہے اس کے لیے۔ عام حالات میں ایک نیکی کا بدلہ دس گنا اور فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کرے گا تو اس کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو گنا ہے ﴿وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [البقرہ: ۲۶۱] "اور اللہ تعالیٰ بڑھا دے گا جس کے لیے چاہے گا۔" ﴿وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ اور اس کے لیے عمدہ اجر ہوگا۔ کس دن ملے گا؟ ﴿یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ جس دن آپ دیکھیں گے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو ﴿یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ دوڑ رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے ﴿وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ اور ان کے دائیں طرف بھی۔ مومن جس وقت قبروں سے نکلیں گے تو نورِ ایمان، نورِ اسلام، نورِ توحید جو ان کے دلوں میں ہے اس دن اس کی روشنی ان کے آگے ہوگی اور دائیں طرف بھی ہوگی۔ ایمان کی روشنی آگے ہوگی اور اعمال صالحہ کا نامہ چونکہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس لیے اس کی روشنی دائیں طرف ہوگی۔ وقفے وقفے سے فرشتے کھڑے ہوں گے اور کہیں گے ﴿بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ﴾ خوش خبری ہے تمھارے لیے آج کے دن۔ وہ خوش خبری کیا ہے ﴿جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں۔ اس ہمیشگی کا تو آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ نہ ختم ہونے والی زندگی ہے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی ہے وہ بڑی کامیابی۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو نصیب فرمائے۔

تم نے مومنوں کا حال سن لیا اب منافقوں کا بھی سن لو۔ مومن جا رہے ہوں گے اور ان کے آگے اور دائیں طرف روشنی

ہوگی اور منافقوں کے آگے اور دائیں بائیں منافقت کا، کفر کا اندھیرا ہوگا جو آج ان کے دلوں میں ہے اس دن سامنے آجائے گا۔
فرمایا ﴿یَوۡمَ﴾ جس دن ﴿یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ﴾ کہیں گے منافق مرد ﴿وَ الۡمُنٰفِقٰتُ﴾ اور منافق عورتیں ﴿لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا﴾ ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ کیا کہیں گے؟ ﴿انۡظُرُوۡنَا﴾ ہماری طرف دیکھو تا کہ ﴿نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ﴾ ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمھاری روشنی سے۔ تمھاری روشنی سے ہم بھی فائدہ اٹھالیں۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ انتظار کرو ہمارا کہ ہم بھی تمھاری روشنی سے کچھ لے لیں اور اس مشکل منزل کو عبور کرلیں۔

منافقت کی دو اقسام

ایک عقیدے کا منافق ہوتا ہے اور ایک عمل کا منافق ہوتا ہے۔ عقیدے کا منافق اسے کہتے ہیں جو زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے اٰمَنۡتُ میں ایمان لایا اور ظاہری اعمال بھی ایمان والوں جیسے کرتا ہے لیکن اس کے دل میں ایمان نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ایسے لوگ تھے جن کو ظاہری طور پر کوئی محسوس بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ منافق ہیں۔ اذان ہوتے ہی پہلی صف میں آکر بیٹھ جاتے تھے۔ نماز، روزہ، صدقہ وخیرات سب کچھ کرتے تھے۔ اور بعض اتنے پکے منافق تھے کہ باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عقل مند تھے پھر بھی ان کو نہیں پہچانتے تھے۔
سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۰۱ پارہ ۱۱ میں ہے ﴿وَ مِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِیۡنَةِ مَرَدُوۡا عَلَی النِّفَاقِ﴾ "اور بعض اہل مدینہ میں سے جو ڈٹے ہوئے ہیں نفاق پر آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔" یعنی ایسے ہوشیار قسم کے لوگ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی بڑی عقل مند اور ذہین ترین شخصیت بھی ان کے نفاق سے آگاہ نہ ہوسکی۔

منافق کی چار علامات

اور ایک عملی منافق ہوتا ہے۔ دل میں تو اس کے ایمان ہوتا ہے لیکن عمل سے منکر ہوتا ہے عمل نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں منافق کی چار علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ جس میں ایک پائی گئی وہ ایک درجے کا منافق، جس میں دو پائی گئیں وہ دو درجے کا منافق اور جس میں تین پائی گئیں وہ تین درجے کا منافق اور جس میں چاروں پائی گئیں وہ پکا منافق۔
پہلی علامت: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ "جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا۔" جھوٹ بولنا منافقوں کی پہلی علامت ہے اور جھوٹ کی اتنی بدبو ہے کہ آدمی جب جھوٹ بولتا ہے تو وہ فرشتہ جس کی ڈیوٹی ہونٹ پر ہوتی ہے وہ ایک میل دور بھاگ جاتا ہے۔ جھوٹ کی برائی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہوسکتا ہے۔ حضرت! مومن بزدل بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں کمزور ایمان کے ساتھ بزدلی جمع ہوسکتی ہے۔ حضرت! مومن جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ فرمایا: کَلَّا وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ "ہرگز نہیں اس رب کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جھوٹ اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے۔" اگر جھوٹ بولتا ہے تو پھر ایمان کی دولت سے محروم ہے۔

منافق کی دوسری علامت: اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ "جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔" اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ "جب معاہدہ کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔" چاہے وہ معاہدہ ذاتی ہو یا قومی یا جماعتی۔

تیسری علامت: وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ "جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔" مالی خیانت، علمی خیانت، مشورے کی بھی خیانت ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی سمجھ دار آدمی سے مشورہ لیتا ہے اور وہ اس کو صحیح بات نہیں بتلاتا تو یہ بھی خیانت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْمُسْتَشَارُ اَمِيْنٌ "جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین ہے۔" اگر مشورے میں خیانت کرے گا تو مجرم ہوگا۔ مجلس کی باتیں بھی امانت ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں دوست احباب کی وہ کسی اور کے سامنے ذکر کرنا بھی خیانت ہے۔

منافق کی چوتھی علامت: اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ "جب جھگڑا کرتا ہے تو گالیاں نکالتا ہے۔" آج ہم نے منافقوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے ہم ہر بات پر گالیاں نکالتے ہیں۔ انسان تو کیا حیوانوں کو بھی گالیاں دیتے ہیں۔ یاد رکھنا! کسی کو گالیاں دینے پر اسی کوڑے سزا ہے۔ اگر کسی نے کہا تیری ماں کی ایسی تیسی، تیری بہن کی ایسی تیسی، تو اس پر اسی کوڑے سزا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے توبہ کرنے کے باوجود کوڑے لگیں گے معافی نہیں ہے۔ اور ساری زندگی گواہی بھی قبول نہیں ہوگی ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ [نور:۴] "اور نہ قبول کرو ان کی گواہی کبھی بھی۔" اتنی سخت سزا ہے گالی نکالنے کی مگر ہم تو گالیوں کی تسبیح پڑھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ذکر اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ ہماری زندگیاں بالکل خراب ہو چکی ہیں اس لیے ہم میں نیکی کا اثر نہیں ہے۔

تو فرمایا جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو ہماری طرف دیکھو، ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہاری روشنی سے ﴿قِيْلَ﴾ کہا جائے گا۔ کہنے والے فرشتے ہوں گے ﴿ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ﴾ لوٹ جاؤ اپنے پیچھے ﴿فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ پس تلاش کرو وہاں سے روشنی۔ وہ بے وقوف یہ سمجھیں گے کہ شاید یہیں ایک دو قدم پیچھے سے نور ملتا ہے، پیچھے مڑ کر دیکھیں گے حالانکہ رب تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی طرف لوٹ جاؤ وہاں تلاش کرو کہ یہ نور وہاں سے ملتا ہے۔ یہ باتیں ہو رہی ہوں گی کہ ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ﴾ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان ایک دیوار۔ منافقوں اور مومنوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ مومن آگے نکل جائیں گے اور منافق اس طرف رہ جائیں گے۔ وہ ایسی دیوار ہوگی ﴿لَّهٗ بَابٌ﴾ جس کا دروازہ ہوگا ﴿بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ﴾ اس کے اندر کی طرف اس میں رحمت ہوگی جدھر مومن ہوں گے ﴿وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ اور اس کے ظاہر کی طرف عذاب ہوگا۔ منافق عذاب کی طرف رہ جائیں گے ﴿يُنَادُوْنَهُمْ﴾ منافق مومنوں کو آوازیں دیں گے پکاریں گے ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ دنیا میں تمہارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، اکٹھے اٹھتے بیٹھتے تھے ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ مومن کہیں گے کیوں نہیں۔ ظاہری طور پر تو تم ہمارے ساتھ تھے ﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ لیکن تم نے فتنے میں ڈالا اپنی جانوں کو۔ دل تمھارے صاف

نہیں تھے۔ تمھارے دلوں میں نفاق تھا وہ آج رکاوٹ ہے ﴿وَ تَرَبَّصۡتُمۡ﴾ اور تم انتظار کرتے رہے ہمارے بارے میں کہ ان پر کب کوئی مصیبت پڑتی ہے۔

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۹۸ پارہ ۱۱ ﴿وَ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ﴾ "یہ منافق انتظار کرتے رہتے ہیں تمھارے بارے میں گردشوں کا۔" کہ مسلمانوں پر کوئی گردش آئے کافروں کی طرف سے ان پر حملہ ہو جائے یا کسی اور مصیبت میں پڑ جائیں۔ دنیا میں تم ہمارے خیر خواہ نہیں تھے گردشوں کے منتظر رہتے تھے ﴿وَارۡتَبۡتُمۡ﴾ اور تم نے شک کیا دین کے بارے میں۔ تمھارے دلوں میں ایمان نہیں تھا ﴿وَ غَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ﴾ اَمَانِیُّ اُمۡنِیَّۃٌ کی جمع ہے، آرزو اور خواہش کو کہتے ہیں۔ دھوکے میں ڈالا تم کو خواہشات نے، آرزوؤں نے ﴿حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰہِ﴾ یہاں تک کہ آ گیا اللہ تعالیٰ کا حکم۔ موت کا وقت آ گیا اور اے منافقو! ﴿وَ غَرَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ﴾ اور دھوکے میں ڈالا تم کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے باز نے۔ شیطان نے تم کو دھوکے میں رکھا اور تم نے سچا دین قبول نہیں کیا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَۃٌ﴾ پس آج کے دن نہیں لیا جائے گا تم سے کوئی جرمانہ۔ قیامت والے دن کوئی جرمانہ دے کر عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ دنیا میں لوگ جرمانہ دے کر، فدیہ دے کر بھی جان چھڑا لیتے ہیں قیامت والے دن اول تو انسان کے پاس کوئی چیز ہوگی ہی نہیں جو وہ دے کر جان چھڑا سکے۔ فرض کرو وہاں اس کو ساری دنیا کا خزانہ مل جائے، زمین سونے سے بھری ہوئی مل جائے وہ دے کر بھی اپنی جان نہیں چھڑا سکے گا۔

تو فرمایا اس دن نہیں لیا جائے گا تم سے کوئی فدیہ، جرمانہ ﴿وَّلَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا﴾ اور نہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے منکر ہیں، رسالت اور قیامت کے منکر ہیں، قرآن کے منکر ہیں، ان سے بھی جرمانہ نہیں لیا جائے گا کہ وہ جرمانہ دے کر چھوٹ جائیں ﴿مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ﴾ ٹھکانا تمھارا دوزخ کی آگ ہے ﴿ہِیَ مَوۡلٰىکُمۡ﴾ مَوۡلٰی کا معنیٰ رفیق، ساتھی۔ یہی دوزخ کی آگ تمھاری ساتھی ہے ﴿وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ﴾ اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مومنین اور مومنات کو دوزخ سے بچائے اور محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿اَلَمۡ یَاۡنِ﴾ کیا نہیں آیا وقت ﴿لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ﴾ کہ خوف کریں ان کے دل ﴿لِذِکۡرِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ﴿وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ﴾ اور اس چیز کے لیے جو اُتری ہے حق سے ﴿وَ لَا یَکُوۡنُوۡا﴾ اور نہ ہو جائیں ﴿کَالَّذِیۡنَ﴾ ان لوگوں کی طرح ﴿اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿مِنۡ قَبۡلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ﴾ پس لمبی ہوگئی ان پر مدت ﴿فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ﴾ پس سخت ہو گئے دل ان کے ﴿وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ﴾ اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہیں ﴿اِعۡلَمُوۡۤا﴾ جان لو

﴿أَنَّ اللَّهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُحْيِ الْأَرْضَ﴾ زندہ کرتا ہے زمین کو ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس کے مرنے کے بعد ﴿قَدْ بَيَّنَّا﴾ تحقیق ہم نے بیان کیں ﴿لَكُمُ الْآيٰتِ﴾ تمھارے لیے آیتیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تا کہ تم سمجھو ﴿إِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ﴾ بے شک صدقہ کرنے والے مرد ﴿وَالْمُصَّدِّقٰتِ﴾ اور صدقہ کرنے والی عورتیں ﴿وَأَقْرَضُوا اللَّهَ﴾ اور جنھوں نے قرض دیا اللہ تعالیٰ کو ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ اچھا قرض ﴿يُضٰعَفُ لَهُمْ﴾ بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے اجر ﴿وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے اجر ہے عمدہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں سچے ﴿وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور گواہ اپنے رب کے ہاں ﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ﴾ ان کے لیے ان کا اجر ہے ﴿وَنُوْرُهُمْ﴾ اور ان کی روشنی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ﴿أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿أَلَمْ يَأْنِ﴾ اٰن کا معنیٰ ہوتا ہے تھوڑا سا وقت۔ اور ﴿يَأْنِ﴾ کا معنیٰ ہے وقت کا آنا۔ اور ﴿أَلَمْ يَأْنِ﴾ کا معنیٰ ہے کیا نہیں آیا وقت ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ کہ ان کے دل ڈریں، خوف کریں ﴿لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ اور اس چیز کے لیے جو اتری ہے حق سے قرآن پاک کی شکل وصورت میں۔ اس کے لیے ان کے دل نرم ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں مومنوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے ﴿إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ [الانفال:۲] "جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کو دیکھ کر ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرہ:۱۶۵] "اور جو ایمان دار ہیں وہ زیادہ سخت ہیں محبت میں اللہ تعالیٰ کے لیے۔" ان کی سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. "تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں زیادہ محبوب نہ ہوں اس کو اس کے والد سے اور اولاد سے اور سارے لوگوں سے۔" جب تک کہ اس کی محبت میرے ساتھ اس کے ماں باپ سے اولاد سے اور ساری مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ ماں باپ کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے، اولاد کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے اس محبت کو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان نہیں کرے گا مومن نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طبعی محبت کے چند واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جتنی محبت تھی اس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام ہند تھا، رضی اللہ عنہا۔ اُحد کے معرکے میں عتبہ بن ابی وقاص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارا اس وقت یہ کافر تھا ۸ھ میں مسلمان ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے والے جو نیچے دانت ہیں ان میں سے بائیں طرف والا دانت شہید ہوا۔ عبد اللہ بن قمیہ کافر نے تلوار کا وار کیا جس سے خود (لوہے کی ٹوپی) ٹوٹا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی ہوا خون کے فوارے پھوٹ پڑے، خبر مشہور ہوگئی اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ "کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔" یہ خبر بی بی ہند رضی اللہ عنہا تک پہنچی جو بیوی تھیں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی۔ باہر گلی میں آکر کھڑی ہوگئیں۔ احد کے مقام سے ایک آدمی آیا تو کہنے لگیں مَا فُعِلَ رسول اللہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔" اس نے کہا بی بی! اس سے پہلے میں تجھے یہ بتاتا ہوں کہ تیرا خاوند شہید ہوگیا ہے، تیرا والد شہید ہوگیا ہے، تیرا بھائی شہید ہوگیا ہے، تیرا بیٹا شہید ہوگیا ہے۔ بی بی نے دیوانہ وار پوچھا کہ مجھے یہ بتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہیں مگر خطرے سے باہر ہیں۔ بی بی نے کہا:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جُلَلُ

"آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔"

اس واقعہ کو مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بہت بڑے ادیب اور مؤرخ تھے اور شاعر بھی تھے اس طرح پیش کیا ہے:

میں بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں میرے لیے یہی دولت ہے۔ دیکھو! عورت کے لیے دنیا میں یہی نعمتیں ہیں، والد، بیٹا، بھائی، خاوند۔ لیکن وہ فرماتی ہیں سب قربان ہیں کوئی بات نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "ادب المفرد" میں نقل کرتے ہیں کہ ایک صحابی ٹائی فائیڈ بخار میں مبتلا تھے۔ یہ بخار اپنی کوئی نہ کوئی نشانی چھوڑ جاتا ہے جسم کی کوئی نہ کوئی چیز متاثر ہوتی ہے۔ آنکھ سے نابینا ہو جائے، ٹانگ خراب ہو جائے، بازو خراب ہو جائے، خوش قسمت ہوتا ہے جو بالکل ٹھیک ہو جائے۔ اس صحابی کی آنکھیں ضائع ہوگئیں۔ ان کا ایک دوست سفر پر تھا۔ واپس آیا تو گھر والوں نے بتایا کہ تمھارے دوست کی آنکھیں ضائع ہوگئی ہیں۔ تیمارداری کے لیے پہنچا، کہنے لگا بڑا صدمہ ہوا جب پتا چلا کہ تمھاری آنکھیں ضائع ہوگئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے اس لیے کہ ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تھا اب آپ دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں لہٰذا مجھے ان کے ضائع ہونے کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ اب مجھے ان کی ضرورت

نہیں ہے۔ان لوگوں کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ طبعی بن چکی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک موقع پر گھر آئے بیوی جن کا نام عاتکہ بنت زید تھا رضی اللہ عنہا۔ چچا زاد بہن تھی، سے کہا کہ میری تلوار وں میں سے جو سب سے زیادہ تیز ہے نکال کر مجھے دو۔اس نے کہا کہ جہاد کا موقع تو نہیں ہے خیر ہے کیا کرنی ہے؟ کہنے لگے اپنی بیٹی حفصہ کا سر اتارنا ہے۔ماں گھبرا گئی کہ حفصہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ہیں اس سے کیا غلطی ہوگئی ہے کہ باپ سر اتارنے کے لیے تیار ہوگیا ہے۔پوچھا بات کیا ہے، اس کا قصور کیا ہے؟ کہنے لگے سَمِعْتُ "میں نے سنا ہے قَدْ اٰذَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سخت لہجے میں بات کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دی ہے اس لیے میں نے اس کا سر اتارنا ہے۔"

یاد رکھنا! کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ یہ بھی ہے کہ بیوی خاوند کے ساتھ تندمزاجی کے ساتھ پیش آئے اور ہم نے اس کو کچھ سمجھا ہی نہیں ہے۔عورتیں اچھی طرح سن لیں کہ خاوند کے آگے سخت لہجے میں بولنا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔اگر کوئی بات کرنی ہے تو معقول انداز سے کرو تندمزاجی سے بولنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

(عورتوں کو اپنی پیدائش کے مقصد کا ہی علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟ سورت الاعراف آیت نمبر ۱۸۹ میں ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ "اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے ﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور بنایا اس سے اس کا جوڑا ﴿لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾ تاکہ سکون لے اس کی طرف۔" عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد کے سکون کے لیے پیدا کیا ہے لیکن آج عورتیں مردوں کے لیے عذاب بنی ہوئی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو اپنی تخلیق کا مقصد سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے......مرتب)

بیوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلوار لا کر دی اور کہنے لگی ایک بات میری بھی سن لیں کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تحقیق کر لینا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور پوچھا کہ تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دی ہے؟ ابا جی! بات یہ ہوئی ہے کہ خیبر کے فتح ہونے کے بعد عورتوں کے حالات بدل گئے، بہتر ہوگئے، گھروں میں چولھے جلنے لگ گئے، کپڑے بھی ملنے لگ گئے اور ہماری حالت ویسی ہے جیسے پہلے تھی۔ہاتھوں میں اسی طرح سوئی دھاگا ہے پیوند پر پیوند لگا رہی ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہماری حالت بھی بہتر ہونی چاہیے میں بھی ساتھ تھی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوگئے ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں ایک مہینہ تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔مسجد کے اوپر جو چوبارہ تھا اس پر ڈیرا ڈال لیا۔اب اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے تو ازواج مطہرات کا مطالبہ فی نفسہٖ غلط نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض کیوں ہوئے، قسم کیوں اٹھائی؟ محققین فرماتے ہیں کہ اس کی تین وجوہات تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو حالات کی وجہ سے قسم اٹھانے کی تین وجوہات

ایک وجہ یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کو اچھا زیور، اچھا لباس دیتے اور دیگر ضروریات زندگی اعلیٰ قسم کی مہیا

فرمادیتے تو دشمن کہتے کہ انھوں نے تمام تکلیفیں اس لیے اٹھائی تھیں کہ مزے سے رہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ نے جو تکالیف اٹھائی ہیں وہ بیویوں کی سہولت کے لیے تو نہیں اٹھائیں۔ آپ ﷺ نے تو تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے اٹھائی ہیں۔ لیکن ہر آدمی نتیجہ اپنے خیال کے مطابق نکالتا ہے۔ ان بدظنوں نے یہ نتیجہ نکالنا تھا کہ دیکھو آج ان کی بیویاں کتنے مزے میں ہیں ان کی تکلیفیں ٹھکانے لگ گئیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے بیویوں کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔

دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات امت کی عورتوں کے لیے نمونہ تھیں۔ اگر ان کا لباس، خوراک عمدہ اور اعلیٰ قسم کی ہوتی، زیورات سے لدی ہوئی ہوتیں تو امت کی وہ عورتیں جن کو عمدہ لباس، اچھی خوراک میسر نہ ہوتی، زیورات نصیب نہ ہوتے وہ کس کی طرف دیکھ کر دل کو تسلی دیتیں۔ آج بھی ایسی عورتیں موجود ہیں جن کو مرضی کا زیور، لباس اور خوراک میسر نہیں ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں کو ان کے لیے نمونہ بنایا کیونکہ دوسرے کو دیکھ کر آدمی کو کچھ سہارا ہوتا ہے۔ تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ علم ہوا تو ٹھنڈے ہو گئے کہ میری بیٹی نے کوئی ایسی گستاخی نہیں کی کہ جس کی وجہ سے اس کا سر قلم کر دیا جائے۔

تو صحابہ کرام کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ طبعی محبت تھی اور ساری مخلوق سے بڑھ کر تھی۔ اور ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد آنحضرت ﷺ کی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ تو فرمایا کیا نہیں آیا وقت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کہ خوف کریں ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور اس چیز کے لیے جو اتری ہے حق سے قرآن کی شکل میں ﴿وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ﴾ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح ﴿أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ﴾ جن کو دی گئی کتاب اس سے پہلے۔ یہودیوں کو تورات، عیسائیوں کو انجیل اور داؤد کی امت کو زبور ملی تھی ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ﴾ پس لمبی ہو گئی ان پر مدت۔ عمریں ان کی لمبی ہوئیں ﴿فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ پس سخت ہو گئے دل ان کے اور جس کا دل سخت ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ اَبْعَدَ الْقُلُوْبِ اِلَى اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ "بے شک دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور سخت دل ہے۔" جو دل جتنا سخت ہوگا اتنا ہی رب سے دور ہوگا۔ اور جس دل میں جتنی نرمی ہوگی وہ اتنا رب تعالیٰ کے قریب ہوگا۔ اور پہلے پارے میں ہے ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ "پھر سخت ہو گئے تمھارے دل اس کے بعد ﴿فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ [البقرہ: ۷۴] پس وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ بعض ان سے بھی سخت ہیں۔" اور حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے دل بھی پتھروں کی طرح ہیں کہ نصیحت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کی شکلیں انسانوں جیسی ہوں گی دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ سب حیوانوں میں سخت دل بھیڑیا ہے۔ بھائی! اور بھیڑیا کس چیز کا نام ہے؟ ڈاکے ڈالتے ہیں، عورتوں کے کان نوچ لیتے ہیں، قتل کرتے ہیں، گاڑیاں لوٹتے ہیں، بازو کاٹ دیتے ہیں، ظالم گھڑی تک نہیں چھوڑتے۔ پھر منصف بھی ویسے ہی ہیں۔ اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ جیسے تم ہو گے ویسے تمھارے حاکم ہوں گے۔ ایک زمانہ تھا عوام نیک

تھے، حاکم بھی نیک تھے آج ہم بھی بُرے ہیں ہمارے حاکم بھی بُرے ہیں۔ ہم نے خود ان کو سروں پر بٹھایا ہے پھر رونے کا کیا فائدہ؟ کوئی کہتا ہے بجلی مہنگی ہے، کوئی کہتا ہے گیس مہنگی ہے بل زیادہ آ گئے ہیں۔ یہ ہمارے ووٹوں سے آ کر ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ ووٹ دیتے وقت ہم اندھے ہوتے ہیں۔ اس وقت پارٹی سسٹم چلتا ہے، برادری سسٹم چلتا ہے، دوستیاں پالتے ہیں، غنڈے ڈراتے ہیں، دھمکیاں دیتے ہیں، کچھ لوگ لالچ دیتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ "جیسے تمھارے اعمال ہوں گے ویسے تمھارے حاکم ہوں گے۔" صرف حاکم ہی مجرم نہیں ہیں ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ تو فرمایا لمبی ہو گئیں ان کی عمریں اور ان کے دل سخت ہو گئے ﴿وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور ان کی اکثریت نافرمان ہے ﴿اِعْلَمُوْٓا﴾ جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ بارشیں نہ ہوں تو زمین خشک ہو جاتی ہے کوئی چیز اس میں نہیں اگتی وہ مردہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بارش ہوتی ہے زمین تر ہو جاتی ہے، چیزیں اگتی ہیں وہ زندہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مردہ دلوں پر رب کی وحی کی بارش ہوتی ہے دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تحقیق ہم نے بیان کیں تمھارے لیے آیتیں تاکہ تم سمجھو ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ﴾ بے شک صدقہ کرنے والے مرد ﴿وَالْمُصَّدِّقٰتِ﴾ اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔

صدقہ کی اہمیت اور مفہوم

حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ "بے شک صدقہ ٹالتا ہے مصیبتوں کو۔" یعنی صدقے کی برکت سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ اور ایک روایت میں آتا ہے: اِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ مَيْتَةَ السُّوْءِ "بے شک صدقہ بُری موت کو ٹال دیتا ہے۔" رب تعالیٰ اس کو اچھی موت دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں صدقے کی بڑی ترغیب آئی ہے لیکن ہم لوگوں نے صدقے کا مفہوم نہیں سمجھا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کالی بکری دے دو، کالی سری دے دو بلائیں ٹل جائیں گی۔

یقین جانو! میں کہتا ہوں بے شک یہ بھی صدقہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ صدقہ نہیں ہیں لیکن جس کو شریعت صدقہ کہتی ہے یہ وہ نہیں ہے۔ شریعت کی زبان میں صدقہ ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا۔ اب اگر کسی بے چارے کو کپڑے کی ضرورت ہے، جوتوں کی ضرورت ہے تم اس کو کالی سری دیتے ہو، پاؤ گوشت دیتے ہو، وہ اس کا کیا کرے گا؟ اس کے بچے پڑھتے ہیں اس کو کتابوں کی ضرورت ہے، وہ بیمار ہے اس کو دوائی کی ضرورت ہے تم نے کالی سری اس کے حوالے کر دی وہ اس کا کیا کرے گا؟ صدقہ نام ہے غریب کی ضرورت پوری کرنے کا۔ اگر اس کے پاس کپڑے نہیں ہیں اس کو کپڑے لے کر دو، جوتا نہیں ہے جوتا لے کر دو، بیمار ہے علاج کرا دو، اس کے بچوں کو کتابوں کی ضرورت ہے کتابیں لے کر دو۔ بہترین صدقہ نقد پیسا دینا ہے۔ اس کی جو ضرورت ہوگی وہ لے لے گا۔ اور صدقے کا ڈھنڈورا بھی نہیں پیٹنا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دائیں ہاتھ سے دے بائیں کو پتا نہ چلے۔ آج تو ہم مطمئن ہی نہیں ہوتے جب تک گلی میں دیگیں نہ کھڑکیں اور سارے محلے کو علم نہ ہو۔ بڑا مجاہد آدمی ہے جوان چیزوں کی پروانہ کرے اور بدعات سے پرہیز کرے۔ تو فرمایا صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں ﴿وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور جنھوں نے قرض دیا اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا ﴿یُّضٰعَفُ لَهُمْ﴾ بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے۔ ایک کے بدلے دس گنا اجر ملے گا اور فی سبیل اللہ کی مد میں دے گا تو سات سو گنا اجر ملے گا ﴿وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے اجر ہے بہت عمدہ۔ دینی مدارس میں جو بیرونی بچے پڑھتے ہیں، بچیاں پڑھتی ہیں ان کے مصارف میں روٹی، کپڑا ہے، کتابیں ہیں، علاج معالجہ ہے۔ ان کے واسطے تم دانے بھیجو، چاول دو، سبزی، گھی، چینی دو، اپنی ہمت کے مطابق جو تمھارے پاس ہو ان کی خدمت کرو یہ تمھارا صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اللہ تعالیٰ تمھیں اجر دیتا رہے گا۔

فرمایا ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ رُسُلِهٖۤ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں سچے جنھوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا ﴿وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور یہی لوگ گواہ ہیں اپنے رب کے ہاں، سچی گواہی دیں گے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳ میں ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا﴾ "اور اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور اللہ تعالیٰ کا رسول تم پر گواہی دے۔"

قیامت والے دن اس آخری امت کے لوگ پہلی امت کے لوگوں پر بطور گواہ پیش ہوں گے اور آنحضرت ﷺ اس آخری امت پر گواہ ہوں گے اور ان کی گواہی پر رب تعالیٰ فیصلے فرمائیں گے۔ ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ﴾ ان کے لیے ان کا اجر ہے ﴿وَ نُوْرُهُمْ﴾ اور ان کی روشنی ہے جس کے ذریعے پل صراط کو عبور کریں گے۔ ان کے برخلاف ﴿وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ توحید، رسالت، قیامت کو جھٹلایا احکامِ الٰہی کو جھٹلایا، شریعت کو سچا نہیں تسلیم کیا ﴿اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخی۔ شعلوں والی آگ میں پڑنے والے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

﴿اِعْلَمُوْۤا﴾ جان لو ﴿اَنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی ﴿لَعِبٌ﴾ کھیل ہے ﴿وَّ لَهْوٌ﴾ اور تماشا ہے ﴿وَّ زِیْنَةٌ﴾ اور زینت ہے ﴿وَّ تَفَاخُرٌۢ﴾ اور ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے ﴿بَیْنَكُمْ﴾ آپس میں ﴿وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ﴾ اور بہتات ڈھونڈنی ہے مال میں ﴿وَ الْاَوْلَادِ﴾ اور اولاد میں ﴿كَمَثَلِ غَیْثٍ﴾ جیسے مثال ہے بارش کی ﴿اَعْجَبَ الْكُفَّارَ﴾ تعجب میں ڈالا ہے جاٹوں کو ﴿نَبَاتُهٗ﴾ اس کے سبزے نے ﴿ثُمَّ یَهِیْجُ﴾ پھر وہ

خشک ہو جاتا ہے ﴿فَتَرٰىهُ﴾ پس آپ دیکھتے ہیں اس کو ﴿مُصْفَرًّا﴾ زرد ﴿ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا﴾ پھر وہ ہو جاتا ہے چورا چورا ﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ﴿عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ عذاب ہے سخت ﴿وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور بخشش ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَرِضْوَانٌ﴾ اور رضا ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ﴿اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ مگر دھوکے کا سامان ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ﴾ جلدی کرو بخشش کی طرف ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿وَجَنَّةٍ﴾ اور جنت کی طرف ﴿عَرْضُهَا﴾ جس کا عرض ﴿كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ زمین اور آسمان کے عرض کی طرح ہے ﴿اُعِدَّتْ﴾ تیار کی گئی ہے ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں پر ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿مَآ اَصَابَ﴾ نہیں پہنچتی ﴿مِنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ کوئی مصیبت ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تمھارے نفسوں میں ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ مگر وہ درج ہے کتاب میں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ پہلے اس سے کہ ہم اس کو ظاہر کریں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِعْلَمُوْٓا﴾ جان لو۔ ظاہر بات ہے کہ جس چیز کے بارے میں رب تعالیٰ فرمائیں جان لو تو اس بات کی طرف غور وفکر کرنا چاہیے کہ رب تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔ پھر ﴿اَنَّمَا﴾ کا لفظ بڑی تاکید کے لیے آتا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے پختہ بات ہے اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے۔ جان لو پختہ بات ہے ﴿الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ کھیل آدمی خود کھیل رہا ہوتا ہے اور تماشا کنارے پر کھڑے تماشائی دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں نے اچھا کھیل کھیلا ہے وہ جیت رہا ہے اور فلاں ہار گیا ہے۔ اسی طرح دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے مربع دیئے (اراضی دی)، کسی کو سونا چاندی اور دولت دی، کسی کو کارخانے فیکٹریاں دیں، گاڑیاں دیں اور بڑا کچھ دیا۔ وہ اس میں کھیل رہے ہیں اور ہم تماشائی ہیں دیکھتے ہیں کہ فلاں زمین والا ہے، فلاں فیکٹری والا ہے، فلاں کارخانے والا ہے۔ فرمایا دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے ﴿وَّزِيْنَةٌ﴾ اور زینت ہے ﴿وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ﴾ اور ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے آپس میں۔

ایک دوسرے پر فخر کرنا

کوئی کہتا ہے میں سید ہوں، کوئی کہتا ہے میں جاٹ ہوں، کوئی کہتا ہے میں مغل ہوں۔ برادریوں کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں، مال ودولت کے لحاظ سے فخر کرتے ہیں، حسن وجمال کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔ یہی قصے ہیں ساری دنیا میں۔

یاد رکھنا! کسی کو حقیر نہ سمجھو، کسی کا بنانا اپنے اختیار میں نہیں ہے سب کو رب تعالیٰ نے بنایا ہے، کسی کو بڑا قد، کسی کو چھوٹا قد، کسی کو گورا، کسی کو کالا، لہٰذا کسی کے ساتھ مذاق نہ کرو۔ کسی کے اختیار میں ہوتو کوئی لنگڑا، لولا، کانا اور اندھا پیدا نہ ہو ﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ "اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔" بلکہ اپنے سے چھوٹے قد والے کو دیکھو تو الحمد للہ! کہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑا قد دیا ہے۔ نابینے کو دیکھو تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بینا پیدا فرمایا ہے، لولے لنگڑے کو دیکھو تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح وسالم پیدا فرمایا ہے، رب تعالیٰ نے مکان دیا ہے تو خدا کا شکر ادا کرو۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو سخت سردی کے موسم میں سڑکوں پر رات گزارتے ہیں۔ تنکے اکٹھے کر کے ان کو جلا کر رات گزارتے ہیں۔ شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مکان عطا کیا ہے۔

تو فرمایا دُنیا کی زندگی کھیل تماشا اور زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے آپس میں ﴿وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ اور بہتات ڈھونڈنی ہے مال میں اور اولاد میں۔ مال ودولت کی کثرت طلب کرنا ہے۔ رب تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمایا اس زندگی کی مثال کیسی ہے ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ﴾ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بارش کی ﴿أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ﴾ کفّار کافر کی جمع ہے۔ کفر کے کئی معانی آتے ہیں۔ ایک معنیٰ ہے چھپانا۔ کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کہ وہ دانے، بیج زمین میں چھپاتا ہے، رب اگاتا ہے۔ تو یہاں کفار سے مراد جاٹ ہیں۔ تعجب میں ڈالا ہے جاٹوں کو اس کے سبزے نے۔ بارش ہونے کے بعد فصلیں ہوتی ہیں، زمین ہری بھری ہو جاتی ہے، جاٹ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے ﴿ثُمَّ يَهِيجُ﴾ پھر وہ سبزہ خشک ہو جاتا ہے ﴿فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا﴾ پس آپ دیکھتے ہیں اس کو زرد۔ پھر اس کو کاٹتے ہیں اور گاہتے ہیں ﴿ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا﴾ پھر وہ ہو جاتا ہے چورا چورا۔

ایک وقت تھا سبزہ تھا جاٹ دیکھ کر اس کو خوش ہوتا تھا۔ لیکن سبزہ ہمیشہ تو نہیں رہتا اپنے وقت پر زرد ہو کر چورا چورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اے انسان تو نے بھی ہمیشہ جوان نہیں رہنا وقت پر بوڑھا ہو جائے گا پھر وقت آئے گا کسی کے سہارے چلے گا پھر اس لاش کو دفن کر دیا جائے گا۔ اگر کفر، شرک کی حالت میں مرا ہے تو جان نکالتے وقت فرشتے منہ پر ہتھوڑے ماریں گے پشت پر ماریں گے ﴿يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾ [الانفال: ۵۰] اور کہیں گے ﴿أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ﴾ "کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿قَالُوا﴾ وہ کہیں گے ضَلُّوا عَنَّا وہ ہمیں نظر نہیں آ رہے۔" یہ ساری گفتگو فرشتوں کی مرنے والے کے ساتھ نزع کے وقت ہوتی ہے۔ ماں باپ، بیٹا، خاوند، بھائی، عزیز رشتہ دار، ڈاکٹر، پھونکنے والے مولوی سب وہیں کھڑے ہوتے ہیں مگر کوئی نہیں سنتا اور فرشتے جان نکال کر لے جاتے ہیں ﴿وَفِي الْآخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ﴿عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ عذاب ہے سخت۔ اور یاد رکھو! ﴿وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللّٰهِ﴾ اور بخشش ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے اور قیامت کو حق مانتا ہے ﴿وَرِضْوَانٌ﴾ اور رضا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا مرتے وقت اس کو فرشتے کہتے ہیں: "أُخْرُجِي إِلَى رِضْوَانِ اللّٰهِ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" "اے پاکیزہ

روح نکل آ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طرف۔"

دنیا دھوکے کا گھر ہے

فرمایا ﴿وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ اس میں الجھ کر نہ رہ جانا۔ انسان دنیا میں آسائش اور آرام کے لیے بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے۔ بڑی بڑی مضبوط عمارتیں تعمیر کرتا ہے مگر وہ نہ تو مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور نہ موت سے بھاگ سکتا ہے تو دنیا کا یہ سارا ساز وسامان محض دھوکا محسوس ہوتا ہے۔ اور جب آخرت میں جاتا ہے تو وہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ دنیا کا سامان تو محض دھوکا ہے اس میں الجھ کر نہ رہ جانا۔ مسافر کو سفر میں سہولتیں دیکھ کر اپنا گھر نہیں بھولنا چاہیے۔

مثلاً: کوئی دیہاتی کچے مکان میں رہنے والا یا کوئی پکھی واس (بے گھر) خیمے میں رہنے والا، کچی سڑکوں اور پگڈنڈیوں پر چلنے والا شہر آئے اور بہترین بلڈنگیں دیکھے، عمدہ عمارتیں اور پکی سڑکیں دیکھے، اسٹیشن اور ائیر پورٹ دیکھے، نہانے دھونے کی سہولتیں دیکھے اور وہیں دل لگا کر بیٹھ جائے اور اپنے کچے مکان کو بھول جائے اور بیوی بچوں کی طرف واپس نہ لوٹے تو وہ بڑا بے غیرت اور کمینہ آدمی ہے کہ یہاں سہولتیں دیکھ کر اپنا سب کچھ بھلا بیٹھا ہے۔ اور پھر یہ چیزیں اس کو مل تھوڑا جاتی ہیں؟ یہ تو دھوکے میں مبتلا ہو گیا ہے یہ نادان ہے اس کو کوئی بھی اچھا نہیں کہے گا۔ اس کو کہیں گے اپنے گھر جاؤ وہاں تمھارے بیوی بچے، عزیز رشتہ دار ہیں۔

اسی طرح یاد رکھو! ہم سب مسافر ہیں دنیا میں۔ اصل گھر آخرت کا ہے مومن کے لیے جنت میں اور مشرک کافر کا دوزخ میں ہے۔ دنیا کی خوش نما چیزیں دیکھ کر دھوکے میں نہ پڑو اور اپنا اصل گھر نہ بھلاؤ۔ اور کہاوت ہے کہ "گھر خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔"

تو فرمایا نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان لہٰذا ﴿سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ﴾ جلدی کرو اپنے رب کی بخشش کی طرف ﴿وَجَنَّۃٍ﴾ اور جنت کی طرف جلدی کرو، سبقت لے جاؤ، دوسروں سے آگے بڑھ جاؤ ﴿عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ اس کی چوڑائی اتنی ہے جیسے آسمان اور زمین کی چوڑائی ہے۔ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی چوڑائی کتنی ہے اس سے اس کی لمبائی کا اندازہ خود لگا لو:

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ہٰذا ہر آدمی کو نیکیوں میں دوڑ لگانی چاہیے کہ کوئی دوسرا مجھ سے آگے نہ نکل جائے ﴿اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ یہ جنت تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ﴿بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ﴾ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر۔ فرمایا یاد رکھو! ﴿ذٰلِکَ﴾ یہ ایمان ﴿فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور دنیا اسے دیتا ہے جو طالب ہوتا ہے۔ جس خوش نصیب کو یہ دولت اور سعادت حاصل ہوتی ہے اس کو کروڑ ارب دفعہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نیک بختی کے ظاہری اسباب

یہ ہیں کہ آدمی نیکوں کی صحبت اختیار کرے، اچھے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت دیں گے۔ اگر دور رہے گا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کالا بلال (رضی اللہ عنہ) پیغمبر علیہ السلام کی صحبت میں آیا جنت کا وارث بن گیا، ابوجہل، ابولہب قریب نہیں آئے ضد پر اڑے رہے، محروم ہو گئے باوجود رشتہ دار ہونے کے۔ تو اچھی مجلس اثر کرتی ہے لہٰذا دوستوں بُرے کے قریب نہ پھٹکو اور اچھی مجلسوں میں بیٹھا کرو وہ نیکی کا سبب بنیں گی۔ وہ نماز کی طرف جائیں گے تمھیں بھی ساتھ لے جائیں گے، وہ روزہ رکھیں گے انہیں دیکھ کر تمھیں بھی ترغیب ہوگی کہ میں بھی روزہ رکھوں۔

تو فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے جو فضل کا طالب ہوتا ہے اس پر فضل کرتا ہے اور ایمان کی دولت سے نوازتا ہے اور ایمان والا سمجھے کہ میں سب سے بڑا مال دار ہوں۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر کرے۔ سعادت مند ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا۔ پھر جو ایمان لاتے تھے ان کو بڑی تکلیفیں بھی اٹھانا پڑتی تھیں کیونکہ جو چیز قیمتی ہوتی ہے اس کی قیمت بھی بڑی ہوتی ہے مفت میں نہیں ملتی۔ ایمان کے لیے بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور یہ سب کچھ پہلے لکھا ہوا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمھارے نفسوں میں ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ مگر وہ درج ہے کتاب میں، لوح محفوظ میں۔ ہم تو موروثی مسلمان ہیں، ہمارے باپ دادا مسلمان تھے ہم مسلمان ہیں، ہمیں اسلام کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اسلام کی قدر بلال (رضی اللہ عنہ) سے پوچھو جس کی ٹانگوں میں رسی ڈال کر پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا تھا اور کہتے تھے کلمہ چھوڑ دے۔ یہ جواب میں کہتے کلمہ چھوڑ دوں یہ نہیں ہو سکتا۔ اور خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا آقا ابی بن خلف بڑا ظالم جابر آدمی تھا۔ کوئلے سلگا کر ان کی پشت ننگی کر کے ان کو اوپر لٹا دیتا تھا اور ان کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا کلمہ چھوڑ دے تب چھوڑوں گا۔ جسم سے رطوبت نکل کر کوئلوں، انگاروں کو ٹھنڈا کرتی، ان کی پشت پر گڑھے پڑے ہوئے تھے مگر انھوں نے کلمہ نہیں چھوڑا۔

ہمیں کلمہ مفت میں ملا ہے ہم نے کون سی محنت کی ہے اور تکلیف اٹھائی ہے؟ تو فرمایا نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمھارے نفسوں میں مگر وہ درج ہے کتاب لوح محفوظ میں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ پہلے اس سے کہ ہم اس کو ظاہر کریں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھا ضمیر زمین کی طرف لوٹتی ہے۔ تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ پہلے اس سے کہ ہم زمین کو پیدا کریں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ ھا ضمیر ﴿اَنْفُسِكُمْ﴾ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پھر معنیٰ ہوگا تمھاری جانوں کو پیدا کرنے سے پہلے جو تکلیف تمھیں پہنچتی ہے لکھ دی جاتی ہے کہ فلاں وقت اس بندے کو یہ تکلیف آئے گی۔ وہ تکلیف چاہے دین، ایمان کے سلسلے میں ہو، اچھے کاموں کے سلسلے میں ہو مومن کو جو تکلیف آتی ہے وہ رفع درجات کا ذریعہ بنتی ہے یا گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیوبند کے مدرس تھے، شیخ الحدیث تھے۔ وہ فرماتے ہیں اَلْحَرُّ وَالْقَرُّ يُكَفِّرَانِ الذُّنُوْبَ " مومن کو جو گرمی، سردی لگتی ہے اور اس کی وجہ سے جو تکلیف ہوتی ہے اس سے بھی گناہ

معاف ہوتے ہیں۔“ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

﴿مَاۤ اَصَابَ﴾ نہیں پہنچتی ﴿مِنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ کوئی مصیبت ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تمھاری جانوں میں ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ مگر وہ درج ہے کتاب میں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ پہلے اس سے کہ ہم اس کو پیدا کریں ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ چیز اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا﴾ تا کہ تم غم نہ کھاؤ ﴿عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ اس چیز پر جو تم سے فوت ہو چکی ہے ﴿وَلَا تَفْرَحُوْا﴾ اور نہ گھمنڈ کرو ﴿بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ﴾ اس چیز پر جو اس نے تمھیں دی ہے ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ﴿كُلَّ مُخْتَالٍ﴾ کسی بھی اترانے والے کو ﴿فَخُوْرٍ﴾ فخر کرنے والے کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿يَبْخَلُوْنَ﴾ جو بخل کرتے ہیں ﴿وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ﴾ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو ﴿بِالْبُخْلِ﴾ بخل کا ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ﴾ اور جس شخص نے اعراض کیا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الْغَنِيُّ﴾ وہ بے پروا ہے ﴿الْحَمِيْدُ﴾ تعریفوں والا ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ البتہ تحقیق بھیجے ہم نے ﴿رُسُلَنَا﴾ اپنے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل دے کر ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور اتاری ہم نے ان کے ساتھ کتابیں ﴿وَالْمِيْزَانَ﴾ اور ترازو ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ﴾ تا کہ قائم رکھیں لوگ ﴿بِالْقِسْطِ﴾ انصاف کو ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ اور اُتارا ہم نے لوہا ﴿فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ اس میں لڑائی ہے سخت ﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور فائدے ہیں لوگوں کے لیے ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ﴾ اور تا کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ﴿مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی ﴿وَرُسُلَهٗ﴾ اور اس کے رسولوں کی ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بغیر دیکھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿قَوِيٌّ﴾ قوی ہے ﴿عَزِيْزٌ﴾ غالب ہے ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ﴿نُوْحًا﴾ نوح علیہ السلام کو ﴿وَّاِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کو ﴿وَجَعَلْنَا﴾ اور رکھی ہم نے ﴿فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ﴾ ان دونوں کی اولاد میں نبوت ﴿وَالْكِتٰبَ﴾ اور کتاب ﴿فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ﴾ پس بعض ان میں سے ہدایت پانے والے ہیں ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ﴾ اور اکثریت ان میں سے ﴿فٰسِقُوْنَ﴾ نافرمان ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ﴾ نہیں پہنچتی کوئی تکلیف ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں۔ کسی وقت زلزلہ آجاتا ہے، کسی وقت سیلاب اور کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصلیں نہیں اُگتیں۔ بعض علاقوں میں زمین سے لاوے پھٹتے ہیں اور لوگ تباہ ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ دیہات زمین میں دھنس جاتے ہیں ﴿وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور نہ تمھاری جانوں کو کوئی

مصیبت پیش آتی ہے۔ بیماری کی ہو، زخمی ہونے کی ہو، موت کی ہو، دشمن کی طرف سے خطرات ہوں، یہ جتنی بھی تکلیفیں ہیں نہیں پیش آتیں ﴿اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ﴾ مگر وہ درج ہیں کتاب لوح محفوظ میں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ پہلے اس سے کہ ہم اس کو ظاہر کریں۔ زمین کو پیدا کرنے سے پہلے لکھی ہوئی ہیں۔

یہ تفسیر بھی ہے کہ تمھاری جانوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھی ہوئی ہیں اور یہ تفسیر بھی ہے کہ مصیبت کے ظاہر ہونے سے پہلے وہ مصیبت لکھی ہوئی ہے ﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بے شک یہ چیز کہ ظاہر ہونے سے پہلے لکھ دینا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

مسئلۂ تقدیر کی تفصیلی وضاحت

مسئلۂ تقدیر بھی سمجھ لیں۔ مسئلہ تقدیر حق ہے مشکل بھی ہے اور آسان بھی ہے۔ اور مسئلہ تقدیر میں مسلمان کہلانے والوں نے انتہائی افراط وتفریط سے کام لیا ہے۔ ایک فرقہ ہے معتزلہ، جو پہلے بھی تھا اور آج بھی موجود ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہیں اور نماز روزہ بھی ہم سے زیادہ کرتے ہیں مگر تقدیر کے منکر ہیں۔ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا یہ سب کچھ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور اب اس کے مطابق ہو رہا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی شے نہیں ہے جو بندے اب کر رہے ہیں وہ فرشتے لکھ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نیکی بدی سب کچھ پہلے سے لکھے ہوئے ہیں اور ہم نے وہی کرنے ہیں تو پھر ہمارا اس میں کیا دخل ہے اور ہمارا اس میں کیا قصور ہے۔ پھر نیکی پر ہمیں ثواب کیوں ملتا ہے اور بدی پر سزا کیوں ملتی ہے؟ ہم نے تو لکھا ہوا کیا ہے اس لیے ہم تقدیر کو نہیں مانتے۔ یہ منکرین تقدیر ہیں ان کو قدریہ کہتے ہیں۔ دوسرا فرقہ ہے جبریہ۔ وہ کہتے ہیں کہ سب کچھ پہلے سے لکھا ہوا ہے اور ہم مجبور ہیں ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے جو لکھا ہوا ہے وہ ہم نے کرنا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ پھر جزا، سزا کیسی ہے، کیوں ہے جب اللہ تعالیٰ نے سب کو مجبور کر دیا ہے نیکی اور بدی کرنے پر؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ رب تعالیٰ نے اپنی صفات کے اظہار کے لیے کچھ بندوں کو بدی کے لیے پیدا کیا ہے اور کچھ بندوں کو نیکی کے لیے پیدا کیا ہے۔ رب تعالیٰ کی صفات میں سے قہار بھی، جبار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ بندوں کو سزا دینے کے لیے پیدا کیا ہے انھوں نے بدی کے کام کرنے ہیں۔ اور وہ غفار اور ستار بھی ہے کچھ بندے اس نے انعام دینے کے لیے پیدا کیے ہیں انھوں نے نیکی کے کام کرنے ہیں۔ جو گناہ کر رہے ہیں وہ پہلے سے لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے گناہ کرنے ہیں ان کو دوزخ میں پھینکے گا اور جو نیکی کر رہے ہیں پہلے سے لکھا ہوا ہے کہ انھوں نے نیکی کرنی ہے ان کو جنت میں داخل کرے گا تاکہ اس کی صفات کا اظہار ہو۔ یہ جبریہ فرقہ ہے۔

منکرین حدیث کا مسئلہ تقدیر کا انکار کرنا

اور منکرین حدیث نے بھی تقدیر کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مولویوں نے بنائی ہے عجمی سازش ہے۔ تقدیر کوئی شے ہوتی تو اس کا قرآن میں ذکر ہوتا۔

اس کے متعلق غلام احمد پرویز نے بہت کچھ بکواس کی ہے۔ الحمد للہ! میں نے اپنی کتاب "انکار حدیث" میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس کا رد کیا ہے۔ میں نے کہا کہ تم قرآن پڑھو سمجھو تو تمھیں علم ہو کہ قرآن میں کیا ہے؟ تمھیں صرف قرآن کا نام ہی آتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا قرآن پاک میں نہیں ہے ﴿وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ [فرقان: ۲] "اور پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پس مقرر کی ہر چیز کی تقدیر۔" تو تقدیر کا لفظ قرآن مجید میں موجود ہے اور احادیث میں بھی موجود ہے۔ اور ہمارے ایمان میں ہے وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ تقدیر کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نیکیاں ہی کرے اور ایک بھی بدی نہ کرے اور سونے کے پہاڑ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دے تو قبول نہیں ہوں گے جب تک تقدیر کے مسئلے پر ایمان نہیں رکھے گا۔ تو تقدیر کا مسئلہ حق ہے۔

مسئلہ تقدیر بارے میں اہل حق کا نظریہ

اہل حق کا یہی نظریہ ہے، اس کا انکار کرنا بے دینی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ جب سب کچھ لکھا ہوا ہے تو بندہ تو وہی کرے گا جو لکھا ہوا ہے تو اس کے متعلق متکلمین حضرات فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اس نے اپنے علم کی بنا پر سب کچھ لکھ دیا ہے کہ کس بندے نے اپنی مرضی اور اختیار سے کیا کرنا ہے۔ چونکہ وہ تو ازل، ابد کو جانتا ہے اس کو علم تھا کہ فلاں شخص اپنی مرضی اور اختیار سے جو میں نے اس کو دیا ہے کہ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکھف: ۲۹] "پس جو شخص چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فلاں شخص کفر اختیار کرے گا اور فلاں شخص اپنی مرضی اور اختیار سے ایمان لائے گا۔ فلاں نیکی کرے گا اور فلاں بدی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے سب کچھ لکھ دیا ہے اور اب سب کچھ اس تحریر کے مطابق ہو رہا ہے۔ تو انسان نے اپنی مرضی اور ارادے سے سب کچھ کرنا ہے۔ نیکی اور بدی میں اس کی مشیت اور ارادے کا دخل ہے مجبور محض نہیں ہے۔ تو مسئلہ تقدیر پر ایمان رکھنا ہے۔ کیونکہ جب تک عقیدہ صحیح نہیں ہوگا تو پھر کوئی شے صحیح نہیں ہے۔

فرمایا ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا﴾ تاکہ تم غم نہ کھاؤ، افسوس نہ کرو ﴿عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ اس چیز پر جو تم سے فوت ہو گئی ہے، تمھارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ یہ سمجھو کہ تقدیر میں ایسا ہی تھا ﴿وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ﴾ اور نہ اتراؤ، گھمنڈ نہ کرو اس چیز پر جو تم کو دی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ میری لیاقت اور قابلیت کی وجہ سے مجھے ملی ہے۔ بلکہ کہو کہ تقدیر میں میرے لیے تھا اس لیے مجھے مل گئی ہے۔ تقدیر ماننے کا فائدہ بتلایا کہ فوت شدہ پر افسوس نہ کرو اور ملنے پر اتراؤ نہ۔ بعض دفعہ آدمی بڑی محنت کرتا ہے مگر نقصان ہوتا ہے تو اس کو افسوس کرنے کے بجائے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ چیز میری قسمت میں نہیں تھی، نہیں ملی۔ اور بعض دفعہ محنت تھوڑی ہوتی ہے اور مل زیادہ جاتا ہے تو قارون کی طرح یہ نہ کہے ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ [القصص: ۷۸] "بے شک دی گئی ہے مجھے یہ دولت علم کی بنا

پر، ہنر کی بنیاد پر۔" بلکہ یہ کہے کہ تقدیر میں، میری قسمت میں تھا اس لیے مل گیا ہے۔محنت تو کی ہے لیکن اصل چیز تقدیر ہے۔

تو فرمایا جو چیز تمھیں رب تعالیٰ دے اس پر گھمنڈ نہ کرو ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی بھی اترانے والے کو۔ تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، چاہے چال میں ہو، چاہے گفتگو میں ہو، چاہے مال میں، چاہے نشت و برخاست میں ہو۔حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْكِبْرُ رِدَائِيْ "تکبر میری چادر ہے یعنی میری صفت ہے جس نے میرے ساتھ کشمکش کی میں اس کو الٹا کر کے دوزخ میں ڈالوں گا۔" تکبر تو کوئی تب کرے کہ کوئی چیز اس کی ذاتی ہو۔ یہ تو سب کچھ رب تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔اس نے وجود دیا، صحت دی، مال دیا، اولاد دی، اچھے دوست، ساتھی دیئے، حسن دیا اور جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔کسی نے کہا ہے نا :

حسن والے حسن کا انجام دیکھ
ڈوبتے سورج کو وقت شام دیکھ

تو فرمایا اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی اترانے والے کو ﴿فَخُوْرٍ﴾ فخر کرنے والے، شیخی مارنے والے کو۔اپنی برتری کا اظہار کرتا ہے کہ میں ایسا ہوں، میں ایسا ہوں، میں ایسے خاندان کا ہوں، میں جاٹ ہوں، خان ہوں تو ترکھان ہے، موچی ہے۔ بھائی یہ تو پیشے ہیں۔اور کون سا ایسا جائز پیشہ ہے جو پیغمبروں نے اختیار نہیں کیا۔

ہر جائز پیشہ پیغمبروں نے اختیار کیا

آدم علیہ السلام نے کاشت کاری کی ہے، حضرت ادریس علیہ السلام نے کھڈی پر کپڑا بنا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کشتی بنائی ہے، حضرت زکریا علیہ السلام نے ترکھانوں کا کام کیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہاروں کا کام کیا ہے، پیغمبروں نے بکریاں چرائی ہیں۔

ایک موقع پر صحابہ کرام علیہ السلام نے پیلو کے دانے جو اس پر پھل لگتا ہے لا کر پیش کیے۔آپ علیہ السلام نے فرمایا کالے کالے دانے لانے تھے وہ زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ کہنے لگے حضرت! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں آپ کو تجربہ ہے۔فرمایا ہاں! كُنْتُ اَرْعٰى لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلٰى قَرَارِيْط "میں مکے والوں کی بکریاں ٹکے ٹکے پر چراتا تھا۔" اور فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔تو جائز پیشے میں کسی کو حقیر سمجھنا غلط بات ہے۔

طالوت علیہ السلام جن کا نام دوسرے پارے میں آیا ہے وہ تین کام کرتے تھے۔ایک تو دباغ تھے، چمڑا رنگنے کا کام کرتے تھے۔دوسرا کام: ساقی تھے۔مشکیزہ بھر بھر کر لوگوں کے گھروں میں پانی پہنچاتے تھے، ماشکی تھے۔اور تیسرا کام: راعی۔وقت ہوتا تھا تو لوگوں کی بکریاں بھی چراتے تھے۔مزدور پیشہ آدمی کو جو کام مل گیا وہ کرتا ہے۔تو فرمایا اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اترانے والوں کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿يَبْخَلُوْنَ﴾ جو بخل کرتے ہیں۔بخل کا معنیٰ ہے خرچ کرنے کی جگہ رقم نہ خرچ کرنا۔ یا جتنی ضرورت

ہے خرچ کرنے کی اس سے کم خرچ کرنا۔ بعض آدمی ایسے کنجوس ہوتے ہیں کہ اپنے گھر والوں پر بھی خرچ کرنے میں کنجوسی کرتے ہیں باوجود گنجائش ہونے کے ان کو ضرورت کی چیزیں نہیں ملتیں۔ یہ بھی گناہ کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی صفت بیان فرمائی ہے ﴿اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان:٦٧] "جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ہوتی ہے اس کے درمیان ان کی گزران۔" نہ اسراف کرتے ہیں نہ ہاتھ کو روکتے ہیں ضرورت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ تو فرمایا وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں ﴿وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا کہ پیسے نہ خرچ کرو ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّ﴾ اور جس شخص نے اعراض کیا حق کی باتوں سے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ وہ بے پرواہے تعریفوں والا ہے۔ تمھاری عبادتوں کا وہ محتاج نہیں ہے تم نے جو کچھ کرنا ہے اپنے لیے کرنا ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ البتہ تحقیق بھیجے ہم نے اپنے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل کے ساتھ ﴿وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور اتاری ہم نے ان کے ساتھ کتابیں، صحیفے نازل کیے، معجزات دیئے ﴿وَ الْمِيْزَانَ﴾ اور ترازو نازل کی۔ بعض اس کا معنیٰ کرتے ہیں کہ ترازو کا حکم نازل کیا۔ جیسا کہ سورہ رحمٰن میں ہے ﴿وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ "اور قائم رکھو ترازو کو انصاف کے ساتھ۔"

اور یہ بھی تفسیروں میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ترازو لا کر حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھ میں پکڑا دی اور فرمایا کہ یہ ترازو رب تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ان کے ساتھ چیزیں تول کر لوگوں کو دو ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ تاکہ قائم رکھیں لوگ انصاف کو۔ مگر آج لوگوں نے ڈنڈی مارنا پیشہ بنالیا ہے حالانکہ ناپ تول میں کمی بیشی کی وجہ سے مدین قوم تباہ کی گئی کہ وہ کم تولتے تھے اور کم ماپتے تھے کوئی چیز پوری نہیں دیتے تھے۔

لوہے کے منافع

فرمایا ﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ اور اتارا ہم نے لوہا ﴿فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ اس میں سخت لڑائی ہے ﴿وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں۔ آج ساری دنیا لوہے پر چل رہی ہے۔ تفسیر ابن جریر طبری میں روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے جو چیزیں ساتھ لے کر آئے تھے ان میں حجر اسود ہے۔ یہ جنت کے ہیروں میں سے ایک ہیرا ہے۔ بڑا روشن اور چمکیلا تھا فرمایا: سَوَّدَتْهُ خطايا بني ادم "انسانوں کی خطاؤں نے اس کو کالا کر دیا ہے۔" ترمذی شریف کی روایت ہے۔ یوں سمجھو کہ دلوں کی سیاہی اس بے چارے پر پڑ گئی وہ جنت کا ہیرا ہمارے گناہوں سے کالا ہو گیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام حجر اسود جنت سے ساتھ لے کر آئے تھے اور آئرن وہ لوہا جس پر لوہے کو کوٹتے ہیں اور مِطْرَقَةٌ اور ہتھوڑا اور کالبان سَنِّي جس کے ساتھ پکڑتے ہیں یہ بھی جنت سے ساتھ لے کر آئے تھے۔

تو فرمایا اس میں سخت گرفت ہے، لڑائی ہے اور لوگوں کے منافع بھی ہیں ﴿وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ

دیکھ لے، یہاں علم ظہور کے معنیٰ میں ہے، کون اللہ تعالیٰ کی مدد کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی ﴿وَرُسُلَهٗ﴾ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے ﴿بِالْغَیْبِ﴾ بغیر دیکھے۔ نہ رب کو دیکھا ہے نہ جنت دیکھی ہے نہ دوزخ دیکھی ہے لیکن یقین رکھتا ہے کہ یہ سب چیزیں حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین پر چلتے ہیں اور اس کے رسولوں کی سنت کو زندہ کرتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قوی ہے غالب ہے۔

اوپر ذکر تھا کہ ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے واضح دلائل دے کر۔ آگے بعض پیغمبروں کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر ﴿وَّاِبْرٰهِیْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ﴾ اور رکھی ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت ﴿وَالْكِتٰبَ﴾ اور کتاب رکھی۔ یہ جتنی آسمانی کتابیں ہیں مثلاً: تورات ہے، زبور ہے، انجیل ہے۔ تورات موسیٰ علیہ السلام کو ملی، زبور داود علیہ السلام کو ملی اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو ملی۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ﴿فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ﴾ پس بعض ان بزرگوں کی اولاد میں ہدایت پانے والے ہیں ﴿وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور اکثریت ان کی اولاد میں سے نافرمان ہے۔ اکثریت کی زندگی فسق و فجور میں گزری۔

﴿ثُمَّ قَفَّیْنَا﴾ پھر پیچھے بھیجے ہم نے ﴿عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ﴾ ان کے نقش قدم پر ﴿بِرُسُلِنَا﴾ اپنے کئی رسول ﴿وَقَفَّیْنَا﴾ اور بھیجا ہم نے ان کے پیچھے ﴿بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ عیسیٰ ابن مریم کو علیہما السلام ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ﴾ اور دی ہم نے ان کو انجیل ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ﴾ اور رکھ دی ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں ﴿اتَّبَعُوْهُ﴾ جنھوں نے اتباع کیا ان کا ﴿رَاْفَةً﴾ نرمی ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور مہربانی ﴿وَرَهْبَانِیَّةَ﴾ اور رہبانیت ﴿ابْتَدَعُوْهَا﴾ جس کو انھوں نے گھڑا ﴿مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ﴾ نہیں لکھی تھی ہم نے ان پر ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرنے کے لیے ﴿فَمَا رَعَوْهَا﴾ پس نہ رعایت کی انھوں نے اس کی ﴿حَقَّ رِعَایَتِهَا﴾ جیسا کہ حق تھا اس کی رعایت کا ﴿فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ﴾ پس دیا ہم نے ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا مِنْهُمْ﴾ جو ایمان لائے ان میں سے ﴿اَجْرَهُمْ﴾ ان کا اجر ﴿وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ﴾ اور بہت سے لوگ ان میں سے ﴿فٰسِقُوْنَ﴾ نافرمان ہیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ڈرو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ﴾ اور ایمان لاؤ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ﴾ دے گا تم کو دہرا اجر ﴿مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت سے ﴿وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا﴾ اور بنائے گا تمھارے لیے نور ﴿تَمْشُوْنَ بِهٖ﴾ چلو گے تم اس کے ذریعے ﴿وَیَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تم کو ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾

رَّحِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿ لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ ﴾ تاکہ نہ جاننے لگیں اہل کتاب ﴿ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ ﴾ یہ کہ نہیں وہ قادر ﴿ عَلٰی شَیْءٍ ﴾ کسی شے پر ﴿ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ﴿ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ﴾ اور بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ﴿ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اسم عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی وضاحت

اس سے پہلے فرمایا کہ ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ ﴾ اور رکھی ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت۔ اب رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا ﴾ قفا کا لفظی ترجمہ ہے گردن کا پچھلا حصہ، گدی۔ تو اس کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی نگاہ گدی پر پڑتی ہے۔ معنیٰ ہوگا ﴿ ثُمَّ ﴾ پھر بھیجے ہم نے ان کے پیچھے ان کے نقش قدم پر اپنے کئی رسول ﴿ وَ قَفَّیْنَا بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ﴾ لفظ عیسیٰ اصل میں عیسو تھا عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں عیسیٰ ہے علیہ السلام۔ اس کا معنیٰ سردار اور مبارک ہے۔ اور مریم کا معنیٰ ہے عابدہ، عبادت کرنے والی۔

عورتوں میں ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ سارے قرآن میں صرف حضرت مریم علیہا السلام کا نام ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جوڑے کا ذکر ہے زَوْجُهَا۔ نوح علیہ السلام کی بیوی کا ذکر ہے اِمرأۃ نوح ، لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر ہے اِمرأۃ لوط، فرعون کی بیوی کا ذکر ہے اِمرأۃ فرعون، عزیز مصر اور اس کی بیوی کا ذکر ہے امرأۃ العزیز۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر ہے، بیٹیوں کا ذکر ہے ﴿ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ ﴾ [سورۃ الاحزاب] لیکن نام کسی کا نہیں ہے۔ عورتوں میں سے نام صرف حضرت مریم علیہا السلام کا ہے۔ اور تیس مرتبہ آیا ہے گویا کہ اوسطاً ایک پارے میں ایک مرتبہ آیا ہے۔ جہاں بھی ذکر آیا ہے عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ آیا ہے، عیسیٰ بیٹے مریم کے۔ کیوں کہ یہ بغیر باپ کے پیدا کیے گئے تھے اس واسطے نسبت والدہ کی طرف کی گئی ہے۔ ورنہ اکیسواں پارہ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا ہے ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ ﴾ "پکارو ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے۔" جب تم نے نسبت کرنی ہے تو باپ کی طرف کرنی ہے۔

آج کئی لوگ مجبوری اور پیار کی وجہ سے کسی کو متبنّیٰ یعنی بیٹا بنا لیتے ہیں، لے پالک جسے کہتے ہیں۔ کاغذات میں اس کے اصل باپ کا نام لکھوانا ہے۔ جس نے بیٹا یا بیٹی بنائی ہے اگر اپنے نام کی طرف منسوب کرے گا تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ یہ ہے کہ اپنے باپ کی نسبت کاٹ کر کسی اور کی طرف نسبت کرنا۔ بلکہ پہلے یہ قرآن کی آیت تھی۔ اب منسوخ التلاوۃ ہے مگر حکم اس کا باقی ہے۔ اور احادیث میں موجود ہے مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ فَقَدْ كَفَرَ "جس نے باپ کے سوا کسی اور کی طرف نسبت کی وہ پکا کافر ہے۔"

(ایک شخص نے سوال کیا حضرت! بعض لوگ بچے پھینک جاتے ہیں جن کا کچھ علم نہیں ہوتا کس کے ہیں؟ جواب میں

فرمایا کہ ان کے متعلق تسلی کرنا چاہیے کہ بچہ کس کا ہے؟ اگر معلوم نہ ہو سکے تو اپنی طرف پھر بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ یہ کہیں کہ کسی کا ہے گرا پڑا ملا تھا ہم پال رہے ہیں، تربیت کر رہے ہیں۔ اپنی طرف منسوب کرنا بڑے گناہوں میں سے ہے۔)

مرزے کا دجل اور خباثت

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا اس لیے نسبت ماں کی طرف کی گئی باپ ہوتا تو نسبت باپ کی طرف ہوتی۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کا دجل اور خباثت بھی سن لو۔ اس نے اپنی کتاب "کشتی نوح" کے صفحہ ۱۶ پر پہلے مولویوں کو گالیاں دی ہیں الف سے لے کر ی تک گالیوں کی تختی پوری کی ہے۔ پھر کہتا ہے مولوی مجھے کہتے ہیں کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم نہیں کرتا حالانکہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی بڑی تعظیم کرتا ہوں، ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی تعظیم کرتا ہوں ان کے والد یوسف نجار کی تعظیم کرتا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کے چھ بہن بھائیوں کی تعظیم کرتا ہوں مجھ سے بڑا تعظیم کرنے والا کون ہے۔ او بے ایمان! اور توہین کس چیز کا نام ہے کہ تو نے یوسف نجار کو ان کا باپ بنا دیا اور چھ بہن بھائی بنا دیئے، یہ تعظیم ہے؟

اور اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' میں لکھتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اور میری آپس میں کیا نسبت جوڑتے ہو عیسیٰ علیہ السلام کی تین دادیاں اور تین نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔ او بے ایمان! اس کا نام تعظیم ہے؟ ان کی دادیاں کہاں سے ڈھونڈ لایا ہے؟ باپ ہو تو دادی ہوتی ہے۔ ان باطل فرقوں نے لوگوں کے ذہن بگاڑ دیئے ہیں۔ پھر باطل پر وہ جتنی کوشش کرتے ہیں ہم تم سے اتنی نہیں ہوتی۔ اوروں کی تو بات چھوڑو یہ ہمارے غیر مقلد حضرات باز نہیں آتے۔ فروعی مسائل کو اچھالتے رہتے ہیں۔ رفع یدین کرو جی، امام کے پیچھے فاتحہ پڑھو، آمین بلند آواز سے کہو، چڈے چوڑے کر کے کھڑے ہو بس۔ یہ ان کے مسائل ہیں اور انھی پر اپنی طاقت خرچ کرتے ہیں۔ او اللہ کے بندو! دنیا میں اور بڑے مسائل ہیں اس وقت لوگ کافر ہو رہے ہیں ان کو کفر سے بچاؤ۔ پھر یہ باطل فرقے جتنی تبلیغ کرتے ہیں ہمارے لوگ نہیں کرتے۔ ہمارے لوگ درگزر کرتے ہیں حالانکہ امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔

تعلیماتِ عیسیٰ علیہ السلام

تو خیر عیسیٰ علیہ السلام کا جب نام آتا ہے تو نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے عیسیٰ ابن مریم کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بڑے نرم مزاج تھے اور تعلیم بھی یہی دیتے تھے۔ چنانچہ انجیل متی اور لوقا میں ہے اگر کوئی تجھ سے کوٹ اتار کر لے جائے تو تم کرتا بھی اتار کر دے دو کہ لو بھئی! یہ بھی لے جاؤ۔ اور اگر کوئی تمھارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو کہ اس پر بھی لگا دو۔ یہ ان کا سبق تھا۔ ان کی طبیعت میں اتنی نرمی تھی مگر آج کے عیسائی بھیڑیے ہیں ان بھیڑیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کی کھیتی چر لی ہے۔ کیا برطانیہ، کیا امریکہ، کیا فرانس اور دوسرے۔ یہ سب بدمعاش ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو خراب کر کے رکھ دیا ہے اور ہم ان کے خصیہ بردار ہیں۔ یہ سب ایمان کی کمزوری ہے کہ ہم ان سے متاثر ہیں اور

امریکہ، امریکہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بھیجا ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ﴾ اور دی ہم نے ان کو انجیل ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ﴾ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں ﴿اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً﴾ جنھوں نے ان کی پیروی کی نرمی اور رحمت ان کے دلوں میں رکھ دی ﴿وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا﴾ اور رہبانیت جس کو انھوں نے گھڑا۔ رہبانیت ترک دنیا کو کہتے ہیں۔ تارک دنیا بنے۔ یہ ترک دنیا کے قصے خود انھوں نے گھڑے ﴿مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ﴾ نہیں لکھی ہم نے ان پر رہبانیت۔ یہ انھوں نے خود گھڑی۔ کیوں گھڑی؟ ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرنے کے لیے انھوں نے رہبانیت گھڑی لیکن ﴿فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا﴾ پس نہ رعایت کی انھوں نے اس کی جیسا کہ حق تھا اس کی رعایت کرنے کا۔ رہبانیت کا معنٰی ہے ترک لذات اور ترک نکاح۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض پیروکاروں نے کاروبار چھوڑا، بیوی بچوں کو چھوڑا اور جنگلوں میں جا کر ڈیرے لگا لیے۔ وہیں کٹیا بنا کر عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ گوشت، انڈے، مچھلی وغیرہ کا کھانا ترک کر دیا۔ کسی نے بکری رکھ لی اس کا دودھ پی کر گزارا کر لیا، کسی نے جڑی بوٹیاں کھا کر وقت گزار لیا، اچھے کپڑے پہننا ترک کر دیئے۔ اور پھر اس پر سارے قائم بھی نہ رہ سکے کئی برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔ تو یہ رہبانیت انھوں نے خود گھڑی جیسے آج اہل بدعت نے بدعات خود گھڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ ہم نے ان پر نہیں لکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو پیغمبروں کو حکم دیا ﴿یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [مومنون:۵۱] "اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک۔" نہ گوشت حرام ہے، نہ انڈا اور مچھلی حرام ہے۔ اور فرمایا ﴿خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الاعراف:۳۱] "اختیار کرو اپنی زینت ہر نماز کے وقت۔" صاف ستھرا لباس پہن کر مسجدوں میں جاؤ۔ یہ جو مسجدوں میں ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں یہ پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ نماز تو ہو جاتی ہے مگر مکروہ ہے۔ مسجد میں ایسے لباس کے ساتھ جانا چاہیے جو پہن کر آدمی عزیز رشتہ داروں کے پاس جا سکے، بازار جا سکے۔

غیر مقلدوں کے گھر کی گواہی

اور ننگے سر نماز پڑھنا گناہ ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس پر اہل حدیث حضرات کے بزرگوں کے فتوے بھی موجود ہیں۔ عورتوں اور مردوں کی نماز کا بھی فرق ہے، فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ثابت ہے۔ یہ سب غیر مقلدین حضرات کے فتاویٰ ہیں۔ اتمام حجت کے لیے میں نے طبع کرائے تھے اگر کسی ساتھی کے پاس نسخہ ہو تو لے کر پڑھ لینا۔ مگر گکھڑ والے اتنے کنجوس ہیں کہ کتاب خریدنے کا نام تک نہیں لیتے۔ میری کتابیں گکھڑ میں طبع ہوئی ہیں لیکن میرے علم میں نہیں ہے کہ انھوں نے کوئی کتاب خریدی ہو۔ بھائی! یہ کتابیں تمھارے پڑھنے کے لیے ہیں، تمھارے نفع کے لیے ہیں، تمھارے گھروں میں ہونی چاہئیں۔ پڑھو تو تمھیں علم ہو کہ توحید کیا ہے، سنت کیا ہے۔ نہ تمھارے پاس "گلدستہ توحید" ہو گی

"نہ راہ سنت" ہوگی ناول ہوں گے تمھارے گھر میں۔

تو خیر جس طرح اہل بدعت نے یہ بدعات خود گھڑی ہیں، عرس، میلاد، گیارھویں، تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں، برسی ہے، پھران کو فرض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب ہندوؤں کی رسمیں ہیں کوئی شریعت کا حکم نہیں ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے رہبانیت گھڑی تھی لیکن اس پر قائم نہ رہ سکے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے پاس عورتوں کا آنا جانا ہوگیا تو خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ اپنی حلال کی چھوڑیں حرام میں مبتلا ہو گئے۔ حلال کا رزق چھوڑا چوروں، ڈاکوؤں نے چوری کر کے، ڈاکے مار کے جو نذرانے دیئے وہ کھانے شروع کر دیئے۔ یہ کون سی عبادت ہے؟

تو فرمایا رہبانیت انھوں نے خود گھڑی اور اس کی رعایت نہ کر سکے ﴿فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ﴾ پس دیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان میں سے ﴿اَجْرَهُمْ﴾ ان کا اجر۔ جو ان میں سے مخلص تھے، مومن تھے ان کو اجر ملے گا ﴿وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور بہت سے لوگ ان میں سے نافرمان ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ چوں کہ پہلے ذکر نصاریٰ کا آرہا ہے اس لیے معنیٰ کرتے ہیں اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ڈرو اللہ تعالیٰ سے صحیح معنیٰ میں، اپنی طرف سے باتیں نہ بناؤ ﴿وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ﴾ اور ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ﴿یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ﴾ دے گا تمھیں اللہ تعالیٰ دُہرا اجر۔ ایک اجمالی ایمان کی وجہ سے اور ایک تفصیلی ایمان کی وجہ سے۔ کیوں کہ جو صحیح عیسائی تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اجمالی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے تھے کیوں کہ ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر تھا، تورات میں بھی اور انجیل میں بھی۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۷ پارہ ۹ میں ہے ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾ "جس کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔" اب وہ تشریف لے آئے ہیں ان پر ایمان لے آؤ تو یہ تمھارا ایمان تفصیلی ہوگا۔ ایمان بھی، اجر بھی ڈبل ﴿مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت سے دُہرا اجر دے گا ﴿وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا﴾ اور بنائے گا تمھارے لیے نور ﴿تَمْشُوْنَ بِهٖ﴾ چلو گے تم اس نور ایمان، نور توحید کے ذریعے ﴿وَ یَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کر دے گا ﴿وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ نبی ہم نے کیوں بھیجا اور کیوں کہتے ہیں کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔ اس لیے بھیجا ہے ﴿لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ تا کہ نہ جاننے لگیں، نہ سمجھنے لگیں اہل کتاب ﴿اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ﴾ اب وہ کسی چیز پر قادر نہیں ہیں ﴿مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری طرف تو پیغمبر آیا ہی نہیں ہم کس طرح مانتے؟ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا اور ان کو ایمان لانے اور تصدیق کرنے پر قدرت ہے ایمان لے آئیں اللہ تعالیٰ کا فضل وہ اب بھی کما سکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔

بعض مفسرین نے ﴿لِّئَلَّا﴾ میں جو لام ہے اس کو زائد قرار دیا ہے اور معنیٰ کرتے ہیں تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ وہ نہیں قدرت رکھتے کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ فضل تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے عطا کرے۔ جس کو چاہے نبوت دے، جس کو چاہے کتاب دے، جس پر چاہے وحی نازل فرمائے، یہ رب تعالیٰ کے پاس ہے ان کے پاس

نہیں ہے ﴿وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ﴾ اور بے شک فضل سارا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ﴿يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے، بڑی مہربانی والا ہے، بڑی وسعت والا ہے۔

آج بروز جمعرات ۱۵ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ بمطابق ۱۱ رستمبر ۲۰۱۴ء
انیسویں جلد مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذالک

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُجَادَلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

تا

سُوۡرَۃُ الۡمُرۡسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ بیس)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آرہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کرلیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات پورے نہیں ہو پاتے ، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم ۔اے پنجابی بھی کیا ہے ۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی ۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم ۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم ۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات ، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں ۔جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران

غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اورحتی المقدور اغلاط کودور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہوسکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

نوٹ: اغلاط کی نشان دہی کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-6450340

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُجَادَلَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ

۲۸

آیاتھا ۲۲ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۵۸) (۱۰۵) رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ بے شک سن لی اللہ تعالیٰ نے ﴿قَوْلَ الَّتِيْ﴾ بات اس عورت کی ﴿تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾ جو جھگڑا کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں ﴿وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور شکوہ کر رہی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾ اور اللہ تعالیٰ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو کو ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ وہ لوگ جو ظہار کرتے ہیں تم میں سے اپنی عورتوں سے ﴿مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ﴾ نہیں ہیں وہ عورتیں ان کی مائیں ﴿اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ﴾ نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہ عورتیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے ﴿وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا﴾ اور بے شک وہ البتہ کہتے ہیں بری بات اور جھوٹ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ پھر وہ پہلی حالت کی جانب لوٹنا چاہتے ہیں اس بات کو توڑ کر جو انھوں نے کہی ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ تو غلام کو آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں ﴿ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ یہی بات ہے کہ تم اس کی نصیحت کیے جاتے ہو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جو شخص نہ پائے ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ تو روزے رکھنا ہے دو مہینے لگا تار ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں ﴿فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ﴾ پس جو شخص طاقت نہ رکھے ﴿فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ تو کھانا کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کو ﴿ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ یہ حکم اس لیے ہے تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تعارف سورت

اس سورۃ کا نام سورۃ المجادلہ ہے۔ یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ایک سو چار سورتیں نازل ہو چکی

تھیں۔نزول کے اعتبار سے اس کا ایک سو پانچواں نمبر ہے اور موجودہ ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر اٹھاون ہے۔اس کے تین رکوع اور بائیس آیات ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام المجادلہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی پہلی آیت میں ہی تُجَادِلُ کا لفظ موجود ہے۔اور تُجَادِلُ کا صیغہ مجادلہ سے ہے اس لیے اس سورۃ کا نام المجادلہ رکھا گیا ہے۔مجادلہ کہتے ہیں اپنی بات منوانے پر اصرار کرنا، آپس میں جھگڑا کرنا۔

شانِ نزول

زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں دستور تھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے ظہار کرتا تو وہ بیوی اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام قرار دی جاتی تھی اور دوبارہ ان کے آپس میں میل ملاپ کی کوئی صورت نہیں ہوتی تھی۔اسی دور میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر ناراض ہوئے اور اس کو کہہ دیا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ "تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔" اس دور کے طور طریقہ کے لحاظ سے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ کے لیے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کے لیے حرام قرار پائی۔وہ پریشانی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی کہ اوس سے میرے بچے بھی ہیں۔اگر بچے اس کو دے دوں تو بچے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔اگر اپنے پاس رکھوں تو گزر اوقات کے مناسب اسباب نہ ہونے کی وجہ سے بچے بھوکے رہا کریں گے۔چوں کہ ابھی تک اس بارے میں کوئی نیا اسلامی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دور (اس زمانے کے دستور) کے مطابق ہی اس کا فیصلہ فرمایا۔حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بار بار اپنی تنگ دستی اور بچوں کے ضائع ہو جانے کا ذکر کر کے اصرار کرتی رہی کہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوبارہ اس کے ملاپ کی صورت پیدا ہو جائے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کوئی اور حکم نہ ملا تو کہنے لگی کہ میں اپنا شکوہ یعنی اپنی مصیبت کا اظہار اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتی ہوں اور اس سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اس مصیبت کو دُور کرنے کے اسباب مہیا فرما دے۔ ﴿وَ تَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کا یہی مطلب ہے۔اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی اور اس میں ظہار کے متعلق اسلامی حکم بیان کیا گیا۔

ظہار کسے کہتے ہیں؟

ظہار کا معنیٰ ہے تشبیہ دینا۔اور اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اپنی بیوی کو اپنی محرمات میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دینا۔محرمات وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔جیسے ماں، بہن، بیٹی، پوتی، خالہ، پھوپھی، بھانجی اور بھتیجی وغیرہ۔جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لیے میری ماں کی طرح ہے یا بہن کی طرح ہے یا بیٹی کی طرح ہے وغیرہ۔یا ان محرمات میں سے کسی کے ایسے عضو سے بیوی کو تشبیہ دے جس عضو کا دیکھنا اس کے لیے حرام ہے۔مثلاً: پشت اور

شرم گاہ۔ جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ یا کہے کہ تو میرے لیے میری ماں کی شرم گاہ کی طرح ہے۔ یا ان محرمات میں سے کسی کے ایسے عضو سے بیوی کو تشبیہ دے جس کو بول کر پوری ذات مراد لی جاتی ہے جیسے روح اور آدھا حصہ وغیرہ۔ مثلاً: کہے کہ تو میری ماں کی روح کی طرح ہے یا کہے کہ تو میری ماں کے آدھے حصے کی طرح ہے۔ تو ان الفاظ کے استعمال کرنے کی وجہ سے ظہار واقع ہو جاتا ہے بشرطیکہ ان الفاظ کا استعمال بیوی کو اپنے آپ پر حرام کرنے کی نیت سے ہو۔ اگر حرام کرنے کی نیت سے نہ ہو بلکہ شکل وشباہت یا مزاج یا قد کاٹھ یا سلیقہ وشعار کی وجہ سے تشبیہ دی ہو تو ظہار نہیں ہوگا۔ جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے اور اس سے مراد شکل ہو یا اس کا مزاج ہو تو اس سے ظہار نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی محرمات میں سے کسی کے ایسے عضو سے تشبیہ دی ہو جس کا دیکھنا اس کے لیے جائز ہو تب بھی ظہار نہیں ہوگا۔ جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے تو میری ماں کے سر کی طرح ہے۔ یا اس کے ہاتھ پاؤں کی طرح ہے تو اس سے ظہار نہیں ہوگا۔

احناف اور شوافع میں اختلاف

احناف کے نزدیک ظہار میں ایسے لفظ کا ہونا ضروری ہے جو لفظ تشبیہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً: کاف مثلیہ ہو۔ جیسے: اَنْتِ عَلَيَّ كَاُمِّيْ یا اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ۔ یا مثل کا لفظ ہو جیسے: اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّيْ، اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ ظَهْرِ اُمِّيْ۔ یا نَحْوُ کا لفظ ہو جیسے اَنْتِ عَلَيَّ نَحْوُ اُمِّيْ، اَنْتِ عَلَيَّ نَحْوُ ظَهْرِ اُمِّيْ۔ عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں ان الفاظ کے ہم معنیٰ کلمہ کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ اُردو میں مانند، طرح اور جیسی وغیرہ۔ جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے تو میری ماں کے مانند ہے۔ تو میری ماں کی طرح ہے۔ تو میری ماں جیسے ہے۔ اور پنجابی میں کہے کہ تو میری ماں ورگی ایں۔ اگر تشبیہ کا لفظ نہ پایا جائے تو احناف کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ظہار کے اصل مادہ میں تشبیہ کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ جیسے تیمم کے اصل مادہ میں نیت کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

شوافع حضرات کے نزدیک خواہ تشبیہ کا لفظ پایا جائے یا نہ پایا جائے ہر صورت میں ظہار واقع ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے یا کہے تو میری ماں ہے۔ شوافع حضرات کے نزدیک دونوں صورتوں میں ظہار ہوگا جب کہ احناف کے نزدیک اگر لفظ تشبیہ نہ پایا جائے تو ظہار نہیں ہوگا۔ پھر اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنے اُوپر حرام کرنے کی نیت سے کہا کہ تو میری ماں ہے تو اکثر احناف اس کلام کو لغو اور بے ہودہ قرار دیتے ہیں جب کہ بعض مفتیانِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔

ظہار کا حکم

زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں ظہار کا حکم یہ تھا کہ وہ عورت خاوند پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دی

جاتی تھی۔مگر اسلام نے ظہار کرنے والوں کو کفارہ ادا کرنے تک بیوی کے پاس جانے سے تو روک دیا مگر ہمیشہ کے لیے حرام قرار نہیں دیا۔اور فرمایا ﴿ اَلَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡكُمۡ مِّنۡ نِّسَآىِٕهِمۡ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمۡ ﴾ جولوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں تو وہ عورتیں ان کی مائیں نہیں بن جاتیں ﴿ اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓـىِٕىۡ وَلَدۡنَهُمۡ ﴾ ان کی مائیں صرف وہ عورتیں ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے۔ جاہلیت کے دور میں ایسی عورتوں کو ماں کی طرح ہی ہمیشہ کے لیے سمجھ لیا جاتا تھا۔

﴿ وَاِنَّهُمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ مُنۡكَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَزُوۡرًا ﴾۔اسلام نے اگرچہ ظہار کرنے والوں کے لیے ان کی عورتوں کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار تو نہیں دیا مگر ایسے الفاظ کو پسند بھی نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ کو بری بات اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے۔اس لیے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے بچتے ہی رہنا چاہیے۔

﴿ اَلَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡكُمۡ ﴾ میں مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ اس میں دو چیزیں نمایاں ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ ظہار صرف مرد ہی کر سکتے ہیں عورتوں کی جانب سے ظہار معتبر نہیں ہے۔یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو اپنے محارم میں سے کسی سے تشبیہ دیتی ہے مثلاً: اپنے باپ کی طرح کہتی ہے تو یہ ظہار نہیں ہوگا۔اس لیے کہ ظہار صرف مردوں کی جانب سے ہوتا ہے۔دوسری چیز یہ نمایاں ہوتی ہے کہ ﴿ مِنۡكُمۡ ﴾ سے مراد صرف مسلمان ہیں۔تو ظہار صرف مسلمان کا معتبر ہوگا کافر کا ظہار معتبر نہ ہوگا۔یہ نظریہ احناف کا ہے۔اور اگر ﴿ مِنۡكُمۡ ﴾ سے مراد اسلامی سلطنت میں رہنے والے مسلمان اور ذمی سب ہیں تو ذمّی کا ظہار بھی معتبر ہوگا اور یہ شوافع حضرات کا نظریہ ہے۔

کفارۂ ظہار

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿ وَالَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآىِٕهِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی پہلی حالت کی جانب لوٹنا چاہتے ہیں اس بات کو توڑ کر جو انھوں نے کہی۔ عَوۡد کہتے ہیں پہلی حالت کی طرف لوٹنا۔ظہار کرنے والوں کی پہلی حالت بیوی سے میل ملاپ کی تھی۔﴿ لِمَا قَالُوۡا ﴾ بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے لِمَا قَالُوۡا لِنَقۡضِ مَا قَالُوۡا اپنی کہی ہوئی بات کو توڑ کر، اس پر نادم ہو کر بیوی کے ساتھ میل ملاپ والی حالت کی جانب لوٹنا چاہتے ہیں تو پہلے کفارہ ادا کریں۔قرآن کریم نے ظہار کے یکے بعد دیگرے تین کفارے بیان فرمائے ہیں۔

غلام کا آزاد کرنا

ظہار کے کفارہ میں پہلے نمبر پر حکم دیا ہے ﴿ فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَةٍ ﴾ کہ غلام آزاد کرے۔خواہ غلام ہو یا باندی، ظہار کے کفارہ میں یہ آزاد کیے جا سکتے ہیں۔یہاں رقبہ کے ساتھ مومنہ کی قید نہیں اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظہار کے کفارہ میں کافر غلام یا باندی بھی آزاد کیے جا سکتے ہیں۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس طرح قتل خطاء کے کفارہ میں مومن غلام آزاد کیا جاتا ہے اسی طرح ظہار کے کفارہ میں بھی مومن غلام ہی آزاد کیا جا سکتا ہے کافر کا آزاد کرنا درست نہیں ہے۔اس کفارہ کے ساتھ

قید لگائی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا﴾ کہ یہ کفارہ آپس میں ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کو چھونا، ہاتھ لگانا۔ اس سے مراد ہم بستری کرنا اور ہم بستری کے دواعی بوس و کنار وغیرہ ہیں۔ یعنی غلام آزاد کرنے سے پہلے ظہار کرنے والے کا اپنی بیوی سے ہم بستری اور بوس و کنار ممنوع ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ یہی بات ہے کہ تم اس کی نصیحت کیے جاتے ہو ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ یہاں سے دوسرے نمبر کا کفارہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو شخص غلام نہ پائے ﴿فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ غلام نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ غلام ملتا ہی نہیں جیسا کہ موجودہ دور میں غلام نہیں ملتے یا غلام خریدنے کی ہمت نہیں۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جب آدمی غلام کو آزاد کر سکتا ہے تو اس کے لیے ظہار کا کفارہ صرف یہی ہوگا، وہ روزے رکھ کر یا مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس کفارہ کے ساتھ بھی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا﴾ کی قید ہے کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو اس وقت تک نہ چھوئیں جب تک کفارہ ادا نہیں کر دیا جاتا۔ ﴿مُتَتَابِعَيْنِ﴾ کا مطلب ہے لگاتار دو مہینے روزے رکھنا۔ اگر ایک بھی ناغہ درمیان میں کر دیا تو روزے نئے سرے سے رکھنے ہوں گے خواہ بیماری وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ناغہ کیا ہو۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ﴾ یہاں سے تیسرے نمبر کے کفارہ کا ذکر ہے کہ جو شخص غلام کو آزاد کرنے یا دو مہینے لگاتار روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ﴿فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت درمیانے درجہ کا کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی خشک اناج دینا چاہے تو نصف صاع گندم یعنی پونے دو کلو گندم ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو دے۔ اگر گندم کے علاوہ مکئی، باجرہ اور چاول وغیرہ دینا چاہتا ہے تو ایک صاع یعنی ساڑھے تین کلو فی کس ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ ظہار کی وجہ سے عورت خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہو جاتی اور نہ ہی اس وجہ سے طلاق واقع ہوتی ہے بلکہ وہ عورت بدستور خاوند کے نکاح ہی میں رہتی ہے۔ البتہ کفارہ ادا کرنے تک مرد اپنی اس بیوی سے ہم بستری اور ہم بستری کے دواعی بوس و کنار وغیرہ نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیسرے نمبر کے کفارہ میں ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا﴾ کی قید نہیں ہے اس لیے اگر ظہار کرنے والا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے ہم بستری یا بوس و کنار کر لیتا ہے تو اس کو دوبارہ کفارہ نہیں دینا ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس کو دوبارہ کفارہ دینا ہوگا۔

اسلامی احکام کی حکمت

﴿ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ سے اللہ تعالیٰ نے ظہار کے حکم اور اس کے کفارہ کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ یہ حکم اس لیے ہے تاکہ تم جاہلیت کے دستور کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کرو اور یہی مومن آدمی کی کوشش ہونی چاہیے۔ ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ اور یہ احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ جس طرح ملکی حدود ہوتی ہیں یا اپنی ملکیتی

زمین کی حدود ہوتی ہیں ان سے تجاوز کرنا ظلم اور زیادتی ہوتی ہے اسی طرح احکام شرعی اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں بندوں کو ان ہی کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ ان سے تجاوز کرنا جرم ہوگا ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جو لوگ اسلامی احکام کا انکار کرنے والے ہیں ان کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دردناک قسم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ بے شک وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ﴿كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسا کہ ذلیل کیے گئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے ﴿وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ اور بے شک ہم نے اتاری ہیں واضح آیات ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ جس دن اُٹھائے گا ان سب کو اللہ تعالیٰ ﴿فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا﴾ پھر خبر دے گا اللہ تعالیٰ ان کو ان کاموں کی جو اُنھوں نے کیے ﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے اور وہ اس کو بھول گئے ہیں ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ جانتے نہیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جانتا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہیں ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ﴾ نہیں ہوتا مشورہ تین آدمیوں کا ﴿اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے ﴿وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ اور نہ ہی پانچ آدمیوں کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے ﴿وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ﴾ اور نہ اس سے کم کا ﴿وَلَآ اَكْثَرَ﴾ اور نہ زیادہ کا ﴿اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر وہ قیامت کے دن ان کو خبر دے گا ان کاموں کی جو انھوں نے کیے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اِلَى الَّذِيْنَ﴾ اُن لوگوں کی جانب ﴿نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى﴾ جو منع کیے گئے سرگوشی کرنے سے ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ پھر وہ لوٹتے ہیں اُسی چیز کی طرف جس سے وہ منع کیے گئے ﴿وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی ﴿وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول کی نافرمانی کی ﴿وَاِذَا جَآءُوْكَ﴾ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں ﴿حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ﴾ سلام کہتے ہیں آپ کو ایسے الفاظ کے ساتھ کہ نہیں سلام کہا آپ کو اللہ نے ان کے ساتھ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ کہتے ہیں اپنے دلوں میں ﴿لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ﴾ کیوں نہیں عذاب دیتا

اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے جو ہم کہتے ہیں ﴿حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ﴾ کافی ہے ان کو جہنم ﴿يَصْلَوْنَهَا﴾ وہ اس میں داخل ہوں گے ﴿فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ پس بُری ہے لوٹنے کی جگہ۔

اسلامی احکام کی مخالفت کرنے والوں کا انجام

اللہ تعالیٰ نے احکام کو حدود اللہ قرار دیا ہے اور ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ سے ان کی مخالفت کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ﴿كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسے ان سے پہلے ایسا کرنے والے ذلیل کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عزت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ دنیاوی جاہ وجلال صرف دکھاوا ہے۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا تو بڑے بڑے دُنیاوی عزت دار ذلیل ہو کر رہ گئے۔ ﴿وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ اور بے شک ہم نے واضح آیات اتاری ہیں۔ جن آیات میں واضح اور صریح عقائد واحکام کا ذکر ہے ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور کافروں کے لیے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے۔

قیامت کے دن رُسوائی

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی مخالفت کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن پر دنیا میں بھی عذاب نازل کیا گیا اور وہ آخرت میں بھی عذاب میں ہوں گے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کو دنیا میں عذاب کا سامنا نہیں کرنا پڑا مگر آخرت کے عذاب سے وہ قطعاً نہیں بچ سکیں گے۔ فرمایا ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا۔ پہلے انسان سے لے کر آخری انسان تک سارے کے سارے دوبارہ اُٹھائے جائیں گے کوئی بھی چھپ نہیں سکے گا ﴿فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا﴾ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ان اعمال کی خبر دے گا جو اُنھوں نے کیے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور ہر شخص کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کے بارے میں بتلائے گا ﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو محفوظ کر رکھا ہے حالانکہ خود عمل کرنے والے ان کو بھول چکے ہوں گے۔ قیامت کے دن جو اعمال نامہ دیا جائے گا اس میں ہر ایک نیک اور بُرے عمل کا شمار ہو گا حالانکہ عمل کرنے والے خود ان اعمال کو بھول چکے ہوں گے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ اس لیے کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان بھی ہے۔ کوئی بھی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

اس سے پہلے رکوع میں تھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔" پھر آخر میں بیان ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کی خبر دے گا ﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ "اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو محفوظ کر رکھا ہے حالانکہ وہ خود ان کو بھول گئے ہیں۔" ان میں اللہ تعالیٰ کی صفت سمع، بصر اور وسعت علمی کا ذکر ہے۔ آگے بھی ان صفات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ وہ مکاری کرتے ہوئے جو آپ کو سلام

کی بجائے بددعائیہ کلمات کہتے ہیں ان سب کو جانتا ہے۔ پھر پچھلے رکوع میں ذکر تھا کہ یہ احکام اس لیے اتارے گئے ہیں ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھو۔ اور اس رکوع میں ذکر ہے ﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ایمان والوں کو بھروسا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ اے مخاطب! کیا آپ جانتے نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں۔ ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ میں رؤیت سے مراد رؤیت قلبی ہے یعنی علم۔ اسی لیے مفسرین کرام رحمہم اللہ ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کا معنیٰ اَلَمْ تَعْلَمْ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اگر مخفی انداز میں مشورہ کیا جائے یا کانوں میں باتیں کی جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے اس لیے کہ ﴿اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہونے کی وجہ سے آسمانوں اور زمین کی باتوں کو اور مخفی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ اہل السنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پاؤں اور آسمانِ دنیا پر نزول فرمانے وغیرہ جیسی صفات کے ظاہر کو ماننا چاہیے اور کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینی چاہیے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معیت کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے اس کے ظاہر پر ایمان رکھنا چاہیے اور معیت کی کیفیت پر غور و غوض نہیں کرنا چاہیے اور نظریہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ ہے كَمَا يَلِيْقُ بِشَانِهٖ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ فرمایا کہ ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ﴾ مشورہ کرنے والے تین ہوں تو چوتھا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے ﴿وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ اگر مشورہ کرنے والے پانچ ہوں تو چھٹا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے ﴿وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ﴾ اور نہ ہی ان تین سے کم ﴿وَ لَاۤ اَكْثَرَ﴾ اور نہ ہی پانچ سے زیادہ مشورہ کرنے والے ہوں ﴿اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ﴾ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی مشورہ کرنے والوں کی تعداد جتنی بھی ہو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ ﴿اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ آسمان و زمین کے جس خطے میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کائنات کی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ تعالیٰ نہ ہو اور اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہو۔

﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ پھر اپنے اسی علم کی بدولت ان کو قیامت کے دن ان کے اعمال کے بارے میں بتلائے گا کہ فلاں وقت تم نے یہ کام کیا، فلاں جگہ یہ کیا حالانکہ وہ خود ان اعمال کو بھول چکے ہوں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

یہود و منافقین کی سرگوشیاں

یہود اور منافقین مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشان کرنے کے لیے آپس میں خفیہ مجلس کرتے اور کبھی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفیہ باتیں کرتے اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آپس میں سرگوشیاں کرتے۔ ان کی آپس میں خفیہ مجلسوں میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی سازشیں ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خفیہ باتیں کرنے میں ان کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت ضائع کرنا ہوتا تھا کہ اس وقت میں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ نہ کر سکیں۔ اور ان کا مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا بھی ہوتا تھا کہ وہ پریشان ہوں کہ نہ جانے یہ کس کی شکایت کر رہے ہیں اور یہ کہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں کتنی اہمیت ہے کہ باقی لوگوں کو چھوڑ کر ان سے رازدارانہ انداز میں باتیں کر رہے ہیں۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آپس میں سرگوشیاں کرتے، مذاق اُڑاتے، مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتے۔ حالاں کہ یہ طریق کار آدابِ مجلس کے بھی خلاف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا انداز بھی ہے۔ اس لیے ان کو ایسی سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا۔

اسلام میں مشورہ کی بہت اہمیت ہے اور بوقت ضرورت سرگوشی کی بھی اجازت ہے جیسا کہ آگے ﴿إِذَا تَنَاجَيْتُمْ﴾ میں سرگوشی کی اجازت کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی فرمائی۔ اسی طرح سرگوشی کے اور واقعات بھی ہیں۔ اس لیے مطلقاً سرگوشی ممنوع نہیں ہے صرف ایسی سرگوشی ممنوع ہے جو نقصان کا باعث ہو۔

یہودیوں اور منافقوں کی خلاف ورزی

یہودیوں اور منافقوں کو سرگوشیوں سے منع کیا گیا مگر وہ اس کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ یہاں ﴿تَرَ﴾ میں رؤیت سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کا معنیٰ أَلَمْ تَنْظُرْ کیا ہے۔

﴿إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ﴾ اُن لوگوں کی طرف جو سرگوشی کرنے سے منع کیے گئے ﴿ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ پھر وہ دوبارہ ارتکاب کرتے ہیں اس کا جس سے وہ منع کیے گئے ہیں۔ یعنی منع کرنے کے باوجود وہ سرگوشیاں کرتے پھرتے ہیں ﴿وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی ﴿وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ ان کی سرگوشیوں میں گناہ کی باتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے پروگرام بناتے تھے یا پھر اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر مشتمل منصوبے بناتے تھے۔

یہود و منافقین کی ایک اور بُری حرکت

یہود و منافقین شر اور فساد والی سرگوشیاں بھی کرتے تھے اور ان کی ایک اور بُری حرکت یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر السلام علیکم کی بجائے السَّامُ علیکم کہتے۔ جس کا معنیٰ ہے کہ تم پر موت آئے۔ ان کی اس بُری حرکت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ﴾ اور جب وہ یہود اور منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو

ایسے الفاظ سے سلام کہتے ہیں جن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام نہیں کیا۔ وہ آکر السَّامُ عَلَیۡکُمۡ کہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَیۡکُمۡ کے ساتھ اس کا جواب دیتے اور یہی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو دی کہ کافروں کے سلام کا جواب عَلَیۡکُمۡ کے ساتھ دے دیا کرو۔

عذاب میں تاخیر پر غلط استدلال

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ وہ ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا فی الفور نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے مگر آخرت کا عذاب اس کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ یہود اور منافقین جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو السَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کے الفاظ سے دعا دینے کی بجائے السَّامُ عَلَیۡکُمۡ کہہ کر بددعا دیتے ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ﴾ اور وہ اپنے دلوں میں کہتے ﴿لَوۡلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوۡلُ﴾ ہمیں اللہ تعالیٰ ہماری کہی ہوئی بات کی وجہ سے عذاب کیوں نہیں دیتا۔ اگر یہ نبی سچا ہوتا اور اس پر ایمان لانے والے حق پر ہوتے تو ہم پر عذاب نازل ہوتا۔ جب ہم پر عذاب نازل نہیں ہو رہا تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہ لوگ سچے اور حق پر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿حَسۡبُہُمۡ جَہَنَّمُ﴾ ان کو جہنم کافی ہے۔ یعنی جہنم ایسا عذاب ہے جس کے سامنے دوسرے عذاب معمولی ہیں ﴿یَصۡلَوۡنَہَا﴾ یہ مجرم لوگ اس جہنم میں داخل ہوں گے ﴿فَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ﴾ پس بری ہے لوٹ کر جانے کی جگہ۔ اس دنیا میں تو کبھی آدمی کو راحت اور سکون بھی مل جاتا ہے مگر جہنم میں ذرا بھر سکون نہیں ملے گا اس لیے دنیا کو چھوڑ کر جہنم میں جائیں گے۔ تو وہ لوٹ کر جانے کی جگہ بہت ہی بری ہے۔

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ﴾ جب تم آپس میں سرگوشی کرو ﴿فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ﴾ تو نہ سرگوشی کرو گناہ کی اور زیادتی کی ﴿وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی ﴿وَتَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی﴾ اور سرگوشی کرو نیکی کی اور پرہیزگاری کی ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ﴾ کہ اسی کی جانب تم جمع کیے جاؤ گے ﴿اِنَّمَا النَّجۡوٰی مِنَ الشَّیۡطٰنِ﴾ پختہ بات ہے کہ وہ سرگوشی شیطان کی جانب سے ہے ﴿لِیَحۡزُنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ تاکہ پریشان کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ﴿وَلَیۡسَ بِضَآرِّہِمۡ شَیۡـًٔا﴾ اور وہ نہیں ہے ان کو ذرا بھی نقصان پہنچانے والا ﴿اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی پر پس چاہیے کہ بھروسا کریں ایمان والے ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا قِیۡلَ لَکُمۡ﴾ جب کہا جائے تم سے ﴿تَفَسَّحُوۡا فِی الۡمَجٰلِسِ﴾ کشادگی کرو مجلسوں میں ﴿فَافۡسَحُوۡا﴾ تو تم کشادگی پیدا کرو ﴿یَفۡسَحِ اللّٰہُ لَکُمۡ﴾ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے وسعت کر دے گا ﴿وَ

﴿اِذَا قِیْلَ﴾ اور جب کہا جائے ﴿انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا﴾ اُٹھ کھڑے ہو تو تم اُٹھ کھڑے ہو ﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ بلند کرے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے ﴿وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ اور اُن لوگوں کو جو علم دیئے گئے مراتب میں ﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾ جب تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرو ﴿فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً﴾ تو آگے بھیجو تم صدقہ اپنی سرگوشی سے پہلے ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿وَ اَطْهَرُ﴾ اور زیادہ پاکیزہ ہے ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا﴾ پس اگر تم نہ پاؤ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اچھے مشورہ کی اجازت اور بُرے مشورہ کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمھیں سرگوشی یا آپس میں مشورہ کرنا ہی ہو تو ایسی سرگوشی اور ایسا مشورہ نہ کرو جس میں گناہ اور زیادتی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پائی جاتی ہو بلکہ ایسی سرگوشی اور مشورہ کرو جس میں نیکی اور تقویٰ ہو۔ تقویٰ کہتے ہیں خدا خوفی کو، پرہیزگاری کو اور احکام شرع کی پابندی کو۔

فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا تَنَاجَیْتُمْ﴾ جب تم آپس میں سرگوشی کرو ﴿فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ تو نہ سرگوشی کرو گناہ کی اور زیادتی کی ﴿وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ﴾ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی ﴿وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ اور سرگوشی کرو نیکی کی اور پرہیزگاری کی ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی جانب تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمھاری ہر حرکت اور ہر عمل کو جانتا ہے اور تم سب اسی کے حضور اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کا حساب لے گا۔ اس لیے اس دن کی رسوائی سے بچنے کے لیے ابھی سے اپنی اصلاح کر لو۔

شیطانی مشورے

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ﴾ پختہ بات ہے کہ وہ مشورے شیطان کی جانب سے ہیں۔ ﴿النَّجْوٰى﴾ پر الف لام عہد کے لیے ہے اور مراد ایسا مشورہ ہے جس میں گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پائی جاتی ہو۔ اس لیے کہ شیطان ہی شر اور فساد پر ابھارتا ہے ﴿لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ایسے مشوروں پر شیطان اس لیے اُکساتا ہے تاکہ ایمان والوں کو پریشان کرے ﴿وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْــٴًـا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ شیطان جو حربہ بھی استعمال کر لے وہ ایمان والوں کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ سب اچھا ہو یا بُرا اس میں تاثیر اللہ تعالیٰ ہی ڈالتا ہے۔ گناہ کی سرگوشی کرنا مسلمانوں کو پریشان کرنے کا سبب ہے مگر اس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا ﴿وَ عَلَى

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی مومنوں کو بھروسا کرنا چاہیے کہ وہ شیطانی اعمال کے شر اور فساد سے ان کو محفوظ رکھے گا اور ان کی مدد کرے گا۔

مجلس میں بیٹھنے والوں کا حق

مجلس میں بیٹھنے والوں کا حق یہ ہے کہ ایسے انداز کے ساتھ بیٹھیں کہ بعد میں آنے والوں کو بھی بیٹھنے کی جگہ مل جائے۔ ایسے انداز سے نہ بیٹھیں کہ جگہ زیادہ گھیر لیں اور آنے والوں کو جگہ نہ مل سکے۔ یہ عام مجلس کا حکم ہے۔ بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں اس کا زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد ایسے بیٹھ جاتے تھے کہ بعد میں آنے والے کو جگہ نہ ملتی۔ ایک دفعہ بعض بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو کہ بدر کے شرکاء میں سے تھے وہ مجلس میں آئے تو ان کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی اور وہ کھڑے رہے۔ تو حکم دیا گیا کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا﴾ جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں دوسروں کے لیے جگہ بناؤ تو جگہ بنا دیا کرو ﴿يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے وسعت کر دے گا۔ اس کی مختلف صورتیں مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ جب تم مجلس میں کشادگی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں کو کشادہ کر دے گا۔ ایک دوسرے کی محبت اور قدر اور ایک دوسرے کی بات برداشت کرنے کی توفیق تمھیں عطا کر دے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مجلس میں دوسروں کے لیے جگہ بنانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھارے رزق میں وسعت کر دے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اس عمل کی برکت سے تمھارے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھیں کشادہ جگہ یعنی جنت دے گا۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا﴾ اور جب کہا جائے اُٹھ کھڑے ہو تو تم اُٹھ کھڑے ہو۔ اس کا تعلق پہلے جملے کے ساتھ ہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مجلس میں جگہ نہ ہو اور تم سے کہا جائے کہ چلے جاؤ تو تم اس کو اپنی توہین مت سمجھو۔ یا مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی سے کہا جائے کہ یہاں سے اُٹھ جا۔ تو اس کو اپنی توہین نہ سمجھا جائے۔ جیسا کہ عموماً اسٹیج پر ایسے لوگ آکر بیٹھ جاتے ہیں جن کا وہاں بیٹھنے کا حق نہیں ہوتا اور ان کی وجہ سے بلائے گئے مہمانوں کے لیے جگہ نہیں ملتی۔ تو اگر ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم مہمانوں کے لیے جگہ خالی کر دو تو اس کو توہین نہیں سمجھنا چاہیے۔

اور اگر اس کا تعلق پہلے جملے کے ساتھ ہی خاص نہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جس طرح تمھیں مجلس میں کشادگی کا حکم دیا جا رہا ہے اسی طرح تمھیں اس کا حکم بھی دیا جا رہا ہے کہ جب تمھیں نماز کے لیے یا جہاد کے لیے یا کسی نیک مقصد کے لیے اُٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا جائے تو اُٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مجلس ختم ہو جائے تو بے مقصد وہاں نہ بیٹھے رہا کرو بلکہ اُٹھ کر اپنے کام کاج میں لگ جایا کرو۔

﴿ یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ﴾ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے درجات بلند کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ایمان والوں کے علاوہ منافقین بھی ہوتے تھے اس لیے فرمایا کہ تم میں سے ایمان والوں کے درجات بلند کرے گا۔ ﴿ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ﴾ اور اُن لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو علم دیئے گئے۔ اہل علم کا مقام اور درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔ دنیا میں ان کو نیک نامی اور آخرت میں جنت کے بلند درجات حاصل ہوں گے۔ ﴿ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے ان تمام کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ تمھارا ہر اچھا یا بُرا عمل وہ جانتا ہے اور حساب کے وقت اس کو ظاہر کرے گا اور اس کا بدلہ دے گا۔

اللہؐ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی سے پہلے صدقہ کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خلوت یا سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرنے والوں کو روکا بھی گیا مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بدستور وقت کے ضیاع اور مسلمانوں کی پریشانی کا باعث بنتے رہے تو ان کو اس عمل سے روکنے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی اور ان کو حکم دیا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سرگوشی کرنی ہو تو پہلے صدقہ دو۔ یہ صدقہ ادا کرنا واجب تھا۔ صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہیں فرمائی تا کہ ہر آدمی اپنی وسعت کے مطابق صدقہ ادا کر سکے۔ اور اس صدقہ کے حکم میں غرباء کے ساتھ خیر خواہی تھی۔ یہ صدقہ کا حکم کچھ عرصہ کے لیے رہا پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس حکم کا نتیجہ یہ نکلا کہ بلا مقصد سرگوشی کرنے والے اس سے رک گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ویسے ہی ایسے انداز سے دور رہتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

صدقہ ادا کر کے سرگوشی کرنے کی اجازت تھی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کیا اور کسی کو ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی کہ وہ صدقہ ادا کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرے۔ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ اس آیت پر عمل کرنے کا مُوقع صرف حضرت علی کو ملا۔ انھوں نے اس رخصت پر عمل کرتے ہوئے صدقہ ادا کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلوت میں چند مسائل دریافت فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کردہ مسائل

تفسیروں میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرگوشی کے انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس مسائل پوچھے اور ہر مسئلہ سے پہلے ایک درہم صدقہ ادا کیا۔

① پوچھا کہ وفا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دینا۔

② پوچھا کہ فساد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شرک و کفر فساد ہیں۔

③ پوچھا کہ حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام اور قرآن کریم حق ہیں۔ اور ولایت حق ہے جب تجھے عطا کی جائے۔

④ پوچھا کہ حیلہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیلہ کو چھوڑ دے۔

⑤ پوچھا کہ مجھ پر کیا لازم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم ہے۔

⑥ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ سے کیسے مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دل کی سچائی اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگ۔

⑦ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آخرت کی بہتری مانگ۔

⑧ پوچھا کہ اپنی نجات کے لیے کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال رزق کھاؤ اور سچ کی عادت اپناؤ۔

⑨ پوچھا کہ سرور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سرور جنت ہے۔

⑩ پوچھا کہ راحت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار راحت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی صرف ان ہی مسائل کے پوچھنے کا موقع ملا۔ پھر صدقہ کر کے سرگوشی کی اجازت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کی تفصیل تفسیر مظہری وغیرہ میں مذکور ہے۔ فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے ایمان والو! ﴿اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾ جب تم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کا ارادہ کرو ﴿فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً﴾ تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ نہ کچھ صدقہ ادا کرو ﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ﴾ یہ تمھارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ ادا کرنا تمھارے حق میں بہتر ہے۔ اس لیے کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بھی ہے اور منافقین کو ان کے عمل سے روکنا بھی ہے اور غرباء کے ساتھ خیر خواہی بھی ہے۔ اور یہ گناہوں سے تمھیں بہت زیادہ صاف ستھرا کرنے کا باعث بھی ہے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پس اگر تم صدقہ نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر تمھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کی ضرورت محسوس ہو اور تمھارے پاس صدقہ ادا کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو صدقہ کیے بغیر بھی سرگوشی کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿ءَاَشْفَقْتُمْ﴾ کیا تم ڈر گئے ہو ﴿اَنْ تُقَدِّمُوْا﴾ اس بات سے کہ تم آگے بھیجو ﴿بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ﴾ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ پس اگر تم نہیں کر سکے ﴿وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ﴾ اور رجوع فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر ﴿فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ تو تم پابندی کرو نماز کی ﴿وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دیتے رہو زکوٰۃ ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی ﴿وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں ﴿اِلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کی طرف ﴿تَوَلَّوْا قَوْمًا﴾ دوست بنا لیا انھوں نے ایسی قوم کو ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ کہ غضب اتارا اللہ تعالیٰ نے ان پر ﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا

مِنۡهُمۡ ﴾ نہیں ہیں وہ لوگ تم میں سے اور نہ ہی وہ ان میں سے ہیں ﴿ وَ يَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ ﴾ اور وہ قسمیں اُٹھاتے ہیں جھوٹی بات پر ﴿ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴾ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ﴿ عَذَابًا شَدِيۡدًا ﴾ سخت عذاب ﴿ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴾ بے شک وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ بُرا ہے ﴿ اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً ﴾ بنا لیا ہے اُنھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ﴿ فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ پس وہ روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴾ پس اُن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ﴿ لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ ﴾ ہرگز نہیں کام آئیں گے ان کے ﴿ اَمۡوَالُهُمۡ ﴾ ان کے مال ﴿ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ﴾ اور نہ ہی ان کی اولاد ﴿ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں کچھ بھی ﴿ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿ يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اُٹھائے گا ﴿ فَيَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ ﴾ پھر وہ اس کے سامنے قسمیں اُٹھائیں گے ﴿ كَمَا يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ ﴾ جیسے وہ تمھارے سامنے قسمیں اُٹھاتے ہیں ﴿ وَيَحۡسَبُوۡنَ ﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ﴿ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ ﴾ بے شک وہ کسی فائدے پر ہیں ﴿ اَلَاۤ ﴾ خبردار ﴿ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴾ بے شک وہی جھوٹ بولنے والے ہیں ﴿ اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ ﴾ غالب آ گیا ہے اُن پر شیطان ﴿ فَاَنۡسٰٮهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ﴾ پھر اس نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا ہے ﴿ اُولٰۤـئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ ﴾ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں ﴿ اَلَاۤ ﴾ خبردار ﴿ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴾ بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اُٹھانے والا ہے۔

مقصد کا حصول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی سے پہلے صدقہ کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ منافقین باز آ جائیں اور مسلمان بھی غیر ضروری سرگوشی سے بچیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت ضائع نہ ہو اور مجلس میں موجود دیگر مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ سے محروم نہ رکھا جائے۔ منافقین تو بخل کی وجہ سے رک گئے اور مسلمان بھی اس بات کو سمجھ گئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے پر صدقہ کا حکم دیا گیا ہے تو سرگوشی کوئی اچھا کام نہیں ہے اس لیے وہ بھی غیر ضروری سرگوشیوں سے باز آ گئے۔ جب مقصد حاصل ہو گیا تو حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور با مقصد سرگوشی کی اجازت دے دی گئی۔ صدقہ کے حکم کی وجہ سے سرگوشیاں تقریباً ختم ہی ہو گئیں تو اس کو تعبیر کیا گیا ﴿ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ ﴾ کیا تم ڈر گئے ہو ﴿ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ ﴾ اس بات سے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ ادا کرو ﴿ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا ﴾ پس جب تم یہ کام نہیں کر سکے کہ سرگوشی سے پہلے

صدقہ دیتے ﴿وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر رجوع فرمایا اور تم کو معاف کر دیا اور سرگوشی سے پہلے صدقے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ تو ان اعمال کی طرف توجہ دو جو ہمیشہ کے لیے تم پر لازم ہیں ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ پس نماز کی پابندی کرو۔ نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مستحب وقت میں اس کے آداب و مستحبات کو ملحوظ رکھ کر نماز پڑھی جائے ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ نماز بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ساتھ بندوں کا حق بھی ہے۔ نماز جسمانی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ کی بات مانو اور نبی ﷺ کی بات ماننے کے ساتھ اس کی سنت پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی پر کامیابی کا دارومدار ہے ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔ اس لیے اس کی بھیجی ہوئی شریعت پر عمل کر کے ہی زندگی گزارو تا کہ تمھیں دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے۔

منافقین کا کردار

کچھ لوگوں نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا تھا مگر ان کے دل ایمان سے خالی تھے اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرواتے۔ حالانکہ ان کا اصلی تعلق کافروں کے ساتھ تھا۔ یہ منافقین کی جماعت بہت خطرناک تھی۔ اسی لیے بار بار ان سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ ان منافقین نے یہودیوں کے ساتھ دوستانہ قائم کر رکھا تھا۔ جب کہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں ہی مصروف رہتے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب کیا آپ نے دیکھا نہیں ﴿اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ایسی قوم، ایسی جماعت سے دوستانہ قائم کر رکھا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اُن میں خصوصیت کے ساتھ یہود ہیں۔ اسی لیے ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہود لیے جاتے ہیں۔

﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ یہ منافق لوگ اگرچہ اُنھوں نے بظاہر کلمہ پڑھا ہے اور اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ تم میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ یہود میں سے ہیں۔ وہ بے شک یہودیوں کے ساتھ دوستانہ رکھتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں مگر پکے یہودی نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ان میں اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں ﴿وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ﴾ اور وہ جھوٹی بات پر قسمیں اُٹھاتے ہیں ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

منافقین کی سزا

﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ اس آیت سے منافقین کی سزا بیان کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت قسم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: ۱۴۵] "بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔" ﴿اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک وہ لوگ جو کرتے ہیں وہ بُرا ہے۔

ان کا کردار، طرزِ عمل، یہود کے ساتھ دوستانہ اور جھوٹی قسمیں اُٹھانا وغیرہ ہر کام بُرا ہے۔

﴿اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ اُنھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مطمئن کر کے خود کو سزا سے بچا لیتے مگر کئی مقامات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلیت ظاہر فرمادی اور وہ ذلیل وخوار ہوئے جن میں سے ایک واقعہ سورۃ المنافقون میں بھی آرہا ہے۔

﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ پس وہ روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ منافقین کی خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ جہاد سے متعلق عجیب قسم کی افواہیں پھیلاتے، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈالنے کی کوشش کرتے تھے ﴿فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ پس اُن کے لیے ایسا عذاب ہے جو ذلیل کرنے والا ہے۔ دنیا میں بھی کئی دفعہ ان کی منافقت اور اسلام دشمنی ظاہر ہوئی اور وہ ذلیل ہوئے مگر پھر بھی اپنی ان حرکات سے باز نہ آئے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی رُسوا کرنے والا ہے۔

مال ودولت کام نہ آئیں گے

دنیا میں اپنے مال اور اولاد کے بل بوتے پر ظلم اور ناانصافی کرتے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے تو نہ ان کے مال کام آئیں گے اور نہ ہی ان کی اولاد کام آئے گی۔ فرمایا ﴿لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ﴾ ہرگز ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور نہ ہی ان کی اولاد ﴿مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور اس کی گرفت سے چھڑانے میں یہ ذرا بھی کام نہیں آئیں گے۔ آخرت میں آدمی کو اس کا اچھا عقیدہ اور اچھے اعمال ہی جہنم سے چھڑانے میں کام آئیں گے ﴿اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ یہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے نکالے نہیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹی قسمیں

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ﴿یَوْمَ﴾ سے پہلے اُذْکُر محذوف ہے۔ اس لحاظ سے معنٰی یہ ہوگا کہ آپ یاد کریں اس وقت کو جب ان سب کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا۔ اس وقت ان کے حال کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں اور منافقوں کو جھوٹی قسمیں اُٹھانے کی ایسی عادت پڑگئی ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں اُٹھائیں گے۔ کبھی کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ [الانعام: ۲۳] "اللہ کی قسم اے ہمارے رب ہم تو شرک کرنے والے نہیں تھے۔" اور کبھی اپنے اعمال کا انکار کردیں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں بول کر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ ان لوگوں کی فطرت ہی بگڑگئی کہ وہ جیسے تمھارے سامنے جھوٹی قسمیں اُٹھاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں اُٹھائیں گے۔

فرمایا ﴿یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اُٹھائے گا ﴿فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ﴾ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قسمیں اُٹھائیں گے جیسے وہ تمھارے سامنے قسمیں اُٹھاتے ہیں ﴿وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ﴾ اور وہ خیال

کرتے ہیں کہ وہ کسی فائدے پر ہیں۔ ﴿شَیْءٍ﴾ سے مراد اچھا راستہ۔ اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اچھے راستہ پر ہیں حالانکہ وہ تو اچھے راستے سے بہت دور ہوں گے۔ یا ﴿شَیْءٍ﴾ سے مراد فائدہ ہے۔ وہ یہ خیال کریں گے کہ جیسے وہ دنیا میں جھوٹی قسمیں اُٹھا کر فائدہ حاصل کر لیتے تھے اسی طرح یہاں بھی فائدہ حاصل کر لیں گے۔ مگر ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس لیے فرمایا ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ خبردار بے شک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ ایسی حالت میں نہ ان کو کچھ فائدہ حاصل ہوگا اور نہ ہی وہ اپنے جھوٹ کو چھپا سکیں گے۔

شیطانی لشکر کا انجام

جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی یاد سے اعراض کرتا ہے تو شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور وہ دنیا کی چیزیں اور بُرے اعمال اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ جب آدمی ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شیطان اس کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور اس سے ہر وہ کام کرواتا ہے جو کرانا چاہتا ہے حتیٰ کہ ان کو جھوٹی قسموں پر بھی آمادہ کر لیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ﴾ شیطان اُن پر غالب آ گیا ہے ﴿فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾ پھر اس نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی کوئی ہے، اس کے احکام کی بھی کوئی اہمیت ہے۔ آج دنیا میں ہر طرف شیطان کی اطاعت ہی ہو رہی ہے اسی لیے لوگ مسلمان ہونے کے باوجود دین اور دینی احکام کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ جھوٹی قسمیں اُٹھانے والوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد بھول جانے والوں کے بارے میں فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ﴾ یہی لوگ شیطان کی جماعت اور اس کا گروہ ہیں۔ پھر ان کے انجام سے آگاہ فرمایا ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ خبردار بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اُٹھانے والا ہے۔ خُسر ان کا معنیٰ ہے مقصد میں ناکام و نامراد ہونا۔ یہ لوگ بھی ناکام و نامراد ہی ہوں گے بے شک اُنھوں نے دنیا میں کتنے ہی بہ ظاہر اچھے اعمال کیے ہوں۔ دنیا میں اُن کے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ﴿اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ﴾ یہ لوگ سب سے زیادہ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے ﴿لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ﴾ البتہ ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا﴾ آپ نہیں پائیں گے کسی ایسی قوم کو ﴿يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ جو ایمان رکھتے ہوں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کہ وہ دوستانہ رکھیں ان لوگوں سے جنھوں نے مخالفت کی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی ﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ﴾ اگرچہ

وہ اُن کے باپ ہوں ﴿اَوْ اَبْنَآءَهُمْ﴾ یا ان کے بیٹے ہوں ﴿اَوْ اِخْوَانَهُمْ﴾ یا ان کے بھائی ہوں ﴿اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ﴾ یا اُن کے خاندان کے لوگ ہوں ﴿اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ﴾ یہی لوگ ہیں کہ لکھ دیا ہے اس نے ان کے دلوں میں ایمان ﴿وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ اور طاقت دی ان کو اپنی جانب سے روح کے ساتھ ﴿وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ﴾ اور ان کو داخل کرے گا ایسے باغات میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے ﴿وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور وہ راضی ہو گئے اس سے ﴿اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں ﴿اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کا جو گروہ ہے وہی کامیاب ہونے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا غلبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے ﴿اُولٰٓىِٕكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ﴾ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہوں گے۔ خواہ وہ دنیا میں بظاہر کتنے ہی اعزاز و اکرام والے ہوں ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ﴾ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ یہ غلبہ دلیل کے لحاظ سے تو ہر دور میں رہے گا اور دنیاوی لحاظ سے بھی غلبہ رہے گا جب کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت پر عمل کرتے رہیں گے اور اس کے نظام کو نافذ کریں گے۔ جب ایمان والے اسلامی شریعت سے غفلت کا مظاہرہ کریں گے، اس کے احکام کی پروانہیں کریں گے تو ان سے غلبہ چھین لیا جائے گا۔ ایسی حالت میں مغلوب مسلمان ہوں گے اسلام ہر حال میں غالب ہی رہے گا۔ پھر غالب اس کو کہا جاتا ہے جس کے سامنے دوسرے بے بس اور عاجز ہوں۔ دنیا و آخرت ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی غالب ہے اور اس کے رسول اپنی نافرمان قوموں کے مقابلے میں غالب رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی اور نافرمان قوموں کو ہلاک و برباد کیا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ طاقت والا غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفتیں یہاں بیان کی گئی ہیں کہ وہ قوی ہے ساری کائنات اس کے سامنے بے بس اور عاجز ہے۔ اور وہ عزیز ہے، غالب ہے اسی کے ہاتھ میں عزت و ذلت ہے وہی موت و حیات کا مالک ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مار ڈالتا ہے۔ کسی کو اس کے سامنے چون و چرا کرنے کی جرأت نہیں ہے۔

ایمانی غیرت کا تقاضا

ایمانی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ نہ رکھے خواہ وہ کتنا

ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔اسلامی تاریخ بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ مومن نے اپنے ایمان کو ترجیح دی اور اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی عبرت ناک سزا دے کر اپنے مذہبی جذبات کا اظہار کیا۔تفسیر روح المعانی، قرطبی اور مظہری وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔اس دور میں اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے منہ پر تھپڑ مارا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا تو وہ عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی برداشت نہ کر سکا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہود بنی قریظہ کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا۔جب بنی قریظہ کے خلاف کارروائی کی گئی تو اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کیا کہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ سعد کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ان کا خیال یہ تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ ہمارے بارے میں نرم فیصلہ کریں گے۔جب ان کو فیصلہ کے لیے بلایا گیا تو اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنالیا جائے۔اسی فیصلہ کے مطابق یہود بنی قریظہ کو قتل کیا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ایمانی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔

ایک نابینا صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والی اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا حالانکہ اس سے ان کے بچے بھی تھے اور وہ معذور ہونے کی وجہ سے اس کے محتاج بھی تھے۔

بدر کے موقع پر جو قیدی مسلمانوں کے قبضے میں تھے ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہر مسلمان کا قریبی رشتہ دار اس کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اُتارے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سی روایات آتی ہیں کہ جب وہ اسلام، اسلامی اقدار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے یا مسلمانوں کی جماعت کو نقصان پہنچانے والے کو دیکھتے تو درخواست کرتے کہ ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اس کا سر قلم کر دیں۔

برصغیر کے انگریزی دور میں ایک غریب مستری گھرانے کے غازی علم الدین شہید نے جب گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، راجپال کو جہنم رسید کیا تو عام مسلمانوں نے اس کے اس اقدام کو عقیدت کی نظر سے دیکھا اور علامہ اقبال مرحوم نے اس کے اس اقدام کو ان الفاظ کے ساتھ سراہا کہ ہم سوچتے ہی رہ گئے اور مستریوں کا لڑکا بازی لے گیا۔

اس طرح کے مذہبی جذبات کے اظہار کی بے شمار مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔جن کو ہر دور میں بنظر تحسین دیکھا گیا اور ایسے جذبات کا اظہار کرنے والوں کے فضائل میں شمار کیا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ امت مسلمہ کے ہاں ردعمل کے طور پر مذہبی جذبات کا اظہار پسندیدہ عمل ہے۔موجودہ دور میں بعض خود ساختہ مفکرین اس کو مذہبی جنون اور مذہبی شدت پسندی کا نام دے کر اس کو بُرا عمل ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔حالانکہ ان کا نظریہ بالکل باطل ہے۔البتہ یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی

چاہیے کہ جو ایسے جذبات کا اظہار کرتا ہے وہ دنیاوی لحاظ سے آگے اس کے نتائج بھگتنے کے لیے بھی تیار رہے۔ ایسا نہ کرے کہ خود بھاگ جائے اور دوسرے مسلمانوں کو مصیبت میں ڈال دے۔ یا جس نے جرم کیا ہے اس کے ساتھ ایسے افراد کو بھی سزا دے جو اس کے ساتھ جرم میں شریک نہیں ہیں۔ ایسے جذبات کی نہ اسلام اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اس کی حمایت کوئی مسلمان کرسکتا ہے، یہ فساد ہے اور اس کا خاتمہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

دشمنانِ اسلام سے دوستی نہ رکھنے والوں کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ دوستی نہ رکھنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کوئی ایسی جماعت آپ کو نہیں ملے گی ﴿يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ جو دوستی رکھتی ہو ایسے لوگوں سے جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ خواہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنے والے ان کے باپ ہوں یا اولاد ہو یا ان کے بھائی ہوں یا اُن کے خاندان کے افراد ہوں ﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ یہی لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔ یعنی پختہ اور مضبوط کر دیا ہے کہ وہ کسی کی پروا کیے بغیر ایمانی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ یہ ایمان کے ناقص ہونے کی دلیل ہے کہ غیر مسلموں کے طور طریقہ کو اپنایا جائے، اُن کے مفادات کا تحفظ کیا جائے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ مغربی تہذیب کو اپنانا اسلامی اقدار کو نقصان پہنچانا ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر ہندووانہ رسومات کی ادائیگی بھی ایمان میں خلل کی دلیل ہے۔ پختہ ایمان کا تقاضا ہے کہ خلاف اسلام ہر رسم کو چھوڑ دیا جائے۔

﴿وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ اور اپنی جانب سے روح کے ساتھ ان کو طاقت ور کیا۔ روح سے مراد جبریل علیہ السلام بھی ہوسکتے ہیں اور روح سے مراد ایمانی نور اور حق کی معرفت کا نور بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے ذریعے سے ان کو طاقتور اور مضبوط کر دیا۔ ﴿وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ اور ایسے باغات میں ان کو داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ راضی ہو گئے اللہ سے۔ جنت کے خوش نما اور ایسے آرام دہ منظر کا ذکر فرمایا جو مخلوق کے دل و دماغ میں آسکتا ہے ورنہ تو جنت میں آرام و سکون کی ایسی چیزیں پیدا کی گئی ہیں جو مخلوق کے دل و دماغ میں آ ہی نہیں سکتیں۔ دنیا کے آرام و سکون کے اسباب تو عارضی ہیں ہر وقت اُن کے چھن جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ چوری، ڈاکے اور ظالمانہ انداز میں قبضہ کر لینے کا خوف بھی رہتا ہے۔ حالات ناموافق ہونے کی وجہ سے جگہ بدلنے کا احتمال بھی ہوتا ہے پھر موت کے باعث تو یقینی طور پر ان اسباب سے محروم ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ مگر جنت میں ایسی کوئی صورت نہیں ہوگی بلکہ وہ نعمتیں نہ ختم ہوں گی اور نہ ہی وہاں سے کسی جنتی کو نکالا جائے گا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ﴾ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ کافروں بالخصوص یہود کے ساتھ دوستانہ رکھنے والوں کو ﴿حِزْبُ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کا گروہ (ٹولا)

اوراس کی جماعت کہا گیا۔ اوراس کے برعکس اسلام دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے والوں کو ﴿حِزْبُ اللّٰهِ﴾ اللہ کا گروہ اوراس کی جماعت کہا گیا ہے ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کے گروہ میں شامل لوگ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔

اسلام دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو ایمان کی پختگی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے روح کے ساتھ ان کی تائید کرتا ہے ان کو مضبوط اور طاقت ور بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جنت اوراس کی بہاریں نصیب ہوں گی۔ ایسے لوگ ہمیشہ جنت اوراس کی بہاروں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ ایسے لوگ اللہ کا گروہ اوراس کی جماعت ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے گروہ میں شامل لوگ ہی فلاح وکامیابی پائیں گے۔

دنیاوی آرام وسکون کے اسباب مل جانے کو فلاح نہیں کہتے بلکہ فلاح کہتے ہیں اپنے اعمال کا اچھا بدلہ مل جانا، اپنے اعمال کی بدولت آرام وسکون مل جانا۔ اعمال کا اچھا بدلہ پانے والے مومن ہی ہوں گے اور آرام وسکون کی جگہ جنت کی صورت میں ایسے ہی لوگوں کو ملے گی۔ اسی لیے ان کو فلاح وکامیابی پانے والے کہا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡحَشۡرِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ

(۲۸)

آیاتُہَا ۲۴ (۵۹) **سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ** (۱۰۱) رُکُوْعَاتُہَا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ﴾ تسبیح کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور
جو زمین میں ہیں ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہی غالب حکمت والا ہے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿اَخْرَجَ
الَّذِيْنَ﴾ جس نے نکالا ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں ﴿مِنْ دِيَارِهِمْ﴾
اُن کے گھروں سے ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ پہلے اجتماع (اکٹھ) کے لیے ﴿مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا﴾ (اے مسلمانو!)
نہیں گمان کرتے تھے تم یہ کہ وہ نکلیں گے ﴿وَظَنُّوْٓا﴾ اور اُنھوں نے خیال کر رکھا تھا ﴿اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ﴾ کہ بے شک وہ لوگ جو ہیں ان کو بچانے والے ہیں اللہ (کے عذاب) سے ان کے قلعے ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ﴾ پھر
آیا ان کے پاس اللہ تعالیٰ (کا حکم) ﴿مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾ جہاں سے اُنھوں نے گمان بھی نہ کیا ﴿وَقَذَفَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور اس نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رُعب ﴿يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ وہ برباد کرنے لگے
اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ ﴿وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مومنوں کے ہاتھوں سے ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي
الْاَبْصَارِ﴾ پس تم عبرت حاصل کرو اے آنکھوں والو! ﴿وَلَوْلَآ﴾ اور اگر نہ ہوتی یہ بات ﴿اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ﴾ کہ لکھ
دی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ﴾ ان پر جلا وطنی ﴿لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا﴾ تو عذاب دیتا ان کو دنیا میں ﴿وَلَهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ یہ سزا
اس لیے ہے کہ بے شک انھوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ﴾ اور جو
اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ تو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿مَا قَطَعْتُمْ
مِّنْ لِّيْنَةٍ﴾ نہیں کاٹا تم نے کوئی کھجور کا درخت ﴿اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا﴾ یا تم نے اس کو چھوڑا کہ وہ کھڑا
ہے اپنی جڑوں پر ﴿فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ پس وہ اللہ کے حکم کے ساتھ ہے ﴿وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور تاکہ وہ رسوا کرے
نافرمانی کرنے والوں کو ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ﴾ اور جو فئی کا مال دلوایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان
سے ﴿فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ پس نہیں دوڑائے تم نے اس پر گھوڑے اور نہ ہی اُونٹ ﴿وَّلٰكِنَّ
اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تعارف سورت

اس سورت کا مشہور نام سورۃ الحشر ہے۔ حشر کا معنٰی ہے جمع ہونا۔ اس سورت کی دوسری آیت میں ہے ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ (پہلے اجتماع کے لیے) اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ الحشر رکھا گیا۔ اور اس سورت کا دوسرا نام سورۃ بنی نضیر ہے۔ اس سورت میں یہود کے قبائل میں سے بنونضیر کو جلاوطن کرنے سے متعلق بیان کیا گیا ہے اس لیے اس کو سورۃ بنی نضیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سو [۱۰۰] سورتیں نازل ہو چکی تھیں، نزول کے اعتبار سے اس سورۃ کا ایک سو ایک [۱۰۱] نمبر ہے۔ اس کے تین [۳] رکوع اور چوبیس [۲۴] آیات ہیں۔

یہود کو جلاوطن کرنے کی وجہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ منورہ میں دیگر قوموں کے علاوہ یہود بھی کافی تعداد میں آباد تھے۔ اور اُن کے قبائل میں بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع مشہور اور مال دار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاقائی سلامتی کے لیے چاہا کہ تمام قبائل میں ایک معاہدہ طے پا جائے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ اور آس پاس کے تمام قبائل ایک دوسرے سے امن پائیں اور بیرونی حملہ آور کے خلاف متحدہ جدوجہد کریں۔ اس مقصد کے لیے ایک تحریری معاہدہ تیار کیا گیا جس کو میثاقِ مدینہ کا نام دیا گیا۔

اس معاہدے میں تحریر تھا کہ ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اپنی مذہبی رسومات ادا کر سکیں گے۔ کوئی فریق کسی دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرے گا۔ اگر معاہدے میں شریک کسی فریق پر دیت آن پڑی یا تاوان پڑ جائے تو تمام مل کر اس کو ادا کریں گے۔ اگر کوئی بیرونی حملہ آور معاہدہ میں شریک کسی مذہب والوں کے خلاف چڑھائی کرے گا تو معاہدہ میں شریک تمام فریق بیرونی حملہ آور کا متحد ہو کر مقابلہ کریں گے۔ اور اگر معاہدے میں شریک مذاہب میں سے کوئی کسی وجہ سے دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا تو وہ بیرونی حملہ آور کی مدد بھی نہیں کرے گا۔ اس تحریری معاہدے پر یہود سمیت تمام مذاہب کے سرکردہ حضرات نے دستخط کیے مگر یہود نے اس معاہدے کی پابندی نہ کی بلکہ مسلسل مسلمانوں کے خلاف شرارتوں میں مصروف رہے۔

جنگِ احد میں جب مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے خلاف اپنی جدوجہد تیز کر دی اور کہنے لگے کہ یہ وہ نبی نہیں ہے جس کا تذکرہ تورات میں مذکور ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے اُنھوں نے مشرکین مکہ سے بھی روابط قائم کیے۔ بنونضیر قبیلے کا مذہبی اور سیاسی راہنما کعب بن اشرف چالیس آدمیوں پر مشتمل ایک وفد لے کر مکہ گیا اور ابوسفیان وغیرہ سردارانِ قریش سے ملاقات کی اور ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر اُکسایا اور اپنے قبیلے

کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ یہ کعب بن اشرف آنحضرت ﷺ کے خلاف گستاخانہ باتیں بھی کرتا تھا اور مسلمانوں کو اذیت پہنچاتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ کے حکم سے اس کے رضاعی بھائی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں سے مل کر اس کو قتل کر دیا۔

اسی معاہدہ کے عرصہ میں ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے غلطی سے معاہدے میں شریک بنی عامر قبیلہ کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اُنھوں نے ان کو دشمن کا آدمی سمجھا اور قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے بنی عامر قبیلے کو دو سو اُونٹ دیت ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور معاہدے میں شریک لوگوں سے مال جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔ اسی سلسلے میں بنونضیر قبیلے کے پاس بھی گئے۔ اُنھوں نے بظاہر تو تعاون کا یقین دلایا مگر آپ ﷺ کو خفیہ طور پر شہید کرنے کا پروگرام بھی بنایا۔ آپ ﷺ کو ایک جگہ بٹھانے کا ارادہ کیا اور اس سے بالائی منزل پر ایک بھاری پتھر رکھ کر آدمی مقرر کر دیئے کہ جب آپ ﷺ بیٹھیں گے تو اُوپر سے پتھر گرا دینا۔ بعد میں ہم کہہ دیں گے کہ پتھر خود ہی گر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ نے یہود سے اس سازش کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے اقرار کیا کہ واقعی ہم نے ایسا پروگرام بنایا تھا۔ یہود کی ان شرارتوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو علاقے سے نکالنے اور جلاوطن کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ جس کا ذکر اس سورت کی ابتدا میں ہے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے

قرآن کریم میں کئی مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ہر چیز خواہ وہ جان دار ہو یا بے جان ہو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اس سورت کی ابتدا میں بھی فرمایا ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی تسبیح کو جانتا اور سمجھتا ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ ساری کائنات اُسی کے قبضہ اور کنٹرول میں ہے۔ وہی اس کے نظام کو چلاتا ہے اور وہ حکمت والا اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق نظام کو چلاتا ہے کوئی اس کے نظام میں خلل نہیں ڈال سکتا۔

بنونضیر کی جلاوطنی

جب بنونضیر قبیلہ کے یہودیوں کی شرارتیں اور مکاریاں نمایاں ہوگئیں تو آپ ﷺ نے اُن کو پیغام بھیجا کہ اب تم ہماری ولایت میں نہیں رہ سکتے۔ اس لیے یا تو تم اس علاقہ سے نکل جاؤ یا لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ اور ان کو دس دن کی مہلت دی کہ اس عرصہ میں غور و فکر کر کے جو فیصلہ کرنا چاہو کر لو۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے ان کو لڑائی پر آمادہ کیا اور ان کی مدد کا وعدہ کیا تو وہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے اُن پر حملہ کیا تو وہ قلعہ میں بند ہو گئے اور مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد وہ علاقہ چھوڑنے پر راضی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مشروط طور پر ان کو علاقہ چھوڑنے کی

اجازت دے دی۔شرط یہ تھی کہ تم ہتھیار ساتھ لے کر نہیں جاسکتے وہ یہاں ہی چھوڑ کر جاؤ گے۔اور اپنے مال واسباب میں سے جتنا تم ساتھ لے جاسکتے ہو لے جاؤ۔اُنھوں نے اپنے مکانوں کے دروازے،کھڑکیاں اور چھتوں کی لکڑیاں تک اُتار لیں اور سواریوں پر لاد کر لے گئے۔اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور کچھ عراق چلے گئے۔اُنھوں نے جو زمینیں اور باغات چھوڑے تھے ان کا اکثر حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیا تاکہ مہاجرین اپنی معیشت کا بوجھ خود اُٹھالیں اور انصار نے مہاجرین کی کفالت کا جو بوجھ اُٹھایا تھا وہ کم ہو جائے۔اس مال میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھریلو اخراجات کے لیے بھی حصہ مقرر کیا اور انصار میں سے صرف تین آدمیوں ابودجانہ رضی اللہ عنہ، سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور زید بن ظہیر رضی اللہ عنہ کو اس میں سے کچھ حصہ دیا اور باقی مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا۔بنونضیر میں سے صرف دو آدمی سفیان بن عمیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن وہب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے باقی تمام کو جلاوطن کر دیا گیا۔جلاوطنی کے وقت اُنھوں نے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں چھوڑی تھیں۔

حشر چار ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلے حشر کے لیے ان کے گھروں سے نکالا۔﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ میں صفت کی اضافت ہے موصوف کی جانب یعنی پہلا حشر۔حشر کا معنیٰ ہے اجتماع (اکٹھ)۔یہاں یہودیوں کو جلاوطن کرنے کے لیے مسلمانوں کا اجتماع مراد ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ یہ جلاوطنی انفرادی نہیں تھی بلکہ اس علاقہ کے یہودیوں کا اجتماع تھا جن کو جلاوطن کیا گیا۔﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ میں حشر کی صفت اول لائی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پہلا اجتماع تھا اور اس کے علاوہ اجتماع اور بھی ہیں۔

اس کے بارے میں تفسیروں میں بالخصوص جلالین شریف کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حشر چار ہیں۔لیکن یہاں پر امام محلی رحمۃ اللہ علیہ سے غلطی ہوئی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اول الحشر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شام کی طرف بھیجا پھر خیبر کی طرف بھیجا۔حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پہلے خیبر بھیجا تھا اور دوسری دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شام بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براہِ راست یہود کو شام کی طرف نہیں بھیجا تھا۔

تو پہلا حشر مدینہ سے بنونضیر کی جلاوطنی پر اجتماع، دوسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خیبر سے یہودیوں کی جلاوطنی پر اجتماع اور تیسرا اقرب قیامت قعر عدن سے آگ اُٹھے گی جو لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کر لے گی۔اور چوتھا قیامت کے دن کا حشر ہے جس میں ساری مخلوق جمع ہوگی۔ان تمام حشروں میں یہودیوں کی ذلت ورسوائی ہوگی۔

یہودیوں کی غیر محسوس انداز میں گرفت

یہود اپنے علاقے میں خوش باش اور آسودہ حال تھے۔ان کے بارے میں مسلمانوں کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ یہاں سے

نکل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿مَاظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا﴾ اے مسلمانو! تم نے گمان بھی نہ کیا تھا کہ وہ اس علاقے سے نکل جائیں گے ﴿وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور وہ یہ خیال کیے بیٹھے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لیں گے۔ وہ قلعے مضبوط اُنھوں نے اسی لیے تیار کیے تھے کہ ضرورت کے وقت وہ ان میں پناہ لے لیں گے اور دشمن کے وار سے محفوظ رہیں گے ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا﴾ پس آن لیا ان کو اللہ تعالیٰ نے جہاں سے اُنھوں نے وہم و گمان بھی نہ کیا تھا۔ ان کی شرارتوں اور مکاریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حالات ایسے پیدا کر دیئے کہ وہاں سے نکلنے کے علاوہ ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔

﴿وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے مسلمانوں کو کوئی حیثیت ہی نہ دیتے تھے ﴿یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور وہ برباد کر رہے تھے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے۔ جب اُن کو علاقہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا اور اپنے ساز و سامان کو ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو برباد کرنے لگ گئے، ان کی چھتیں اُکھاڑ دیں، دروازے اور کھڑکیاں نکال لیں اور ایمان والوں کے ہاتھ سے بھی ان کے گھر برباد ہوئے ﴿فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ پس تم عبرت حاصل کرو اے آنکھوں والو! ابصار بصارت سے بھی ہو سکتا ہے اور بصیرت سے بھی۔

اگر بصارت سے ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا اے آنکھوں والو! تم عبرت حاصل کرو۔ اور اگر بصیرت سے ہو تو معنیٰ ہوگا اے عقل والو! عبرت حاصل کرو کہ دنیا کے ظاہری اسباب حاصل ہو جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے یہودیوں کا کیا انجام ہوا کہ ان کو صدیوں سے آباد آبائی علاقہ سے کیسے ذلت و رسوائی سے نکال دیا گیا۔

تقدیری فیصلے

اس کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ فلاں آدمی فلاں وقت میں اور فلاں جگہ میں یہ کام کرے گا۔ اور اپنے اسی ازلی علم کی بدولت اس نے کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے حق میں جلاوطنی ہی لکھی تھی اس لیے ان کو جلاوطن کیا گیا۔ اگر جلاوطنی کا تقدیری فیصلہ نہ ہوتا تو ان کی مکاریوں اور شرارتوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں ہلاک کر دیا جاتا اور ذرا بھی فائدہ حاصل کرنے کا موقع نہ دیا جاتا۔ اسی بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ لَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں ان کے لیے جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو ان کو دنیا میں عذاب دیتا۔ ایسا عذاب کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی آرام و سکون نہ حاصل کر سکتے بلکہ فی الفور ہلاک و تباہ کر دیئے جاتے ﴿وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ﴾ اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہوگا۔ جہنم میں بے شمار قسم کے عذاب ہوں گے مگر ان میں سب سے زیادہ سخت آگ کا عذاب ہوگا۔ اس لیے اس کا ذکر

کر دیا گیا ہے۔ جب کہ یہ لوگ عذاب کی دیگر اقسام سے بھی سزا دیئے جائیں گے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ یہود کو ذلت ورسوائی کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکالنا، ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالنا اور ان کا خود اپنے ہاتھوں سے گھروں کو برباد کرنا اور پھر آخرت میں آگ کے عذاب میں ڈالا جانا اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی۔ فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ یہ سب سزا اس لیے ہے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ﴿وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرے گا تو اس کو یہ بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

جنگی حکمت عملی

جب بنو نضیر قبیلے کے یہودی مسلمانوں کا سامنے مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ میں بند ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر ان کا محاصرہ کیا اور یہ محاصرہ تقریباً بائیس دن رہا۔ اس دوران نہ تو یہودی قلعہ سے باہر نکلے اور نہ ہی صلح پر آمادہ ہوئے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ان کے درختوں کو کاٹنے اور ان کی املاک کو نقصان پہنچانے کا حکم دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر یہودی صلح پر آمادہ ہو گئے اور انھوں نے پیش کش کی کہ ہم مسلمانوں کی تمام شرائط ماننے کے لیے تیار ہیں۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جلاوطن کر دیا۔

دشمن کی املاک کو نقصان پہنچانا

ہر وہ چیز جس سے دشمن فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہو اس چیز کو تباہ کرنا اور نقصان پہنچانا درست ہے۔ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ یہ درخت یہودیوں کے مورچے بھی تھے اور ان کی آمدن سے وہ مسلمانوں کے خلاف طاقت اور قوت بھی حاصل کرتے تھے۔ اس لیے ان درختوں کا کاٹنا بالکل درست تھا۔ مگر یہودیوں نے اور منافقین نے اس پر بے جا اعتراض کیا کہ باغات اور املاک کو نقصان پہنچانا کہاں کا انصاف ہے؟ اس بارے میں بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی تردد پیدا ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ﴾ نہیں کاٹا تم نے کوئی کھجور کا درخت ﴿اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا﴾ یا تم نے اس کو چھوڑا کہ وہ اپنی جڑوں پر کھڑا ہے ﴿فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ تو ساری کارروائی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈالی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ﴿وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل وخوار کرے۔ عالم اسباب میں جو چیزیں قوت اور عزت واحترام کا ذریعہ ہوں ان کی بربادی ذلت ورسوائی کا باعث بنتی ہے۔

مالِ فئی کا حکم

اگر اسلامی لشکر کی کافروں کے خلاف لڑائی ہوئی ہو اور لڑائی کی مشقت اُٹھانے کے بعد کافروں کا مال اسلامی لشکر کے ہاتھ لگے تو اس کو مالِ غنیمت کا مال کہا جاتا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے۔ اور اگر اسلامی لشکر کو لڑائی کی مشقت نہ اُٹھانی پڑی ہو بلکہ کافر لڑائی لڑے بغیر شکست تسلیم کر لیں ایسی صورت میں اسلامی لشکر کو کافروں کا جو مال ہاتھ لگتا ہے اس کو مالِ فئی کہا جاتا ہے۔ بنو نضیر کے یہودیوں نے بھی لڑائی کے بغیر مسلمانوں کی شرائط مان کر صلح کر لی تھی اس لیے اُن سے جو مال حاصل ہوا وہ مالِ فئی تھا۔ ان یہودیوں کی شان و شوکت توڑنے کے لیے بویرہ کے علاقے کے بعض درختوں کو کاٹا گیا اور بہت سے درخت باقی چھوڑ دیئے گئے تاکہ وہ مسلمانوں کے کام آئیں۔ وہ درخت اور ان کی آباد جگہیں جو وہ چھوڑ کر گئے یہ سب مالِ فئی تھا۔ ان کے علاوہ تین سو پینتالیس اونٹ بھی تھے۔ شرط کے مطابق وہ اسلحہ بھی ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے، وہ بھی مالِ فئی تھا۔ ایسا مال غنیمت کے مال کی طرح مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ ایسے مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا۔ یہ مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے استعمال میں اختیار دیا گیا تھا۔ اسی اختیار کی وجہ سے اس مال کو اپنے ذاتی اور گھریلو اخراجات کے لیے خرچ فرماتے، محتاجوں کو دیتے اور جو مال بچ جاتا وہ عام مسلمانوں کی بھلائی میں صرف فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے ایسا مال مسلمان حاکم وقت کے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اسی لیے ایسے مال میں حاکم وقت کی وراثت نہیں بنتی بلکہ یہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کیا جاتا ہے۔

مالِ فئی مجاہدین میں تقسیم نہ کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ مالِ فئی مالِ غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو اس کے حصول میں لڑائی کی مشقت نہیں اُٹھانی پڑتی۔ فرمایا ﴿وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ﴾ اور جو مال اللہ تعالیٰ نے ان کافروں سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فئی کے طور پر دلوایا ﴿فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ﴾ پس نہیں دوڑائے تم نے اس کو حاصل کرنے کے لیے گھوڑے اور نہ ہی اونٹ۔ جب تمھیں لڑائی کی مشقت نہیں اُٹھانی پڑی تو پھر ایسے مال کے تقسیم نہ کیے جانے پر کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں ہو سکتا ﴿وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو مسلط اور غالب کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ جب اس مال کے حصول میں تمھاری کوشش اور مشقت شامل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس مال کے استعمال کا اختیار اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمان حاکم کو اختیار دیا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ہی کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے مالِ فئی حاصل ہوتا ہے۔

﴿مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ جو مالِ فئی دلوایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ﴿مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ بستیوں والوں سے ﴿فَلِلّٰهِ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿وَلِلرَّسُوْلِ﴾ اور رسول کے لیے ہے ﴿وَلِذِی الْقُرْبٰى﴾ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے ہے ﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ اور یتیموں کے لیے ہے ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ اور مسکینوں کے لیے ہے ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ اور مسافروں کے لیے ہے ﴿كَیْ لَا یَكُوْنَ﴾ تا کہ نہ ہو وہ مال ﴿دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ﴾ کہ گردش کرتا رہے تم میں سے مال داروں کے درمیان ﴿وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ﴾ اور جو دے تمھیں اللہ تعالیٰ کا رسول ﴿فَخُذُوْهُ﴾ تو اس کو لے لو ﴿وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ اور وہ چیز جس سے تمھیں منع کر دے ﴿فَانْتَهُوْا﴾ تو اس سے رک جاؤ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ ہجرت کرنے والے فقراء کے لیے ہیں ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا﴾ وہ لوگ جو نکالے گئے ﴿مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾ اپنے گھروں اور مالوں سے ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ وہ تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا ﴿وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور وہ مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی سچے لوگ ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ٹھکانا بنایا ﴿الدَّارَ﴾ یعنی مدینہ کو ﴿وَالْاِيْمَانَ﴾ اور ایمان کو ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان مہاجرین کے آنے سے پہلے ﴿يُحِبُّوْنَ﴾ وہ محبت کرتے ہیں ﴿مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ﴾ ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے آئے ان کی جانب ﴿وَلَا يَجِدُوْنَ﴾ اور وہ نہیں پاتے ﴿فِيْ صُدُوْرِهِمْ﴾ اپنے سینوں میں ﴿حَاجَةً﴾ کوئی تنگی ﴿مِّمَّاۤ اُوْتُوْا﴾ اس چیز کی وجہ سے جو وہ دیئے گئے ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ اور وہ ان کو ترجیح دیتے ہیں اپنے آپ پر ﴿وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اگرچہ ہو ان کو فاقے کی حالت ﴿وَمَنْ يُّوْقَ﴾ اور جو شخص بچالیا گیا ﴿شُحَّ نَفْسِهٖ﴾ اپنے نفس کے بخل سے ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

مالِ فئی کے مصارف

جو مال دشمن سے حاصل ہو اور اس میں لڑائی کی نوبت نہ آئی ہو تو یہ مالِ فئی کہلاتا ہے۔ فرمایا ﴿مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ جو مالِ فئی دلوایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ﴿مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ بستیوں والوں سے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ بستیاں مدینہ کے ارد گرد جہاں بنو قریظہ اور بنو نضیر رہتے تھے اور خیبر جو مدینہ سے ایک سو اسی کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے اور فدک جو خیبر سے پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اور عرینہ اور یَنْبَعْ ہیں۔ جہاں سے مسلمانوں کو لڑائی کے بغیر ہی دشمنوں

سے مال حاصل ہوا۔

اس مال کے مصارف میں سے پہلے نمبر پر فرمایا ﴿فَلِلّٰهِ﴾ کہ وہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے۔اس کی تین طرح سے تفسیر کی گئی ہے۔ایک یہ کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے اس کے بارے میں جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔دوسری تفسیر یہ کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کے گھروں، بیت اللہ اور دیگر مساجد پر خرچ کیا جائے۔اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو مال کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے اس کا ذکر یہاں صرف تبرک کے لیے کیا گیا ہے۔

مالِ فئی کا دوسرا مصرف ﴿وَلِلرَّسُوْلِ﴾ فرمایا۔کہ یہ مال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مال کو اپنے گھریلو اخراجات اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اخراجات میں صرف فرماتے، محتاجوں کو دیتے اور باقی مال مجاہدین کی تیاری، خوراک، سواری اور اسلحہ وغیرہ میں خرچ فرماتے تھے۔

اور تیسرا مصرف ﴿وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ فرمایا۔اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔جو کہ آل عباس، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد۔آل علی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد۔آل جعفر، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد۔آل عقیل، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد اور آل حارث، حارث بن عبدالمطلب کا خاندان ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ازواج مطہرات اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کے علاوہ یہی آل محمد کہلاتے ہیں۔ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔اس لیے ان کو مالِ فئی سے حصہ دیا گیا تاکہ ان سے تعاون ہو جائے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ وہ آلِ محمد میں شامل ہیں مگر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ آلِ محمد میں شامل ہونے کے باوجود ان پر زکوٰۃ لینا حرام نہیں تھا۔مگر صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان کے لیے بھی زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ لینا حلال نہیں تھا۔(تفصیل کے لیے دیکھیں الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی)

اور چوتھا مصرف ﴿وَالْیَتٰمٰی﴾ فرمایا کہ مالِ فئی کے مستحق یتیم ہیں یعنی وہ بچے جو ابھی تک نابالغ ہیں اور ان کے باپ فوت ہو جائیں۔اور پانچواں مصرف ﴿وَالْمَسٰکِیْنِ﴾ فرمایا کہ مالِ فئی کے مستحق مساکین ہیں۔بعض مفسرین نے فقیر اور مسکین کو ایک ہی قرار دیا ہے کہ جس کے پاس اپنی ضروری حاجات پوری کرنے جتنا مال نہ ہو۔اور بعض نے کہا کہ فقیر وہ ہوتا ہے لَا مَالَ لَهٗ جس کے پاس مال بالکل نہ ہو۔اور مسکین وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہو مگر اس مال سے اس کی ضروری حاجات پوری نہ ہوتی ہوں۔ضروری حاجات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔مثلاً: خوراک، رہائش اور لباس وغیرہ۔ان سے مراد آرام اور تعیش کا سامان نہیں ہے جو کہ آج کل معاشرے میں تکلف کے ساتھ اپنے آپ پر بوجھ ڈال لیا گیا ہے۔

اور چھٹا مصرف ﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ فرمایا۔کہ اس مال کا مستحق مسافر بھی ہے۔سفر کے دوران کسی حادثہ کے پیش آجانے یا سفر خرچ چوری ہو جانے یا کسی بھی وجہ سے سفر خرچ ختم ہو جانے کے باعث مسافر تعاون کا مستحق ہوتا ہے۔بعض حضرات نے فرمایا کہ اس مسافر سے مراد سفر حج میں جانے والا ہے۔جس کا سفر کے دوران خرچ ختم ہو جائے۔بعض نے کہا کہ دین کی خاطر سفر کرنے والا مراد ہے جیسے دینی طلبہ۔ایسے مسافروں کی مالِ فئی اور زکوٰۃ کے مال سے اعانت کی جاسکتی ہے۔

مال کی تقسیم میں غرباء کا حصہ مقرر کرنے میں حکمت

نزولِ قرآن کے وقت معاشرے میں یہ طور طریقہ رائج تھا کہ دولت صاحبِ حیثیت لوگ ہی سمیٹ لیتے تھے اور غرباء کو محروم رکھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے ذریعے سے معاشرے میں پائی جانے والی اس خرابی کو دور کرنے کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ مال کی تقسیم میں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں وغیرہم کا حصہ اس لیے مقرر کیا گیا ﴿كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ﴾ تاکہ یہ دولت صرف تمہارے دولت مندوں میں ہی نہ گھومتی رہے بلکہ ان محتاجوں کو بھی اس میں سے حصہ ملتا رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر و نواہی کی پابندی کا حکم

مالِ فیٔ کے مصارف بیان کرنے کے بعد ﴿وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔ اس کا ذکر مال کی تقسیم کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس سے اول درجہ میں مراد یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کو دیں جتنا دیں وہ لے لو۔ اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ اور جو چیز نہ دیں یا جس کو نہ دیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس مال کا اختیار اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا وہ اپنے اختیار سے جو چاہیں کریں۔ پھر اس کے ضمن میں یہ حکم عام بھی ہے کہ صرف مال کی تقسیم میں ہی نہیں بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی حکم دیں اس کی اطاعت کرو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر اور نواہی کی پابندی کرنا امت پر لازم ہے۔

اور فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے۔ بدعات کو اسی لیے شَرُّ الْاُمُوْر تمام کاموں میں برا قرار دیا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق کار اور سنت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ جب کسی مجرم کو پکڑتا ہے تو سخت سے سخت سزا دیتا ہے اور کوئی بھی مجرم اس سے چھڑا نہیں سکتا۔

مالِ فیٔ کا ساتواں مصرف اور مہاجرین کی تعریف

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ﴾ سے مالِ فیٔ کے مصارف میں سے ساتواں مصرف بیان کیا جا رہا ہے کہ فیٔ کا مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو فقراء مہاجرین ہیں۔ پھر فقراء مہاجرین کی تعریف کرتے ہوئے ان کی نمایاں چھ صفات بیان کی گئی ہیں۔

﴿الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ﴾ ان کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی کہ ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ وہ لوگ اپنے گھروں میں آباد تھے مگر ایمان قبول کر لینے کی وجہ سے مشرکین نے ان کے ساتھ ایسا ظالمانہ انداز اختیار کر لیا کہ ان کو گھر چھوڑنے پڑے ﴿وَ اَمْوَالِهِمْ﴾ ان کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی کہ ان کو ان کے مالوں سے نکال دیا گیا۔ یعنی مالوں سے

بے دخل کر دیا گیا حالانکہ وہ مکانات اور بھیڑ بکریوں وغیرہ اموال کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا اور ہجرت کر گئے۔

﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ان کی تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے متلاشی ہیں۔ سب مصائب انھوں نے اللہ کا فضل طلب کرتے ہوئے برداشت کیے۔ فضل سے مراد رزق حلال بھی ہے جو خوش حال زندگی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو غنیمت کے مال اور دیگر ذرائع سے رزق حلال نصیب فرمایا۔ اور فضل سے مراد فضیلت حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان مصائب کے بدلے میں ان کو فضیلت عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت میں سب سے بڑا درجہ السابقون الاولون من المہاجرین والانصار کا ہے۔ یعنی وہ حضرات جنھوں نے پہلے پہل ہجرت کی اور وہ حضرات جو ان کے مددگار بنے۔

﴿وَرِضْوَانًا﴾ مہاجرین فقراء کی چوتھی صفت بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ ایمان والوں کا ایمان لانے اور اعمال صالحہ بجا لانے میں اصل مقصد یہی ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ ان حضرات کے خلوص کی گواہی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اور رضوان کا معنیٰ قرب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا قرب عطا فرمایا کہ ان کو اپنے نبی ﷺ اور باقی تمام امت کے درمیان واسطہ بنا دیا۔ امت کو تمام اعمال کا طریقہ اور احکام حتیٰ کہ قرآن کریم اور نماز بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ہی ملی۔

﴿وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ فقراء مہاجرین کی پانچویں صفت بیان کی گئی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں اور رسول ﷺ کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے نبی کی ذات اقدس اور اس کے لائے ہوئے پروگرام دونوں کی مدد کرتے ہیں۔ حضرات مہاجرین اور انصار نے اللہ کے نبی ﷺ کی عملاً بھی ایسی مدد کی کہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور پروگرام کی بھی ایسے انداز سے مدد کی کہ عالم اسباب میں دین وسنت کی حفاظت و بقا کا ذریعہ یہی لوگ بنے۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ فقراء مہاجرین کی چھٹی صفت بیان فرمائی کہ یہی لوگ سچے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہاں فقراء مہاجرین کو سچے کہا اور پہلے پارہ کے آخری رکوع میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ ایمان قرار دیا اور فرمایا ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ [البقرۃ: ۱۳۷] "پس اگر یہ لوگ اسی طرح کا ایمان لائیں گے جس طرح کا ایمان تم لائے ہو تو تب یہ لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔" ان جیسے قطعی دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہائے کرام و محدثین عظام نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے تمام صحابہ ثقہ اور عادل ہیں۔ ان پر طعن کا کسی کو حق نہیں۔ بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ "جو میرے صحابہ پر طعن کرے گا اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی جانب سے

لعنت ہوگی۔"

ایک اہم فقہی مسئلہ

یہاں ایک اہم فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کافر مسلمان کے مال پر زبردستی قابض ہوکر دارحرب میں لے جائیں یا مسلمان کا مال دارحرب میں ہی ہو اور کافر اس پر قابض ہوجائیں تو کیا کافر اس مال کے مالک بن جاتے ہیں یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ایسی صورت میں کافر اس مال کے مالک بن جاتے ہیں۔ جب کہ شوافع حضرات کے نزدیک کافر اس مال کے مالک نہیں بنتے۔ احناف نے اپنے اس موقف پر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ قرآن کریم کی اسی آیت ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ﴾ سے بھی احناف نے استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے۔ اگر وہ مال جو وہ مکہ میں چھوڑ کر گئے تھے (اور مکہ اس وقت دارالحرب تھا) اور کافروں نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ اگر اس پر ان کی ملکیت باقی رہتی تو ان کو فقراء نہ کہا جاتا۔ اس لیے کہ فقیر وہ ہوتا ہے جس کی ملکیت میں مال نہ ہو۔ اس آیت کے مفہوم سے واضح ہوگیا کہ اس مال میں مہاجرین کی ملکیت ختم ہوگئی اور کافر اس کے مالک بن گئے۔ اسی لیے مہاجرین کو فقراء کہا گیا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مکان موجود تھا جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل نے قبضہ کرلیا تھا اور وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ مکان عقیل نے بیچ دیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ مکہ میں کہاں ٹھہریں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے چھوڑا ہی کیا ہے؟ اس لیے ہم خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے جہاں قریش کے مختلف قبائل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے مومن ساتھیوں کے ساتھ اور ان کے معاونین کے ساتھ بائیکاٹ کے لیے قسمیں اُٹھا کر معاہدہ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تین سال تک شعب ابی طالب میں انتہائی مشقت کی زندگی گزارنا پڑی۔ خیف بنی کنانہ میں ٹھہرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار اور مخالفین کو عبرت دلانا تھا کہ ایک وقت تھا جب مخالفین نے ایسا ظالمانہ معاہدہ کیا تھا اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی ہے اور تمام مخالف مغلوب ہو چکے ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عقیل نے ہمارے لیے چھوڑا ہی کیا ہے۔ اس روایت کے مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اس مکان کی ملکیت کو ختم سمجھ لیا تھا جس کو عقیل نے قبضہ کرنے کے بعد بیچ دیا تھا۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اس مکان میں اپنی ملکیت کو باقی رکھتے۔ اسی طرح حضرات مہاجرین جو جائیدادیں مکہ میں چھوڑ کر گئے تھے اور ان پر مشرکین نے قبضہ کرلیا تھا۔ وہ جائیدادیں بھی حضرات مہاجرین کو فتح مکہ کے بعد واپس نہیں کی گئی تھیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ دارحرب میں جو جائیدادیں مسلمان چھوڑ کر جائیں اور ان پر مشرکین قابض ہوجائیں تو وہ جائیدادیں مسلمانوں کی ملکیت سے نکل جاتی ہیں اور کافر ان کے مالک بن جاتے ہیں اور ان کے تصرفات ان جائیدادوں میں ان کا حق سمجھا جاتا ہے۔

مالِ فئی کا آٹھواں مصرف اور انصار کی تعریف

﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ﴾ میں ﴿الَّذِیْنَ﴾ کا عطف ﴿الْمُهٰجِرِیْنَ﴾ پر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے مالِ فئی میں انصارِ مدینہ کے فقراء کا بھی حق ہے۔ تو یہاں سے مالِ فئی کا آٹھواں مصرف بیان کیا جا رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ انصارِ مدینہ کی تعریف بھی کی گئی ہے۔

﴿تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ اصل میں ہے تَبَوَّؤا دار الهجرة و الایمان۔ ﴿الدَّارَ﴾ اصل میں دار الهجرة اور ﴿وَالْاِیْمَانَ﴾ اصل میں دار الایمان تھا۔ دار کے مضاف الیہ الهجرة کو حذف کر کے اس کی جگہ دار پر الف لام لایا گیا اور الایمان کے مضاف دار کو حذف کر دیا گیا۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی دار الهجرة اور دار الایمان کو ٹھکانا بنایا۔ انصارِ مدینہ میں نمایاں طور پر دو قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ جن میں بعض یہودی اور بعض عیسائی تھے۔ مگر ان کی اکثریت مشرکین میں سے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈالی۔ اور یہ تقریباً ایک ہزار سال سے مدینہ منورہ میں آباد تھے۔ مدینہ منورہ کے ان مسلمانوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ والوں کی زیادتیوں کا پتا چلا تو اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں ہجرت کر جانے کی دعوت دی اور ہر قسم کی مدد کی یقین دہانی کرائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلوص اور اسلامی جذبہ کو دنیا والوں کے سامنے اجاگر کرنے کے لیے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کو مدینہ منورہ کی جانب ہی ہجرت کی تلقین فرمائی۔

﴿تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ﴾ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿وَالْاِیْمَانَ﴾ میں واو مع کے معنٰی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے ایمان کے ساتھ مدینہ کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ ﴿تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ﴾ کی تیسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایمان کا فعل محذوف ہے۔ اور یہ اصل میں ہے اخلصوا الایمان وہ لوگ جنھوں نے دارِ ہجرت کو ٹھکانا بنایا اور ایمان کو خالص کیا۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ ﴿تَبَوَّؤا﴾ کا معنٰی ہے الزموا یعنی انھوں نے دارِ ہجرت اور ایمان کو لازم پکڑا اور کسی قسم کے لالچ اور خوف کو خاطر میں نہ لائے۔ پانچویں تفسیر یہ ہے تبوؤا المهاجرین و الایمان الدار۔ وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین اور اسلام کو مدینہ میں ٹھکانا دیا۔ ہر تفسیر کے مطابق انصارِ مدینہ کی فضیلت نمایاں ہوتی ہے کہ انھوں نے ہجرت کر کے آنے والوں کو بھی جگہ دی اور عالمِ اسباب میں اسلام کی بقا اور حفاظت کا ذریعہ بھی بنے۔ انصارِ مدینہ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ مہاجرین اور اسلام کے ایسے معاون بنے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

انصارِ مدینہ کی دوسری صفت بیان فرمائی ﴿یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ﴾ وہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے آئے ان کے پاس۔ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جس قدر محبت کا مظاہرہ کیا اور اس پر عمل کر کے دکھایا یہ ان ہی کا حصہ

تھا۔اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ان کو اپنے مال وجائیداد میں نہ صرف شریک کیا بلکہ ان کے ذمہ کا کام بھی خود کرتے اور ان کو برابر کا حصہ دیتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارا قائم کیا تو انصارِ مدینہ نے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر اس بھائی چارے کو نبھایا۔اور مہاجرین نے بھی اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

انصارِ مدینہ کی تیسری صفت بیان فرمائی ﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا﴾ اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس کے بارے میں انصار اپنے دلوں میں کوئی تنگی، کوئی خواہش اور کوئی حسد نہیں پاتے۔عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کو دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے تو جس کو نہ دیا جائے وہ اپنے دل میں خلش، حسد اور اس کی طلب کی خواہش پاتا ہے۔مگر انصارِ مدینہ کے دل ایسے صاف ستھرے اور خلوص سے بھرے ہوئے تھے کہ وہ مہاجرین کو ملنے والی چیزوں کے بارے میں کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ بہت سے واقعات ایسے ہیں جہاں انصارِ مدینہ کو دیا گیا اور مہاجرین کو وقتی مصلحت کے تحت نہ دیا گیا تو انصارِ مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی دیا جائے۔

سورۃ الحشر میں بنونضیر قبیلہ کے یہودیوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو مدینہ سے جلا وطن کیا گیا اور ان کا جو مال مسلمانوں کو ملا اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصارِ مدینہ کے دو قبیلوں، اوس اور خزرج کے سرداروں حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین کی مالی حالت کمزور ہے اور اب تک زیادہ تر مہاجرین کا گزر اوقات اس مال میں سے ہو رہا ہے جو تم نے ان کو دیا ہے۔اگر یہ مال مہاجرین کو دے دیا جائے تو ان کی مالی حالت کچھ بہتر ہو جائے گی اور تمھارے اوپر ان کی کفالت کا جو بوجھ ہے وہ بھی کم ہو جائے گا۔تو دونوں حضرات نے اپنے اپنے قبیلے کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب میں کہا کہ ہم اس تقسیم پر بالکل راضی ہیں اور ہم نے جو مہاجرین کو دے رکھا ہے وہ بھی واپس نہیں لیں گے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں فرمایا ﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا﴾ اور وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے اس چیز کی وجہ سے جو مہاجرین کو دی گئی۔

انصارِ مدینہ کی چوتھی صفت بیان کی گئی کہ ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ وہ تنگی کی حالت میں ہوں۔انسانی مزاج میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہی مقدم رکھتا ہے مگر انصارِ مدینہ نے اپنی پروا کیے بغیر دوسروں کی حاجات کا خیال رکھا۔

ایثار کا عمومی مظاہرہ

انصارِ مدینہ نے عمومی ایثار کا مظاہرہ بھی فرمایا کہ اپنے سکون و آرام پر اور اپنی ضروریات و حاجات پر دوسروں کو ترجیح کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ مہاجرین کو یہ احساس ہونے لگا کہ سارا ثواب تو انصار ہی لے گئے۔اور اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم انصارِ مدینہ کے حق میں دعائیں کرو گے تو تم بھی اجر و ثواب میں ان کے ساتھ

شریک ہو جاؤ گے۔

خصوصی ایثار

بخاری شریف کتاب التفسیر وغیرہ میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ہاں مہمان آیا۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں باری باری پیغام بھیجا کہ اگر مہمان کے کھانے کا انتظام ہو سکے تو کر دیں۔ مگر تمام گھروں سے یہی جواب آیا کہ ہمارے ہاں مہمان کے لیے کچھ بھی نہیں۔ تو آپ ﷺ نے نماز کے بعد اعلان فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے ہاں مہمان کے کھانے کا انتظام ہو سکے تو وہ مہمان کو کھانا کھلا دے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اس مہمان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ بیوی سے پوچھا کہ کھانا ہے؟ تو اس نے کہا کہ تھوڑا سا کھانا ہے جو بہ مشکل ہمارے اور ہمارے بچوں کے لیے کفایت کرے گا۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے فرمایا نَوِّمِيْ صِبْيَانَكِ "اپنے بچوں کو کسی طرح سُلا دے۔" جب ہم مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا شروع کریں گے تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا تا کہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم بھی مہمان کے ساتھ کھا رہے ہیں اور مہمان پیٹ بھر کر کھا لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میاں بیوی نے خود بھی اور ان کے بچوں نے بھی رات بھوک کی حالت میں گزاری اور کھانا مہمان کو کھلا دیا۔ جب صبح کو آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمھارے اس عمل سے بہت خوش ہوا ہے اور اس نے اس پر ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ آیت کا حصہ اُتارا ہے۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کا شانِ نزول یہ واقعہ ہے۔

اس طرح کے اور بھی واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پائے جاتے ہیں۔

انصارِ مدینہ کی پانچویں صفت بیان فرمائی کہ وہ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے ہیں ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ﴾ ﴿شُحَّ﴾ کہتے ہیں حرص مع البخل ایسی لالچ جس کے ساتھ بخل بھی ملا ہوا ہو۔ اکیلی لالچ اور اکیلا بخل بہت سی قباحتوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ تو اگر دونوں کا مجموعہ کسی میں پایا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اصول بیان فرمایا کہ جو بھی نفس کے ﴿شُحَّ﴾ سے بچایا گیا وہ کامیاب ہوگا اور یہ وصف ان میں پایا جا رہا ہے جن کا ذکر ہو رہا ہے۔

ان صفات کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کی صفات بیان کرنے کے بعد ان صفات کا نتیجہ یہ فرمایا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا انصار کے ساتھ محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ﴾ اور ان لوگوں کے لیے ہے جو آئے ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ وہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے پروردگار ﴿اغْفِرْ لَنَا﴾ تو معاف کردے ہمیں ﴿وَلِاِخْوَانِنَا﴾ اور ہمارے اُن بھائیوں کو ﴿الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ﴾ جو ہم سے پہلے لا چکے ہیں ایمان ﴿وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا﴾ اور نہ کر تو ہمارے دلوں میں ﴿غِلًّا﴾ کھوٹ ﴿لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے پروردگار ﴿اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک تو ہی نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں ﴿اِلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کی جانب ﴿نَافَقُوْا﴾ جو منافق ہیں ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ وہ کہتے ہیں ﴿لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اپنے اُن بھائیوں سے جنھوں نے کفر کیا ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے ﴿لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ﴾ البتہ اگر تم نکالے گئے تو ﴿لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ﴾ البتہ ضرور بہ ضرور ہم نکلیں گے تمھارے ساتھ ﴿وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا﴾ اور نہیں بات مانیں گے ہم تمھارے بارے میں کسی کی کبھی بھی ﴿وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ﴾ اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ﴿لَنَنْصُرَنَّكُمْ﴾ البتہ ضرور بہ ضرور ہم تمھاری مدد کریں گے ﴿وَاللّٰهُ یَشْهَدُ﴾ اور اللہ گواہی دیتا ہے ﴿اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بے شک وہ البتہ جھوٹ بولنے والے ہیں ﴿لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا﴾ البتہ اگر وہ نکالے گئے تو ﴿لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ﴾ نہیں نکلیں گے وہ ان کے ساتھ ﴿وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا﴾ اور البتہ اگر ان سے لڑائی کی گئی تو ﴿لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ﴾ وہ ان کی مدد نہیں کریں گے ﴿وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ﴾ اور البتہ اگر اُنھوں نے مدد کی ان کی تو ﴿لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ﴾ البتہ وہ ضرور بہ ضرور بھاگ جائیں گے ﴿ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ﴾ پھر وہ مدد نہیں کیے جائیں گے ﴿لَاَنْتُمْ اَشَدُّ﴾ البتہ تم زیادہ سخت ہو ﴿رَهْبَةً﴾ خوف ڈالنے والے ﴿فِیْ صُدُوْرِهِمْ﴾ اُن کے دلوں میں ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ ﴿قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ﴾ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے ﴿لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا﴾ وہ نہیں لڑ سکتے تمھارے ساتھ سارے جمع ہو کر ﴿اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ﴾ مگر ایسی بستیوں میں جو قلعوں کی صورت میں بنائی گئی ہیں ﴿اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ یا دیواروں کے پیچھے سے ﴿بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ﴾ اُن کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا﴾ آپ ان کو خیال کرتے ہیں اکٹھے ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ حالانکہ اُن کے دل متفرق ہیں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ ﴿قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ﴾ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے ﴿كَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان یہود بنو نضیر کی مثال ایسے ہے جیسے مثال اُن لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے ﴿قَرِیْبًا﴾ قریب زمانہ میں ﴿ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ اُنھوں نے چکھ لیا وبال اپنی کرتوتوں کا ﴿وَ

﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ﴾ ان منافقوں کی مثال ایسے ہے جیسے مثال شیطان کی ﴿اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ﴾ جب وہ کہتا ہے انسان سے کہ کافر ہوجا ﴿فَلَمَّا كَفَرَ﴾ پس جب وہ کافر ہوجاتا ہے ﴿قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ﴾ تو شیطان کہتا ہے بے شک میں تجھ سے لاتعلق ہوں ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے ﴿فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ﴾ پس ہے ان دونوں کا انجام ﴿اَنَّهُمَا فِی النَّارِ﴾ کہ بے شک وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے ﴿خَالِدَیْنِ فِیْهَا﴾ وہ دونوں اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَ ذٰلِكَ﴾ اور یہ (دوزخ میں ہمیشہ رہنا) ﴿جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ﴾ بدلہ ہے ظالموں کا۔

مالِ فئ کا نواں مصرف

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ﴾ میں ﴿الَّذِیْنَ﴾ کا عطف پہلے مذکور ﴿الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ﴾ پر ہے اور اس کا عطف ﴿الْمُهٰجِرِیْنَ﴾ پر ہے۔تو اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوگا کہ جو مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والوں میں فقراء ہیں فئی کے مال میں ان کا بھی حق ہے۔

﴿وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ کی تفسیر دو طرح سے کی گئی ہے۔بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ﴿الْمُهٰجِرِیْنَ﴾ اور ﴿الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا﴾ میں ان مہاجرین اور انصار کا ذکر ہے جو پہلے پہل مہاجر اور انصار بنے اور ﴿الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ سے مراد وہ مہاجرین اور انصار ہیں جو ان کے بعد مہاجر اور انصار بنے۔اس تفسیر کے مطابق یہ حضرات بھی مہاجرین اور انصار ہی میں سے ہیں۔

دوسری تفسیر جس کے مطابق جمہور کا نظریہ ہے۔وہ یہ ہے کہ ﴿الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ سے مراد وہ مومن ہیں جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئے اور یہاں سے مہاجرین اور انصار کے علاوہ تیسرے گروہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔یعنی جو مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک آنے والے مومن فقراء ہیں وہ بھی فئی کے مال کے حق دار ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جو فتوحات حاصل کیں ان کی زمینیں بیت المال میں شامل فرمائیں صرف مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمائیں تاکہ بعد میں آنے والے فقراء مومنین بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والوں کی صفات

مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے جن حضرات کو مالِ فئی کا حق دار قرار دیا گیا ہے اُن کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ ﴿یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا﴾ وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف کردے۔وہ اپنی کوتاہیوں کی اپنے رب سے معافی مانگتے ہیں۔اور دوسری صفت یہ بیان فرمائی ﴿وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ﴾ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اُن بھائیوں کو بھی معاف کردے جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں۔بعد میں آنے والوں کو ایمان اور دینی احکام

پہلے لوگوں بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رہنمائی سے حاصل ہوتے ہیں۔اس لیے ان کے احسان کے بدلے میں ان کے حق میں بخشش کی دعا کرتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی نے دوسرے پر احسان کیا تو جس پر احسان کیا گیا اس نے کہا **جزاك الله خيرا** کہ اللہ تجھے اچھا بدلہ دے۔تو اس دعا کرنے کی وجہ سے اس نے احسان کا بدلہ دے دیا۔

اور تیسری صفت بیان فرمائی کہ وہ کہتے ہیں ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اور نہ ڈال تو ہمارے دلوں میں بغض، کینہ، حسد اور کھوٹ ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان لائے۔ایک مومن آدمی کا دل دوسرے مومن کے بارے میں حسد وغیرہ سے صاف ستھرا ہونا چاہیے۔بالخصوص اپنے اسلاف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو ذرا برابر بھی میل دل میں نہیں ہونی چاہیے۔اور اگر کسی کے دل میں ان کے بارے میں بغض اور حسد پایا جاتا ہے تو وہ فئی کے مال کا حق دار نہیں ہوگا۔اسی لیے تفسیر روح المعانی اور تفسیر قرطبی وغیرہ میں وضاحت ہے کہ جو شیعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دل میں بغض رکھتے ہیں وہ فئی کے مال کے حق دار نہیں ہیں۔اس لیے کہ حق دار وہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان والوں کے بارے میں بغض اور حسد نہ ہو۔خوارج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بغض رکھتے ہیں۔ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اور چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے عقیدہ ونظریہ کا یوں اظہار کرتے ہیں ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہی نرمی کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔جو شخص بھی تیرے ہاں نرمی اور رحم کے لائق ہو تو اس پر بڑی شفقت اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

منافقین کا کردار

جب یہود کے قبیلہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینہ منورہ کے دیگر قبائل کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عہد شکنی کی سزا دینے کا ارادہ فرمایا اور ان کا محاصرہ کیا تو وہ ایک مضبوط قلعے میں بند ہو گئے اور باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی ہمت اُن میں نہ رہی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو مدینہ منورہ چھوڑنے اور جلاوطنی کی پیش کش کی۔اس دوران رئیس المنافقین عبد اللہ ابن اُبی نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ تم کمزوری کا مظاہرہ نہ کرنا اور نہ ہی کوئی شرط قبول کرنا۔اور ان کو اپنی طرف سے اور مسلمانوں کے مخالف قبائل بالخصوص قبیلہ بنی غطفان کی جانب سے یقین دہانی کرائی کہ ہم تمھاری ہر ممکن مدد کریں گے۔اور ان سے کہا کہ اگر مسلمانوں نے تمھیں جلاوطن کیا تو ہم بھی تمھارے ساتھ مدینہ کو چھوڑ دیں گے۔اور اگر تمھاری مسلمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تو ہم ہر طرح تمھاری مدد کریں گے۔

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا﴾ سے اسی واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔اس سے پہلے رکوع میں بھی بنو نضیر کی جلاوطنی اور ان سے حاصل ہونے والے مال کا ذکر تھا۔اور اس رکوع میں منافقین کی جانب سے بنی نضیر کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے اور جھوٹی تسلیوں کا ذکر ہے۔منافقین کا کردار ہمیشہ کھلے کافروں سے بھی زیادہ خطرناک رہا ہے۔یہ ظاہر میں مسلمانوں کی صفوں میں

شامل ہو کر کافروں کے طرف دار ہی بنے۔

﴿نَافَقُوْا﴾ سے مراد عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی ہیں ﴿یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ سے مراد بنونضیر قبیلہ کے یہودی ہیں۔ یہودیوں کو منافقین کا بھائی اس لیے کہا گیا کہ اندرے وہ ایک ہی تھے۔ دونوں کے دلوں میں کفر اور مسلمانوں کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ منافقین نے بنونضیر کو تسلی دیتے ہوئے اور اپنی جانب سے مدد کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ ﴿لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ﴾ اگر تمھیں مدینہ سے نکالا گیا تو ہم بھی تمھارے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں گے ﴿وَ لَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا﴾ اور تمھارے بارے میں کسی کی کبھی بھی بات نہیں مانیں گے ﴿وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ﴾ اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ﴿وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس لیے یہ باتیں وہ دکھاوے کے لیے کرتے تھے۔ حقیقت میں وہ ایسا کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے اس لیے ان کی حالت کو ظاہر فرما دیا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ فرمایا ﴿لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ﴾ اگر بنونضیر کو مدینہ سے نکال کر جلاوطن کر دیا گیا تو منافقین اپنے گھر بار چھوڑ کر نہیں جائیں گے ﴿وَ لَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَ لَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ﴾ اور اگر مسلمانوں کی ان سے لڑائی ہوئی تو یہ منافقین بنونضیر کی مدد نہیں کر سکیں گے اور اگر اُنھوں نے مدد کی کوشش کی تو ٹھہر نہیں سکیں گے بلکہ ﴿لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ﴾ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ﴿ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ﴾ لَا یُنْصَرُوْنَ مجہول کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے جس کا فاعل مذکور نہیں ہوتا۔ جب وہ مدد نہیں کیے جائیں گے تو اس سے واضح ہو گیا کہ کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرے گا۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی حق اور سچ ثابت ہوا کہ جب بنونضیر کو مدینہ سے نکالا جا رہا تھا اس وقت کوئی منافق ان کی مدد کے لیے نہ آیا۔ بلکہ منافقین اس وقت اپنے گھروں میں چھپے رہے۔

﴿لَاَنْتُمْ﴾ میں لام کے ساتھ الف زائدہ ہے جو لکھنے میں آتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں رسم الخط میں اسی طرح تھا اور لام تاکید کے لیے ہے۔

مسلمانوں کا رعب منافقوں کے دلوں میں

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ﴿لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ تمھارا خوف ان منافقین کے دلوں میں اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے یہ اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے ڈرتے ہیں۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو منافقت نہ کرتے بلکہ سچے مومن ہوتے۔ اور تم سے ڈر کر اُنھوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں شامل کر رکھا ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ﴾ اور یہی اُن کی بے سمجھی کی دلیل ہے۔ اگر اُن میں سمجھ بوجھ ہوتی تو ایسا نہ کرتے۔

مخالفینِ اسلام کی کمزوری

﴿لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا﴾ سے اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ اسلام خواہ وہ منافق ہوں یا کھلے کافر، ان کی کمزوری کو ظاہر فرمایا ہے

کہ اے مسلمانو! یہ سارے اکٹھے ہو کر بھی تمھارے ساتھ نہیں لڑ سکتے ﴿اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ﴾ مگر ایسی بستیوں میں تمھارا مقابلہ کرتے ہیں جو بستیاں قلعوں کی طرح محفوظ بنائی گئی ہیں ﴿اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ یا دیواروں کے پیچھے سے چھپ کر لڑتے ہیں۔ سامنے آ کر لڑنا ان کے بس کی بات نہیں۔ آج بھی مخالفینِ اسلام لڑاکا طیاروں اور میزائلوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ آمنے سامنے لڑنے کی ہمت اُن میں نہیں ہے۔ اس لیے اُنھوں نے یہ مہلک ہتھیار تیار کیے ہیں۔

﴿بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ﴾ منافقین اور یہود کے درمیان لڑائیاں بڑی سخت ہیں ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ آپ ان کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ یہ اکٹھے ہیں حالانکہ ان کے دل آپس میں مختلف ہیں۔ یہی حال آج کے دور میں امریکہ، روس، چین، فرانس اور برطانیہ وغیرہ کا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سب جمع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی آپس کی لڑائیاں اتنی سخت ہیں کہ ایک دوسرے کے وجود کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا الكفر ملة واحدة "مسلمانوں کے خلاف تمام کافر ایک ہی جماعت ہیں۔" اس لیے مسلمانوں کو اپنی اجتماعیت قائم کرنے اور قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ منافقوں اور کافروں کا مسلمانوں کے خلاف یہ انداز اس وجہ سے ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾ اس وجہ سے ہے کہ بے شک یہ بے عقل لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے لوگوں کو بے عقل فرمایا ہے مگر غافل مسلمان ایسے لوگوں کو بڑے عقل مند ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے عجیب قسم کی اشیاء ایجاد کرنا عقل مندی نہیں بلکہ یہ فن کاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے پرندے بھی اپنے گھونسلے بنانے میں اپنی ایسی فن کاری کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اگر ان عجیب اشیاء کی ایجاد کو عقل مندی قرار بھی دیا جائے تو ان پر عقل مندی کا اطلاق ثانوی درجے میں ہوگا اس لیے کہ اصل عقل مندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا جائے اور حق کے راستے کا اتباع کیا جائے۔

دو مثالیں

اللہ تعالیٰ نے یہاں دو مثالیں بیان فرمائی۔ ایک یہود بنونضیر کی اور دوسری منافقین کی۔ پہلی مثال میں فرمایا کہ ﴿كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا﴾ یہود بنونضیر کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو قریب زمانہ میں ان سے پہلے تھے ﴿ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ جنھوں نے اپنی کرتوتوں کی سزا چکھی۔

﴿مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا﴾ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ ان سے مراد بنو قینقاع قبیلہ کے یہودی ہیں۔ جنھوں نے معاہدہ کی غداری کی تو ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اسی طرح بنونضیر نے عہد شکنی کی تو ان کو بھی جلاوطن کر دیا گیا۔ اور دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ان سے مراد وہ مشرکین ہیں جو بڑی تیاری اور ناز و نخرہ کے ساتھ کھیل کود اور شراب کے مٹکے اور گانے والی عورتوں کو لے کر بدر میں شریک ہوئے تھے مگر ان کا انجام قیامت تک کے لیے عبرت کا باعث بن گیا۔ اسی طرح بنونضیر اپنے باغات، تجارت اور قبائل سے روابط کی وجہ سے اور منافقین کے اُکسانے کی وجہ سے اِترانے لگے اور مسلمانوں کے خلاف لڑائی

پرآمادہ ہوگئے۔مگراُن کا انجام ذلت ورسوائی اور جلاوطنی کی صورت میں بعد والوں کے لیے عبرت کا باعث بن گیا۔

دوسری مثال میں منافقین کے کردار کو شیطان کے کردار جیسا قرار دیا گیا کہ منافقین نے بنونضیر کو خوب اُکسایا اور لڑائی پر آمادہ کیا۔مگر جب لڑائی کی نوبت آئی تو ان کو چھوڑ کر گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے جیسے شیطان کسی آدمی کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور طرح طرح کے انداز اختیار کر کے اس کو کفر پر آمادہ کرتا ہے۔جب انسان کفر اختیار کر لیتا ہے تو یہ کہہ کر علیحدہ ہو جاتا ہے کہ میں تیری کارروائی سے لاتعلق ہوں۔میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔فرمایا ﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ ان منافقوں کی مثال ایسے ہے جیسے مثال شیطان کی ﴿ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ﴾ جب وہ کہتا ہے انسان سے کہ کافر ہو جا ﴿ فَلَمَّا كَفَرَ ﴾ پس جب وہ کافر ہو جاتا ہے ﴿ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ ﴾ تو شیطان کہتا ہے بے شک میں تجھ سے لاتعلق ہوں ﴿ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

اس آیت میں ﴿ لِلْاِنْسَانِ ﴾ سے مراد ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو شیطانی جال میں پھنس کر کفر اختیار کر لیتا ہے۔اور اس سے مراد خصوصیت کے ساتھ ابو جہل بھی ہو سکتا ہے کہ بدر کے موقع پر میدان میں لڑائی سے پہلے ابلیس بنو کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا اور ابو جہل کو خوب لڑائی پر اُکسایا اور مدد کی یقین دہانی کرائی۔مگر جب ابلیس نے آسمان سے فرشتے اُترتے دیکھے تو ابو جہل کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا اور کہنے لگا میں تم سے لاتعلق ہوں۔میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔اس واقعہ کے پیش نظر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں ﴿ لِلْاِنْسَانِ ﴾ سے مراد ابو جہل ہے۔اور بعض نے پہلی امتوں میں سے ایک نہایت عبادت گزار شخص برصیصا کا ذکر کیا ہے جس کو شیطان نے گمراہی میں ڈال دیا تھا۔

خدا خوفی کا زبانی دعویٰ

کچھ لوگ کفر و شرک اور بداعمالیوں پر اصرار کے باوجود زبان سے کہتے رہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔حالانکہ ان کا دعویٰ بالکل غلط ہے اس لیے کہ اگر حقیقت میں ان کے دلوں میں خدا خوفی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے عقائد و اعمال چھوڑ دیتے۔صرف زبان سے خدا خوفی کا اظہار تو ابلیس بھی کرتا ہے۔اور قرآن کریم میں دو جگہ مذکور ہے کہ ابلیس نے دعویٰ کیا ﴿ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ﴾ کہ میں بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

ابلیس اور اس کے پیروکار کافروں کا انجام

اللہ تعالیٰ نے جہنم کو اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے پیدا کیا ہے۔گناہ گار مسلمان اپنی اپنی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔یہاں اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کے اُکسانے پر کفر اختیار کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ﴿ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ﴾ کہ ان کا انجام یہ ہو گا کہ بے شک وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کبھی اُن کو وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔

﴿وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ظالموں کی سزا ہے اور اصل ظالم کافر ہی ہیں اسی لیے اُن کے بارے میں فرمایا گیا ﴿وَ الْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [البقرہ: ۲۵۴] "اور کافر ہی ظالم ہیں۔" اور شرک کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] "بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔" جب جہنم میں ہمیشہ رہنا ظالموں کی سزا ہے تو کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اے ایمان والو ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ﴾ اور چاہیے کہ دیکھے ہر آدمی ﴿مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اس چیز کو جو اس نے آگے بھیجی کل کے لیے ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرتے رہو اللہ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ﴿بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اُن کاموں کی جو تم کرتے ہو ﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا﴾ اور نہ ہو جاؤ تم ﴿كَالَّذِیْنَ﴾ اُن لوگوں کی طرح ﴿نَسُوا اللّٰهَ﴾ کہ بھلا دیا اُنھوں نے اللہ کو ﴿فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ تو بھلا دیا اس نے ان کو اپنا آپ ﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں ﴿لَا یَسْتَوِیْۤ﴾ نہیں برابر ہو سکتے ﴿اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ دوزخ والے ﴿وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ اور جنت والے ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ جنت والے ﴿هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ﴾ وہی کامیاب ہونے والے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا﴾ اگر ہم اُتارتے ﴿هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس قرآن کریم کو ﴿عَلٰى جَبَلٍ﴾ کسی پہاڑ پر ﴿لَّرَاَیْتَهٗ﴾ البتہ آپ دیکھتے اس کو ﴿خَاشِعًا﴾ جھکنے والا ﴿مُّتَصَدِّعًا﴾ ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا ﴿مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ﴿وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ﴾ اور یہ جو مثالیں ہیں ﴿نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ﴾ ہم ان کو بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے ﴿لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ غور و فکر کریں ﴿هُوَ اللّٰهُ﴾ وہی اللہ ہے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ذات ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ کہ نہیں کوئی معبود اس کے سوا ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کو ﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ﴾ وہ نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ﴾ وہی اللہ ہے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ذات ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے ﴿اَلْمَلِكُ﴾ وہ بادشاہ ہے ﴿الْقُدُّوْسُ﴾ وہ پاک ذات ہے ﴿السَّلٰمُ﴾ وہ سلامتی والا ہے ﴿الْمُؤْمِنُ﴾ وہ امن دینے والا ہے ﴿الْمُهَیْمِنُ﴾ وہ محافظ ہے ﴿الْعَزِیْزُ﴾ وہ غالب ہے ﴿الْجَبَّارُ﴾ وہ برائیوں کی اصلاح کرنے والا ہے ﴿الْمُتَكَبِّرُ﴾ وہ بڑائی والا ہے ﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے ﴿عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جن کو وہ لوگ شریک بناتے ہیں ﴿هُوَ اللّٰهُ﴾ وہ اللہ ہے ﴿الْخَالِقُ﴾ جو پیدا کرنے والا ہے ﴿الْبَارِئُ﴾ بنانے والا ہے

﴿الْمُصَوِّرُ﴾ تصویر بنانے والا ہے ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اس کے لیے نام ہیں بہت ہی اچھے ﴿یُسَبِّحُ لَهٗ﴾ تسبیح بیان کرتی ہیں اس کی ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں ﴿وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہی بڑی قوت والا حکمت والا ہے۔

ایمان والوں کو تقویٰ کی تلقین

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کے پیروکاروں کا انجام بیان فرمایا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بھی بیان ہوا کہ ابلیس خود بھی کافر ہے اور لوگوں کو بھی کافر بنانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اور زبان سے اللہ سے ڈرنے کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اب یہاں ایمان والوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور آخرت کی فکر کرو۔ فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اور چاہیے کہ دیکھے ہر آدمی اس چیز کو جو اس نے آگے بھیجی کل کے لیے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس آیت میں دو دفعہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فرمایا گیا ہے۔ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ ایک وجہ یہ بیان کی کہ پہلے ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے احکام کی پابندی کرو۔ اور دوسری دفعہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی نافرمانی والے اعمال سے بچو۔ اور ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلی دفعہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سے تمام ایمان والوں کو تقوے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو یہ تقویٰ عام ہے۔ اور دوسری دفعہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں خطاب خاص لوگوں کو ہے کہ نیک اعمال کی کوشش اور بُرے اعمال سے بچنے کی کوشش تو سارے مسلمان کرتے ہیں تم صغیرہ گناہوں سے بھی بچنے کی کوشش کرو۔

اور ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلی دفعہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سے مقصد یہ ہے کہ احکام شرع کی پابندی کرو، نیک اعمال کرو۔ اور دوسرے بُرے اعمال سے بچو۔ اور دوسری دفعہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سے مقصد یہ ہے کہ ان اعمال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے شرعی حدود کی پابندی اور خلوص نیت اور للّٰہیت کے ساتھ ان اعمال کو ادا کرو۔

غد کا معنی

اگلے دن کو غد کہا جاتا ہے۔ اسی لیے فرض اور واجب روزے کے لیے فجر کے طلوع ہونے سے پہلے رات کو روزے کی نیت کرنا ضروری ہے۔ رات کو نیت کی جاتی ہے کہ اس رات کے بعد جو دن طلوع ہونے والا ہے اس دن کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔ قیامت کے دن کو غد اس لیے کہا جاتا ہے کہ دنیا کی ساری عمر ایک دن اور اس کے بعد قیامت کا دن آئے گا جو اس دنیا کے دن سے اگلا دن ہوگا۔ اور اگلے دن کی تخصیص کیے بغیر آگے آنے والے وقت کو بھی غد کہا جاتا ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے کہ آگے جو خاص دن آرہا ہے جس میں حساب کتاب ہوگا اس کے بارے میں غور وفکر کرو کہ اس دن کے لیے تم نے کیا آگے بھیجا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبردار کیا کہ یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال اور ان کی کیفیت سے بے خبر ہے بلکہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو۔تمھارے اعمال اور اعمال کی کیفیت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کے مطابق تمھیں بدلا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کو بھولنے کا انجام

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے ذکر کو بھول جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر ایسی حالت طاری کر دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتے ہیں۔ وہ دنیا کی طلب میں ایسے غافل ہو جاتے ہیں کہ ان کو اپنے آرام وسکون اور بروقت کھانے کی سوچ بھی نہیں رہتی۔ وہ اپنی بھلائی سے غافل اور دوسروں کے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص اپنے مستقبل یعنی آخرت کے معاملہ میں ان کو ذرا بھی توجہ نہیں رہتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے ذکر کو بھول جانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں سے فرمایا ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ﴾ اور تم نہ ہو جاؤ اُن لوگوں کی طرح جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا ﴿فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایسی حالت کر دی کہ وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے ﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

کامیاب اور ناکام لوگ برابر نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کو جنت میں اور بُرے لوگوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ جنت میں جانے والے اور دوزخ میں جانے والے برابر نہیں ہیں بلکہ جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہوں گے۔ فرمایا ﴿لَا یَسْتَوِیْۤ﴾ نہیں برابر ہو سکتے ﴿اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ دوزخ میں جانے والے ﴿وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ اور جنت میں جانے والے ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ﴾ جنت میں جانے والے ہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ کہ ان کو دنیا میں کیے گئے اعمال کا اچھا بدلہ ملے گا اور وہ ہمیشہ آرام وسکون سے جنت میں رہیں گے۔

قرآن کریم کی اطاعت کی ترغیب

قرآن کریم ہی میں کئی مقامات میں فرمایا گیا کہ قرآن کریم تمھاری ہدایت کے لیے اُتارا گیا ہے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ اور اس آیت کریمہ ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ میں بھی قرآن کریم کی عظمت اور اس کی اطاعت کی ترغیب کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ اگر اس قرآن کریم کو ہم کسی پہاڑ پر اُتارتے تو یقیناً وہ اس کی عظمت کو برداشت نہ کر سکتا اور اس کے خوف سے لرز کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی حالت یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم کی تلاوت سن کر ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ

تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ﴾ [الزمر: ۲۳] ”جولوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اُن کے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔“ مگر جن لوگوں کو قرآن کریم کی عظمت کا خیال نہیں خواہ وہ کافر ہوں یا منافق ان کے دل تو ایسے سخت ہو گئے جیسے وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوں، قساوتِ قلبی انسان کو تباہ کرنے والے اخلاق میں سے ہے۔

مثالیں بیان کرنے کی حکمت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مثالیں بھی بیان فرما کر اپنے بندوں کو سمجھایا ہے۔ یہ مثالیں عبرت کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ اور اس لیے بیان کی گئی ہیں تا کہ لوگ غور وفکر کریں۔ ﴿وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ﴾ اور یہ جو مثالیں ہیں ﴿نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ﴾ ان کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں ﴿لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ﴾ تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان

اس سے پہلی آیت ﴿لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی عظمت کو بیان فرمایا۔ اب اپنی ذات کی عظمت اور شان کو بیان فرمایا کہ قرآن کریم کو اُتارنے والی ذات بہت ہی عظمت اور شان والی ہے۔

مخلوق کو پیدا کرنے والا اللہ ہے

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيۡ﴾ جس ذات نے ساری کائنات کو پیدا کیا وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ اُس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود ہے۔ یعنی اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تمام تعریفات کے لائق صفات اُس میں پائی جاتی ہیں اور عیب والی ہر صفت سے پاک اور منزہ ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مشہور ننانوے صفاتی نام ہیں۔ ہر نام اس کی صفت کو اُجاگر کرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے وہ نام ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں کرتا بلکہ قبول کرتا ہے۔ ان مشہور ننانوے ناموں کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے بے شمار نام ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بعض صفاتی نام ذکر کیے گئے ہیں۔

﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے اس لیے کہ معبود کی جو صفات ہو سکتی ہیں وہ صرف اسی میں پائی جاتی ہیں کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔ معبود وہ ہو سکتا ہے جو کسی معاملہ میں کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ سب اس کے محتاج ہوں۔

﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہ غیب اور حاضر سب کو جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے مفسرین کریم نے فرمایا کہ عالم الغیب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو مخلوق سے پوشیدہ ہیں یعنی عالم ارواح، عالم برزخ اور عالم حشر۔ اور جنت دوزخ میں جو ہو رہا ہے یا ہوگا جو مخلوق پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور

﴿وَالشَّهَادَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جو مخلوق کے سامنے حاضر ہے۔یعنی اس دنیا میں پائی جانے والی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور ﴿الْغَيْبِ﴾ سے مراد دماغ میں سوچ اور دل میں پائے جانے والے خیالات جو مخلوق سے پوشیدہ ہیں۔اور ﴿الشَّهَادَةِ﴾ سے مراد مخلوق کے ظاہری افعال واقوال ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔علمائے امت نے فرمایا ہے کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ یہ صفت اسی کے ساتھ مختص ہے۔

﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ وہ بہت مہربان رحم کرنے والی ذات ہے۔دنیا وآخرت کی تمام نعمتیں اس کی ان صفات کا نتیجہ ہیں۔دنیا کی نعمتیں اپنی ساری مخلوق کو اور آخرت کی نعمتیں اپنے فرماں بردار ایمان والوں کو عطا کرنے والا ہے۔﴿اَلْمَلِكُ﴾ وہ بادشاہ ہے اور بادشاہی اس کی صفت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ساری دنیا میری نافرمان ہو ایک بھی میری بات ماننے والا نہ ہو تب بھی میری بادشاہی میں کوئی فرق نہیں آتا۔اور اگر ساری مخلوق فرماں بردار ہو جائے ایک بھی نافرمان نہ رہے تب بھی میری بادشاہی میں ایک ذرہ کا اضافہ نہیں ہوتا۔مخلوق مانے یا نہ مانے وہ ﴿اَلْمَلِكُ﴾ ہے یہ اس کی صفت ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کی طرح ازلی اور ابدی ہیں۔

﴿الْقُدُّوْسُ﴾ وہ ذات ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے ﴿السَّلٰمُ﴾ وہ سلامتی والا ہے۔خود بھی قائم ودائم ہے اور دوسروں کو قائم ودائم رکھنے والا ہے۔خود بھی نقائص اور عیوب سے محفوظ ہے اور دوسروں کو بھی سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ ﴿الْمُؤْمِنُ﴾ وہ امن دینے والا ہے۔وہی چیز امن پا سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ امن دے۔اور مومن کا معنیٰ تصدیق کرنے والا بھی ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔﴿الْمُهَيْمِنُ﴾ کا معنیٰ محافظ اور نگہبان۔اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا محافظ ہے۔پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا ﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ "آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون تمھاری حفاظت کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی کسی کا محافظ نہیں ہے۔

﴿الْعَزِيْزُ﴾ وہ غالب ہے۔کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔وہ قوت والا ہے اس کی قوت کے سامنے کسی کی قوت کام نہیں دے سکتی۔وہ کمال قدرتوں والا ہے جس نے مخلوق کو پیدا کر کے اپنی قدرت کے کمالات کو ظاہر فرمایا ہے۔﴿الْجَبَّارُ﴾ جبر کا معنیٰ تلافی۔اللہ تعالیٰ تلافی کرنے والا ہے یعنی لوگوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔جبر کا معنیٰ غلبہ پانا۔اللہ تعالیٰ ہی کا غلبہ اور تسلط ہے ہر چیز پر۔کوئی چیز اس کے تسلط سے باہر نہیں ہے۔﴿الْمُتَكَبِّرُ﴾ وہ بڑائی والا ہے۔جتنی بڑائی اس کی ہے اتنی بڑائی کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ "بڑائی میری چادر ہے۔"یہ بڑائی اسی کی شان کے لائق ہے اسی لیے اس نے مخلوق کو حکم دیا کہ میری بڑائی بیان کریں۔

﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ یہودیوں،عیسائیوں اور دیگر بت پرستوں نے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں ہر ایک کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے۔اس کو کسی شریک کی ضرورت نہیں۔وہ اپنی ذات اور صفات کے

لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ خالق ہے یعنی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے۔ ﴿الْبَارِئُ﴾ وہ بنانے والا ہے۔ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ خالق کا معنیٰ ہے مادہ پیدا کرنے والا۔ اور باری کا معنیٰ ہے مادہ سے مختلف اجناس اور مختلف اشکال کو مخلوقات بنانے والا۔ ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ وہ صورتیں بنانے والا ہے۔ اسی نے ہر مخلوق کی صورت بنائی اور ماں کے رحم میں بچے کی صورت وہی بناتا ہے۔ اس دنیا میں جان دار چیزوں کی تصویریں بنانا مخلوق کے لیے ناجائز ہیں۔ غیر جان دار چیزوں کی تصویریں بنانا جائز ہے۔

﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اس کے ہر نام میں جو صفت بیان کی گئی ہے ہر صفت میں اس کی کمالِ قدرت کا اظہار ہے۔ ﴿يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز خواہ وہ جان دار ہو یا غیر جان دار، ہر چیز اپنے حال کے مناسب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے اگرچہ کسی کو اس کی تسبیح سمجھ نہ آئے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کی تسبیح کو جانتا ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

اس سورت کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہی غالب حکمت ہے۔ اور اس سورت کا اختتام بھی انہی کلمات سے ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح کو یا شام کو سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پڑھیں تو صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡمُمۡتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ

(۲۸)

آیاتہا ۱۳ | (۶۰) سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۱) | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوْا﴾ نہ بناؤ ﴿عَدُوِّیْ﴾ میرے دشمن کو ﴿وَ
عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ اور اپنے دشمن کو دوست ﴿تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ﴾ بھیجتے ہو تم اُن کی طرف ﴿بِالْمَوَدَّةِ﴾ دوستی کا پیغام
﴿وَ قَدْ كَفَرُوْا﴾ حالانکہ اُنھوں نے کفر کیا ہے ﴿بِمَا﴾ اُس چیز کا ﴿جَآءَكُمْ﴾ جو آئی ہے تمھارے پاس ﴿مِّنَ
الْحَقِّ﴾ حق سے ﴿یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ﴾ نکالا ہے اُنھوں نے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو ﴿وَ اِیَّاكُمْ﴾ اور تمھیں بھی ﴿اَنْ﴾
اس وجہ سے ﴿تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ کہ تم ایمان لائے ہو اللہ تعالٰی پر ﴿رَبِّكُمْ﴾ جو رب ہے تمھارا ﴿اِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ﴾ اگر تم نکلے ہو ﴿جِهَادًا﴾ جہاد کرنے کے لیے ﴿فِیْ سَبِیْلِیْ﴾ میرے راستے میں ﴿وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ﴾
اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے ﴿تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ﴾ پوشیدہ طور پر تم بھیجتے ہو اُن کی طرف ﴿بِالْمَوَدَّةِ﴾ دوستی کا
پیغام ﴿وَ اَنَا اَعْلَمُ﴾ حالانکہ میں جانتا ہوں ﴿بِمَاۤ﴾ اُس چیز کو ﴿اَخْفَیْتُمْ﴾ جس کو تم چھپاتے ہو ﴿وَ مَاۤ﴾ اور
اُس چیز کو ﴿اَعْلَنْتُمْ﴾ جس کو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْهُ﴾ اور جو شخص ایسا کام کرے گا ﴿مِنْكُمْ﴾ تم میں سے
﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ﴾ پس تحقیق وہ بہک گیا سیدھے راستے سے ﴿اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ﴾ اگر وہ قابو پالیں تم پر
﴿یَكُوْنُوْا لَكُمْ﴾ ہوں گے وہ تمھارے ﴿اَعْدَآءً﴾ دشمن ﴿وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ﴾ اور پھیلائیں تمھاری طرف
﴿اَیْدِیَهُمْ﴾ اپنے ہاتھ ﴿وَ اَلْسِنَتَهُمْ﴾ اور اپنی زبانیں ﴿بِالسُّوْٓءِ﴾ برائی کے ساتھ ﴿وَ وَدُّوْا﴾ اور وہ چاہتے ہیں
﴿لَوْ تَكْفُرُوْنَ﴾ کہ تم کافر ہو جاؤ ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ﴾ ہرگز نہیں نفع دیں گے تمھیں تمھارے رشتے ﴿وَ لَاۤ
اَوْلَادُكُمْ﴾ اور نہ تمھاری اولاد ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ﴾ فیصلہ کرے گا اللہ تعالٰی
تمھارے درمیان ﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ اور اللہ تعالٰی جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ﴾ تحقیق
ہے تمھارے لیے ﴿اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اچھا نمونہ ﴿فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام میں ﴿وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ اور اُن میں جو
اُن کے ساتھ تھے ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ جب کہا اُنھوں نے ﴿لِقَوْمِهِمْ﴾ اپنی قوم سے ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ﴾ بے شک ہم
بیزار ہیں تم سے ﴿وَ مِمَّا﴾ اور اُن سے ﴿تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالٰی کے سوا
﴿كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ ہم منکر ہیں تمھارے ﴿وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ﴾ اور ظاہر ہو گئی ہمارے اور تمھارے درمیان

﴿الْعَدَاوَةُ﴾ عداوت ﴿وَالْبَغْضَآءُ﴾ اور بیر (دشمنی) ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ کے لیے ﴿حَتّٰى تُؤْمِنُوْا﴾ یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ﴿بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ اللہ تعالیٰ پر جو اکیلا ہے ﴿اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ سوائے ابراہیم علیہ السلام کی ایک بات کے ﴿لِاَبِيْهِ﴾ جو انھوں نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی ﴿لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ﴾ میں ضرور بخشش طلب کروں گا آپ کے لیے ﴿وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ﴾ اور میں نہیں ہوں مالک آپ کے لیے ﴿مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شے کا ﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا﴾ اے ہمارے رب ہم آپ پر بھروسا کرتے ہیں ﴿وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا﴾ اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں ﴿وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ اور آپ کی طرف ہی ہے لوٹنا۔

وجہ تسمیہ و تعارف سورت

اس سورت کا نام سورۃ الممتحنہ ہے۔ اس کا مصدر امتحان ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں سے امتحان لینے کا حکم دیا ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں۔ اس لیے اس کا نام ممتحنہ ہے۔ یعنی وہ سورت جس میں امتحان لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اکیانوے [۹۱] ہے۔ اس سے قبل نوے [۹۰] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس کے دو رکوع اور تیرہ آیتیں ہیں۔ اس سے پہلی سورت میں یہود اور منافقین سے لڑائی کا ذکر تھا اور اس سورت میں تمام کافروں سے دوستی کرنا منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمن کو دوست۔

شانِ نزول

اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، چاروں کو فرمایا کہ (مکہ مکرمہ کے راستے پر جاؤ) موضع خاخ کے مقام پر تمھیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چاروں گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ کے مقام پر پہنچے تو وہاں ہمیں ایک عورت ملی۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال دے۔ وہ کہنے لگی وَاللّٰهِ مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ "خدا کی قسم میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔" ہم نے کہا خط نکال دے اِلَّا لَنُجَرِّدَنَّكِ "ورنہ ہم تجھے ننگا کر کے تیری تلاشی لیں گے۔" تو اس نے سر کے بالوں کے جوڑے سے خط نکال دیا۔ ہم وہ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔

اس خط کا مضمون یہ تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیاری کا ذکر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے حاطب! یہ کیا بات ہے کہ تو نے کافروں کو مخبری کی ہے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے

معاملہ میں جلدی نہ فرمایئے (میری بات سن لیں پھر جو چاہے سزا دیں۔) ہوا یہ کہ میں اصل قریشی تو ہوں نہیں اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز، رشتہ دار وہاں موجود ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھر بار، مال محفوظ ہیں۔ میں نے چاہا کہ میرا رشتہ ناتا تو ان سے نہیں ہے تو کچھ احسان کر کے اپنا حق اُن پر قائم کر دوں تا کہ وہ اس وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں۔ میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ خدانخواستہ میں کافر ہو گیا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حاطب نے سچ کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! دَعْ لِيْ لِاَضْرِبَ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ "مجھے اجازت دیجیے میں اس منافق کی گردن اُتار دوں۔" اور حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک غلام تھا۔ اُس نے کہا حضرت! یہ دوزخی ہے۔ اُس کو بھی موقع مل گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمر تو جانتا ہے یہ کون ہے؟ اِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا یہ بدری ہے جنگ بدر میں شریک ہوا تھا۔ اور تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدر والوں کو جھانک کر فرمایا کہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ تم جو چاہو عمل کرو شرک کے علاوہ جیسے بھی گناہ ہو جائیں میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ غلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تو نے اس کو دوزخی کہا ہے وَاللّٰهِ لَا يَدْخُلُهَا اَبَدًا "خدا کی قسم! یہ دوزخ میں کبھی بھی نہیں جائے گا۔" اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمن کو دوست ﴿تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ بھیجتے ہو تم اُن کی طرف دوستی کا پیغام کہ مسلمانوں کے راز کی بات ان تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ کسی مسلمان کے لیے ہرگز یہ مناسب نہیں۔ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ ﴿وَقَدْ كَفَرُوْا﴾ اور تحقیق اُنھوں نے کفر کیا ہے ﴿بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾ اس چیز کا جو آئی ہے تمھارے پاس حق سے۔ دینِ حق کا اُنھوں نے انکار کر دیا ہے، توحید و رسالت کو وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، قیامت کے یہ منکر ہیں۔ اور ان کی یہ کارروائی بھی تمھارے سامنے ہے ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ﴾ کہ نکالا اُنھوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے اور تمھیں بھی۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس منصوبے سے آگاہ فرمایا اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اور انھوں نے تمھارے ساتھ اتنی سختیاں کیں کہ تمھیں ہجرت پر مجبور کر دیا۔ اس کے سوا تمھارا کیا جرم تھا کہ ﴿اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر جو رب ہے تمھارا۔ اس وجہ سے تمھیں شہر بدر کر دیا۔ یہ تمھارے اتنے سخت دشمن ہیں ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ﴾ اگر تم نکلے ہو جہاد کرنے کے لیے میرے راستے میں ﴿وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ﴾ اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے گھروں سے نکلے ہو تو پھر کافروں کی رضامندی کی فکر تمھیں کیوں ہے کہ ان کی خوش نودی تلاش کرتے ہو ﴿تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ پوشیدہ طور پر تم بھیجتے ہو اُن کی طرف دوستی کا پیغام ﴿وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ﴾ حالانکہ میں جانتا ہوں اُس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو ﴿وَمَآ اَعْلَنْتُمْ﴾ اور اُس چیز کو جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ

نہیں ہے۔ وہ سینوں کے رازوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ بلکہ جو چیز ابھی تمھارے خیال میں نہیں آئی لانا چاہتے ہو وہ اس سے بھی واقف ہے۔ لہٰذا اس نے راز فاش ہونے سے پہلے اپنے پیغمبر کو اطلاع دے دی۔ اور یاد رکھو! ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ﴾ اور جو شخص ایسا کام کرے گا کہ کافروں کو راز بتائے یا اُن سے دوستی کا اظہار کرے گا ﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ تحقیق وہ بہک گیا سیدھے راستے سے کہ وہ یہ خیال کرے کہ دوستی کا اظہار کرنے سے کافر اس کی دوستی کی رعایت کریں گے۔ یہ اس کی خطا ہے۔ وہ تو تمھارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ ﴿اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ﴾ اگر وہ قابو پالیں تم پر ﴿يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً﴾ تو وہ تمھارے دشمن ہوں گے تمھارے دوست نہیں بن سکتے بلکہ وہ ہمیشہ تمھارے دشمن ہی رہیں گے۔

﴿وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ﴾ اور وہ پھیلائیں اور چلائیں تمھارے اوپر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بُرائی کے ساتھ۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمھیں قتل کریں زبانوں سے تم کو لعن طعن کریں، گالی گلوچ کریں۔ ﴿وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اور وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ، یہودی ہو جاؤ، عیسائی ہو جاؤ، مشرک بن جاؤ، کچھ بن جاؤ مگر مسلمان نہ رہو۔ ایسے لوگوں سے کب دوستی کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ اگر قرابت داروں کی وجہ سے تمھاری خواہش ہو کہ کافروں سے دوستی کریں تو سن لو ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ﴾ ہرگز نہیں نفع دیں گے تمھیں تمھارے رشتے اور نہ تمھاری اولاد ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت والے دن نہ کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ کوئی نقصان سے بچا سکے گا۔ وہاں ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔ سورۂ عبس پارہ ۳۰ میں ہے ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝﴾ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور بھاگے گا اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ ہر آدمی کے لیے ان میں سے اس دن حال ہوگا جو بے پروا کر دے گا اس کو دوسروں سے۔" بیوی بچوں کی خاطر اگر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کام کرو گے تو یہ آخرت میں تمھارے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں ایمان، نیکی اور صداقت ہی کام آئے گی۔

﴿يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ﴾ اس دن اللہ تعالیٰ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ تمھارے اچھے بُرے اعمال سامنے رکھ کر جزا سزا دے گا۔

کافروں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں نے رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ تحقیق ہے تمھارے لیے عمدہ نمونہ ﴿فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ ابراہیم علیہ السلام میں اور اُن میں نمونہ ہے جو اُن کے ساتھ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام۔ کہ ان کی ساری قوم، بادشاہ سے لے کر ادنیٰ چپڑاسی تک سب کافر مشرک تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے بیزاری کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ﴾ جب کہا اُنھوں نے اپنی قوم سے ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بے شک ہم بیزار ہیں تم سے اور اُن سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بتوں کی، ستاروں کی۔ آگے بے زاری کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ ہم منکر ہیں تمھارے۔ تمھارے عقائد کے منکر ہیں اور تمھارے معبودوں کی عبادت

کے منکر ہیں۔ یہ تو بیزاری ہے عقیدے کے اعتبار سے اور باعتبار برتاؤ اور معاملات کے فرمایا ﴿وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا﴾ اور ظاہر ہوگئی ہے ہمارے اور تمھارے درمیان عداوت اور بیر (بغض) ہمیشہ کے لیے۔ اس کو ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے تمھارے ساتھ یہ ٹکر جاری رہے گی ﴿حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ﴾ یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس عقیدے پر آجاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی نہ ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے افعال میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کے ارادے میں کوئی شریک ہے۔ جب تک تم اپنا عقیدہ درست نہیں کرو گے ہماری تمھاری جنگ جاری رہے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں حتیٰ کہ ان کو آگ کے چیخا (الاؤ) میں پھینک دیا گیا مگر اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ باپ نے دھکے مار کر گھر سے نکال دیا مگر اُنھوں نے ایمان پر سودے بازی نہیں کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بناؤ۔ لیکن ایک بات میں نمونہ نہیں بنانا۔ فرمایا ﴿اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ﴾ سوائے ابراہیم علیہ السلام کی ایک بات کے جو اُنھوں نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی ﴿لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ﴾ میں ضرور بخشش طلب کروں گا آپ کے لیے اپنے پروردگار سے۔ یہ میری عرض ہوگی رب تعالیٰ کے سامنے وگرنہ ﴿وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور میں نہیں ہوں مالک آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شے کا۔ وہ چاہے تو دعا قبول کرے اور اگر چاہے تو نہ قبول کرے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عداوت کے باوجود ابراہیم علیہ السلام میں شفقت کا مادہ موجود تھا کہ کسی طرح میرا باپ ایمان قبول کرلے۔ اور سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۴ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دعا مانگنا ایک وعدے کے سبب سے تھا ﴿فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ "پھر جب آپ پر واضح ہوگیا کہ یہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔"

تو فرمایا میں آپ کے لیے بخشش طلب کروں گا اور میں نہیں مالک آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شے کا۔ ﴿رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر بھروسا کرتے ہیں ﴿وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا﴾ اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ﴿وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ﴾ اور آپ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿لَا تَجْعَلْنَا﴾ نہ بنا ہم کو ﴿فِتْنَةً﴾ آزمائش ﴿لِّلَّذِیْنَ﴾ اُن لوگوں کے لیے ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ اور بخش دے ہم کو ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بے شک آپ ہی غالب حکمت والے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ﴾ البتہ تحقیق ہے تمھارے لیے ﴿فِیْهِمْ﴾ اُن میں ﴿اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اچھا نمونہ ﴿لِّمَنْ﴾ اُس شخص کے لیے ﴿كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ﴾ جو اُمید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ اور ڈرتا ہے آخرت کے دن سے ﴿وَ مَنْ یَّتَوَلَّ﴾ اور جس نے اعراض کیا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ﴾

﴿الْحَمِيْدُ﴾ پس بے شک اللہ ہی بے پروا اور تعریفوں والا ہے ﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ﴾ کر دے اللہ تعالیٰ تمھارے درمیان ﴿وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ﴾ اور اُن کے درمیان ﴿عَادَيْتُمْ﴾ جن سے تمھاری عداوت ہے ﴿مِّنْهُمْ﴾ اُن میں سے ﴿مَّوَدَّةً﴾ دوستی ﴿وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والا ہے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ﴾ نہیں منع کرتا اللہ تعالیٰ تم کو ﴿عَنِ الَّذِيْنَ﴾ اُن لوگوں سے ﴿لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ﴾ جو تم سے نہیں لڑے ﴿فِي الدِّيْنِ﴾ دین کے معاملے میں ﴿وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ﴾ اور اُنھوں نے نہیں نکالا تم کو ﴿مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ تمھارے گھروں سے ﴿اَنْ تَبَرُّوْهُمْ﴾ کہ تم اُن سے نیکی کرو ﴿وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ اور انصاف کرو اُن کے ساتھ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ ﴿يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو ﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ﴾ بے شک منع کرتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو ﴿عَنِ الَّذِيْنَ﴾ اُن لوگوں سے ﴿قٰتَلُوْكُمْ﴾ جو لڑتے ہیں تم سے ﴿فِي الدِّيْنِ﴾ دین کے معاملے میں ﴿وَاَخْرَجُوْكُمْ﴾ اور نکالا ہے تم کو ﴿مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ تمھارے گھروں سے ﴿وَظٰهَرُوْا﴾ اور اُنھوں نے مدد کی ﴿عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ﴾ تمھارے نکالنے پر ﴿اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ کہ تم اُن سے دوستی کرو ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ﴾ اور جو اُن سے دوستی کرے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ظالم ہیں۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیزاری کا ذکر تھا جو اُنھوں نے اپنی قوم اور اُن کے معبودوں سے کی تھی۔ اور اب ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اے ہمارے رب! نہ بنا ہم کو آزمائش اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کافروں کا تختۂ مشق بن جائیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچاتے رہیں۔

اور یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اے پروردگار! ان کافروں کو ہم پر غلبہ نہ عطا فرما کہ وہ جس طرح چاہیں ہمیں مصیبت میں مبتلا کریں اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ وہ حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو اس طرح ذلت اور خواری نہ ہوتی۔ اور ایسی حالت کو دیکھ کر کافر اس فتنے میں پڑیں کہ وہ حق پر ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے معنیٰ بیان کیے ہیں کہ اے پروردگار! کافروں کو ہم پر ایسا غلبہ نہ دے کہ وہ ہمیں ہمارے دین سے فتنے میں ڈالیں کہ ہم دین سے منحرف ہو جائیں۔ اور اے پروردگار! ﴿وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا﴾ اور بخش دے ہم کو اے ہمارے رب ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک آپ غالب حکمت والے ہیں۔ ہر طرح کی قدرت آپ کو حاصل ہے

اور آپ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے۔ آگے دوبارہ اسی کی تاکید فرمائی اور فرمایا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ البتہ تحقیق ہے تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ کافروں کے ساتھ برأت کرنے میں، ان کے ساتھ تعلقات رکھنے میں۔ مگر ﴿لِمَنْ كَانَ﴾ اُس شخص کے لیے ہے ﴿يَرْجُوا اللَّهَ﴾ جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتا ہے ﴿وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ اور آخرت کے دن کی نعمتوں کی اُمید رکھتا ہے ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ﴾ اور جو شخص اعراض کرے گا اللہ تعالیٰ کے احکامات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ سے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہے اس کو کسی کی پروا نہیں ہے۔ روگردانی کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ہوتا اور وہ تعریفوں والا ہے۔

سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۸ پارہ تیرہ میں ہے ﴿إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ "اگر تم کفر کرو گے تم اور جو زمین میں ہیں سارے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا تعریفوں والا ہے۔" کافروں کے ساتھ سختی سے مقاطعہ کا حکم جب نازل ہوا تو طبعی طور پر تو فکر ہو سکتی تھی، رنج ہو سکتا تھا قرابت داروں سے قطع تعلقی کا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بطور بشارت کے پیش گوئی فرمادی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً﴾ اُمید ہے کہ کر دے گا اللہ تعالیٰ، تمھارے اور اُن کے درمیان جن سے تمھاری عداوت ہے اُن میں سے دوستی۔ بایں طور کہ وہ کافر مسلمان ہو جائیں۔ سارے نہ تو بعض ہی سہی۔ جب مسلمان ہو جائیں گے تو تمھارے اور اُن کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بدترین دشمنوں کے دلوں کو پھیر دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ فتح مکہ کے دن مشرکین مکہ میں سے کوئی شاذ آدمی ہی رہ گیا ہوگا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ ابوسفیان کل تک بدترین دشمن تھا مگر آج جان نثار بن چکا ہے۔ اس کی بیوی ہندہ نے اسلام قبول کر لیا تو کہنے لگی یا رسول اللہ! آپ کے خاندان سے زیادہ مجھے کسی خاندان سے دشمنی نہ تھی اور اب خدا کا شکر ہے کہ مجھے تمام جہان میں آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ اور آپ کے خاندان کا عروج مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کی درخواست کی۔ ایک یہ کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں اسلام کے خلاف لڑتا تھا اب اجازت دیں کہ اس سے بڑھ کر کافروں کے ساتھ جہاد کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ مرتدین میں سے سب سے بڑے مرتد ذوالجمار کے خلاف ابوسفیان نے ہی علم جہاد بلند کیا۔ جنگِ یرموک میں دشمن کی تعداد دو لاکھ تھی اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے اور جہاد میں ایک آنکھ بھی ضائع ہو چکی تھی مگر اس کے باوجود اس معرکہ میں شریک ہوئے۔ خود بھی جہاد کیا اور مجاہدین کو بھی حوصلہ دلاتے تھے۔

دوسری درخواست یہ کی کہ میرے بیٹے کو کاتبِ وحی بنایا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ درخواست بھی قبول فرمائی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبینِ وحی میں شامل کیا۔ تیسری درخواست یہ کی کہ مجھے اپنی بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں اُن کی وجہ سے مجھے وہی عزت حاصل ہونی چاہیے جو ایسے باپ کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی بیٹی کا نکاح خود اپنے ارادے اور اختیار سے کر کے دیتا ہے۔ کیوں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ ابوسفیانؓ کی مرضی کے خلاف پہلے ایمان لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آچکی تھیں۔

تو فرمایا کہ موجودہ حالات میں کافروں سے دوستی نہیں ہوسکتی۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دیں کہ تمھارے اور اُن کے درمیان محبت پیدا ہو جائے ﴿وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے کہ ان کو ایمان کی توفیق دے کر تمھارے دوست بنا دے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ مشرکین سے دوستی کے بارے میں جو تم سے کوتاہی ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا کیوں کہ وہ تم پر مہربان ہے۔

پہلے عام کافروں کا ذکر تھا کہ ان کے ساتھ دوستی نہیں ہوسکتی۔ اب اُن کافروں کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑتے نہیں ہیں یا جو ذمی بن کر مسلمانوں کے ملک میں رہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ﴾ نہیں منع کرتا اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں سے نیکی کرنے سے ﴿لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ جو تم سے نہیں لڑے دین کے معاملے میں ﴿وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ اور نہیں نکالا تم کو تمھارے گھروں سے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں منع نہیں کرتا ﴿اَنْ تَبَرُّوْهُمْ﴾ کہ تم اُن سے نیکی کرو یعنی جن کافروں نے دین اسلام کے بارے میں تمھارے ساتھ قتال نہیں کیا اور نہ تمھیں تمھارے وطن سے نکالا ہے تو ایسے کافروں کے ساتھ نیکی کرنے سے اللہ تعالیٰ تمھیں منع نہیں کرتا ﴿وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ اور یہ کہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو اس سے بھی اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں لڑیں گے اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ان کے ساتھ نیکی کر سکتے ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی جان و مال اور عزت مسلمانوں کی جان و مال اور عزت کی طرح محفوظ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس اُصول کے تحت اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کافر کو قتل کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ایک مسلمان سے دو کافر مارے گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دو سو [۲۰۰] اُونٹ دیت دلائی تھی۔

مشرکہ والدہ سے صلہ رحمی

صلح حدیبیہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ قتیلہ بنت عبد العزّٰی مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو فکر ہوئی کہ آیا میں اپنی مشرکہ والدہ کی خدمت کر سکتی ہوں یا نہیں؟ تو اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرا ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے میں ان کو ابھی تک گھر میں بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کا سلوک کر سکتی ہو اور اپنے گھر بھی ٹھہرا سکتی ہو۔ اگر وہ نادار ہے تو اس کی

مالی امداد بھی کر سکتی ہو۔

تو فرمایا کہ جو کافر تمھارے ساتھ جنگ نہیں کرتے تم ان کے ساتھ نیکی کر سکتے ہو اور ان کے ساتھ انصاف بھی جیسا کہ آپس میں تم ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرتے ہو۔ البتہ حربی کافروں کے ساتھ دوستی کی اجازت نہیں ہے۔ پھر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ﴾ بے شک منع کرتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے ﴿قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ جو لڑتے ہیں تم سے دین کے معاملے میں ﴿وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ اور نکالا ہے تم کو تمھارے گھروں سے ﴿وَظٰهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ﴾ اور اُنھوں نے مدد کی تمھارے نکالنے میں جیسا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے نکالنے پر ایک دوسرے کی مدد کی ﴿اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ کہ تم اُن سے دوستی کرو اس سے اللہ تعالیٰ تمھیں منع کرتا ہے۔ یہ دشمن خدا، دشمن رسول اور دشمن دین ہیں ان کے ساتھ محبت کیسی اور ان کے ساتھ بھلائی کیسی؟ فرمایا یاد رکھو! ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ﴾ اور جو شخص اُن سے دوستی کرے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ظالم ہیں۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا جَآءَكُمُ﴾ جب آئیں تمھارے پاس ﴿الْمُؤْمِنٰتُ﴾ ایمان والی عورتیں ﴿مُهٰجِرٰتٍ﴾ ہجرت کر کے ﴿فَامْتَحِنُوْهُنَّ﴾ تو اُن کا امتحان لے لو ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِاِيْمَانِهِنَّ﴾ ان کے ایمان کو ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ﴾ پس اگر تم جان لو اُن کو ﴿مُؤْمِنٰتٍ﴾ کہ وہ مومن ہیں ﴿فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ﴾ تو واپس نہ کرو تم اُن کو ﴿اِلَى الْكُفَّارِ﴾ کافروں کی طرف ﴿لَا هُنَّ﴾ نہیں ہیں وہ عورتیں ﴿حِلٌّ لَّهُمْ﴾ ان کافروں کے لیے حلال ﴿وَلَا هُمْ﴾ اور نہ وہ کافر ﴿يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ حلال ہیں اُن کے لیے ﴿وَاٰتُوْهُمْ﴾ اور ادا کرو تم ان کافروں کو ﴿مَّآ اَنْفَقُوْا﴾ جو اُنھوں نے خرچ کیا ہے ﴿وَلَا جُنَاحَ﴾ اور نہیں ہے کوئی گناہ ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ کہ تم ان سے نکاح کرو ﴿اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ﴾ جب دے دو تم ان کو ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ ان کے حق مہر ﴿وَلَا تُمْسِكُوْا﴾ اور نہ روک رکھو ﴿بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ کافر عورتوں کے ناموس ﴿وَسْـَٔلُوْا﴾ اور مانگ لو ﴿مَآ اَنْفَقْتُمْ﴾ جو تم نے خرچ کیا ہے ﴿وَلْيَسْـَٔلُوْا﴾ اور وہ کافر مانگ لیں ﴿مَآ اَنْفَقُوْا﴾ جو اُنھوں نے خرچ کیا ہے ﴿ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ فیصلہ کرتا ہے وہ تمھارے درمیان ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ﴾ اور اگر جاتی رہیں تمھارے ہاتھ سے ﴿شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ تمھاری عورتوں میں سے کچھ ﴿اِلَى الْكُفَّارِ﴾ کافروں کی طرف ﴿فَعَاقَبْتُمْ﴾ پس تم گرفت کرو ﴿فَاٰتُوا الَّذِيْنَ﴾ تو دو اُن لوگوں کو ﴿ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ﴾ جن کی بیویاں رہ گئی ہیں

﴿مِّثْلَ مَآ﴾ اس کی مثل ﴿اَنْفَقُوْا﴾ جو اُنھوں نے خرچ کیا ہے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے ﴿الَّذِیْٓ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ﴿اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ جس پر تم ایمان لائے ہو ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ﴿اِذَا جَآءَكَ﴾ جب آئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ﴿الْمُؤْمِنٰتُ﴾ مومن عورتیں ﴿یُبَایِعْنَكَ﴾ بیعت کریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ﴿عَلٰٓی اَنْ﴾ ان باتوں پر ﴿لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ﴾ نہیں شریک کریں گی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿شَیْـًٔا﴾ کسی شے کو ﴿وَّلَا یَسْرِقْنَ﴾ اور نہ چوری کریں گی ﴿وَلَا یَزْنِیْنَ﴾ اور نہ زنا کریں گی ﴿وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ﴾ اور نہ قتل کریں گی اپنی اولاد کو ﴿وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ﴾ اور نہ لائیں گی بہتان ﴿یَّفْتَرِیْنَهٗ﴾ جس کو وہ گھڑیں ﴿بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ﴾ اپنے ہاتھوں سے ﴿وَاَرْجُلِهِنَّ﴾ اور اپنے پاؤں سے ﴿وَلَا یَعْصِیْنَكَ﴾ اور نہ نافرمانی کریں گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ﴿فِیْ مَعْرُوْفٍ﴾ نیکی کے کام میں ﴿فَبَایِعْهُنَّ﴾ پس آپ ان کو بیعت کرلیں ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ﴾ اور اُن کے لیے بخشش مانگیں اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَوَلَّوْا﴾ نہ دوستی کرو ﴿قَوْمًا﴾ ایسی قوم سے ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ جس پر غضب کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿قَدْ یَئِسُوْا﴾ تحقیق مایوس ہو گئے ہیں وہ ﴿مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت سے ﴿كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾ جس طرح کہ مایوس ہو گئے کافر قبر والوں سے۔

شانِ نزول

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی آدمی مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش مکہ اُسے واپس نہیں کریں گے۔ یہ معاہدہ تو مردوں کے لیے تھا مگر جب کچھ عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئیں تو ان کے عزیز رشتہ دار ان کو لینے کے لیے آگئے۔ اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ان کو واپس کرنا ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے احکام نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ﴾ جب آئیں تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے ﴿فَامْتَحِنُوْهُنَّ﴾ تو ان کا امتحان لے لو کہ اصل دین کے لیے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے۔ امتحان کا کوئی خاص طریقہ تو قرآن کریم میں بیان نہیں ہوا البتہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے قسم لیتے تھے کہ آیا اصل دین کے لیے آئی ہے یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے۔ اپنے خاوند سے ناراض ہو کر تو نہیں آئی۔ یا کسی مرد سے رغبت کی وجہ سے تو نہیں آئی۔ بس ظاہری طور پر تم امتحان لے لو

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن سے واقف ہے پھر تحقیق کرنے کے بعد ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ﴾ پس اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں یعنی تم اس نتیجے پر پہنچو کہ واقعی وہ مومنات ہیں اور انھوں نے محض دین ایمان کی خاطر ہجرت کی ہے ﴿فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ تو پھر واپس نہ کرو تم اُن کو کافروں کی طرف۔ کافر خاوندوں کی طرف ان کو واپس نہ کرو۔ کیوں کہ ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ نہیں ہیں وہ عورتیں حلال ان کافروں کے لیے ﴿وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ اور نہ وہ کافر حلال ہیں اُن عورتوں کے لیے۔ ایمان لانے کے بعد ان عورتوں کا نکاح کافر مردوں کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ ہاں اگر خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو پھر قائم رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ پہلا خاوند جو حق مہر ادا کر چکا ہے اس کا کیا بنے گا؟ تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی عورت کافر خاوند کو چھوڑ کر تمھارے پاس آ جائے ﴿وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا﴾ اور ادا کرو تم ان کافروں کو جو اُنھوں نے خرچ کیا ہے۔ ان کا دیا ہوا حق مہر ان کو واپس کرو۔ پھر اگر تم ان سے نکاح کرنا چاہو ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ اور نہیں ہے کوئی گناہ تم پر ﴿اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ کہ تم ان سے نکاح کرو ﴿اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ جب دے دو تم ان کو ان کے حق مہر۔ یعنی جب تم ان کے ساتھ نکاح کرو گے تو تمھیں حق مہر دینا پڑے گا۔

اس کے برعکس اگر کوئی مومنہ عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے یا خاوند مسلمان ہو جائے اور عورت کفر پر رہے تو اس کے متعلق فرمایا ﴿وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ عِصَمٌ جمع ہے عِصْمَةٌ کی۔ اس کا معنیٰ ہے گناہوں سے حفاظت۔ مراد ہے ناموس۔ كَوَافِر جمع ہے كَافِرَةٌ کی، کافر عورت۔ معنیٰ ہوگا اور نہ روک رکھو کافر عورتوں کے ناموس یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔ ان کی عصمت کی حفاظت کی تمھیں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ مہاجرین کی وہ بیویاں جو مکہ مکرمہ میں حالتِ کفر میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکے میں رہ گئی تھیں چھوڑ دیا تھا۔ ایک کا نام قریبہ تھا جس نے اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ جو اس وقت رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے۔ اور دوسری کا نام اُم کلثوم تھا جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی والدہ تھی۔

تو فرمایا اور نہ روک رکھو کافر عورتوں کے ناموس ﴿وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ﴾ اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا ہے مہر کی صورت میں۔ وہ تم ان کافروں سے طلب کرو۔ اور اگر کسی کافر کی بیوی ایمان لا کر تمھارے پاس آ گئی ہے تو اس کا پہلا نکاح خود بہ خود ختم ہو گیا ﴿وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا﴾ اور وہ کافر مانگ لیں تم سے جو اُنھوں نے خرچ کیا ہے۔ کافروں کا مہر اُن کو واپس کر دو ﴿ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ فیصلہ کرتا ہے وہ تمھارے درمیان ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ صحیح ہوتا ہے اور عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر تمھاری کوئی بیوی کافروں کے پاس رہ جائے کفر شرک کی وجہ سے اور وہ تمھارا دیا ہوا حق مہر تمھیں واپس نہ کریں تو اس کے متعلق فرمایا ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ اور اگر جاتی رہیں تمھارے ہاتھ سے تمھاری بیویوں میں سے کچھ کافروں کی طرف۔ یعنی اگر تمھاری بیویوں میں سے

کوئی تمھارے ہاتھ سے نکل گئی ہیں، مکہ مکرمہ رہ گئی ہے یا مرتد ہو کر چلی گئی ہیں اور تمھارے حق مہران کے پاس رہ گئے ہیں ﴿فَعَاقَبۡتُمۡ﴾ پس تم گرفت کرو اس طرح کہ اگر اُدھر سے کوئی عورت مسلمان ہو کر آجائے کہ جس کا خرچہ تم نے کافروں کو دینا ہے تو وہ ان کو نہ دو بلکہ اس کو دو جس کی بیوی رہ گئی تھی اور اس کا حق مہر اس کو واپس نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاٰتُوا الَّذِیۡنَ ذَهَبَتۡ اَزۡوَاجُهُمۡ﴾ پس دو تم اُن لوگوں کو جن کی بیویاں رہ گئی ہیں ﴿مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا﴾ اس کی مثل جو اُنھوں نے خرچ کیا ہے اس بیوی پر جو چلی گئی ہے۔ بعض حضرات یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ گرفت کرو کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرو اور وہاں سے حاصل ہونے والے مال سے اس شخص کا خرچہ ادا کرو جو اس نے رہ جانے والی بیوی پر خرچ کیا تھا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو ﴿الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کہ جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔ اس سے ڈرو اور اس کے قانون پر عمل کرو۔

اس سبق کے شروع میں یہ حکم بیان ہوا تھا کہ جب تمھارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لے لو کہ انھوں نے ہجرت دین ایمان کے لیے کی ہے یا کسی دنیاوی غرض کے لیے کی ہے۔ جب تمھیں معلوم ہو جائے قرائن سے کہ ہجرت دین کے لیے کی ہے تو ان کو واپس نہ جانے دو اور ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کن شرائط پر لینی ہے۔ ان شرائط کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اِذَا جَآءَكَ الۡمُؤۡمِنٰتُ﴾ جب آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مومن عورتیں ﴿یُبَایِعۡنَكَ﴾ بیعت کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿عَلٰۤی اَنۡ﴾ ان شرائط پر ﴿لَّا یُشۡرِكۡنَ بِاللّٰهِ شَیۡـًٔا﴾ نہیں شریک کریں گی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو۔ نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ کسی قسم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی ﴿وَّلَا یَسۡرِقۡنَ﴾ اور نہ چوری کریں گی ﴿وَلَا یَزۡنِیۡنَ﴾ اور نہ وہ زنا کریں گی ﴿وَلَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ﴾ اور نہ وہ قتل کریں گی اپنی اولاد کو۔ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس عار کی وجہ سے کہ کوئی میرا داماد بنے گا۔ اور بعض فقر کے ڈر سے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ جس طرح آج کل حکومتوں نے خانہ بندی پر زور لگایا ہوا ہے کہ مخلوق زیادہ ہو گئی تو کھائے گی کہاں سے؟ وسائل کم ہو جائیں گے۔ حالانکہ جوں جوں مخلوق بڑھتی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ وسائل بھی بڑھاتا جا رہا ہے۔ جو سہولتیں آج لوگوں کو میسر ہیں جب تھوڑے تھے اس وقت یہ سہولتیں موجود نہ تھیں۔ (استاد محترم مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنے والوں کو روکتے ہیں اور خود آگے جانے کے لیے تیار نہیں۔ بھائی! آنے والوں کو آنے دو تم آگے جاؤ۔ نواز بلوچ)

تو فرمایا کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی ﴿وَلَا یَاۡتِیۡنَ بِبُهۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَهٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِنَّ وَاَرۡجُلِهِنَّ﴾ اور نہ لائیں گی بہتان جس کو وہ گھڑیں اپنے ہاتھوں سے اور اپنے پاؤں سے۔ عورتوں میں یہ عادت بہت ہے کہ جھٹ پٹ بدگمان ہو کر بہتان لگا دیتی ہیں۔ خاوند پر بہتان لگانا تو ایک ادنیٰ سی بات سمجھتی ہیں۔ لہٰذا اس سے بھی منع کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے خاوند کی اولاد نہ بناؤ۔ افتراء کہتے ہیں عرب میں عورتیں کسی کا بچہ اُٹھا لاتیں اور خاوند سے کہہ دیتیں یہ میرا بچہ ہے تجھ سے یہ ہے۔ وہ بہتان جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے بنایا گیا ہے۔ اور جب بچہ پیدا

ہوتا ہے تو ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے ہی گرتا ہے۔ اور جب دودھ پیتا ہے تو ماں اس کے سامنے ڈال دیتی ہے۔ مراد اس سے دیدہ دانستہ کے معنٰی ہیں کہ دیدہ دانستہ کسی پر بہتان نہ باندھو۔

﴿وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ اور نہ نافرمانی کریں گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیکی کے کام میں۔ شرع میں معروف وہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور بندگی قرار دیا گیا ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں امر اور نہی۔ کیوں کہ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا خوبی ہے اور جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرنا خوبی ہے۔ مطلب یہ بنے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نیکی کا حکم کریں اس میں نافرمانی نہ کریں اور جس برائی سے منع کریں اس سے باز رہیں۔ جب وہ ان چیزوں کا اقرار کرلیں ﴿فَبَايِعْهُنَّ﴾ پس آپ ان کو بیعت کرلیں ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ﴾ اور اُن کے لیے بخشش مانگیں اللہ تعالیٰ سے کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

شروع سورت میں مطلق کافروں سے دوستی کرنا منع کیا گیا تھا اب آخر میں یہود کے ساتھ تعلق نہ رکھنے کا حکم فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں یہود کثرت سے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تَتَوَلَّوْا﴾ نہ دوستی کرو ﴿قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ایسی قوم سے جس پر غضب کیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہودی ہیں کہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ٦١ میں ہے ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ "اور وہ لوٹے اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر۔" یہود میں دغابازی، فریب اور ہر طرح کی بدکاری عام تھی۔ انتہائی بُرے لوگ تھے۔ تو بُرے لوگوں کی صحبت سے دور رہنا چاہیے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اس مقہور مغضوب قوم سے دوستی نہ رکھو۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے ﴿قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ تحقیق وہ مایوس ہو گئے ہیں آخرت سے ﴿كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾ جس طرح مایوس ہو گئے ہیں کافر قبروں والوں سے۔

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ﴿مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾ یہ کفار کی صفت ہے کہ جیسے کافر جو قبروں میں جا چکے ہیں وہ نا اُمید ہو چکے ہیں کہ اب کچھ نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ اب عملی زندگی نہیں ہے۔ اسی طرح یہ یہودی بھی نا اُمید ہو گئے ہیں آخرت اور ثواب سے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عناد رکھنے کی وجہ سے۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ یہود آخرت سے ایسے نا اُمید ہو گئے ہیں جیسے کفار اصحابِ قبور کی حیات کے منکر ہیں کہ وہ کہتے ہیں لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ "جو مر گیا اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز زندہ نہیں کرے گا۔" تو ایسے لوگوں سے دوستی مت رکھو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کفر اسلام سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ

(۲۸)

آیاتہا ۱۴ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (۶۱) (۱۰۹) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿سَبَّحَ﴾ پاکی بیان کرتی ہے ﴿لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو کچھ کہ ہے زمین میں ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ﴾ کیوں کہتے ہو ﴿مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ جو کرتے نہیں ﴿كَبُرَ﴾ بڑی ہے ﴿مَقْتًا﴾ از روئے ناراضگی کے ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿أَنْ تَقُوْلُوْا﴾ کہ کہو تم ﴿مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ جو نہیں کرتے ﴿إِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿يُحِبُّ الَّذِيْنَ﴾ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے ﴿يُقَاتِلُوْنَ﴾ جو لڑتے ہیں ﴿فِيْ سَبِيْلِهٖ﴾ اس کے راستے میں ﴿صَفًّا﴾ صف باندھ کر ﴿كَأَنَّهُمْ﴾ گویا کہ وہ ﴿بُنْيَانٌ﴾ دیوار ہیں ﴿مَّرْصُوْصٌ﴾ سیسہ پلائی ہوئی ﴿وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى﴾ اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِقَوْمِهٖ﴾ اپنی قوم سے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ﴾ کیوں ایذا پہنچاتے ہو ﴿وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو ﴿أَنِّيْ﴾ بے شک میں ﴿رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمھاری طرف ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا﴾ پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو ﴿أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ ٹیڑھے کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایات نہیں دیتا نافرمان قوم کو ﴿وَإِذْ قَالَ﴾ اور جب کہا ﴿عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ عیسیٰ ابن مریم نے ﴿يٰبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمھاری طرف ﴿مُّصَدِّقًا﴾ تصدیق کرنے والا ہوں ﴿لِّمَا﴾ اس کی ﴿بَيْنَ يَدَيَّ﴾ جو میرے آگے ہے ﴿مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ تورات ﴿وَمُبَشِّرًا﴾ اور خوش خبری دینے والا ہوں ﴿بِرَسُوْلٍ﴾ ایک رسول کی ﴿يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي﴾ جو آئے گا میرے بعد ﴿اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ﴾ اس کا نام احمد ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ﴾ پس جب وہ آئے ان کے پاس ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ کھلی نشانیوں کے ساتھ ﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ یہ جادو ہے کھلا۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام صف ہے۔ اور صف کا لفظ آیت نمبر ۴ میں موجود ہے جس سے اس سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا ایک سو نو (۱۰۹) نمبر ہے۔ اس سے پہلے ایک سو آٹھ (۱۰۸)

سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے دو رکوع اور چودہ (۱۴) آیتیں ہیں۔ اس سورت کا پچھلی سورت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پچھلی سورت میں تھا کہ کافروں کے ساتھ دوستی نہ کرو۔ اب فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ لڑنا ہے دوستی نہیں کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ﴾ پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو مخلوق ہے آسمانوں میں۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں۔ اگر فرشتوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ﴿وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ اور جو مخلوق زمین میں ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ زمین میں انسان ہیں، جن ہیں، حیوانات ہیں، چرند پرند ہیں، دریا اور پہاڑ ہیں، درخت اور پودے ہیں۔ غرض یہ کہ جو کچھ بھی زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ کمزوریوں سے پاک ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۴۴ پارہ ۱۵ میں ہے ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ "ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔" ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو جس کی شان کے لائق ہے۔ کوئی زبانِ حال سے اور کوئی زبانِ قال سے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ ہر چیز پر کنٹرول بھی اسی کا ہے اور جس چیز کو جس شکل وصورت میں بنایا ہے وہ اس کی حکمت ہے۔ تو جو ذات ایسی شان اور عظمت والی ہے اس کا ہر حکم ماننا ضروری ہے۔ اور ان احکام میں سے ایک حکم جہاد کا بھی ہے جو اس سورت کا موضوع ہے۔

شانِ نزول

اس سورت مبارک کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک موقع پر ہم بعض صحابہ بیٹھے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ کاش ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ تا کہ ہم اس پر عمل کر سکیں۔ لیکن یہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی کو نہ بھیج سکے۔ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان باتوں کا علم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آدمیوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ بات کہی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں کی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ساری سورت پڑھ کر سنا دی۔ اس میں ان کے سوال کا جواب تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جہاد فرض ہونے سے پہلے کچھ مسلمان کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بتلا دے کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم اس پر عمل کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب وہ ایمان ہے جس میں شک نہ ہو اور کافروں کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ جب جہاد فرض ہوا تو کچھ لوگوں پر گراں گزرا (طبعی طور پر ایسا ہونا ایمان کے خلاف نہیں ہے) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں ﴿كَبُرَ

﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ کہو تم وہ جو کرتے نہیں ہو۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ واعظ کو عامل بھی ہونا چاہیے اور اگر خود عامل نہیں ہے وعظ بھی نہ کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو ﴿ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ کیوں کہتے ہو وہ جو خود نہیں کرتے۔ لیکن ان حضرات کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت کریمہ میں اس بات پر اُبھارا گیا ہے کہ جو کہتے ہو خود بھی کرو کہ واعظ کو عامل ہونا چاہیے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ عامل نہیں ہے تو وعظ ہی چھوڑ دے۔ اس کے ذمے دو فریضے ہیں۔

① خود عمل کرنا۔ ② دوسروں سے عمل کرانا، ترغیب دینا۔

اگر ایک فریضہ رہ گیا ہے تو دوسرے کو کیوں چھوڑے؟ صحیح واعظ وہ ہے جو خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے۔ اگر خود عمل نہیں کرے گا تو اس وجہ سے گرفت میں آئے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے معراج والی رات آپ ﷺ کا گزر ایک قوم پر ہوا آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے ہونٹ دوزخ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب بھی کاٹے جاتے صحیح ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی اُمت کے وہ خطیب ہیں جو کہتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

تو خیر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔ اگلی آیات بھی اسی سے متعلق ہیں کہ تم نے کہا تھا کہ ہمیں اَحب الاعمال معلوم ہو تو اس پر عمل کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ میرے ہاں احب الاعمال جہاد ہے تو اب یہ تمھیں گراں کیوں معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ ﴾ جو لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿ صَفًّا ﴾ صف باندھ کر۔ اور اس وقت ان کی حالت یہ ہوتی ہے ﴿ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ ایسی دیوار مضبوط ہوتی ہے، مستحکم ہوتی ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں کی طرف دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ رضا مندی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک وہ آدمی جو رات کو نماز کے لیے اُٹھتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو نماز کے لیے صف باندھتے ہیں۔ تیسرے وہ مومنین جو جہاد کے لیے صف باندھتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا دو موقعوں کی صفیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک نماز کے موقع پر اور دوسری جہاد کے موقع پر۔ آنحضرت ﷺ میدانِ جنگ میں مجاہدین کی صفیں اور مسجد میں نمازیوں کی صفیں خود سیدھی کرتے تھے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے مجاہدوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہیں صف باندھ کر گویا کہ وہ

سیسہ پلائی دیوار ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہ ہو جانا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کا حکم دیا تو اُنھوں نے انکار کر کے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔ چنانچہ سورہ مائدہ آیت نمبر ۲۴ میں ہے ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا﴾ "ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس ملک میں کبھی بھی جب تک وہ قوم وہاں ہے ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ آپ جائیں اور آپ کا رب جائے دونوں جا کر لڑو بے شک ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔"

بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچانا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے ﴿يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ﴾ اے میری قوم! کیوں ایذا پہنچاتے ہو مجھے کبھی جہاد سے انکار کرتے ہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ ان کو اُدرہ کی بیماری ہے۔ چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے حیادار آدمی تھے سخت پردے کی حالت میں غسل کرتے تھے تاکہ کسی شخص کی نگاہ ننگے جسم پر نہ پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ آپ کو اُدرہ کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس الزام سے بری کرنے کے لیے سبب پیدا کیا کہ ایک دفعہ آپ نے تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اُتار کر پتھر پر رکھ دیئے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ آپ اس کے پیچھے دوڑے یہ کہتے ہوئے ثوبی حجر "اُو پتھر! میرے کپڑے دے دو۔" یہاں تک کہ وہ ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں بنی اسرائیل کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا﴾ "پس اللہ تعالیٰ نے بری کر دیا موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے جو وہ کہتے تھے۔"

اور قارون نے ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے ایک فاحشہ عورت کو لالچ دے کر تیار کیا۔ چنانچہ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام مجمع کے سامنے بدکاری کی مذمت کر رہے تھے تو اس فاحشہ عورت نے سرِ عام موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انھوں نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔ اس الزام سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی۔ موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ پڑھا اور اس عورت کو خطاب کیا کہ تو اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر سچ سچ بیان کر۔ پس وہ عورت رونے لگی اور قارون کی ساری سازش بیان کر دی کہ اس نے مال کے لالچ میں مجھ سے سب کچھ کروایا ہے۔ اور کبھی موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح تکلیف پہنچائی کہ کہنے لگے ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ [الاعراف: ۱۳۸] "ہمیں بھی ایسے الٰہ بنا دے جیسے ان کے الٰہ ہیں۔"

تو فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے مجھے کیوں تکلیف دیتے ہو ﴿وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ﴾ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمھاری طرف۔ معجزات سے تم میری تصدیق کر چکے ہو۔ فرعونیوں کی ہلاکت تم نے آنکھوں سے دیکھی

ہے۔اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری عزت کرتے ،احترام کرتے لیکن تم تکلیف پہنچاتے ہو۔﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ پس جب وہ ٹیڑھے چلے سمجھانے کے باوجود وہ لوگ ٹیڑھے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا نافرمان قوم کو جبراً۔ ہدایت طالب کو ملتی ہے۔

تذکرۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ان کو بھی قوم سے بڑی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ فرمایا ﴿وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ﴾ اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ﴾ اے بنی اسرائیل بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمھاری طرف۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔ چنانچہ انجیل متی میں موجود ہے فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ اور بارہ رسولوں ،شاگردوں اور حواریوں کو حکم دیا تھا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ اور میں تورات کی کسی شے کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ﴿مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو میرے آگے ہے تورات۔ اور دوسرا کام میرا یہ ہے ﴿وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ﴾ اور میں خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی ﴿یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ جو آئے گا میرے بعد اس کا نام احمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تبلیغ کے دوران میں یہ دونوں باتیں کیا کرتے تھے۔ اپنی رسالت کا اعلان کرتے اور اپنے بعد آنے والے رسول کی خوش خبری دیتے۔

بخاری شریف اور مسند احمد میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ((إِنَّ لِیْ أَسْمَاءً)) بے شک میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد بھی ہو اور احمد بھی ہوں میں ماحی بھی ہوں میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میرا نام حاشر بھی ہے میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میں عاقب بھی ہوں ،سب سے بعد میں آنے والا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے دنیا میں آنے کے ظاہری سبب تین ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں اور حواریوں کو میرے آنے کی بشارت سنائی تھی۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب نمبر ۱۵ آیت نمبر ۳۰ میں ہے کہ حضرت یسوع نے فرمایا ”اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔“

تیسرا ظاہری سبب فرمایا میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ ان کے بدن سے ایک روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ تو ان میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت بھی ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں مذکور ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ پس جب وہ آخری پیغمبر آئے ان کے پاس کھلی نشانیوں کے ساتھ۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا ،کنکریوں کا کلمہ پڑھنا ،درختوں کا چل کر آنا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے وہ لوگ ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ یہ جادو ہے کھلا۔ ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ﴾ اور کون ہے بڑا ظالم ﴿مِمَّنِ﴾ اس شخص سے ﴿افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ﴾ جس نے افتریٰ باندھا اللہ تعالیٰ پر ﴿الْكَذِبَ﴾ جھوٹ کا ﴿وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ﴾ اور اس کو دعوت دی جاتی ہے اسلام کی طرف ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں ﴿لِيُطْفِئُوْا﴾ کہ بجھا دیں ﴿نُوْرَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نور کو ﴿بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ اپنے مونہوں سے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اگرچہ ناپسند کریں کافر ﴿هُوَ الَّذِيْٓ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے ﴿اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ جس نے بھیجا اپنے رسول کو ﴿بِالْهُدٰى﴾ ہدایت کے ساتھ ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین کے ساتھ ﴿لِيُظْهِرَهٗ﴾ تاکہ اس کو غالب کردے ﴿عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ سارے دینوں پر ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگرچہ ناپسند کریں شرک کرنے والے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے سبق کے آخر میں تھا کہ جس پیغمبر کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی جب وہ کھلی نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے تو ﴿هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہہ کر انکار کر دیا۔ تو اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس نے باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتریٰ۔ اس کی آیات کو جادو کہے، اس کے لیے بیٹا تجویز کرے اور اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے ﴿وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ﴾ حالانکہ اسے دعوت دی جارہی ہے اسلام کی طرف اور اُسے یہ حقیقت بتلائی جارہی ہے کہ یہ سچا دین ہے جو سارے نبیوں کا دین ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اسی دین پر کاربند تھے۔ توحید، رسالت اور قیامت اُصولِ دین ہیں۔ تمام پیغمبران اُصولوں پر متفق تھے۔ مگر یہ لوگ ضد، عناد، ہٹ دھرمی پر قائم ہیں ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا بے انصاف قوم کو۔ ہدایت اُسے ملتی ہے جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔ یہ ہدایت کے طالب نہیں بلکہ ہدایت کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مٹا دیں اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں سے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کو، اس کی روشنی کو پھیلنے نہ دیں اور اس کو جھٹلا دیں۔ اسلام کو مٹا دیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو قتل کر دیں اور دینِ اسلام کو پھیلنے نہ دیں۔ یہود و نصاریٰ نے اسلام کے مٹانے کے لیے پورا زور لگایا مگر اسلام پھیلتا گیا۔

آج بھی مخالفت میں کوئی کمی نہیں کر رہے۔ عقائد بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اعمال برباد کرنے اور اخلاقیات تباہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں کتنے فتنے کھڑے کیے۔ منکرینِ حدیث کا فتنہ، جھوٹی نبوت کا فتنہ، نیچری فتنہ،

تعزیہ پرستی اور قبر پرستی کا فتنہ، بدعات اور رسومات کا فتنہ۔ یہ سب اسلام کے خلاف سازشیں ہیں مگر اسلام کی شمع اسی طرح روشن ہے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو، دین کو، اسلام کو ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اگرچہ پسند نہ کریں کافر۔ مخالفوں کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں اور وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو پورا کر دیا۔ اور آج بھی جتنی چاہیں سازشیں کرتے رہیں جب تک اللہ تعالیٰ کو دین کا باقی رکھنا منظور ہے کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

غلبہ دین اسلام کا مطلب

اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ ہدایت کو مکمل کرنے کے لیے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ﴿بِالْهُدٰى﴾ ہدایت کے ساتھ ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾ اور سچے دین کے ساتھ۔ ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے ہیں اس وقت کوئی مذہب اپنی اصل حالت میں موجود نہیں۔ سب دین تحریفات کا شکار ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور سچا دین دے کر مبعوث فرمایا۔ اور اس سے مقصود یہ تھا ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ تاکہ غالب کر دے اس سچے دین کو دوسرے تمام دینوں پر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام نازل ہی اس لیے کیا ہے کہ دنیا میں صرف یہی دین قائم رہے اور باقی سب ختم ہو جائیں۔ غلبہ سے مراد سیاسی غلبہ بھی ہے اور دلیل اور برہان کا غلبہ بھی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیگر مفسرین میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ زیادہ بہتر ہے کہ شرک اہل کتاب اور عرب کے اُمی لوگوں میں پایا جاتا تھا جس کو مغلوب کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ عرب کے سارے اُمی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہی مغلوب ہو گئے۔ بعض مشرک مارے گئے اور بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح سارے عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا گیا اور جزیرۃ العرب شرک کی نجاست سے پاک ہو گیا۔ نصاریٰ میں سے نجران اور شام کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر کے جزیہ دینا قبول کر لیا اور وہ اس طرح اپنے دین پر رہتے ہوئے اسلام کے ماتحت ہو گئے۔ یہودیوں میں سے بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع اور خیبر والے سب مغلوب ہو گئے۔ بعض نے ٹیکس دینا قبول کیا اور بعض بالکل ہی ختم ہو گئے۔ اس طرح دین حق باقی ادیان پر غالب آ گیا۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس توجیہ سے مکمل اتفاق نہیں کرتے۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جس غلبہ دین کی بات کی گئی ہے وہ مکمل طور پر خلفائے راشدین کے زمانہ میں واقع ہوا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تو قیصر و کسریٰ جیسی سپر طاقتیں دنیا میں موجود تھیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو مبعوث فرما کر اس تحریک کا آغاز کر دیا جس کے ذریعے یہ دونوں بڑی طاقتیں ختم ہو گئیں اور دین حق کو عمومی غلبہ حاصل ہو گیا۔

چنانچہ خلفائے راشدین کے زمانے میں روم، روس، افریقہ، جرمنی، شام، مصر وغیرہ قیصر روم کے ماتحت تھے۔ یہ

مغلوب ہوئے۔اور ادھر کسریٰ کے زیر تسلط خراسان، توران، ترکستان وغیرہ اور مجوسی، سب مغلوب ہو گئے۔اس کے علاوہ تمام یہودی مشرک، ہندو، صابی قومیں بھی اسلام کے ماتحت آ گئیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسریٰ ختم ہوا تو مجوسیت دم توڑ گئی اور حنیفیت کا دور شروع ہو گیا۔اور ادھر قیصر کا تسلط مصر، شام اور فلسطین سے ختم ہوا اور اسلام کو عمومی غلبہ حاصل ہو گیا۔پھر مسلمانوں میں عملی کمزوری آئی اور یہ پستی کا شکار ہوئے۔دلیل و برہان کا غلبہ تو ہمیشہ رہے گا۔حجت، برہان اور دلیل کے لحاظ سے اسلام سب دینوں پر غالب ہے اور غالب رہے گا۔

آج سے تقریباً تین چار سال پہلے کی بات ہے کہ یورپ کے پادریوں نے بڑا اُدھم مچایا۔قرآن کریم پر اعتراض کیے، اسلام کے اُصولوں پر اعتراض کیے۔مولانا احمد دیدات جو ڈھابیل سے فارغ اور مسلک دیوبند سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کو انگریزی اور عیسائیت کے لٹریچر پر عبور حاصل ہے۔یہ یورپ پہنچ گئے۔وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ ان پادریوں نے ہمارے ناک میں دم کر رکھا ہے ہمیں چین نہیں لینے دیتے۔اُنھوں نے عیسائی پادریوں سے گفتگو کی۔مناظرہ طے پا گیا۔مولانا نے کہا کہ مناظرہ ٹی وی پر ہوگا۔پانچ چھ ملکوں کے لوگ کروڑوں کی تعداد میں دیکھیں اور سنیں گے۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ جج مقرر کرو جو فیصلہ کریں۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کروڑوں لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے مناظرہ سنا اور جج صاحبان نے فیصلہ دیا کہ احمد دیدات جیت گیا ہے۔اس کے دلائل کھرے اور وزنی ہیں۔پھر خدا کی قدرت کہ جج بھی سارے عیسائی تھے۔

آج تو الحمدللہ! ترپین ممالک مسلمانوں کے ہیں۔اگرچہ برائے نام مسلمانوں کا اقتدار ہے۔کیوں کہ امریکہ ان سب پر مسلط ہے بشمول عرب ممالک کے۔مگر برائے نام ہیں تو سہی۔اور ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ کسی ایک ملک میں بھی مسلمانوں کا اقتدار نہیں تھا۔اس دور میں بھی اسلام دلائل کے اعتبار سے غالب رہا ہے۔اس دور میں محمد پکھتال جرمن مسلمان ہوئے۔اُنھوں نے قرآن کریم کا بہت اچھا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ان کے ذریعے اسلام پھیلا۔

اسی طرح ہندوستان میں مولانا عبید اللہ نومسلم جو پہلے پنڈت تھے، مسلمان ہوئے۔اور اُنھوں نے "تحفۃ الہند" نامی کتاب لکھی۔اس کتاب کو پڑھ کر مولانا عبید اللہ سندھی ۱۰ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ستراہ کے قریب چیانوالی قصبہ جو ضلع سیالکوٹ میں ہے کے رہنے والے تھے۔اس زمانے میں اسلام قبول کیا اور اسلام کے غلبے کی بات کی اور اسلام کی حقانیت کے دلائل دنیا کو دیئے۔

تو فرمایا تا کہ وہ غالب کر دے اس دین حق کو سارے دینوں پر ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگرچہ پسند نہ کریں شرک کرنے والے۔چنانچہ مخالفوں کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں اور وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ﴾ کیا میں تمھیں بتلاؤں ﴿عَلٰی تِجَارَةٍ﴾ ایک تجارت ﴿تُنْجِیْكُمْ﴾ جو تمھیں بچا لے ﴿مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ دردناک عذاب سے ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر ﴿وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿وَ تُجَاهِدُوْنَ﴾ اور جہاد کرو ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ ﴿وَ اَنْفُسِكُمْ﴾ اور اپنی جانوں کے ساتھ ﴿ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ بہتر ہے تمھارے لیے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو ﴿یَغْفِرْ لَكُمْ﴾ بخش دے گا تم کو ﴿ذُنُوْبَكُمْ﴾ تمھارے گناہ ﴿وَ یُدْخِلْكُمْ﴾ اور داخل کرے گا تم کو ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجْرِیْ﴾ بہتی ہیں ﴿مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اس کے نیچے نہریں ﴿وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً﴾ اور پاکیزہ گھروں میں ﴿فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغوں میں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہی ہے کامیابی بڑی ﴿وَ اُخْرٰی﴾ اور ایک دوسری چیز بھی ﴿تُحِبُّوْنَهَا﴾ جس کو تم پسند کرتے ہو ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ﴾ اور جلدی فتح ﴿وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور آپ خوش خبری سنا دیں ایمان والوں کو ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ﴿كُوْنُوْۤا﴾ ہو جاؤ ﴿اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے مددگار ﴿كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ﴾ جیسا کہ کہا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے ﴿لِلْحَوَارِیّٖنَ﴾ حواریوں سے ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ کون ہے میرا مددگار اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ﴾ کہا حواریوں نے ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں ﴿فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ﴾ پس ایمان لایا ایک گروہ ﴿مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل سے ﴿وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ﴾ اور کفر کیا ایک گروہ نے ﴿فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ﴾ پس ہم نے تائید کی اُن لوگوں کی ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿عَلٰی عَدُوِّهِمْ﴾ ان کے دشمنوں پر ﴿فَاَصْبَحُوْا﴾ پس ہو گئے وہ ﴿ظٰهِرِیْنَ﴾ غالب آنے والے۔

ربطِ آیات

اس سورت کی آیت نمبر ۴ میں تھا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ﴾ "اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہیں۔" اب بھی جہاد کے متعلق بیان ہے۔ دوسرا ربط یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت کریمہ میں دین کے غلبے کا ذکر تھا اور یہ غلبہ جہاد کے ذریعے ہی حاصل ہونا ہے۔ اس لیے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ﴾ کیا میں تمھیں بتلاؤں ایسی تجارت ﴿تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ جو تمھیں بچا لے دردناک عذاب سے۔ تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان

بھی۔لیکن ہم تمھیں ایسی تجارت بتلاتے ہیں جس میں نفع ہی نفع ہے نقصان نہیں ہے۔اور یہ عقل مندوں کے ہاں اعلیٰ درجے کی تجارت ہے۔اور مومن کے لیے سب سے بڑا خسارہ آخرت کا عذاب ہے۔

تو فرمایا یہ تجارت تمھیں آخرت کے عذاب سے نجات دے گی۔اس کے بدلے میں تم نے کیا دینا ہے؟ فرمایا ﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر۔وہ اپنی ذات وصفات میں وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی ہمسر شریک نہیں ہے ﴿وَ رَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور قیامت تک کی ساری مخلوق کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور اب نجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بند ہے ﴿وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ﴾ اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ۔دین کے غلبے کے لیے کہ یہ بھی عذاب الیم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

اِعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد ضروری ہے۔سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۹۳ میں ہے ﴿وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ "اور لڑو تم ان کے ساتھ یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے،کفر شرک نہ رہے،ظلم زیادتی نہ رہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔" تو فرمایا اے ایمان والو! کیا میں تمھیں ایسی تجارت نہ بتلاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچا لے۔وہ سوداگری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ یہی چیز تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ بخش دے گا تم کو تمھارے گناہ ﴿وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اور داخل کرے گا تمھیں ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً﴾ اور پاکیزہ گھروں میں داخل کرے گا ﴿فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغوں میں۔وہاں ہمیشہ رہیں گے اور یہ انعامات دائمی ہوں گے ختم نہیں ہوں گے ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہ سعادت بڑی کامیابی ہے جس خوش بخت کو نصیب ہو جائے۔

فرمایا ﴿وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا﴾ اور اس آخرت کے پھل کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جس کو تم پسند کرتے ہو۔وہ ہے ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ اور جلدی فتح۔اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا میں غنیمتیں عطا فرمائے گا۔مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا،فارس اور روم فتح ہو جائیں گے۔

نصرتِ خداوندی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد سے ہر جگہ کامیابی اور فتح حاصل کی۔غزوۂ بدر میں صرف تین سو تیرہ جاں نثاروں نے ایک ہزار مسلح لوہا پوش (زرہ پوش) فوج کو ذلت آمیز شکست دی۔ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے

اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے پاس سامان کیا تھا؟ صرف آٹھ تلواریں، چھ زرہیں، ستر اونٹ اور دو گھوڑے۔

جنگِ اُحد میں سات سو مسلمانوں نے تین ہزار کا مقابلہ کیا مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد میں کافروں نے مسلمانوں کو تھوڑا سا نقصان پہنچایا مگر میدان چھوڑ گئے۔ جنگِ خندق میں تین ہزار مسلمانوں نے چوبیس ہزار کفر کی فوجوں کا مقابلہ کیا جو تلاطم خیز سمندر تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت نے کافروں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اور وہ تقریباً ایک ماہ تک مدینہ طیبہ کا محاصرہ جاری رکھنے کے بعد بے نیلِ مرام واپس گئے اور ان کے ناپاک ارادے دل ہی میں دفن ہو گئے۔

خیبر کی لڑائی میں پندرہ سولہ سو مجاہدین اسلام نے بیس ہزار یہودیوں سے مقابلہ کیا۔ چند دن کی صبر آزما لڑائی کے بعد خیبر کا سارا علاقہ فتح ہو گیا اور یہود نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس لڑائی میں صرف بیس مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہودی جہنم واصل ہوئے۔

جنگِ قادسیہ میں تیس ہزار سے کچھ زاید مسلمانوں نے ایک لاکھ بیس ہزار ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فتح مسلمانوں کو عطا فرمائی۔ جنگِ یرموک میں بتیس ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومیوں کا مقابلہ کیا۔ اور علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یرموک میں چار لاکھ رومیوں کے ساتھ مقابلہ ہوا ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یرموک میں چھتیس ہزار مسلمانوں نے ساٹھ لاکھ کا مقابلہ کیا ہے۔ ایک لاکھ پانچ ہزار کافر قتل ہوئے اور چالیس ہزار گرفتار ہوئے اور مسلمان صرف چار ہزار شہید ہوئے۔

تو فرمایا اور ایک دوسری چیز بھی تمھیں حاصل ہوگی وہ ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح جلدی ﴿وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور آپ خوش خبری سنا دیں ایمان والوں کو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا قصہ

آگے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا قصہ یاد دلا کر دین کی نصرت کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! ﴿كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے مددگار۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے وہ تو خود کائنات کا مددگار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو بلند کرنے کے لیے ہر حالت میں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرو۔ اور جان مال، قول فعل سے اس کے لیے کوشش کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو بہ سروچشم قبول کرو۔ ﴿كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ﴾ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے کہا ﴿لِلْحَوَارِیّٖنَ﴾ اپنے حواریوں سے ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ کون ہے میرا مددگار اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو زبانی طور پر سمجھایا کہ تحریفات چھوڑ دو اور اصل دین کو اپناؤ اور عملی طور پر بھی سمجھایا، معجزات بھی دکھائے لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اُنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی

نافرمانی پر اُتر آئے جیسا کہ سورہ آل عمران آیت نمبر ۵۲ میں ہے ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ "پس جب محسوس کیا عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف سے کفر تو ﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کہا کون ہے میری مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ﴾ کہا حواریوں نے ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے مددگار۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہنے کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حواری حور سے ہے اور حور کے معنیٰ ہیں سفیدی۔ کیوں کہ ان کے دل بڑے صاف تھے۔ جو دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر ہوتا تھا۔ ان میں دو رنگی نہیں تھی کہ دل کسی طرف ہو اور زبان کسی طرف ہو۔ اس واسطے ان کو حواری کہا گیا ہے کہ دل کے بڑے صاف تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے چمڑے سفید تھے یعنی سفید فام لوگ تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے کپڑے سفید کرتے تھے اس واسطے ان کو حواری کہا گیا۔ اگرچہ بہت تھوڑے تھے مگر مخلص تھے۔

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ کہا حواریوں نے ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والے۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور مدد کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق دین کی تائید اور نشر و اشاعت کرتے رہے۔ یہ بارہ آدمی تھے۔

① پطرس، ② اندر یاس، ③ یعقوب بن زبدی، ④ یوحنا، ⑤ فیلبوس، ⑥ برتھولا، ⑦ تھوما، ⑧ ولامتی، ⑨ یعقوب بن بلقا، ⑩ یہی، ⑪ شمعون کنعانی، ⑫ یہوداہ۔

ان حضرات نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ حتی کہ بعض کو قتل بھی کر دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے، فرمایا میرا حواری میرا پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام ہے۔ جو بڑے بہادر آدمی تھے اور اُنھوں نے اسلام کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

تو خیر عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے میری کون مدد کرے گا۔ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والے ﴿فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ پس ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل سے ﴿وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ﴾ اور کفر کیا ایک گروہ نے۔ پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا یعنی ہدایت کے طریقے پر ہو گئے اور دوسرا گروہ گمراہی کے طریقے پر جم گیا۔ اور وہ یہ یہود ہیں جن پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ پر طرح طرح کے الزام لگائے، بہتان تراشی کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت پر لعنت کمائی ﴿فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ﴾ پس ہم نے تائید کی، مضبوط کیا، نصرت کی اُن لوگوں کی جو ایمان لائے ان کے دشمنوں پر۔ جنھوں نے انکار کیا عیسیٰ علیہ السلام کا اور بہتان تراشی کی ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو مضبوط کیا، ان کی نصرت کی ﴿فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ غالب آنے والے۔ حجت، دلیل اور برہان کے اعتبار سے ان پر جنھوں نے کفر کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔

اسی طرح اے ایمان والو! تم بھی دین محمدی کے لیے کوشش کرو اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمھاری نصرت فرمائیں گے اور تم

غالب آ ؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ساری دنیا میں غلبہ عطا فرمایا اور عرب و عجم پر مسلمانوں کا قبضہ اور کنٹرول ہو گیا۔ مگر بعد میں جب مسلمان اپنی اپنی اغراض کے پیچھے لگے، حبِ جاہ اور حبِ مال کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ نہ وہ ایمان باقی رہا نہ یقین۔ اعمال خراب ہو گئے تو پستی مقدر بن گئی اور ذلیل وخوار ہو گئے اور مختلف قوموں کے دست نگر بن گئے۔ اب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تو پھر اسلام کو دلیل و برہان کے ساتھ ساتھ سیاسی غلبہ بھی نصیب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ

(۲۸)

آیاتُہا ۱۱ سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۶۲) (۱۱۰) رُکُوْعَاتُہَا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ﴾ پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ وہ مخلوق جو ہے آسمانوں میں ﴿وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہے ﴿الْمَلِکِ﴾ وہ بادشاہ ہے ﴿الْقُدُّوْسِ﴾ پاک ہے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ زبردست ہے ﴿الْحَکِیْمِ﴾ حکمت والا ہے ﴿ھُوَ الَّذِیْ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿بَعَثَ﴾ جس نے بھیجا ﴿فِی الْاُمِّیّٖنَ﴾ اَن پڑھوں میں ﴿رَسُوْلًا﴾ ایک رسول ﴿مِّنْھُمْ﴾ انہی میں سے ﴿یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ﴾ پڑھتا ہے ان پر ﴿اٰیٰتِہٖ﴾ اس کی آیتیں ﴿وَیُزَکِّیْھِمْ﴾ اور ان کو وہ پاک کرتا ہے ﴿وَیُعَلِّمُھُمُ﴾ اور تعلیم دیتا ہے ان کو ﴿الْکِتٰبَ﴾ کتاب کی ﴿وَالْحِکْمَۃَ﴾ اور دانائی کی ﴿وَاِنْ کَانُوْا﴾ اور بے شک وہ تھے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ البتہ کھلی گمراہی میں ﴿وَّاٰخَرِیْنَ﴾ اور دوسروں کے لیے ﴿مِنْھُمْ﴾ انہی میں سے ﴿لَمَّا یَلْحَقُوْا﴾ جو ابھی تک نہیں ملے ﴿بِھِمْ﴾ ان کو ﴿وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ اور وہ زبردست حکمت والا ہے ﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿یُؤْتِیْہِ﴾ دیتا ہے وہ فضل ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتا ہے ﴿وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلی سورت میں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوش خبری سنائی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ اس سورت میں اسی رسول کا ذکر ہے جس کی خوش خبری عیسیٰ علیہ السلام نے سنائی تھی۔ اس سورت کا نام سورۃ الجمعہ ہے۔ اور یہ آیت نمبر ۸ سے لیا گیا ہے کہ اس میں جمعہ کا لفظ موجود ہے۔ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا ایک سودسواں [۱۱۰] نمبر ہے۔ اس سے پہلے ایک سونو [۱۰۹] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے دو رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی جو کچھ ہیں آسمانوں میں۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اگر فرشتوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہے جس کو ہم نہیں جانتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے ﴿وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ چاہے وہ جان دار ہوں جیسے انسان، حیوان، چرند پرند وغیرہ یا غیر جان دار جیسے درخت ہیں، پتھر ہیں، پہاڑ ہیں، دریا اور سمندر ہیں۔ ہر چیز

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ "ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔" انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ وہ ماں باپ، بیوی بچوں سے پاک ہے، وہ شریکوں سے پاک ہے۔ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۲ میں ہے ﴿وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا﴾ "تسبیح بیان کرو اللہ تعالیٰ کی صبح اور شام۔"

﴿الْمَلِكِ﴾ بادشاہ ہے ﴿الْقُدُّوْسِ﴾ پاک ہے ﴿الْعَزِیْزِ﴾ زبردست ہے ﴿الْحَكِیْمِ﴾ حکمت والا ہے۔ ساری دنیا کا حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ نقص اور عیب سے پاک ہے کیوں کہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہے۔ وہ کمالِ قدرت کا مالک ہے۔ حکمت والا ہے اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ وہ وہی ہے ﴿بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں سے ایک رسول انھی میں سے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب سارے ہی اَن پڑھ تھے۔ (الا ماشاء اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انھی میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے رشتہ دار تھے۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا کہ جس میں آپ کے باپ دادا سے پیدائشی قرابت نہ ہو سوائے بنو تغلب کے کہ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی قسم کی قرابت داری نہ تھی۔ یہ قبیلہ عرب کی سرحد شام سے متصل رہتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھی میں سے تھے، عربی تھے۔

﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن ان کو پڑھ کر سناتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اول مخاطب چونکہ عرب تھے اور عربی ان کی مادری زبان تھی اس لیے قرآن کریم کے اکثر مضامین کو وہ محض سننے سے ہی سمجھ جاتے تھے۔ تو فرمایا وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے ﴿وَ یُزَكِّیْهِمْ﴾ اور وہ ان کو پاک کرتا ہے شرک سے، کفر سے، بداعتقادیوں سے، بُرے اخلاق سے۔ حقیقتاً تو دلوں کی صفائی رب کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ذریعہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور تعلیم وتربیت سے لوگوں کے دل صاف ہو جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے وظائف کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اب زنگ اُتارنے کے لیے وظائف کرنے پڑتے ہیں۔ پیر کامل اپنے مریدوں کو اگر کوئی وظیفہ بتائے گا اور وہ توجہ کے ساتھ پڑھے گا تو یقیناً اثر ہوگا ﴿وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب کی، سکھاتا ہے ان کو کتاب۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کی تعلیم دینا

قرآن کریم کی وہ آیات جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف سننے سے نہیں سمجھ سکتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تفسیر کر دیتے تھے کہ اس کا یہ مطلب اور مفہوم ہے۔ مثلاً: پانچواں پارہ سورۃ النساء میں یہ آیت ہے ﴿مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ﴾ "جو شخص بُرے عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔" اس کی سزا پائے گا۔ یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! ہم میں سے کون سا ایسا آدمی ہے جس سے کوئی نہ کوئی بُرائی نہ ہو۔ معصوم تو صرف پیغمبر ہیں ان کے بغیر کوئی معصوم نہیں ہے۔ لہٰذا چھوٹی بڑی غلطی انسان سے ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ بدلہ قبر، برزخ اور آخرت میں ہوگا کہ

جس کے نتیجے میں دوزخ میں جانا پڑے گا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ ﴿يُجْزَبِهٖ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو دنیا میں جو تکلیفیں آتی ہیں وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔مثلاً: بخار ہے، گرمی ہے، سردی ہے، سر درد ہے، کمر درد ہے، گھٹنے کا درد ہے، پیٹ درد ہے یا کوئی اور تکلیف ہو یہ گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔ چلتے چلتے جیب سے رقم گر گئی یہ بھی گناہ کا کفارہ ہو گئی حتیٰ کہ کانٹے کا چبھ جانا اور چیونٹی کا کاٹنا بھی گناہ کا کفارہ ہے۔تو آپ ﷺ نے تعلیم بھی دی۔

اور قرآن کریم کا پڑھانا اور سمجھانا بڑا کام ہے۔ابن ماجہ جو صحاح ستہ کی کتاب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کریم کی ایک آیت سیکھے گا (بغیر ترجمہ کے) اس کو سو نفل پڑھنے والے سے زیادہ ثواب ملے گا۔اور جو شخص ایک آیت کریمہ ترجمے کے ساتھ سیکھے گا اس کو ہزار نفل پڑھنے والے سے زیادہ ثواب ملے گا۔اور یاد رکھنا! قرآن کریم پڑھنا اور اس کا ترجمہ سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے لیے ضروری ہے۔آپ ﷺ کا تیسرا کام ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی حدیث اور سنت کی۔حدیث کے الفاظ بھی آپ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اور معانی بھی سکھائے ہیں۔

بدن کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے اور عرض کیا حضرت! مَنْ يُطِيْقُ ذٰلِكَ کس کو اس کی طاقت ہے کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرے۔فرمایا تم نے صدقے کا مفہوم روپیہ دینا ہی سمجھا ہے۔صرف یہ معنیٰ نہیں ہے بلکہ ایک دفعہ الحمد للہ! کہا صدقہ ادا ہو گیا، سبحان اللہ! کہا صدقہ ادا ہو گیا، لا الٰہ الا اللہ کہا صدقہ ادا ہو گیا، وعلیکم السلام کہا، صدقہ ادا ہو گیا۔ بلکہ ایک دوسرے کو ملتے وقت خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے۔راستے پر اینٹ پتھر پڑا ہوا ہے جو لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے اس کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ناواقف کو راستہ بتا دینا یا اس کو منزل تک پہنچا دینا بھی صدقہ ہے۔ایک دفعہ درود شریف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور ایک صدقہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔

اور اگر یہ چاہتے ہو کہ تین سو ساٹھ صدقے ایک ہی مرتبہ کام میں آ جائیں تو وہ بھی ممکن ہے کہ چاشت کی نماز پڑھو۔ چاشت کی دو رکعتیں پڑھو اس میں تین سو ساٹھ صدقے ہیں اور چاشت کی نماز کے لیے مسجد میں جانا بھی ضروری نہیں ہے۔گھر میں پڑھ لو، دفتر میں پڑھ لو، کارخانے میں پڑھ لو، اپنی زمین میں پڑھ لو، جہاں کہیں بھی ہو پڑھ سکتے ہو۔اور یہ اکیلے پڑھنی ہے جماعت کے ساتھ نہیں۔ کیوں کہ نفلی نماز کے لیے جماعت کا اہتمام کرنا بڑا گناہ ہے۔یہ بات تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ نے لکھی ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی نماز میں اگر ایک دو آدمی ساتھ مل جائیں تو کراہت نہیں اور اگر تیسرا مل گیا تو کراہتِ تنزیہی ہے اور چوتھا مل گیا تو مکروہ تحریمی ہے یعنی حرام ہے۔مردوں کے لیے یہ حکم ہے۔اور اب عورتوں نے یہ بدعت شروع کی ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کے لیے اہتمام کرتی ہیں اور اس کے لیے باقاعدہ مسجدوں میں اعلان ہوتے ہیں۔یہ تمام

بدعت ہے اور بدعت کا گناہ تو ہوتا ہے ثواب نہیں ہوتا۔ کیوں کہ بدعت سے دین کا نقشہ بگڑ جاتا ہے۔ اپنی جگہ تہجد پڑھو، اشراق پڑھو، صلوٰۃ التسبیح پڑھو بڑی سعادت کی بات ہے۔ مگر اس کے لیے اہتمام کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ بدعت سے محفوظ فرمائے۔

مفہومِ صدقہ

تو خیر صدقے کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ صدقہ ضروری نہیں کہ رقم اور جنس کی شکل میں ہی ہو سکتا ہے بلکہ اللہ اللہ کرنے میں بھی صدقہ ہے۔ اور ایک اور بات بھی سمجھ لیں کہ جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صدقہ کالی سری کا نام ہے کہ کالی سری دینے سے سب بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ صدقے کا مفہوم ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا۔ غریب کو کپڑے کی ضرورت ہے تم کالی سری اس کی جھولی میں ڈالتے ہو وہ اس کا کیا کرے گا؟ اس کو جوتے کی ضرورت ہے، اس کے بچے پڑھتے ہیں ان کو کتابوں کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورتیں کالی سری تو پوری نہیں کر سکتی۔ لہٰذا جو اس کی ضرورت ہے وہ پوری کرو۔ چاول کی ضرورت ہے اس کو چاول دو، کپڑے کی ضرورت ہے کپڑا لا کر دو۔ بہتر یہ ہے کہ نقد دے دو۔ اس کی جو ضرورت ہے پوری کر لے گا۔

تو فرمایا وہ رسول ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور بے شک وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو عرب کے ننانوے فیصد لوگ کفر وشرک میں مبتلا تھے صحیح العقیدہ کوئی اِکا دُکا آدمی تھا۔ جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ پوری قوم شرک کی لعنت میں گرفتار تھی۔ اخلاقیات کی بھی یہی صورت حال تھی جو آج کل ہے۔ قتل، اغواء، لوٹ کھسوٹ، بدکاری، بدمعاشی آج کل کی طرح تھی۔ ہم نے امن کا زمانہ دیکھا ہے حقیقت پوچھو تو لوگ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کی حکومت سے انگریز کی حکومت اچھی تھی کہ کم از کم جان تو محفوظ تھی۔ آج کل تو کسی کی جان بھی محفوظ نہیں ہے۔ آج کل یہ لٹیرے ساری دولت کھا گئے ہیں اور عوام رو رہے ہیں۔

تو فرمایا اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ﴾ اور دوسروں کے لیے انھی میں سے ﴿لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ جو ابھی تک نہیں ملے ان کو ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ ﴿وَّاٰخَرِيْنَ﴾ کا عطف اُمِّيّٖنَ پر ہے۔ اور معنیٰ اس طرح ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے اُمی لوگوں کے لیے بھی بھیجے گئے ہیں اور ان کے سوا دوسروں کے لیے بھی جو ابھی پیدا نہیں ہوئے یا پیدا ہوئے ہیں مگر ان کے ساتھ نہیں ملے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے۔ موجودہ لوگوں کے لیے بھی اور قیامت تک آنے والوں کے لیے بھی۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ پڑھا ﴿لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا۔ پھر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جواب نہ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر چلا جائے گا

تو اس کی قوم کے لوگ اس کو پالیں گے، حاصل کرلیں گے۔ یعنی اگر ایمان دنیا سے اُٹھ کر آسمان پر چلا جائے گا مطلب یہ ہے کہ اس کا لینا مشکل ہوجائے گا تو ابناء فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو حاصل کرلیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آنے والے لوگوں سے مراد غیر عرب ہیں خواہ وہ فارس کے رہنے والے ہوں یا روم کے رہنے والے ہوں آپ ﷺ کی بعثت سب کے لیے ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ کو دعوتِ اسلام کے خط لکھے تھے۔ اس پیش گوئی کے مطابق بالخصوص اہلِ فارس میں سے بڑے بڑے نامور مسلمان پیدا ہوئے جن کی خدماتِ اسلام کا اس امت پر شکر واجب ہے۔ اور یہ بشارت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں پر صادق آتی ہے۔

اور ان کو ﴿مِنْهُمْ﴾ باعتبار اسلام کے فرمایا۔ کیوں کہ مسلمان سب ایک ہیں اگلے ہوں یا پچھلے۔ مسلمان سارے اُمتِ واحدہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کی بعثت سب کے لیے ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے عجمیوں کو قریش کے ساتھ ملا دیا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ﴾ اسم اشارہ سے مراد اسلام ہے۔ یعنی اسلام اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وحی نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقراء مہاجرین آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مال دار لوگ بلند اور پائیدار درجے لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ بھی نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں اور وہ صدقہ خیرات کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے۔ وہ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے (کیوں کہ ہمارے پاس مال نہیں ہے تو ہم تو ان کو نہیں پہنچ سکتے)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز بتلاتا ہوں کہ جس کے ذریعے تم ان کو پہنچ جاؤ گے جو تم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ تو فقراء مہاجرین نے کہا ہاں حضرت! ضرور بتلائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ کچھ مدت کے بعد فقراء مہاجرین پھر آئے اور کہنے لگے حضرت مال داروں کو علم ہوگیا ہے اور اُنھوں نے بھی ہمارے عمل کو شروع کردیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ﴾ مثال ان لوگوں کی ﴿حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ﴾ جن سے اُٹھوائی گئی تورات ﴿ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا﴾ پھر انھوں نے نہیں اُٹھایا اس کو ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ﴾ (جیسے مثال ہے گدھے کی) اس گدھے کی مثال ہے ﴿یَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ جو بوجھ اُٹھاتا ہے کتابوں کا ﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ﴾ بُری ہے مثال اس قوم کی ﴿كَذَّبُوْا﴾ جنھوں نے جھٹلایا ﴿بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ﴿الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ظالم قوم کو ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو یہودی بنے ہو ﴿اِنْ زَعَمْتُمْ﴾ اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ ﴿اَنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دوست ہو ﴿مِنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ سب لوگوں کے سوا ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ تو تمنا کرو موت کی ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ﴾ اور یہ نہیں تمنا کریں گے موت کی ﴿اَبَدًا﴾ کبھی بھی ﴿بِمَا﴾ بہ سبب اس کے کہ ﴿قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ جو آگے بھیجا ہے ان کے ہاتھوں نے ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿اِنَّ﴾ بے شک ﴿الْمَوْتَ الَّذِیْ﴾ وہ موت ﴿تَفِرُّوْنَ مِنْهُ﴾ بھاگتے ہو جس سے ﴿فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ﴾ پس بے شک وہ ملنے والی ہے تم سے ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ﴾ پھر تم لوٹائے جاؤ گے ﴿اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ عالم الغیب والشہادہ کی طرف ﴿فَیُنَبِّئُكُمْ﴾ پس وہ تمھیں بتائے گا ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے رہے ہو۔

ماقبل سے ربط

پچھلے سبق کے آخر میں تھا ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔" اللہ تعالیٰ کے فضل کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور اس کے رسول کی اتباع کریں گے۔ اور جو لوگ اعراض کریں گے وہ محروم ہو جائیں گے جیسے یہود کہ اُنھوں نے تورات سے اعراض کیا، آخری پیغمبر پر ایمان لانے سے اعراض تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ﴾ مثال ان لوگوں کی جن کو تورات اُٹھوائی گئی۔ یعنی اس پر عمل کرنے کا کہا گیا کہ اس کو سمجھو اور اس پر عمل کرو، اس کا تحفظ کرو ﴿ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا﴾ پھر انھوں نے نہیں اُٹھایا اس کو یعنی اس پر عمل نہیں کیا، حفاظت کی ذمہ داری کو نہیں نبھایا ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ اسفار جمع ہے سِفْرٌ کی سِفْر کا معنیٰ ہے بڑی کتاب۔ معنیٰ ہوگا اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اُٹھاتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود پر تورات کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن اُنھوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پروا نہ کی نہ اس کو محفوظ رکھا اور نہ اس کو دل میں جگہ دی اور نہ اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ

حامل بنائے گئے تھے حکمت وہدایت کا ایک خزانہ تھا۔مگر جب ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا تو ان کی مثال اس گدھے کی ہوگئی کہ جس پر علم وحکمت کی پچاس کتابیں لاد دو تو اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔اس کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ میری پیٹھ پر ہیرے موتی لدے ہوئے ہیں یا ٹھیکریاں اور پتھر۔اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم ہوں تو یہ اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔

فرمایا ﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ﴾ بُری ہے مثال اس قوم کی ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔جنھوں نے اپنے آپ کو گدھے کی طرح بنایا اس کی مثال بہت بُری ہے۔اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے کا مطلب ہے کہ ان پر عمل نہیں کیا۔یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تو آج مسلمان بھی ان سے پیچھے نہیں ہیں۔یہ بھی اپنے عقیدے اور عمل سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو جھٹلاتے ہیں۔خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کے مطابق عقیدہ اور عمل نہ بنانا بھی کتاب وسنت کو جھٹلانا ہے۔پھر غلط عقائد اور نظریات پر ڈٹ جانا اور ان کے خلاف قرآن وحدیث کی غلط تاویلیں کرنا۔تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔جو لوگ ضد، ہٹ دھرمی اور ناانصافی پر قائم رہیں انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ہدایت اُسے ملتی ہے جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔یہودیوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا، اس کی تعلیمات اور ہدایات کی پروانہ کی پھر بھی اس کے مدعی تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ولی اور محبوب ہیں۔سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۸ میں ہے کہ کہا یہودیوں نے اور نصرانیوں نے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔لہٰذا ہم جو چاہیں کرتے پھریں ہم پر کوئی الزام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو یہودی بنے ہوئے ہو ﴿اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ﴾ اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو ﴿مِنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ سب لوگوں کے سوا جنت کے ہم مستحق ہیں اور جنت ہماری ہے ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ تو تم موت کی آرزو کرو تاکہ مرنے کے بعد عیش وآرام میں پہنچ جاؤ۔حوریں اور غلمان تمھاری خدمت کریں ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے اپنے دعوے میں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں، محبوب ہیں۔ولیوں کے مقام میں پہنچنے کی آرزو کرو، موت کی تمنا کرو تاکہ جلدی جنت میں پہنچو۔لیکن یہودیوں میں سے کسی نے جرأت نہیں کی۔اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ ﴿وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا﴾ اور یہ نہیں تمنا کریں گے موت کی کبھی بھی ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ﴾ بہ سبب اس کے کہ جو آگے بھیجا ہے ان کے ہاتھوں نے۔اور سورۃ البقرہ آیت نمبر ۹۴ میں ہے ﴿قُلْ﴾ " آپ ان سے کہہ دیں ﴿اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ اگر ہے تمھارے لیے آخرت کا گھر ﴿عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں خالص تمھارے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ دوسرے لوگوں کے سوا ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ پس تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔کیوں کہ تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف موت ہی حائل ہے۔لہٰذا جلدی موت کی تمنا کرو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یااللہ! ہمیں جلدی موت دے تاکہ ہم جلدی جنت میں چلے جائیں۔فرمایا ﴿وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ اور وہ موت کی ہرگز تمنا نہیں

کریں گے کبھی بھی ﴿بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔" ان کو اپنے کرتوتوں کا علم ہے لہٰذا یہ موت کی تمنا کبھی بھی نہیں کریں گے۔ اور جن لوگوں نے آخرت کی تیاری کی ہوتی ہے وہ ہر وقت موت کے لیے تیار رہتے ہیں انھیں موت کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

جنت کا طالب موت سے نہیں ڈرتا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور نماز کا وقت ہو گیا باوضو تھے۔ گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور اپنی چادر بچھا کر نماز شروع کر دی۔ ان کے بڑے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا ابا جی! تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپ نے نماز شروع کر دی ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَا يُبَالِيْ اَبُوْكَ عَلَى الْمَوْتِ سَقَطَ اَمْ سَقَطَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ "بیٹا تیرے باپ کو کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ موت پر گرے یا موت اس پر گرے۔" یہ حضرات تو موت کو تلاش کر رہے تھے۔ موت اپنا کام کرے گی اور ہم اپنا کام کریں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس طرح زخمی ہوئے کہ نیزہ بدن کے ایک طرف لگا اور دوسری طرف نکل گیا۔ اور خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ "کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" ساتھیو! مجھے مبارک دو۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ فرمایا میں تو موت سے خوش ہو رہا ہوں اَلْاٰنَ اُلَاقِي الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَ حِزْبَهٗ "اب میری ملاقات ہو گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسرے ساتھیوں سے۔"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایران کے محاذ پر ایرانیوں کے خلاف لڑ رہے تھے ایرانیوں کے جرنیل رستم بن فرخ زار نے بڑا دھمکی آمیز خط لکھا اور کہا کہ میں انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہوئے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں تمھیں کہتا ہوں کہ تم واپس اپنے گھروں کو چلے جاؤ اپنے ان جوشیلے نوجوانوں کو نہ مرواؤ۔ کسی کی ماں روئے گی، کسی کی بیوی روئے گی، کسی کے بچے یتیم ہوں گے۔ جاؤ اپنی بھیڑ بکریاں اور اُونٹ جا کر چراؤ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا۔ فرمایا یاد رکھو! فَاِنَّ مَعِيَ قَوْمٌ يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ "بے شک میرے ساتھ ایک ایسی قوم ہے جو موت کو اس طرح پسند کرتی ہے كَمَا يُحِبُّ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ جیسے تم عجمی لوگ شراب کو پسند کرتے ہو۔" یہ موت سے نہیں ڈرتے۔ ؎

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

رستم دھمکی دے کر چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرا جرنیل آیا، بامانِ ارمنی۔ اس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا تمھارے پاس کتنے فوجی ہیں؟ فرمایا میرے پاس صرف سات سو فوجی ہیں۔ اس نے کہا میرے پاس تیرہ ہزار سے زائد فوجی ہیں۔ لہٰذا تم موت کے منہ میں نہ آؤ یہاں سے واپس چلے جاؤ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَوَاعِظٌ اَنْتَ اَمْ مُقَاتِلٌ "تو ہمیں نصیحت

کرنے کے لیے آیا ہے یا لڑنے کے لیے" (تبلیغی ہے یا جنگ کرنے والا) کہنے لگا لڑنے کے لیے آیا ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کہ تمھارے لیے پیچھے سے کمک کہاں سے آئے گی؟ کیوں کہ میرے لیے تو پیچھے سے مزید فوج آسکتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَمَّا فِی الْاَرْضِ فَلَا "زمین سے تو ہمارے لیے کمک نہیں آئے گی ہاں آسمان سے مدد آئے گی۔" چنانچہ جنگ ہوئی۔ سات سو نے تیرہ ہزار کو شکست فاش دی۔ کافروں کے ایک ہزار جنگجو مارے گئے اور اِدھر صرف سات مسلمان شہید ہوئے۔

جو جنت کا طالب ہوتا ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ اور یہ یہودی کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو۔ ان سے ذرے ذرے کا حساب لے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ لَوْ اَنَّ الْيَهُوْدَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَمَاتُوْا وَيَرَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِنَ النَّارِ "اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ لیتے۔"

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۹۶ میں ہے ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ "اور البتہ ضرور پاؤ گے تم ان لوگوں کو زیادہ حریص لوگوں سے زندگی پر۔" لیکن موت سے بچ تو نہیں سکتے۔

﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیں ﴿اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ﴾ بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو ﴿فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ﴾ پس وہ یقیناً تم سے ملنے والی ہے۔ تم موت سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت سے بھاگنے والے شخص کی مثال اُس لومڑی کی ہے جس نے زمین کا قرض دینا تھا۔ جب زمین نے اس سے قرضہ مانگا تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی تاکہ کہیں دوسری جگہ چلی جائے جہاں زمین قرض نہ مانگ سکے۔ مگر وہ جہاں بھی جاتی زمین پر ہی ہوتی اور زمین اس سے قرض مانگتی۔ لومڑی بھاگتے بھاگتے تھک ہار کر مر گئی مگر زمین سے باہر نہ نکل سکی اور زمین اُس سے برابر قرض کا مطالبہ کرتی رہی۔

موت کی تمنا کرنے کی ممانعت

تو موت سے مفر نہیں ہے۔ ہاں! ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت سے ڈرنا تو نہیں چاہیے مگر مصیبت سے تنگ آکر موت کے لیے دعا کرنا صحیح نہیں ہے (یعنی موت کی تمنا نہ کرے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ کوئی تکلیف پہنچ جائے، بیماری آجائے یا مال ضائع ہو جائے، اولاد باقی نہ رہے تو ایسی پریشانی سے تنگ آکر موت نہیں مانگنی چاہیے۔ ہاں اگر دین کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر موت کی تمنا کی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ فَاَحْيِنِيْ "اے اللہ! جب تک تو جانتا ہے کہ دنیا کی زندگی میرے لیے بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو پھر موت عطا کر دے۔"

تو فرمایا جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ یقیناً تمھیں ملنے والی ہے۔ فرمایا ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ پھر تم لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادہ کی طرف۔ اور سورۃ الم سجدہ آیت نمبر ۱۱ میں ہے ﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ

﴿ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمادیں ملک الموت تمھیں موت دے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے جزا، سزا کے لیے۔"

﴿فَیُنَبِّئُکُمْ﴾ پس وہ تمھیں بتلائے گا ﴿بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو اعمال تم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ نیک و بداعمال سب اس کے سامنے ہیں۔ سورۃ مجادلہ پارہ ۲۸ آیت نمبر ۶ میں ہے ﴿اَحْصٰہُ اللّٰہُ وَنَسُوْہُ﴾ "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا ہر فعل محفوظ کرلیا ہے حالانکہ وہ خود بھول گئے ہیں۔" وہ ہر ایک کو پورا پورا بدلا دے گا۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ﴾ جب اذان دی جائے نماز کے لیے ﴿مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾ جمعہ کے دن ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ پس دوڑ لگا دو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف ﴿وَذَرُوا الْبَیْعَ﴾ اور چھوڑ دو خرید وفروخت کو ﴿ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ یہ بہتر ہے تمھارے لیے ﴿اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے ﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ﴾ پس جب پوری ہو جائے نماز ﴿فَانْتَشِرُوْا﴾ پس پھیل جاؤ تم ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ﴾ اور تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کے فضل کو ﴿وَاذْکُرُوا اللّٰہَ﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کو ﴿کَثِیْرًا﴾ کثرت سے ﴿لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پاجاؤ ﴿وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً﴾ اور جب یہ دیکھتے ہیں تجارت ﴿اَوْ لَھْوًا﴾ یا کھیل کو ﴿انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا﴾ تو پھیل جاتے ہیں اس کی طرف ﴿وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا﴾ اور چھوڑ دیتے ہیں آپ کو کھڑا ہوا ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿مَا عِنْدَ اللّٰہِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿خَیْرٌ﴾ وہ بہتر ہے ﴿مِّنَ اللَّھْوِ﴾ کھیل سے ﴿وَمِنَ التِّجَارَۃِ﴾ اور تجارت سے ﴿وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے یہودیوں کی مذمت تھی۔ یہودیوں میں ساری خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ان میں ایک خرابی یہ بھی تھی کہ ہفتہ کا دن ان کے لیے عبادت کا دن تھا۔ عبادت کے علاوہ ہر کام ممنوع تھا۔ مگر انھوں نے اس کی پابندی نہ کی اور اس کی پاداش میں بندر اور خنزیر بنائے گئے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ تمھارے لیے جمعہ کا دن عبادت کے لیے ہے تم نے اس کی پابندی کرنی ہے۔ یہودیوں کے لیے تو چوبیس گھنٹے عبادت کے لیے تھے لیکن مسلمانوں کے لیے مخصوص وقت اذان جمعہ سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾

جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن۔ اس اذان سے مراد وہ اذان ہے کہ خطیب جب خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر بیٹھتا ہے تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر جو اذان دی جاتی ہے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہی پہلی اذان تھی۔ پھر جب آبادی بڑھ گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے مقام زوراء پر پہلی اذان دینے کا حکم دیا۔ اور دوسری اذان وہی قائم رہی کہ جب خطیب منبر پر بیٹھتا تھا تو اس کے سامنے دوبارہ دی جاتی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک اسی طرح معمول چلا آ رہا ہے۔ اس زمانے میں اصحابِ پیغمبر مہاجرین وانصار کثرت کے ساتھ موجود تھے مگر کسی نے مخالفت نہیں کی کہ یہ کیا نیا کام شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ اذان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے شروع ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں۔ ان کا عمل بھی سنت ہے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ "تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو۔" لہٰذا یہ پہلی اذان بھی دوسری اذان کی طرح سنت ہے۔ اور فقہائے کرام فرماتے ہیں اَلْمُعْتَبَرُ هُوَ الْاَذَانُ الْاَوَّلُ "جو پہلی اذان ہے اس کا اعتبار ہے۔"

فضیلت جمعہ

جمعہ کے دن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید الایام فرمایا ہے۔ حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن کی عظمت عید الفطر اور بقر عید سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اُتارا، اسی دن آدم علیہ السلام کو وفات دی اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن بندہ اللہ تعالیٰ سے حرام چیز کے سوا جو مانگتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور عنایت فرماتے ہیں۔ اور تمام مقرب فرشتے آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور دریا جمعہ کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ قیامت جمعہ کے دن آنی ہے۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے۔

اور بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم (دنیا میں) بعد میں آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ اگرچہ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں بعد میں ملی ہے۔ پھر یہ دن (جمعہ کا) ان پر فرض کیا گیا تھا لیکن اُنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں ہماری راہنمائی فرمائی (کہ ہم نے اس کو عبادت کے لیے منتخب کر لیا)۔ یہود و نصاریٰ اس میں بھی ہمارے تابع ہیں۔ یہود نے کل یعنی ہفتہ کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے اتوار کو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعے والے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ جمعہ والے دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور تمھارا درود مجھ پر پہنچایا جاتا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دیا وہ ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو کبھی مٹائی نہیں جاتی۔ ہاں اگر کوئی معقول

عذر ہوتو الگ بات ہے، پھر ظہر کی نماز پڑھے گا۔ عورتوں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ مریضوں اور مسافروں پر بھی فرض نہیں ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہو جس میں گلی کوچے بازار ہوں اور اس میں فیصلوں کے لیے قاضی یعنی مجسٹریٹ بیٹھتا ہو۔

جمعہ کی ابتداء

جمعہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو چند دن محلہ قبا میں ٹھہرے بنی عمرو بن عوف کے ہاں۔ سوموار، منگل، بدھ، جمعرات۔ اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی جمعہ والے دن۔ وہاں سے مدینہ طیبہ کے لیے چل پڑے۔ بنو سالم بن عوف کے علاقہ میں پہنچے تو جمعہ کی فرضیت کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں جمعہ پڑھایا اور وہاں مسجد بنادی گئی جس کا نام مسجد جمعہ ہے۔ یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا۔

تو فرمایا اے ایمان والو! جب اذان دی جائے جمعہ والے دن نماز کے لیے ﴿ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللہِ ﴾ پس دوڑ لگا دو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف یعنی فوراً چل پڑو ﴿ وَذَرُوا الْبَیْعَ ﴾ اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔

اذانِ جمعہ کے بعد کن کاموں کا کرنا جائز ہے اور کن کا نہیں

مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس سے صرف خرید و فروخت کا چھوڑنا مقصود نہیں ہے بلکہ جمعہ کی نماز کی تیاری کے لیے تمام کاموں کا چھوڑ دینا مقصود ہے۔ چاہے کوئی شخص کھیتی باڑی کرتا ہے، صنعت و حرفت کا کام کرتا ہے، ملازم ہے، تاجر ہے، دکان دار ہے، ہر کام کو چھوڑ کر مسجد میں آجاؤ اور خطبہ سنو، نماز پڑھو۔ جمعہ کی پہلی اذان ہو جانے کے بعد امام کے سلام پھیرنے تک ہر وہ کام حرام ہو جاتا ہے جس کا تعلق جمعہ اور نماز کے ساتھ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جمعہ کی پہلی اذان ہو جانے کے بعد اگر کسی نے پوری شرائط کے ساتھ نکاح پڑھایا، ایجاب و قبول ہوا ہے، گواہ موجود ہیں۔ نکاح نہیں ہوگا۔ اگر دوبارہ نکاح نہ پڑھایا تو ساری زندگی زنا ہوگا۔ (تفصیل کے لیے احکام القرآن لابی بکر بن العربی اور احکام القرآن للتھانوی دیکھیے۔)

اذان کے بعد غسل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ جمعہ کا غسل سنت ہے۔ جمعہ والے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، حجامت بنوانا، ناخن تراشنا سنت اعمال ہیں۔ ان کی تاکید آئی ہے۔ خطیب اذان کے بعد مطالعہ کر سکتا ہے کہ اس کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے۔ ہاں جس کام کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے وہ سب حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اور طفیل سے اس امت پر کرم فرمایا کہ تھوڑے سے وقت کے لیے ہمیں پابند بنایا ہے۔ اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک۔ ورنہ بنی اسرائیل کے لیے تو چوبیس گھنٹے عبادت کے سوا ہر کام ناجائز تھا سورج کے طلوع ہونے سے لے کر اگلے دن طلوع ہونے تک۔ اور جن لوگوں نے خلاف ورزی کی تھی ان کو اللہ تعالیٰ نے بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور ہمارے لیے تو صرف دو اڑھائی گھنٹے کی پابندی ہے۔ لہٰذا جمعہ والے دن جتنا جلدی ہو سکے مسجد میں آجانا چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص جمعہ والے دن سب سے پہلے آئے گا اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا۔ اس کے بعد جو آئے گا اس کو گائے کی قربانی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے بعد آئے گا اس کو دنبے کی قربانی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے بعد آئے گا اس کو مرغی کے صدقے کا ثواب ملے گا اور جو اس کے بعد آئے گا اس کو انڈے کے صدقے کا ثواب ملے گا۔ پھر امام باہر آجاتا ہے خطبہ شروع کرتا ہے تو فرشتے رجسٹر لپیٹ دیتے ہیں اور ذکرِ الٰہی سننے لگ جاتے ہیں۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ پہلے زمانے میں نماز فجر کے بعد ہی جمعہ کے لیے جانے والوں سے راستے بھر جاتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلدی جلدی جمعہ کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ تین آدمی پہلے پہنچے ہوئے تھے۔ اپنے نفس کو ملامت کرنا شروع کر دی اور کہا کہ اے نفس! میں دیکھتا ہوں کہ آج تیرا درجہ چوتھا ہو گیا ہے۔ لہٰذا جمعہ والے دن جتنا جلدی ہو سکے مسجد میں پہنچ جانا چاہیے۔ اور اذان ہو جانے کے بعد تو ہر وہ کام حرام ہو جاتا ہے جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی مسجد میں اذان جلدی ہو جاتی ہے کسی میں تاخیر سے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس مسجد میں جمعہ پڑھتا ہے اس مسجد کی اذان مراد ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ لگا دو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یہ خرید و فروخت کو چھوڑنا تمھارے حق میں بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر ہو تم جانتے کہ جمعہ کا نفع باقی رہنے والا ہے اور خرید و فروخت کا نفع فنا ہونے والا ہے۔ فرمایا ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ﴾ پھر جب پوری ہو جائے نماز ﴿فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ پس تم پھیل جاؤ زمین میں یعنی اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاؤ، اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے جاؤ۔ جو شخص جو کام کرتا ہے اُسے اجازت ہے کہ اب وہ اپنا کام شروع کر سکتا ہے۔ اپنا کام کرو ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل کو۔ روزی کو تلاش کرو اور کاموں میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھول جانا ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے ﴿لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

ذکر کی کوئی حد نہیں ہے۔ جتنا چاہیں اور جس وقت چاہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ ذکر کے لیے وضو بھی شرط نہیں ہے۔ وضو ہو یا نہ ہو، کھڑے کھڑے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، بیٹھے بیٹھے ذکر کرو، لیٹے ہوئے ذکر کرو، دن کو ذکر کرو، رات کو ذکر کرو۔ بہتر ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔ درود شریف پڑھو، استغفار کرو۔ ذکر کرنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے، مصیبتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ دنیا میں بھی سکون اور آخرت میں بھی سکون حاصل ہوگا۔ فلاح اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں ہے۔

شانِ نزول

اگلی آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اناج کا ایک قافلہ

مدینہ طیبہ آ پہنچا (مسجد نبوی کے قریب جب اس طرح کا قافلہ آتا تھا تو دف بجا کر اعلان ہوتا تھا کہ قافلہ آ گیا ہے اناج وغیرہ خرید لو۔ان دنوں میں اناج کی کمی بھی تھی۔ جب اعلان سنا تو) سب لوگ ادھر چلے گئے۔صرف بارہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے (جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے) باقی سارے چلے گئے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر تنبیہ فرمائی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾ اور جب یہ دیکھتے ہیں تجارت کو یا کھیل کو تو پھیل جاتے ہیں، منتشر ہو جاتے ہیں اس کی طرف ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾ اور چھوڑ دیتے ہیں آپ کو کھڑا ہوا۔اس وقت نماز پہلے ہوتی تھی اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا عیدین کی طرح۔ بعد میں خطبہ پہلے ہونے لگا اور نماز بعد میں۔اس وقت چونکہ نماز ہو چکی تھی اور یہ گمان کیا کہ خطبہ چھوڑنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ جمعہ کا خطبہ بھی نماز کی طرح فرض ہے۔کچھ ان دنوں اناج کی قلت تھی۔ یہ خیال آیا کہ دیر کریں گے تو خرید نہیں سکیں گے۔ان وجوہ کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لغزش ہوئی جس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر سارے لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے جاتے تو سب پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا اور ایسی آگ بھڑکتی کہ جس میں جل کر سارے راکھ ہو جاتے۔اس تنبیہ کے بعد پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کی نکسیر بھی پھوٹ پڑتی تو وہ اجازت لے کر جاتا تھا۔

﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے ﴿مِّنَ اللَّهْوِ﴾ کھیل سے ﴿وَمِنَ التِّجَارَةِ﴾ اور تجارت سے۔نمازِ جمعہ اور خطبہ جمعہ سننے سے جو ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اس کے سامنے کھیل، تجارت کی کیا حیثیت ہے ﴿وَاللهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔لہٰذا رزق کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے لیے احکام چھوڑنے کی ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ

(۲۸)

آیاتها ۱۱ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۶۳) (۱۰۴) رُکوعاتها ۲

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق ﴿قَالُوْا﴾ تو کہتے ہیں ﴿نَشْهَدُ﴾ ہم گواہی دیتے ہیں ﴿اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بے شک منافق البتہ جھوٹ بولتے ہیں ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ﴾ بنا لیا ہے اُنھوں نے اپنی قسموں کو ﴿جُنَّةً﴾ ڈھال ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ پس روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک یہ لوگ ﴿سَآءَ﴾ بُرا ہے ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ وہ کام جو وہ کرتے ہیں ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ﴾ یہ اس وجہ سے کہ وہ ﴿اٰمَنُوْا﴾ ایمان لائے ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ پھر اُنھوں نے کفر کیا ﴿فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر ﴿فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے ﴿وَاِذَا﴾ اور جب ﴿رَاَيْتَهُمْ﴾ آپ ان کو دیکھتے ہیں ﴿تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ﴾ تعجب میں ڈالتے ہیں آپ کو ان کے وجود ﴿وَاِنْ يَّقُوْلُوْا﴾ اور اگر وہ بات کریں گے ﴿تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ﴾ آپ سنیں گے ان کی بات کو ﴿كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾ گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں ٹیک لگائی ہوئی ﴿يَحْسَبُوْنَ﴾ گمان کرتے ہیں وہ ﴿كُلَّ صَيْحَةٍ﴾ ہر چیخ کو ﴿عَلَيْهِمْ﴾ اپنے برخلاف ﴿هُمُ الْعَدُوُّ﴾ یہی دشمن ہیں ﴿فَاحْذَرْهُمْ﴾ پس آپ ان سے بچیں ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ کدھر اُلٹے پھیرے جا رہے ہیں ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ﴾ اور جب کہا جاتا ہے ان سے ﴿تَعَالَوْا﴾ آؤ ﴿يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ﴾ بخشش طلب کرے تمھارے لیے ﴿رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا رسول ﴿لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ تو مٹکاتے ہیں اپنے سروں کو ﴿وَرَاَيْتَهُمْ﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھتے ہیں ﴿يَصُدُّوْنَ﴾ کہ وہ رکتے ہیں ﴿وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ﴾ برابر ہے ان کے لیے ﴿اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں ﴿اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یا بخشش طلب نہ کریں ﴿لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ان کو ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔

وجہِ تسمیہ وتعارف سورت

اس سورت کا نام المنافقون ہے۔منافقون کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سورۃ کے دو رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ایک سوتین سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔اس کا نزول کے اعتبار سے ایک سو چار نمبر ہے۔شانِ نزول کے بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا جو ہجرت کے نویں سال رجب کے مہینے میں پیش آیا۔ جب کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ غزوہ مریسیع کا واقعہ ہے۔جو ہجرت کے پانچویں سال شعبان کے مہینے میں پیش آیا۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق زیادہ صحیح ہے۔

شانِ نزول کا واقعہ

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ رات کے وقت چند منافق جمع تھے اور اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ ہماری باتیں کوئی نہیں سن رہا۔اُنھوں نے آپس میں باتیں کیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف، اسلام کے خلاف اور قرآن کے خلاف۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کہ دیکھو جی اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ مدینہ پر قبضہ کیا، پھر مکہ پر قبضہ کیا، پھر خیبر پر اور اب رومیوں کے خلاف لڑنا چاہتا ہے۔پھر کہنے لگے یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے ان کو مکان دیئے، خرچہ دیا اور ان کے ساتھ تعاون کیا۔عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین نے کہا کہ میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اس ذلیل یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ سے نکالوں گا۔حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ باتیں سنیں اور اپنے چچا کے سامنے پیش کر دیں۔ چچا نے یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے یہ باتیں کی ہیں؟ تو اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت! وہ زبانیں نہ جل جائیں، وہ ہونٹ نہ فنا ہو جائیں جو ایسی باتیں کریں۔حضرت! اس کو کہو کہ گواہ پیش کرے۔قسمیں کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب مطمئن کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قسموں پر اعتبار کیا۔

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی تصدیق کی اور مجھے جھٹلایا۔ یہاں تک کہ دوسرے صحابہ بھی اور میرے چچا نے بھی مجھے کہا کہ احمق تو نے کیسی بات کی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے جھوٹا کہا ہے اب تجھے سچا کون کہے گا؟ یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلا کر کہا اے زید! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ "بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعے منافقوں کی برائیوں کو ظاہر کر دیا تاکہ سچے مسلمان ان سے بچ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق ﴿قَالُوْا﴾ تو کہتے ہیں ﴿نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔شریعت کی زبان میں منافق اُسے کہتے ہیں جو زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل سے تسلیم نہیں کرتا۔

نفاق کی دو قسمیں

فقہائے کرام، محدثین عظام اور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ایک نفاق اعتقادی ہے اور دوسرا نفاق عملی ہے۔

اعتقادی منافق وہ ہوتا ہے جو دل سے بالکل تسلیم نہیں کرتا یعنی اس کے دل میں بالکل ایمان نہیں ہوتا۔لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے کہتا ہے کہ میں مومن ہوں۔یہ منافق کافر اور مشرک سے بھی بدتر ہوتا ہے۔اس لیے اس کی سزا بھی سب سے زیادہ سخت ہوگی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾[النساء:۱۴۵]"بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے۔"جو سب سے زیادہ سزاوار طبقہ ہے۔

دوسرا نفاقِ عملی ہے۔عملی منافق اُسے کہتے ہیں کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہوتا ہے مگر عمل منافقوں والے کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی نفاق کی چار علامتیں بیان فرمائی ہیں۔جس شخص میں ایک علامت ہوگی وہ ایک درجے کا منافق ہوگا جس میں دو علامتیں ہوں گی وہ دو درجے کا منافق ہوگا جس میں تین علامتیں ہوں گی وہ تین درجوں کا منافق ہوگا اور جس میں چار علامتیں پائی گئیں کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا "وہ پکا منافق ہے۔"ہمیں خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ کہیں ان میں سے کوئی علامت ہمارے اندر تو نہیں ہے۔اگر ہے تو بہت بُری بات ہے۔

منافق کی علامتیں

وہ علامتیں کیا ہیں؟ فرمایا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ "جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔"یہ منافق کی پہلی علامت ہے۔جھوٹ کسے کہتے ہیں؟ ہر وہ بات جو واقعہ کے خلاف ہو شریعت اُسے جھوٹ کہتی ہے۔اب ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم نے کبھی زندگی میں جھوٹ تو نہیں بولا۔اگر بولا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو ایک درجے کا منافق سمجھنا چاہیے۔کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بالکل حق اور سچ ہے۔

منافق کی دوسری علامت اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے وَ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ اور جب معاہدہ کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔وعدہ اور معاہدہ میں فرق ہے۔جب کسی سے انفرادی طور پر وعدہ ہو تو وہ وعدہ کہلاتا ہے۔ اور جماعتی شکل میں ہو یا قومی شکل میں ہو یا حکومتی سطح پر کسی سے کوئی بات طے کی جائے تو اس کو معاہدہ کہتے ہیں۔وعدے اور معاہدے کی خلاف ورزی کرنا یہ بھی منافق کی علامت ہے۔آج اس وقت دنیا میں جتنی بھی حکومتیں ہیں ساری اس مد میں ہیں الا ماشاء اللہ، کہ ان کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور۔حالانکہ قرآن کریم میں آتا ہے ﴿ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾[بنی اسرائیل:۳۴] وعدے کے بارے میں سوال ہوگا۔لہٰذا کسی سے وعدہ کرو تو سوچ سمجھ کر کرو کہ میں اس کو پورا کر بھی سکوں گا کہ نہیں۔اگر پورا نہیں کر سکتے تو وعدہ کرو ہی نہیں۔

منافق کی تیسری علامت اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔[بخاری، رقم: ۳۴]
پھر امانت کی کئی قسمیں ہیں۔علم بھی امانت ہے۔اور علمی خیانت یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح بات نہیں بتلاتا غلط بات بتاتا ہے۔مشورہ بھی امانت ہے۔اور مشورے میں خیانت یہ ہے کہ جب کوئی شخص تمھارے سے مشورہ طلب کرتا ہے تو اُسے صحیح رائے دو۔بات بھی امانت ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی مجلس میں اِدھر اُدھر دیکھ کر بات کرے تو سمجھ جاؤ کہ یہ بات اس کی امانت ہے۔اس مجلس کی بات باہر کسی سے نہیں کرنی۔مال بھی امانت ہے اور مالی خیانت یہ ہے کہ اس میں سے کچھ خرچ کرے یا اس کو تبدیل کرے۔

منافق کی چوتھی علامت یہ ہے کہ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ جب کسی سے جھگڑتا ہے تو گالیاں دیتا ہے۔یادرکھنا! آج کے معاشرے میں تو ہم نے منافق کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔کیوں کہ وہ تو جب لڑتا ہے تو گالیاں دیتا ہے اور ہم تو ہنسی مذاق میں بھی گالیاں دیتے ہیں۔جس طرح پہلے نیک لوگوں کی زبان سے سبحان اللہ نکلتا تھا اسی طرح ہماری زبان سے گالیاں نکلتی ہیں۔ چھوٹوں کو بڑوں کو یہاں تک کہ گدھوں اور مرغیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی یہ چار علامتیں بیان فرمائی ہیں۔اگر کسی بدبخت میں یہ چاروں علامتیں پائی جاتی ہیں تو وہ پکا منافق ہے۔

کچھ علامتیں منافق کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں۔فرمایا﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ [النساء:۱۴۲] جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہیں۔لہٰذا اگر کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہونے میں سستی کرتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں نفاق کی علامت ہے۔اور بھی فرمایا﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ منافق اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ناولوں کے پیچھے پڑے رہیں گے،کھیلوں میں مشغول رہیں گے(آج کل موبائل فون پر لگے رہیں گے) یعنی اور سارے کام ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے وقت نہیں ہوتا۔منافق کی موٹی موٹی علامتیں ہیں۔چار حدیث شریف میں اور دو قرآن کریم میں۔اور یہ حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف کی ہے۔اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لو۔اللہ کرے کہ ہم میں سے کسی میں یہ علامتیں نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک البتہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔اتنی بات تو ان کی ٹھیک ہے اور باوجود اس کے﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق البتہ جھوٹے ہیں۔کیوں کہ ان کی گواہی محض زبانی ہے دل سے منکر ہیں۔نہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں زبان سے کہہ رہے ہیں ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ بنالیا ہے اُنھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال۔الزام سے بچنے کے لیے قسمیں اُٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔جیسا کہ سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۴

میں ہے ﴿ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اُٹھاتے ہیں کہ انھوں نے وہ بات نہیں کہی ﴿ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ ﴾ حالانکہ بہ تحقیق اُنھوں نے کلمہ کفر کہا ہے۔

الزام سے بچنے کے لیے اُنھوں نے قسموں کو ڈھال بنایا ہے ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ پس روکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے دوسرے لوگوں کو بھی۔ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے نئے مسلمان ہونے والے کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک یہ لوگ بُرا ہے وہ جو کام کرتے ہیں۔ منافقت اور جھوٹا ایمان اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکنا یہ سب بُرے کام ہیں۔

فرمایا ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ﴾ یہ قبیح حرکتیں اور خباثتیں جو ان سے ہوتی ہیں اس وجہ سے کہ بے شک وہ ایمان لائے ظاہری طور پر یعنی زبان سے ایمان ظاہر کیا ﴿ ثُمَّ كَفَرُوْا ﴾ پھر اُنھوں نے کفر کیا۔ دل سے کفر پر اڑے رہے اس وجہ سے ﴿ فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر۔ لہٰذا اب ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوگا کہ ان کے دلوں میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ﴿ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴾ پس وہ نہیں سمجھتے حق کو نہ ایمان کو اور نہ بھلائی کو۔

چونکہ یہ لوگ آخرت سے بے فکر ہیں اور انجام سے بے خبر ہیں لہٰذا جسم ان کے موٹے تازے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ ﴾ اور جب آپ ان کو دیکھتے ہیں ﴿ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ﴾ تعجب میں ڈالتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے جسم۔ ظاہری ڈیل ڈول، وضع قطع بالکل ٹھیک ٹھاک ہے دیکھ کر آدمی متاثر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے معزز ہیں مگر اندر سے گندے اور کمینے ہیں ﴿ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا ﴾ اور اگر وہ بات کریں گے تو ﴿ تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ﴾ آپ سنیں گے ان کی بات کو کہ وہ بات اس انداز سے کرتے ہیں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے لیکن حقیقت سے خالی ہوتی ہے ﴿ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ﴾ گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جنھیں دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہے کہ وجود میں تو لمبی چوڑی ہیں مگر بے جان ہیں۔

یہی حال منافقوں کا ہے کہ ظاہری طور پر بڑے ڈیل ڈول والے ہیں مگر بالکل بے مغز ہیں جیسے ڈھول کا اندر بالکل خالی ہوتا ہے ﴿ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ﴾ گمان کرتے ہیں وہ ہر چیخ کو اپنے برخلاف۔ ایمان اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ لشکر میں اگر کوئی گم شدہ جانور کے لیے آواز دے یا کسی اور وجہ سے آواز دی جاتی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اُوپر کوئی آفت آنے والی ہے ﴿ هُمُ الْعَدُوُّ ﴾ یہی دشمن ہیں ﴿ فَاحْذَرْهُمْ ﴾ پس آپ ان سے بچتے رہیں۔ ان کی کسی بات پر اعتماد نہ کریں ﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے دین حق سے دور جا رہے ہیں ﴿ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴾ کدھر پھیرے جا رہے ہیں ایمان سے۔ دلیل قائم ہونے کے بعد پھر منافقوں کی حماقت دیکھو کہ ﴿ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿ تَعَالَوْا ﴾ آؤ معذرت کر لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی غلطیوں کی ﴿ یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ بخشش طلب کرنے تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ تعالیٰ سے ﴿ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ ﴾ تو مٹکاتے ہیں اپنے سروں کو کہ ان سے معذرت کریں اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں ﴿ وَ رَاَیْتَهُمْ ﴾ اور آپ ان کو دیکھتے ہیں ﴿ یَصُدُّوْنَ ﴾ رکتے ہیں اعراض کرتے ہیں معذرت کرنے

کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر کرنے والے ہیں کہ ہمیں بخشش کی ضرورت نہیں ہے۔ منافقوں کے جو مخلص مومن، قریبی رشتہ دار تھے اُنھوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت! یہ تو احمق ہیں لیکن اگر آپ ان بدبختوں کے لیے مغفرت مانگیں شاید اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے اور ایمان کی توفیق عطا فرما دے۔ آنحضرت ﷺ نے استغفار کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرما دیا۔

ارشاد ربانی ہے ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ﴾ برابر ہے ان کے لیے ﴿أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ کیا آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں ﴿أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ یا بخشش طلب نہ کریں ﴿لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ان کو۔ کیوں کہ ان میں ہدایت کی طلب نہیں ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا نافرمان قوم کو۔ یہ لوگ ضدی ہیں کھوٹے ہیں اور کفر سے باہر نکلنا نہیں چاہتے لہٰذا ان کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

﴿هُمُ الَّذِيْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ جو کہتے ہیں ﴿لَا تُنْفِقُوْا﴾ نہ خرچ کرو ﴿عَلٰى مَنْ﴾ ان پر ﴿عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس ہیں ﴿حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾ یہاں تک کہ وہ تتر بتر ہو جائیں ﴿وَلِلّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کے خزانے ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور لیکن منافق ﴿لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ نہیں سمجھتے ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَآ﴾ اگر ہم لوٹے ﴿إِلَى الْمَدِيْنَةِ﴾ مدینہ منورہ کی طرف ﴿لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا﴾ ضرور نکالے گا زور والا اس میں سے ﴿الْأَذَلَّ﴾ ذلیل کو ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے عزت ﴿وَلِرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول کے لیے ﴿وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ایمان والوں کے لیے ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور لیکن منافق ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں جانتے ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُلْهِكُمْ﴾ نہ غافل کریں تمھیں ﴿أَمْوَالُكُمْ﴾ تمھارے مال ﴿وَلَآ أَوْلَادُكُمْ﴾ اور نہ تمھاری اولاد ﴿عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جس نے ایسا کیا ﴿فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے ﴿وَأَنْفِقُوْا﴾ اور خرچ کرو ﴿مِنْ مَّا﴾ اس چیز میں سے ﴿رَزَقْنٰكُمْ﴾ جو ہم نے تمھیں رزق دیا ہے ﴿مِّنْ قَبْلِ﴾ پہلے اس سے ﴿أَنْ يَّأْتِيَ﴾ کہ آئے ﴿أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ تم میں سے کسی ایک کو موت ﴿فَيَقُوْلَ﴾ پس کہے وہ ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب ﴿لَوْلَآ أَخَّرْتَنِيْٓ﴾ کیوں نہ مہلت دی آپ نے مجھے ﴿إِلٰٓى أَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ تھوڑی سی مدت ﴿فَأَصَّدَّقَ﴾ پس میں صدقہ کرتا ﴿وَأَكُنْ﴾ اور ہو جاتا میں ﴿مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ نیکوں میں سے ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ اور ہرگز نہیں مہلت دے گا

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو ﴿ اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ جب آجائے گا اس کا وعدہ ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے ﴿ بِمَا ﴾ ان کاموں کی ﴿ تَعْمَلُوْنَ ﴾ جو تم کرتے ہو۔

اُوپر سے منافقوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ ﴾ یہ وہی لوگ ہیں ﴿ يَقُوْلُوْنَ ﴾ جو کہتے ہیں ﴿ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ نہ خرچ کرو تم ان پر جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس ہیں ﴿ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾ یہاں تک کہ وہ تتر بتر ہو جائیں، اِدھر اُدھر بھاگ جائیں۔ تو اس طرح کی باتیں کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کیوں کر بخشے گا۔ غزوہ بنو مصطلق کے سفر میں ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کی پشت پر تھپڑ مار دیا۔ مہاجر نے مدد کے لیے مہاجرین کو آواز دی اور انصاری نے مدد کے لیے انصاریوں کو آواز دی کہ پہنچو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا کہ یہ تم نے کیا زمانہ جاہلیت کی باتیں شروع کر دی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو تھپڑ مارا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اب تم اس معاملے کو ختم کر دو۔ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین اور دوسرے منافقوں کو علم ہوا تو کہنے لگے یہ سب تمھاری امداد کا نتیجہ ہے۔ تم نے ان کو ٹھکانا دیا، ان پر مال خرچ کرتے ہو اس لیے تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ یہ اب تمھیں مارنے لگ گئے ہیں۔ لہٰذا آئندہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو۔ یہ سب اِدھر اُدھر بھاگ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا ﴿ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے ﴿ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ اور لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ منافق میں دو چیزیں نہیں ہوتیں۔ حسن خلق اور دین کی سمجھ۔ چنانچہ اُنھوں نے یہ سمجھا کہ مال ہمارے پاس ہے اور سدا ہمارے پاس ہی رہنا ہے لہٰذا مہاجرین پر خرچ نہ کرو تا کہ یہ مدینہ سے منتشر ہو جائیں۔ ان کو اتنی سمجھ نہیں تھی کہ خزانے سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ حقیقی مالک وہی ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کے دینے میں بھی امتحان ہے اور نہ دینے میں بھی امتحان ہے اور دے کر واپس لے لینے میں بھی امتحان ہے۔ اگر منافقوں کو اتنی سمجھ ہوتی تو وہ خرچ کرنے میں بخل نہ کرتے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو بڑی تکلیفیں آئی ہیں۔ جسمانی بھی اور مالی بھی۔ فاقے کاٹے۔ مگر پھر وہ وقت آیا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں تھے۔ بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ تو فرمایا کیا منافقوں کو علم نہیں ہے کہ خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

منافقین کی خباثت

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ایک خباثت کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا ﴿ يَقُوْلُوْنَ ﴾ یہ کہتے ہیں ﴿ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ ﴾ اگر ہم لوٹے مدینہ کی طرف ﴿ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ تو نکال دے گا زور والا اس سے ذلیل کو۔ یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے کہی تھی کہ ہم باعزت لوگ ہیں ان ذلیل مہاجروں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ یہ بات

ایک صحابی نے سن لی اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتادی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! آپ مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اُتار دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ "اس کو چھوڑ دو لوگ یہ پروپیگنڈہ نہ کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔" اور یہ چیز اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گی۔

عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا بیٹا کہ اس کا نام بھی عبداللہ تھا وہ مخلص مومن تھا۔ اس کو جب اس بات کا علم ہوا کہ میرے باپ نے یہ بات کہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کر دوں جس نے ایسے غلط کلمات کہے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منع کر دیا کہ ایسا نہ کرنا جب تک یہ بدبخت ہمارے ساتھ ہے ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ لیکن جب قافلہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو بیٹے نے باپ کے سامنے تلوار سونت لی اور باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اِنَّكَ ذَلِيْلٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ عَزِيْزٌ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں تجھے اس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تو اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ باعزت ہیں۔ جب باپ نے دیکھا کہ بیٹا مجھے چھوڑے گا نہیں تو اس نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ میں ذلیل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعزت ہیں۔

منافقوں نے یہ سمجھا کہ عزت مال کے زیادہ ہونے کا نام اور افراد کے زیادہ ہونے کا نام ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ حقیقی عزت ان چیزوں کا نام نہیں ہے حقیقتاً عزت کس کے لیے ہے۔ فرمایا ﴿وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے عزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ﴿وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن منافق نہیں جانتے اس بات کو۔

اوپر بیان ہوا ہے کہ منافقوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو۔ اب اللہ تعالیٰ مومنوں کو فرما رہے ہیں کہ منافقوں، کافروں کو تو اپنے مالوں پر گھمنڈ ہے تمھیں نہیں ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ نہ غفلت میں ڈالیں تمھیں تمھارے مال اور نہ اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز پڑھنے سے، حج کرنے سے، زکوٰۃ دینے سے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے، ہمیشہ اللہ اللہ کرنے سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے ذمہ جو فرائض ہیں ان کے ادا کرنے میں یہ چیزیں رکاوٹ نہ بنیں۔ لیکن دیکھا ایسا ہی گیا ہے کہ لوگ جب ان چیزوں میں زیادہ منہمک ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ﴾ اور جو ایسا کرے گا کہ مال اور اولاد کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں نقصان اُٹھانے والے۔ کیوں کہ جب آدمی نے دائمی آخرت کو چھوڑ کر فانی دنیا کو اختیار کیا وہ نقصان ہی اُٹھائے گا۔ اور پارہ ۱۶ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۴ میں ہے ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ "اور جس شخص نے اعراض کیا میرے ذکر سے اس کے لیے گزران ہوگا تنگی کا۔" مال و دولت کی فراوانی کے باوجود زندگی میں

سکون نہیں ہوگا۔

مال کا فتنہ:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے۔فرمایا میری امت کا فتنہ مال ہے۔دیکھ لو لوگوں کا جو حال ہے کہ مال و دولت کی طلب میں سرگرداں ہیں حدود شرع کا کوئی لحاظ نہیں، جائز و ناجائز کی کوئی پروا نہیں ہے، حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ہے اور جائز ناجائز خواہشات میں لگا رہتے ہیں۔ایسے لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔منافق تو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے سے منع کرتے تھے اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے فرما رہے ہیں ﴿وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ اور خرچ کرو اس چیز میں سے جو ہم نے تمھیں رزق دیا ہے۔اکثر حضرات تو فرماتے ہیں کہ چیز سے مراد مال ہے کہ ہم نے جو تمھیں مال دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔زکوٰۃ ادا کرو، عشر نکالو، فطرانہ ادا کرو اور نفلی صدقات بھی کرتے رہو۔بخاری شریف میں روایت ہے اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃ " بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔" بعض لوگ بڑے کنجوس ہوتے ہیں۔زکوٰۃ کے مال کے سوا مال خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔رشتے داریاں بھی زکوٰۃ کے ساتھ نبھاتے ہیں۔مثلاً: ان کے عزیز رشتہ داروں کی شادیاں ہوں تو آکر پوچھتے ہیں کہ وہاں ہماری زکوٰۃ لگ سکتی ہے۔بھائی! ٹھیک ہے اگر وہ مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ لگ جائے گی مگر زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا مال بھی تو تمھارے پاس موجود ہے وہ کیوں نہیں دیتے۔زکوٰۃ پر ہی کیوں ٹرخاتے ہو۔لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چیز سے صرف مال مراد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نعمت اور قوت عطا فرمائی ہے کہ علم ہے، عقل ہے، بدنی طاقت ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

تو فرمایا خرچ کرو اس چیز میں سے جو ہم نے تمھیں رزق دیا ہے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ پہلے اس سے کہ آئے تم میں سے کسی ایک کو موت۔یعنی موت کے آثار ظاہر ہوں ﴿فَيَقُوْلَ﴾ پس کہے وہ ﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ اے میرے رب! کیوں نہ مہلت دی آپ نے مجھے تھوڑی سی مدت۔مجھے تھوڑی سی مزید مدت کے لیے مہلت کیوں نہ دی ﴿فَاَصَّدَّقَ﴾ پس میں صدقہ کرتا، زکوٰۃ دیتا، خیرات کرتا ﴿وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور ہو جاتا میں نیکوں میں سے۔مگر اس وقت مہلت نہیں ملے گی۔سورہ اعراف آیت نمبر ۳۴ میں ہے ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ "پس جب آجائے گا ان کا وعدہ تو نہیں پیچھے ہٹیں گے اس سے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں گے۔" حدیث پاک میں آتا ہے کہ صدقہ ایسے وقت میں دے جب تندرست ہو اور مال کی رغبت رکھتا ہو اور محتاج ہونے سے بھی ڈرتا ہو۔ایسا نہیں کہ مرنے لگے تو کہے کہ یہ مال فلاں کے واسطے صدقہ ہے۔حالاں کہ وہ فلاں وارث ہو چکا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس آدمی کے پاس مال ہے مگر اس نے حج نہیں کیا، زکوٰۃ واجب تھی ادا نہیں کی۔وہ آدمی مرتے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی آرزو کرے گا ایک آدمی نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ دنیا میں لوٹائے جانے کی درخواست تو کافر کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں تجھے قرآن سناتا ہوں۔ پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی ﴿وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ کہ اس آیت کریمہ میں خطاب ایمان والوں کو ہے لیکن یہ درخواست منظور نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ اور ہرگز مہلت نہیں دے گا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو ﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ جب آ جائے گا اس کا وعدہ یعنی جب کسی جان کا دنیا میں رہنے کا وقت جو مقدر تھا پورا ہو گیا پھر اس کو ایک سانس کی بھی مہلت نہیں ملتی ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو۔ تمھارا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اعمال کے مطابق سزا اور جزا کے مستحق ہوں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ

۲۸

آیاتھا ۱۸ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۶۴) (۱۰۸) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ﴾ پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا﴾ وہ مخلوق ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا﴾ اور وہ مخلوق ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ جو زمین میں ہے ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اسی کے لیے ہے ملک ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ اور اُسی کے لیے ہے تعریف ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ وہ وہ ذات ہے ﴿خَلَقَكُمْ﴾ جس نے تم کو پیدا کیا ﴿فَمِنْكُمْ﴾ پس تم میں سے بعض ﴿كَافِرٌ﴾ کافر ہیں ﴿وَّمِنْكُمْ﴾ اور تم میں سے بعض ﴿مُّؤْمِنٌ﴾ مومن ہیں ﴿وَاللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا﴾ اس کارروائی کو ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿بَصِیْرٌ﴾ دیکھنے والا ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ اس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿وَصَوَّرَكُمْ﴾ اور تمھیں صورت بخشی ﴿فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ پس بہت اچھی صورت عطا کی تم کو ﴿وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ﴿یَعْلَمُ﴾ وہ جانتا ہے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿فِی السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ہے ﴿وَیَعْلَمُ﴾ اور وہ جانتا ہے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿تُسِرُّوْنَ﴾ جس کو تم چھپاتے ہو ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز کو ﴿تُعْلِنُوْنَ﴾ جس کو تم ظاہر کرتے ہو ﴿وَاللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿عَلِیْمٌ﴾ جاننے والا ہے ﴿بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ دلوں کے راز ﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ﴾ کیا نہیں آئی تمھارے پاس ﴿نَبَؤُا الَّذِیْنَ﴾ خبر اُن لوگوں کی ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَذَاقُوْا﴾ پس چکھا اُنھوں نے ﴿وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ اپنے معاملے کا وبال ﴿وَلَهُمْ﴾ اور ان کے لیے ہے ﴿عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ دردناک عذاب ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک شان یہ ہے ﴿كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ﴾ آتے تھے ان کے پاس ﴿رُسُلُهُمْ﴾ ان کے رسول ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَقَالُوْۤا﴾ پس اُنھوں نے کہا ﴿اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا﴾ کیا بشر رہنمائی کریں گے ہماری ﴿فَكَفَرُوْا﴾ پس اُنھوں نے انکار کیا ﴿وَتَوَلَّوْا﴾ اور اعراض کیا ﴿وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بھی بے پروائی کی ﴿وَاللّٰهُ غَنِیٌّ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے پروا ہے ﴿حَمِیْدٌ﴾ تعریفوں والا ہے۔

وجہ تسمیہ سورۃ

اس سورت کا نام تغابن ہے۔ اگلی آیات میں تغابن کا لفظ آئے گا۔ تغابن کا معنیٰ ہے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا۔ ہر آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک مقام بنایا ہے اور دوزخ میں بھی ایک مقام بنایا ہے۔ مومنوں کے لیے بھی دو دو سیٹیں ہیں اور کافروں کے لیے بھی دو دو سیٹیں ہیں۔ جو ایمان لائے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو کفر اختیار کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ ان کی جنت دوزخ میں جو سیٹیں خالی ہوئی ہیں وہ ایک دوسرے کو مل جائیں گی۔ جنتی کی جو سیٹ اور گھر دوزخ میں تھا وہ کافر کو مل جائے گا اور کافر کی جو سیٹ اور گھر جنت میں خالی ہوا وہ مومن کو مل جائے گا۔ گویا اس طرح ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں گے۔

قبر میں سوال وجواب

بخاری شریف میں روایت ہے کہ جب انسان کی وفات ہوتی ہے اور اس کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور سوال جواب والے فرشتے آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ "تیرا رب کون ہے؟" مومن ہے تو جواب دیتا ہے رَبِّيَ اللهُ "میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔" مَنْ نَّبِيُّكَ "تیرا نبی کون ہے؟" جواب دیتا ہے نَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ ﷺ "میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔" مَا دِيْنُكَ "تیرا دین کیا ہے؟" دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ "میرا دین اسلام ہے۔" اور کافر ہے تو جوابات میں ناکام ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے مجھے کسی شے کا علم نہیں ہے۔ یہ فرشتے سوال جواب کر کے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے محکمہ کے فرشتے آجاتے ہیں اور دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھولتے ہیں۔ نیک آدمی دیکھ کر گھبرا جاتا ہے کہ میں نے جوابات تو صحیح دیئے ہیں پھر یہ آگ کے شعلے مجھے کیوں دِکھائے جا رہے ہیں۔ پھر دوزخ کی کھڑکی بند کر کے جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے کہ اس کی ہوائیں اور خوشبوئیں اور لذتیں وہ محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کہتے ہیں کہ پہلی کھڑکی جو کھولی تھی وہ تجھے یہ بتلانے کے لیے کھولی تھی کہ اگر تو مومن نہ ہوتا تو یہ تیرا ٹھکانا ہوتا۔ ایمان کی وجہ سے رب تعالیٰ نے تجھے بچا لیا ہے۔ اور اگر کافر مشرک ہے تو سوال جواب والے فرشتے اپنا کام کر کے چلے جاتے ہیں اور دوسرے محکمے کے فرشتے آجاتے ہیں۔ وہ اس کے لیے پہلے جنت کی کھڑکی کھولتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے کہ مزے بن گئے۔ جب وہ اچھی طرح دیکھ لیتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اگر تو ایمان لاتا تو تیری یہ جگہ ہونی تھی مگر اب نہیں ہے۔ وہ کھڑکی بند کر کے دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ تو ہر ایک کے لیے رب تعالیٰ نے جنت میں بھی جگہ بنائی ہے اور دوزخ میں بھی بنائی ہے۔ اب جس جگہ کوئی جانا چاہے چلا جائے۔

اس سورت کا نام تغابن ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ایک سو سات سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک سو آٹھ [۱۰۸] نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور اٹھارہ آیتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ﴾ پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہے۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں۔ چاند، سورج، ستارے ہیں یا اور مخلوق جس کو ہم نہیں جانتے سب اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں

﴿وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ مخلوق جو زمین میں ہے۔ اوپر نیچے سات زمینیں ہیں۔ ان میں بے شمار مخلوق ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ﴿لَهُ الْمُلْكُ﴾ اسی کے لیے ہے ملک۔ سارے ملک کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی ہے، سارے ملک میں تصرف بھی اسی کا ہے۔ خدائی اختیارات اللہ تعالیٰ نے رتی برابر بھی کسی کو نہیں دیئے ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ اور اسی کے لیے ہے تعریف۔ کیوں کہ تعریفوں کے لائق اور تعریفوں کا مستحق صرف وہی ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے سو کرے اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

دیانند سرسوتی کا قرآن کریم پر اعتراض

دنیا میں بڑے منہ پھٹ لوگ گزرے ہیں، اب بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ ان منہ پھٹ لوگوں میں سے ایک آریا سماج کا لیڈر دیانند سرسوتی بھی تھا۔ بڑا موذی قسم کا آدمی تھا۔ اس نے قرآن کریم پر الحمد للہ سے لے کر والناس تک بڑے اعتراض کیے ہیں۔ اس کی کتاب کا نام ہے "ستیارتھ پرکاش"۔ اس کتاب کا چودھواں باب اس نے اس کے لیے وقف کیا ہے۔ اس آیت کریمہ پر وہ اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ تمھارا قرآن کہتا ہے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو یہ بتلاؤ کہ تمھارا رب چوری پر بھی قادر ہے، زنا پر بھی قادر ہے۔ کیوں کہ چوری اور زنا بھی تو ایک شے ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر قادر نہیں ہے تو پھر یہ آیت غلط ہوئی۔

اب دیکھو! اس نے کیسی خباثت کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر باطل کی سرکوبی کے لیے حق والے کھڑے کیے ہیں۔ چنانچہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی خوب سرکوبی کی ہے۔ حضرت کی بہت ساری علمی کتابیں ہیں۔ ایک کا نام "انتصار الاسلام ہے"۔ اس میں حضرت نے جواب میں بڑا کچھ لکھا ہے۔ میں اختصار کے ساتھ تمھیں سمجھاتا ہوں۔ حضرت فرماتے ہیں اے دیانند سرسوتی تم کہتے ہو کہ کیا رب چوری پر قادر ہے؟ چوری ہوتی ہے غیر کی ملک میں۔ اگر کوئی اپنی چیز اُٹھالے تو اس کو کوئی چور نہیں کہتا۔ تم غیر کی ملک ثابت کرو دلیل کے ساتھ پھر ہم چوری ثابت کر دیں گے۔ پہلے تم اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کائنات کا خالق مالک ثابت کرو، واجب الوجود ثابت کرو پھر ہم کہیں گے کہ ہاں رب نے غیر کی ملک میں چوری کی ہے یا کرسکتا ہے۔ اور زنا کے لیے آلات درکار ہیں۔ تم پہلے رب تعالیٰ کے لیے مردانہ آلات ثابت کرو پھر ہم اگلی بات کریں گے۔

تو دنیا میں ایسے منہ پھٹ بھی گزرے ہیں جنھوں نے رب تعالیٰ کو بھی معاف نہیں کیا۔ تو فرمایا وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ﴾ وہ وہی ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿فَمِنْكُمْ كَافِرٌ﴾ پھر بعض تم میں سے کافر ہیں ﴿وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ اور بعض تم میں سے مومن ہیں۔ کافروں کی دنیا میں ہمیشہ اکثریت رہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام کے زمانے تک تو ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [البقرۃ: ۲۱۳] "سب لوگ ایک ہی دین پر تھے "ایک امت تھے۔ سب سے پہلے جس قوم نے کفر و شرک کی اشاعت کی وہ نوح علیہ السلام کی قوم تھی۔ اور عرب کی زمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ پہلا شخص جس

نے دین کو بگاڑا عمرو بن لُحی بن قمع تھا۔اس خبیث نے دین میں فتور پیدا کیا۔غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔

جیسے تم نے گوجرانوالا شہر میں گائیں بازاروں میں گھومتی پھرتی دیکھی ہوں گی۔یہ گائیں جاہل قسم کے لوگوں نے پیروں کے نام پر چھوڑی ہوئی ہیں۔لوگ ڈر کے مارے ان کو چھیڑتے نہیں۔چاہے کسی کی ریڑھی سے پھل وغیرہ کھا جائیں۔اس کو عربی میں سائبہ کہتے ہیں جس کا ذکر ساتویں پارے میں ہے ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ [مائدہ:۱۰۳] سائبہ کا معنیٰ وہ جانور جو غیر اللہ کے تقرب کے لیے چھوڑ دیا جائے۔رب تعالیٰ نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا۔ اَوَّلُ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ "پہلا وہ آدمی جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور وقف کیا وہ عمرو بن لُحی تھا۔" یہ اخلاق میں اتنا گرا ہوا تھا کہ حاجیوں کے کندھوں پر سے چادریں اُٹھالیتا تھا۔وہ اس طرح کہ اس نے لاٹھی کے آگے کنڈی لگائی ہوئی تھی جیسے مچھلیاں پکڑنے والی کنڈی ہوتی ہے طواف کرتے وقت جس کے کندھے پر اچھی چادر دیکھتا کنڈی کے ساتھ اُڑا لیتا۔اگر کسی کو پتا چل جاتا تو کہتا اوہو غلطی ہوگئی ہے۔اور اگر کسی کو پتا نہ چلتا تو اپنے تھیلے میں ڈال لیتا جو اس نے اپنے پیچھے لٹکایا ہوا ہوتا تھا۔وہ ظالم عین طواف کے وقت یہ کارروائی کرتا مگر اس کا مذہب بھی دنیا میں چل رہا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر عمرو بن لُحی بن قمع کے دور تک عرب کے سارے لوگ صحیح مذہب پر تھے۔باقی علاقوں میں کفر تھا۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس کارروائی کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔جو عمل تم کر رہے ہو وہ اس کی نگاہ میں ہے۔ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ اس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔دنیا میں کوئی چیز بے مقصد اور بے فائدہ نہیں ہے تو کیا خیال ہے تمھارا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بے فائدہ پیدا کیا ہے ہرگز نہیں! اس کے پیدا کرنے والے نے ﴿وَصَوَّرَكُمْ﴾ تمھیں شکلیں اور صورتیں دی ہیں ﴿فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ پس بہت اچھی صورتیں تمھیں عطا کیں ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔صُوَر صُوْرَۃٌ کی جمع ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو تم کو صورتیں دی ہیں وہ سب سے اچھی ہیں۔انسان کی شکل کو دیکھو! کتے بلی اور گدھے کی شکل کو دیکھو۔گھوڑے اور دیگر جانوروں کی شکلوں کو دیکھ لو۔وہ رب تعالیٰ کی مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھی شکل انسان کو دی ہے احسن تقویم۔ترکیب اور احسن صورت میں پیدا فرمایا۔ انسان بدصورت سے بدصورت بھی ہو حیوان کے مقابلے میں اس کی ظاہری شکل اچھی ہے۔اندر کا معاملہ علیحدہ ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ شکلیں ان کی انسانوں جیسی ہوں گی اور دل ان کے بھیڑیوں کی طرح ہوں گے۔یہ جو چور ڈاکو ہیں، عزتیں لوٹنے والے ہیں، قتل کرنے والے ہیں اور جو رشوت کے بغیر کام نہیں کرتے ان کے دل بھیڑیوں سے بھی سخت ہیں۔ان میں کوئی ترس اور رحم نہیں ہے۔اخبارات میں تم پڑھتے ہو گے کہ ڈکیتی کے وقت عورتیں منتیں کرتی ہیں قرآن اور خدا کا واسطہ دیتی ہیں مگر ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔اُلٹا آگے سے مسخرے کرتے ہیں۔اور بھیڑیا کس بلا کا نام ہے۔تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمھیں صورتیں دیں اور اچھی صورتیں دیں اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔سب نے لوٹ کر رب تعالیٰ

کی طرف جانا ہے اور کوئی جگہ نہیں ہے اس کو نہ بھولنا۔

پہلے رب تعالیٰ کی صفت خلق کا بیان تھا آگے صفت علم کا بیان ہے۔ فرمایا ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ جانتا ہے اس چیز کو جو آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ﴾ اور وہ جانتا ہے اس چیز کو جو تم چھپاتے ہو۔ جو تم آہستہ باتیں کرتے ہو ان کو جانتا ہے ﴿وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ اور اس کو بھی جانتا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔ جو تم کھلے بندوں باتیں کرتے ہو ان کو بھی جانتا ہے۔ بلکہ باتوں کی کیا بات ہے؟ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے دلوں کے راز۔ دلوں میں جو نیک اور بدخیال آتے ہیں ان کا خالق بھی وہی ہے اور جاننے والا بھی وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دلوں کی بات کو کوئی نہیں جانتا۔

اس سے پچھلی سورت میں تم سن چکے ہو کہ منافقوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف باتیں کیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو بتادیں۔ جب آنحضرت ﷺ نے منافقوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسی باتیں کی ہیں تو وہ منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے ہمارے تو فرشتوں کو بھی ان باتوں کا علم نہیں ہے۔ قسمیں کھا گئے۔ آنحضرت ﷺ صحابی پر ناراض ہوئے کہ تو نے خواہ مخواہ ان کے ذمے ایسی باتیں لگائی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی تصدیق کی اور صحابی کو جھوٹا کہا۔ اللہ تعالیٰ نے سورت نازل فرمائی کہ صحابی نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اور منافق جھوٹے ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ دلوں کے راز جانتے ہوتے تو یہ واقعہ کبھی پیش نہ آتا۔ تو ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے۔

فرمایا ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ﴾ کیا نہیں آئی تمھارے پاس ﴿نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ خبر اُن لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ تمھارے سے پہلے جو کافر ہوئے ہیں ان کی خبریں، ان کے حالات تمھارے پاس نہیں آئے؟ ﴿فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ پس چکھا اُنھوں نے اپنے معاملے کا وبال۔ دنیا میں جو سزائیں ان پر نازل ہوئیں ان کی خبریں تمھارے پاس نہیں پہنچیں۔ بہت ساری قوموں کی سزاؤں کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کیا، کسی پر پتھر برسائے، کسی پر زلزلہ آیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا۔ یہ تو دنیا میں سزا ملی ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے درد ناک۔ دنیا کی سزا کے علاوہ عذاب قبر میں ہوگا، حشر میں ہوگا، دوزخ میں ہوگا۔ دنیا میں ان کو کیوں سزائیں ہوئیں اور آخرت میں عذابِ الیم کیوں ہوگا؟ فرمایا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ﴾ یہ اس لیے کہ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ﴾ آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَقَالُوْٓا﴾ پس کہا اُن کافروں نے ﴿اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾ کیا بشر رہنمائی کریں گے ہماری۔ کافروں کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری ہدایت مطلوب ہوتی تو فرشتوں کو پیغمبر بنا کر ہماری رہنمائی کے لیے بھیجتا۔ یہ بشر ہو کر ہماری رہنمائی کرتے ہیں ﴿فَكَفَرُوْا﴾ پس اُنھوں نے انکار کیا نبی کی نبوت کا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ ہم تجھے نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت

تفسیر روح المعانی اور زرقانی اور عالمگیری میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص سے یہ پوچھا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تم کیا کہتے ہو کہ انسانوں میں سے تھے، جنات میں سے تھے، عربی تھے یا عجمی تھے؟ کس مخلوق میں سے تھے؟ فَقَالَ "پس اس نے کہا لَا اَدْرِی میں نہیں جانتا یَکْفُرُ وہ کافر ہے۔" کیوں کہ دین کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ مسلمان کو علم ہونا چاہیے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، بشر ہیں، عربی ہیں۔ وہ کیوں کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ تمام نبی بشر تھے، انسان تھے، آدمی تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کو نبوت اور رسالت کا مقام عطا فرمایا جس سے وہ عام انسانوں سے بلند ترین ہو گئے۔

تو ان لوگوں نے پیغمبروں کی بشریت کا انکار کیا تو کافر ہو گئے کہ ہماری رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بشر بھیجے ہیں۔ تو مسئلہ آپ نے روح المعانی وغیرہ کے حوالے سے سمجھ لیا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے یا جن تھے، عربی تھے یا عجمی، تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تو اُلٹی گنگا ہے کہ نبی کی بشریت کا انکار کرتے ہیں کہ نبی بشر نہیں ہے۔ میں ساری عوام کے بارے میں بدگمانی نہیں کرتا عوام تو سادے ہیں (ان کے) مولوی ان کے غلط ذہن بناتے ہیں۔ عوام کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ کہ یہ عقائد ضروری اور بنیادی ہیں۔ صرف مولوی کے ذمہ تڑپنا نہیں ہے تمھارا بھی فریضہ ہے۔ مولوی نے تو اپنی جگہ تڑپنا ہے تم بھی جتنا قرآن پڑھو گھر جا کر سناؤ اور سمجھاؤ عورتوں کو اور بچوں کو۔

تو فرمایا اُنھوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے؟ پس اُنھوں نے کفر کیا ﴿وَتَوَلَّوْا﴾ اور اُنھوں نے اعراض کیا، منہ موڑ لیا حق سے۔ توحید کو اُنھوں نے نہ مانا، رسالت کا انکار کر دیا، قیامت کو تسلیم نہیں کیا، وحی کو نہیں مانا کہ وحی کوئی چیز نہیں ہے ﴿وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے۔ وہ تو محتاج نہیں ہے۔ محتاج تو مخلوق ہے کہ روٹھ جائے تو دوسرے اس کو منانے کے لیے جاتے ہیں یعنی مان جاؤ تسلیم کر لو۔ رب تعالیٰ تو منکروں کے پیچھے نہیں جاتا ہے وہ تو مستغنی ہے ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے تعریفوں والا ہے۔

﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ﴾ دعویٰ کرتے ہیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْٓا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا﴾ کہ وہ ہرگز نہیں اُٹھائے جائیں گے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں ﴿وَرَبِّيْ﴾ قسم ہے میرے رب کی ﴿لَتُبْعَثُنَّ﴾ تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے ﴿ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ﴾ پھر تمھیں بتلایا جائے گا ﴿بِمَا عَمِلْتُمْ﴾ جو عمل تم نے کیے ﴿وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ پس ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ پر ﴿وَرَسُوْلِهٖ﴾ اور اس کے رسول پر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ﴿وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ﴾ اور اس نور پر ﴿اَنْزَلْنَا﴾ جو ہم نے

نازل کیا ﴿وَاللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ﴿بِمَا﴾ اس چیز سے ﴿تَعْمَلُوْنَ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿خَبِیْرٌ﴾ خبر رکھنے والا ہے ﴿یَوْمَ﴾ جس دن ﴿یَجْمَعُكُمْ﴾ جمع کرے گا تم کو ﴿لِیَوْمِ الْجَمْعِ﴾ جمع ہونے کے دن ﴿ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ یہ دن ہار جیت کا دن ہے ﴿وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ﴾ اور جو شخص ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر ﴿وَیَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا ﴿یُّكَفِّرْ عَنْهُ﴾ معاف کردے گا اللہ تعالیٰ اس سے ﴿سَیِّاٰتِهٖ﴾ اس کی برائیاں ﴿وَیُدْخِلْهُ﴾ اور داخل کرے گا اس کو ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغوں میں ﴿تَجْرِیْ﴾ بہتی ہیں ﴿مِنْ تَحْتِهَا﴾ اس کے نیچے ﴿الْاَنْهٰرُ﴾ نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ﴾ رہیں گے ان میں ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ یہ ہے بڑی کامیابی ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَكَذَّبُوْا﴾ اور جھٹلایا ﴿بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ ہماری آیتوں کو ﴿اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور بہت بُری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ﴿مَاۤ اَصَابَ﴾ نہیں پہنچتی ﴿مِنْ مُّصِیْبَةٍ﴾ کوئی مصیبت ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ شخص ﴿یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ﴾ جو ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ پر ﴿یَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ رہنمائی کرتا ہے اس کے دل کی ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور اطاعت کرو رسول کی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ﴿فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ﴾ پس اگر تم منہ موڑو گے ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿عَلٰى رَسُوْلِنَا﴾ ہمارے رسول کے ذمہ ﴿الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ پہنچا دینا ہے کھول کر ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اللہ وہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی پر ﴿فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ پس چاہیے کہ بھروسا کریں ایمان والے۔

دین کے بنیادی اُصول تین ہیں۔توحید، رسالت اور قیامت۔﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ تک توحید کا مسئلہ بیان ہوا اور ﴿لَمْ یَاْتِكُمْ﴾ سے لے کر ﴿وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ﴾ تک رسالت کا بیان تھا۔اب قیامت کے مسئلے کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا﴾ دعویٰ کرتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، کیا دعویٰ کرتے ہیں ﴿اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا﴾ کہ وہ ہرگز نہیں اُٹھائے جائیں گے۔قریش مکہ بڑے شدومد کے ساتھ بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے۔کہتے تھے ﴿قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ﴾ [یٰسین:۷۸] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ﴾ [پارہ۲۶، سورۂ ق:۳] "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اور سورۂ سجدہ آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ "کیا جس وقت ہم رل مل جائیں گے زمین میں کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔" تو مشرکین مکہ دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے۔

فرمایا ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں دوبارہ اُٹھائے جاؤ گے ﴿وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ﴾ قسم ہے میرے رب کی تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے ﴿ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ﴾ پھر تمھیں بتلایا جائے گا جو عمل تم نے کیے ﴿وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ جس نے پہلے پیدا کیا ہے اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے لہٰذا تم اس کی تیاری کرو ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ پس تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم سمجھو ﴿وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا﴾ اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔ مراد قرآن ہے۔ قرآن پر ایمان لاؤ اس میں جو احکام بیان ہوئے ہیں ان پر عمل کرو۔ یہ قیامت تک کے لیے ضابطۂ حیات ہے۔ تو نور سے مراد قرآن پاک ہے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۴ میں ہے ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ "اور نازل کیا ہم نے تمھاری طرف واضح نور۔"

تو فرمایا اس نور پر ایمان لاؤ اس کے پروگرام کو اپناؤ۔ ایمان اور کفر، توحید اور شرک، حق اور باطل کا فرق معلوم ہو جائے گا ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبر رکھتا ہے۔ تمھارا ہر کام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ قیامت والے دن ہر شے تمھارے سامنے آجائے گی ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ﴾ جس دن جمع کرے گا تم کو ﴿لِيَوْمِ الْجَمْعِ﴾ جمع ہونے کے دن۔ اگلے پچھلے اس دن سارے جمع ہوں گے۔ سورۂ واقعہ پارہ نمبر ۲۷ میں ہے ﴿اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝﴾ "بے شک پہلے اور پچھلے البتہ سب جمع کیے جائیں گے ایک مقررہ دن کے وعدے پر۔" اور سورۂ ہود آیت نمبر ۱۰۳ میں ہے ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ "یہ ایک دن ہے جس میں لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ دن ہے کہ جس میں حاضری ہوگی۔" تو محشر والے دن میدانِ محشر میں سب اگلے پچھلے جمع ہوں گے ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ یہ دن ہار جیت کا دن ہوگا۔ اس دن بعض لوگ ہار جائیں گے اور بعض لوگ جیت جائیں گے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے لیے ایک مقام جنت میں بنایا ہے اور ایک مقام دوزخ میں بنایا ہے۔ مومنوں کے لیے بھی دو دو سیٹیں ہیں اور کافروں کے لیے بھی دو دو۔ جو ایمان لائے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو کفر اختیار کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ ان کی جنت اور دوزخ والی سیٹیں جو خالی ہوں گی وہ ایک دوسرے کو مل جائیں گی۔ تو اس طرح وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔ مومن جیت جائے گا کافر ہار جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ﴾ اور جو شخص ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر ﴿وَيَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا ﴿يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ﴾ معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں۔ اس کی کوتاہیوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔ ایمان اور نیکی سے صغیرہ گناہ ویسے ہی معاف ہوتے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو ایک نیک عمل ہے جس کی وجہ سے انسان کی بہت سی کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ مثلاً: جب کوئی آدمی وضو کی نیت سے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جب منہ دھوتا ہے تو منہ کی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے صغائر

معاف ہو جاتے ہیں۔حتیٰ کہ جب پانی کا آخری قطرہ زمین پر گرتا ہے تو انسان تمام صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

سورۂ ہود آیت نمبر ۱۱۴ میں ہے ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ "بے شک انسان کی نیکیاں اس کی بُرائیوں کو مٹاتی ہیں۔" مسجد کی طرف آنے سے ایک ایک قدم پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک ایک صغیرہ گناہ جھڑ جاتا ہے اور ایک ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِيْ هٰذَا جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی اس حال میں کہ وہ دل سے بات نہ کرتا ہو (یعنی خود خیالات نہ لائے) تو اس کے لیے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو پہلے ہو چکے ہیں۔ یہ بخاری اور مسلم شریف کی روایت ہے۔

تو فرمایا معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس کی برائیاں ﴿وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ رہیں گے ان میں ہمیشہ کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ہی وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یہی ہے بڑی کامیابی جس کو نصیب ہو جائے کہ جہنم سے بچ جائے اور جنت میں پہنچ جائے۔ اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں ہے۔

اس کے برعکس فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا، اس کے رسولوں کا انکار کیا، قیامت کا انکار ﴿وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ﴾ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کیا، معجزات کو جادو کہا ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے دوزخ میں۔ کافر مشرک کو کبھی دوزخ سے رہائی نصیب نہیں ہوگی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور بہت بُری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی۔ اس سے بُری جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ جہاں نہ مرنا ہے اور نہ زندگی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ دکھ تکلیف رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی اور دور کرنے والا بھی وہی ہے۔ تکالیف کو دور کرنے کے لیے شرک میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو جہنمی نہ بناؤ۔ تکلیف آتی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور جاتی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ فرمایا ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ جو ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ پر رہنمائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کی۔ وہ مصیبت کے وقت پڑھتا ہے انا للہ و انا الیہ راجعون وہ جزع فزع نہیں کرتا۔ اس کو یقین ہوتا ہے کہ دکھ سکھ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ یقین ڈال دیتا ہے کہ جو مصیبت اُسے پہنچی ہے اسے ٹال کوئی نہیں سکتا اور جو نہیں آنی اسے کوئی مسلط نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مجھے جو تکلیف پہنچی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عین علم اور حکمت کے مطابق ہے۔

اور لفظ ﴿يَهْدِ﴾ کو يُهْدَ، مجہول بھی پڑھا گیا ہے۔ پھر مطلب ہوگا کہ جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا دل سکون اور اطمینان پکڑتا ہے۔ اور جو شخص صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا اس کا دل ہمیشہ خلفشار میں رہتا ہے اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے آتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ انسان کی ہر حالت

اس کے سامنے ہے دکھ کی ہو یا سکھ کی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے نجات کا راستہ بیان فرمایا ہے۔ارشادِ ربانی ہے ﴿وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس میں تمھاری دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔نجات اور فلاح کا رستہ یہی ہے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپناؤ ﴿فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ﴾ پس اگر تم اعراض کرو گے، منہ موڑو گے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اور اس کے رسول کی اطاعت سے ﴿فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ﴾ پس پختہ بات ہے ہمارے رسول کے ذمہ پہنچا دینا ہے کھول کر۔پیغمبر کی ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچا دے۔منوانا پیغمبر کے ذمہ نہیں ہے۔اگر کوئی نہیں مانتا تو یہ رسول کی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی پیغمبر سے یہ سوال ہوگا کہ یہ جہنم میں کیوں گئے ہیں؟ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۹ میں ہے ﴿وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ﴾ "اور آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا دوزخیوں کے بارے میں۔" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت دے کر جنت میں کیوں نہیں پہنچایا، کیوں کہ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ہدایت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں تھا۔پیغمبر کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دینا ہے جو نہیں مانیں گے رب تعالیٰ خود ان سے نمٹ لے گا۔پیغمبر کی تبلیغ کیا ہے؟ اس میں سرفہرست اللہ تعالیٰ کی توحید ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق ہے۔

فرمایا ﴿اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ﴾ اللہ وہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے سوا کوئی سدسور، پکار کے لائق نہیں ہے۔مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، دستگیر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک ہے نہ رازق ہے ﴿وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی پر چاہیے کہ بھروسا کریں ایمان والے کہ اس کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ازلی ابدی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔لہٰذا بھروسا بھی صرف اسی پر ہونا چاہیے۔

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ﴾ اے وہ لوگو ﴿اٰمَنُوۡۤا﴾ جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ﴾ بے شک تمھاری عورتوں میں سے بعض ﴿وَ اَوۡلَادِکُمۡ﴾ اور تمھاری اولاد میں سے بعض ﴿عَدُوًّا لَّکُمۡ﴾ تمھارے دشمن ہیں ﴿فَاحۡذَرُوۡہُمۡ﴾ پس تم ان سے بچتے رہو ﴿وَ اِنۡ تَعۡفُوۡا﴾ اور اگر تم معاف کرو گے ﴿وَ تَصۡفَحُوۡا﴾ اور درگزر کرو گے ﴿وَ تَغۡفِرُوۡا﴾ اور بخش دو گے ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ﴾ بے شک تمھارے مال ﴿وَ اَوۡلَادُکُمۡ﴾ اور تمھاری اولاد ﴿فِتۡنَۃٌ﴾ آزمائش ہیں ﴿وَ اللّٰہُ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو ﴿وَ اسۡمَعُوۡا﴾ اور سنو ﴿وَ اَطِیۡعُوۡا﴾ اور اطاعت کرو ﴿وَ اَنۡفِقُوۡا﴾ اور خرچ کرو ﴿خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ﴾ یہ تمھارے لیے بہتر ہے ﴿وَ مَنۡ یُّوۡقَ﴾ اور جو بچا لیا گیا ﴿شُحَّ نَفۡسِہٖ﴾ اپنے نفس کے بخل سے ﴿فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾

پس یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے ﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ﴾ اگر تم قرض دو گے اللہ تعالیٰ کو ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ قرض حسن ﴿يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ﴾ وہ دُگنا کرے گا تمھارے لیے ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تم کو ﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور حوصلے والا ہے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ جاننے والا ہے چھپے ہوئے اور ظاہر کو ﴿الْعَزِيْزُ﴾ زبردست ہے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ حکمتوں والا ہے۔

ربطِ آیات

کل کے سبق میں یہ بیان ہوا تھا کہ کوئی مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آتی۔ تو مصیبت کی وجہ کبھی بیوی بن جاتی ہے اور کبھی مصیبت کا سبب اولاد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ﴾ بے شک تمھاری عورتوں میں سے بعض اور تمھاری اولاد میں سے بعض ﴿عَدُوًّا لَّكُمْ﴾ تمھارے دشمن ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ مال دار اور کثیر الاولاد تھے۔ جب یہ جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تو ان کے اہل وعیال رونے لگ جاتے کہ ہمیں کس کے حوالے کرتے ہو؟ پس ان کا جی بھر آتا، نرم ہو جاتے اور ٹھہر جاتے۔ بالآخر اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے اہل وعیال کی طرف سے یہ خسارہ ہے اور اس وجہ سے وہ بیوی بچوں پر سختی کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر بتایا کہ تمھاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں پس تم ان سے بچتے رہو۔ ان کو اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول میں رکاوٹ نہ بننے دو اور ان کے شر سے بچتے رہو۔

بسا اوقات آدمی بیوی بچوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر جاتا ہے۔ خوشی غمی کے موقع پر اکثر لوگ بیوی بچوں کی وجہ سے خدا رسول کی نافرمانی کرتے ہیں اور ناجائز رسومات اور خرافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی خواہش پر بینڈ باجے منگواتے ہیں، رنڈیاں نچواتے ہیں، بھانڈ بلا کر دولت اُڑاتے ہیں اور بعض اوقات ان کی وجہ سے قطع رحمی کرتے ہیں۔ قرابت داری کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ اور بسا اوقات بیوی بچوں کی وجہ سے والدین کی نافرمان ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے بات سمجھائی ہے کہ ان کے شر سے بچو، خدا رسول کی اطاعت نہ چھوڑو۔ اگر تم ان کی وجہ سے خدا رسول کی نافرمانی کرو گے تو یہ سب تمھارے دشمن ہیں اور تمھیں جہنم میں لے جائیں گے تم ان سے پرہیز کرو۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں کچھ لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ کر دین کی معرفت حاصل کریں، قرآن کریم کی تعلیم حاصل کریں اور ہجرت کا ثواب حاصل کریں۔ لیکن ان کے بیوی بچوں نے ان کو نہ جانے دیا۔ پھر جب یہ حضرات ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ جو ساتھی پہلے ہجرت کر کے آئے تھے اُنھوں نے دین میں بڑی فقاہت حاصل کر لی ہے اور یہ دیر سے آنے کی وجہ

سے محروم ہو گئے۔ تو انھوں نے بیوی بچوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور مومنوں کو آگاہ کیا کہ بعض تمھاری بیویاں اور بعض تمھاری اولاد تمھاری دشمن ہے ﴿فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ ان سے بچتے رہو ﴿وَاِنْ تَعْفُوْا﴾ اور اگر تم معاف کرو گے ﴿وَتَصْفَحُوْا﴾ اور درگزر کرو گے ﴿وَتَغْفِرُوْا﴾ اور بخش دو گے تو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ کیوں کہ انھوں نے جان بوجھ کر عداوت نہیں کی لہٰذا تم ان سے درگزر کرو اور عفو سے کام لو کیوں کہ اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ بیوی بچوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو اور ان کے شر سے بچتے رہو۔

فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ بے شک تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہیں۔ ان کی وجہ سے بسا اوقات آدمی حرام کمائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حرام کمائی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا معصیت میں اولاد کی بات نہیں ماننی چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن ایک آدمی لایا جائے گا پھر اُسے کہا جائے گا کہ تیری نیکیاں تیرے عیال نے کھا لی ہیں یعنی ان کی وجہ سے تباہ ہو گئی ہیں۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں العیال سُوسُ الطَّاعَاتِ "انسان کے بال بچے اس کے حق میں گھن ہوتے ہیں۔" جس طرح گھن لکڑی یا اناج کو کھا جاتا ہے اسی طرح بیوی بچے بھی نیکیوں کے ضیاع کا سبب بنتے ہیں۔

مال اور اولاد کا فتنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے لہٰذا ہر فتنے سے تو پناہ نہیں مانگی جاسکتی اس لیے دعا اس طرح کیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ "اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں گمراہی میں ڈال دینے والے فتنوں سے۔" حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا آپ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سرخ لباس پہنے ہوئے گرتے پڑتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف آرہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر سے نیچے اُترے دونوں کو اُٹھایا، پیار کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ میں ان کو گرتے پڑتے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکا خطبہ روک کر میں نے ان کو اُٹھالیا ہے۔ اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر اُمت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔ اس کی وجہ سے ہی لوگ بے ایمان ہوتے ہیں، دھوکا دیتے ہیں، خیانت کرتے ہیں۔ غلط رسومات میں پیسہ خرچ کرتے ہیں شادی بیاہ کے موقع پر بینڈ باجے ڈھول ڈھمکے، چراغاں، جھنڈیاں وغیرہ پر مال خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب حرام ہیں۔

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کندہ قبیلے کے وفد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ تمھاری کوئی اولاد بھی ہے۔ میں نے کہا ہاں! اب آتے ہوئے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے کاش کہ اس کے بجائے کوئی درندہ ہی ہوتا میری قوم کی حفاظت کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور

انتقال کر جائیں تو اجر ہے۔ پھر فرمایا ہاں ہاں یہی بزدلی اور غم کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔

بہر حال مال اولاد کے فتنے سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔ مال اولاد کا حال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ہدایت فرمائی ہے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے جس قدر تم طاقت رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور پکڑ سے بچو۔ کفر، شرک، نفاق کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں ایک اشکال ہے اس کو سمجھ لیں۔ اشکال یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس قدر تم میں طاقت ہے۔ اور سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۰۲ میں فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ "اے ایمان والو ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔" تو بظاہر دونوں آیتوں کا آپس میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ تو بعض مفسرین حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے سورۂ آل عمران والی آیت منسوخ ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ تو صحابہ کرام پر عمل کرنا دشوار گزرا کہ دن رات کے قیام سے ان کے پاؤں سوج گئے، پیشانیاں زخمی ہوگئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرما کر تخفیف کی اور یہ آیت نازل فرمائی ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے جس قدر تم طاقت رکھتے ہو۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے بلکہ سورۂ آل عمران میں ﴿حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ کا تعلق عقیدے کے ساتھ ہے کہ ایمان، توحید میں کسی قسم کی کمزوری نہیں آنی چاہیے۔ عقیدے کے معاملے میں اس طرح تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقوے کا حق ہے۔ ایمان اعتقاد کو ہر قسم کی آلائش سے پاک رکھو اور ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے کہ جس قدر تمھارے اندر طاقت ہے اس کے مطابق اعمال کرو۔ مثلاً: اگر تم کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو اشارے کے ساتھ پڑھ لو۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں تمھیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کو بجالاؤ اور جب میں تمھیں کسی بات سے منع کروں تو اس سے بالکل پرہیز کرو۔ یہ روایت بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے۔ تو پہلی آیت کا تعلق عقیدے کے تقوے کے ساتھ ہے۔

فرمایا ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور سنو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات کو۔ کیوں کہ سنو گے تو سمجھو گے اور عمل کرو گے ﴿وَاَطِيْعُوْا﴾ اور اطاعت کرو۔ جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو ﴿وَاَنْفِقُوْا﴾ اور خرچ کرو۔ اور سورۂ منافقوں آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ "اور خرچ کرو تم اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی ہے۔" اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو ﴿خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ﴾ یہ بہتر ہے تمھاری جانوں کے لیے کیوں کہ بخل اچھا نہیں ہے۔ پارہ ۲۶ سورۂ محمد کی آخری آیت میں ہے ﴿وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ "اور جو بخل کرے گا بے شک وہ بخل کرے گا اپنے نفس کے لیے۔" اس کا وبال اسی پر پڑے گا ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ﴾ اور جو بچا لیا گیا اپنے نفس کے بخل سے ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ پس یہی لوگ ہیں

کامیاب ہونے والے۔ جولوگ بخل نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دل کھول کرخرچ کرتے ہیں یہ فلاح پانے والے ہیں۔ پھر جوتم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ ضائع نہیں جائے گا بلکہ وہ تمھیں دگنا چگنا ہوکر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اگر دوتم اللہ تعالیٰ کوقرض حسن ﴿یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ﴾ وہ دُگنا کرکے دے گا تمھیں۔قرض حسن وہ ہوتا ہے جوکسی ضرورت مند کوبغیر سوداوراحسان کے دیا جائے۔ یہ قرضہ قابل واپسی ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی ضرورت پوری کرکے واپس کردے۔اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کوقرض سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ یہ تمھیں واپس ملے گا۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے جہاد کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک اُونٹنی بمع ساز وسامان کے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس کے بدلے میں سات سو اونٹنیاں بمع ساز وسامان کے عطا فرمائے گا۔

فرمایا ﴿وَ یَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تم کو۔تمھاری غلطیاں معاف کردے گا ﴿وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور حوصلے والا ہے۔اللہ تعالیٰ اطاعت کرنے والوں کی قدر کرتا ہے اور غلطی ہو جائے تو جلد سزا نہیں دیتا بڑے حوصلے والا ہے ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہ جاننے والا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو اور جو ظاہر ہیں۔سورہ یونس آیت نمبر ٦١ میں ہے ﴿وَ مَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ﴾ "اور نہیں ہے غائب تیرے رب سے مقدار ایک ذرے کی زمین میں اور نہ آسمان میں۔" ﴿الْعَزِیْزُ﴾ زبردست ہے اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا ﴿الْحَكِیْمُ﴾ حکمتوں والا ہے۔اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے اگر جلدی نہ پکڑے تو اس میں حکمت ہوتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ

(۲۸)

آیاتہا ۱۲ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (۶۵) (۹۹) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! (ان سے کہہ دو) ﴿ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ جب تم طلاق دے دو عورتوں کو ﴿ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ پس تم طلاق دو ان کو عدت میں ﴿ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ﴾ اور شمار کرو عدت ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿ رَبَّكُمْ ﴾ جو تمہارا رب ہے ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ ﴾ نہ نکالو تم ان عورتوں کو ﴿ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ ﴾ ان کے گھروں سے ﴿ وَلَا يَخْرُجْنَ ﴾ اور نہ وہ خود نکلیں ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ ﴾ مگر یہ کہ وہ کریں ﴿ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ بے حیائی کھلی ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ اور جو تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی حدود سے ﴿ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ پس تحقیق اس نے ظلم کیا اپنی جان پر ﴿ لَا تَدْرِيْ ﴾ نہیں جانتا کوئی نفس ﴿ لَعَلَّ اللّٰهَ ﴾ شاید کہ اللہ تعالیٰ ﴿ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴾ پیدا کر دے اس کے بعد کوئی معاملہ ﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ ﴾ پس جس وقت پہنچیں وہ عورتیں ﴿ اَجَلَهُنَّ ﴾ اپنی عدت کو ﴿ فَاَمْسِكُوْهُنَّ ﴾ پس روک رکھو تم ان کو ﴿ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ اچھے طریقے سے ﴿ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ ﴾ یا الگ کر دو تم ان کو ﴿ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ اچھے طریقے سے ﴿ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ ﴾ اور گواہ بنالو دو عدل والے ﴿ مِّنْكُمْ ﴾ اپنے میں سے ﴿ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ اور قائم کرو گواہی اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ ﴾ اس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے ﴿ مَنْ ﴾ اس شخص کو ﴿ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ جو ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ پر ﴿ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور آخرت کے دن پر ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اور جو شخص ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے ﴿ يَجْعَلْ لَّهٗ ﴾ بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ﴿ مَخْرَجًا ﴾ تنگی سے نکلنے کا راستہ ﴿ وَّيَرْزُقْهُ ﴾ اور رزق دے گا اس کو ﴿ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ اور جس نے توکل کیا اللہ تعالیٰ پر ﴿ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ پس وہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ بَالِغُ اَمْرِهٖ ﴾ پورا کرنے والا ہے اپنے معاملے کو ﴿ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ ﴾ تحقیق کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿ لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ہر چیز کے لیے ﴿ قَدْرًا ﴾ اندازہ۔

نکاح اور طلاق کے اصول

انسانی زندگی میں جو مسائل پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اُصول بیان فرمائے ہیں۔ کیوں کہ دنیا کا نظام آئین کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ان میں نکاح اور طلاق کے مسائل بھی ہیں۔ وہ بھی رب تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ چوتھے پارے کے آخر اور پانچویں پارے کی ابتدا میں نکاح کے مسائل بیان فرمائے کہ کون سی عورت کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے اور کون سی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔ نکاح کے متعلق اُصول یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہو اور کم از کم دو شرعی گواہ ہوں جن کو شریعت مسلمان کے لیے گواہ بناتی ہے۔ دو مسلمان مرد دین دار پرہیز گاروں کے سامنے نکاح ہوگا تو صحیح ہے۔ اگر ایسے گواہ نہ ہوں تو پھر نکاح بالکل نہیں ہوگا۔ دو سے زیادہ گواہ ہوں تو پھر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے۔

نکاح کے بعد بعض دفعہ میاں بیوی میں ناچاقی بھی ہوجاتی ہے۔ اسلام نے اس ناچاقی کے حل کے لیے اُصول بیان فرمائے ہیں۔ حتی الوسع ناچاقی اور بدمزگی سے بچنا چاہیے اور صلح صفائی کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔ عورت کو بھی حوصلہ کرنا چاہیے اور مرد کو بھی۔ کیوں کہ طلاق اچھی چیز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ اَبْغَضَ الْمُبَاحَاتِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ" جائز چیزوں میں مبغوض ترین چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں طلاق ہے۔" جو چیزیں جائز ہیں ان میں بُری چیز طلاق ہے کیوں کہ انسانیت کا مسئلہ ہے۔ یہ کوئی بھیڑ بکری تو نہیں کہ آج یہاں اور کل وہاں، پرسوں وہاں۔ یہ انسانی زندگی کا سوال ہے۔ اس لیے شریعت کہتی ہے کہ تم نکاح سوچ سمجھ کر کرو اور ایسی جگہ کرو کہ جہاں نباہ ہوسکے۔ کفو کا مسئلہ اسی لیے مستحب ہے کہ برادری ہو۔ کیوں کہ آپس میں ملتے جلتے ہوں گے طور طریقوں سے واقف ہوں گے۔ تو نکاح کے لیے گواہ شرط ہیں۔ لیکن کبھی طلاق کی بھی نوبت آجاتی ہے اگرچہ بُری چیز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کے اُصول بھی بیان فرمائے ہیں اور مستقل پوری سورۃ طلاق نازل فرمائی۔

طلاق دینے کا طریقہ اور طلاقِ ثلاثہ

ارشاد ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں ﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ جب تم طلاق دے دو عورتوں کو۔ طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے۔ پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ دو طلاقوں کے بعد رجوع کرسکتا ہے۔ اس دوران سوچنے سمجھنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ممکن ہیں شکوک وشبہات دور ہوجائیں۔

کیوں کہ بعض اوقات شرارتی قسم کے لوگ مرد عورت کے حالات بگاڑ دیتے ہیں شکوک وشبہات ڈال کر کہ تیری بیوی اچھی نہیں ہے یہاں کھڑی تھی وہاں بیٹھی تھی۔ وہ جوش میں آکر سب کچھ کر دیتا ہے۔ تو شریعت نے موقع دیا ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق، دوسرے طہر میں دوسری طلاق، تیسرے طہر میں تیسری طلاق دو تاکہ سوچنے سمجھنے کا موقع ملے۔ لیکن اگر کسی نے تین طلاقیں اکٹھی دے دیں تو تمام فقہاء، ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن

حنبل اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تک تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی بھی واقع ہوجاتی ہیں۔

اہل حدیث حضرات کے دو فرقے ہیں۔ ایک حافظ ابن حزم کا۔ وہ تین اکٹھی طلاقوں کو تین ہی سمجھتا ہے۔ دوسرا فرقہ جس کی یہاں اکثریت ہے وہ تین کو ایک کہتے ہیں۔ لیکن جب قرآن پاک کے الفاظ بھی صاف ہوں، احادیث بھی واضح ہوں، چاروں امام بھی متفق ہوں، تمام محدثین بھی متفق ہوں اور مسئلہ حلال حرام کا ہو تو اس کو سوچ سمجھ کر اختیار کرنا چاہیے۔ لہٰذا یاد رکھنا! تین طلاقیں حیض میں ہوجاتی ہیں، ایک مجلس میں بھی ہوجاتی ہیں، ایک کلمے کے ساتھ بھی ہوجاتی ہیں۔ اگرچہ یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔

تو فرمایا اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیں جب تم طلاق دو عورتوں کو ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ پس تم طلاق دو ان کو عدت میں۔ یعنی عدت کے مطابق ایک طہر میں ایک طلاق، دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق ﴿وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ اور شمار کرو عدت کو تاکہ نسب میں گڑبڑ نہ ہو۔ جس کا نطفہ ہے اسی کا رہے۔ اسی نطفے سے جو بچہ پیدا ہونا ہے اس کی تعلیم و تربیت کا سوال ہے، وراثت کے احکام ہیں۔ جس کا بچہ ہوگا اس کے ذمہ تعلیم و تربیت ہے اس کا وہ وارث ہے۔ شریعت بات کو جھگڑے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ طلاق کی عدت بھی اسی لیے ہے اور وفات کی عدت بھی اسی لیے ہے کہ بچے کی تعیین ہوجائے کہ کس کا ہے، کس سے اس کو وراثت ملے گی، اس کا خرچہ کس کے ذمہ ہوگا، کون اس کا نگران ہوگا۔ تو فرمایا عدت کو شمار کرو۔

دوسرے پارے میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [البقرۃ: ۲۲۸] "اور حلال نہیں ہے ان کے لیے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو پیدا کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر۔" تو جو ان کے پیٹ میں ہے اس کو نہ چھپائیں۔ ضروری نہیں کہ مردوں کے سامنے ڈھنڈورا پیٹتی پھریں اپنی والدہ کو بتادیں، بہن کو بتادیں کہ میرے پیٹ میں بچہ ہے۔ اگر نہیں ہے تو وہ بھی بتادیں۔ اس لیے کہ اس پر عدت موقوف ہے اور عدت کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ عدت کے اندر اگر عورت کے ساتھ کسی نے دیدہ و دانستہ نکاح کیا تو کافر ہوگیا اور اس مجلس میں جو شریک ہوں گے وہ مرتد ہوجائیں گے۔ عدت کے اندر نکاح کا ذکر کرنا بھی حرام ہے۔ یعنی اگر کوئی عورت عدت گزار رہی ہے اور اس دوران میں کوئی اس کو کہتا ہے کہ عدت کے بعد فلاں کے ساتھ یا میرے ساتھ نکاح کرنا۔ یہ لفظ کہنا بھی گناہ ہے۔ دوسرے پارے میں یہ حکم موجود ہے ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ [البقرۃ: ۲۳۵] "اور نہ ارادہ کرو نکاح کی گرہ باندھنے کا یہاں تک کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے۔" ہاں اشارے کنایہ سے سمجھا سکتا ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ﴾ اور ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے جو تمہارا رب ہے ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ﴾ اور نہ نکالو تم ان عورتوں

کو ان کے گھروں سے۔طلاق کے بعد وہ عدت وہیں گزاریں گی۔عدت کے دنوں کا خرچہ اور سکنی خاوند کے ذمہ ہے۔اگر یہ نکالے گا گناہ گار ہوگا۔اگر عورت نکلے گی بغیر کسی شرعی عذر کے تو وہ گناہ گار ہوگی۔گھر سے مراد وہ گھر ہے جہاں وہ رہتی تھی چاہے وہ تمھارا ذاتی گھر ہو یا کرائے کا ہو یا مانگے کا ہو عدت کے دوران میں تم اس کو وہاں سے نہیں نکال سکتے ﴿وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ اور نہ وہ خود نکلیں۔ان کو بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ عدت کے دنوں میں باہر جائیں ﴿اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ مگر یہ کہ کریں وہ کوئی بے حیائی کھلی یعنی زنا کا ارتکاب کریں یا وہ بعض عورتیں جولڑاکا اور بدزبان ہوتی ہیں اور ہر وقت گھر میں فتنہ ڈال کر رکھتی ہے تو اس کی زبان سے بچنے کے لیے گھر سے نکال دیں اس کی اجازت ہے۔

عدت کے مسائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت جو بڑی سخت اور فحش گو تھی۔اس کو طلاق ہوگئی۔ طلاق کے بعد وہ پہلے سے زیادہ سخت اور تیز ہوگئی۔گھر کے افراد کو اس نے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ساس نندوں اور گھر کے دیگر افراد نے کہا کہ حضرت! ہم اس کی زبان سے پہلے بھی تنگ تھے اب تو اور تیز ہوگئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو تم اس کو وہاں سے نکال دو۔بخاری شریف میں موجود ہے اور ابوداؤد شریف میں بھی ہے۔تو اگر بی بی لڑاکو اور بدزبان ہو تو نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ عورت عدت کے دوران میں گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔اگر اس کو کوئی ضرورت کا سودا لاکر دینے والا کوئی نہیں ہے تو پھر اس کو اجازت ہے کہ قریب کی دکان سے اپنے کھانے پینے کی چیزیں لے لے۔اسی طرح بیمار ہوگئی ہے اور اتنی توفیق نہیں ہے کہ ڈاکٹر کو فیس دے کر گھر بلالیں کیوں کہ ڈاکٹروں کی بڑی فیس ہوتی ہے غریب آدمی برداشت نہیں کرسکتا۔تو قریب جو ڈاکٹر یا حکیم ہے اس سے دوائی لے لے۔رات کسی جگہ نہیں ٹھہر سکتی۔اور دیہاتی عورتیں جو اپنے جانور خود سنبھالتی ہیں، دودھ دُوہتی ہیں، زمینوں سے ساگ بھی چنتی ہیں۔تو ایسی عورتیں جو مجبور ہیں اور دوسرا کوئی کرنے والا نہیں ہے اور ان کی زندگی کا اس پر دارومدار ہے تو ان کو بھی اجازت ہے وہ یہ سارے کام کرسکتی ہیں۔اگر اس کا باپ فوت ہوگیا ہے، بھائی فوت ہوگیا ہے آخر انسان ہے موت ساتھ ہے۔تو تھوڑے سے وقت کے لیے جاسکتی ہے۔لیکن رات کسی جگہ نہیں گزار سکتی۔یہ عورت کے لیے بڑا سخت مسئلہ ہے۔

تو فرمایا نہ نکالو تم ان کو ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ کریں وہ بے حیائی کھلی ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں مقرر کی ہوئی ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ اور جو تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی حدوں سے ﴿فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ پس تحقیق اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔سب کی رب تعالیٰ کی عدالت میں پیشی ہوگی اور رتی رتی کا حساب ہوگا۔یہ جو فرمایا کہ ان کو عدت کے اندر طلاق دو۔مثلاً: ایک طہر میں ایک، دوسرے طہر میں دوسری، تیسرے طہر میں تیسری کہ مستحب اور مسنون طریقہ

یہی ہے۔کیوں؟ فرمایا ﴿لَا تَدْرِیْ﴾ اس کا فاعل نفس ہے۔نہیں جانتا کوئی نفس ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ﴾ شاید کہ اللہ تعالیٰ ﴿یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ پیدا کر دے اس کے بعد کوئی معاملہ۔یعنی اگر کسی شریر عورت اور مرد کے ذہن بھرنے سے یا کسی اور وجہ سے جذبات میں آکر طلاق دے دی۔اگر وہ ایک طلاق ہوگی تو وہ رجوع کر سکے گا سوچنے کا موقع ملے گا۔دو طلاقیں ہوں گی تو بھی عدت کے دوران میں موقع ملے گا شریروں کی شرارت سے آگاہ ہو جائے گا کہ عورت بے قصور ہے، رجوع کر سکے گا۔اور اگر تین طلاقیں اکٹھی دے دیں تو اس کے بعد تو کوئی موقع نہیں ہے۔لہٰذا جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

صریح لفظوں میں ایک طلاق ہو، دو ہوں یہ رجعی طلاق کہلاتی ہیں۔طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران میاں بیوی آپس میں مل جائیں تو طلاق کا اثر ختم ہو جاتا ہے لیکن گنتی میں آئیں گی۔اگر ایک طلاق دی ہے تو باقی دو کا اختیار ہوگا۔اگر دو ہیں تو باقی ایک کا حق ہوگا۔اگر کنایہ کے لفظ سے طلاق دیتا ہے مثلاً: کہتا ہے یہاں سے دفع ہو جا یا کہتا ہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے یا کہتا ہے میں تیری شکل نہیں دیکھنا چاہتا اور طلاق مراد لیتا ہے۔یعنی ان الفاظ سے طلاق کی نیت کرتا ہے تو اس کو طلاقِ بائن کہتے ہیں۔اس میں رجوع نہیں کر سکتا دوبارہ نکاح ہوگا چاہے عدت میں ہو یا عدت گزر گئی ہو۔اور یہ بھی شرط ہے کہ ایک آدھ مرتبہ کہا جائے۔اگر زیادہ مرتبہ کہے گا تو اس کا مسئلہ الگ ہے۔ فرمایا ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ پس جس وقت وہ عورتیں جن کو طلاق دی گئی ہے پہنچ جائیں اپنی عدت کو۔مراد ہے عدت ختم ہونے کے قریب پہنچیں ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ﴾ پس روک رکھو تم ان کو ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ اچھے طریقے سے ﴿اَوْ فَارِقُوْهُنَّ﴾ یا الگ کر دو تم ان کو ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ عمدہ طریقے سے ﴿وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ اور گواہ بنا لو دو عدل والے اپنے میں سے۔یہ گواہ بنانا مستحب ہے شرط نہیں ہے۔طلاق تنہائی میں بھی ہو سکتی ہے، زبانی بھی ہو سکتی ہے، تحریری بھی ہو سکتی ہے۔اگر کوئی آدمی زمین پر لکھ دے، اپنی بیوی کا نام لکھ کر کہ میں نے اس کو طلاق دی ہے تو ہو جائے گی۔دیوار پر لکھ دے ہو جائے گی بے شک زبان سے کچھ نہ کہے۔لیکن پانی پر لکھنے سے نہیں ہوگی، ہوا میں لکھنے سے نہیں ہوگی۔کیوں کہ یہ تحریریں پڑھی نہیں جا سکتیں۔اگر دل میں طلاق دے وہ نہیں ہوگی۔

بہر حال زبان سے طلاق دے گا تو ہو جائے گی چاہے ٹھٹھے کے طور پر دے۔ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ مسخرے (ہنسی مذاق) کے ساتھ بھی طلاق ہو جائے گی۔یعنی دل لگی کے طور پر کہا تجھے طلاق ہے تو وہ ہو گئی۔بعض جاہل قسم کے لوگ آکر کہتے ہیں کہ اُنھوں نے لڑکی کو طلاق بھیجی ہے ہم نے خط وصول نہیں کیا۔بھئی! تمھارے نہ وصول کرنے سے کیا بنتا ہے؟ طلاق تو ہو گئی ان باتوں سے طلاق نہیں ٹلتی وصول کر و یا نہ کرو طلاق ہو گئی۔

تو فرمایا دو گواہ بنا لو عدل والے یہ مستحب ہے ﴿وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ اور قائم کرو گواہی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ جو مسائل ہیں ﴿یُوْعَظُ بِهٖ﴾ ان کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو ایمان لاتا ہے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ﴿وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے ﴿یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ بنا دے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی سے نکلنے کا راستہ ﴿وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ اور رزق دے گا اس کو ایسی جگہ سے

جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔ ﴿اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ [آل عمران: ۱۰۲] جو آدمی اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرے جس طرح ڈرنے کا حق ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے دو وعدے ہیں۔

① یہ کہ تنگی سے نکلنے کے لیے کوئی سبیل پیدا کر دے گا یعنی ہر پریشانی سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔

② ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔

﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا پس وہ اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہوگا۔ سب قدرتیں اس کے پاس ہیں، سب خزانے اس کے پاس ہیں ﴿اِنَّ اللهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے معاملے کو جو وہ کرنا چاہے اس کو روک کوئی نہیں سکتا ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ [سورۃ البروج، پارہ ۳۰] "وہ کر گزرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔" ﴿قَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا﴾ تحقیق مقرر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ۔ زندگی اور موت کا، بیماری اور تندرستی کا۔ جو کسی کو دینا ہے ہر چیز کے اللہ تعالیٰ کے ہاں اندازے اور مقدار مقرر ہے۔

﴿وَالّٰٓئِیْ﴾ اور وہ عورتیں ﴿یَئِسْنَ﴾ جو نا امید ہو چکی ہیں ﴿مِنَ الْمَحِیْضِ﴾ حیض سے ﴿مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ تمھاری عورتوں میں سے ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ اگر تم کو شک ہو (کہ ان کی عدت کیا ہے) ﴿فَعِدَّتُهُنَّ﴾ پس ان کی عدت ﴿ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ﴾ تین مہینے ہے ﴿وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ﴾ اور وہ جن کو حیض نہیں آیا ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ﴾ اور حمل والیاں ﴿اَجَلُهُنَّ﴾ ان کی عدت ﴿اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یہ کہ جن (پیدا کر) دیں اپنے حمل کو ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللهَ﴾ اور جو ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے ﴿یَجْعَلْ لَّهٗ﴾ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ﴿مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا﴾ اس کے معاملے میں آسانی ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللهِ﴾ یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کا ﴿اَنْزَلَهٗٓ اِلَیْكُمْ﴾ جو اُتارا ہے اس نے تمھاری طرف ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللهَ﴾ اور جو ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے ﴿یُكَفِّرْ عَنْهُ﴾ مٹا دے گا اس سے ﴿سَیِّاٰتِهٖ﴾ اس کی خطائیں ﴿وَیُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا﴾ اور بڑھائے گا اس کے لیے اجر ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ﴾ ٹھہراؤ تم ان کو ﴿مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ﴾ جہاں تم خود ٹھہرتے ہو ﴿مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ اپنی طاقت کے مطابق ﴿وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ﴾ اور نہ ضرر دو ان کو ﴿لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ تاکہ تم تنگی کرو ان پر ﴿وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ﴾ اور اگر ہیں وہ عورتیں حمل والی ﴿فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ﴾ پس تم خرچ کرو ان پر ﴿حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یہاں تک کہ وہ جن دیں اپنے حمل کو ﴿فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ﴾ پس اگر وہ دودھ پلائیں (بچے کو) تمھاری خاطر ﴿فَاٰتُوْهُنَّ﴾ پس دو تم ان کو ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ ان کا معاوضہ ﴿وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ﴾ اور آپس میں مشورہ کرو ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ اچھے طریقے سے ﴿وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ﴾ اور اگر تم تنگی کرو

﴿فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی﴾ پس پلا دے گی اس کو کوئی دوسری عورت ﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ﴾ چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا ﴿مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ اپنی وسعت کے مطابق ﴿وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ﴾ اور جس پر تنگ کیا گیا ہو اس کا رزق ﴿فَلْیُنْفِقْ﴾ پس چاہیے کہ خرچ کرے ﴿مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ﴾ اس سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف ﴿اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا﴾ مگر اس چیز سے جو اس کو دی ہے ﴿سَیَجْعَلُ اللّٰهُ﴾ عنقریب کرے گا اللہ تعالیٰ ﴿بَعْدَ عُسْرٍ﴾ تنگی کے بعد ﴿یُّسْرًا﴾ آسانی۔

اس سورت کا نام سورۃ الطلاق ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے کچھ ضروری اور بنیادی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو چیزیں جائز ہیں ان میں بُری چیز طلاق ہے۔ لیکن بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے طلاق دینی پڑتی ہے اس لیے اسلام نے اجازت دی ہے۔ طلاق دیتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ طلاق ان دنوں میں دینی چاہیے جن دنوں میں عورت پاک ہو اور ان دنوں میں عورت کے ساتھ ہمبستری بھی نہ کی ہو۔ مستحب طریقہ یہی ہے۔ لیکن اگر کسی نے حیض کی حالت میں دے دی تو طلاق ہو جائے گی۔ اکٹھی تین طلاقیں دے دیں ہو جائیں گی۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں ہو جائیں گی۔ طلاق کے بعد عورت کے لیے عدت ہے۔ اگر طلاق کے وقت عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ جب بچہ پیدا ہوگا عدت ختم ہو جائے گی۔ اگر حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔ تین ماہواریاں گزریں گی تو اس کی عدت ختم ہوگی۔ اگر ماہواری نہیں آتی تو اس کا مسئلہ الگ ہے۔

جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ﴾ اور وہ عورتیں جو ناامید ہو چکی ہیں حیض سے۔ زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے ان کو حیض نہیں آتا ﴿مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ﴾ تمھاری عورتوں میں سے ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ اگر تمھیں شک ہو کہ ان کی عدت کیا ہے ﴿فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ﴾ پس ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اگر حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔ اور اگر حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ پس یہی تین عدتیں ہیں۔ رب تعالیٰ نے مطلقہ کا قاعدہ بتلا دیا۔

فرمایا ﴿وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ﴾ اور وہ جن کو حیض نہیں آیا ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ بچی نابالغ ہے کیوں کہ نابالغ بچی کا بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ اگر کسی بچی کا نکاح نابالغی میں اس کے والد نے کر دیا یا دادا نے کر دیا تو اس بچی کو بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیوں کہ جو شفقت باپ دادا میں ہے وہ اور کسی میں نہیں ہے۔ ہاں اگر دلائل کے ساتھ باپ کا فسق ثابت ہو جائے اور یہ کہ اس نے پیسوں کی خاطر یہ کام کیا ہے تو پھر معاملہ جدا ہے۔ اسی طرح اگر ثابت ہو جائے کہ دادا بے ایمان تھا اس نے پیسوں کی خاطر چھوٹی بچی کسی جگہ پھنسا دی ہے تو پھر مسئلہ جدا ہے۔ باپ دادا کے سوا اگر کوئی اور بچی کا نکاح کر دے تو

بچی کو فسخ کا اختیار ہے۔فسخ کا یہ معنیٰ ہے کہ عدالت میں جائے قاضی کو کہے، مفتی کو کہے، جج کو کہے کہ میرے بھائی نے یا میرے چچا نے یا تائے یا ماموں نے نکاح کر دیا تھا میں اس پر راضی نہیں ہوں تو وہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔اب رہا یہ سوال کہ عورت کب بالغ ہوتی ہے؟ اگر بچی صحت مند ہو اور خوراک گرم ہو تو نو دس سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہوا اور جب رخصتی ہوئی نو سال عمر تھی۔اگر صحت اور خوراک اچھی نہیں ہے تو پھر گیارھویں سال، بارھویں سال، تیرھویں سال، چودھویں سال بھی بالغ ہو سکتی ہے۔پندرھواں سال آخری حد ہے۔اگر کوئی اور علامت عورت میں ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال کی لڑکی بالغ شمار ہوگی۔پہلے علامت ظاہر ہو جائے تو پہلے بالغ ہے اور پندرہ سال کا لڑکا بھی بالغ ہے۔پہلے علامت ظاہر ہو جائے تو پہلے بالغ ہے۔

تو ابھی بالغ نہیں ہوئیں۔حیض ابھی تک شروع نہیں ہوا ان کی عدت بھی تین ماہ ہے ﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ﴾ اور جو حمل والی ہیں ﴿اَجَلُهُنَّ﴾ ان کی عدت ﴿اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یہ کہ جن دیں وہ اپنے حمل کو۔بچے کو جنم دیں۔بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی۔مثلاً: حمل کو ایک ہفتہ گزرا ہے یا دو ہفتے گزرے ہیں اور طلاق کی نوبت آ گئی ہے تو اس عورت کی عدت آٹھ ماہ دو ہفتے ہوگی جب تک بچہ پیدا نہیں ہوگا اس عورت کی عدت ختم نہیں ہوگی۔یہ قرآن پاک کا حکم ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ﴾ اور جو ڈرے گا اللہ تعالیٰ سے مرد و عورت ﴿يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے معاملے میں آسانی۔دین صرف مردوں کے لیے نہیں عورتوں کے لیے بھی ہے۔دین میں جس طرح مردوں کا حصہ ہے عورتوں کا بھی حصہ ہے۔عورتیں آدھی اُمت ہیں۔عورتیں بھی دین سیکھیں۔جن گھروں میں دین دار عورتیں ہیں ان گھروں میں دین کا تھوڑا بہت اثر ہوتا ہے۔ان گھروں میں شادی اور موت کی رسمیں بہت کم ہوتی ہیں۔اور جن گھروں میں عورتیں دین سے عاری ہوتی ہیں وہاں بدعتیں اور رسمیں چھلانگیں لگا کر آتی ہیں۔اس لیے عورتوں کا بھی فریضہ ہے کہ وہ دین سیکھیں۔الحمد للہ! گکھڑ میں عورتوں کے درس بھی باقاعدہ موجود ہیں جہاں عورتیں پڑھاتی ہیں اور ایک آدھ ہفتے کے بعد عورتوں کا بیان بھی ہوتا ہے۔عورتوں کو ضروری ضروری مسائل بتائے جاتے ہیں۔جس گھر میں دین دار عورت ہوگی اس کا اولاد پر بھی اثر پڑے گا۔عورت وقت پر اُٹھے گی، بچے بھی وقت پر اُٹھیں گے۔اور جہاں عورت آٹھ بجے اُٹھے گی وہاں بچے دس بجے اُٹھیں گے۔تو گھروں کی اصلاح میں عورتوں کا بڑا دخل ہے۔

تو فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو عدت کے بارے میں تمھیں بتلایا ہے ﴿اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ﴾ جو اُس نے اُتارا ہے تمھاری طرف ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا ﴿يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ﴾ مٹا دے گا اس سے اس کی خطائیں۔اس کی خطائیں معاف کر دے گا یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا﴾ اور بڑھائے گا اس کے لیے اجر۔ایک نیکی کا بدلہ دس گنا دے گا۔اور جو فی سبیل اللہ کی مد میں نیکی کرے گا اس کا بدلہ سات سو گنا ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرہ:۲۶۱] "اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔" جس کے لیے چاہے گا اس سے بھی زیادہ دے گا۔

فرمایا ﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ ﴾ ٹھہراؤ تم ان کو جہاں تم خود ٹھہرتے ہو ﴿ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ﴾ اپنی طاقت کے مطابق ۔یعنی جہاں تم رہتے ہو مطلقہ عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو۔مسئلہ یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا عدت کے دوران خرچہ اور مکان سابق خاوند کے ذمہ ہے۔جب تک عدت ختم نہیں ہوگی وہ عورت وہیں رہے گی باہر نہیں جاسکتی مگر بہ امر مجبوری۔ شریعت نے مجبوریوں کالحاظ رکھا ہے۔

مثال کے طور پر میاں بیوی حج پر گئے ہیں خاوند نے وہاں طلاق دے دی یا خاوند وہاں فوت ہوگیا۔ایسے حالات بہ کثرت پیش آتے ہیں۔تو اب عورت عرفات، مزدلفہ یا منیٰ میں تو نہیں رہ سکتی اس کو وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت ہے۔ مجبوری کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی۔اگر عورت لڑاکو اور بدزبان ہے تو جاسکتی ہے یا طلاق مغلظہ ہے اور خاوند بدکار ہے۔خدشہ ہے کہ طلاق کے بعد بھی چھیڑ خانی کرے گا تو اس صورت میں بھی عورت کو گھر سے جانے کی اجازت ہے۔غلط کار لوگ بھی موجود ہیں۔ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ باپ نے بیٹی کے ساتھ برائی کی ، بھائی نے بہن کے ساتھ ، ماموں نے بھانجی کے ساتھ ، چچے نے بھتیجی کے ساتھ۔اکثر اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ بچائے بہت نازک زمانہ ہے۔اس لیے شریعت نے کہا ہے کہ کسی عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔اُن محرموں کے ساتھ ٹھہر سکتی ہے جو دین دار ہوں۔چچا فاسق ہے، ماموں فاسق ہے تو ان کے پاس نہیں ٹھہر سکتی۔سگا بھائی بدکار ہے اس کے ساتھ بھی نہیں ٹھہر سکتی۔

تو فرمایا ٹھہراؤ ان کو جہاں تم خود ٹھہرتے ہو اپنی طاقت کے مطابق ﴿ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ ﴾ اور نہ تم ان کو ضرر دو ان کو ایذا نہ پہنچاؤ ﴿ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ﴾ تاکہ تم تنگی کرو ان پر طلاق دینے کے بعد ان پر سختی نہ کرو ﴿ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ ﴾ اور اگر وہ عورتیں حمل والی ہیں ﴿ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ ﴾ پس تم خرچ کرو ان پر۔جب تک بچہ پیدا نہیں ہوتا تمھیں خرچہ دینا پڑے گا۔حمل کے زمانے کا خرچ اور رہائش خاوند کے ذمہ ہے ﴿ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ یہاں تک کہ وہ جن دیں اپنے حمل کو۔

مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ عورت نکاح میں ہے اور بچہ پیدا ہوا ہے تو اس بچے کو دودھ پلانا عورت کے فریضہ میں شامل ہے۔اگر نہیں پلائے گی تو گناہ گار ہوگی۔کیوں کہ اس عورت کا خرچہ، رہائش وغیرہ خاوند برداشت کرتا ہے۔اور اگر طلاق کے بعد بچہ پیدا ہوا ہے اور عدت ختم ہوگئی ہے اب اس کا خرچہ اور رہائش خاوند کے ذمہ نہیں ہے۔لہٰذا اب وہ اس بچے کا خرچہ لے سکتی ہے۔دودھ پلانے کے پیسے بھی لے سکتی ہے۔اپنے ہی بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے وہاں کے ماحول کے مطابق۔فرمایا ﴿ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ ﴾ پس اگر وہ عورتیں دودھ پلائیں بچے کو تمھاری خاطر ﴿ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ پس دو تم ان کو ان کا معاوضہ جو طے کیا ہے ﴿ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ اور آپس میں مشورہ کرو عمدہ طریقے سے کہ بچہ تو دونوں کا ہے اس کے لیے کچھ تو کرنا ہے اگر ہر ایک ضد پر اڑے گا تو بچے کو نقصان ہوگا لہٰذا بچے کا خیال رکھو اور اس کے متعلق ایک دوسرے سے مشورہ کرو عمدہ طریقے سے۔

﴿ وَ اِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ ﴾ اور اگر تم تنگی کرو گے کہ کسی سمجھوتے پر نہ پہنچ سکو کہ عورت کہے کہ میں نے اتنی اُجرت لینی ہے جو خاوند کے بس میں نہ ہو یا خاوند کہے کہ میں اتنی اُجرت نہیں دینا چاہتا ﴿ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰی ﴾ پس پلا دے گی اس کو کوئی دوسری عورت۔ بچے کو کسی اور عورت کے حوالے کر دو اور اس کے ساتھ معاملہ طے کر لو۔ قرآن کے نزول کے زمانے میں عرب میں عام دستور تھا کہ دوسری عورتیں دودھ پلاتی تھیں اور اُجرت لیتی تھیں۔ ان کے لیے اُجرت جائز تھی۔ بچوں کے سرپرست اُجرت طے کرتے تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعدیہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا ہے۔ تو اگر آپس میں سمجھوتا نہ ہو سکے تو کسی دوسری عورت سے دودھ پلوایا جائے۔ عدت اور رضاعت کے دوران کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ﴾ چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ یعنی اگر باپ یا متولی مال دار ہے تو بچے کی ماں کو دودھ پلانے کا خرچہ اپنی وسعت کے مطابق دے ﴿ وَ مَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ ﴾ اور جس پر تنگ کیا گیا ہو اس کا رزق یعنی وہ آدمی غریب ہے ﴿ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ﴾ پس چاہیے کہ وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے۔ اگر وہ تنگ دست ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق اس سے خرچہ لیا جائے گا۔ اس کو زیادہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ بے چارہ بوجھ کے نیچے آجائے ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ﴾ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف مگر اس چیز سے جو اس کو دی ہے۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۸۶ میں ہے ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ﴾ "نہیں تکلیف دیتا اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔" یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے مطلقہ اور اس کے بچے کے متعلق یہی اُصول بیان فرمایا ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ نہ بخل کرے اور نہ طاقت سے زیادہ خرچ کرے۔ حالات بدلتے رہتے ہیں ﴿ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ﴾ عنقریب کرے گا اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی۔ تنگی خوش حالی سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تنگ دستی سے نہ گھبراؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی لے آئے گا۔

﴿ وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ ﴾ اور کتنی ہی بستیاں (تھیں) ﴿ عَتَتۡ ﴾ جنھوں نے نافرمانی کی ﴿ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا ﴾ اپنے رب کے حکم سے ﴿ وَ رُسُلِهٖ ﴾ اور اس کے رسولوں کے حکم سے ﴿ فَحَاسَبۡنٰهَا ﴾ پس ہم نے ان سے حساب لیا ﴿ حِسَابًا شَدِيۡدًا ﴾ سخت حساب ﴿ وَّ عَذَّبۡنٰهَا ﴾ اور ہم نے ان کو سزا دی ﴿ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴾ نرالی سزا ﴿ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا ﴾ پس چکھا اُنھوں نے اپنے معاملے کا وبال ﴿ وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا ﴾ اور تھا ان کے معاملے کا انجام ﴿ خُسۡرًا ﴾ خسارہ ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴾ تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ﴿ عَذَابًا شَدِيۡدًا ﴾ سخت عذاب ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿ يٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴾ اے عقل مندو! ﴿ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ﴾ جو ایمان لائے ہو

﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ تحقیق نازل کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿اِلَيْكُمْ ذِكْرًا﴾ تمھاری طرف ذکر ﴿رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ﴾ رسول جو تلاوت کرتا ہے تم پر ﴿اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ﴿مُبَيِّنٰتٍ﴾ جو کھول کر بیان کرتی ہیں ﴿لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ﴾ تاکہ نکالے ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ﴾ اور جو ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ پر ﴿وَيَعْمَلْ صَالِحًا﴾ اور عمل کرے گا اچھے ﴿يُّدْخِلْهُ﴾ داخل کرے گا اس کو ﴿جَنّٰتٍ﴾ باغوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ رہیں گے ان جنتوں میں ہمیشہ ﴿قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا﴾ تحقیق اچھا کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رزق ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ جس نے پیدا کیے سات آسمان ﴿وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ اور اتنی ہی زمینیں ﴿يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ اُترتا ہے حکم ان کے درمیان ﴿لِتَعْلَمُوْٓا﴾ تاکہ تم جان لو ﴿اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿قَدْ اَحَاطَ﴾ احاطہ کر رکھا ہے ﴿بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ ہر چیز کا علم کے لحاظ سے۔

ربطِ آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے کے بنیادی اُصول بیان فرمائے۔ معاشرت کا معنیٰ ہے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنا۔ نکاح کا مسئلہ، طلاق کا، عدت کا، یہ سب مسائل کافی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں۔ یہ بھی بتلایا کہ طلاق اچھی چیز نہیں ہے لیکن اگر مجبوری ہو تو پھر دی بھی جا سکتی ہے۔ مجبوری کے تحت شریعت نے اجازت دی ہے۔ بچوں کی پرورش کے متعلق بھی بنیادی چیزیں بیان کیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کا نتیجہ یقیناً سزا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا ان احکام کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور کتنی ہی بستیاں تھیں ﴿عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا﴾ جنھوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔ بستیوں میں رہنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ اور اس کے رسولوں کے حکم کی۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر ان کی طرف بھیجے تھے ان کے احکام کی بھی نافرمانی کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی، حضرت ہود علیہ السلام کی، حضرت صالح علیہ السلام کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی، حضرت لوط علیہ السلام کی، حضرت شعیب علیہ السلام کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی۔ ان قوموں کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ انھوں نے رب تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی، پیغمبروں کے احکام کی مخالفت کی۔

فرمایا ﴿فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا﴾ پس ہم نے ان بستیوں کا حساب لیا بڑا سخت حساب۔ کسی کو طوفان میں غرق کیا، کسی

کو زلزلے میں تباہ کیا، کسی پر آسمان سے پتھر برسائے، کسی کو زمین میں دھنسا دیا، مختلف شکلوں کے عذاب اُن پر مسلط کیے۔ فرمایا ﴿وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا﴾ اور ہم نے ان کو سزا دی نرالی سزا۔ جو عذاب ایک قوم پر آیا دوسری پر نہیں آیا اور جو دوسری پر آیا تیسری پر نہیں آیا۔ رب تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے۔ اس نے نافرمانوں کو مختلف قسم کے عذابوں کے شکنجوں میں کسا ﴿فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا﴾ پس چکھا اُنھوں نے اپنے معاملے کا وبال۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرایا جاتا تھا تو ٹھٹھا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی تو واویلا شروع کر دیا ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ [الانبیاء:۴۶] "بے شک ہم ظالم تھے۔" وہ فرعون جو پہلے منہ بھر کر کہتا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ "میں رب اعلیٰ ہوں۔" جب اللہ تعالیٰ نے بحر قلزم میں ڈبویا اور پانی میں غوطے کھانے لگا تو کہا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس:۹۰] "میں ایمان لایا ہوں کہ بے شک نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔" رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی ﴿آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ﴾ "اب یہ کہتے ہو اور تحقیق تم نافرمانی کرتے تھے پہلے۔" اب ایمان لانے کا وقت نہیں اب تو بھگتنے کا وقت ہے۔ تو فرعون نے بڑا واویلا کیا مگر اُس کے کام نہ آیا۔

تو فرمایا چکھا اُنھوں نے اپنے معاملے کا وبال ﴿وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا﴾ اور تھا ان کے معاملے کا انجام خسارہ۔ اُنھوں نے نقصان ہی اُٹھایا۔ یہ تو دنیا کا عذاب تھا آگے جو عذاب آنا ہے وہ بھی سن لو۔ فرمایا ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ تیار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے سخت عذاب۔ برزخ، قبر کی سزا الگ ہے، قیامت قائم ہونے کے بعد محشر کی سزا الگ ہے، پل صراط سے گزرنے کی سزا الگ ہے، دوزخ کا عذاب الگ ہے۔ یہ سب سزائیں نافرمانوں نے بھگتنی ہیں۔

تم نے ہمارے احکام بھی سنے ہیں اور نافرمانی کا انجام بھی سنا ہے کہ جن قوموں نے نافرمانی کی ان کا کیا انجام ہوا۔ لہٰذا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور اس کی گرفت سے ڈرو اور بچو ﴿يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ اے عقل مندو۔ دنیا تو شاید عقل منداُسے کہے جو زُہرہ ستارے تک پہنچ جائے، فضا میں اُڑتا پھرے، کئی مہینے خلا میں رہے، سمندر کی تہہ میں کئی مہینے گزارے، مہلک قسم کے ہتھیار تیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کی تفسیر بڑے اختصار کے ساتھ کی ہے۔ فرمایا ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل مند وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہاں نہایت اجمال کے ساتھ فرمایا اور چوتھے پارے میں تفصیل ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ "بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں ﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اور دن رات کے اختلاف میں ﴿لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ البتہ نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔ عقل مند کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا﴾ عقل مند وہ ہیں جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے بیٹھے ﴿وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ اور اپنے پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور غور وفکر کرتے ہیں زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ اے ہمارے رب تو نے نہیں پیدا کیا اس

کو باطل ، بے فائدہ ، بے کار ﴿سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ آپ کی ذات پاک ہے بچا ہمیں دوزخ کے عذاب سے ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ﴾ اے ہمارے رب بے شک آپ نے جس کو داخل کر دیا دوزخ کی آگ میں ﴿فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ﴾ پس تحقیق آپ نے اس کو رسوا کر دیا ﴿وَ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ﴾ اور نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی مددگار ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب ﴿اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ﴾ بے شک ہم نے سنا ایک منادی کرنے والے کو (یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) جو منادی کر رہا تھا ایمان کی کہ ﴿اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ﴾ ایمان لے آؤ اپنے رب پر ﴿فَاٰمَنَّا﴾ پس ہم ایمان لے آئے ﴿رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا﴾ اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو ﴿وَ كَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا﴾ اور مٹا دے ہماری برائیاں ﴿وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ﴾ اور ہمیں وفات دے نیک لوگوں کے ساتھ ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿وَ اٰتِنَا﴾ اور دے ہمیں ﴿مَا وَعَدۡتَّنَا﴾ وہ چیز جس کا آپ نے وعدہ کیا ہے ہمارے ساتھ ﴿عَلٰى رُسُلِكَ﴾ اپنے رسولوں کی زبانوں پر ﴿وَ لَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ﴾ اور ہمیں رُسوا نہ کرنا قیامت والے دن ﴿اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ﴾ بے شک آپ وعدے کا خلاف نہیں کرتے۔" [آل عمران، رکوع نمبر ۱۱، آیت ۱۹۰ تا ۱۹۴]

یہ رب تعالیٰ نے عقل مندوں کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ اور یہاں فرمایا عقل مند وہ ہیں جو ایمان لائے۔ فرمایا ﴿قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا﴾ تحقیق اُتارا اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف ذکر۔ قرآن پاک کا نام ذکر بھی ہے۔ سورۃ الحجر پارہ ۱۴ آیت ۹ میں ہے ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ "بے شک ہم نے اُتارا ہے ذکر کو یعنی نصیحت والی کتاب کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

تو یہ کتاب نازل کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿رَّسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ تعالیٰ کی آیتیں تمھیں پڑھ کر سناتا ہے وہ آیات ﴿مُبَيِّنٰتٍ﴾ جو کھول کر بیان کرتی ہیں حقیقت کو۔ یہ آیتیں ہم نے کیوں نازل کیں ﴿لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ تاکہ نکالیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کرتے ہیں اچھے ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ﴾ کفر شرک کے اندھیروں سے ﴿اِلَى النُّوۡرِ﴾ ایمان کی روشنی کی طرف۔ جو اس کتاب پر ایمان لائیں گے، پیغمبر پر ایمان لائیں گے وہ کفر شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آجائیں گے ﴿وَ مَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ﴾ اور جو ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ پر۔ کالا ہو، گورا ہو، عربی ہو، عجمی ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان کی قدر ہے شکل وصورت کی نہیں ﴿وَ يَعۡمَلۡ صَالِحًا﴾ اور عمل کرے گا اچھے۔ ایمان کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے محض ایمان کافی نہیں ہے۔ ایمان لائے اور عمل اچھے کرے ﴿يُّدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ داخل کرے گا اس کو ایسے باغوں میں جاری ہیں ان کے نیچے نہریں۔ عرب کے علاقے میں پانی کی بڑی قلت تھی اور ہرے بھرے درخت بھی بہت کم تھے۔ لہٰذا نہریں اور سبز درخت ان کے لیے بڑی خوشی کی بات تھی۔ اس لیے ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ جنت اس جگہ کا نام ہے جہاں باغات ہوں گے، نہریں ہوں گی ﴿لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ فِيۡهَا﴾ [ق:۳۵] "ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے اس میں۔" رب تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملے گا۔ نہ جنت دور ہے نہ دوزخ دور ہے بس آنکھیں بند

ہونے کی دیر ہے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو داخل کرے گا باغات میں جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا﴾ رہیں گے ان باغوں میں ہمیشہ۔ جو سعادت مند خوش نصیب جنت میں داخل ہو گیا پھر اس کو وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ بخلاف دوزخ کے کہ کچھ مومن گناہ گار دوزخ میں جائیں گے سزا بھگتنے کے بعد وہاں سے نکل آئیں گے۔

فرمایا ﴿قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا﴾ تحقیق اچھا کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے رزق۔ جنتی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا رزق بنایا ہے جو چاہے گا کھائے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک ایک جنتی سو سو آدمی کے برابر کھائے گا۔ پھر بڑی عجیب بات ہے کہ لَا یَبُوْلُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا یَتَمَخَّطُوْنَ بخاری شریف کی روایت ہے کہ "نہ پیشاب کریں گی نہ پاخانہ کریں گے اور نہ ناک منہ سے بلغم نکلے گی۔" پوچھنے والوں نے پوچھا حضرت! سو آدمیوں کا کھانا آدمی کھالے تو وہ بڑی جگہ خراب کرتا ہے۔ وہ کھانا کہاں جائے گا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ بدن میں ایسی قوت پیدا کرے گا کہ خوشبودار پسینا نکلے گا جیسے کستوری ہوتی ہے۔ اس پسینے کے ذریعے کھانا ہضم ہو جائے گا اور ڈکار لے گا کھانا ہضم ہو جائے گا۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اچھا رزق بنایا ہے۔

سات آسمان ہیں ایسے ہی سات زمینیں ہیں

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ جس نے پیدا کیے سات آسمان ﴿وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ اور اتنی ہی زمینیں پیدا کیں۔ قرآن کریم میں سات آسمانوں کا ذکر تو متعدد مقامات پر آیا ہے اور زمینوں کے سات ہونے کا ذکر صرف اسی آیت کریمہ میں ہے۔ یا پھر ایک حدیث آتی ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں مخلوق ہے۔ ہر زمین میں آدم بھی ہے، نوح بھی ہے، ابراہیم بھی ہے علیہم السلام، موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ اس پر لمبی چوڑی بحث۔ ہمارے دو بزرگوں نے اس پر کتابیں لکھی ہیں۔ ایک مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، رب تعالیٰ نے ان کو بڑا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ سینتیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ وہ شمار میں نہیں آسکتیں۔ اُنھوں نے کتاب لکھی ہے "دافع الوسواس عن اثر ابن عباس" یہ سات زمینوں والی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ تو اس کے متعلق جو لوگوں کو شکوک و شبہات تھے اس کتاب میں اُنھوں نے ان کی وضاحت فرمائی ہے۔ دوسری کتاب بانی دارالعلوم دیو بند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ جس کا نام ہے "تحذیر الناس"۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ذہین ترین علماء میں سے تھے۔ یہ حضرت نے صرف پچاس سال عمر پائی ہے۔ مگر پچاس سال میں وہ کام کر گئے ہیں کہ الحمدللہ! دنیا کے ختم ہونے تک وہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ یعنی وہ دینی مدارس کے جال بچھا گئے ہیں۔ دیو بند، سہارن پور، مظاہر العلوم اور بہت سارے کہ آج لوگ ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما میں جن سات زمینوں کا ذکر ہے وہ ایسی نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ سات براعظم ہیں۔ ایک براعظم ایشیا ہے، ایک (شمالی) امریکہ، (ایک جنوبی امریکہ) ہے، ایک افریقہ ہے، ایک آسٹریلیا، (یورپ، انٹارکٹیکا) وغیرہ ہے۔ بلکہ وہ سات زمینیں اوپر نیچے ہیں۔ اور یہ احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں

روایت ہے کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ہتھیالی تو یہ زمین اور دوسری، تیسری، چوتھی، ساتویں زمین تک کے ٹکڑے اس کی گردن پر رکھے جائیں گے۔ اوپر نیچے زمینیں ہوں گی اور میدانِ محشر میں اُٹھائے ہوئے ہوگا۔ اور ترمذی شریف میں روایت ہے کہ اگر کوئی زنجیر لٹکائے وہ اس زمین کو چھید کر نیچے دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی اور ساتویں تک چلی جائے یہ رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ زمینیں اُوپر نیچے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض ملحد قسم کے لوگ ایک اشکال پیش کرتے ہیں وہ بھی سمجھ لیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے دو مرلے زمین چھین لی تو وہ اس چھوٹی سے گردن پر کیسے اُٹھائے گا؟ اگر کسی نے مربع زمین چھین لی، دو مربعے چھین لی تو وہ اس گردن پر کیسے اُٹھائے گا۔ ایسا ہی سوال ایک ملحد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا کہ حضرت! آپ ہمیں یہ احادیث سناتے ہیں اگر کوئی شخص اُونٹ چرائے گا تو اس کی گردن پر ہوں گے، بکریاں چرائے گا اس کی گردن پر ہوں گی۔ تو حضرت! اگر ایک آدمی کسی کے دس اُونٹ چرائے تو وہ اپنے کندھے پر کہاں رکھے گا؟ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا احادیث کے ساتھ تمسخر نہ کیا کرو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجرموں کے کندھے اتنے چوڑے کر دیئے جائیں گے کہ ایک کندھے سے گھوڑا چلے، دوسرے کندھے تک تین دن میں پہنچے گا۔ تو جس کا کندھا اتنا چوڑا ہو کہ ایک گھوڑا ایک طرف سے دوسری طرف تک تین دن میں مشکل سے پہنچے گا تو اس پر کتنی چیزیں آجائیں گی۔ ایک ایک مجرم کو بیٹھنے کے لیے اُحد پہاڑ کے برابر جگہ ملے گی۔

تو قرآن پاک میں سات آسمانوں کا ذکر تو متعدد مقامات پر ہے مگر زمینوں کا ذکر صرف اِسی جگہ ہے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کیں ﴿يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ اترتا ہے حکم ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کا۔ آسمانوں اور زمینوں میں رب تعالیٰ کا حکم چلتا ہے ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے علم کے لحاظ سے۔ نہ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر ہے اور نہ اس کے علم سے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ التَّحۡرِیۡمِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ

(۲۸)

آیاتھا ۱۲ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۶۶) (۱۰۷) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ﴿لِمَ تُحَرِّمُ﴾ آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں ﴿مَآ﴾ وہ چیز ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ﴾ جو حلال کی ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿لَكَ﴾ آپ کے لیے ﴿تَبْتَغِيْ﴾ آپ چاہتے ہیں ﴿مَرْضَاتَ﴾ رضا ﴿اَزْوَاجِكَ﴾ اپنی بیویوں کی ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تمھارے لیے ﴿تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ کھولنا ہے تمھاری قسموں کو ﴿وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارا مولیٰ ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہی سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ﴾ اور جب چھپا کر کہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ﴿اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ﴾ اپنی ایک بیوی سے ﴿حَدِيْثًا﴾ بات ﴿فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ﴾ پس جب بتلا دی اس نے وہ بات ﴿وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اس بات کو ﴿عَلَيْهِ﴾ پیغمبر پر ﴿عَرَّفَ بَعْضَهٗ﴾ اس نے بتلا دی بعض ﴿وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ﴾ اور اعراض کیا بعض سے ﴿فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ﴾ پس جس وقت خبر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوی کو اس بات کی ﴿قَالَتْ﴾ اس نے کہا ﴿مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا﴾ کس نے خبر دی ہے آپ کو اس کی ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ خبر دی مجھ کو جاننے والے خبردار نے ﴿اِنْ تَتُوْبَآ﴾ اگر تم دونوں توبہ کرو ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ پس تحقیق مائل ہو چکے ہیں تمھارے دل ﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ اور اگر تم چڑھائی کرو گی پیغمبر کے خلاف ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ مَوْلٰىهُ﴾ وہ آپ کا آقا ہے ﴿وَجِبْرِيْلُ﴾ اور جبریل علیہ السلام ﴿وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نیک مومن ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ اس کے بعد امدادی ہیں ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ﴾ قریب ہے کہ اس کا رب ﴿اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ اگر وہ طلاق دے دے تم کو ﴿اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ﴾ تبدیل کر دے گا اس کے لیے ﴿اَزْوَاجًا﴾ عورتیں ﴿خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ تم سے بہتر ﴿مُسْلِمٰتٍ﴾ فرمانبردار ﴿مُّؤْمِنٰتٍ﴾ ایمان دار ﴿قٰنِتٰتٍ﴾ اطاعت کرنے والیاں ﴿تٰٓئِبٰتٍ﴾ توبہ کرنے والیاں ﴿عٰبِدٰتٍ﴾ عبادت کرنے والیاں ﴿سٰٓئِحٰتٍ﴾ ہجرت کرنے والیاں ﴿ثَيِّبٰتٍ﴾ بیاہی ہوئیں ﴿وَّاَبْكَارًا﴾ اور کنواریاں۔

شانِ نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے والی کل گیارہ بیویاں تھیں۔ دو کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں وفات ہوگئی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت زینب اُم المساکین رضی اللہ عنہا کچھ عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں رہ کر وفات پا گئیں۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نو بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام بیویوں کو رہائش کے لیے چھوٹے چھوٹے کمرے بنا کر دیئے تھے۔ مسجد نبوی کی بائیں طرف (یعنی شرقی جانب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کمرہ وہی ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرقد مبارک ہے۔ اسی لائن میں دوسرے کمرے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تمام بیویوں سے حال اور ضرورت پوچھتے تھے کہ کسی شے کی ضرورت ہے۔ آخری کمرے کی طرف سے شروع فرماتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں اختتام ہوتا تھا۔ ہر بیوی کے پاس دو تین منٹ بیٹھتے اور پوچھتے کہ تمھیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آیا وہ آپ کو پیش کر دیتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد بہت پسند تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے تھے۔ شہد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [النحل:۶۹] "اس میں شفا ہے لوگوں کے لیے۔" جس کے بارے میں رب نے شفا فرمایا ہے یقیناً اس میں شفا ہے۔ جالینوس یونانیوں کا بہت بڑا حکیم گزرا ہے۔ حکیم لوگ معدے کی اصلاح اور دردوں کے لیے جالینوس استعمال کراتے ہیں۔ جالینوس کہتا ہے کہ ٹھنڈی (سرد) بیماریوں کے لیے شہد سے زیادہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ نزلہ زکام، لقوہ، فالج، نمونیہ وغیرہ کے لیے شہد سے بہتر کوئی شے نہیں ہے۔ بعض دفعہ مفرد شہد کام آتا ہے اور بعض دفعہ دواؤں میں ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔

تو خیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد سے بہت پیار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا شہد نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیتیں آپ کھاتے، دیر ہو جاتی۔ دوسری بیویوں کے پاس تھوڑی دیر بیٹھتے۔ چونکہ عصر اور مغرب کے درمیان وقت تھوڑا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں مشورہ کیا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس زیادہ دیر بیٹھتے تھے اور اب بالکل مختصر۔ وجہ کیا ہے؟ تلاش کرو۔ چنانچہ اس بات پر جب اُنھوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد پیش کرتی ہیں اس کے کھانے کی وجہ سے وہاں دیر ہو جاتی ہے اور بعد میں وقت تھوڑا رہ جاتا ہے۔ اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم میں سے کسی کے پاس آئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ مبارک کے قریب ہو کر کہہ دے کہ حضرت مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ مغافیر ایک پودے کا نام ہے جس سے گوند نکلتی ہے۔ اس سے قدرے بو آتی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُو سے سخت نفرت تھی تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد کا استعمال چھوڑ دیں گے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو اُنھوں نے قریب ہو کر کہہ دیا کہ حضرت! ایسا لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغافیر کھایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ ان کو شہد کھانا ناگوار گزرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم اُٹھالی کہ

آئندہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا اگر میرے شہد کھانے سے تمھیں تکلیف ہوتی ہے۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کسی اور کو نہ بتلانا۔ ان سے غلطی ہوئی کہ اُنھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دیا۔ چوں کہ دونوں کا راز ایک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی نے راز کی بات آگے بتلا دی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ بھی فرمائی کہ میں نے کہا تھا آگے نہ بتلانا تم نے آگے بتلا دیا ہے۔ وہ کہنے لگیں حضرت! آپ کو کس نے بتلایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب نے بتلایا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ یہ ہے اس سورت کا شانِ نزول۔

یہ ہجرت کے دسویں سال کا واقعہ ہے۔ اور نزول کے اعتبار سے اس سورت کا ایک سو ساتواں نمبر ہے۔ اس کے بعد صرف سات سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ اس واقعہ سے کئی عقائد ثابت ہوتے ہیں۔

❀ ...... اس سے پہلا عقیدہ تو یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر ان کا عقیدہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب ہیں تو کبھی آپس میں مشورہ نہ کرتیں کہ ایسا کہنا اور میں ایسے کہوں گی۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ تو نے راز نہیں رکھا آگے بتلا دیا ہے تو وہ یہ نہ پوچھتی کہ آپ کو کس نے بتلایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے رب تعالیٰ نے بتلایا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں غائب کا عقیدہ ہوتا تو یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور حاضر و ناظر کی بھی نفی ہوگئی۔

❀ ...... دوسرا عقیدہ یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلال و حرام کا اختیار نہیں تھا۔ بلکہ حلال کرنا اور حرام کرنا یہ رب تعالیٰ کا کام ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد صرف اپنی ذات کے لیے حرام کیا تھا نہ امت کے لیے اور نہ ہی اپنے خاندان کے لیے۔ اور رب تعالیٰ نے اس پر پوری سورت نازل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ جس چیز کو میں نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام کرتے ہیں؟ فرمایا قسم توڑ و اور شہد کا استعمال کرو۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ اس میں لہسن اور پیاز تھا۔ آج بھی لوگ لہسن اور پیاز کو سلاد کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تم کھاؤ میں نہیں کھاؤں گا۔ پوچھنے والوں نے پوچھا حضرت! یہ لہسن حرام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز کو رب تعالیٰ نے حلال کیا ہے میں اس کو حرام نہیں کر سکتا مگر اِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَّمْ تُنَاجُوْا میرے پاس فرشتے آتے ہیں میں ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں اور ان کو بدبو سے نفرت ہے اس لیے میں نہیں کھاتا۔ یہ حرام نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ علی (رضی اللہ عنہ) ابوجہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ یہ مسلمان ہوگئی تھی اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھی۔ باپ تو بدر میں قتل ہو گیا تھا یہ بعد کی بات ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تو جویریہ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خیال (ارادہ تو) ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ ابوجہل کی لڑکی تیرے لیے حلال نہیں ہے لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا "جس چیز کو رب تعالیٰ نے حلال کیا ہے میں اس چیز کو حرام نہیں کر سکتا" لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے

دشمن کی بیٹی اکٹھے نہیں رہ سکتیں۔ کیوں کہ میری بیٹی کا مزاج علیحدہ ہے اور اُس خاندان کا مزاج الگ ہے۔ میری بیٹی اس کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی۔

مزاج کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر میاں بیوی کا مزاج مل جائے تو وہ گھر جنت ہے۔ اور اگر مزاج نہ ملے تو دوزخ ہے۔ میاں بیوی کے لیے بھی اور بچوں کے لیے بھی۔ اسی لیے شریعت نے کفو کا مسئلہ رکھا ہے کہ رشتہ کرتے وقت خاندان اور برادری کا لحاظ رکھو۔ آج لوگ عموماً بعض اور چیزیں دیکھ کر رشتے کر لیتے ہیں۔ پھر بڑی بدمزگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا اپنا مزاج، سسرال کا مزاج، لڑکی کا مزاج اور لڑکے کا مزاج دیکھ کے رشتہ کرنا چاہیے۔

تو فرمایا ابوجہل کی بیٹی تمھارے لیے حلال ہے میں حرام نہیں کرسکتا لیکن میری بیٹی کا اس کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! میری تو بہ فاطمہ کی موجودگی میں مَیں کسی اور کے ساتھ کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ چنانچہ جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ اس کے بعد پھر اور نکاح کیے ہیں۔ تو حلال حرام کرنا بھی رب تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿لِمَ تُحَرِّمُ﴾ کیوں حرام قرار دیتے ہیں ﴿مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ جو چیز حلال کی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے۔ جو چیز شرعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھی آپ نے اس کو کیوں حرام قرار دیا ہے ﴿تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ آپ چاہتے ہیں اپنی بیویوں کی رضا۔ دیکھو! کتنے سخت الفاظ ہیں کہ بیویوں کی رضا کے لیے میری حلال چیز کو حرام کر دیا ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ تحقیق فرض کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ﴿تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ﴾ کھولنا تمھاری قسموں کو۔ (تمھاری قسموں کا) توڑنا رب تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔

مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا وہ میرے لیے حرام ہے۔ تو اس پر قسم کا کفارہ آئے گا۔ اگر کسی حلال چیز کو حرام کہہ دے تو اس کو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ کفارے کا ذکر ساتویں پارے میں موجود ہے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا کپڑے پہنانا ہے یا غلام آزاد کرنا ہے۔ جس آدمی میں ان چیزوں کی ہمت نہ ہو تو وہ تین روزے رکھ لے۔

تو فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا توڑنا ﴿وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمھارا آقا ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہی جاننے والا حکمت والا ہے ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ﴾ اور جس وقت چھپا کر کہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا﴾ اپنی ایک بیوی سے بات۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے اپنی ذات کے لیے شہد حرام کر لیا ہے یہ بات تمھارے تک محدود رہے اور کسی کو نہ بتلانا ﴿فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ﴾ پس جس وقت بتلا دی اس نے وہ بات حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے شہد حرام کرلیا ہے ﴿وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ظاہر کردیا اس بات کو پیغمبر پر کہ آپ کی بیوی حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ خبر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتلادی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کے طور پر اس بات کا کچھ حصہ اپنی بیوی پر ظاہر کردیا کہ تم نے شہد والا قصہ آگے چلا دیا ہے ﴿وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ﴾ اور اعراض کیا کچھ حصے سے، اس کو ظاہر نہ کیا۔ پوری بات نہ بتلائی کہ میں نے شہد حرام کیا تھا اور تجھے کہا تھا کہ آگے نہ بتلانا۔ وہ سارا قصہ آگے بیان نہ کیا۔ مثلاً: فرمایا کہ تم نے شہد والا قصہ آگے چلا دیا۔ سارا واقعہ اس لیے نہ دُہرایا کہ بی بی زیادہ شرمندہ نہ ہو۔

﴿فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ﴾ پس جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی بیوی کو اس بات کی کہ تم نے بات آگے بتلادی ہے ﴿قَالَتْ﴾ وہ کہنے لگی ﴿مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا﴾ کس نے خبر دی ہے آپ کو اس بات کی کہ میں نے آگے بتلادی ہے ﴿قَالَ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ خبر دی مجھ کو جاننے والے خبردار نے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہوتے تو فرماتے تجھے علم نہیں ہے کہ میں غیب دان ہوں کسی کو مجھے بتلانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر فرمایا مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے۔

﴿اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ اگر تم دونوں توبہ کرو اللہ تعالیٰ کی طرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ پس تحقیق تم دونوں کے دل توبہ کی طرف مائل ہیں۔ غلطی تو تم دونوں نے کی ہے لیکن ﴿وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ﴾ اور اگر تم چڑھائی کروگی پیغمبر کے خلاف، ضد پر اڑی رہوگی تو یاد رکھو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ وہ اس کا آقا ہے ﴿وَ جِبْرِيْلُ﴾ اور جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہیں ﴿وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نیک مومن سب آپ کے ساتھ ہیں ﴿وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾ اور فرشتے اس کے بعد امدادی ہیں۔ اس لیے غلطی کا اقرار کرو اور توبہ کرو رب سے معافی مانگو ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ﴾ قریب ہے کہ اس کا رب تبارک وتعالیٰ ﴿اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ اگر بالفرض وہ تمھیں طلاق دے دے ﴿اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ﴾ تو وہ اللہ تعالیٰ تبدیل کردے گا اس کے لیے ﴿اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ عورتیں تم سے بہتر۔ یہ نہ سمجھو کہ ہم ہی ہیں۔ ہوسکتا ہے رب تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں دے دے۔

ان کی خوبیاں کیا ہوں گی؟ ﴿مُسْلِمٰتٍ﴾ فرماں بردار ہوں گی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی کرنے والیاں ہوں گی ﴿مُّؤْمِنٰتٍ﴾ ایمان لانے والیاں ہوں گی جن چیزوں پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿قٰنِتٰتٍ﴾ اطاعت کرنے والیاں ہوں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ عام بیویوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اپنے خاوند کی جائز کاموں میں اطاعت کرنے والی ہوں۔ ﴿تٰٓىِٕبٰتٍ﴾ توبہ کرنے والیاں ہوں گی۔ حدیث پاک میں آتا ہے بَنِيْ اٰدَمَ كُلُّكُمْ خَطَّاءُوْنَ "تم سب اولادِ آدم خطا کار ہو وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ اَلتَّوَّابُوْنَ اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔"

﴿عٰبِدٰتٍ﴾ عبادت کرنے والیاں ہوں گی ﴿سٰٓىِٕحٰتٍ﴾ ہجرت کرنے والیاں ہوں گی۔ سَاحَ يَسِيْحُ سیاحۃ کا معنیٰ ہے سفر کرنا۔ بعض مفسرین نے ﴿سٰٓىِٕحٰتٍ﴾ کا معنیٰ کیا ہے روزے رکھنے والیاں ہوں گی۔ یعنی نفلی روزے کثرت سے رکھیں گی ﴿ثَيِّبٰتٍ﴾ بیاہی ہوئی ہوں گی۔ یعنی جن کی پہلے شادی ہوچکی ہوگی، بیوہ ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ جتنی عورتیں آئیں سب بیوہ تھیں۔ کسی کا خاوند فوت ہوگیا تھا اور کوئی مطلقہ تھی۔ صرف حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں۔حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے دو خاوند فوت ہو چکے تھے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔اُنھوں نے طلاق دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا۔﴿وَّ اَبۡكَارًا﴾ باکرہ کی جمع ہے۔اور کنواریاں بھی دے سکتا ہے۔لہٰذا تم اپنی غلطی پر اصرار نہ کرو رب تعالیٰ سے معافی مانگو۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿قُوۡۤا﴾ بچاؤ ﴿اَنۡفُسَكُمۡ﴾ اپنی جانوں کو ﴿وَ اَهۡلِیۡكُمۡ﴾ اور اپنے گھر والوں کو ﴿نَارًا﴾ دوزخ کی آگ سے ﴿وَّقُوۡدُهَا﴾ جس کا ایندھن ﴿النَّاسُ﴾ انسان ہوں گے ﴿وَالۡحِجَارَةُ﴾ اور پتھر ہوں گے ﴿عَلَیۡهَا مَلٰٓئِكَةٌ﴾ اس پر مقرر ہوں گے فرشتے ﴿غِلَاظٌ﴾ سخت دل والے ﴿شِدَادٌ﴾ سخت پکڑ والے ﴿لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ﴾ نہیں نافرمانی کریں گے اللہ تعالیٰ کی ﴿مَاۤ اَمَرَهُمۡ﴾ جو ان کو حکم دے گا ﴿وَیَفۡعَلُوۡنَ﴾ اور کرتے ہیں ﴿مَا یُؤۡمَرُوۡنَ﴾ جو ان کو حکم دیا جاتا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا﴾ اے وہ لوگو جو کافر ہو ﴿لَا تَعۡتَذِرُوا الۡیَوۡمَ﴾ مت عذر پیش کرو آج کے دن ﴿اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ﴾ بے شک تم کو بدلہ دیا جائے گا ﴿مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ اس چیز کا جو تم کرتے تھے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ﴾ رجوع کرو تم اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا﴾ رجوع کرنا اخلاص کے ساتھ ﴿عَسٰی رَبُّكُمۡ﴾ قریب ہے کہ تمھارا رب ﴿اَنۡ یُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ﴾ کہ مٹا دے تم سے ﴿سَیِّاٰتِكُمۡ﴾ تمھاری بُرائیاں ﴿وَیُدۡخِلَكُمۡ﴾ اور داخل کرے گا تم کو ﴿جَنّٰتٍ﴾ ایسے باغوں میں ﴿تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ﴾ جس دن نہیں رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ﴾ اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس کے ساتھ ﴿نُوۡرُهُمۡ یَسۡعٰی﴾ ان کا نور دوڑ رہا ہوگا ﴿بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ﴾ ان کے آگے ﴿وَبِاَیۡمَانِهِمۡ﴾ اور ان کے دائیں طرف ﴿یَقُوۡلُوۡنَ﴾ وہ کہیں گے ﴿رَبَّنَاۤ﴾ اے ہمارے رب ﴿اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا﴾ مکمل کر دے ہمارے نور کو ﴿وَاغۡفِرۡ لَنَا﴾ اور ہمیں بخش دے ﴿اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کیا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمھیں دو حکم ہیں ﴿قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ بچاؤ اپنی جانوں کو ﴿نَارًا﴾ آگے آرہا ہے، دوزخ کی آگ سے ﴿وَ اَهۡلِیۡكُمۡ نَارًا﴾ اور اپنے گھر والوں کو، اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ایک حکم یہ کہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ نیک عمل کر کے اور بُرے عملوں سے بچ کر۔یہ موٹی موٹی چیزیں ہیں دوزخ سے بچانے والی کہ ایمان کے ساتھ عمل بھی کرو کہ جو چیزیں دوزخ میں لے جانے کا سبب ہیں قولی ہوں یا فعلی ہوں ان سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ۔یہ دو فرض ہیں تمھارے۔خود کو دوزخ سے

بچانا اور جن جن پر تمھارا اثر ہے، بیوی ہے، اولاد ہے، چھوٹے بہن بھائی ہیں، تمھارے شاگرد اور ملازم ہیں، مرید ہیں، ان کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانا۔ اگر تم نے اس میں کوئی کوتاہی کی کہ خود تو اچھے عمل کرتے رہے لیکن اہل و عیال کا فکر نہ کیا تو عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

مسئلہ

مسئلہ سمجھ لیں۔ اگر مرنے والا گھر والوں پر مسئلہ واضح کر کے نہیں گیا کہ آواز کے ساتھ رونا گناہ ہے تو اس کے مرنے کے بعد جب گھر والے روئیں گے تو اس کو عذاب ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں روایت ہے اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَھْلِہٖ عَلَیْہِ "بے شک میت کو عذاب دیا جاتا ہے گھر والوں کو اس پر رونے کی وجہ سے۔" یہ رو رہے ہیں اور اس کی پٹائی ہو رہی ہے۔ یہاں اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم آیت نمبر ۳۸ میں ضابطہ بیان فرمایا ہے ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ "کہ نہیں اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ۔" تو روتے تو گھر والے ہیں۔ بیوی روتی ہے، اولاد روتی ہے بہن بھائی روتے ہیں۔ اس کو کیوں سزا ہوتی ہے ان کی وجہ سے؟

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو سزا اس لیے ہوتی ہے کہ اس نے گھر والوں کو مسئلہ نہیں بتلایا۔ گھر والوں کو سمجھانا اس کا فریضہ تھا کہ گھر والوں کو بتاتا کہ آواز کے ساتھ نہیں رونا۔ تو اس کو سزا اپنے فریضے میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دیکھنا! کسی کے مرنے پر نہ رونا تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے آنسو جاری ہو گئے کوئی گناہ نہیں ہے۔ آواز سے رونا منع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا وَ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللہِ "حضرت! آپ بھی روتے ہیں؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے سے منع فرمایا ہے وَ اَشَارَ اِلٰی لِسَانِہٖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے زبان کے ساتھ رونے سے منع کیا ہے۔" آنکھوں میں آنسوؤں کا آجانا رب تعالیٰ کی رحمت ہے گناہ نہیں ہے، دل میں صدمہ ہو گناہ نہیں ہے، طبیعت پریشان ہو گناہ نہیں ہے۔

تو اگر مرنے والے نے زبان سے رونے سے منع نہیں کیا تو اس کو سزا ہوگی اپنی کوتاہی کی وجہ سے۔ اور جو مسئلہ واضح کر کے گیا ہے اس کو سزا نہیں ہوگی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو عورت آواز کے ساتھ روئی، نوحہ کیا، بین کیا اور بغیر توبہ کے مر گئی اس کو گندھک کا کرتہ پہنا کر دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ گندھک کو آگ جلدی پکڑتی ہے۔ تو آواز کے ساتھ رونا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

تو فرمایا اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل و عیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ ﴿وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ﴾ جس کا ایندھن انسان ہوں گے اور پتھر ہوں گے۔ وہاں انسان اور پتھر ایسے جلیں گے جیسے خشک لکڑیاں جلتی ہیں

﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ غِلَاظ غِلِيْظ کی جمع ہے۔غلیظ عربی میں سخت دل والے کو کہتے ہیں۔اور شِدَاد شَدِيْدٌ کی جمع ہے۔شدیداُسے کہتے ہیں جو پکڑ میں سخت ہو۔تو معنیٰ ہوگا اس پر مقرر ہوں گے فرشتے سخت دل والے اور سخت پکڑ والے ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ﴾ وہ نافرمانی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی ﴿مَآ اَمَرَهُمْ﴾ ان چیزوں میں جن کا وہ ان کو حکم دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ جوان کو حکم دیتا ہے وہ پورا کرتے ہیں ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ اور کرتے ہیں جوان کو حکم دیا جاتا ہے رب تعالیٰ کی طرف سے۔

پہلے مومنوں کا ذکر تھا اور اب کافروں کا ذکر ہے۔فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اے وہ لوگو جو کافر ہو ﴿لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ﴾ مت عذر پیش کرو آج کے دن۔قیامت والے دن کافر عجیب عجیب عذر پیش کریں گے۔کبھی کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ [الاحزاب:٦٧] "اے ہمارے رب بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی پس اُنھوں نے ہمیں گمراہ کیا سیدھے راستے سے۔اے رب ہمارے ﴿اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ ان کو دگنا عذاب دے۔" ہمارا عذاب بھی ان کو دے۔اور کبھی کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اے رب ہمارے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" [الانعام:۲۳]

جو کچھ ہم کرتے رہے ہیں اس کو تو ہم شرک ہی نہیں سمجھتے تھے۔رب تعالیٰ فرمائیں گے میں نے عقل دی تھی، سمجھ دی تھی، تمھاری طرف پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں مگر تم نے کسی چیز کی پروانہ کی اور خواہشات کے پیچھے دوڑتے رہے۔تمھاری ان معذرتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔یہاں نہ توبہ ہے اور نہ ایمان ہے۔ان تمام چیزوں کا تعلق دنیا کے ساتھ تھا۔﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک تم کو بدلہ دیا جائے گا اس چیز کا جو تم کرتے تھے دنیا میں۔یہ دار الجزاء ہے۔دنیا میں ہی توبہ کر سکتے تھے، ایمان لا سکتے تھے، نیکی کر سکتے تھے، غرغرے سے پہلے نزع کی حالت سے پہلے انسان سچے دل سے توبہ کرے تو قبول ہے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔مثلاً: ابھی تم نے حدیث سنی کہ جو عورت آواز سے روئے گی اس کو گندھک کا کرتہ پہنا کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔اور یہ عورت کی تخصیص اس لیے ہے کہ ان میں صبر کا مادہ کم ہوتا ہے۔حکم مرد کے لیے بھی یہی ہے۔جو مرد آواز سے رویا اور توبہ نہ کی تو مرنے کے بعد گندھک کا کرتہ پہنا کر دوزخ کے حوالے کیا جائے گا۔زندگی میں توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔حقوق اللہ میں سے جو بھی حق ضائع کیا ہے قاعدے کے مطابق توبہ کرے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔اگر کسی کی حق تلفی کی ہے تو توبہ سے معافی نہیں ہوگی جب تک صاحبِ حق کا حق ادا نہیں کرے گا۔

پھر مومنوں کو خطاب ہے۔فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ﴿تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، توبہ کرو ﴿تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ توبہ اخلاص کے ساتھ۔خالص دل سے توبہ کرو اور خالص دل سے توبہ وہ ہوتی ہے کہ جس گناہ سے توبہ کی ہے پھر وہ گناہ نہ کرے۔اگر پھر کرتا ہے تو پھر توبہ تو نہ ہوئی۔

ہماری توبہ اور تمیزہ بی بی کا وضو

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ان کی مثنوی شریف اب تک پڑھی پڑھائی جاتی تھی۔وہ مثنوی شریف

میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ قحبہ خانہ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ایک عورت بڑی خوب صورت جس کا نام تمیزہ تھا وہاں بیٹھی تھی۔ان کے دل میں خیال آیا کہ رب تعالیٰ نے اس کو عمدہ شکل دی ہے یہ دوزخ میں جائے اچھی بات نہیں ہے۔اس کو سمجھانا چاہیے۔تو اُنھوں نے تمیزہ بی بی کو نصیحت کی کہ دیکھو! رب تعالیٰ نے تجھے جسم دیا ہے اچھی صورت دی ہے، صحت دی ہے، رب تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔اس بات کا اس کے دل پر اثر ہوا۔اس نے توبہ کی۔اس بزرگ نے اس کو وضو کا طریقہ بتلایا کہ اس طرح سے وضو کرو، پھر نماز پڑھو اور نماز کا طریقہ بھی بتلایا کہ اس طرح سے نماز پڑھو۔ایک سال کے بعد اُدھر سے گزر ہوا تو خیال آیا کہ تمیزہ کا حال پوچھوں کہ توبہ پر قائم ہے یا نہیں۔اس سے پوچھا بی بی! تم نماز پڑھتی ہو؟ اس نے کہا کہ جس دن سے آپ نے شروع کرائی ہے اس دن سے لے کر آج تک میں نے نماز نہیں چھوڑی۔فرمایا وضو بھی کرتی ہو؟ کہنے لگی وضو تو آپ نے کرا دیا تھا۔

مولانا روم واقعہ رحمۃ اللہ علیہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہماری توبہ بھی تمیزہ بی بی کا وضو ہے کہ ایک دفعہ کرلو پھر کچھ بھی ہو نہیں ٹوٹتا۔اس کا وضو پیشاب پاخانے سے بھی نہ ٹوٹا۔یہی حال ہے ہماری توبہ کا کہ ہم توبہ کر کے سارے گناہ کرتے رہتے ہیں اور ہماری توبہ نہیں ٹوٹتی۔

تو فرمایا توبہ کرو اخلاص کے ساتھ پھر وہ گناہ نہ ہو ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ﴾ قریب ہے کہ تمھارا رب ﴿اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ﴾ مٹا دے گا تمہاری خطائیں۔توبہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھارے وہ گناہ معاف کر دے گا جو توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔اور جو محض توبہ سے معاف نہیں ہوتے ان کی معافی نہیں ہے مگر ان کے ادا کرنے کے ساتھ۔جیسے: نماز ہے، روزہ ہے، حقوق العباد ہیں۔یہ قضا کرنے سے معاف ہوں گے ﴿وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ﴾ اور داخل کرے گا تمھیں ایسے باغوں میں جاری ہوں گی ﴿مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے نیچے نہریں۔کوثر کی نہر، سلسبیل کی نہر، کافور کی اور زنجبیل کی، شہد اور دودھ کی نہر ہوگی، شرابِ طہور کی نہر ہوگی، خالص پانی کی نہر ہوگی۔عجیب قسم کا نقشہ ہوگا۔ان نعمتوں اور خوشیوں کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہمارے تصور میں آسکتی ہیں۔

اسی طرح جہنم کا عذاب اور اس کی پریشانیاں بھی ہمارے تصور میں نہیں آسکتیں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے اُنہتر گنا تیز ہوگی اور انسان اس میں زندہ رہیں گے۔اس میں سانپ بھی ہوں گے، بچھو بھی ہوں گے خچر خچر کے برابر۔تھوہر اور ضریع کے درخت بھی ہوں گے۔ظاہر بات ہے کہ عقل تو نہیں مانتی۔اسی لیے سطحی قسم کے لوگ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں مانتے نہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان پختہ ہو تو سب کچھ ماننا پڑتا ہے۔اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے وہ قادر مطلق ہے۔آخرت کو دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔دنیا میں دودھ کی نہر چل رہی ہو کوئی نہیں مانتا لیکن وہاں ہمیشہ چلے گی اور دودھ دودھ ہی رہے گا۔نہ دہی بنے گا اور نہ کھٹا ہوگا۔ایک ایک جنتی کو ساٹھ ساٹھ میل کے رقبے میں کوٹھیاں ملیں گی۔یہ باتیں ہم یہاں تو نہیں سمجھ سکتے مگر سب کچھ ہوگا۔

فرمایا ﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ﴾ جس دن نہیں رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اور ان

لوگوں کو بھی جو ایمان لائے اس کے ساتھ رسوا نہیں کرے گا۔ جو دوزخ میں ڈالا گیا رسوا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بھی رسوا نہیں کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب مومنین کو بھی رسوا نہیں کریں گے بلکہ ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ان کا نور دوڑ رہا ہوگا ان کے آگے۔ یہ جس وقت قبروں سے نکلیں گے تو نورِ ایمان، نورِ اسلام، نورِ توحید، نورِ سنت حسی طور پر آگے ہوگا۔ جیسے گاڑی کے آگے بتیاں ہوتی ہیں یا جیسے ہمارے سامنے یہ ٹیوبیں جل رہی ہیں ﴿وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

منافقوں کے لیے نور نہیں ہوگا۔ مومن جب چلیں گے تو منافق اندھیرے میں ہوں گے مومنوں کو کہیں گے ﴿انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا﴾ [الحدید:۱۲] "دیکھو ہماری طرف دھیان کرو تاکہ ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمھاری روشنی سے، کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے پس تلاش کرو روشنی۔" وہ بے وقوف سمجھیں گے کہ شاید یہیں میدانِ محشر میں چند قدم پیچھے سے نور ملتا ہے۔ مگر پیچھے سے مراد تو یہ ہوگا کہ دنیا سے ملتا ہے اب یہاں نہیں ملے گا۔ منافق پیچھے مڑ کر دیکھیں گے تو درمیان میں دیوار حائل کر دی جائے گی۔ منافق اندھیرے میں رہ جائیں گے۔

آگے نور اس لیے ہوگا کہ آدمی کو چلنے کے لیے آگے (سامنے) روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دائیں طرف اس لیے ہوگا کہ مومن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ فرشتے سامنے سے آکر بڑے ادب واحترام سے، پیار محبت سے سلام کریں گے اور دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیں گے۔ اور منافقوں، کافروں اور مشرکوں کو پیچھے سے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑائیں گے بڑے بُرے حال کے ساتھ۔ جیسے کوئی ناراضگی کی حالت میں کوئی شے کسی کو پکڑاتا ہے۔ اس وقت وہ کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ﴾ [الحاقۃ: پارہ ۲۹] "کاش کہ میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا ﴿وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ﴾ اور میں نہیں جانتا میرا حساب کیا ہے؟" ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ "اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو ﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ [الفرقان:۲۷] کہے گا کاش کہ میں نے پکڑ لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔" فلاں کے ساتھ دوستی نہ ہوتی اس نے میرا بیڑا غرق کر دیا لیکن اس وقت اس واویلا کا فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی ہیں اور واضح کر دی ہیں تاکہ کل کو کوئی پچھتائے نہ۔

تو فرمایا ایمان والوں کے سامنے اور دائیں طرف نور دوڑتا ہوگا ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ اے ہمارے رب مکمل کر دے ہمارے نور کو۔ جہاں تک ہم نے جانا ہے وہاں تک ہمارے نور کو مکمل کر دے۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کی عدالت وہاں سے کافی دور ہوگی۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب سے سب آئیں گے ﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ اور ہمیں بخش دے ﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اب وقت ہے ایمان کو قوی کرو، اعمالِ صالحہ اپناؤ، گناہوں سے بچو۔ کل معذرت قبول نہیں ہوگی۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ ﴾ آپ جہاد کریں کافروں کے ساتھ ﴿ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ﴾ اور منافقوں کے ساتھ ﴿ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ﴾ اور ان پر سختی کریں ﴿ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے ﴿ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴾ اور بہت بُرا ٹھکانا ہے ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ بیان کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ﴿ لِّلَّذِیْنَ ﴾ اُن لوگوں کے لیے ﴿ كَفَرُوا ﴾ جو کافر ہیں ﴿ امْرَاَتَ نُوْحٍ ﴾ نوح علیہ السلام کی بیوی کی ﴿ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ﴾ اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی ﴿ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ ﴾ تھیں دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں ﴿ فَخَانَتٰهُمَا ﴾ پس ان دونوں نے خیانت کی ﴿ فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا ﴾ پس نہ کام آئے وہ دونوں ان دونوں کے لیے ﴿ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی ﴿ وَّ قِیْلَ ﴾ اور کہا گیا ﴿ ادْخُلَا النَّارَ ﴾ داخل ہو جاؤ تم دونوں آگ میں ﴿ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ﴾ داخل ہونے والوں کے ساتھ ﴿ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ اور بیان کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ﴿ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا ﴾ اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ﴿ امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ﴾ فرعون کی بیوی کی ﴿ اِذْ قَالَتْ ﴾ جس وقت کہا اُس نے ﴿ رَبِّ ابْنِ لِیْ ﴾ اے میرے رب بنا میرے لیے ﴿ عِنْدَكَ ﴾ اپنے پاس ﴿ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ ﴾ گھر جنت میں ﴿ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ ﴾ اور نجات دے مجھے فرعون سے ﴿ وَ عَمَلِهٖ ﴾ اور اس کی کارروائی سے ﴿ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے ﴿ وَ مَرْیَمَ ﴾ اور مریم کی مثال بیان کی ﴿ ابْنَتَ عِمْرٰنَ ﴾ عمران کی بیٹی ﴿ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ﴾ جس نے حفاظت کی اپنی شرم گاہ کی ﴿ فَنَفَخْنَا فِیْهِ ﴾ پس پھونک ماری ہم نے اس کے بدن میں ﴿ مِنْ رُّوْحِنَا ﴾ اپنی طرف سے روح ﴿ وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا ﴾ اور اس نے تصدیق کی اپنے رب کے کلمات کی ﴿ وَ كُتُبِهٖ ﴾ اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی ﴿ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴾ اور تھی اطاعت کرنے والیوں میں سے۔

منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم :

عقائد ضروریہ میں سے کسی شے کا اگر کوئی انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ اور جو زبان سے تو اقرار کرے اور دل سے تسلیم نہ کرے وہ منافق ہے۔ کچھ منافق ایسے تھے کہ نشانیوں سے، علامتوں سے، اور ان کی کارروائیوں سے ان کا نفاق واضح تھا۔ اور ایسے منافق بھی تھے جو منافقت میں بہت سخت تھے۔ ان کی منافقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۰۱ میں ہے ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ "آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔" ان کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں تھا۔

اور جن کا نفاق نشانیوں، علامتوں اور کارروائیوں سے ظاہر تھا ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ جہاد کرو اور یہ جہاد زبانی ہے، تلوار کے ساتھ نہیں ہے۔ تلوار کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! ہم کافروں کے ساتھ لڑنے کے لیے دور دراز کا سفر کرتے ہیں تو جن لوگوں کا منافق ہونا معلوم ہے ان کے ساتھ کیوں نہ لڑیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے ساتھ تلوار کا جہاد نہیں ہے۔ کیوں اگر ہم نے ان کے ساتھ تلوار کا جہاد کیا تو اِنَّ النَّاسَ یَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ یَقْتُلُ اَصْحَابَہٗ "لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔"

یہ لوگ کلمہ بھی پڑھتے ہیں زبانی طور پر، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، بظاہر روزے بھی رکھتے ہیں۔ دوسرے نیکی کے کاموں میں حصہ بھی لیتے ہیں۔ اگر ان کو قتل کیا گیا تو سطحی قسم کے لوگ کہیں گے کہ کلمہ پڑھنے والوں کو قتل کیا گیا ہے کیوں کہ دنیا میں سمجھ دار لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ اکثریت سطحی ذہن رکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ تو کافروں کے ساتھ جہاد تلوار کے ساتھ ہے اور منافقوں کے ساتھ زبان کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جہاد کریں کافروں کے ساتھ اور منافقوں کے ساتھ ﴿وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ﴾ اور ان پر سختی کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بہت نرم مزاج تھے۔ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۵۹ میں ہے ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ "پس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے آپ ان کے لیے نرم ہیں ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک بہت نرم تھا جس سے منافق غلط فائدہ اُٹھاتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم غلطی کریں بھی تو کس نے پوچھنا ہے؟ یہ بڑے نرم مزاج ہیں نہیں پوچھتے۔

تو انتظامی اُمور میں نرمی سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر غلطی پر سختی نہ کی جائے تو دنیا کا نظام نہیں چلتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان پر سختی کریں ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے۔ اور کیا پوچھتے ہو؟ ﴿وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ اور بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مسلمان مرد و عورت کو بچائے اور محفوظ رکھے۔

محض نسبت کام نہیں آئے گی

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی اہم بات سمجھائی ہے کہ نیکوں کے ساتھ نسبت تب کام آئے گی کہ تم بھی نیک ہو۔ تمھارا ایمان اور عمل درست ہو۔ اگر تمھارا ایمان اور عمل درست نہیں ہے تو پھر نیکوں کے ساتھ نسبت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نیک لوگوں کے ساتھ نسبت ہے اور اپنا ایمان اور عمل بھی صحیح ہے تو پھر سونے پر سہاگا ہے، نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے۔ مثلاً: ایک آدمی سید ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہے، صحیح العقیدہ ہے، نماز روزے کا پابند ہے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کا شرف اور نسبت نورٌ علیٰ نور ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ سید ہے اور عقیدہ خراب ہے، بے نماز ہے، روزہ نہیں رکھتا، بھنگ چرس پیتا ہے تو

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا چھ قسم کے آدمی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور میں بھی اُن پر لعنت بھیجتا ہوں۔ان چھ میں سے ایک وہ ہے جو میری اولاد میں سے ہو کر دین کی پابندی نہیں کرتا۔رب تعالیٰ کے ہاں بھی ملعون ہے اور میں بھی اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔کیوں کہ میری اولاد ہونے کا معنیٰ تو یہ تھا کہ یہ میرے دین کی حفاظت کرتا، میرے دین کا محافظ اور چوکیدار ہوتا اور یہ خود چور بن گیا ہے۔تو چوکیدار ہی چوری کرنے لگ جائے تو اس کا جرم زیادہ شمار ہوتا ہے۔

تو نیکوں کے ساتھ نسبت کے ساتھ ساتھ خود بھی نیک ہے تو یہ نسبت نور علیٰ نور ہے۔اپنا ایمان عمل صحیح نہیں اور محض نیک لوگوں کے ساتھ پر گھمنڈ کرنا کہ میرا باپ بڑا نیک تھا، میرا دادا بڑا نیک تھا، ہم سید ہوتے ہیں۔تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سنو! ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ﴿لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾ اُن لوگوں کے لیے جو کافر ہیں۔کفر کرتے ہوئے نیک لوگوں کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں۔اس تعلق سے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔رب تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے ﴿امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ﴾ نوح علیہ السلام کی بیوی کی جس کا نام واہلہ تھا لاہوری ہا کے ساتھ۔اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی جس کا نام واعلہ تھا عین کے ساتھ ﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ﴾ یہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ پس ان دونوں نے ان کے ساتھ مذہبی خیانت کی جسمانی نہیں ﴿فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ پس نہ کام آئے، نہ کفایت کی اللہ تعالیٰ کے دونوں پیغمبروں نے اپنی بیویوں کی اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی۔دونوں پیغمبر اپنی بیویوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔کتنی بڑی نسبت تھی؟ پیغمبر کی بیوی ہونا کوئی چھوٹی نسبت تو نہیں ہے۔

تفسیروں میں حضرت نوح علیہ السلام کی دو بیویوں کا ذکر آتا ہے۔ایک مومنہ تھی جس کے تین بیٹے تھے۔سام، حام اور یافث۔اس نیک بی بی کا اثر تھا کہ تینوں بیٹے مومن تھے۔دوسری بیوی کافرہ تھی۔اس کا ایک بیٹا تھا جس نام کنعان تھا۔اس پر ماں کا اثر تھا وہ کافر تھا۔اسی واسطے حدیث پاک میں آتا ہے کہ چار چیزوں کو سامنے رکھ کر عورت کے ساتھ نکاح کیا جاتا ہے۔مال کی وجہ سے، حسب نسب کی وجہ سے، حسن کی وجہ سے اور دین کی وجہ سے۔لیکن فرمایا فَاظْفُرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تم دین کو سامنے رکھو۔قاعدہ کلیہ تو نہیں کہ ماحول بہت بگڑا ہوا ہے۔لیکن جن گھروں میں دین دار نیک خواتین ہیں ان کی اولاد بہ نسبت دوسروں کے اچھی ہوتی ہے۔اور جن گھروں میں عورتیں بے دین ہیں ان کی اولاد در اولاد خراب ہوتی ہے الا ماشاء اللہ۔ماحول کا اثر ہوتا ہے۔مثلاً: اب سردی کا موسم ہے مری کے علاقہ میں برف باری ہو رہی ہے اور سردی ہمیں یہاں لگ رہی ہے۔اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھو غلط ماحول میں ایک لحہ بھی نہ گزرے۔

تو فرمایا نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔دونوں نے اپنے خاوندوں کے ساتھ مذہبی خیانت کی، پیغمبروں کا عقیدہ نہیں مانا، شرک پر رہیں۔نوح علیہ السلام کی بیوی کے متعلق تفسیروں میں آتا ہے کہ جس وقت نوح علیہ السلام تبلیغ کرتے ان کی بیوی پہنچ جاتی اور کہتی میرا خاوند مجنون ہے اس کے قابو میں نہ آنا۔جب گھر والے اس طرح کی حرکتیں کریں گے تو دوسرے کیا اثر لیں گے۔عوام تو سطحی ہوتے ہیں معاملہ فہم لوگ تو ہمیشہ کم رہے ہیں۔تو جب گھر کا فرد کہے گا کہ

یہ پاگل ہے تو دوسرے تو اور زیادہ کھل کر کہیں گے ﴿مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾ [القمر:۹] "یہ دیوانہ ہے اس کو جھڑک دیا گیا ہے۔" حضرت نوح علیہ السلام جب کسی مجلس میں جاتے تو بے باک قسم کے لوگ دھکے دے کر باہر نکال دیتے کہ پاگل آ گیا ہے۔ پاگل پاگل کہہ کر نکال دیتے تھے۔ اور یہی حالت لوط علیہ السلام کی بیوی کی تھی کہ اپنی برادری کا ساتھ دیا خاوند اور بیٹیوں کا ساتھ نہیں دیا۔

تو اتنی بڑی نسبت بھی کام نہ آئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی تو پیغمبر اپنی بیویوں کو نہ بچا سکے ﴿وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ﴾ اور رب تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا تم دونوں داخل ہو جاؤ دوزخ میں ﴿مَعَ الدّٰخِلِيْنَ﴾ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ جس طرح دوسرے لوگ داخل ہو رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ محض نسبت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آگے دوسری مثال بیان فرمائی کہ تم اچھے ہو تو کامیاب ہو اگرچہ نسبت بُرے کے ساتھ ہو۔ فرمایا ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ اور بیان کی اللہ تعالیٰ نے مثال ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ﴿امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی بیوی کی کہ دیکھو نسبت کتنے بُرے آدمی کے ساتھ تھی کہ وہ خدائی کا دعوے دار تھا۔ اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا۔ بلکہ اس کی سرکشی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لوگوں کو کہا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ [القصص:۳۸] "میں نہیں جانتا تمھارے لیے کوئی الٰہ اپنے سوا۔" "میرے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ مگر اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم رحمہا اللہ بڑی نیک خاتون تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پانی کے تالاب سے نکال کر لایا گیا تو فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا اس کو قتل کرو۔ لیکن فرعون کی بیوی نے کہا ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ [القصص:۹] "اس کو قتل نہ کرو ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔" اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" بی بی کی نیت صاف تھی رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ایمان کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔ کسی سے ایمان حاصل ہو جائے، اصلاح ہو جائے تو بڑی دولت ہے۔ لیکن لوگ تو آج مال کو دولت سمجھتے ہیں۔ آج ہمیں کوئی مال دے دے تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی حق کی بات بتا دے تو اس کی اتنی قدر نہیں ہوتی جتنی مال دینے والے کی ہوتی ہے۔

تو اگر آدمی خود صحیح ہے، مومن ہے اور عمل صالح ہیں اور نسبت بُرے آدمی کی طرف ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً: باپ کافر ہے، دادا کافر ہے، مشرک ہے اور یہ خود مومن ہے، نیک ہے تو اُن کی بُرائی کا وبال اس پر نہیں پڑے گا۔ دیکھو! فرعون کی بیوی کی نسبت کتنے بُرے آدمی کے ساتھ ہے اور وہ خود مومنہ تھی۔ تو اس کا اس پر کچھ اثر نہیں پڑا اور نہ اس کا کچھ بگڑا ہے۔ دیکھو! ابوجہل کا بیٹا عکرمہ رضی اللہ عنہ تھا اور باپ ابوجہل اس اُمت کا فرعون تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صف اوّل کے دشمنوں میں سے تھا مگر بیٹا عمرو صحابی اور فاتح مصر ہے۔

فرمایا ﴿اِذْ قَالَتْ﴾ جس وقت کہا آسیہ بنت مزاحم نے جو فرعون کی بیوی تھی ﴿رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ اے میرے رب بنا میرے لیے اپنے پاس گھر جنت میں ﴿وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ﴾ اور نجات دے مجھ کو فرعون سے اور اس کی کارروائی سے ﴿وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے۔ جس وقت اس بی بی کا ایمان ظاہر ہو گیا کہ۔

موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی ہے تو فرعون نے سختی شروع کر دی کہ میں تو اسلام کو مٹانے کے لیے لٹھ لے کر موسیٰ (علیہ السلام) کے پیچھے پڑا ہوا ہوں اور تم میرے گھر میں اس کا کلمہ پڑھتی ہو۔ حضرت آسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے کہا جو تمھاری مرضی ہے کرو، میں کلمہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ فرعون بڑا سخت گیر تھا۔ "ذوالاوتاد" اس کا لقب تھا، میخوں والا۔ جب کسی کے ساتھ بگڑتا تھا تو اس کے بدن میں میخیں ٹھونک کر سزا دیتا تھا۔ کہنے لگا کہ میں تیرے بدن میں میخیں ٹھونک کر سزا دوں گا۔ حضرت آسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے کہا جو تیرے جی میں آئے کر لے میں کلمہ نہیں چھوڑوں گی۔

چنانچہ ظالم نے اسی طرح کیا کہ اس کو زمین پر لٹا کر ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھکوا کر اس کی چھاتی پر بھاری بھرکم پتھر رکھوا دیا اور ایک ملازم کو کہا کہ تو اس پتھر پر چڑھ کر کھڑا ہو جا۔ ظلم کی بھی انتہا ہے۔ ساری عمر بی بی نے اس کی خدمت کی۔ جو گھر کی خدمت ہوتی ہے اس میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ لیکن اس ظالم نے کلمہ چھڑوانے کے لیے سارے حربے استعمال کیے۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار بندی (خاتون) نے شہادت قبول کر لی مگر ایمان نہیں چھوڑا، کفر اختیار نہیں کیا۔ تو آدمی اگر خود صحیح ہو تو بُرے کے ساتھ نسبت تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ جس طرح آسیہ کا نسبت نے کچھ نہیں بگاڑا۔

تیسری مثال دی کہ تم خود مومن ہو، نیک ہو اور تمھاری نسبت نہ نیک کے ساتھ ہے اور نہ بد کے ساتھ ہے تو تم کامیاب ہو جیسے: مریم علیہا السلام۔ فرمایا ﴿وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ﴾ اور مریم کی مثال جو بیٹی ہے عمران کی ﴿الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ جس نے محفوظ رکھا اپنی شرم گاہ کو ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾ پس ہم نے پھونکی اس کے بدن میں اپنی طرف سے روح۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ان کے پیٹ میں شروع ہو گیا۔ ویسے تو نسل کا سلسلہ میاں بیوی کے ملاپ سے چلتا ہے لیکن یہاں یہ بات نہیں تھی۔ بس جبرئیل علیہ السلام کی پھونک ہی سے ان کے پیٹ میں عیسیٰ علیہ السلام کا وجود (بننا) شروع ہو گیا۔

فرمایا ﴿وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا﴾ اور اس نے تصدیق کی اپنے رب کے کلمات کی۔ رب تعالیٰ کے احکام اور فیصلوں کو سچا مانا ﴿وَ كُتُبِهٖ﴾ اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔ اور کیا پوچھتے ہو؟ ﴿وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ اور تھی وہ اطاعت کرنے والیوں میں سے۔ جو رب تعالیٰ کے اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں ان میں سے تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُلۡكِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ

(۲۹)

آیاتھا ۳۰ (۶۷) سُوْرَۃُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ﴾ بابرکت ہے وہ ذات ﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ جس کے ہاتھ میں ہے ملک ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہ ذات ہر چیز پر قادر ہے ﴿الَّذِيْ﴾ وہ ذات ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو ﴿لِيَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمھارا امتحان لے ﴿اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کون اچھا ہے از روئے عمل کے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ﴾ اور وہ غالب ہے ﴿الْغَفُوْرُ﴾ بخشنے والا ہے ﴿الَّذِيْ﴾ وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ﴾ جس نے پیدا کیے ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ سات آسمان ﴿طِبَاقًا﴾ تہہ بہ تہہ ﴿مَا تَرٰى﴾ آپ نہیں دیکھیں گے ﴿فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کے پیدا کرنے میں ﴿مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ کوئی فرق ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ﴾ پھر لوٹا نگاہ ﴿هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ کیا دیکھتا ہے کوئی سوراخ ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ﴾ پھر لوٹا نگاہ ﴿كَرَّتَيْنِ﴾ بار بار ﴿يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ﴾ لوٹے گی تیری طرف نگاہ ﴿خَاسِئًا﴾ ذلیل ہو کر ﴿وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴾ اور وہ تھکی ہوئی ہوگی ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے مزین کیا آسمانِ دنیا کو ﴿بِمَصَابِيْحَ﴾ ستاروں کے ساتھ ﴿وَجَعَلْنٰهَا﴾ اور ہم نے بنایا ان ستاروں کو ﴿رُجُوْمًا﴾ مارنے کا ذریعہ ﴿لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ شیطانوں کو ﴿وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ﴾ اور ہم نے تیار کیا ہے ان کے لیے ﴿عَذَابَ السَّعِيْرِ﴾ شعلہ مارنے والا عذاب ﴿وَلِلَّذِيْنَ﴾ اور ان لوگوں کے لیے ﴿كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ جو منکر ہیں اپنے رب کے ﴿عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کا عذاب ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور برا ٹھکانا ہے ﴿اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا﴾ جس وقت ڈالے جائیں گے دوزخ میں ﴿سَمِعُوْا لَهَا﴾ سنیں گے اس کے لیے ﴿شَهِيْقًا﴾ گدھے کی آواز ﴿وَّهِيَ تَفُوْرُ﴾ اور وہ جوش مار رہی ہوگی ﴿تَكَادُ﴾ قریب ہے ﴿تَمَيَّزُ﴾ پھٹ جائے ﴿مِنَ الْغَيْظِ﴾ غصے کی وجہ سے ﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا﴾ جب کبھی ڈالی جائے گی اس میں ﴿فَوْجٌ﴾ فوج ﴿سَاَلَهُمْ﴾ سوال کریں گے ان سے ﴿خَزَنَتُهَآ﴾ جہنم کے داروغے ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ﴾ کیا نہیں آیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں ﴿قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ﴾ تحقیق آیا ہمارے پاس ڈرانے والا ﴿فَكَذَّبْنَا﴾ پس ہم نے جھٹلا دیا ﴿وَقُلْنَا﴾ اور ہم نے کہا ﴿مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ﴿اِنْ اَنْتُمْ﴾ نہیں ہو تم ﴿اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ مگر بڑی گمراہی میں۔

نام وکوائف

اس سورۃ کا نام سورت الملک ہے۔ ملک کا لفظ پہلی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ اس سے پہلے چھہتر [۷۶] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا ستترواں [۷۷] نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور تیس آیتیں ہیں۔

سورۃ الملک کی فضیلت

قرآن کریم سارے کا سارا ہی برکت والا، شان والا اور فضیلت والا ہے۔ لیکن بعض سورتوں کو بعض سورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جیسے تمام پیغمبر برحق اور فضیلت والے ہیں۔ اس کے باوجود بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [پارہ: ۳] "یہ سب رسول ہیں فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر۔" اور سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۵ میں ہے ﴿وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت دی بعض نبیوں کو بعض پر اور دی ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور۔" اسی طرح قرآن پاک سارا فضیلت والا ہے لیکن بعض سورتوں کو بعض پر فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت والے دن یہ سورت تمام سورتوں سے زیادہ سفارش کرے گی۔ یہ روایت نسائی شریف اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہے۔ اگر کسی گناہ گار کو دوزخ میں ڈالنے کا فیصلہ کریں گے (جو یہ سورت پڑھتا ہوگا) تو یہ سورت کہے گی اے پروردگار! میں تیرے کلام کا حصہ ہوں اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی سفارش قبول کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبر میں مجرم کو فرشتے سزا دینے کے لیے جب پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو یہ سورت پاؤں کی طرف جا کر کھڑی ہو جاتی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو میری تلاوت کرتا تھا۔ تو اس شخص کو عذاب سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ تو یہ سورت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عذابِ قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ﴾ بابرکت ہے وہ ذات ﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ جس کے ہاتھ میں ہے ملک۔ ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہی مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اس مقام پر مفرد کا لفظ آیا ہے اور سورۃ مائدہ آیت نمبر ۶۴ میں تثنیہ کا لفظ آیا ہے ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ "بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔" ابلیس لعین نے جب آدم کو سجدہ نہ کیا تو رب تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس کس چیز نے تجھے روکا سجدہ کرنے سے ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص: ۷۵] "جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔" اور سورۂ یٰسین آیت نمبر ۷۱ میں ہے ﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ﴾ "کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے بے شک ہم نے پیدا کیا ہے ان کے لیے جو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے۔" یہاں جمع کا لفظ آیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں جو اس کی شان کے لائق ہیں۔ ہم کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے کہ ایسے ہیں یا ایسے ہیں۔ مثلاً: ہمارے ہاتھ میں ہتھیلی ہے، انگلیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ساری چیزوں سے پاک ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ

شَیۡءٌ﴾ [شوریٰ:۱۱] "اس کے مثل کوئی شے نہیں ہے۔"

بعض حضرات اس سے قبضہ مراد لیتے ہیں اور ﴿بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں اس کے قبضے میں ہے ملک، اس کے اختیار میں ہے ملک۔ اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے، خالق ہے، وہی متصرف ہے، کسی دوسرے کو کارخانۂ خداوندی میں ایک رتی کا بھی اختیار نہیں ہے ﴿وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿الَّذِیۡ﴾ وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ﴾ جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو۔ کیوں؟ ﴿لِیَبْلُوَكُمْ﴾ تاکہ وہ تمھارا امتحان لے ﴿اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تم میں سے کون اچھا عمل کرنے والا ہے۔ زندگی دے کر موت سر پر کھڑی کر دی کہ زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہے موت کو یاد رکھو اور اچھے اعمال کرو بُرے اعمال سے بچو۔ دیکھو! روزمرہ کا معمول ہے کوئی پیدا ہوتا ہے کوئی مرتا ہے۔ کتنی کثرت کے ساتھ موتیں ہو رہی ہیں۔ دیکھ سن کر بھی ہمارے دل نرم نہیں ہوتے۔ اگر موت نہ ہوتی تو پھر تو یہ انسان انسان نہ ہوتے نہ جانیں کیا بلائیں ہوتیں۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے محلے میں اگر کوئی فوت ہو جاتا تو ایک ایک ہفتہ ہمارے حلق سے روٹی پانی نیچے نہیں اُترتا تھا کہ رب جانے اس کے ساتھ قبر میں کیا ہوا ہے؟ اور آج حالت یہ ہے کہ باپ مر جائے ماں مر جائے آخرت کا احساس ہی نہیں ہے۔ دفنا کر آ کے گپیں ماریں گے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ دلوں میں کتنا فرق آ گیا ہے۔ جیسے جیسے قیامت قریب آئے گی دل سخت ہوتے جائیں گے۔ دلوں میں بغض، کینہ، عداوت، بھر جائے گی۔ باوجود اس کے کہ ہر آدمی جانتا ہے موت سر پر کھڑی ہے اور پکار رہی ہے۔ ؎

غنیمت جان لو اس مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

پھر بھی کوئی پروا نہیں کرتا۔ نیکی کرنے والے اور برائی سے بچنے والے کتنے ہیں۔ اگر گناہ کرو گے تو ﴿وَهُوَ الْعَزِیۡزُ﴾ اور وہ غالب ہے۔ اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا ﴿الْغَفُوْرُ﴾ بخشنے والا ہے۔ اگر قاعدے کے مطابق اپنے گناہوں کی معافی مانگو تو بخش دے گا۔ قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ جن کی قضا ہے ان کی قضا لوٹائے اور حقوق العباد ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ستایا ہے تو معافی مانگے اللہ تعالیٰ غفورٌ رّحیم ہے معاف کر دے گا۔

فرمایا ﴿الَّذِیۡ﴾ وہ ذات ہے ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ جس نے پیدا کیے سات آسمان تہہ بہ تہہ۔ آسمانِ دنیا ہے اس کے اُوپر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر ساتواں۔ جتنا فاصلہ زمین سے لے کر آسمانِ دنیا تک ہے اتنا ہی فاصلہ پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۔ ہر آسمان کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آدمی پانچ سو سال تک چلتا رہے تو جتنا سفر طے کرے گا زمین سے آسمان تک اتنی ہی مسافت ہے۔ لیکن فرشتے ایک لمحے میں آ جا سکتے ہیں۔

حرم کا رقبہ جو کسی طرف سے تین میل ہے۔ تنعیم حرم سے باہر ہے جس کو مسجد عائشہ کہتے ہیں۔ یہ کعبۃ اللہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے۔ عرفات حرم سے باہر ہے۔ یہ دس میل کا فاصلہ بنتا ہے۔ جعرانہ حرم سے باہر ہے۔ ادھر سے حرم تقریباً

اٹھارہ انیس میل بنتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حرم کے علاقے سے نہ تو کوئی خاردار درخت کاٹا جائے اور نہ شکار سے تعرض کیا جائے اور نہ یہاں کا لقطہ اُٹھایا جائے۔ ہاں وہ اُٹھا سکتا ہے جو اس کا اعلان کرے۔ اور نہ اس زمین کی گھاس کاٹی جائے گی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ مگر اِذخر (یہ ایک قسم کی گھاس ہے) وہ تو ایسی چیز ہے جو لوہاروں اور بھٹیاروں کے کام آتی ہے۔ (لوہا سونا گلانے کے لیے) اور گھروں کی چھتیں بنانے میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اِلَّا الْاِذْخَرَ "ہاں اِذخر کاٹی جاسکتی ہے۔"

استدلال باطل

بعض حضرات نے اس روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ پیغمبر اپنی طرف سے بھی جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے اسی وقت فرمایا اِلَّا الْاِذْخَرَ۔ اس کے جواب میں امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ جو وکیلِ احناف ہیں اپنی کتاب "مشکل الاثار" میں فرماتے ہیں کہ اِلا الاِذخر کا جو استثناء ہے وہ بذریعہ وحی ہوا ہے جبریل علیہ السلام نے آکر بتلایا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اتنی جلدی وحی کیسے آگئی کہ اِدھر سوال ہوا اور جواب کے لیے وحی آگئی۔ فرماتے ہیں کہ وَلَا یُنْکِرُہٗ اِلَّا مُلْحِدٌ اَوْ زِنْدِیْقٌ "اور اس کا نہیں انکار کرے گا مگر ملحد اور زندیق۔" ملحد اور زندیق ہی کہے گا کہ اتنی جلدی وحی نہیں آسکتی۔ وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔

دیکھو! لیلۃ القدر کے بارے میں آتا ہے کہ اس رات کو جبریل علیہ السلام بھی نازل ہوتے ہیں اور دوسرے فرشتے بھی۔ اور جہاں جہاں کوئی عبادت کر رہا ہوتا ہے اس کو وہ سلام کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ ایک منٹ گکھڑ اور دوسرے منٹ میں گوجرانوالا، تیسرے میں لاہور اور چوتھے میں ملتان۔ یہ سفر ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ فرشتوں کے لیے دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لیے ہوا۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے سات آسمان تہہ بہ تہہ ﴿مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ﴾ آپ نہیں دیکھیں گے رحمان کے پیدا کرنے میں کوئی فرق۔ دیکھو! مسجد کی چھوٹی سی چھت ہے اور مستریوں نے پوری محنت اور کوشش کے ساتھ بنائی ہے۔ اس کو ہموار کیا ہے۔ مگر پھر بھی اس میں اونچ نیچ کا فرق ہے۔ لیکن آسمان کتنا بڑا ہے مشرق سے لے کر مغرب تک لیکن اس میں کہیں آپ رتی برابر بھی فرق نہیں دکھا سکتے۔ رائی کے دانے کے برابر بھی آپ کو فرق نظر نہیں آئے گا۔

﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ﴾ پھر لوٹا نگاہ اے دیکھنے والے آسمان کی طرف ﴿هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ﴾ کیا دیکھتا ہے کوئی سوراخ، دراڑ۔ قاعدے کے مطابق دروازے تو موجود ہیں باقی کوئی سوراخ، دراڑ تمھیں نظر نہیں آئے گی ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ پھر اٹھا نگاہ بار بار ﴿يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا﴾ لوٹے گی آپ کی طرف نگاہ ذلیل ہو کر ﴿وَّهُوَ حَسِيْرٌ﴾ اور وہ تھکی ہوئی ہوگی۔ سارا دن دیکھتے رہو آسمان میں تمھیں رتی برابر تفاوت اور فرق نظر نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنے کے لیے ایک آسمان ہی کافی

ہے کہ اتنا بڑا آسمان اور نیچے کوئی ستون اور دیوار نہیں ہے۔ یہ چھوٹی سی عمارت کی چھت ہے نیچے ستون اور دیواریں ہیں ان کو نکال دو تو چھت گر جائے گی۔لیکن آسمان رب تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے کھڑا ہے۔پھر ایک نہیں سات آسمان ہیں۔

ستاروں کی اقسام

فرمایا ﴿وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے مزین کیا آسمانِ دنیا کو ﴿بِمَصَابِيْحَ﴾ ستاروں کے ساتھ۔ مَصَابِيْح مِصْبَاحٌ کی جمع ہے اور مصباح کا معنیٰ ہے چراغ، مراد ستارے ہیں کہ یہ اس کے چراغ ہیں۔اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ستارے آسمان کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں یا نیچے لٹکے ہوئے ہیں جیسے یہ ہمارے پنکھے لٹکے ہوئے ہیں۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قول نقل کیے ہیں کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ ستارے آسمان کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ لٹکے ہوئے ہیں۔پھر یہ ستارے دو قسم کے ہیں، سیارات، ثوابت۔

ثوابت وہ ہیں جو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حرکت نہیں کرتے۔اور سیارات وہ ہیں جو چلتے ہیں۔کوئی مشرق کی طرف اور کوئی مغرب کی طرف چل رہا ہوتا ہے کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف۔بعض ستارے زمین سے کئی گنا بڑے ہیں اور باوجود تیز حرکت کے آج تک کسی نے نہیں سنا کہ ستارہ ستارے کے ساتھ ٹکرا گیا ہے۔آج سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ سائنس دانوں نے کہا کہ ایک ستارے کا کچھ حصہ نیچے کو آرہا ہے۔تو دنیا بے چاری پریشان ہوگئی اور لوگوں کی نیندیں حرام ہو گئیں کہ نیچے گرا تو ہم مر جائیں گے۔صرف ایک ستارے کے کچھ حصے کی بات ہے۔کہتے ہیں کہ وہ کہیں اور چلا گیا اِدھر نہیں آیا۔اگر اُدھر آتا تو کوئی نہ کوئی ملک تباہ ہو جاتا۔

تو فرمایا ہم نے مزین کیا آسمانِ دنیا کو ستاروں کے ساتھ ﴿وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ اور ہم نے بنایا ان ستاروں کو مارنے کا ذریعہ شیطانوں کو۔ یہ شیطان اُوپر جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں۔تو ستارے سے ایک شعلہ نکل کر ان پر جا پڑتا ہے ستارہ خود نہیں گرتا۔اس طرح سمجھو کہ جیسے چراغ جل رہا ہو تو آدمی اس سے تھوڑی سی آگ لے لے تو ستاروں سے چنگاری نکلتی ہے اور شیطانوں پر جا پڑتی ہے۔اس سے کوئی مر جاتا ہے، کوئی جھلس جاتا ہے، کوئی زخمی ہو جاتا ہے۔

تو فرمایا ہم نے بنایا ستاروں کو مارنے کا ذریعہ شیطانوں کو ﴿وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ﴾ اور تیار کیا ہم نے ان شیطانوں کے لیے شعلہ مارنے والا عذاب۔بعض ملحد یہ کہتے ہیں کہ جنات آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔سورۃ الحجر آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ "اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی لو سے۔" تو دوزخ کی آگ میں ان کو کیا سزا ہوگی؟

تو جواب یہ ہے کہ جس آگ سے ان کو سزا ہونی ہے وہ اس آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔اور خود آگ میں اتنا تفاوت ہے کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ پروردگار! اس طبقے

کی حرارت نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دی کہ تو ایک سانس لے لے۔فرمایا یہ جو سخت گرمی ہے یہ جہنم کا سانس ہے۔اسی طرح زمہریر جہنم کا ٹھنڈا طبقہ ہے۔اس نے دوسرے ٹھنڈے طبقے کی شکایت کی کہ پروردگار! اس کی ٹھنڈک نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ تو ایک سانس لے لے۔یہ جو سخت سردی ہوتی ہے یہ جہنم کے اس طبقے کا سانس ہے۔لہٰذا شیطانوں کو بھی عذاب ہوگا چاہے آگ کا ہو یا برف کا۔تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جو سمجھ نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد عورت کو محفوظ فرمائے اور بچائے۔

انجامِ منکرین

فرمایا ﴿وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ اور ان لوگوں کے لیے جو منکر ہیں اپنے رب کے یعنی اپنے رب کے احکام کے منکر ہیں۔رب تعالیٰ کی ذات کے تو وہ لوگ قائل تھے۔رب تعالیٰ کے احکام کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے۔ان لوگوں کے لیے ﴿عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ دوزخ کا عذاب ہے ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور بُرا ٹھکانا ہے، اللہ تعالیٰ بچائے۔

﴿اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا﴾ جس وقت ڈالے جائیں گے دوزخ میں ﴿سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا﴾ سنیں گے اس کے لیے گدھے کی آواز۔ شھیق گدھے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو بعد میں مدھم سی ہوتی ہے۔دوزخ جوش مار رہی ہوگی۔اور زفیر گدھے کی ابتدائی آواز کو کہتے ہیں جو وہ زور سے نکالتا ہے۔جیسا کہ سورۂ ہود آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے بد بخت لوگ دوزخ میں ہوں گے ﴿لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ ان کے لیے دوزخ میں گدھے کی آوازیں ہوں گی۔گدھوں کی آواز کے ساتھ تشبیہ کیوں دی ہے؟ اس لیے دی ہے کہ ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [لقمان:۱۹] "سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔" ﴿وَّهِيَ تَفُوْرُ﴾ اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ تیز آگ ہو تو جھوں جھوں کی آواز آتی ہے۔تو جہنم جوش مار رہی ہوگی ﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ قریب ہے کہ پھٹ جائے غصے کی وجہ سے۔اتنی تپش اور حرارت ہوگی کہ اس کی وجہ سے پھٹ جائے۔

بعض یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جہنم کو کافروں پر اتنا غصہ ہوگا کہ اس غصے کی وجہ سے قریب ہے کہ پھٹ جائے ﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ﴾ جب کبھی اس میں ڈالی جائے گی اس میں فوج، گروہ کافروں کا، مشرکوں کا ﴿سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ﴾ خَزَنَةٌ جمع ہے خَازِنٌ کی۔خازن پہرے دار اور چوکیدار کو کہتے ہیں۔معنیٰ ہوگا سوال کریں گے ان سے جہنم کے داروغے۔وہاں جو پہرے دار فرشتے ہوں گے وہ پوچھیں گے ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ﴾ کیا نہیں آیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا جہنم کے عذاب سے۔آج لشکروں کے لشکر آ رہے ہو تمھیں سمجھانے والا کوئی نہیں آیا تھا جس نے تمھیں ڈرایا ہو کہ جس کفر و شرک کے راستے پر تم چل رہے ہو اس کا انجام دوزخ ہے۔

﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ وہ کہیں گے کیوں نہیں آیا ﴿قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ﴾ تحقیق آیا ہمارے پاس ڈرانے والا۔پھر کیا ہوا؟ ہماری بد بختی ﴿فَكَذَّبْنَا﴾ پس ہم نے جھٹلا دیا ﴿وَقُلْنَا﴾ اور ہم نے کہا ﴿مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز تمھارے اُوپر۔نہ وحی، نہ کتاب، یہ سب تم اپنی طرف سے بنا کر لاتے ہو۔اور ہم نے کہا ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ نہیں

ہوتم مگر بڑی گمراہی میں۔تم لوگوں کو پھنساتے ہواور اپنے ساتھ ملاتے ہو۔باقی آگے آئے گا۔ان شاءاللہ تعالیٰ

﴿وَ قَالُوْا﴾ اور وہ کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ﴾ کاش کہ ہم سنتے ﴿اَوْ نَعْقِلُ﴾ یا ہم سمجھتے ﴿مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ نہ ہوتے ہم شعلہ مارنے والی آگ والوں میں سے ﴿فَاعْتَرَفُوْا﴾ پس وہ اقرار کریں گے ﴿بِذَنْۢبِهِمْ﴾ اپنے گناہوں کا ﴿فَسُحْقًا﴾ پس دوری ہے ﴿لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ دوزخ والوں کے لیے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے ﴿وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اور بہت بڑا اجر ہے ﴿وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ﴾ اور اگر تم چھپاؤ اپنی بات کو ﴿اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ﴾ یا ظاہر کرو اس کو ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمٌ﴾ جانتا ہے ﴿بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ دلوں کے راز ﴿اَلَا يَعْلَمُ﴾ خبردار وہ جانتا ہے ﴿مَنْ خَلَقَ﴾ جس کو اس نے پیدا کیا ہے ﴿وَ هُوَ اللَّطِيْفُ﴾ اور وہ باریک بین ہے ﴿الْخَبِيْرُ﴾ خبردار ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے زمین ﴿ذَلُوْلًا﴾ تابع ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ پس چلو تم اس کے اطراف پر ﴿وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ اور کھاؤ تم اس کے رزق سے ﴿وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ اور اس کی طرف اُٹھ کر کھڑا ہونا ہے ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ کیا تم امن میں ہو اس ذات سے جو آسمان میں ہے ﴿اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ﴾ کہ تمھیں دھنسا دے ﴿الْاَرْضَ﴾ زمین میں ﴿فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ﴾ پس اچانک وہ حرکت کرنے لگے ﴿اَمْ اَمِنْتُمْ﴾ کیا تم امن میں ہو ﴿مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ اس ذات سے جو آسمان میں ہے ﴿اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ﴾ کہ چھوڑے تم پر ﴿حَاصِبًا﴾ سنگ ریزے ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس تم عنقریب جان لو گے ﴿كَيْفَ نَذِيْرِ﴾ کیسا ہے میرا ڈرانا ﴿وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پھر کیسا تھا میرا انکار کرنا ﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اِلَى الطَّيْرِ﴾ پرندوں کو ﴿فَوْقَهُمْ﴾ اپنے اوپر ﴿صٰٓفّٰتٍ﴾ پر پھیلائے ہوئے ﴿وَّ يَقْبِضْنَ﴾ اور سمیٹتے بھی ہیں ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ﴾ نہیں روکتا ان کو ﴿اِلَّا الرَّحْمٰنُ﴾ مگر رحمٰن ﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

ربط

اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ " ﴿كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ﴾ جب کبھی ڈالا جائے گا دوزخ میں کوئی گروہ تو جہنم کے

داروغے ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ﴿بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ﴾ کیوں نہیں تحقیق آیا تھا ہمارے پاس ڈرانے والا۔ ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم ویسے ہی نبی بن گئے ہو ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ﴾ نہیں ہو تم مگر بڑی گمراہی میں۔"

دوزخ سے بچنے کے اسباب

﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہیں گے دوزخ میں جلنے والے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ﴾ کاش کہ ہم سنتے یا ہم سمجھتے ﴿مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ نہ ہوتے ہم شعلہ مارنے والی آگ والوں میں سے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں اور مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں اور بزرگوں نے بھی لکھا ہے کہ ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم دوسروں سے اچھی بات سن لیتے اور اس پر عمل کرتے دوزخ سے بچ جاتے۔ ﴿اَوْ نَعْقِلُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں خود تحقیق ہوتی ہم خود عقل سے کام لیتے تو دوزخ میں نہ جلتے۔ خود تحقیق کرے تو اجتہاد ہے دوسرے سے اچھی بات سن کر اس پر عمل کرے تو تقلید ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوزخ سے بچنے کے دو سبب ہیں۔ ایک تقلید اور دوسرا تحقیق۔ تقلید کا معنیٰ ہے خود مسائل کو نہیں جانتا دوسروں سے پوچھ کر عمل کرتا ہے۔ اور اس کا قرآن پاک میں حکم ہے ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ۴۳] "پس پوچھو تم اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔"

اہل حدیث حضرات کے سب سے بڑے بزرگ گزرے ہیں مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی۔ وہ اپنی کتاب "انتصار الحق" میں لکھتے ہیں کہ اگر خود کسی کو علم نہ ہو، تحقیق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد حکم دیتا ہے ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ کہ علم والوں سے پوچھو۔ پھر فرماتے ہیں کہ آدمی اس کا مکلف نہیں ہے کہ تمام علماء سے پوچھے۔ ایک سے بھی بات پوچھ کر چلے تو کافی ہے۔ ہم کہتے ہیں اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔ تو مولانا نذیر حسین صاحب فرماتے ہیں کہ سب سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ایک سے پوچھ لے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تقلید شخصی جائز ہے یا ناجائز؟ فرمایا جائز ناجائز پوچھتے ہو یہ تو فرض ہے۔ ایمان تب بچے گا جب تقلید کرے گا۔ یہ جتنے باطل فرقے ہیں ان کے گمراہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے کسی پر اعتماد نہیں کیا۔ اگر مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ہو، خلفائے راشدین سے بھی نہ ملے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نہ ملے تو پھر اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرے۔ پھر چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ بڑی گہری، بڑی وسیع اور فطری فقہ ہے اس لیے ان کی تقلید کرنی چاہیے۔

تو دوزخی کہیں گے کاش ہم سنتے اور دوسروں کی بات سن کر عمل کرتے یا ہم سمجھتے، تحقیق کرتے، عقل سے کام لیتے تو آج

ہم دوزخ میں نہ ہوتے ﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ﴾ پس وہ اقرار کریں گے اپنے گناہوں کا کہ واقعی ہم نے گناہ کیے ہیں ﴿فَسُحْقًا﴾ پس دوری ہے رحمت سے ﴿لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ دوزخ والوں کے لیے۔

اب ان کے برعکس دوسروں کا بھی سن لیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ بے شک وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے۔رب تعالیٰ کو دیکھا نہیں مگر اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔اس کو خالق، مالک، رازق مانتے ہیں۔سارے نظام کو چلانے والی ذات سمجھتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ اس کے احکام پر عمل نہ کیا تو گرفت میں آئیں گے۔محض ڈرنے کا دعویٰ کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی پیاسا ہو اور سارا دن کہتا رہے کہ پیاس کو پانی بجھاتا ہے اور پانی نہ پیے تو پیاس تو نہیں بجھے گی۔پیاس تو تب بجھے گی جب پانی پیے گا۔بھوکا سارا دن کہتا رہے کہ روٹی سے پیٹ بھر جاتا ہے، روٹی سے بھوک ختم ہو جاتی ہے تو بھوک تو ختم نہیں ہوگی۔بھوک تو روٹی کھانے سے ختم ہوگی۔اور اسی طرح ایک آدمی بیمار ہے اور سارا دن ورد کرتا رہے کہ رب تعالیٰ نے اس بیماری کا علاج فلاں چیز بتایا ہے۔جب تک اس چیز کو استعمال نہیں کرے گا شفا نہیں ہوگی۔اسی طرح زبانی طور پر کہنا کہ میں رب تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اس کا کوئی معنیٰ ہے جب تک عملی ثبوت نہیں دے گا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے۔تو فرمایا بے شک وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ﴾ ان کے لیے بخشش ہے رب کی طرف سے ﴿وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ اور اجر ہے بہت بڑا۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسانو! ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ﴾ اور اگر تم چھپاؤ اپنی بات کو، آہستہ بات کرو ﴿اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ﴾ یا ظاہر کرو اس کو، اونچی آواز سے بات کرو ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے دلوں کے راز۔کوئی آہستہ بولے یا بلند آواز سے سب رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔

بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہِ تحریمی ہے

خیبر کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔کبھی ٹیلوں پر چڑھتے کبھی نیچے اُترتے اور بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا وَهُوَ مَعَكُمْ)).

"اے لوگو! اپنی جانو پر رحم کرو تم اس ذات کو نہیں پکار رہے جو بہری اور غائب ہو تم تو سمیع اور قریب ذات کو پکار رہے ہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔"

اس روایت کی روشنی میں ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ہاں تعلیم کی خاطر ہو تو الگ بات

ہے کہ کسی موقع پر پیر اپنے مریدوں کو جمع کر کے بلند آواز سے ذکر سناتا ہے کہ ان کو ذکر کا طریقہ آجائے تو وہ جائز ہے کیوں کہ تعلیم کا مسئلہ ہے۔ ویسے بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے، خاص طور پر مسجدوں میں۔ اور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ رفع الاصوات فی المساجد "مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔" ہاں یہ مسئلہ یاد رکھنا! اگر آدمی کسی جگہ اکیلا ہے اور اس کے بلند آواز سے ذکر کرنے میں کسی کی نماز میں خلل نہیں آتا، کسی کے مطالعے میں خلل نہیں آتا تو پھر بلند آواز سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر کسی کی نماز میں خلل آتا ہو یا کسی کے مطالعہ میں خلل آتا ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

احمد رضا خان صاحب جن کو بریلوی اپنا امام مانتے ہیں۔ اس کا بہت بڑا فتاویٰ ہے، فتاویٰ رضویہ۔ اس میں ہے کہ کسی نے پوچھا بلند آواز سے ورد کرنا اور قرآن پڑھنا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں خان صاحب لکھتے ہیں اگر کسی کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہو ایسے موقع پر بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ پڑھنے والا گناہ گار ہے۔ پھر آگے فقہی حوالہ دیتے ہیں۔ پھر کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی اس طرح کرتا ہے تو اس کا کیا علاج ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے روکو نہیں تو کم از کم دل سے نفرت کرو۔ لیکن آج کل اُلٹی منطق ہے۔ یہ اہل بدعت سارے کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں اور فقہ حنفی پر چلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فقہ حنفی میں شرک و بدعت کی جتنی تردید کی گئی ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہوئی۔ سب سے زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے کے مخالف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اَلْبَحر الرَّائِق، فتح القدیر، کبیری فقہ کی مستند ترین کتابیں ہیں۔ ان میں ہے قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ رفع الصوت فی الدّعاء والذّکرِ بِدْعَۃٌ مُخَالِفٌ لِلامْرِ فی قولہ تعالٰی ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ "بلند آواز سے دعا کرنا اور ذکر کرنا بدعت ہے اور رب تعالیٰ کے حکم کے مخالف ہے۔" رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ "پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ۔" تو رب تعالیٰ تو آہستہ کا حکم دیتا ہے اور تم بلند آواز سے کرتے ہو۔

ایک اور بات بھی سمجھ لیں کہ ایک ہے دعا اور ایک ہے توجہ الی الدعا۔ توجہ الی الدعا کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً: کوئی آدمی کہتا ہے کہ بیماروں کے لیے دعا کرو، مجاہدین کی فتح کے لیے دعا کرو، فلاں فوت ہو گیا ہے اس کی مغفرت کے لیے دعا کرو۔ یہ اس نے بلند آواز سے کہا ہے لوگوں کی توجہ دلانے کے لیے۔ یہ کہنا جائز ہے۔ اور جب دعا کی باری آئے گی تو آہستہ ہو گی۔

فرمایا ﴿اَلَا﴾ خبردار ﴿يَعْلَمُ﴾ رب تعالیٰ جانتا ہے ﴿مَنْ خَلَقَ﴾ جس کو اس نے پیدا کیا ہے ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ باریک بین ہے خبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سارے نام برکت والے ہیں۔ لفظ اللہ جل جلالہ یہ رب تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ رحمٰن، رحیم، قہار، جبار، ستار، خبیر، لطیف، یہ رب تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ ہر نام میں کوئی نہ کوئی خاصیت ہے۔ جن بزرگوں نے عملیات کی کتابیں لکھی ہیں وہ لکھتے ہیں اگر رشتے میں پریشانی ہو تو یالطیفُ یا رحیمُ یا کریمُ کا ورد بڑا موثر ہے۔ ان اسماء کا ذکر کرو اللہ تعالیٰ کرم کرے گا۔ مگر ہم لوگ بڑے جلد باز ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہماری دعا بعد میں ختم ہو اور ہمارا کام پہلے

ہو جائے۔ ذکر کرتے رہو اللہ تعالیٰ کرم کرے گا۔ کاروباری پریشانی میں بھی انھی اسماء کا ذکر کرو۔

فرمایا ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا﴾ جس نے بنائی تمھارے لیے زمین تابع ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ پس چلو تم اس کے اطراف پر۔ مَنَاکِب مَنْکَبٌ کی جمع ہے۔ منکب کا معنیٰ ہے کندھا۔ یہ کندھا ہمارے ایک طرف ہے۔ تو مراد زمین کی اطراف ہیں۔ مشرق کی طرف جاؤ، مغرب کی طرف جاؤ، شمال کی طرف جاؤ، جنوب کی طرف جاؤ، یہ زمین تمھارے تابع ہے۔ اس پر چلو، کھیتی باڑی کرو، مکان بناؤ، پیشاب پاخانہ کرو تمھیں کچھ نہیں کہے گی ﴿وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ اور کھاؤ تم اس کے رزق سے۔ اللہ تعالیٰ نے جو روزی دی ہے اس کو کھاؤ ﴿وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ اور اسی کی طرف اُٹھ کر کھڑا ہونا ہے۔ اس بات کو بھولنا نہ کہ سب نے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔

خوفِ خدا کا ذکر

آگے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے۔ فرمایا ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ کیا تم امن میں ہو اس ذات سے جو آسمان میں ہے ﴿اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ﴾ کہ وہ دھنسا دے تم کو زمین میں ﴿فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ﴾ پس اچانک وہ زمین حرکت کرنے لگے، لرزنے لگے۔ چند دن پہلے کی بات ہے چند سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا پورا منٹ نہیں تھا۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ چند سیکنڈ مزید ہوتا تو بیڑا غرق ہو جاتا۔ رب تعالیٰ نے ہلا کر رکھ دیا ہر چیز کو۔ رب رب ہے۔ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو لوگ کلمہ پڑھنے لگ جاتے ہیں، توبہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس وقت لوگوں کو کلمہ بھی یاد آ جاتا ہے، توبہ بھی یاد آ جاتی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس وقت کلمہ اور استغفار کا اعتبار نہیں ہے۔ کلمہ ہر وقت معتبر ہے مگر اصل اللہ تعالیٰ کی یاد تو یہ ہے کہ حالت امن میں پڑھو، عافیت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ سر پر چوٹ لگنے کے بعد رب یاد آئے اور کہے یا اللہ! یہ تو مطلب پرست ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ تکلیفوں میں اس کے کام ہو جائیں اس کو چاہیے کہ راحت کے دنوں میں رب کو کثرت سے یاد کرے۔

تو فرمایا کیا تم امن میں ہو اس ذات سے جو آسمانوں میں ہے کہ تمھیں دھنسا دے زمین میں اور زمین لرزنے لگے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جس طرح یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے عرش پر مستوی ہے اسی طرح یہ بھی عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی ہے۔ سورۃ الحدید آیت نمبر ۴ میں ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ "وہ اللہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔" دونوں باتیں قرآن کریم میں ہیں۔ عرش پر بھی مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور جہاں کہیں تم ہو تمھارے ساتھ بھی ہے۔ اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ سورۃ ق پارہ ۲٦ میں ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ "اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے اس کی دھڑکتی ہوئی رگ سے۔"

فرمایا ﴿اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾ کیا تم امن میں ہو اس ذات سے جو آسمان میں ہے کہ

چھوڑے تم پر سنگ ریزے۔ حَاصِبٌ کے دومعنیٰ کرتے ہیں۔ایک تند وتیز ہوا کا، جیسے: قوم ہود (علیہ السلام) پر آئی تھی۔جن کے بڑے بڑے قد تھے۔ہوانے ان کو اُٹھا کر دور، دور پھینک دیا۔دوسرا معنیٰ سنگ ریزے، پتھر کا کرتے ہیں۔جیسے: لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسے ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ﴾ پس تم عنقریب جان لوگے کیسا ہے میرا اڈرانا۔جب تم زمین میں دھنس جاؤ گے یا تمھارے اُوپر پتھر برسیں گے پھر تمھیں پتا چلے گا میرا اڈرانا کیسا ہے ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔حق کو جھٹلایا ان لوگوں نے ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پھر کیسا تھا میرا انکار کرنا۔میرے انکار کرنے کا نتیجہ ان کے سامنے آیا یا نہیں آیا۔

فرمایا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ﴾ کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے پرندوں کو ﴿فَوْقَهُمْ﴾ اپنے اُوپر فضا میں ﴿صٰٓفّٰتٍ﴾ پر پھیلائے ہوئے۔یہ رب تعالیٰ کی قدرت نہیں دیکھی اُنھوں نے کہ پرندے کئی کئی گھنٹے فضا میں اُڑتے رہتے ہیں ﴿وَّيَقْبِضْنَ﴾ اور سمیٹتے بھی ہیں پروں کو جب چاہتے ہیں اور زمین پر اُتر آتے ہیں ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ﴾ نہیں روکتا ان کو مگر رحمٰن۔یہ ہوا کس نے پیدا فرمائی، جانوروں کو پَر کس نے عطا فرمائے، اُڑنے کا طریقہ کس نے بتایا؟ رحمٰن کے سوا کون ہے ان کو ہوا میں روکنے والا؟

مرغی کو دیکھو! اکیس بائیس دن تقریباً انڈوں پر بیٹھتی ہے پھر بچے نکلتے ہیں۔یہ اس کی فطرت میں کس نے رکھا ہے کہ تو نے اتنے دن انڈوں پر بیٹھنا ہے اور انڈوں کو سینکنا ہے اور ادلنا بدلنا بھی ہے۔پھر بچہ نکلنے کے بعد خود زمین سے اپنی روزی تلاش کرتا ہے۔یہ اس کی فطرت میں کس نے رکھا ہے؟ بچہ پیدا ہوتے ہی چھاتی پر پستان تلاش کرتا ہے اور چوستا ہے۔بھئی! اس کو کس نے پڑھا کر بھیجا ہے کہ تیری خوراک ماں کی چھاتی میں ہے؟ بندہ رب تعالیٰ کی قدرتوں کو سمجھنا چاہے تو:

فِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ "ہر چیز میں اس کی قدرت کی نشانی ہے۔"

فرمایا ﴿اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ﴾ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔اس کا علم، اس کی سمع، اس کی بصر، ہر چیز کو محیط ہے۔

﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ﴾ بھلا وہ کون ہے ﴿هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ﴾ جو فوج ہے تمھاری ﴿يَنْصُرُكُمْ﴾ مدد کرے تمھاری ﴿مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان سے نیچے نیچے ﴿اِنِ الْكٰفِرُوْنَ﴾ نہیں ہیں کافر ﴿اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ﴾ مگر دھوکے میں ﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ﴾ بھلا وہ کون ہے ﴿يَرْزُقُكُمْ﴾ جو تمھیں روزی دے گا ﴿اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ﴾ اگر اللہ تعالیٰ روک لے اپنے رزق کو ﴿بَلْ لَّجُّوْا﴾ بلکہ وہ اصرار کرتے ہیں ﴿فِيْ عُتُوٍّ﴾ سرکشی میں ﴿وَّنُفُوْرٍ﴾ اور نفرت میں ﴿اَفَمَنْ﴾ کیا وہ شخص ﴿يَّمْشِيْ﴾ جو چلتا ہے ﴿مُكِبًّا﴾ اوندھا ﴿عَلٰى وَجْهِهٖٓ﴾ اپنے چہرے کے بل ﴿اَهْدٰٓى﴾ زیادہ ہدایت والا ہے ﴿اَمَّنْ﴾ یا وہ شخص ﴿يَّمْشِيْ﴾ جو چلتا ہے ﴿سَوِيًّا﴾ سیدھا ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے پر

﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿هُوَ الَّذِيْٓ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿اَنْشَاَكُمْ﴾ جس نے پیدا کیا تم کو ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ﴾ اور بنائے تمھارے لیے کان ﴿وَالْاَبْصَارَ﴾ اور آنکھیں ﴿وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور دل ﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ جس نے بکھیرا تمھیں زمین میں ﴿وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور اُسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب یہ وعدہ پورا ہوگا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَاِنَّمَآ اَنَا﴾ اور پختہ بات ہے میں ﴿نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ﴾ پس جس وقت وہ دیکھیں گے اس کو ﴿زُلْفَةً﴾ قریب ﴿سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ﴾ بگڑ جائیں گے ان لوگوں کے چہرے ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿وَقِيْلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿هٰذَا الَّذِيْ﴾ یہ وہ چیز ہے ﴿كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ﴾ جس کو تم طلب کرتے تھے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ﴾ اگر ہلاک کر دے مجھے اللہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ مَّعِيَ﴾ اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ﴿اَوْ رَحِمَنَا﴾ یا رحم کرے ہم پر ﴿فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ پس کون پناہ دے گا کافروں کو ﴿مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ دردناک عذاب سے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ﴾ وہ رحمٰن ہی ہے ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ایمان لائے ہیں ہم اس پر ﴿وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اور اسی پر ہم نے بھروسا کیا ہے ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے ﴿مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کون ہے جو کھلی گمراہی میں ہے ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ﴾ اگر ہو جائے تمھارا پانی ﴿غَوْرًا﴾ گہرا ﴿فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ﴾ پس کون لا کر دے گا تمھیں ﴿بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ ایسا پانی جو جاری ہو۔

عموماً حکومتوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے فوج رکھتی ہیں۔ اگر کوئی ملک فوج نہیں رکھتا تو وہ محفوظ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ طاقت ور حکومت کمزور حکومت کو کھا جاتی ہے۔ اگر کچھ نہ کچھ فوج ہوگی تو دوسرے کو جھجک ہوگی کہ کوئی مجھے بھی روکنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے کافرو مشرکو! ﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ﴾ بھلا وہ کون ہے جو فوج ہے تمھاری ﴿يَنْصُرُكُمْ﴾ مدد کرے تمھاری ﴿مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کے سوا کہ جب تم مصیبت میں پھنس جاؤ، دشمنوں میں گھر جاؤ کون ہے جو تمھاری مدد کرے گا۔ لشکر بن کر کون تمھارا بچاؤ کرے گا، کون تمھارا دفاع کرے گا؟ رب تعالیٰ کو چھوڑ دو اس سے نیچے نیچے کی بات کرو۔ رب تعالیٰ تمھیں ایک لمحے میں تباہ بھی کر سکتا ہے اور آباد بھی کر سکتا ہے۔ دوسروں کی بات کرو وہ تمھارا کیا کر سکتے ہیں؟ فرمایا ﴿اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ﴾ نہیں ہیں کافر مگر دھوکے میں کہ فلاں ہمارے کام آئے گا فلاں ہمیں بچالے گا۔

اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی فوجیں لا کر کھڑا نہیں کر سکتا۔ دیکھو! (کشمیر میں) ایک منٹ بھی زلزلہ نہیں آیا مگر اس نے دنیا کو اُوپر نیچے کر کے رکھ دیا ہے۔ اور آج سے تقریباً اڑھائی تین سال پہلے جاپان میں صرف سترہ (۱۷) سیکنڈ کا زلزلہ آیا تھا۔ اس سے اتنی تباہی ہوئی تھی کہ حکومتِ جاپان جس نے صنعت میں پورے یورپ کو آگے لگایا ہوا ہے، کہا تھا کہ یہ نقصان ہم چار سال میں بھی پورا نہیں کر سکتے۔ بھائی! رب، رب ہے اس کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟

اچھا اور بات بتلاؤ ﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ﴾ بھلا وہ کون ہے جو تمھیں روزی دے گا ﴿اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ﴾ اگر اللہ تعالیٰ روک لے اپنے رزق کو۔ تم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو پھر رب تعالیٰ کے ساتھ ضد لگائے ہوئے ہو ﴿بَلْ لَّجُّوْا﴾ بلکہ وہ اصرار کرتے ہیں ﴿فِیْ عُتُوٍّ﴾ سرکشی میں ﴿وَّنُفُوْرٍ﴾ اور نفرت میں۔ حق سے، توحید سے، اسلام سے، رب تعالیٰ کے احکام سے نفرت میں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مثال کے ساتھ سمجھایا ہے کہ تم خود فیصلہ کرو کہ ایک آدمی قیامت والے دن قبر سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اس طرح جائے کہ سر نیچے اور ٹانگیں اُوپر۔ سر کے بل چل کر جائے اندھیرے میں اور دوسرا ٹانگوں پر چل کر جائے روشنی میں ﴿نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ [سورۃ التحریم] تو ان دونوں میں سے کون بہتر ہے۔ یقیناً یہی حال ہوگا حشر والے دن مومن اور کافر کا۔ کافر قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی عدالت کی طرف سر کے بل چل کر جائیں گے اندھیرے میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! سر کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا جو رب پاؤں کے بل چلا سکتا ہے وہ سر کے بل بھی چلائے گا۔ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان لوگوں کی کھوپڑیاں اُلٹی تھیں۔ دماغ ان کے اُلٹے تھے۔ یہ دنیا میں اُلٹی چال چلتے تھے۔

فرمایا ﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا﴾ کیا پس وہ شخص جو چلتا ہے اوندھا ہو کر ﴿عَلٰی وَجْهِهٖۤ﴾ چہرے کے بل ﴿اَهْدٰۤی﴾ وہ زیادہ ہدایت والا ہے ﴿اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا﴾ یا وہ جو چلتا ہے سیدھا ﴿عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ سیدھے راستے پر۔ ان میں سے بہتر کون ہے، سہولت والا کون ہے؟ ٹانگوں کے بل چلنے والا یا سر کے بل چلنے والا؟ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ الَّذِیْۤ﴾ وہ وہی ذات ہے ﴿اَنْشَاَكُمْ﴾ جس نے پیدا کیا تم کو۔ اور (کوئی) خالق ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہو ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور بنائے اس نے تمھارے لیے کان، آنکھیں اور دل۔ رب تعالیٰ کے سوا کوئی کان دینے والا ہے؟ آنکھیں دینے والا ہے؟ دل دینے والا ہے؟ پھر ہر چیز مفت دی ہے۔

تین چار دن ہوئے کہ ایک بوڑھی بی بی حاجن نیک سیرت آئی تھی۔ کہنے لگی میں نے آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) رُوپے میں اور ابھی پوری روشنی نہیں آئی۔ یہ رب تعالیٰ کا شکر ہے کہ نظر آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے مفت دی ہیں بڑے ناشکرے ہو ﴿قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو رب تعالیٰ کی نعمتوں کا۔

میدانِ محشر کا منظر

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ﴿ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ جس نے بکھیرا تمھیں زمین میں۔ کوئی مشرق میں ہے، کوئی مغرب میں ہے، کوئی شمال میں ہے، کوئی جنوب میں ہے ﴿وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور اُسی کی طرف تم

اکٹھے کیے جاؤ گے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے ﴿یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ﴾[طٰہٰ:۱۰۸] "اس دن پیچھے لگیں گے پکارنے والے کے اس کے لیے کوئی کجی نہیں ہوگی۔" میدانِ محشر بالکل ہموار ہوگا ﴿لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ [ایضاً:۱۰۷] "نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا۔" اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اکٹھی ہوگی۔ کیا جنات کیا انسان، خشکی والے، سمندر والے، عجیب منظر ہوگا۔ سورج ایک میل کی مسافت پر ہوگا۔ گرمی کا کیا عالم ہوگا۔ اس وقت سورج ہم سے کروڑوں میل دور چوتھے آسمان پر ہے۔ جیٹھ ہاڑ کے مہینے میں اس کی تپش برداشت سے باہر ہوتی ہے۔

﴿فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾[المعارج:۴] پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا۔ لوگ گناہوں کی نسبت سے پسینے میں (ڈوبے) ہوں گے۔ کوئی اپنے پسینے میں ٹخنوں تک، کوئی ناف تک، کوئی حلق تک، کوئی کانوں تک۔ نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی زبانوں پر ہوگا رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ "پروردگار سلامتی فرما، پروردگار سلامتی فرما۔" وہ دن ہوگا ﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝﴾ "جس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اپنی والدہ سے اور اپنے باپ سے اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔" [سورۃ عبس، پارہ:۳۰]

آج دنیا میں ایک دوسرے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی کی پچاس نیکیاں ہوں گی اور پچاس ہی بُرائیاں ہوں گی۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! ایک نیکی لاؤ کہ تیرا نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے اور جنت میں چلے جاؤ۔ پہلے تو وہ بڑا خوش ہوگا کہ ایک نیکی کیا ہے۔ اپنے لنگوٹیے دوستوں کے پاس جائے گا کہ مجھے ایک نیکی دے دو۔ وہ کہیں گے اِلَیْكَ دفع ہو جا تجھے نیکی دے کر ہم کہاں جائیں گے؟ بھائی کے پاس جائے گا، والد کے پاس جائے گا۔ سب جواب دے دیں گے۔ آخر میں والدہ کے پاس جائے گا۔ کہے گا اَتَعْرِفِیْنَ کیا مجھے پہچانتی ہے میں کون ہوں؟ ماں کہے گی ہاں! میں نے تجھے اپنے پیٹ میں اُٹھایا، مشکل سے جنا، پھر تجھے پالا، تو میرا بیٹا ہے۔ کہے گا امی! مجھے ایک نیکی دے دے۔ ماں کہے گی اِلَیْكَ عَنِّیْ "میری آنکھوں سے دور ہو جا۔" تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گی؟ تو محشر بڑا مشکل مرحلہ ہے اور ہم غفلت میں ہیں۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں بکھیرا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿وَیَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کافر ٹھٹھے کے طور پر کہتے ہیں ﴿مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ﴾ کب یہ وعدہ پورا ہوگا، قیامت کب برپا ہوگی؟ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہو تم سچے تو ہمیں بتلاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا صحیح وقت رب تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اجمالی طور پر سب جانتے ہیں کہ قیامت آئے گی۔ اس طرح سمجھو جیسے ہم سب جانتے ہیں کہ ہم نے مرنا ہے۔ لیکن مرنے کے وقت کا کسی کو علم نہیں ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا راز ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

اس میں رب تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں۔ اگر ہر آدمی کو اپنی موت کا علم ہوتا تو نظام دنیا چل ہی نہیں سکتا تھا۔ جس کو پتا ہوتا کہ میں نے آج سے تیس سال بعد مر جانا ہے وہ آج ہی سے سوکھنا شروع ہو جاتا۔ خوشیاں ختم، شادیاں ختم۔

(پھر رب تعالیٰ کی حکمت دیکھو کہ کسی کو علم نہیں ہے کہ میں نے پہلے مرنا ہے یا بیٹے نے۔ آنے کی ترتیب ہے جانے کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔ باپ اپنے ہاتھ سے بیٹے اور پوتے کو دفنا رہا ہوتا ہے۔ چھوٹا بھائی بڑے بھائی کو دفنا رہا ہوتا ہے۔ اگر واپسی (موت) بھی آنے والی ترتیب سے ہوتی تو پھر بھی نظام دنیا نہ چلتا کہ بڑے کے مرنے کے بعد چھوٹے کو فکر لاحق ہو جاتی کہ اب میں نے مرنا ہے۔ لہٰذا دنیا سے جانے کی رب نے ترتیب نہیں رکھی۔ نواز بلوچ، مرتب)

تو فرمایا پختہ بات ہے قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ اور پختہ بات ہے میں ڈرانے والا ہوں کھول کر کہ ﴿السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾ [القمر: ٤٦] "قیامت بہت بڑی آفت اور کڑوی چیز ہے۔" ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً﴾ پس جب دیکھیں گے اس کو قریب آ گئی ہے ﴿سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡهُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا﴾ بگڑ جائیں گے ان لوگوں کے چہرے جو کافر ہیں، پریشان ہو جائیں گے۔ آج تو کہتے ہیں کب آئے گی؟ جس وقت آئے گی تو ان کے یہ چہرے نہیں رہیں گے ﴿عَلَیۡهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝﴾ [سورۃ عبس] "چہروں پر غبار چڑھا ہوگا ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔" اس دن مومنوں کے چہرے بالکل سفید ہوں گے اور کافروں اور اہل بدعت کے چہرے بالکل سیاہ ہوں گے ﴿یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡهٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ﴾ [آل عمران: ١٠٦] "جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے۔" اس آیت کریمہ کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تَبۡیَضُّ وُجُوۡهٌ ای اهل السنة والجماعة وَ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ای اهل البدعة والهواء جنھوں نے دین میں بدعتیں گھڑی ہیں ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

تو فرمایا جب دیکھیں گے قیامت کو کہ قریب آ گئی ہے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے ﴿وَ قِیۡلَ﴾ اور کہا جائے گا ﴿هٰذَا الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَدَّعُوۡنَ﴾ یہ وہی ہے جس کو تم مانگتے تھے۔ کہتے تھے ﴿مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ﴾ کب آئے گی یہ قیامت؟ ﴿قُلۡ﴾ آپ فرما دیں ﴿اَرَءَیۡتُمۡ﴾ بتلاؤ تم ﴿اِنۡ اَهۡلَكَنِیَ اللّٰهُ﴾ اگر ہلاک کر دے مجھے اللہ تعالیٰ ﴿وَ مَنۡ مَّعِیَ﴾ اور ان کو بھی جو میرے ساتھ ہیں ﴿اَوۡ رَحِمَنَا﴾ یا ہم پر رحم فرمائے۔ دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ ہمیں زندہ چھوڑ دے یا ہمیں دنیا سے لے جائے۔ ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے جو چاہے کرے۔ اے کافرو! تم بتلاؤ ﴿فَمَنۡ یُّجِیۡرُ الۡكٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ﴾ پس کون پناہ دے گا کافروں کو دردناک عذاب سے۔ ہمارا معاملہ تو رب تعالیٰ کے ساتھ ہے دنیا میں رکھے یا دنیا سے لے جائے۔ تمھیں رب تعالیٰ کی گرفت سے کون بچائے گا؟

رب کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا

روایات میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا جب سیلاب آیا تو ایک شادی شدہ لڑکی تھی جس کی عمر سترہ (١٧) اٹھارہ (١٨)

سال تھی۔ چاند جیسا خوب صورت بیٹا اس کے پاس تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر کہا بچی اپنی جان پر بھی ترس کھاؤ اور بچے پر بھی ترس کھاؤ۔ تجھے رب تعالیٰ نے خوب صورت بیٹا عطا فرمایا ہے کلمہ پڑھ لو اور کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ تو بھی بچ جائے گی اور بچہ بھی بچ جائے گا۔ کہنے لگی تمھارے کلمے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی بچ جاؤں گی۔ بچے کو اس نے چھاتی کے ساتھ لگایا ہوا تھا، دودھ پلا رہی تھی پانی آیا تو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جب پانی چھاتی تک پہنچا تو بچے کو اس نے کندھے پر بٹھالیا۔ جب پانی کندھے تک ہو گیا تو بچے کو سر پر بٹھالیا۔ جب پانی اور بلند ہوا تو بچے کو اس نے ہاتھوں پر اُٹھالیا۔ پانی اور بلند ہوا تو خود بھی ہلاک ہوئی اور بچہ بھی ہلاک ہو گیا اور اُس کو کوئی خدا کے عذاب سے بچا نہ سکا۔

تو فرمایا کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ان سے ﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی رحمٰن ہے وہ ہم پر رحم کرے گا کیوں کہ ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم ایمان لائے ہیں اس پر۔ اس کی ذات پر، اس کی صفات پر کہ وہ ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اپنے افعال میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور وہ اپنے ارادے میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ ﴿وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اور اسی پر ہم نے بھروسا کیا ہے۔ اور تم لات، منات، عزّیٰ اور دوسروں پر بھروسا کرتے ہو ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے ﴿مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کون ہے جو کھلی گمراہی میں ہے۔ تم ہو یا ہم ہیں۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر سب کچھ سامنے آجائے گا۔

﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بتلاؤ تم ﴿اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا﴾ اگر ہو جائے تمھارا پانی گہرا۔ موجودہ سطح سے نیچے چلا جائے۔ ہمارا علاقہ تو الحمدللہ! پانی والا ہے۔ ہم چمن سے قندھار گئے۔ وہ پس ماندہ علاقہ ہے۔ تقریباً اَسّی (۸۰) میل کا رقبہ ہوگا۔ راستے میں نہ پانی، نہ کھیتی، نہ درخت۔ جن کا وضو تھا اُنھوں نے تو نمازیں پڑھ لیں اور جن کا نہیں تھا وہ بڑے پریشان ہوئے۔ تیمم کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گھر گھر پانی، جگہ جگہ پانی اور ہم ناشکرے۔

تو فرمایا اگر تمھارا پانی گہرا ہو جائے ﴿فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ پس کون لاکر دے گا تمھیں ایسا پانی جو جاری ہو زمین کی سطح پر۔ تفسیروں میں یہاں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ ایک سرکش متکبر عربی تھا۔ جب اس کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی گئی ﴿فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ تو کہنے لگا اَلْفُؤُسُ وَ المعاوِلُ "کلہاڑیاں اور کدال پانی لاکر دیں گی" کہ ان کے ذریعے سے کنویں کھودتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اس کو اسی وقت اندھا کر دیا۔ لفظ منہ سے نکالنے کی دیر تھی اس کی آنکھوں کا پانی ختم کر دیا کہ رب تعالیٰ کے کلام کے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ وہ ساری عمر کے لیے اندھا ہو گیا۔ رب تعالیٰ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ (اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے جب یہ آیت پڑھی جائے ﴿فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾ تو اس کے بعد کہنا چاہیے ﴿اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ گویا یہ اس آیت کا جواب ہے)۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡقَلَمِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ

(۲۹)

آیاتُها ۵۲ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (۶۸) (۲) رُكوعاتُها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿نٓ وَالْقَلَمِ﴾ قسم ہے قلم کی ﴿وَ مَا﴾ اور اس چیز کی ﴿یَسْطُرُوْنَ﴾ جو وہ لکھتے ہیں ﴿مَاۤ اَنْتَ﴾ نہیں ہیں آپ ﴿بِنِعْمَةِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کے فضل سے ﴿بِمَجْنُوْنٍ﴾ دیوانے ﴿وَ اِنَّ لَكَ﴾ اور بے شک آپ کے لیے ﴿لَاَجْرًا﴾ البتہ اجر ہے ﴿غَیْرَ مَمْنُوْنٍ﴾ کبھی نہ ختم ہونے والا ﴿وَ اِنَّكَ﴾ اور بے شک آپ ﴿لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ البتہ بڑے اخلاق پر ہیں ﴿فَسَتُبْصِرُ﴾ پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے ﴿وَ یُبْصِرُوْنَ﴾ اور وہ بھی دیکھ لیں گے ﴿بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ﴾ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا گیا ہے ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ﴾ وہ خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ ضَلَّ﴾ اس کو جو بہک گیا ﴿عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ اس کے راستے سے ﴿وَ هُوَ اَعْلَمُ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ﴿بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ ہدایت پانے والوں کو ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ﴾ پس آپ اطاعت نہ کریں جھٹلانے والوں کی ﴿وَدُّوْا﴾ وہ لوگ پسند کرتے ہیں ﴿لَوْ تُدْهِنُ﴾ اگر آپ نرمی کریں ﴿فَیُدْهِنُوْنَ﴾ پس وہ بھی نرم ہو جائیں ﴿وَ لَا تُطِعْ﴾ اور آپ اطاعت نہ کریں ﴿كُلَّ حَلَّافٍ﴾ کسی بھی قسم کھانے والے کی ﴿مَّهِیْنٍ﴾ جو ذلیل ہے ﴿هَمَّازٍ﴾ عیب نکالنے والا ہے ﴿مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ﴾ کثرت سے چغلیاں لے کر چلتا ہے ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ﴾ روکنے والا ہے خیر سے ﴿مُعْتَدٍ﴾ تجاوز کرنے والا ہے ﴿اَثِیْمٍ﴾ گناہ گار ہے ﴿عُتُلٍّ﴾ بدمزاج ہے ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ﴾ اس کے بعد بدنام بھی ہے ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ﴾ اس لیے کہ مال والا ہے ﴿وَّ بَنِیْنَ﴾ اور بیٹوں والا ہے ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ﴾ جس وقت پڑھی جاتی ہیں اس پر ﴿اٰیٰتُنَا﴾ ہماری آیتیں ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿سَنَسِمُهٗ﴾ عنقریب ہم داغ لگائیں گے اس کو ﴿عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾ سونڈ پر۔

نٓ کے متعلق مفسرین کے اقوال

نزول کے اعتبار سے اس سورت کا دوسرا نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور باون [۵۲] آیتیں ہیں۔ نٓ کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بہت سی باتیں فرمائی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات هِيَ مِنْ أَسماءِ اللهِ تعالى "یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔" اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے مخفف ہیں۔ مثلاً: نون سے مراد نور ہے۔ نور بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ نٓ سے مراد نصیر ہے۔ بعض فرماتے

ہیں ناصر مراد ہے۔ ناصر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ نون کے معنیٰ مچھلی کے ہیں۔ سات زمینوں کے نیچے ایک مچھلی ہے جس کی پشت پر سات زمینیں ٹکی ہوئی ہیں۔

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نون سے مراد دوات ہے اور قلم سے قلم مراد ہے۔ پھر قلم سے کون سا قلم مراد ہے؟ ایک یہ ہے کہ وہ قلم مراد ہے جس سے لوحِ محفوظ لکھی گئی ہے۔ ابوداوٗد شریف میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ "سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ قلم ہے۔" تقدیر کا قلم۔ بعض فرماتے ہیں کہ ہر قلم مراد ہے جس سے پہلے زمانے کے لوگ لکھتے رہے اور اب لکھتے ہیں اور آئندہ لکھیں گے۔

تو قسم ہے دوات اور قلم کی ﴿وَ مَا یَسْطُرُوْنَ﴾ اور اس چیز کی جس کو وہ لکھنے والے لکھتے ہیں ﴿مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ نہیں ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے۔ قلم دوات کا کیا تعلق ہے اس جملے کے ساتھ؟ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تعلق یہ ہے کہ اب تک قلم دوات سے جو لکھنے والوں نے لکھا اور آئندہ لکھیں گے وہ اس بات پر گواہ ہے کہ آپ دیوانے نہیں۔ تاریخ لکھنے والوں کی تاریخ، مضمون لکھنے والوں کا مضمون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو پہنچ ہی نہیں سکتا آپ کس طرح دیوانے ہو سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہنے کی کیا وجہ تھی؟ دیوانہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ ساری قوم ایک بات کہتی ہے اور ایک بندہ ساری قوم کے خلاف دوسری بات کرتا ہے۔ تو ظاہری طور پر نتیجہ یہی اخذ کرنا چاہیے کہ یہ دیوانہ ہے۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کا واقعہ

تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون، مجنون کہہ کر مشہور کیا ہوا تھا۔ اور اتنا پروپیگنڈہ کیا تھا کہ مکہ مکرمہ سے پانچ منزلوں کے فاصلے پر ایک قبیلہ رہتا تھا ازدشنوٗہ۔ وہاں تک یہ بات پہنچی۔ اس قبیلہ کا ایک آدمی جس کا نام ضماد تھا وہ پاگلوں کو دم کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر شفا دیتا تھا۔ فیس بھی کافی لیتا تھا۔ اس نے سنا کہ کعبۃ اللہ کے متولیوں کا ایک لڑکا جس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور ماں بھی فوت ہو چکی ہے، بہن بھائی بھی اس کا کوئی نہیں ہے۔ وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ کعبۃ اللہ کے ساتھ سارے عرب کی عقیدت تھی۔ اس کے متولیوں کے ساتھ بھی عقیدت تھی۔

ضماد انسانی ہمدردی کے تحت مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ میں اس شخص کو ملنا چاہتا ہوں جس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے سنا ہے کہ اس کو دیوانگی ہے۔ جس کے ساتھ بھی بات کرتا کیا مرد یا عورتیں، کیا بچے، کیا بوڑھے، سبھی کہتے دیوانے کے ساتھ ملاقات کرنی ہے اس کو مل کر کیا کرنا ہے؟ کہتا مجھے بتاؤ تو سہی میں نے اس کے ساتھ ملاقات کرنی ہے۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ گفتگو شروع کی۔ کہنے لگا حضرت! آپ نے قبیلہ ازدشنوٗہ کا نام سنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے سنا ہے۔ کہنے لگا شاید آپ نے یہ بھی سنا ہو کہ اس قبیلے کا ایک آدمی پاگلوں کو دم کرتا ہے اور ان کو شفا ہو جاتی ہے۔ وہ عاجز میں ہوں۔ میں نے آپ سے فیس نہیں لینی صرف انسانی ہمدردی کے تحت آپ کے پاس آیا ہوں لَعَلَّ اللّٰهَ یَشْفِیْكَ عَلٰی

یَدِیْ "شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھ سے شفا دے دے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں آپ کے آنے پر بڑا شکرگزار ہوں کہ آپ اتنی دور سے انسانی ہمدردی کے تحت آئے ہو اور کہہ رہے ہو کہ فیس بھی نہیں لوں گا۔ اور یہ بھی کہہ رہے ہو کہ شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر آپ کو شفا دے دے۔ یعنی یہ مانتے ہو کہ شفا رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن میں پاگل نہیں ہوں۔ ضماد کہنے لگا لوگ کیوں پاگل کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی زبانیں ان کے مونہوں میں ہیں لیکن میں پاگل نہیں ہوں۔ کہنے لگا آپ کہتے کیا ہیں؟ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خطبہ پڑھا جو آپ حضرات جمعہ کے موقع پر سنتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ یہ خطبہ پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ پڑھ کر سنائی۔ چونکہ عربی تھا اور پھر شاعر اور مقرر بھی تھا۔ جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات پڑھتے گئے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے گئے۔ آخر میں اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔ کہنے لگا میں شاعر بھی ہوں، ادیب بھی ہوں، مقرر بھی ہوں۔ یہ کلام جو آپ نے سنایا ہے یہ کسی بندے کا کلام نہیں ہے۔ یہ رب ہی کا کلام ہے۔ لہٰذا آپ جو دعوت دیتے ہیں میں قبول کرتا ہوں اور (یہ کہہ کر) مسلمان ہو گیا اور رضی اللہ عنہم کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

مشرکین مکہ کا پروپیگنڈہ

تو اندازہ لگاؤ کہ مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کتنے دور دور تک پروپیگنڈہ کیا ہوا تھا کہ یہ دیوانہ ہے۔ مستدرکِ حاکم حدیث کی کتاب ہے۔ اس میں روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حج کرتے تھے۔ منٰی، مزدلفہ، عرفات کے میدان میں لوگ کافی اکٹھے ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہ لوگ اکٹھے ہیں جا کر تبلیغ کرتے تھے۔ اور اُدھر ابوجہل اور ابولہب نے باری مقرر کی ہوئی تھی کہ عرفات میں تم نے تردید کرنی ہے اور منٰی میں مَیں نے تردید کرنی ہے۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریر فرماتے تو ابوجہل خاموشی کے ساتھ سنتا رہتا شور نہیں مچاتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریر ختم کرتے تو یہ اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا اور کہتا اَيُّهَا النَّاس اے لوگو! تم نے اس کا بیان سنا۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس کے بیان سے متاثر ہوئے ہو۔ میں اس کا چچا لگتا ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ صابی ہے، کذاب ہے، پاگل ہے، اس کے پھندے میں نہ آنا۔ منٰی کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریر کی تو ابولہب اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا اَيُّهَا النَّاس اے لوگو میری بات سنو! میرا نام عبدالعزّٰی ہے۔ میرے باپ کا نام عبدالمطلب ہے۔ یہ میرے چھوٹے بھائی عبداللہ کا لڑکا ہے۔ یہ دیوانہ ہے، صابی ہے، جھوٹا ہے، اس کے پھندے میں نہ آنا۔

تو ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو قسم اُٹھا کر صفائی دینی پڑی۔ قسم دوات اور قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ﴾ اور بے شک آپ کے لیے البتہ اجر ہے کبھی ختم نہ ہونے والا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت نے جتنی نیکیاں کیں اور کر رہی ہے اور

قیامت آنے تک کرتی رہے گی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامۂ اعمال میں بھی برابر درج ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی، کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہیں۔ نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوٰۃ ہے، تلاوت قرآن پاک ہے، سلام کہنا ہے۔ غرض کہ جو بھی نیکی کرتے ہیں۔

تو فرمایا بے شک آپ کے لیے البتہ اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا ﴿وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ اور بے شک آپ البتہ بڑے اخلاق پر ہیں۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈہ بالکل غلط ہے۔

شیخ الرئیس ابن سینا جو بہت بڑا حکیم گزرا ہے اور لوگ اب اس کی برسیاں مناتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ طبی نقطۂ نظر سے دنیا میں اگر کوئی کامل انسان تھا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ یعنی طبی لحاظ سے جتنی صحت درکار ہوتی ہے کہ جسم میں کوئی کمی اور نقص نہ ہو وہ واحد شخص دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اور روحانی مقام تو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں بلند ترین تھا۔

تو فرمایا بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں ﴿فَسَتُبْصِرُ﴾ پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے ﴿وَ يُبْصِرُوْنَ﴾ اور وہ بھی دیکھ لیں گے ﴿بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ﴾ کہ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا گیا ہے۔ کون مجنون ہے عنقریب پتا چل جائے گا۔

قوموں کے لیے چند سال کوئی شے نہیں ہوتے۔ تیئس سال میں عرب کی وہ زمین جو کفر، شرک اور برائیوں سے اَٹی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کفر و شرک اور برائیوں سے پاک ہوگئی اور وہ سارے لوگ ہدایت یافتہ ہوگئے۔ مولانا حالی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔ ۸، ۹ ھ میں سارا عرب من حیث القوم مسلمان ہو گیا۔ وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آتے ہوئے سر جھکا لیتے تھے، آنکھیں نیچی کر لیتے تھے۔

تو فرمایا آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون مجنون ہے؟ ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ﴾ وہ خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ﴾ اس کو ﴿ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ جو بہک گیا اس کے راستے سے، گمراہ ہو گیا ﴿وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ نہ کوئی گمراہ اس کی نظر سے غائب ہے اور نہ کوئی ہدایت یافتہ اس کی نظر سے اوجھل ہے۔

شانِ نزول

آگے ایک سکیم کا ذکر ہے۔ جو قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشن سے ہٹانے کے لیے تیار کی تھی۔ مکہ مکرمہ کے بڑے سرداروں میں ایک ولید بن مغیرہ تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر تک اس کا کوئی باپ بننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اٹھارہ سال کے بعد مغیرہ نے

کہا کہ یہ میرا نطفہ ہے۔اس کے تیرہ بیٹے تھے اور کافی نوکر چاکر تھے۔تیرہ بیٹوں میں سے تین مسلمان ہوئے۔اسلام کے مشہور جرنیل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ہشام بن ولید رضی اللہ عنہ اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہ۔مکہ مکرمہ کے ہر محلے میں اس کی دُکان تھی اور ہر دکان میں ہر طرح کا سامان ہوتا تھا۔بڑا مال دار آدمی تھا۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس کے ساتھ عتبہ بن ابی ربیع تھا۔عتبہ کی لڑکیاں بڑی خوب صورت تھیں۔عتبہ نے کہا کہ اگر آپ اپنا مشن چھوڑ دیں تو میں یہ قربانی دے سکتا ہوں کہ میری خوب صورت جوان لڑکیاں ہیں۔جس کی طرف آپ اشارہ کریں بغیر حق مہر کے آپ کے نکاح میں دے دوں گا۔یہ جو کارروائی آپ نے شروع کی ہوئی ہے اس کو چھوڑ دیں۔گھر گھر میں لڑائی شروع ہوگئی ہے۔بیٹا باپ کا مخالف ہے، بھائی بھائی کا مخالف ہے، بیوی خاوند کے مخالف ہوگئی ہے۔گلی محلوں میں یہ سلسلہ چل نکلا ہے۔ولید بن مغیرہ نے کہا اگر آپ اس پروگرام سے باز آجائیں تو میں آپ کو اتنا مال دینے کے لیے تیار ہوں کہ آپ کی سات پشتیں کھاتی رہیں تو ان سے ختم نہیں ہوگا۔مگر آپ اس کارروائی سے باز آجائیں۔اس موقع پر زیادہ گفتگو کرنے والا ولید بن مغیرہ تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ پس آپ اطاعت نہ کریں جھٹلانے والوں کی حق کو ﴿وَدُّوْا﴾ وہ پسند کرتے ہیں ﴿لَوْ تُدْهِنُ﴾ یہ ﴿لَوْ﴾ مصدریہ ہے ﴿اِنْ﴾ کے معنیٰ میں۔وہ پسند کرتے ہیں اس کو کہ اگر آپ نرمی کریں مذہب میں ﴿فَيُدْهِنُوْنَ﴾ وہ بھی نرمی کرلیں گے۔وہ کہتے تھے کہ تم ہمارے لات، منات، عزیٰ کی تعریف کردیا کرو ہم تمھارے رب کی تعریف کردیا کریں گے۔صلح صفائی کے ساتھ اکٹھے رہیں۔رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع فرمادیا۔

فرمایا ﴿وَلَا تُطِعْ﴾ اور آپ اطاعت نہ کریں ﴿كُلَّ حَلَّافٍ﴾ ہر قسم اُٹھانے والے کی۔یہ ولید بن مغیرہ جب بھی بات کرتا تھا قسم اُٹھاتا تھا۔حلاف کا معنیٰ ہوتا ہے زیادہ قسمیں اُٹھانے والا۔﴿مَّهِيْنٍ﴾ جو ذلیل ہے لوگوں کی نگاہوں میں۔لوگ اس کے سامنے تو اس کی قدر کرتے تھے۔جب بیٹھ کر جاتا تو کہتے یہ وہی ہے جس کا باپ نہیں ملتا تھا ﴿هَمَّازٍ﴾ عیب نکالنے والا ہے، طعنہ دینے والا ہے۔کسی کو کہتا تیری آنکھ ایسی ہے، کسی کو کہتا تیرا بازو ایسا ہے، کسی کو کہتا تیرا پیشہ ایسا ہے۔کسی کو کچھ کہتا اور کسی کو کچھ کہتا۔﴿هَمَّازٍ﴾ کا معنیٰ ہے طعنہ مارنے والا ﴿مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ﴾ کثرت سے چغلیاں لے کر چلتا ہے۔یہاں کی بات وہاں اور وہاں کی بات یہاں پہنچاتا ہے ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ خیر سے روکنے والا ہے۔ایمان سے روکتا ہے، اسلام سے روکتا ہے ﴿مُعْتَدٍ﴾ تجاوز کرنے والا ہے۔چونکہ مال دار بھی تھا اور تیرہ بیٹے اور نوکر چاکر تھے کوئی اس کے سامنے نہیں کھڑا ہوتا تھا۔کسی کو مکا ماردیا، کسی کو لاٹھی ماردی۔﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہ گار ہے ﴿عُتُلٍّ﴾ بدمزاج ہے۔عُتل کہتے ہیں جو اپنی منوائے اور کسی کی نہ سنے، اُجڈ مزاج ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ﴾ اس کے بعد بدنام بھی ہے۔اُٹھارہ سال تک اس کے باپ کا علم نہیں تھا۔اٹھارہ سال کے بعد مغیرہ نے دعویٰ کیا کہ میرا نطفہ ہے۔اس کی ماں کے ساتھ میں نے بُرائی کی تھی۔اپنا حال تو یہ ہے اور لوگوں کو طعنے دیتا ہے۔پیغمبر کو دیوانہ کہتا ہے۔اپنے گریبان میں منہ ڈال (جھانک) کر دیکھ۔لیکن دنیا کے لوگوں کا حال یہ ہے بُرے لوگوں کی ظاہری طور پر

بڑی قدر کرتے ہیں (ان کے شر سے بچنے کے لیے۔مرتب) دل میں ان کے کوئی قدر نہیں ہوتی۔

فرمایا یہ کارروائیاں اس لیے کرتا ہے ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ﴾ کہ مال والا ہے ﴿وَّبَنِيْنَ﴾ اور بیٹوں والا ہے۔ مال اولاد کے بل بوتے پر یہ حرکتیں کرتا ہے ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا﴾ جس وقت پڑھی جاتی ہیں اس پر ہماری آیتیں۔قرآن اس کو سنایا جاتا ہے ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے۔اسطورہ کا معنٰی ہے کہانی۔کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ٹھیک ہے قرآن میں واقعات بھی ہیں۔مگر وہ سبق آموز ہیں،عبرت کے لیے ہیں۔محض قصے،کہانیاں تو نہیں ہیں۔کرلے یہ باتیں ﴿سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ﴾ اصل میں خرطوم ہاتھی کے سونڈ کو کہتے ہیں۔اس کی ناک لوٹے کی طرح پھولی ہوئی تھی ہاتھی کی سونڈ کی طرح۔اور خنزیر کی ناک کو بھی خرطوم کہتے ہیں۔فرمایا عنقریب ہم داغ لگائیں گے اس کو سونڈ پر۔

اور بدر کے موقع پر ایک انصاری صحابی نے اس کی ناک پر زخم لگایا تھا۔وہاں سے بچ کر بھاگ گیا۔واپس مکہ مکرمہ آکر علاج کراتا رہا مگر وہ زخم ٹھیک نہ ہوا۔پھر اسی تکلیف میں مرگیا۔

﴿اِنَّا﴾ بے شک ہم نے ﴿بَلَوْنٰهُمْ﴾ آزمایا ان کو ﴿كَمَا بَلَوْنَآ﴾ جیسے ہم نے آزمایا ﴿اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ باغ والوں کو ﴿اِذْ اَقْسَمُوْا﴾ جب اُنھوں نے قسم اُٹھائی ﴿لَيَصْرِمُنَّهَا﴾ البتہ ضرور کاٹیں گے وہ اس باغ کے پھل کو ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ صبح کے وقت ﴿وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ﴾ اور اُنھوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا﴾ پس پھر گیا اس باغ پر ﴿طَآئِفٌ﴾ پھرنے والا ﴿مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ اور وہ سوئے ہوئے تھے ﴿فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ﴾ پس ہو گیا وہ باغ جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہوتی ہے ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ﴾ پس اُنھوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں صبح کرتے ہوئے ﴿اَنِ اغْدُوْا﴾ کہ سویرے چلو ﴿عَلٰى حَرْثِكُمْ﴾ اپنی کھیتی پر ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ﴾ اگر ہو تم پھل توڑنے والے ﴿فَانْطَلَقُوْا﴾ پس وہ چلے ﴿وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ﴾ اور وہ آہستہ آہستہ باتیں کررہے تھے ﴿اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ﴾ کہ داخل نہ ہو اس باغ میں آج کے دن ﴿عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ﴾ تمھارے اُوپر کوئی مسکین ﴿وَّغَدَوْا﴾ اور ہو گئے وہ ﴿عَلٰى حَرْدٍ﴾ منع کرنے پر ﴿قٰدِرِيْنَ﴾ قادر ﴿فَلَمَّا رَاَوْهَا﴾ پس جس وقت دیکھا اُنھوں نے باغ کو ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اِنَّا لَضَآلُّوْنَ﴾ بے شک ہم راستہ بھولنے والے ہیں ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں ﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ کہا اُن میں سے درمیانے نے ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا تم کو ﴿لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ﴾ کیوں نہیں تم تسبیح بیان کرتے ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہنے لگے ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ﴾ پاک ہے ہمارا رب ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم ظالم تھے ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ﴾

پس متوجہ ہوا بعض ان کا ﴿عَلٰی بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿یَّتَلَاوَمُوْنَ﴾ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿یٰوَیْلَنَآ﴾ ہائے افسوس ہم پر ﴿اِنَّا کُنَّا طٰغِیْنَ﴾ بے شک ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے ﴿عَسٰی﴾ قریب ہے ﴿رَبُّنَآ﴾ ہمارا رب ﴿اَنْ یُّبْدِلَنَا﴾ کہ بدل دے ہمیں ﴿خَیْرًا مِّنْهَآ﴾ بہتر اس سے ﴿اِنَّآ﴾ بے شک ہم ﴿اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ﴾ اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ﴿کَذٰلِکَ الْعَذَابُ﴾ اسی طرح عذاب ہوتا ہے ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب ﴿اَکْبَرُ﴾ بہت بڑا ہے ﴿لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ یہ لوگ جان لیں۔

باغ والوں کا واقعہ

اس سے پہلی آیات میں تم نے ولید بن مغیرہ کے متعلق سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین میں سے ایک تھا۔ اور بڑا منہ پھٹ اور امیر ترین آدمی تھا۔ اس کے تیرہ بیٹے تھے۔ اور اسی مال اور اولاد کی وجہ سے وہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اے پروردگار! ایسے گھٹیا آدمی کو تو نے مال، اولاد سے کیوں نوازا؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے ان مکے والوں کو آزمایا جن میں ولید بن مغیرہ بھی تھا ﴿کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ جیسے ہم نے آزمایا باغ والوں کو۔ یہ باغ والے کہاں کے رہنے والے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حبشہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں یمن میں رہتے تھے۔ اپنی اپنی تحقیق ہے۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک آدمی تھا بڑا نیک پارسا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک باغ عطا فرمایا تھا جس میں ہر قسم کے پھل تھے اور کھیتی بھی تھی۔ اس کا یہ معمول تھا کہ پھل جب اُتارنا ہوتا تھا تو علاقے میں اعلان کرا دیتا تھا کہ فلاں دن میں نے پھل اُتارنا ہے غرباء، مساکین پہنچ جائیں اور اپنا حق وصول کر لیں۔ پھل کے وہ تین حصے کرتا تھا۔ ایک حصہ گھر کی ضروریات کے لیے رکھ لیتا تھا۔ ایک حصہ باغ کی ضروریات، کھاد، پانی، گوڈی وغیرہ کے لیے اور ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا معمول تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے دیئے تھے لڑکی کوئی نہیں تھی۔ لڑکوں کو بھی ساتھ لے جاتا تھا کہ یہ بھی دیکھیں کہ میں کس طرح تقسیم کرتا ہوں اور میرے بعد یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے۔ وہ اللہ کا بندہ بیمار ہو گیا اور سمجھا کہ میں اس بیماری سے جانبر نہیں ہو سکوں گا۔ بیٹوں کو وصیت کی اور سمجھایا کہ بیٹو! یہ سب کچھ رب تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور یہ باغ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ ہمارا تو صرف نام ہے حقیقت میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بیٹو! ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔" اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ بیٹو! میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ جس طرح میں کرتا ہوں تم

نے بھی اسی طرح کرنا ہے۔ پھل اُتارنے کا جب وقت آئے تو غریبوں، مسکینوں کو ان کا حق وہیں دے دینا ہے۔ وہ فوت ہو گیا۔

پھل تیار ہو گیا، کھیتی پک گئی۔ پھل توڑنے کا وقت آیا تو رات کو تینوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ کل پھل توڑنا ہے کیا کرنا چاہیے؟ درمیانے نے کہا اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح ہمارا باپ کرتا تھا اور اس نے ہمیں وصیت بھی کی ہے۔ بڑے اور چھوٹے نے کہا کہ ہمارے والد کی عقل، سمجھ ٹھیک نہیں تھی۔ سارا سال محنت کرتا، گرمی سردی برداشت کرتا اور جب پھل تیار ہوتا تھا تو غریبوں اور مسکینوں کو دے دیتا۔ ہم نے ان کو کچھ نہیں دینا۔

درمیانے نے کہا کہ خدا خوفی کرو نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو اور نہ والد صاحب کا اچھا نام بدلو۔ کیونکہ اُس زمانے میں رب تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا چوتھائی غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرنے کا۔ وہ نیک آدمی چوتھائی کے بجائے تیسرا حصہ نکالتا تھا۔ دوسرے دو بھائیوں نے کہا کہ تو بھی والد صاحب کی طرح بے وقوف ہے۔ کمائیں ہم اور کھائیں دوسرے، یہ کوئی عقل کی بات ہے؟ وہ بے چارہ اکیلا تھا دب گیا۔ اُنھوں نے قسم اُٹھائی کہ رب تعالیٰ کی قسم ہے صبح جا کر ہم نے پھل کاٹنا ہے اور کسی کو ایک دانہ بھی نہیں دینا۔ اور کہنے لگے کہ جاتے وقت بلند آواز سے بات بھی نہیں کرنی کہ کوئی فقیر سن نہ لے اور وہاں آ نہ جائے۔ اور اس طرح چلنا ہے کہ پاؤں کی آہٹ بھی کوئی نہ سنے۔ مشورہ کر کے سو گئے۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے آگ کا بگولا بھیجا جس نے سارے باغ کو راکھ کر کے رکھ دیا اور کوئی چیز اس نے نہ چھوڑی۔ صبح اندھیرے منہ باغ کی طرف چلے۔ جب وہاں پہنچے تو باغ نظر نہ آیا۔ نہ درخت، نہ کھیتی وغیرہ۔ پہلے تو کہنے لگے ہم پر نیند غالب ہے ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ ہم کسی اور جگہ چلے آئے ہیں۔ پھر جس وقت اچھی طرح غور کیا آس پاس کو دیکھا تو کہنے لگے جگہ تو وہی ہے مگر ہمیں رب تعالیٰ نے محروم کر دیا ہے۔ اب واویلا کرنے لگ گئے کہ ہائے مارے گئے۔ تو درمیانے نے کہا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ نہ کرو اور والد صاحب کی وصیت پر عمل کرو۔ پھر اُنھوں نے رو رو کر آہ و زاری کی، گڑگڑا کر رب تعالیٰ سے مانگا اور کچھ باپ کی نیکی کام آ گئی۔ بڑوں کی نیکی بھی چھوٹوں کے کام آ جاتی ہے۔

بڑوں کی نیکی کا چھوٹوں کے کام آنا

سولھویں پارے کے پہلے رکوع میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام سفر کرتے ہوئے انطاکیہ شہر پہنچے۔ انطاکیہ شہر آج بھی مصر میں موجود ہے۔ دوپہر کا وقت تھا بھوک لگی ہوئی تھی اور پیسا پاس نہیں تھا۔ سامنے کچھ لوگ آئے۔ ان سے کہا بھوک لگی ہوئی ہے کھانا کھلا دو۔ اُنھوں نے دیکھا کہ قد بت، شکلیں خوب صورت ہیں۔ صحت مند بھی ہیں۔ یہ کیوں سوال کرتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا اندھا مانگے، لنگڑا مانگے، لولا مانگے۔ مگر یہ کوئی پیشہ ور سائل تو نہیں تھے۔ اتفاق ہو گیا کہ پیسے پاس نہیں ہیں اور بھوک بھی لگ گئی۔ کیوں کہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے ایسے وجود تو نہیں دیئے کہ کھانے کی ضرورت نہ ہو۔ کھانا پیغمبر بھی کھاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا کہ کر کے کھاؤ۔ اُنھوں نے جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک بڑی دیوار

ہے جو گرنے والی ہے۔ خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان تھا۔ خضر اس لیے کہتے تھے کہ جس جگہ بیٹھتے تھے وہ جگہ فوراً سبز ہو جاتی تھی۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے اس کے وزیر اعظم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لمبی عمر عطا فرمائی تھی۔ جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اب بھی زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے دیکھا کہ دیوار گرنے والی ہے اُنھوں نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حضرت! یہ اتنے بے مروت لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں مانگنے پر بھی کھانا نہیں کھلایا اور آپ نے مفت میں ان کو دیوار سیدھی کر دی۔ کچھ تھوڑے بہت پیسے لے لیتے کہ ہم روٹی کھا لیتے۔ بعد میں خضر علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی۔ اور اس کے نیچے خزانہ تھا ﴿وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ "اور ان دونوں کا باپ نیک تھا۔" دیوار گر جاتی خزانہ ننگا (ظاہر) ہو جاتا اور دوسرے لوگ لے جاتے۔ اب جب یہ بڑے ہوں گے تو نکال لیں گے۔ والد نیک تھا اس کی نیکی بیٹوں کے کام آئی۔

تو باغ والوں نے گڑگڑا کر رب تعالیٰ سے درخواست کی اور والد کی نیکی بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرما دیا۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر کشاف میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس باغ کے انگور کا ایک ایک گچھا اتنا بڑا ہوتا تھا کہ اس کا آدھا حصہ خچر کے ایک طرف اور دوسرا آدھا خچر کے دوسری طرف رکھنا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جتنی چاہے برکت ڈال دے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنا بڑا سنگترہ دیکھا کہ اس کے دو حصے کر کے آدھا اُونٹ کے ایک طرف اور آدھا دوسری طرف رکھنا پڑتا تھا۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ میں نے ترشہتیر کے برابر لمبی دیکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو انار کا ایک دانہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے خول کے نیچے دس دس آدمی بیٹھ سکیں گے۔ سب کچھ اپنے مقام پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ ان کو آناً فاناً دوبارہ باغ مل جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے آزمایا ان کو ﴿كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ جیسے آزمایا ہم نے باغ والوں کو ﴿اِذْ اَقْسَمُوْا﴾ جب اُنھوں نے قسم اُٹھائی ﴿لَيَصْرِمُنَّهَا﴾ البتہ ضرور کاٹیں گے وہ اس کو یعنی اس کا پھل اُتاریں گے۔ صرم کا معنیٰ ہے باغ کا پھل اُتارنا۔ ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ صبح کے وقت۔ رب کی قسم صبح ہم نے باغ کا پھل اُتارنا ہے ﴿وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ﴾ اور ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ حالانکہ آدمی جب بھی کوئی کام کرنا چاہے تو ان شاء اللہ ضرور کہے۔ کیوں کہ ان شاء اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔

کئی دفعہ سن چکے ہو کہ یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین سوال کیے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کل جواب دوں گا اور زبان سے ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ کل گزرا، پرسوں گزرا، ہفتہ گزرا تو یہود نے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا کہ خدا جانے اس کا کل کب آئے گا۔ پندرہ دن کے بعد وحی آئی اور وحی کا آغاز اس سے ہوا ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

اللّٰہُ﴾[الکہف: ۲۳، ۲۴] ”اور آپ نہ کہیں کسی چیز کے بارے میں کہ میں کرنے والا ہوں اس کو کل مگر یہ کہ اللہ چاہے۔“ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کیا ہو سکتا ہے؟

تو انھوں نے ان شاء اللہ! بھی نہ کہا ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ﴾ پس پھر گیا اس باغ پر پھرنے والا ﴿مِّنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے۔ آسمانی آفت آئی جس نے سارے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا ﴿وَهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾ اور وہ سوئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا باغ پر ﴿فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ﴾ صرم کا معنیٰ کٹی ہوئی کھیتی بھی کرتے ہیں اور راکھ بھی کرتے ہیں۔ جیسے لکڑیاں جلنے کے بعد راکھ باقی رہ جاتی ہے۔ اور صرم کا معنیٰ کالی راکھ بھی کرتے ہیں۔ سب معانی صحیح ہیں۔ وہ باغ ایسے ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہوتی ہے، وہ ایسے ہو گیا جیسے راکھ، وہ باغ ایسے سیاہ ہو گیا جیسے کالی راکھ ہوتی ہے۔ ﴿فَتَنَادَوْا﴾ پس انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ صبح ہو جانے پر۔ صبح صادق ہوئی تو ایک دوسرے کو جگایا ﴿اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ﴾ کہ سویرے سویرے چلو اپنی کھیتی پر ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ﴾ اگر ہو تم پھل اُتارنے والے ﴿فَانْطَلَقُوْا﴾ پس وہ چلے ﴿وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ﴾ اور وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے ﴿اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ﴾ کہ داخل نہ ہو اس باغ میں آج کے دن تمھارے اُوپر کوئی مسکین۔ آہستہ آہستہ بولو کسی مسکین کو خبر نہ ہو جائے کہ یہ باغ کا پھل اُتارنے کے لیے جا رہے ہیں اور وہ بھی پہنچ جائے کہ ہمیں بھی کچھ ملے گا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ﴾ اور ہو گئے وہ غریبوں کو روکنے پر قادر اپنے خیال کے مطابق ﴿فَلَمَّا رَاَوْهَا﴾ پس جس وقت انھوں نے وہ باغ دیکھا ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اِنَّا لَضَآلُّوْنَ﴾ بے شک ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ ہمارے باغ کے تو درخت تھے، بڑی رونق تھی یہ ہموار زمین ہے ہم غلط جگہ آ گئے ہیں۔ پھر جب آنکھیں کھولیں اِدھر اُدھر کے ماحول کو دیکھا تو کہنے لگے ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں۔ جگہ وہی ہے لیکن ہماری نافرمانی کی وجہ سے سارا (باغ) ختم ہو گیا۔

﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ کہا اُن میں سے درمیانے نے ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا اے بھائیو! ﴿لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ﴾ کیوں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان نہیں کرتے کہ اس نے ہم پر احسان کیا ہے ہمیں اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔ اور باپ کی وصیت کے مطابق غریبوں کو ان کا حق دینا چاہیے۔ اور تم نے تو ان شاء اللہ بھی نہ کہا اور اپنے آپ کو پھل کاٹنے پر قادر سمجھا۔ اب تم نے ناشکری کا نتیجہ دیکھ لیا ہے۔ اس وقت ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ﴾ پاک ہے ہمارا رب ﴿اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ بے شک ہم ظالم تھے۔ آدمی جب اپنے گناہوں کا اقرار کر کے سچے دل سے توبہ کرتا ہے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے كُلُّكُمْ خَطَّاءُوْنَ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ ”تم سب کے سب خطا کار ہو اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔“ تو انھوں نے کہا کہ بے شک ہم ظالم تھے ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ پس متوجہ ہوا بعض ان کا بعض پر ﴿يَّتَلَاوَمُوْنَ﴾ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ ایک نے کہا کہ تو نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ دوسرے نے

نے کہا تو نے کیا تھا اور میں نے تیری تائید کی تھی۔ عموماً لوگوں کی عادت ہے کہ کام ٹھیک ہو جائے تو ہر آدمی اپنی طرف نسبت کرتا ہے اور اس کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری وجہ سے ہوا ہے۔ اور اگر کام بگڑ جائے، خراب ہو جائے تو دوسرے پر ڈالتا ہے کہ اس کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ پھر ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِیْنَ﴾ ہائے افسوس ہم پر بے شک ہم سرکشی کرنے والے تھے۔ خدا کی نافرمانی کی، والد صاحب کا اچھا طریقہ چھوڑا ﴿عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا﴾ اُمید ہے کہ ہمارا رب بدل دے ہمیں ﴿خَیْرًا مِّنْهَآ﴾ اس سے بہتر ﴿اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ اپنا جرم مانتے ہیں، اپنی سرکشی کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ مال والو! مال پر گھمنڈ نہ کرو ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ﴾ اسی طرح مال پر عذاب آتا ہے۔ یہ تو دنیا کا عذاب ہے ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے جس کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ دنیا کی آگ میں لوہے تک ہر چیز پگھل جاتی ہے اور جہنم کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہے۔ اگر مارنا مقصود ہوتو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی﴾ "نہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا۔" ﴿لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ یہ لوگ جان لیں دنیا کی ناپائیداری کو اور عارضی ہونے کو سمجھ لیں۔ آخرت کو سامنے رکھیں۔ دنیا راستہ ہے منزل نہیں ہے۔ اس کو منزل نہ سمجھو۔ منزل تمھاری آخرت ہے۔

﴿اِنَّ﴾ بے شک ﴿لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیزگاروں کے لیے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے ہاں ﴿جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ نعمتوں کے باغ ہیں ﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ کیا پس ہم کر دیں گے فرماں برداروں کو ﴿كَالْمُجْرِمِیْنَ﴾ مجرموں کی طرح ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ تم کیسے فیصلے کرتے ہو ﴿اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ﴾ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے ﴿فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ﴾ اس میں تم پڑھتے ہو ﴿اِنَّ لَكُمْ﴾ بے شک تمھارے لیے ہے ﴿فِیْهِ﴾ اس میں ﴿لَمَا﴾ البتہ وہ چیز ﴿تَخَیَّرُوْنَ﴾ جو تم پسند کرتے ہو ﴿اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ﴾ کیا تمھارے لیے قسمیں ہیں ﴿عَلَیْنَا﴾ ہمارے ذمے ﴿بَالِغَةٌ﴾ جو پہنچنے والی ہیں ﴿اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿اِنَّ لَكُمْ﴾ کہ تمھارے لیے ہے ﴿لَمَا﴾ البتہ وہ چیز ﴿تَحْكُمُوْنَ﴾ جو تم فیصلہ کرتے ہو ﴿سَلْهُمْ﴾ آپ پوچھیں ان سے ﴿اَیُّهُمْ﴾ کون اُن میں سے ہے ﴿بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ﴾ اس کا ذمہ دار ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ﴾ کیا ان کے لیے شریک ہیں ﴿فَلْیَاْتُوْا﴾ پس چاہیے کہ لے آئیں وہ ﴿بِشُرَكَآئِهِمْ﴾ اپنے شریکوں کو ﴿اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں وہ سچے ﴿یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ جس دن کھولی جائے گی پنڈلی ﴿وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ﴾ اور بلائے جائیں گے یہ

سجدے کی طرف ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ﴾ پس وہ طاقت نہیں رکھیں گے ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ جھکی ہوئی ہوں گی آنکھیں ان کی ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ چھاجائے گی ان پر ذلت ﴿وَقَدْ كَانُوْا﴾ اور تحقیق تھے ﴿یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ﴾ بلائے جاتے سجدے کی طرف ﴿وَهُمْ سٰلِمُوْنَ﴾ اور وہ سالم تھے ﴿فَذَرْنِیْ﴾ پس چھوڑ دیں مجھے ﴿وَمَنْ﴾ اور اس کو ﴿یُّكَذِّبُ﴾ جو جھٹلاتا ہے ﴿بِهٰذَا الْحَدِیْثِ﴾ اس بات کو ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ بہ تاکید ہم ان کو درجہ بہ درجہ چڑھائیں گے ﴿مِّنْ حَیْثُ﴾ جہاں سے ﴿لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ان کو علم نہیں ہوگا ﴿وَاُمْلِیْ لَهُمْ﴾ اور میں مہلت دیتا ہوں ان کو ﴿اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ﴾ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

متقین کا تذکرہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ بے شک پرہیز گاروں کے لیے ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے رب کے ہاں ﴿جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ نعمتوں کے باغ ہیں۔ متقین تقویٰ سے ہے۔ تقویٰ کا معنیٰ ہے بچنا، پرہیز کرنا۔ تقویٰ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ انسان کفر وشرک سے بچے۔ پھر گناہِ کبیرہ سے بچے پھر صغیرہ سے بچنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے بچے۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، حکم عدولی سے بچتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمتوں کے باغ ہیں۔

تقویٰ کا مفہوم بقول اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تقویٰ کا مفہوم بیان کرو۔ مجلس میں کافی لوگ بیٹھے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ تقویٰ کا مفہوم سمجھ لیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت! آپ کبھی ایسے علاقے سے گزرے ہیں جہاں خار دار جھاڑیاں ہوں؟ فرمایا ہاں! گزرا ہوں۔ حضرت کیسے؟ فرمایا اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر گزرتا ہوں کہ کانٹوں کے ساتھ اُلجھ نہ جائیں۔ کہنے لگے حضرت! یہی تقویٰ ہے۔ اس دنیا میں گناہوں کے بہت سے کانٹے ہیں۔ مومن کا کام ہے کہ اپنے دامن کو سنبھال کر نکل جائے تاکہ کوئی کانٹا اس کو نہ چبھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے ٹھیک کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو متقی بنائے۔ آج کل متقی بننا بہت مشکل کام ہے۔ محنت کرنا پڑے گی۔ نفس امارہ پر قابو پانا پڑے گا۔ شیطان لعین کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ مگر اتنا مشکل بھی نہیں ہے کہ انسان تقویٰ حاصل نہ کر سکے۔ نیت کرلے تو حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر آخرت کو سامنے رکھے کہ میں جو کچھ کررہا ہوں وہ میرے سامنے آنے والا ہے۔ ہر آدمی کو اپنی آخرت کی زندگی بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور یہ عہد کرے کہ کل جو مجھ سے گناہ ہوئے تھے وہ آج میں نے نہیں کرنے۔ ان شاء اللہ نہیں ہوں گے۔ اور نیت کرے کہ کل جو نیکیاں مجھ سے رہ گئی تھیں آج میں نہیں چھوڑوں گا۔ آدمی عزم اور نیت پختہ کرلے تو کر سکتا ہے۔

تو فرمایا بے شک متقیوں کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمتوں کے باغ ہیں۔ مشرک کہتے تھے یہ مسلمان بھوکے مر رہے ہیں آگے جا کر بھی بھوکے مریں گے۔ رب تعالیٰ ان سے راضی ہوتا تو ان کو مال و دولت دیتا۔ مال و دولت تو ہمارے پاس ہے۔ یہ ان کا غلط قیاس تھا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضی کا معیار مال و دولت نہیں ہے بلکہ دین ہے، ایمان ہے۔ دنیا ملنے سے رب تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھو! بکریاں چرا کر کھانا کھاتے ہیں۔ قرآن پاک میں موجود ہے دس سال خدمت کی۔ مقابلے میں سگا چچازاد بھائی قارون ہے۔ اس کے پاس اتنی دولت تھی کہ اس کے خزانے کی چابیاں ایک اچھی خاصی جماعت اُٹھاتی تھی۔ دادا دونوں کا ایک ہے۔ اگر مال کی وجہ سے خدا کا قرب ہوتا تو قارون کا درجہ زیادہ ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام کا معاذ اللہ (درجہ) کم ہوتا۔

تو کافروں کا یہ خیال غلط تھا کہ جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے اس پر اللہ راضی ہوتا ہے اور یہاں مال دیا تو آگے بھی دے گا۔ اور مسلمان یہاں مالی طور پر کمزور ہیں تو آگے بھی نہیں ملے گا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا مومنوں کے لیے رب کے ہاں نعمتوں کے باغ ہیں۔ کل قیامت والے دن ان کی یہ حالت نہیں ہوگی۔ اور کافر، مشرک آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہوں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ آخرت میں مومنوں کو نعمتیں ملیں اور مشرکوں اور مجرموں کو بھی۔

فرمایا ﴿ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴾ کیا پس ہم کر دیں گے مسلمانوں کو مجرموں کی طرح۔ فرماں بردار اور نافرمان برابر ہوں گے یہ تمھارا خیال غلط ہے ﴿ مَا لَكُمْ ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ کیسے فیصلے کرتے ہو کہ مسلم کافر برابر ہو جائیں، موحد مشرک برابر ہو جائیں، بدعتی اور سنی برابر ہو جائیں، حق باطل ایک ہو جائے۔ یہ کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ﴿ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ ﴾ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے ﴿ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴾ اس میں تم پڑھتے ہو ﴿ اِنَّ لَكُمْ ﴾ کہ تمھارے لیے ﴿ فِيْهِ ﴾ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے ﴿ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴾ البتہ تمھارے لیے وہ ہے جو تم پسند کرتے ہو۔ عقل کی بات کرو کسی کتاب کا حوالہ دو کہ جو تم پسند کرو گے تمھیں ملتا رہے گا۔

﴿ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ ﴾ یا تمھارے لیے قسمیں ہیں ہمارے ذمے اور وہ قسمیں اتنی پکی ہیں کہ پہنچنے والی ہیں ﴿ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن تک۔ اور ان قسموں کے ذریعے یہ معلوم ہو کہ ﴿ اِنَّ لَكُمْ ﴾ بے شک تمھارے لیے ہے ﴿ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴾ جو تم فیصلہ کرتے ہو۔ جو تم چاہو گے تمھیں ملے گا اگر کوئی کتاب ہے تو لاؤ۔ نافرمان اور فرماں بردار برابر نہیں ہو سکتے، حق اور باطل برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر تمھارے پاس کوئی کتاب ہے کوئی دلیل ہے تو پیش کرو کہ جو فیصلہ تم کرو گے وہی تمھیں ملے گا۔ ﴿ سَلْهُمْ ﴾ آپ ان سے پوچھیں ﴿ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴾ کون ان میں سے ہے ذمہ دار اس کا۔ ان باتوں کا ذمہ دار ان میں سے کون ہے؟ ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ﴾ کیا ان کے لیے شریک ہیں۔ کسی نے لات کو، کسی نے منات کو، کسی نے عزیٰ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہوا تھا لیکن ان کو خالق و مالک نہیں مانتے تھے۔ خالق مالک صرف رب تعالیٰ کو مانتے تھے۔ ان کے متعلق کہتے

تھے ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] " یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔" اور سورۂ زمر آیت نمبر ۳ میں ہے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں گے۔" اللہ تعالیٰ کے قریب کریں گے۔ جب ان کو سفارشی مان لیا تو ان کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر بھی ماننا پڑے گا۔ یہی عقیدہ کفر کا ستون ہے۔ قرآن پاک نے صاف لفظوں میں کہا ہے ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل:۶۵] " آپ فرمادیں نہیں جانتا جو بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے۔"

تو فرمایا کیا ان کے لیے شریک ہیں ﴿فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ﴾ پس چاہیے کہ لے آئیں وہ اپنے شریکوں کو میدان میں ﴿اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں یہ سچے کہ پتا چلے ان شریکوں میں کیا قوت اور طاقت ہے اور وہ کیا کر سکتے ہیں؟

کشفِ ساق یعنی پنڈلی ننگی ہونے سے کیا مراد ہے؟

﴿یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ جس دن کھولی جائے گی، ننگی کی جائے گی پنڈلی ﴿وَّیُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ﴾ اور بلائے جائیں گے سجدے کی طرف ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ﴾ پس وہ طاقت نہیں رکھیں گے۔ کشفِ ساق، پنڈلی ننگی ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہاں مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بہت کچھ لکھا ہے۔

ایک یہ کہ اس سے مراد شدت ہے کہ آدمی جب بھاگتا ہے تو پنڈلی ننگی کر کے بھاگتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قیامت والے دن سختی ظاہر ہوگی ان کو کہا جائے گا آؤ سجدہ کرو۔ تو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ یعنی جنھوں نے دنیا میں اخلاص کے ساتھ سجدہ نہیں کیا ان کی کمر تختے کی طرح ہو جائے گی جھک نہیں سکیں گے۔ بخلاف ان لوگوں کے جو اخلاص کے ساتھ نمازیں پڑھتے رہے اور گردنیں ان کی جھکتی رہیں، سجدے کرتے رہے۔ وہ بڑی آسانی کے ساتھ سجدہ کریں گے۔ کافر اور منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ اور ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ کشفِ ساق سے مراد اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص صفت ہے جس کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے۔ جس طرح دوسری متشابہات آیتیں ہیں۔ مثلاً: سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۴ میں ہے ﴿بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ﴾ "اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔" اب ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کو مخلوق کے ہاتھوں کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے حاشا وکلا۔ ہاں! یہ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سنتا ہے مگر ہماری طرح کان نہیں ہیں۔ دیکھتا ہے مگر ہماری طرح آنکھیں نہیں ہیں، جو اس کی شان کے لائق ہیں۔

اللہ تعالیٰ متکلم ہے ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا﴾ [النساء:۱۶۴] "اور کلام کیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا۔" ہم ہونٹوں، دانتوں اور تالو کے بغیر نہیں بول سکتے۔ لیکن رب تعالیٰ کے نہ ہونٹ ہیں، نہ دانت ہیں، نہ تالو ہے۔ لیکن وہ متکلم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے جو اس کی شان کے لائق ہے اس طرح مستوی ہے۔

تو ایک معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص صفت ہے جس کو وہ ظاہر فرمائیں گے اور بلایا جائے گا کہ آؤ سجدہ کرو! تو کافر، مشرک، منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کی کمریں تختے کی طرح ہو جائیں گی سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ﴾ جھکی ہوئی ہوں گی آنکھیں ان کی۔ آدمی شرمندہ ہو جائے تو عموماً آنکھیں اُٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ سب سے زیادہ شرمندگی قیامت والے دن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت والے دن کی شرمندگی سے بچائے۔ تو آنکھیں ان کی جھکی ہوئی ہوں گی ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ چھا جائے گی ان پر ذلت۔ خود اپنے آپ کو بھی ذلیل سمجھیں گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ذلیل ہوں گے، فرشتوں کے ہاں بھی ذلیل ہوں گے اور دیگر لوگوں کے ہاں بھی ذلیل ہوں گے ﴿وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ﴾ اور تحقیق تھے بلائے جاتے سجدے کی طرف دنیا میں، پانچ وقت اذان کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی تھی ﴿وَهُمْ سَالِمُونَ﴾ اور وہ صحیح سالم ہوتے تھے، تندرست ہوتے تھے۔ ان کو دعوت دی جاتی تھی کہ آؤ نماز پڑھو! کہتے تھے تم جاؤ پڑھو۔ دیکھنا! آج کل ڈاکٹر، حکیم کہتے ہیں کہ سجدہ کرنے سے ریڑھ کی ہڈی کو تقویت پہنچتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے پیغمبر نے آج سے چودہ سو سال پہلے چٹائی پر بیٹھ کر بتلایا ہے کہ نماز میں تمھاری صحت ہے۔

تو فرمایا ان کو بلایا جاتا تھا سجدے کی طرف اور وہ صحیح سالم تھے اس وقت سجدہ نہیں کرتے تھے ﴿فَذَرْنِي﴾ پس اے نبی کریم ﷺ! آپ چھوڑ دیں مجھے ﴿وَمَنْ﴾ اور اس کو ﴿يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ﴾ جو جھٹلاتا ہے اس بات کو۔ میری باتوں کو جو جھٹلاتا ہے میں اس سے خود نمٹ لوں گا ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ بہ تاکید ہم اس کو درجہ بہ درجہ چڑھائیں گے ﴿مِنْ حَيْثُ﴾ جہاں سے ﴿لَا يَعْلَمُونَ﴾ ان کو علم بھی نہیں ہوگا۔ استدراج آہستہ آہستہ چڑھانے کو کہتے ہیں۔ نافرمانیاں کرتے ہوئے مال مل رہا ہے، اولاد مل رہی ہے، عہدہ مل رہا ہے، ترقی مل رہی ہے۔ اس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ شکنجے میں کسا جا رہا ہے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ یہ کتنا عرصہ کھا پی لیں گے اور مزے اُڑا لیں گے مرنے کی دیر ہے نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ انسان کو قبر اور آخرت کی زندگی کبھی نہیں بھولنی چاہیے۔ دنیا کی زندگی تو سفر ہے منزل آخرت ہے۔ اگر کوئی آدمی راستے ہی میں دل لگا کر بیٹھ جائے کہ میں نے یہاں ہی رہنا ہے تو بڑا نادان ہے۔ سفر کو سفر سمجھو اور منزل کو منزل سمجھو۔

فرمایا ﴿وَأُمْلِي لَهُمْ﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں کر لیں جو کرنا ہے ﴿إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ جب میں پکڑوں گا کوئی چھڑا نہیں سکے گا۔ آنا سب نے میرے پاس ہے۔

﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ﴾ کیا آپ ان سے سوال کرتے ہیں ﴿أَجْرًا﴾ معاوضے کا ﴿فَهُمْ﴾ پس وہ ﴿مِنْ مَغْرَمٍ﴾ تاوان کی وجہ سے ﴿مُثْقَلُونَ﴾ بوجھ کے نیچے آئے ہوئے ہیں ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے ﴿فَهُمْ يَكْتُبُونَ﴾ پس وہ لکھتے ہیں ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کے حکم کے

لیے ﴿وَلَا تَكُنْ﴾ اور نہ ہوں آپ ﴿كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ مچھلی والے کی طرح ﴿إِذْ نَادٰى﴾ جب پکارا اس نے ﴿وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ اور وہ غم میں گھٹ رہے تھے ﴿لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ﴾ اگر نہ پالیتی اُس کو ﴿نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ﴾ اس کے رب کی نعمت ﴿لَنُبِذَ﴾ البتہ پھینک دیا جاتا ﴿بِالْعَرَاءِ﴾ دریا کے کنارے ﴿وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾ اور وہ مذمت کیا ہوا ہوتا ﴿فَاجْتَبٰهُ رَبُّهُ﴾ پس چن لیا اس کو اس کے رب نے ﴿فَجَعَلَهُ﴾ پس کیا اس کو ﴿مِنَ الصّٰلِحِينَ﴾ نیکوں میں سے ﴿وَإِنْ﴾ اور بے شک ﴿يَّكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ قریب ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَيُزْلِقُونَكَ﴾ البتہ پھسلا دیں آپ کو ﴿بِأَبْصَارِهِمْ﴾ اپنی آنکھوں سے ﴿لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ جب سنا انھوں نے نصیحت کو ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور وہ کہتے ہیں ﴿إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾ بے شک یہ البتہ دیوانہ ہے ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا﴾ حالانکہ نہیں ہے یہ قرآن مگر ﴿ذِكْرٌ﴾ نصیحت ﴿لِّلْعٰلَمِينَ﴾ جہان والوں کے لیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں تبلیغ شروع کی، توحید کا مسئلہ بیان کیا، رسالت کو بیان کیا، قیامت کا مسئلہ سمجھایا، شرک کی تردید کی تو اُن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا﴾ کیا آپ ان سے سوال کرتے ہیں کسی معاوضے کا۔ اس تبلیغ کے سلسلے میں کوئی تنخواہ مانگتے ہیں ﴿فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ﴾ کہ وہ اس تاوان کی وجہ سے بوجھ کے نیچے آئے ہوئے ہیں اور شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ پیغمبر اپنی تبلیغ کا کسی سے معاوضہ نہیں مانگتے۔ سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۲۳ میں ہے ﴿قُلْ﴾ "آپ ان سے کہہ دیں ﴿لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی معاوضہ۔" میرا اجر مجھے میرا اللہ دے گا۔ ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ﴾ کیا ان کے پاس غیب ہے پس وہ لکھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لیے جائز ہے اور کیا چیز ان کے لیے ناجائز ہے۔ گزشتہ پیغمبروں کے واقعات کیا ہیں اور ان کو پیغمبر کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ساری چیزیں خود جانتے ہیں۔ حلال حرام کی باتیں پیغمبر بتلائے گا تو سمجھ آئیں گی۔ جنت دوزخ کی حقیقت پیغمبر بتلائے گا تو سمجھ آئے گی۔ پہلے پیغمبروں کے واقعات اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بتلائے گا تو علم میں آئیں گے۔ کیا ان کو پیغمبر کی ضرورت نہیں ہے؟ جب ان سب باتوں میں پیغمبر کی ضرورت ہے اور پیغمبر بغیر کسی معاوضے کے ان کو سمجھا رہا ہے تو پھر یہ ضد کیوں کرتے ہیں؟ ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پس آپ صبر کریں اپنے رب کے حکم کے لیے۔ ان کی باتوں سے متاثر نہ ہوں یہ مختلف باتیں کرتے رہیں گے آپ ذہن صاف رکھیں اور صبر کریں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ اور نہ ہو جائیں آپ مچھلی والے کی طرح۔ اس سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ قرآن

پاک میں مستقل سورت ہے سورۃ یونس گیارھویں پارے میں۔اور قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یونس علیہ السلام کا نام آیا ہے۔
حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا خلاصہ اس طرح ہے۔

عراق کے صوبہ موصل میں ایک شہر تھا جس کا نام نینوا تھا۔اس وقت اس شہر کی آبادی لاکھ سے زیادہ تھی۔سورۂ صافات آیت نمبر ۱۴۷ میں ہے ﴿وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ "اور بھیجا ہم نے اس کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔" ترمذی شریف کی روایت میں ہے ایک لاکھ تیس ہزار کی آبادی تھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو نینوا شہر اور اس کے اردگرد دیہاتوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا۔حضرت یونس علیہ السلام نے شادی کی اللہ تعالیٰ نے دولڑکے دیئے۔کافی عرصہ تبلیغ کی لیکن ان لوگوں نے حق کو قبول نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ انھوں نے حق کو قبول نہ کیا تو ان پر عذاب آئے گا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دِنوں کی تعیین نہیں کی گئی تھی کہ کتنے دنوں کے بعد عذاب آئے گا۔حضرت یونس علیہ السلام نے تقریر فرمائی کہ اتنا عرصہ گزر گیا ہے مجھے تمھارے سامنے حق بیان کرتے اور سناتے ہوئے لیکن تم حق کو قبول کرنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہو۔اب تمھارے اُوپر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا حکم بیان کرنے کے بعد خیال فرمایا کہ اب ان پر عذاب آنا ہے لہٰذا میں گھر والوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی جانے کا حکم نہیں ملا تھا۔یہ ان کی ذاتی رائے تھی۔

پھر آگے تفسیروں میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔حضرت یونس علیہ السلام نے بیوی اور دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور چل پڑے۔ایک کی عمر نو دس سال تھی اور دوسرے کی سات آٹھ سال تھی۔اس واسطے چل پڑے کہ ان پر تو عذاب آنا ہے ہم عذاب والی قوم میں کیوں رہیں۔اور یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے تعیین فرمائی تھی۔قوم کو کہا تھا کہ تین یا چار دنوں میں تم پر عذاب آئے گا۔پھر سوچا کہ اللہ تعالیٰ میری اس تعیین کا پابند تو نہیں ہے کہ ان دنوں میں عذاب لائے۔ہوسکتا ہے ان دنوں میں عذاب نہ آئے اور لوگ مجھے شرمندہ کریں لہٰذا میں نکل جاتا ہوں۔

بیوی بچوں کو ساتھ لیا اور تھوڑا سا سامانِ سفر باندھا اور چل پڑے۔کچھ سفر طے کیا۔دیکھا بہت سارے لوگوں کا ایک قافلہ آرہا ہے۔اس میں معزز لوگ بھی ہیں۔قریب آئے تو اُنھوں نے یونس علیہ السلام کو کہا تم کون ہو، کہاں جارہے ہو؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا میں یونس بن متّٰی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔میرے ساتھ میری بیوی اور میرے بچے ہیں۔اُنھوں نے بیوی کا بازو پکڑا اور چھین کر لے گئے۔فرمایا میری منکوحہ بیوی ہے۔مگر اُنھوں نے کوئی بات نہ سنی۔اندازہ لگاؤ کتنی تکلیف اور صدمے کی بات ہے۔
آگے گئے تو ایک نہر تھی اس کو عبور کر کے آگے جانا تھا۔یہ ذہن بنایا کہ پہلے ایک بچے کو دوسری طرف پہنچاتا ہوں پھر دوسرے کو لے جاؤں گا۔ایک بچے کو کندھے پر بٹھا کر لے جارہے ہیں نہر کے درمیان تک پہنچے تھے کہ دیکھا جو بچہ کنارے پر بٹھا کر آئے تھے اس کو بھیڑیا اُٹھا کر جارہا ہے۔اس پریشانی میں جو کندھے پر تھا وہ بھی گر پڑا۔نہر تیز تھی وہ اس میں بہہ گیا۔بڑی پریشانی کی حالت میں باہر نکلے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دریائے فرات تھا۔ جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں دریائے دجلہ تھا۔ وہاں پہنچے تو کشتی تیار تھی۔ اس میں سوار ہو گئے۔ کشتی تھوڑی سی چلنے کے بعد ڈگمگانے لگی جیسے غرق ہوتی ہے۔ ملاحوں نے کہا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آئے تو کشتی ڈگمگانے لگ جاتی ہے۔ بتلاؤ کہ تم میں سے کون غلام بھاگ کر آیا ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کہ وہ غلام میں ہوں اپنے آقا کی اجازت کے بغیر آ گیا ہوں۔ ان کی شکل وضع قطع سے ان کو یقین نہ آیا کہ یہ غلام ہے۔ اور یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ کشتی میں سواریاں زیادہ تھیں۔ ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ ایک کو نیچے اُتارنے سے دوسروں کی جان بچ سکتی تھی۔ قرعہ اندازی کی گئی۔ سورت صافات آیت نمبر ۱۴۱ میں ہے ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ﴾ "پھر قرعہ ڈلوایا اور ہو گیا الزام کھایا ہوا۔" کشتی والوں نے پکڑ کر دریا میں ڈال دیا ﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ﴾ "پس لقمہ بنا لیا اس کو مچھلی نے۔" بہت بڑی مچھلی تھی اس نے ان کو نگل لیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یہ تیری خوراک نہیں ہے۔ تیرا پیٹ اس کے لیے قید خانہ ہے۔ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ تفسیروں میں تین دن، آٹھ دن اور بیس دن بھی لکھے ہیں۔

مچھلی کے پیٹ میں ﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الانبیاء: ۸۷] "پس پکارا اُنھوں نے نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا تیری ذات پاک ہے بے شک میں ہی ہوں قصورواروں میں سے۔" مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، دریا کی گہرائی کا اندھیرا، رات کی تاریکی۔ ان اندھیروں میں اُنھوں نے کہا اے پروردگار! تیرے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس نہیں ہے۔ مجھ سے لغزش ہوئی ہے کہ آپ کے حکم کے بغیر آ گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ "ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا ﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ اس کو غم سے نجات دی ﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔"

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ "پریشان آدمی وہ دعا کرے جو مچھلی کے پیٹ والے پیغمبر نے کی تھی۔" مچھلی کو حکم ہوا۔ اس نے دریا کے کنارے اُگل دیا۔ وہاں سائے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ﴾ [صافات: ۱۴۶] "اور اُگایا ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت۔" اس کے چوڑے چوڑے پتے تھے۔ ان پتوں کے سائے کے نیچے رہے۔

ایک ہرنی کا بچہ گم ہو گیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اپنے بچے کو تلاش کرتی پھرتی تھی۔ قریب آئی تو پتے ہلے (پتوں کی حرکت ہوئی)۔ اس نے سمجھا کہ میرا بچہ یہاں ہے۔ قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے لیٹے لیٹے اس کا دودھ پیا۔ بدن میں تھوڑی سی قوت آ گئی۔ کچھ تازہ آب وہوا ملی تو اُٹھ کر چل پڑے۔ آگے دیکھا ایک قافلہ آ رہا ہے۔ اُن کے پاس بچہ تھا۔ دیکھ کر خوش ہو گئے کہ چلو ایک بچہ تو مل گیا ہے۔ اُنھوں نے بتایا کہ یہ بچہ نہر میں بہہ رہا تھا ہم نے اس کو پکڑ لیا۔ ہم وارثوں کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ فرمایا یہ میرا لختِ جگر ہے۔ اور ایک بیٹا اور تھا جس کو بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا تھا۔ اُنھوں نے بتلایا کہ فلاں جگہ ایک چرواہا ہے اس نے کہا ہے کہ میں نے بھیڑیئے سے ایک بچہ چھینا ہے۔ تھوڑا سا زخمی تھا میں نے اس کی مرہم پٹی بھی کی ہے۔

اب وہ ٹھیک ہے۔ اگر تمھیں کوئی وارث ملے تو میرے پاس بھیج دینا۔ حضرت یونس علیہ السلام وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بچہ بھی مل گیا۔ خوشی سے لے کر چل پڑے۔ آگے گئے تو وہ لوگ جنھوں نے بیوی چھینی تھی وہ بیوی لے کر کھڑے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے۔ اُنھوں نے کہا لو جی! اپنی بیوی سنبھالو ہم تو فرشتے ہیں۔ ہمیں رب تعالیٰ کا حکم تھا ہم نے اس کو پورا کیا۔

اُدھر قوم پر جب کچھ نشانیاں عذاب کی ظاہر ہوئیں تو من حیث القوم اُنھوں نے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑا کر روئے، اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ سورۂ یونس آیت نمبر ۹۸ میں ہے ﴿اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ﴾ "یونس علیہ السلام کی قوم کو ایمان لانے نے نفع پہنچایا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی قوم نے توبہ کر لی ہے جاؤ ان کو تبلیغ کرو۔ جب اُنھوں نے یونس علیہ السلام کو دیکھا تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک لاکھ تیس ہزار کی ساری آبادی ان پر ایمان لے آئی۔ یہ خلاصہ ہے اس کا جو کچھ تفسیر خازن، معالم التنزیل اور تفسیر عزیزی وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔

تو فرمایا نہ ہو جائیں آپ مچھلی والے کی طرح کہ اپنی رائے پر چلیں ﴿اِذْ نَادٰی﴾ جب پکارا اس نے اپنے رب کو ﴿وَهُوَ مَكْظُوْمٌ﴾ اور وہ غم میں گھٹ رہے تھے۔ ان کا سانس رکا ہوا تھا مچھلی کے پیٹ میں ﴿لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اگر نہ پا لیتی اُس کو نعمت اس کے رب کی۔ رب تعالیٰ کا فضل ساتھ نہ دیتا ﴿لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ﴾ البتہ پھینک دیا جاتا دریا کے کنارے ﴿وَهُوَ مَذْمُوْمٌ﴾ اور وہ مذمت کیا ہوا ہوتا۔ نہ وہاں کسی سائے کا انتظام ہوتا اور نہ ہرنی آ کر دودھ پلاتی۔ مگر رب تعالیٰ نے وہاں سائے کا بھی انتظام کر دیا اور دودھ پلانے کے لیے ہرنی کو بھی بھیج دیا ﴿فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ پس چن لیا اس کو اس کے رب نے اور لغزش معاف کر دی ﴿فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ پس کر دیا اس کو نیکوں میں سے۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کر بتلایا کہ قوم کی سخت باتوں سے متاثر نہ ہوں۔ جلد بازی نہیں کرنی اور اپنے رب کے حکم پر ڈٹا رہنا ہے۔

نظر کا لگنا حق ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور بے شک قریب ہے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ﴾ البتہ پھسلا دیں آپ کو حق سے اپنی آنکھوں سے۔ پھسلانے کا ایک معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ نظر لگا دیں۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ "نظر کا لگنا حق ہے۔" نظر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو خوبی دی ہے، مال دیا ہے، صحت دی ہے، حسن دیا ہے اور دیکھنے والا خوبی پر تعجب کرتا ہے کہ اتنی صحت ہے، اتنا خوب صورت ہے، اتنا مال دار ہے۔ رب تعالیٰ اس میں فوراً عیب پیدا کر دیتا ہے کہ میں دے بھی سکتا ہوں اور لے بھی سکتا ہوں۔ یہ چیزیں بندوں کے اختیار میں نہیں ہیں۔ "عمل الیوم واللیل" ابن سنی کی حدیث کی کتاب ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نظر سے بچنے کے لیے یہ دعا ہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

یعنی اگر تم کسی کو دیکھو اور تمھارے ذہن میں تعجب پیدا ہو تو یہ دعا پڑھ لو اللہ تعالیٰ نظر لگنے سے بچائے گا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ کافر لوگ تجھے نظر لگا کر روک دیں گے۔

اور دوسری تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ جا رہے ہوتے تھے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے کہ یہ جا رہا ہے۔ تو اس طرح آدمی خفت محسوس کرتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔

تو فرمایا بے شک قریب ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہیں وہ پھسلا دیں آپ کو حق سے اپنی آنکھوں سے ﴿لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کا ایک نام ذکر بھی ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [سورۃ الحجر] جب سنتے ہیں یہ قرآن کو تو عجیب عجیب اشارے کرتے ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک یہ دیوانہ ہے۔ یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ فرمایا ﴿وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ حالانکہ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت جہان والوں کے لیے۔ ایسی کتاب دنیا میں اور کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے اس کتاب کی قدر نہیں کی۔ نہ پڑھا، نہ سمجھا، نہ اس کے مطابق زندگی گزاری۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡحَآقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ

(۲۹)

آیاتھا ۵۲ سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۶۹) (۷۸) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ حق ہونے والی گھڑی ﴿مَا الْحَآقَّةُ﴾ وہ کیا ہے حق ہونے والی گھڑی ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ﴾ اور آپ کو کس نے بتایا وہ کیا ہے حق ہونے والی گھڑی ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ﴾ جھٹلایا قوم ثمود نے ﴿وَعَادٌ﴾ اور عاد قوم نے ﴿بِالْقَارِعَةِ﴾ کھٹکھٹانے والی چیز کو ﴿فَاَمَّا ثَمُوْدُ﴾ پس بہر حال قوم ثمود ﴿فَاُهْلِكُوْا﴾ پس وہ ہلاک کیے گئے ﴿بِالطَّاغِيَةِ﴾ زلزلے میں ﴿وَاَمَّا عَادٌ﴾ اور بہر حال قوم عاد ﴿فَاُهْلِكُوْا﴾ پس وہ ہلاک کیے گئے ﴿بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ﴾ تند و تیز ہوا کے ساتھ ﴿عَاتِيَةٍ﴾ جو حد سے نکل رہی تھی ﴿سَخَّرَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلط کر دیا اس ہوا کو ﴿عَلَيْهِمْ﴾ اُن پر ﴿سَبْعَ لَيَالٍ﴾ سات راتیں ﴿وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ﴾ اور آٹھ دن ﴿حُسُوْمًا﴾ لگا تار ﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا﴾ پس آپ دیکھیں گے قوم کو اس میں ﴿صَرْعٰى﴾ پچھاڑی ہوئی ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ گویا کہ وہ کھجوروں کے تنے ہیں اُکھڑے ہوئے ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ﴾ پس کیا آپ دیکھتے ہیں ان میں سے کسی کو ﴿مِّنْۢ بَاقِيَةٍ﴾ بچا ہوا ﴿وَجَآءَ فِرْعَوْنُ﴾ اور آیا فرعون ﴿وَمَنْ قَبْلَهٗ﴾ اور وہ جو اس سے پہلے تھے ﴿وَالْمُؤْتَفِكٰتُ﴾ اور اُلٹ جانے والی بستیوں والے ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ خطا کرتے ہوئے ﴿فَعَصَوْا﴾ پس اُنھوں نے نافرمانی کی ﴿رَسُوْلَ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے رسول کی ﴿فَاَخَذَهُمْ﴾ پس پکڑا ان کو رب نے ﴿اَخْذَةً رَّابِيَةً﴾ پکڑنا بڑا سخت ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ﴾ بے شک ہم نے جب پانی چڑھ گیا ﴿حَمَلْنٰكُمْ﴾ سوار کیا تم کو ﴿فِي الْجَارِيَةِ﴾ کشتی میں ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ﴾ تاکہ بنائیں ہم اس کو تمھارے لیے ﴿تَذْكِرَةً﴾ نصیحت ﴿وَّتَعِيَهَآ﴾ اور تاکہ یاد رکھیں اس کو ﴿اُذُنٌ﴾ کان ﴿وَّاعِيَةٌ﴾ یاد رکھنے والے۔

نام و کوائفِ سورت اور قیامت کے مختلف نام

اس سورت کا نام الحاقہ ہے یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ستتر [۷۷] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ (نزول کے اعتبار سے اس کا اٹھتر واں نمبر ہے۔) اس سورت کے دو رکوع اور باون آیتیں ہیں۔ قیامت کے بہت سارے نام ہیں۔ ایک نام قیامت ہے، ایک نام واقعہ ہے، ایک نام آزفہ ہے، ﴿اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝﴾ [سورۃ النجم]، ایک نام قارعہ ہے، ایک نام حاقہ ہے، ایک نام آخرہ بھی ہے۔ تو قیامت کے بہت سارے نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ وہ وقت، وہ گھڑی جو حق ہونے والی ہے۔ یعنی قیامت کے آنے میں کوئی شک شبہ نہیں ہے ﴿مَا الْحَآقَّةُ﴾ کیا ہے وہ حق ہونے والی گھڑی ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ﴾ اور آپ کو کس نے بتایا کیا ہے وہ حق ہونے والی چیز۔ قیامت کب حق ہوگی؟ اس کا ذکر تیرھویں آیت کریمہ میں آ رہا ہے ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ جب بگل پھونکا جائے گا اس وقت قیامت برپا ہوگی۔

درمیان میں اللہ تعالیٰ نے دنیوی حاقوں کا ذکر فرمایا ہے کہ چھوٹی چھوٹی قیامتیں تو دنیا میں برپا ہو چکی ہیں۔ قیامتِ صغریٰ لوگوں نے بھگتی ہے۔ تو جو قیامتِ صغریٰ لاسکتا ہے وہ قیامتِ کبریٰ بھی لائے گا۔

قومِ ثمود کا ذکر

فرمایا ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ﴾ جھٹلایا قومِ ثمود نے۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہ حجر کے علاقے میں رہتے تھے۔ حجر کا علاقہ خیبر اور تبوک کے درمیان میں ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ ان لوگوں نے بڑی بڑی چٹانوں کو تراش کر اپنے مکان بنائے تھے۔ وہ مکان آج بھی موجود ہیں مگر ان میں رہنے والا کوئی نہیں ہے۔ چٹانوں کو تراش تراش کر اُنھوں نے مکان اس لیے بنائے تھے کہ اینٹ گارے والے مکان زلزلے سے گر جاتے ہیں۔ ایک ہی چٹان ہے اس میں مختلف کمرے ہیں کس طرح گریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید پیش کی، رسالت پیش کی، قیامت کا مسئلہ سمجھایا اور بتایا کہ عمریں ضائع نہ کرو چٹانوں کو تراشنے میں۔ دو دو سو سال، تین تین سو سال لگ جاتے ہیں تمھیں مکان بنانے میں۔ اس بے کار کام کو چھوڑو۔ ضرورت کے لیے مکان بناؤ اور آخرت کی فکر کرو۔ قوم نے کہا کہ ہم تمھیں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر آپ واقعی سچ مچ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو جس چٹان پر ہم ہاتھ رکھیں اس سے اُونٹنی نکلے تو ہم مان جائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا معجزے، نشانیاں رب تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں پیغمبروں کا اس میں دخل نہیں ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر یہ معجزہ صادر فرما دے تو تم مان لوگے؟ کہنے لگے ہاں! مان لیں گے۔ دن مقرر ہوا، وقت مقرر ہوا۔ وہ سب لوگ، کیا مرد، کیا عورتیں، بوڑھے، جوان اکٹھے ہوگئے۔ ان لوگوں کے ذہن میں تھا کیا پتھروں سے بھی کبھی اُونٹنیاں نکلی ہیں؟ آج ہم نے اس کو شرمندہ کرنا ہے۔ جب ان لوگوں نے ایک چٹان پر ہاتھ رکھا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے دعا کی سچ مچ اس چٹان سے اُونٹنی نکل آئی۔ لیکن ان میں سے کوئی آدمی ایمان نہ لایا۔ حالانکہ ان لوگوں نے منہ مانگا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر ان لوگوں پر دو قسم کا عذاب آیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ﴾ جھٹلایا قومِ ثمود نے اور قومِ عاد نے کھٹکھٹانے والی کو یعنی قیامت کو ﴿فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ﴾ پس بہر حال قومِ ثمود ہلاک کی گئی طاغیہ کے ساتھ۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ طاغیہ کے دو

معنیٰ کرتے ہیں۔ایک معنیٰ آواز کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ڈراؤنی آواز نکالی جس سے وہ جہاں جہاں تھے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔دوسرا معنیٰ طاغیہ کا زلزلہ کرتے ہیں کہ ان پر زلزلہ آیا جس زلزلے سے بچنے کے لیے اُنھوں نے چٹانوں میں مکان بنائے تھے۔زلزلے کی وجہ سے ساری قوم تباہ ہوگئی کوئی نظر نہ آیا۔

قومِ عاد کا ذکر

اور عاد قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ان کا علاقہ احقاف تھا۔یہ یمن، نجران، عمان اور حضرموت کے درمیان کا علاقہ ہے۔آج کل کے جغرافیہ میں اس کو رُبع ثانی بھی کہتے ہیں اور دھاء بھی کہتے ہیں۔حضرت ہود علیہ السلام نے کافی عرصہ تک ان کو تبلیغ کی مگر ان لوگوں نے حق کو قبول نہ کیا۔ہود علیہ السلام نے ان کو ڈرایا کہ اگر تم حق کو قبول نہیں کروگے تو بارشیں رک جائیں گی اور تم پر قحط سالی مسلط ہوجائے گی لیکن ان لوگوں نے کوئی پروانہ کی۔چنانچہ وہ وقت آیا کہ بارش رک گئی اور تین سال تک ایک قطرہ بارش بھی نہ پڑی۔بارانی علاقہ تھا نہریں نہیں تھیں۔کنویں کا پانی بھی گہرا ہوگیا، چشمے خشک ہوگئے، جانور بھوکے پیاسے مرنے لگے۔حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، کفر وشرک چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش ہوگی اور قحط سالی دور ہوجائے گی۔کہنے لگے اگر تیری وجہ سے بارش ہونی ہے تو ہمیں ضرورت نہیں ہے۔مرجانا ہمیں منظور ہے۔تین سال کے بعد ایک دن ان کو بادل کا ٹکڑا نظر آیا۔کہنے لگے ﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ [الاحقاف:۲۴] "یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا" اور ہمارے حالات ٹھیک ہوجائیں گے۔جب وہ سروں کے قریب آیا تو اس میں سے آواز آئی:

رِمَادًا رِمَادًا لَا تَذَرْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا۔

"ان کو راکھ کر کے رکھ دے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑنا۔"

یہ آواز ان لوگوں نے اپنے کانوں سے سنی۔پھر اتنی تیز ہوا چلی کہ اس نے ان کو اُٹھا اُٹھا کر پھینک دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا﴾ اور بہرحال عاد قوم ہلاک کی گئی ﴿بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ﴾ تند و تیز ہوا کے ساتھ ﴿عَاتِيَةٍ﴾ جو حد سے نکل رہی تھی۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنیٰ نقل فرماتے ہیں کہ وہ ہوا، ہوا پر کنٹرول کرنے والے فرشتوں کے کنٹرول سے بھی نکل رہی تھی۔اتنی تیز تھی۔﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلط کیا اس ہوا کو اُن پر ﴿سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ﴾ سات راتیں اور آٹھ دن ﴿حُسُوْمًا﴾ حَاسِمٌ کی جمع ہے جیسے شُهُود شَاهِدٌ کی جمع ہے۔﴿حُسُوْمًا﴾ کا معنیٰ ہے لگا تار ﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا﴾ ریح کا لفظ عربی زبان میں مؤنث ہوتا ہے۔تو اگر ھا ضمیر کو ریح کی طرف لوٹائیں تو معنیٰ ہوگا پس دیکھا آپ نے قوم کو اس ہوا کی وجہ سے ﴿صَرْعٰى﴾ پچھاڑی ہوئی ﴿صَرْعٰى﴾ جمع ہے صَرِيْعٌ کی۔

اور اگر ھا ضمیر ان کے علاقے کی طرف لوٹائی جائے تو پھر معنیٰ ہوگا اے مخاطب! تم دیکھ لوگے قوم کو اس علاقے میں

پچھاڑی ہوئی ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ اَعْجَاز عَجُزٌ کی جمع ہے۔اس کا معنیٰ ہے تنا (مُڈ) نَخْلٍ نَخْلَةٌ کی جمع ہے۔نخل کا معنیٰ ہے کھجوریں۔معنیٰ ہوگا گویا کہ وہ کھجوروں کے تنے ہیں اُکھڑے ہوئے۔بڑے بڑے قدآور لوگ تھے۔فرمایا ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ﴾ باقیہ صفت ہے نَفْسٌ کی۔معنیٰ ہوگا پس کیا آپ دیکھتے ہیں ان میں سے کسی نفس کو بچا ہوا۔یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آباد ہوئی تھی۔اس کو اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

فرعون کا ذکر

﴿وَجَآءَ فِرْعَوْنُ﴾ اور آیا فرعون۔ مصر کا جو بادشاہ ہوتا تھا اس کا لقب فرعون ہوتا تھا۔جس طرح آج کل ملک کے سربراہ کو صدر کہتے ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا وہ بڑا نیک آدمی تھا۔اس کا نام ریان بن ولید تھا۔اس کے نیک ہونے کا اندازہ اس بات سے لگاؤ کہ جب اُس کو علم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی ہے تو بغیر کسی قیل وقال کے اُن پر ایمان لے آیا۔اور ایمان لانے کے بعد اُس نے کہا کہ اب یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کا کلمہ پڑھنے کے بعد بادشاہ رہوں۔میں یہ بادشاہی بھی آپ کے حوالے کرتا ہوں۔آج چپڑاسی کرسی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے مگر اس نے مصر کی بادشاہی یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی۔یوسف علیہ السلام نے یہ بات بھی فرمائی کہ آپ حکومت اپنے پاس رکھیں میں آپ کی راہنمائی کرتا رہوں گا۔لیکن اُس نے کہا کہ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ آپ کا کلمہ پڑھنے کے بعد آپ پر حکومت کروں۔اس کے بیٹے کا نام تھا مصعب۔اور مصعب کا بیٹا تھا ولید۔یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا یہ یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا پوتا تھا۔ولید بن مصعب بن ریان۔مرتب)

یہ بڑا ہوشیار، چالاک، ظالم اور جابر تھا۔یوں سمجھو کہ ہمارے زمانے کے حکمران طبقے کا ایک فرد تھا۔اس نے لوگوں کو اُلو بنایا ہوا تھا ﴿عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [دخان: ۳۱] "مغرور اور حد سے بڑھنے والا تھا۔" اس کو نجومیوں نے بتلایا کہ دو تین سالوں میں بنی اسرائیلیوں کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کی تباہی کا سبب بنے گا۔اس نے بنی اسرائیلیوں کے بچے ذبح کرانے شروع کر دیئے۔شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس نے بارہ ہزار بچے ذبح کروائے۔خدا کی قدرت دیکھو کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر کروائی۔

قومِ لوط کا ذکر

تو فرمایا آیا فرعون ﴿وَمَنْ قَبْلَهٗ﴾ اور جو فرعون سے پہلے تھے ﴿وَالْمُؤْتَفِكٰتُ﴾ اور ان بستیوں والے جو اُلٹ دی گئیں ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ خطا کرتے ہوئے۔اُلٹ جانے والی بستیوں سے حضرت لوط علیہ السلام کا علاقہ مراد ہے۔شہر سدوم اور اس کے اردگرد آبادیاں۔حضرت لوط علیہ السلام نے عرصہ دراز تک ان کو تبلیغ کی۔اللہ تعالیٰ کی توحید پیش کی، نبوت و رسالت کا مفہوم سمجھایا، قیامت کا مسئلہ ان کو بتلایا۔لیکن اُنھوں نے کوئی بات نہ مانی اور مردوں کے ساتھ بُرے کام کرنے لگ گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ یہ ایسی برائی ہے کہ ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الاعراف: ۸۰] "تم سے پہلے کسی نے نہیں کی جہان والوں میں سے۔" لہٰذا اس سے باز آجاؤ۔ لیکن ان کے ذہن اتنے خراب ہو چکے تھے کہ اُلٹا کہنے لگے ﴿اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾ [الاعراف: ۸۲] "نکالو ان کو اپنی بستی سے بے شک یہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں۔" اُلٹی گنگا۔ بدمعاشوں کا دور ہوتا ہے تو نیک لوگوں پر سختی آجاتی ہے۔

پھر وہ وقت آیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی دو بیٹیوں کو اور جو دو چار تمھارے ساتھ مومن ہیں ان کو لے کر یہاں سے چلے جائیں اس قوم پر عذاب آنے والے ہیں۔ جب یہ حضرات علاقے سے نکل گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے پَر مارا اور ان بستیوں کو اُلٹ کر رکھ دیا۔ سورۂ ہود آیت نمبر ۸۲ میں ہے ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ "ہم نے کر دیا ان کو تہہ و بالا۔"

اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ سب سے پہلے ان کی آنکھوں کی بینائی ختم کی ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ [سورۃ القمر] "پس مٹا دیں ہم نے ان کی آنکھیں۔" پھر ان کے سروں پر پتھر برسائے ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ [ہود: ۸۲] "اور ہم نے برسائے ان پر پتھر کھنگر کے۔" پھر جبرئیل علیہ السلام نے ڈراونی آواز نکالی جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔ پھر ان بستیوں کو اُلٹ کر پھینک دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ﴾ پس اُنھوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی، ان کو جھٹلایا ﴿فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً﴾ پس پکڑا ان کو رب نے پکڑنا سخت۔

اور ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم بھی گزری ہے۔ اُنھوں نے بھی حق کو جھٹلایا اور حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی تیار کی۔ فرمایا کلمہ پڑھ کر میرے ساتھ سوار ہو جاؤ بچ جاؤ گے۔ کہنے لگے ہمیں نہ تیرے کلمے کی ضرورت ہے اور نہ تیری کشتی کی ضرورت ہے۔ اور تو اور بیٹے کنعان نے کہا ﴿سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ﴾ [ہود: ۴۳] "میں پناہ پکڑوں گا اس پہاڑ کی طرف وہ مجھے بچالے گا پانی سے۔" جب پانی آیا تو کوئی شخص زندہ نہ رہا سوائے ان کے جو کشتی میں سوار تھے۔ اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ بے شک ہم نے جب پانی چڑھ گیا سوار کیا تم کو کشتی میں نوح علیہ السلام کی، اس میں مومنوں کو سوار کیا ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً﴾ تاکہ بنائیں ہم اس کو تمھارے لیے نصیحت۔

بخاری شریف میں روایت ہے اَدْرَكَتْهَا اَوَائِلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اس کشتی کو اس اُمت کے ابتدائی لوگوں نے دیکھا ہے۔ وہ کشتی جودی پہاڑ پر رکی تھی۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ [ہود: ۴۴] اور تورات اور تاریخ میں اس پہاڑ کا نام ارارات ہے۔ یہ پہاڑ عراق کے صوبہ موصل میں اب بھی موجود ہے۔ سطح سمندر سے سترہ [۱۷] ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔

تو فرمایا تاکہ بنائیں اس کو تمھارے لیے نصیحت ﴿وَّتَعِیَهَآ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ﴾ اور تاکہ یاد رکھیں اس کو کان یاد رکھنے والے۔ کہ مجرموں کا یہ حشر ہوا۔ یہاں تک قیامت صغریٰ کا ذکر تھا۔ آگے کبریٰ کا ذکر آئے گا۔

﴿فَاِذَا نُفِخَ﴾ پس جب پھونکا جائے گا ﴿فِي الصُّوْرِ﴾ بگل ﴿نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ پھونکا جانا ایک ہی دفعہ ﴿وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ﴾ اور اُٹھالی جائے گی زمین ﴿وَالْجِبَالُ﴾ اور پہاڑ ﴿فَدُكَّتَا﴾ پس کوٹ دیا جائے گا دونوں کو ﴿دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ ایک ہی دفعہ کوٹا جانا ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ پس اُس دن ﴿وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ واقع ہوگی واقع ہونے والی ﴿وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ اور پھٹ جائے گا آسمان ﴿فَهِيَ﴾ پس وہ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اُس دن ﴿وَّاهِيَةٌ﴾ کمزور ہوگا ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا﴾ اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہوں گے ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ﴾ اور اُٹھائیں گے آپ کے رب کے عرش کو ﴿فَوْقَهُمْ﴾ اپنے اُوپر ﴿يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ اُس دن آٹھ فرشتے ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ﴾ اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے ﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ نہیں مخفی رہے گی تم سے کوئی مخفی بات ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ﴾ پس بہرحال وہ جس کو دیا گیا اس کا پرچہ ﴿بِيَمِيْنِهٖ﴾ اس کے دائیں ہاتھ میں ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس وہ کہے گا ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ پڑھو میرے خط کو ﴿اِنِّيْ ظَنَنْتُ﴾ بے شک مجھے یقین تھا ﴿اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ﴾ بے شک میں ملنے والا ہوں اپنے حساب کو ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ﴿فِيْ جَنَّةٍ﴾ جنت میں ہوگا ﴿عَالِيَةٍ﴾ جو بلند جگہ ہوگی ﴿قُطُوْفُهَا﴾ اس کے پھل ﴿دَانِيَةٌ﴾ لٹکے ہوئے ہوں گے ﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ ﴿وَاشْرَبُوْا﴾ اور پیو ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ مزے دار ﴿بِمَآ اَسْلَفْتُمْ﴾ بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے آگے بھیجے ہیں ﴿فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ گزرے ہوئے دنوں میں ﴿وَاَمَّا مَنْ﴾ اور بہرحال وہ شخص ﴿اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ﴾ جس کو دیا گیا اس کا اعمال نامہ ﴿بِشِمَالِهٖ﴾ اس کے بائیں ہاتھ میں ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس وہ کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِيْ﴾ کاش مجھے ﴿لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ﴾ نہ دیا جاتا میرا اعمال نامہ ﴿وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ﴾ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ اے کاش کہ ہو جائے موت فیصلہ کرنے والی ﴿مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ﴾ نہ کام آیا میرے میرا مال ﴿هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ﴾ ہلاک ہوگئی میری بادشاہت۔

قیامتِ کبریٰ کا ذکر

سورت کی ابتداء قیامت کے ذکر سے ہوئی تھی۔ درمیان میں قیامتِ صغریٰ کا ذکر تھا۔ اب قیامتِ کبریٰ کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ﴾ پس جب پھونکا جائے گا بگل ﴿نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ پھونکا جانا ایک ہی دفعہ۔ اللہ تعالیٰ کے اَن گنت اور بے شمار فرشتے ہیں۔ ان میں سے چار بڑی شان اور رتبے والے ہیں۔ پہلے جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پیغمبروں پر لاتے تھے۔ یہ تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ دوسرے فرشتے حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارش کا نظام ان کے سپرد کیا ہے۔ تیسرے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بگل پکڑایا ہوا ہے کہ جس وقت میرا حکم ہو تم بگل پھونک دینا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کبڑے ہو کر کھڑے ہیں۔ ایک کان اُنھوں نے اُٹھایا ہوا ہے اور دوسرا پست ہے۔ اور منتظر ہیں کہ مجھے کب حکم ملتا ہے بگل پھونکنے کا۔ چوتھے عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جان نکالنے کا محکمہ ان کے سپرد کیا ہوا ہے۔

تو جس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے فوراً قیامت برپا ہو جائے گی ﴿وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ﴾ اور اُٹھالی جائے گی زمین۔ آج زمین میں بلندی اور پستی ہے۔ گڑھے ہیں، پہاڑ ہیں، قیامت آئے گی تو ہر شے برابر کر دی جائے گی۔ یہ مضبوط پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ اور ایسے ہموار ہوگی کہ اگر کوئی مشرق سے مغرب کی طرف انڈہ لڑھکائے تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۶-۱۰۷ میں ہے ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝﴾ "پس کر دے گا اس کو ہموار زمین ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝﴾ نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا۔" ﴿وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ [سورۃ التکویر، پارہ:۳۰] "اور جب سمندروں کو آگ لگا دی جائے گی۔" پانی پٹرول کی طرح جلے گا۔

تو فرمایا اُٹھا دی جائے گی زمین ﴿وَالْجِبَالُ﴾ اور پہاڑ ﴿فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ پس کوٹ دیا جائے گا دونوں کو زمین اور پہاڑوں کو ایک ہی دفعہ کوٹنا۔ فرمایا جس وقت یہ ہوگا ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ پس اُس دن واقع ہوگی واقع ہونے والی۔ قیامت کا نام واقعہ بھی ہے۔ اُس دن قیامت قائم ہوگی ﴿وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ﴾ اور پھٹ جائے گا آسمان ﴿فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ﴾ پس وہ اُس دن کمزور ہوگا۔ ہزارہا سال گزر چکے ہیں آسمان اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ جب قیامت قائم ہوگی تو پھٹیں گے۔ ساتواں گرے گا چھٹے پر چھٹا گرے گا پانچویں پر اور پانچواں چوتھے پر اور چوتھا تیسرے پر اور تیسرا دوسرے پر اور دوسرا پہلے پر۔ چوں کہ دنیا کا نظام لپیٹنا ہوگا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۴ میں ہے ﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ "جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو جیسے لپیٹا جاتا ہے بستہ کتابوں پر۔" جیسے پڑھنے والے جب پڑھائی سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے بستے میں سب کتابیں لپیٹ دیتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو لپیٹ کر رکھ دیں گے۔

تو فرمایا اس دن آسمان کمزور ہوگا ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا﴾ اَرْجَآءِ۔ رجاء کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کنارہ۔ معنیٰ ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔ آج آسمان میں بقدر چار انگشت بھی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رب تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف نہ ہو۔ فرشتوں کی حمد و ثنا ہے سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔ اس کلمے کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے: اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللهِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ. اللہ تعالیٰ کو یہ کلمہ

بہت محبوب ہے۔ یہ فرشتوں کی تسبیح ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کلمے کی برکت سے رزق ملتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ رزق کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

جس وقت آسمان پھٹے گا تو فرشتے آسمان کے کناروں پر چلے جائیں گے ﴿وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ اور اُٹھائیں گے آپ کے رب کے عرش کو اپنے اُوپر اُس دن آٹھ فرشتے۔ ﴿ثَمٰنِيَةٌ﴾ کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ ثَمَانِيَة نفوس آٹھ فرشتے ہوں گے۔ اور ایک مطلب ثمانية صفوف بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی اللہ تعالیٰ کے عرش کو اُٹھانے والی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بڑی طاقت عطا فرمائی ہے۔ میں سمجھانے کے لیے عرض کرتا ہوں۔ یوں سمجھو کہ ضلع گوجرانوالا کے برابر تھا لوط علیہ السلام کی قوم کا علاقہ۔ اور جبرئیل علیہ السلام نے سارے علاقے کو ایک پَر پر اُٹھا کر اُلٹا کر دیا۔ تو رب تعالیٰ نے فرشتوں کو بڑی طاقت عطا فرمائی ہے۔ تو آٹھ صفوں کی بھی تفسیر کی گئی ہے کہ فرشتوں کی آٹھ صفیں عرش کو اُٹھانے والی ہوں گی۔ باقی ایک صف میں کتنے فرشتے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ آٹھ نفوس، آٹھ افراد، آٹھ فرشتے، عرش الٰہی کو اُٹھا رہے ہوں گے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اُس دن ﴿تُعْرَضُوْنَ﴾ تم پیش کیے جاؤ گے رب کے سامنے ﴿لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ نہیں مخفی رہے گی تم سے کوئی مخفی بات۔ کوئی بات مخفی نہیں رہے گی ہر شے سامنے آجائے گی۔ اور یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ کوئی نفس مخفی نہیں رہے گا۔ آج تو چور، ڈاکو، فاسق، قاتل، چھپ جاتے ہیں۔ دوسرے علاقوں میں چلے گئے، دوسرے ملکوں میں چلے گئے، چھپ گئے۔ لیکن جس دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی کوئی نفس بھی نہیں چھپ سکے گا۔ پھر کیا ہوگا؟

کامیاب گروہ کا تذکرہ

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ﴾ پس بہر حال وہ آدمی جس کو پرچہ، اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا جس میں قول، فعل ہر شے درج ہوگی ﴿فَيَقُوْلُ﴾ پس وہ کہے گا ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ پڑھو میرے خط کو، میرے اعمال نامے کو۔

دیکھو! دنیا کے امتحان آخرت کے امتحان کے مقابلے میں اتنے بھی نہیں جتنا کھیل ہوتا ہے۔ لیکن اس دنیا کے امتحان میں جب بچے پاس ہوتے ہیں تو لُڈیاں مارتے ہیں، لڈو بانٹتے ہیں کہ میں پاس ہو گیا ہوں۔ استاد ماں باپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ تمھارا بچہ پاس ہو گیا ہے۔ ماں باپ اُستادوں کو مبارک دیتے ہیں۔ اصل امتحان پاس ہونے والا تو آخرت کا امتحان ہے۔ وہاں جو پاس ہوگا بڑا خوش ہوگا اور جو، جو اس کے سامنے آئے گا اس کو کہے گا پڑھو یہ میرا پرچہ ﴿اِنِّيْ ظَنَنْتُ﴾ بے شک میں نے یقین کیا تھا دنیا میں کہ ﴿اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ﴾ بے شک میں ملنے والا ہوں اپنے حساب کو۔ مجھے دنیا میں یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن حساب کا آنے والا ہے اس لیے میں آخرت کی تیاری کرتا رہا۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے دائیں ہاتھ میں پرچہ مل گیا ہے اور میں کامیاب ہو گیا ہوں ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔ جنت کے عیش و آرام اور خوشیوں کا

آج ہم دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت کی ایک ہاتھ جگہ دنیا و مافیھا کی قیمت سے زیادہ ہے۔ اور حوروں کا لباس تو درکنار ان کے دوپٹے کی قیمت دنیا و مافیھا نہیں بن سکتی۔

تو فرمایا پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ﴿فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ﴾ جنت میں ہوگا جو بلند جگہ ہوگی۔ مرتبے کے لحاظ سے بھی بلند اور محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی بلند ہوگی ﴿قُطُوْفُهَا﴾ قُطُوف قَطْفٌ کی جمع ہے وہ پھل جو پکنے کے بعد اُتارا جائے ﴿دَانِیَةٌ﴾ قریب ہوں گے۔ جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ درخت کی چوٹی پر پھل لگا ہوا ہے اور جنتی کا ارادہ ہوا اس کو کھانے کا۔ ارادہ کرتے ہی وہ پھل خود بہ خود جھک کر سامنے آجائے گا اُٹھنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگر کوئی لیٹا ہوا ہے اُٹھ کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ جنت کیا ہوگی؟ ایک چھوٹی خدائی ہوگی۔ جیسے رب تعالیٰ ﴿اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ [یٰسین: ۸۲] "اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو کہتے ہیں ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔" اسی طرح جنتی بھی جو چاہے گا اللہ تعالیٰ فوراً کر دیں گے۔ اگر کوئی آدمی اُڑنے کا ارادہ کرے گا وہ فوراً اُڑ پڑے گا۔ پرندے بڑی بلندی پر اُڑتے ہوں گے یہ ارادہ کرے گا کہ فلاں پرندہ میری خوراک بن جائے۔ ارادہ کرتے ہی وہ بھُنا ہوا سامنے ہوگا۔

بخاری شریف میں روایت ہے ایک آدمی نے کہا حضرت! مجھے کاشت کاری کا بڑا شوق ہے۔ مجھے وہاں کاشت کاری کی اجازت ملے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بھائی! وہاں کاشت کاری کی ضرورت کیا ہوگی سب چیزیں مفت ملیں گی۔ کہنے لگا حضرت! میں ویسے پوچھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا ہاں! اگر کوئی خواہش کرے گا تو اس کو اجازت مل جائے گی۔ اور جوں ہی دانے پھینکے گا ساتھ ہی اُگ جائیں گے اور کھڑے کھڑے کھیتی پک کر کٹ کر سامنے ڈھیر لگ جائیں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! تیرا پیٹ نہیں بھرتا۔

تو فرمایا اس کے پھل لٹکے ہوئے ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ جنت کے میوے ﴿وَاشْرَبُوْا﴾ اور پیو جنت کی نہروں کا پانی۔ دودھ، شراب، شہد، جو چاہو پیو ﴿هَنِیْٓـًٔا﴾ مزے دار طریقے سے ﴿بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ﴾ بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے آگے بھیجے ہیں گزرے ہوئے دنوں میں۔ یہ ان کا صلہ ہے۔ اور جس نے عمل ہی نہیں کیا یا بُرے عمل کیے تو وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ اگر عقیدہ صحیح ہے تو پھر سزا بھگت کے جنت میں جائیں گے۔ یہ تو اصحاب الیمین کا حال بیان ہوا۔ اب دوسروں کا بھی سن لو۔

ناکام گروہ کا تذکرہ

فرمایا ﴿وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ﴾ اور بہرحال وہ شخص جس کو دیا گیا اعمال نامہ ﴿بِشِمَالِهٖ﴾ اس کے بائیں ہاتھ میں۔ فرشتے پیچھے سے آکر اس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں پکڑائیں گے۔ وہ اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے ﴿فَیَقُوْلُ﴾

پس وہ کہے گا ﴿یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ﴾ کاش مجھے یہ پرچہ نہ ہی دیا جاتا ﴿وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَہۡ﴾ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے ﴿یٰلَیۡتَہَا کَانَتِ الۡقَاضِیَۃَ﴾ اے کاش کہ ہو جائے موت فیصلہ کرنے والی۔ موت مجھے آ کر ختم کر دے۔ لیکن وہاں تو ﴿لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی﴾ "نہ مرے گا نہ جیے گا۔" اگر وہاں مارنا مقصود ہوتو جہنم کی آگ کا ایک شعلہ ہی کافی ہے۔ سانپ کا ایک ڈنک ہی کافی ہے، بچھو کا ایک ڈنک ہی کافی ہے۔ لیکن مارنا مقصود نہیں ہے سزا دینا مقصود ہے۔

تو کہے گا کاش کہ موت فیصلہ کر دے اور میری زندگی ختم کر دے ﴿مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ﴾ نہ کفایت کی میری میرے مال نے۔ میرا مال میرے کام نہیں آیا جو میں دُنیا میں کماتا رہا ﴿ہَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَہۡ﴾ ہلاک ہوگئی میری بادشاہت، میری سرداری، میری چودھراہٹ بھی ختم ہوگئی۔ دنیا میں میرے بڑے نوکر چاکر تھے آج میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ دن ہوگا ﴿یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیۡہِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ بَنِیۡہِ ﴿۳۶﴾﴾ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔" ایک دوسرے سے چھپتے پھریں گے کہ کوئی نیکی کا سوال نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سارے نتیجے سے قرآن پاک میں آگاہ کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اب تمھاری مرضی ہے کہ دوزخ کی طرف جاتے ہو یا جنت کی طرف۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں جنت کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿خُذُوۡہُ﴾ پکڑو اس کو ﴿فَغُلُّوۡہُ﴾ پس اس کے گلے میں طوق ڈالو ﴿ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ﴾ پھر آگ کے شعلوں میں ﴿صَلُّوۡہُ﴾ داخل کر دو اس کو ﴿ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَۃٍ﴾ پھر زنجیروں میں ﴿ذَرۡعُہَا﴾ جن کی پیائش ﴿سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا﴾ ستر گز لمبی ہے ﴿فَاسۡلُکُوۡہُ﴾ پس جکڑ دو اس کو ﴿اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ﴾ بے شک یہ نہیں ایمان لاتا تھا ﴿بِاللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿الۡعَظِیۡمِ﴾ جو بڑی ذات ہے ﴿وَ لَا یَحُضُّ﴾ اور نہیں آمادہ کرتا تھا ﴿عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ﴾ مسکین کے کھانا کھلانے پر ﴿فَلَیۡسَ لَہُ الۡیَوۡمَ﴾ پس نہیں ہے اس کے لیے آج کے دن ﴿ہٰہُنَا﴾ یہاں پر ﴿حَمِیۡمٌ﴾ کوئی دوست ﴿وَّ لَا طَعَامٌ﴾ اور نہ خوراک ہے ﴿اِلَّا مِنۡ غِسۡلِیۡنٍ﴾ مگر غسلین ﴿لَّا یَاۡکُلُہٗۤ﴾ نہیں کھائیں گے اس کو ﴿اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ﴾ مگر خطا کار ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ﴾ پس میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِمَا﴾ ان چیزوں کی ﴿تُبۡصِرُوۡنَ﴾ جن کو تم دیکھتے ہو ﴿وَ مَا﴾ اور ان چیزوں کی ﴿لَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ جن کو تم نہیں دیکھتے ﴿اِنَّہٗ﴾ بے شک یہ قرآن کریم ﴿لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ﴾ البتہ قول ہے رسول کا ﴿کَرِیۡمٍ﴾ جو عزت والا ہے ﴿وَّ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ﴾ اور نہیں ہے یہ شاعر کا قول ﴿قَلِیۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ﴾ بہت کم تم ایمان لاتے ہو ﴿وَ لَا بِقَوۡلِ کَاہِنٍ﴾ اور نہ یہ کاھن کا قول ہے ﴿قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ﴾ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿تَنۡزِیۡلٌ﴾ اُتارا ہوا ہے ﴿مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ رب العالمین کی

طرف سے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا﴾ اور اگر کوئی بات ہمارے ذمہ لگا دے ﴿بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ﴾ بعض باتیں ﴿لَاَخَذْنَا مِنْهُ﴾ البتہ ہم پکڑتے اس کو ﴿بِالْيَمِيْنِ﴾ قوت کے ساتھ ﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ﴾ پھر البتہ ہم کاٹ دیتے اس کی ﴿الْوَتِيْنَ﴾ شہ رگ ﴿فَمَا مِنْكُمْ﴾ پس نہ ہوتا تم میں سے ﴿مِّنْ اَحَدٍ﴾ کوئی بھی ﴿عَنْهُ حٰجِزِيْنَ﴾ اس سے روکنے والے ﴿وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ﴾ اور بے شک یہ قرآن کریم البتہ نصیحت ہے ﴿لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ پرہیز گاروں کے لیے ﴿وَاِنَّا﴾ اور بے شک ہم ﴿لَنَعْلَمُ﴾ البتہ جانتے ہیں ﴿اَنَّ مِنْكُمْ﴾ بے شک تم میں سے ﴿مُّكَذِّبِيْنَ﴾ جھٹلانے والے ہیں ﴿وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ﴾ اور بے شک یہ قرآن البتہ حسرت ہوگا ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں پر ﴿وَاِنَّهٗ﴾ اور بے شک یہ قرآن ﴿لَحَقُّ الْيَقِيْنِ﴾ البتہ حق الیقین ہے ﴿فَسَبِّحْ﴾ پس آپ پاکیزگی بیان کریں ﴿بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ اپنے رب کے نام کے ساتھ جو بڑا ہے۔

ربط

کل کے سبق میں تم نے دو گروہوں کا ذکر سنا کہ وہ جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ بڑے خوش ہوں گے اور جو ملے گا اُسے کہیں گے ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ "پڑھو یہ میرا اعمال نامہ۔" اور دوسرا گروہ وہ ہوگا جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ وہ افسوس کریں گے اور کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ﴾ "ہائے افسوس کاش کہ مجھے یہ اعمال نامہ نہ ملتا موت مجھے پہلے ہی ختم کر دیتی میرے مال نے بھی مجھے فائدہ نہیں دیا اور میری چودھراہٹ بھی ختم ہوگئی۔"

انجام مجرمین

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے ﴿خُذُوْهُ﴾ پکڑو اس کو ﴿فَغُلُّوْهُ﴾ پس اس کے گلے میں طوق ڈال دو ﴿ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ﴾ پھر آگ کے شعلوں میں داخل کر دو اس کو ﴿ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ﴾ پھر زنجیروں میں ﴿ذَرْعُهَا﴾ جن کی پیمائش، لمبائی ﴿سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا﴾ ستر ہاتھ ہے (ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے) ان زنجیروں میں ﴿فَاسْلُكُوْهُ﴾ جکڑ دو اس کو۔ دوزخ میں خوشی سے کون جائے گا۔ فرشتے رب تعالیٰ کے حکم سے گلے میں طوق، پاؤں میں بیڑیاں اور زنجیروں میں جکڑ کر کھینچ کر دوزخ میں پھینکیں گے۔ کیوں؟ ﴿اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو بڑی ذات ہے ایمان نہیں لاتا تھا۔ نہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید مانی، نہ پیغمبر کی رسالت مانی، نہ آخرت کو تسلیم کیا، نہ فرشتوں کو مانا، نہ حلال حرام کے قانون کو تسلیم کیا۔ الغرض اس نے رب تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانا۔ اور دوسرا جرم یہ کہ ﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ اور نہیں آمادہ کرتا تھا اپنے نفس کو مسکین کے کھانا کھلانے پر۔ اور اگر خود غریب تھا تو دوسروں کو بھی ترغیب نہیں دیتا تھا غریب کو کھانا کھلانے کی کہ یہ غریب ہے اس کا خیال رکھنا۔

مال داروں کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غریبوں کا حق ہے

یادرکھنا! مال داروں کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غریبوں کا حق ہے۔ اتنا نہ سمجھو کہ زکوٰۃ دے دی، عُشر دے دیا، فطرانہ دے دیا، قربانی کی کھال دے دی اور فارغ ہو گئے۔ بخاری شریف میں روایت ہے اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ "بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔" ہر آدمی اپنی برادری کے بندوں کی غربت کو جانتا ہے، اپنے محلے کے لوگوں کی پوزیشن کو جانتا ہے۔ از خود ان کی امداد کریں ان کو مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ مال داروں کا فریضہ ہے۔ قیامت والے دن اس کی باز پرس ہوگی کہ میں نے تجھے مال دیا تھا اس پر سانپ بن کر بیٹھ گیا تھا غریبوں کے حقوق کیوں نہیں ادا کیے۔ لہٰذا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق غریبوں اور ناداروں کا خیال ضرور رکھنا چاہیے۔

تو فرمایا اس کا پہلا جرم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور احکام پر ایمان نہیں لایا۔ دوسرا جرم یہ کہ مسکینوں کی خوراک پر اپنے نفس کو آمادہ نہیں کیا اور نہ دوسرے لوگوں کو ترغیب دی ﴿فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ﴾ نہیں ہے اس کے لیے آج کے دن کوئی مخلص دوست۔ کوئی اس کا ساتھ دینے کے لیے وہاں تیار نہیں ہوگا ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ کسی کا کسی نے کیا ساتھ دینا ہے۔ اور دوسری بات: ﴿وَّلَا طَعَامٌ﴾ اور نہ اس کے لیے خوراک ہے ﴿اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ﴾ غسلین کا ایک معنیٰ تھوہر کا درخت کرتے ہیں۔ یہ بڑا زہریلا اور کڑوا ہوتا ہے۔ کوئی بھی جانور اس کے قریب نہیں جاتا۔ پھر دوزخ کی غسلین تو دوزخ کی غسلین ہوگی کہ اس کا ایک قطرہ سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا سمندر کڑوا ہو جائے۔ بدبو اتنی کہ حدیث پاک میں آتا ہے مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک اس کے ایک قطرے کی بدبو سے کوئی جان دار چیز زندہ نہ رہے۔

اور غسلین کا دوسرا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ زخموں کے اندر پیپ پیدا ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر ان زخموں کو پانی سے دھوتے ہیں۔ تو وہ پانی جس سے زخموں کو دھویا گیا ہے جس میں پیپ بھی آئی ہے اور خون بھی آیا ہے یہ پانی ان کی خوراک ہوگی۔ ﴿لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ﴾ نہیں کھائیں گے اس کو مگر وہ لوگ جو خطا کار ہیں۔ گناہ گاروں کی خوراک ہوگی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ان کو پیشاب، پاخانہ کھلایا جائے گا۔ جن کو بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا ان کا یہ حال ہوگا۔

حقانیتِ قرآن

آگے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں ﴿فَلَاۤ اُقْسِمُ﴾ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ قسم ہو یا حرف قسم ہو اس سے پہلے ما کا لفظ آئے یا لا کا لفظ آئے تو وہ زائدہ ہوتا ہے اس کا معنیٰ نہیں ہوتا۔ لکھنے پڑھنے میں آتا ہے معنیٰ نہیں ہوتا۔ فرمایا ﴿فَلَاۤ اُقْسِمُ﴾ پس میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِمَا تُبْصِرُوْنَ﴾ ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو۔ زمین کو دیکھتے ہو، آسمان کو دیکھتے ہو، پہاڑوں کو دیکھتے ہو، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتے ہو ﴿وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ فرشتوں کو نہیں دیکھتے، جن ہمیں نظر نہیں آتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنات اور فرشتے ہم سے زیادہ ہیں۔ زمین کی تہہ میں

بے شمار چیزیں ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں ۔ پہاڑوں کے غاروں میں جو چیزیں ہیں وہ ہمیں نظر نہیں آتی ۔ دور ہیں ہمیں نظر نہیں آتیں ۔تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں جو چیزیں تمھیں نظر آتی ہیں میں ان کی قسم اُٹھاتا ہوں اور جو چیزیں تمھیں نظر نہیں آتیں ان کی قسم اُٹھاتا ہوں ۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قسم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی جائز نہیں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَنْ اَقْسَمَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰہِ "جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم اُٹھائی تو اس نے شرک کیا۔" لہٰذا بات اچھی طرح سمجھ لیں ۔ کہ قسم دو قسم پر ہے ۔ ایک کسی شے کی عظمت کی قسم اُٹھائی جاتی ہے ۔ مثلاً : اللہ تعالیٰ کی قسم اُٹھائی جاتی ہے اس کی تعظیم کے لیے کہ اگر میں غلط بیانی کروں گا تو اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا ۔ یہ قسم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی جائز نہیں ہے ۔ اگر کوئی اُٹھائے گا تو شرک کرے گا ۔ اور ایک قسم ہوتی ہے گواہی کے لیے کہ جس چیز کی قسم اُٹھا رہا ہوں اس کو گواہ بنا رہا ہوں ۔ اپنی بات پر بطور گواہ کے پیش کر رہا ہوں ۔

تو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم اُٹھائی ہے ان کو گواہ کے طور پر پیش کیا ہے ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں ہے ۔ اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا ۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۲۲ میں ہے ﴿لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ﴾ "نہیں پوچھا جا سکتا اس سے جو وہ کرتا ہے اور ان سے پوچھا جائے گا۔" تو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم اُٹھا کر ان کو بطور گواہ کے پیش کیا ہے کہ یہ ساری چیزیں میری بات کی گواہی دیتی ہیں ۔ میں قسم اُٹھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک یہ قرآن کریم ﴿لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ﴾ کہا ہوا ہے ایسے رسول کا جو عزت والا ہے ﴿وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ اور نہیں ہے یہ شاعر کا قول ﴿قَلِیْلًا﴾ بہت کم ﴿مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾ تم ایمان لاتے ہو ﴿وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ﴾ اور نہ فال نکالنے والے کا قول ہے ۔ کہا ہوا پیغمبر کا ہے یعنی اس کی زبان سے جاری ہوا ہے ۔ انھوں نے اپنی طرف سے نہیں بنایا ﴿تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اُتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے ۔ بعض جاہل کہتے تھے ﴿اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ [صافات: ۳۶] "کیا ہم چھوڑنے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے ۔" اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی کہ یہ شاعر کا قول نہیں ہے اور یہ کاھن یعنی فال نکالنے والے کی بات بھی نہیں ہے ۔ وہ بھی جھوٹی سچی باتیں بتا کر لوگوں پر اپنا سکہ جماتے ہیں ۔ پیغمبر کی ہر بات حق ہوتی ہے ۔

اور کئی دفعہ تم یہ روایت سن چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَتٰی كَاهِنًا "جو آدمی فال نکالنے والے کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ پس تحقیق اس نے انکار کر دیا اس چیز کا جو نازل کی گئی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔" اور اگر اس کی باتوں کی تصدیق نہیں کی ویسے دل لگی کے لیے گیا تو اس کی چالیس دن رات کی عبادت کا اجر ضائع ہو گیا ۔

توہمات

آج کل عام لوگ وہم میں مبتلا ہیں۔تھوڑی بیماری لمبی ہوگئی تو کہتے ہیں مجھ پر کسی نے وار کر دیا ہے۔اور ان کاہنوں نے ان کے دماغ خراب کیے ہوئے ہیں۔جو بچہ ابھی پیدا ہوا اس کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ اس پر کسی نے وار کر دیا ہے۔اللہ کے بندو! طبعی بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔آخر اس زمانے میں کون سا آدمی سو فیصد تندرست ہے۔تو کیا سب پر وار ہو گیا ہے؟ کوئی آدمی ذہنی لحاظ سے خوش حال نہیں ہے۔کوئی گھر ایسا نہیں ہے جو پریشان نہ ہو۔فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی پریشانی بتا دیتا ہے اور کوئی کسی کے سامنے اپنی پریشانی کا ذکر نہیں کرتا۔تو کیا ساری دنیا پر جادو کیا ہوا ہے؟ اعمال ہمارے صحیح نہیں، خوراکیں ہماری صحیح نہیں ہیں۔ساری کھادیں ہمارے گھٹنوں میں ہیں۔پھر عموماً عورتوں میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے۔اپنی چیز کی حفاظت کرنی نہیں، زیور اُتار کر رکھ دیا، گھڑی رکھ دی، کسی نے اُٹھالی، پھر شک کرتی ہیں کہ فلاں نے اُٹھائی ہے، فلاں نے اُٹھائی ہے۔پھر فال نکالتی پھرتی ہیں۔

یاد رکھو! اپنی چیزوں کی پوری حفاظت کرو۔میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ اپنی جوتیوں کی حفاظت کرو۔طبرانی شریف میں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِجْعَلْ نَعْلَيْكَ تَحْتَ عَيْنَيْكَ "اپنے جوتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔" لوگ اپنے جوتوں کی حفاظت نہیں کرتے۔چور اُٹھا کے لے جاتے ہیں تو گناہ بھی ہوا حفاظت نہ کرنے کا اور نقصان بھی ہوا۔

تو فرمایا نہ یہ قرآن کریم شاعر کا قول ہے اور نہ کاہن کا قول ہے ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ بہت کم ہے جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اُتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا﴾ اور اگر وہ لگا دیتے ہمارے ذمے ﴿بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ﴾ کچھ باتیں۔ اقاویل اقوال کی جمع ہے اور اقوال قول کی جمع ہے۔تو اقاویل جمع الجمع ہے یعنی جمع کی جمع ہے۔رب تعالیٰ نے یہ بات کہی ہے کہ اگر پیغمبر ہمارے ذمہ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر لگا دیتا کہ یہ بات رب تعالیٰ نے کہی ہے اور رب تعالیٰ نے کہی نہ ہوتی ﴿لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ﴾ یمین کے معنیٰ قوت کے بھی ہوتے ہیں۔البتہ ہم پکڑتے اس کو قوت کے ساتھ۔اور قوت کے ساتھ پکڑ کر ﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ﴾ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی شہ رگ۔یمین کا معنیٰ دایاں ہاتھ بھی ہوتا ہے۔عموماً جس وقت جلاد کسی کا سر اُڑاتا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ سے مجرم کی گردن پر تلوار چلاتا ہے۔اگر پیغمبر نے ہمارے ذمہ ایسی بات لگائی ہوتی جو ہم نے نہیں کہی تو ہم اس کی جان نکال دیتے۔

قادیانی دھوکا

قادیانی لوگوں کو اس آیت کریمہ کے ذریعے دھوکا دیتے ہیں۔کہتے ہیں کہ دیکھو! مرزا صاحب اگر جھوٹے ہوتے تو جس وقت اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا رب نے ہلاک کیوں نہ کیا؟ اس سلسلے میں مولانا حبیب اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔اس میں اُنھوں نے ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی نے پہلے صریح لفظوں میں نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔کبھی کہتا تھا

میں مہدی ہوں، کبھی کہتا تھا میں مسیح موعود ہوں، کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتا تھا۔ دجل وفریب سے کام لیتا رہا۔ ۱۹۰۲ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو چھ سال بعد ہیضے میں مبتلا ہوا اور بیت الخلاء میں مر گیا۔ اس مسئلہ پر "عشرہ کاملہ" عمدہ کتاب ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی جس جگہ فوت ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ اگر نبی ہوتا تو اس کی قبر ٹٹی خانے میں ہونی چاہیے تھی۔ اس سے زیادہ اور کیا ذلت کی بات ہے کہ ہیضے سے ٹٹی خانے میں مرا۔ کسی آدمی نے سوال کیا کہ سنا ہے کہ پاخانہ اس کے منہ کے راستے سے آتا رہا۔ حضرت نے جواب دیا بہت کچھ لکھا ہے۔

فرمایا ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ﴾ پس نہ ہوتا تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا کہ اے پروردگار! اس کی شہ رگ کیوں کاٹتے ہو۔ فرمایا ﴿وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ﴾ اور بے شک یہ قرآن پاک نصیحت ہے ﴿لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ پرہیزگاروں کے لیے ﴿وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ﴾ اور بے شک البتہ ہم جانتے ہیں ﴿اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ﴾ بے شک تم میں سے قرآن کو جھٹلانے والے ہیں۔ لیکن یاد رکھو ﴿وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک یہ قرآن کریم حسرت ہوگی کافروں پر، انکار کرنے والوں پر۔ قیامت والے دن اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹیں گے کہ ہائے ہم نے کیوں نہ مانا قرآن پاک مان لیتے اس پر عمل کرتے اس کے مطابق عقیدہ بناتے تو آج عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔ اور فرمایا ﴿وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ﴾ اور بے شک یہ حق الیقین ہے۔ قرآن پاک پکی اور سچی کتاب ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان کی گئی ہے ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کریں جو بڑا ہے۔ سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ کثرت سے پڑھو۔ قیامت والے دن اس کا بہت زیادہ وزن ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں زبان پر بڑے ہلکے ہیں وزن میں بڑے بھاری ہیں سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ

(۲۹)

آیاتہا ۴۴ سُوْرَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ (۷۰) (۷۹) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ﴾ مانگا ایک مانگنے والے نے ﴿بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾ ایسا عذاب جو واقع ہونے والا ہے ﴿لِّلْکٰفِرِیْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ﴾ نہیں اس کو کوئی ٹالنے والا ﴿مِّنَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿ذِی الْمَعَارِجِ﴾ سیڑھیوں والا ہے ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ﴾ چڑھتے ہیں فرشتے ﴿وَالرُّوْحُ﴾ اور روح القدس ﴿اِلَیْہِ﴾ اس کی طرف ﴿فِیْ یَوْمٍ﴾ ایک دن میں ﴿کَانَ مِقْدَارُہٗ﴾ ہے جس کی مقدار ﴿خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ﴾ پچاس ہزار سال ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿صَبْرًا جَمِیْلًا﴾ صبر کرنا اچھا ﴿اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ﴾ بے شک وہ دیکھتے ہیں اس کو ﴿بَعِیْدًا﴾ دور ﴿وَّنَرٰہُ قَرِیْبًا﴾ اور ہم دیکھتے ہیں اس کو قریب ﴿یَوْمَ﴾ جس دن ﴿تَکُوْنُ السَّمَآءُ﴾ ہو جائے گا آسمان ﴿کَالْمُھْلِ﴾ تلچھٹ کی طرح ﴿وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ﴾ اور ہو جائیں گے پہاڑ ﴿کَالْعِھْنِ﴾ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ﴿وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ﴾ اور نہیں پوچھے گا کوئی مخلص دوست ﴿حَمِیْمًا﴾ کسی مخلص دوست کو ﴿یُّبَصَّرُوْنَھُمْ﴾ دکھائے جائیں گے ان کو وہ دوست ﴿یَوَدُّ الْمُجْرِمُ﴾ پسند کرے گا مجرم ﴿لَوْ یَفْتَدِیْ﴾ اس بات کو کہ وہ فدیہ دے دے ﴿مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ﴾ اس دن کے عذاب سے ﴿بِبَنِیْہِ﴾ اپنے بیٹوں کو ﴿وَصَاحِبَتِہٖ﴾ اور بیوی کو ﴿وَاَخِیْہِ﴾ اور اپنے بھائیوں کو ﴿وَفَصِیْلَتِہِ﴾ اور اپنے قبیلے کو ﴿الَّتِیْ تُئْوِیْہِ﴾ جو اس کو پناہ دیتا تھا ﴿وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ اور ان کو جو زمین میں ہیں سارے ﴿ثُمَّ یُنْجِیْہِ﴾ پھر اپنے آپ کو نجات دلائے ﴿کَلَّا﴾ ہرگز نہیں ہوگا ﴿اِنَّھَا لَظٰی﴾ بے شک وہ آگ بھڑکتی ہے ﴿نَزَّاعَۃً﴾ کھینچنے والی ہے ﴿لِّلشَّوٰی﴾ کلیجے کو ﴿تَدْعُوْا﴾ وہ آگ بلائے گی ﴿مَنْ اَدْبَرَ﴾ جنھوں نے پیٹھ پھیری ﴿وَتَوَلّٰی﴾ اور روگردانی کی ﴿وَجَمَعَ﴾ اور جس نے مال جمع کیا ﴿فَاَوْعٰی﴾ اور سمیٹ سمیٹ کر رکھا۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام معارج ہے۔ تیسری آیت کریمہ میں معارج کا لفظ موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ معارج مِعْرَجٌ کی جمع ہے۔ یہ آلہ کا صیغہ ہے۔ جس کا معنیٰ ہے اُوپر چڑھنے کا آلہ۔ اور اس کا مفرد مَعْرَجٌ بھی آتا ہے۔ یہ ظرف کا صیغہ ہے، چڑھنے کی جگہ۔ سیڑھیوں کے ذریعے آدمی مکان پر چڑھتا ہے۔ تو اس صورت میں معنیٰ ہوگا سیڑھیاں۔

مکہ مکرمہ میں بعض کافر بڑے منہ پھٹ اور بے لحاظ تھے۔ جیسے: ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث۔ نضر بن حارث مال دار آدمی تھا۔ جس کے پاس پیسے ہوں دنیا اس کی خواہ مخواہ عزت کرتی ہے، سلوٹ مارتی ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالفین میں سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ان میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت بیٹھا رہتا تھا کہ دیکھیں یہ کیا کہتا ہے۔ نضر بن حارث آپ کی مجلس میں آیا اور کہنے لگا جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو کہ اگر ہم ایمان نہ لائیں اور آپ کی تصدیق نہ کریں تو ہمارے اُوپر عذاب آئے گا۔ وہ عذاب کہاں چھپا رکھا ہے۔ وہ عذاب لاؤ نا!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَاَلَ سَآئِلٌ﴾ مانگا ایک مانگنے والے نے ﴿بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾ وہ عذاب جو واقع ہونے والا ہے۔ گرائمر کا مسئلہ ہے سَاَلَ یَسْئَلُ فتح یفتح کا باب ہے۔ اگر اس کا مصدر مَسْئَلَةٌ آئے تو اس کا معنیٰ ہے مانگنا۔ اور اگر اس کا مصدر سوال آئے تو اس کا معنیٰ ہے پوچھنا، دریافت کرنا۔ پہلے لفظ کا مصدر ہے مسئلہ۔ معنیٰ ہے مانگنا۔ ﴿سَآئِلٌ﴾، ایک مانگنے والے نے مانگا۔ وہ نضر بن حارث تھا۔ کیا مانگا؟ وہ عذاب جو واقع ہونے والا ہے ﴿لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے لیے۔ لام تخصیص کے لیے ہے۔ ﴿لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴾ نہیں کوئی اس عذاب کو ٹالنے والا۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آئے گا اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ وہ مرتے وقت بھی ہوگا، قبر میں بھی ہوگا، حشر میں بھی ہوگا، دوزخ میں بھی ہوگا۔ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ﴾ [الانفال: ۵۰] "ان کے مونہوں پر اور پیٹھوں پر ہتھوڑے ماریں گے" اور کہیں گے ﴿اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [الانعام: ۹۳] "اپنی جانیں ہمارے حوالے کرو۔" پھر قبر، حشر اور دوزخ میں ہوگا۔

تو فرمایا اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ یہ جار مجرور واقع کے متعلق ہے۔ یعنی ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿ذِى الْمَعَارِجِ﴾ جو سیڑھیوں والا ہے۔ اور مفسرین کرام رحمہم اللہ معارج کا معنیٰ درجوں والا بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آئے گا جو درجوں والا ہے ﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ﴾ [مومن: ۱۵] "بہت اُونچی شانوں والا ہے۔" یعنی اُونچی شانوں والے کی طرف سے عذاب آئے گا۔ تو مِعْرَجٌ کی جمع ہو تو چڑھنے کے آلے اور مَعْرَجٌ کی جمع ہو تو چڑھنے کی جگہ۔ آسمانوں کو معارج کہتے ہیں کہ یہ فرشتوں کی سیڑھیاں ہیں۔ جیسے ہم مکان پر چڑھتے ہیں تو سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ یہ آسمان اُوپر جانے کے لیے سیڑھیاں ہیں۔

فرشتوں کی تبدیلی کے اوقات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ چڑھتے ہیں فرشتے ﴿وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾ اور روح القدس بھی اس کی طرف۔ کراماً کاتبین فرشتوں کی ڈیوٹیاں دو وقت تبدیل ہوتی ہیں، صبح کے وقت اور عصر کے وقت۔ مثلاً: آج صبح کی نماز جب شروع ہوئی تو اس مسجد کے ساتھ جتنے لوگ وابستہ ہیں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان، ان تمام کے رات والے فرشتوں کی ڈیوٹی تبدیل ہوگئی اور دن والے آگئے اور چارج سنبھال لیا۔ رات والے فرشتے آسمانوں کو طے کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے۔

رب تعالیٰ سوال کرتے ہیں کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ "تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟" رب تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے مگر فرشتوں کی زبانی اپنے بندوں کی تعریف سننا چاہتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اے پروردگار! جب ہم گئے تھے اس وقت عصر کی نماز میں مصروف تھے اور اب جب ہم آئے ہیں تو صبح کی نماز میں مصروف تھے۔ فرشتوں کے آنے جانے میں کوئی وقت نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی قوت دی ہے کہ ایک لمحے میں آجا سکتے ہیں۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرم کی کسی شے کو کاٹنے کی اجازت نہیں ہے، حرام ہے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! اِذخر گھاس حرم میں ہے۔ یہ ہمارے گھروں میں بھی کام آتا ہے، قبروں میں بھی کام آتا ہے، ساروں اور لوہاروں کے بھی کام آتا ہے۔ اس کو لینے کے لیے اگر ہم ایک مٹھی گھاس لینے کے لیے حرم سے باہر جائیں گے تو سارا دن صرف ہو جائے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِلَّا الْاِذْخِر ہاں! اِذخر گھاس کی تمھیں اجازت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استثناء بذریعہ وحی فرمایا۔

تو اب سوال یہ ہے کہ ایک سیکنڈ میں وحی آ گئی، جبرئیل علیہ السلام پہنچ گئے؟ اس کا جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں جو بہت بڑے عالم اور وکیلِ احناف ہیں۔ ان کے متعلق امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جو فنِ رجال کے استاد اور ماہر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی اتنے بڑے عالم تھے کہ لَمْ یَخْلُفْ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ "اپنے جیسا ذہین آدمی اُنھوں نے اپنے بعد نہیں چھوڑا۔" تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَلَا یُنْکِرُهٗ اِلَّا مُلْحِدٌ اَوْ زِنْدِیْقٌ "اور نہیں انکار کرتا اتنی جلدی وحی آنے کا مگر ملحد اور زندیق۔" وحی کے لانے میں کیا دیر لگ سکتی ہے۔ تو فرمایا چڑھتے ہیں فرشتے اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام اس کی طرف ﴿فِیْ یَوْمٍ﴾ حقیقتاً وہ عذاب اس دن میں واقع ہوگا ﴿کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ہے مقدار اس کی پچاس ہزار سال۔

میدانِ محشر کا منظر نامہ

میدانِ محشر ہوگا، اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی، سورج میل یا دو میل کی مسافت پر ہوگا۔ آج سائنس دان کہتے ہیں کہ سورج ہم سے کروڑوں میل دور ہے۔ لیکن اس کی تپش کو ہم جیٹھ، ہاڑ، ساون میں برداشت نہیں کر سکتے۔ جب وہ میل یا دو میل کی مسافت پر ہوگا پھر اس کی گرمی کا کیا حال ہوگا؟ لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ کسی کو گھٹنوں تک، کسی کو ناف تک، کسی کو حلق تک ہوگا۔ اور نفسی نفسی پکاریں گے۔ بڑا افراتفری کا عالم ہوگا۔

آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے اور آپ سے آگے نسلِ انسانی چلی ہے۔ آپ رب تعالیٰ سے درخواست کریں کہ حساب جلدی شروع ہو جائے تا کہ اس پہلی مصیبت سے تو جان چھوٹے۔ آدم علیہ السلام فرمائیں گے لَسْتُ هُنَاكَ میرے اندر ہمت نہیں ہے کہ میں رب تعالیٰ کے سامنے جاؤں۔ مجھ سے غلطی ہوئی تھی کہ میں نے گندم کا دانہ کھا لیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا؟ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ بھی معذرت کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تو نے مشرک بیٹے کے لیے سوال کیوں کیا تھا تو کیا کروں گا؟

مختلف پیغمبروں سے ہوتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کے پاس جائیں گے۔آپ ﷺ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مقام عطا فرمایا ہے۔آپ ﷺ مقامِ محمود پر تشریف لے جائیں گے اور رب تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔بخاری شریف میں روایت ہے کہ رب تعالیٰ مجھے ایسے کلمات القاء فرمائیں گے کہ لَمْ تَحْضُرْنِی الان "اب وہ کلمات مجھے نہیں بتلائے گئے۔" ان کلمات کے ساتھ میں رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا۔پھر رب تعالیٰ فرمائیں گے اِرْفَعْ رَأْسَكَ یا محمد ﷺ! "اے محمد ﷺ اپنا سر اُٹھاؤ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ آپ سفارش کریں قبول ہوگی۔" اس کا نام شفاعتِ کبریٰ ہے۔یہ صرف آپ ﷺ کا حق اور خصوصیت ہے۔

تو خیر پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا۔یہاں پچاس ہزار سال کے دن کا ذکر ہے اور سورۃ سجدہ آیت نمبر ۵ میں ہے ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ "پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہوتی ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔" اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ مومن کے لیے ایک فرض نماز کے وقت کے برابر ہوگا۔مثلاً: ظہر کی نماز کے چار فرض ہیں۔چار پانچ منٹ میں ادا ہو جاتے ہیں۔

تعارض بین الآیتین میں تطبیق بذریعہ مثال

مفسرین کرام رحمہم اللہ اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔میں آپ کو مثال سے سمجھاتا ہوں۔سردیوں کی راتیں لمبی ہوتی ہیں۔گیارہ گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ایک آدمی صحت مند، تندرست ہے۔عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا اور صبح صادق تک سویا رہا۔یہ اُٹھ کر کہے گا کہ میں ابھی سویا ہوں اور ابھی اٹھ گیا۔اس کے لیے رات چھوٹی سی ہوگی۔رات گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔اور ایسا آدمی جس کی طبیعت خراب ہے کبھی نیند آتی ہے اور کبھی آنکھ کھل جاتی ہے۔اس کے لیے رات لمبی ہوگی۔حالانکہ رات وہی ہے۔اور ایک وہ آدمی ہے جس کے جوڑ جوڑ میں درد ہے، بال بال میں درد ہے۔سر سے پاؤں تک درد میں گھرا ہوا ہے۔ایک منٹ کے لیے آرام نہیں ہے۔اس کے لیے تو رات صدیوں کے برابر ہوگی۔رات ایک ہی ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ جو کافر گر ہیں، لوگوں کو کافر بنانے والے ہیں۔ان کے لیے دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔اور جو فقط کافر ہیں کافر ساز نہیں ہیں چونکہ ان کا جرم کم ہے ان کے لیے دن ہزار سال کے برابر ہوگا۔اور مومنوں کے لیے صلوٰۃ مکتوبہ، فرض نماز کے برابر ہوگا۔جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے لیے ایسا ہوگا جیسے ایک وقت کی فرض نماز۔

تو فرمایا اس دن عذاب واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں کافروں کی باتوں پر ﴿صَبْرًا جَمِيلًا﴾ صبر کرنا اچھا ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ بے شک وہ دیکھتے ہیں اس عذاب کو دور ﴿وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ اور ہم دیکھتے ہیں اس کو قریب۔کس دن ہوگا؟ ﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ﴾ جس دن ہو جائے گا آسمان تلچھٹ کی طرح۔تیل کے

نیچے جو گند مند ہوتا ہے اس کو تلچھٹ کہتے ہیں۔ اور مہل کا معنیٰ پگھلے ہوئے تانبے کا بھی کرتے ہیں کہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ اس کی رنگت تبدیل ہو جائے گی۔

﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ﴾ اور ہو جائیں گے پہاڑ ﴿كَالْعِهْنِ﴾ دُھنی ہوئی روئی کی طرح۔ عِھْن رنگ برنگی روئی کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ کچھ پہاڑ سفید ہیں، کچھ سیاہ ہیں، کچھ سرخ ہیں۔ تو جب یہ اُڑیں گے تو ان کے ریشے رنگ برنگے ہوں گے۔ ﴿وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا﴾ حمیم کا معنیٰ مخلص ساتھی۔ اور نہیں پوچھے گا کوئی مخلص دوست کسی مخلص دوست کو۔ ہر آدمی کو اپنی فکر لگی ہوئی ہوگی ﴿يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ [سورۃ عبس] "اُس دن ایک حالت ہوگی جو اس کو کافی ہوگی۔" جس کو اپنی فکر ہو وہ دوسروں کو کب پوچھتا ہے ﴿يُّبَصَّرُوْنَهُمْ﴾ دکھائے جائیں گے ان کو وہ دوست۔ جس طرح اس وقت ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اس طرح وہاں دوست ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔

اُس دن ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ﴾ پسند کرے گا مجرم ﴿لَوْ﴾ اس بات کو ﴿يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ﴾ کہ وہ فدیہ دے دے اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے ﴿بِبَنِيْهِ﴾ اپنے بیٹوں کو ﴿وَصَاحِبَتِهٖ﴾ اور بیوی کو ﴿وَاَخِيْهِ﴾ اور اپنے بھائی کو ﴿وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ﴾ اور اپنی برادری، اپنا قبیلہ جو اس کو پناہ دیتا تھا ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اور ان کو جو زمین میں ہیں سارے۔ اس دن مجرم اس بات کو پسند کرے گا کہ میری جگہ عذاب میں بیٹے سڑیں، بیوی سڑے، کنبہ قبیلہ سڑے، ساری دنیا سڑے۔ ماں باپ، دادا دادی، سب اس میں آ گئے کہ سب میرے بدلے میں دوزخ میں چلے جائیں اور میں بچ جاؤں ان سب کو دے کر ﴿ثُمَّ يُنْجِيْهِ﴾ پھر وہ اپنے آپ کو نجات دلائے، بچا لے۔

فرمایا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ اندازہ لگاؤ! آج لوگ ماں باپ کے لیے جان دیتے ہیں، اولاد کے لیے مرتے ہیں، بھائیوں کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ بیوی کے لیے سب کچھ کرتے ہیں۔ اس وقت کہے گا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ان سب کو میرے عوض دوزخ میں ڈال دیا جائے اور مجھے بچا لیا جائے۔ کتنا مشکل وقت ہوگا؟ کاش! کہ ہمیں سمجھ آ جائے۔ لیکن رب تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سودا ہرگز نہیں ہوگا۔ سورۃ لقمان آیت نمبر ۳۲ میں ہے ﴿لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ "نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرے گا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔" جو کسی نے کیا ہے اس کی گردن پر ہوگا۔

﴿اِنَّهَا لَظٰى﴾ بے شک وہ آگ بھڑکتی ہوئی ہے۔ آج دنیا کی آگ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں لوہا پگھل جاتا ہے، بعض پتھر جل کر چونا بن جاتے ہیں۔ اور وہ آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ ﴿نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى﴾ کھینچنے والی ہے کلیجے کو۔ جلد کو جلا کر کلیجے تک پہنچے گی ﴿تَدْعُوْا﴾ وہ آگ بلائے گی ﴿مَنْ اَدْبَرَ﴾ اس کو جس نے پیٹھ پھیری ایمان کی طرف۔ اُو کافرو اور منافقو! جلدی آؤ۔ ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور اس کو بلائے گی جس نے اعراض کیا، روگردانی کی اللہ تعالیٰ کے احکامات سے۔ جس طرح اس وقت میں بول رہا ہوں اور تم سن رہے ہو اسی طرح بولے گی اور کہے گی ایمان کی طرف پشت کرنے

والو جلدی آؤ۔ اعمال سے روگردانی کرنے والو جلدی آؤ۔ ﴿وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى﴾ اور جس نے مال جمع کیا اور سمیٹ سمیٹ کر رکھا اس کو بلائے گی کہ تو نے مال کے حقوق ادا نہیں کیے۔

مال فی نفسہٖ بُری چیز نہیں

دیکھنا! مال فی نفسہٖ بُری چیز نہیں ہے۔ اگر مال فی نفسہٖ بُرا ہوتا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوتی، حج فرض نہ ہوتا، قربانی لازم نہ ہوتی، فطرانہ لازم نہ ہوتا۔ کہ ان تمام عبادتوں کا تعلق مال کے ساتھ ہے۔ مال کے ذریعے ہی یہ عبادتیں ادا ہوتی ہیں۔ وہ مال بُرا ہے جو حلال طریقے سے نہ کمایا گیا ہو اور ناجائز جگہ پر خرچ کیا گیا ہو۔ جس کے حقوق ادا نہ کیے گئے ہوں۔ قرآن پاک نے اس مال کی مذمت کی ہے جس میں حلال وحرام کی تمیز نہ ہو، حق ادا نہ کرے۔ قارون کی طرح اس پر بیٹھ جائے۔ جیسے سانپ دولت پر بیٹھتا ہے۔ حلال مال آدمی اس لیے کماتا ہے کہ میرے والدین کھائیں گے، بیوی بچے، اولاد کھائے گی، مہمان کھائیں گے۔ نیک اور اچھی جگہوں پر خرچ کروں گا۔ اس کی مذمت نہیں ہے۔

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ﴾ بے شک انسان ﴿خُلِقَ﴾ پیدا کیا گیا ہے ﴿هَلُوْعًا﴾ تھوڑے حوصلے والا ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ جس وقت پہنچتی ہے اس کو تکلیف ﴿جَزُوْعًا﴾ گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے ﴿وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے اس کو خیر بخیل بن کر بیٹھ جاتا ہے ﴿اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ﴾ مگر نمازی ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ﴾ جن کے مالوں میں ﴿حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾ حق ہے مقرر ﴿لِّلسَّآئِلِ﴾ مانگنے والے کے لیے ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور محروم کے لیے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿يُصَدِّقُوْنَ﴾ جو تصدیق کرتے ہیں ﴿بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ بدلے کے دن کی ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ﴾ وہ اپنے رب کے عذاب سے ﴿مُّشْفِقُوْنَ﴾ ڈرتے ہیں ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ﴾ بے شک ان کے رب کا عذاب ﴿غَيْرُ مَاْمُوْنٍ﴾ بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ﴾ سوائے اپنی بیویوں کے ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ یا جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ (لونڈیاں) ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ بے شک وہ ملامت نہیں کیے جائیں گے ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى﴾ پس جس نے تلاش کی ﴿وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ اس کے علاوہ کوئی صورت ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ پس یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ﴾ جو اپنی امانتوں

کی ﴿وَ عَهْدِهِمْ﴾ اور اپنے عہد کی ﴿رٰعُوْنَ﴾ رعایت کرتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ﴾ جو اپنی شہادتوں پر ﴿قَآىِٕمُوْنَ﴾ قائم رہتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ﴾ جو اپنی نمازوں کی ﴿یُحَافِظُوْنَ﴾ حفاظت کرتے ہیں ﴿اُولٰٓىِٕكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾ یہ لوگ باغوں میں ہوں گے جن کی عزت کی جائے گی۔

عام انسانوں کی حالت کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عام انسانوں کی حالت بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ﴾ بے شک انسان ﴿خُلِقَ هَلُوْعًا﴾ پیدا کیا گیا ہے تھوڑے حوصلے والا، تنگ دل، بے صبرا۔ آگے اس کی وضاحت ہے کہ کیسے بے صبری کرتا ہے؟ فرمایا ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ جب پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف ﴿جَزُوْعًا﴾ گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے۔ جزع فزع کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ کرنے لگ جاتا ہے۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بُری حالت ہے۔ ہاں! جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دکھ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہ صبر کا دامن نہیں چھوڑتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کسی دکھ مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ کبھی مالی پریشانی آجاتی ہے، کبھی بدنی، کبھی خاندانی پریشانی اور کبھی گھریلو پریشانی آجاتی ہے۔ یہ تکلیفیں اور پریشانیاں اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ والا ہو۔

تو فرمایا جس وقت پہنچتی ہے انسان کو تکلیف تو جزع فزع کرتا ہے (روتا پیٹتا ہے، ہائے ہائے، وائے وائے کرتا ہے۔) ﴿وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے اس کو خیر بخیل بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ جب اس کے پاس مال آجاتا ہے اس کو روک لیتا ہے۔ نہ زکوٰۃ دیتا ہے، نہ عشر نکالتا ہے، نہ قربانی دیتا ہے، نہ فطرانہ، نہ عزیز رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتا ہے، نہ یتیموں مسکینوں کا خیال کرتا ہے۔ اکثر انسانوں کا یہی حال ہے ﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ﴾ مگر وہ جو نمازی ہیں وہ ایسے نہیں ہیں۔ یعنی سارے انسان بُرے نہیں ہیں اکثریت بُروں کی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

نمازیوں کے اوصاف

فرمایا ﴿الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ﴾ وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں، پابندی کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ جمعہ کی نماز پڑھ لی، عید کی نماز پڑھ لی۔ وہ نمازوں پر اس طرح قائم ہیں کہ دنیاوی کام بگڑتے ہیں تو بگڑ جائیں، نقصان ہوتا ہے تو ہو جائے مگر وہ نماز وقت پر پڑھتے ہیں۔

دوسری صفت: ﴿وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾ اور وہ لوگ ہیں جن کے مالوں میں حق مقرر ہے، معلوم ہے۔ کہ

زکوٰۃ چالیسواں حصہ دینی ہے، عشر دسواں حصہ دینا ہے اور بارانی زمین ہے، نہری اور چاہی ہے تو بیسواں حصہ دینا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں۔ اگر ان مسائل کو کوئی شخص نہیں جانتا تو وہ گناہ گار ہے۔ کیوں کہ دین کے جو ضروری مسائل ہیں ان میں کوئی معذور نہیں ہے۔ ہاں! اگر باریک مسائل جو کبھی کبھی پیش آتے ہیں ان کا جاننا ہر مسلمان کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اگر علاقے میں کوئی ایک بھی ایسا عالم ہے جو باریک اور دقیق مسائل ضرورت کے وقت حل کر سکتا ہے تو سارے علاقے والے گناہ سے بچ گئے۔ اور اگر علاقے میں، محلے میں، قصبے میں، ایک بھی ایسا عالم نہیں ہے تو پھر سارے علاقے والے گناہ گار ہیں۔ اور ضروریاتِ دین کے مسائل میں کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ نہ مرد، نہ عورت، جو عاقل بالغ ہو۔ ضروری مسائل میں ایمان ہے کہ ایمان عقیدہ کسے کہتے ہیں۔ نماز کے مسائل، روزے کے مسائل، قربانی کے مسائل، زکوٰۃ کے مسائل، نکاح اور طلاق کے مسائل، حلال وحرام کے مسائل، ان کو اگر کوئی آدمی نہیں جانتا تو وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا گرفت ہوگی۔ ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں علم دو قسم پر ہے۔

❀...... فرض عین اور ❀...... فرض کفایہ

فرض عین یعنی ہر مسلمان مرد عورت پر لازم ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر لازم ہے۔" اس میں اگر کوتاہی کرے گا تو مجرم ہوگا۔ اور دوسرا فرض کفایہ ہے۔ مکمل عالم ہونا، پورے دین پر عبور ہونا کہ باریک مسائل جاننے والا علاقے میں عالم ہونا ضروری ہے۔

تو فرمایا ان کے مالوں میں حق معلوم ہے ﴿لِّلسَّآئِلِ﴾ مانگنے والے کے لیے ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور محروم کے لیے۔ سائل سے مراد ایسا آدمی ہے کہ اس پر کوئی مصیبت آگئی ہے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے تو وہ صاحب حیثیت سے سوال کرتا ہے کہ مجھے یہ حادثہ پیش آگیا ہے میری مدد کرو۔ پیشہ ور مانگنے والا مراد نہیں ہے۔ جس کا جدی پشتی پیشہ ہی مانگنا ہے۔ اس کو دینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے وہ پیشہ ور اور وقتی ضرورت مند کو سمجھ سکتا ہے۔ تو سائل سے مراد ہے ایسا ضرورت مند جو ضرورت کے لیے سوال کرتا ہے۔ اور ضرورت نیک لوگوں کو پیش آجاتی ہے۔

بوقتِ ضرورت نیک آدمی بھی سوال کر سکتا ہے

سولھویں پارے کے پہلے رکوع میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام انطاکیہ شہر جو مصر میں ہے، دوپہر کے وقت پہنچے۔ دونوں کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ کھانے کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی اور نہ پیسے پاس تھے کہ خرید کر کھالیتے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ معذور مانگے، لنگڑا لولا مانگے۔ یہ دونوں صحت مند، موٹے تازے آدمی ہیں یہ کیوں مانگتے ہیں؟ ایک ایسا صحت مند کہ مکا مارے تو آدمی کو ڈھیر کر دے۔ اور دوسرا گرتی ہوئی دیوار کو ہاتھوں سے سیدھا کر دے۔ بہرحال ان لوگوں نے ان کو کھانا نہ دیا۔ تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت نیک آدمی بھی مانگ سکتا ہے۔

اور محروم اُسے کہتے ہیں کہ ضرورت کے باوجود کسی سے نہ مانگے۔ بڑا باضمیر اور خوددار ہے۔ تو یہ سوال نہ کرنے کی وجہ

سے محروم رہتا ہے۔ لہٰذا محلے داروں کا فریضہ ہے کہ محلے میں رہنے والوں کا خیال رکھیں۔ اور جو خود دار ضرورت مند ہے خود جا کر اس کو ایسے طریقے سے دیں کہ کسی دوسرے کو علم نہ ہو۔

تو فرمایا ان کے مالوں میں حق ہے معلوم مانگنے والے اور محروم کے لیے ﴿وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور وہ لوگ ہیں جو تصدیق کرتے ہیں قیامت کے دن کی، بدلے کے دن کی۔ دین کا معنیٰ بدلہ بھی ہے، جزا بھی ہے۔ اور دین کا معنیٰ حساب بھی ہے۔ تو وہ حساب والے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ جس دن حساب ہونا ہے، ادلہ بدلہ ہونا ہے۔ اس حد تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بے سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اللہ تعالیٰ بے سینگ والی بکری کو سینگ عطا فرمائیں گے اور کہیں گے کہ تو اس سے بدلہ لے لے۔ حالانکہ حیوان مکلف نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنا عدل و انصاف بتلائیں گے۔

آگ سے بچنے والے اور کون لوگ ہیں؟ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں کہ رب دنیا میں بھی عذاب دے سکتا ہے، قبر میں بھی، حشر میں بھی اور دوزخ میں بھی۔ وہ ہر وقت رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ﴾ بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اس سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

آگ کے شعلوں سے بچنے والے اور کون لوگ ہیں؟ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ دوزخ میں لے جانے والی زیادہ تر دو چیزیں ہیں۔ ایک زبان اور ایک شرم گاہ۔ حدیث کے درس میں تم حدیث سن چکے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے دے، ایک زبان اور ایک شرم گاہ کی کہ میں ان کو قابو میں رکھوں گا ناجائز جگہ استعمال نہیں کروں، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں کہ اس کو جنت لے کر دوں گا۔ ﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ﴾ مگر اپنی بیویوں پر ﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ یا اُن پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ۔

ملکِ یمین کی تعریف اور قیدیوں کے متعلق فقہی مسئلہ

ملکِ یمین کسے کہتے ہیں؟ جہاد میں اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائیں تو کافروں کے مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان، جو قید ہو کر آئیں گے۔ ان سے متعلق شرعی اور فقہی طور پر مسئلہ یہ ہے کہ یا تو قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لو کہ تمھارے جو قیدی ان کے پاس ہیں وہ لے لو اور یہ ان کو دے دو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بلا معاوضہ احسان کرتے ہوئے ان کو رہا کر دو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تم ان سے فدیہ، جرمانہ لے کر چھوڑ دو۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ تم ان کو غلام بنا لو۔ تو غلام بنانے کے بعد سپہ سالار ان کو مجاہدین میں تقسیم کرے گا تو دائیں ہاتھ سے پکڑائے گا اور لینے والا دائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔ اس واسطے اس کو ملکِ یمین کہتے ہیں۔ ملک یمین کا معنیٰ دائیں ہاتھ کی ملک۔ تو فرمایا یا جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ یعنی لونڈیاں ہیں ﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾ پس بے شک وہ ملامت نہیں کیے جائیں گے۔ یعنی بیویوں کے ساتھ شہوت پوری کریں یا لونڈیوں کے ساتھ تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى

وَرَآءَ ذٰلِكَ ﴾ پس جس نے تلاش کی اس کے سوا کوئی صورت ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ پس یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ، حدود اللہ کو پھلانگنے والے ہیں۔

دوزخ سے بچنے والوں کی اور صفت: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَ مٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے عہدوں کی رعایت کرتے ہیں۔ امانات جمع کا صیغہ ہے۔علم کی امانت بھی ہے کہ جو صحیح علم ہے اس کو بیان کرے اس میں سے ذرہ بھی نہ چھپائے اور نہ ہیرا پھیری کرے، نہ کسی کی رعایت کرے۔ بلاخوف صحیح بات بیان کرے۔ مال بھی امانت ہے۔ اگر کسی نے کسی کے پاس رکھا ہے۔مشورہ بھی امانت ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے المستشار امین" جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔" جو اس کی سمجھ میں آئے صحیح بات بتائے آگے نتیجے کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ کیوں کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی دیانت دار ہے اسے رائے دیتا ہے لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہے۔تو وہ نتیجے کا ذمہ دار نہیں ہے۔تو مشورہ بھی امانت ہے اور اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ "مجلس میں باتیں ہوتی ہیں وہ بھی امانت ہوتی ہیں۔" بعض دفعہ مجلس میں کوئی خاص بات ہوتی ہے عوام کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ اس بات کے باہر نکلنے سے غلط اثر ہوتا ہے اور لوگ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔تو ایسی بات کو مجلس سے باہر بیان کرنا بھی خیانت ہے۔

توچوں کہ امانتوں کی کئی قسمیں ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جمع کے صیغے کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرتے ہیں۔عہد معاہدے کی رعایت بھی ضروری ہے۔ پہلے تو حتی الوسع کسی کے ساتھ وعدہ نہ کرو کیوں کہ وعدہ نبھانا مشکل ہوتا ہے۔ جب وعدہ کرو تو سوچ سمجھ کر کرو کہ میں اس کو پورا کرسکتا ہوں یا نہیں۔ دفع الوقتی نہ کرو کہ وقت ٹالو پھر دیکھا جائے گا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔وعدہ خلافی منافقوں کی نشانی ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وعدہ وفائی کا جذبہ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ پہنچنے کا وعدہ کیا۔اس وقت ضعیف اور کمزور بھی تھے۔سوئے اتفاق کہ گاڑی لیٹ ہوگئی۔آگے جانے کے لیے تانگا وغیرہ کوئی سواری نہ ملی منزل تک پہنچنے کے لیے تو دوڑنا شروع کردیا کہ ساتھی منتظر ہوں گے۔جو ساتھ تھے انھوں نے کہا حضرت! کمزور آدمی ہو دوڑتے دوڑتے بے ہوش ہو کر گر جاؤ گے۔فرمایا میں نے وعدہ کیا تھا کہ فلاں وقت پہنچوں گا سوئے اتفاق کہ گاڑی لیٹ ہوگئی۔اگر قیامت والے دن رب تعالیٰ نے کہا کہ تم دوڑ کر پہنچ سکتے تھے تو پھر میں کیا جواب دوں گا؟ اگر دوڑتے دوڑتے بے ہوش ہو کر گر گیا تو آگے میرے بس کی بات نہیں میں قیامت والے دن کہہ سکوں گا اے پروردگار! جتنا مجھ سے ہوسکتا تھا اتنا میں نے کیا۔لیکن آج لوگوں کو نہ وعدے کا پاس اور نہ وقت کی قدر ہے۔

پاکستان میں دو چیزوں کی قدر نہیں

دو سال قبل کی بات ہے میری آنکھوں میں موتیا اُتر رہا تھا۔ چیک کرانے کے لیے ساتھی مجھے کراچی لے گئے جناح

ہسپتال میں۔ آنکھوں کے شعبے کا انچارج ڈاکٹر بڑا نیک اور صالح آدمی تھا۔ اس کا نام صالح میمن تھا۔ مجھے رات کو اس کی کوٹھی پر لے گئے۔ اس نے کہا کل جمعہ کی چھٹی ہے لیکن میں ضرور مولانا کو چیک کروں گا۔ ان کو تم کل ہسپتال لے آنا۔ ساتھی مجھے گاڑی میں ہسپتال لے گئے۔ ہسپتال کافی دور تھا۔ ڈاکٹر پہنچے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اپنا کمرا کھولا، آنکھوں کا معائنہ کیا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے چھٹی والے دن اپنا قیمتی وقت ہمیں دیا ہے۔ اُس نے میری کچھ کتابیں پڑھی ہوئی تھیں۔ کہنے لگا حضرت! میرے لیے بڑی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کا موقع ملا ہے۔ لیکن پاکستان میں دو چیزوں کی قدر نہیں ہے۔ ایک ضمیر کی اور ایک وعدے کی۔ بات اُس نے بڑی صحیح کہی۔ پاکستان میں ضمیر ہے اور نہ وقت کی قدر ہے۔ وعدہ کرو تو اس کا لحاظ کرو۔ اگر دیدہ و دانستہ خلاف ورزی کی تو گناہ گار ہو گے اور منافقوں کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔

تو فرمایا وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی رعایت کرتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ہیں ﴿هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ﴾ جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اول تو آج سچی گواہی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا اور اگر کوئی تیار ہو جائے تو اس کو راستے ہی سے اُٹھا لیا جاتا ہے۔ ہاں جو بڑے جگرے اور طاقت والا ہو تو گواہی دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ اور وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ دوزخ کی آگ سے بچنے والوں کا ذکر نماز سے شروع کیا تھا اور نماز پر ختم کیا۔ فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾ یہ لوگ باغوں میں ہوں گے جن کی عزت کی جائے گی۔ یعنی جن لوگوں میں یہ خوبیاں ہوں گی وہ جنت کے وارث ہیں۔

﴿فَمَالِ﴾ پس کیا ہو گیا ہے ﴿الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ﴾ آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف سے ﴿وَعَنِ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں طرف سے ﴿عِزِيْنَ﴾ گروہ در گروہ ﴿اَيَطْمَعُ﴾ کیا اُمید رکھتا ہے ﴿كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ہر آدمی اُن میں سے ﴿اَنْ يُّدْخَلَ﴾ کہ داخل کیا جائے گا اس کو ﴿جَنَّةَ نَعِيْمٍ﴾ نعمتوں کے باغوں میں ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیا ہے ان کو ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿يَعْلَمُوْنَ﴾ جس کو جانتے ہیں ﴿فَلَآ اُقْسِمُ﴾ پس میں قسم کھاتا ہوں ﴿بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ﴾ مشرقوں کے رب کی ﴿وَالْمَغٰرِبِ﴾ اور مغربوں کے رب کی ﴿اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ﴾ بے شک ہم البتہ قادر ہیں ﴿عَلٰٓى اَنْ﴾ اس بات پر ﴿نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ کہ بدل دیں ہم بہتر ان سے ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم عاجز ﴿فَذَرْهُمْ﴾ پس آپ چھوڑ دیں ان کو ﴿يَخُوْضُوْا﴾ بے ہودہ باتوں میں گھسے رہیں ﴿وَيَلْعَبُوْا﴾ اور کھیل میں لگے رہیں ﴿حَتّٰى يُلٰقُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ ملیں ﴿يَوْمَهُمُ﴾ اپنے اس دن سے ﴿الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴾

جس دن کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے ﴿یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ﴾ جس دن نکلیں گے ﴿مِنَ الْاَجْدَاثِ﴾ قبروں سے ﴿سِرَاعًا﴾ بڑی تیزی سے ﴿كَاَنَّهُمْ﴾ گویا کہ وہ ﴿اِلٰی نُصُبٍ﴾ اپنے نشانوں کی طرف ﴿یُّوْفِضُوْنَ﴾ دوڑے جا رہے ہیں ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ جھکی ہوئی ہوں گی نگاہیں ان کی ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ چھائی ہوگی ان پر ذلت ﴿ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ﴾ یہ وہ دن ہے ﴿كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔

حفاظت قرآن کی ایک مثال

اس اُمتِ مرحومہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قرآن پاک کی بڑی حفاظت کی ہے۔ الفاظ کی حفاظت کی، رسم الخط کی حفاظت کی، ترجمہ کی حفاظت کی، تفسیر کی حفاظت کی۔ قرآن میں کئی مقام ایسے ہیں جہاں لام جارہ ﴿الَّذِیْنَ﴾ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جیسے: ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ اور یہاں دیکھو ﴿الَّذِیْنَ﴾ کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے۔ ﴿فَمَالِ﴾ یہاں فا کے بعد ما حرفِ استفہام ہے، اس کے بعد لام جارہ ہے، آگے ﴿الَّذِیْنَ﴾ الگ ہے۔ یہ لفظ مال نہیں ہے جس کی جمع اموال ہے۔ بلکہ ما استفہامیہ ہے اور لام جارہ ہے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک اسی طرح چلا آ رہا ہے۔ ہم اس کو ساتھ جوڑ کر لکھنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اس امت نے اتنی حفاظت کی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جس طرح ترتیب دی تھی اس میں زیر زبر کا بھی فرق نہیں کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رسم الخط والا قرآن مسقط کی حکومت نے طبع کرایا ہے۔ ایک نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے۔ تو ﴿فَمَا﴾ حرفِ استفہام ہے اور لام جارہ ہے ﴿فَمَالِ الَّذِیْنَ﴾ معنیٰ ہوگا کیا ہوگیا ہے ان لوگوں کو ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ﴾ آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کرنا ہوتا تھا کافر لوگ دائیں طرف سے بھی دوڑتے ہوئے آتے اور بائیں طرف سے بھی۔ جو ناواقف ہوتے تھے وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ کہتا کیا ہے؟ اور جو واقف ہوتے تھے شریر قسم کے لوگ، وہ اس لیے آتے تھے کہ ہمیں اس کے بیان سے اعتراض کرنے کے لیے کوئی مواد مل جائے۔

تو فرمایا کیا ہوگیا ہے ان لوگوں کو جو کافر دوڑتے ہوئے آتے ہیں آپ کی طرف ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ﴾ دائیں طرف سے ﴿وَعَنِ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں طرف سے ﴿عِزِیْنَ﴾ گروہ در گروہ۔ ﴿عِزِیْنَ﴾ عِزَّة کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے گروہ، ٹولا۔ جمہور مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم یہی تفسیر کرتے ہیں۔ اور حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے چوٹی کے مفسر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر بھی صحیح ہے لیکن اس کی یہ تفسیر بھی ہے کہ جس وقت آپ انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بیان فرماتے تو بڑے شوق کے ساتھ سنتے تھے۔ آدم علیہ السلام کا قصہ، نوح علیہ السلام کا قصہ، ابراہیم علیہ السلام کا قصہ۔ لیکن جب توحید کا مسئلہ بیان فرماتے، شرک کی تردید کرتے، قیامت کا مسئلہ بیان فرماتے تو اُٹھ کر بھاگ جاتے تھے۔ کیوں کہ ان کو ان مسئلوں سے سخت نفرت تھی۔

تو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ اس طرح ہوگا کہ کیا ہوگیا ہے ان کافروں کو کہ آپ کے پاس آتے ہیں پھر دائیں بائیں بھاگتے ہیں گروہ در گروہ۔ مشرکینِ مکہ اوّلاً تو قیامت، حشر نشر کے قائل نہیں تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ فرض کر و اگر

قیامت آ گئی، حشر نشر ہو گیا تو ہمیں وہاں بھی خیر ہی ملے گی۔ مسلمانوں سے جنت میں بھی ہم نمبر لے جائیں گے۔ سورۃ الکہف آیت نمبر ۳۶ میں ایک کافر کی بات اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے: ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً﴾ "اور میں نہیں گمان کرتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے ﴿وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو پاؤں گا میں بہتر اس سے وہاں پلٹنے کی جگہ۔" یہاں ہمیں رب تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے۔ مال اولاد وہاں بھی دے گا۔

دُنیا اور آخرت کا معاملہ الگ الگ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ کیا اُمید رکھتا ہے ہر آدمی اُن میں سے ﴿اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ﴾ کہ داخل کیا جائے گا اس کو نعمتوں کے باغوں میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! یہ ان کا قیاس باطل ہے کہ یہاں ہمیں سب کچھ ملا ہے تو وہاں بھی ملے گا۔ دنیا کا ضابطہ الگ ہے اور آخرت کا معاملہ الگ ہے۔ دنیا میں دولت ان کو بھی ملتی ہے جو رب تعالیٰ کے باغی ہیں اور ان کو بھی ملتی ہے جو رب تعالیٰ کے پیارے ہیں۔ مگر ایمان، دین صرف پیاروں کو ملتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ اگر مال و دولت اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل ہوتی تو قارون سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ایک اچھی خاصی جماعت اُٹھاتی تھی۔ قرآن پاک میں یہ بات موجود ہے۔ مگر اس کو تو اللہ تعالیٰ نے بمع خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا۔ پھر تمھاری غلط منطق کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ تعالیٰ نقل کفر کفر نہ باشد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو اللہ تعالیٰ بڑا ناراض تھا کہ دو مہینے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے سے کمرے میں چراغ نہیں ہوتا تھا۔ نمازِ تہجد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا اور ایک مٹی کا پیالہ ہوتا تھا۔ یہ کل سامان تھا۔ لہٰذا مال و دولت کا ہونا اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ دین، ایمان اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل ہے۔

تو فرمایا کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر آدمی کہ اس کو داخل کیا جائے گا نعمتوں کے باغوں میں۔ فرمایا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ﴾ بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿یَعْلَمُوْنَ﴾ جس کو وہ جانتے ہیں۔ حقیر نطفے اور قطرے سے پیدا کیا ہے۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کی خلقت بڑی عجیب ہے۔ حقیر قطرے کو دیکھو پھر اچھے بھلے انسان کو دیکھو کیا جوڑ ہے۔ وہ قطرہ خارج میں ہو تو انسان اس سے نفرت کرتا ہے اور اس سے بنا ہوا انسان پیارا لگتا ہے اور اس کا انکار بھی کوئی نہیں کر سکتا کیوں کہ روزمرہ انسان پیدا ہو رہے ہیں۔

مشارق ومغارب کی تحقیق

تو فرمایا ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اُس چیز سے جس کو یہ جانتے ہیں ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ﴾ پس میں قسم

اُٹھاتا ہوں مشرقوں کے رب کی اور مغربوں کے رب کی۔ قرآن کریم میں تین طرح کے لفظ موجود ہیں۔ مفرد لفظ بھی آیا ہے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾[سورۃ المزمل] اور تثنیہ کے ساتھ بھی آیا ہے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝﴾[سورۃ الرحمٰن] اور یہاں جمع کے ساتھ آیا ہے۔

جہاں تثنیہ کے ساتھ آیا ہے وہاں گرمیوں کی مشرق اور سردیوں کی مشرق مراد ہے، گرمیوں کی مغرب اور سردیوں کی مغرب مراد ہے۔ دسمبر کے مہینے میں سورج وہاں سے چڑھتا ہے (اشارے کے ساتھ سمجھایا) اور چلتے چلتے ماہِ جون میں وہاں جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس کے مقابلے میں گرمیوں کی مغرب اور سردیوں کے مغرب ہے۔ اور جہاں جمع کا صیغہ ہے وہاں ہر دن کا مشرق مراد ہے اور ہر دن کا مغرب مراد ہے۔ روزانہ سورج نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور نئی جگہ پر غروب ہوتا ہے۔ سورج چونکہ ہم سے کروڑوں میل دور ہے اس لیے سمجھانے کے لیے عرض کرتا ہوں کہ مثلاً آج سورج گکھڑ سے طلوع ہوا، کل راہوالی سے، پرسوں لوہیانوالہ سے، چوتھ گوجرانوالا طلوع کرے گا۔ درمیان میں فاصلہ ہے۔ اسی طرح سورج روزانہ الگ الگ جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور الگ الگ جگہ سے غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

تو فرمایا میں قسم اُٹھاتا ہوں مشرقوں کے رب کی اور مغربوں کے رب کی ﴿اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ﴾ بے شک ہم البتہ قادر ہیں ﴿عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ اس بات پر کہ بدل دیں ہم اس سے بہتر یعنی ان کو ختم کر کے نئی مخلوق لائیں جو ان سے بہتر ہو۔ فرشتوں جیسی معصوم مخلوق لے آئیں ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن رب تعالیٰ نے مکلف مخلوق کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾[الکہف:۲۹] "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے، اپنی مرضی سے" کیوں کہ امتحان اسی میں ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾[سورۃ الملک] "تاکہ آزمائے تمھیں کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے۔" تو فرمایا کہ ہم قادر ہیں اس بات پر کہ تبدیل کر دیں ان سے بہتر ﴿وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ﴾ اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ مسبوق پیچھے رہ جانے والے کو کہتے ہیں۔ نماز میں مسبوق اُسے کہتے ہیں کہ جس کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہوں۔ امام آگے نکل گیا اور یہ پیچھے رہ گیا۔ اور مُدرک اُسے کہتے ہیں جو اوّل سے آخر تک جماعت میں شریک ہو۔ اسی طرح دوڑ میں جو پیچھے رہ جاتا ہے وہ مسبوق کہلاتا ہے کمزور ہوتا ہے۔ اور جو آگے نکل جاتا ہے وہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا معنیٰ کرتے ہیں کہ عاجز نہیں ہیں ﴿فَذَرْهُمْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! پس آپ ان کو چھوڑ دیں ﴿يَخُوْضُوْا﴾ بے ہودہ باتوں میں گھسے رہیں، بُرائیوں میں مشغول رہیں ﴿وَ يَلْعَبُوْا﴾ اور کھیل تماشے میں لگے رہیں۔ جو کرتے ہیں کرنے دیں ﴿حَتّٰى يُلٰقُوْا﴾ یہاں تک کہ وہ ملیں ﴿يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ﴾ اپنے اس دن سے جس دن کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے، قیامت کے دن کا۔ قیامت والے دن ان کو رب کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔ کس دن؟ ﴿يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا﴾ اجداث جَدَثٌ کی جمع ہے۔ جدث کا معنیٰ ہے قبر۔ اور سِرَاعًا سَرِيْعٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے تیز دوڑنا۔ معنیٰ ہوگا جس دن قبروں سے نکلیں گے بڑی تیزی سے دوڑتے ہوں گے ﴿كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ﴾ گویا کہ وہ اپنے نشانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنے

بتوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ نُصُب نِصاب کی جمع ہے۔ جس طرح کُتُب کِتاب کی جمع ہے۔ اور نصب بت کو بھی کہتے ہیں۔ بت پرست لوگ بتوں کی طرف دوڑ کے جاتے تھے اور پہلے ہاتھ لگانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور جو پہلے ہاتھ لگا لیتا تھا تو کہتے تھے یہ بخشا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پہنچیں گے ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ جھکی ہوئی ہوں گی نگاہیں ان کی۔ قریش مکہ اور یہود و نصاریٰ مردوں کو قبروں میں دفن کرتے تھے۔ ان کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ جب نکلیں گے قبروں سے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن کو قبروں میں دفن نہیں کیا جاتا ان کی پیشی نہیں ہوگی۔

ملحدین کا اعتراض اور اس کا جواب

جس طرح بعض ملحد اعتراض کرتے ہیں کہ جن مردوں کو جلا دیا جاتا ہے ان کی قبریں کہاں ہیں؟ یا جن کو مچھلیاں کھا جاتی ہیں، درندے کھا جاتے ہیں، پرندے کھا جاتے ہیں وہ کہاں سے نکلیں گے؟ یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے اجزائے بدن جہاں بھی ہیں وہی ان کی قبریں ہیں اور وہیں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔

چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی۔ (یہ آدمی کفن چور تھا۔ کفن چوری کر کے اپنے گھر کا سلسلہ چلاتا تھا۔ پھر محنت مزدوری شروع کر دی اور بڑی دولت کمائی۔ بڑا مال دار ہو گیا۔) جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اُڑا دینا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو نہیں دی۔

جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے ساتھ یہی کارروائی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ جمع کر دیا گیا تو فرمایا یہ کارروائی تو نے کیوں کی؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار! سو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اُس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا دریا میں بکھیر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رب تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ مردے جہاں بھی ہوں گے وہاں سے رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے ساتھ نکلیں گے۔

تو فرمایا ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ جب آدمی شرمندہ ہوتا ہے تو فطری طور پر اپنی نگاہیں پست کر لیتا ہے۔ تو ان پر ذلت طاری ہوگی ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہ دن ہے جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ قیامت آئے گی نیکی بدی کا بدلہ ملے گا۔ اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ نُوۡحٍ مَّكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ

(۲۹)

آیاتہا ۲۸ ﴿۷۱﴾ سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ ﴿۷۱﴾ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِنَّآ﴾ بے شک ہم نے ﴿اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام کو ﴿اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾ اس کی قوم کی طرف ﴿اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ﴾ کہ آپ ڈرائیں اپنی قوم کو ﴿مِنْ قَبْلِ﴾ پہلے اس سے ﴿اَنْ يَّاْتِيَهُمْ﴾ کہ آئے ان کے پاس ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ دردناک عذاب ﴿قَالَ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اِنِّيْ﴾ بے شک میں ﴿لَكُمْ﴾ تمھیں ﴿نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ڈرانے والا ہوں کھول کر ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ کہ عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور ڈرو اس سے ﴿وَاَطِيْعُوْنِ﴾ اور اطاعت کرو میری ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ﴾ بخش دے گا وہ تمھیں ﴿مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ تمھارے گناہ ﴿وَيُؤَخِّرْكُمْ﴾ اور وہ تمھیں مہلت دے گا ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ مدت مقرر تک ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا مقرر وقت ﴿اِذَا جَآءَ﴾ جب آ جاتا ہے ﴿لَا يُؤَخَّرُ﴾ مؤخر نہیں کیا جاتا ﴿لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ تم جان لو ﴿قَالَ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنِّيْ﴾ بے شک میں نے ﴿دَعَوْتُ قَوْمِيْ﴾ دعوت دی اپنی قوم کو ﴿لَيْلًا﴾ رات کو ﴿وَّنَهَارًا﴾ اور دن کو ﴿فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ﴾ پس نہیں زیادہ کیا ان کے لیے میرے بلانے نے ﴿اِلَّا فِرَارًا﴾ مگر بھاگنا ﴿وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ﴾ اور بے شک میں نے جب بھی ان کو دعوت دی ﴿لِتَغْفِرَ لَهُمْ﴾ تاکہ آپ ان کو بخش دیں ﴿جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ تو کر لیں اُنھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ﴿وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ﴾ اور لپیٹ لیے اُنھوں نے اپنے کپڑے ﴿وَاَصَرُّوْا﴾ اور انھوں نے اصرار کیا ﴿وَاسْتَكْبَرُوا﴾ اور انھوں نے تکبر کیا ﴿اسْتِكْبَارًا﴾ تکبر کرنا ﴿ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ﴾ پھر بے شک میں نے ان کو دعوت دی ﴿جِهَارًا﴾ کھلے طور پر ﴿ثُمَّ﴾ پھر ﴿اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ﴾ بے شک میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی ﴿وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ اور پوشیدہ طور پر سمجھایا ان کو آہستہ سے سمجھانا ﴿فَقُلْتُ﴾ پس میں نے کہا ﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ معافی مانگو اپنے رب سے ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ بے شک وہ بخشنے والا ہے ﴿يُّرْسِلِ السَّمَآءَ﴾ بھیجے گا آسمان کی طرف سے ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿مِّدْرَارًا﴾ لگاتار بارش ﴿وَّيُمْدِدْكُمْ﴾ اور مدد کرے گا تمھاری ﴿بِاَمْوَالٍ﴾ مالوں کے ساتھ ﴿وَّبَنِيْنَ﴾ اور بیٹوں کے ساتھ ﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ﴾ اور بنائے گا تمھارے لیے باغات ﴿وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ اور بنائے گا تمھارے لیے نہریں ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے

﴿لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ﴾ نہیں اُمید رکھتے اللہ تعالیٰ سے ﴿وَقَارًا﴾ عزت کی ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ﴾ اور تحقیق اس نے پیدا کیا تم کو ﴿اَطْوَارًا﴾ طرح طرح سے۔

نام وکوائف سورت اور نوح علیہ السلام کا ذکر

اس سورت کا نام سورۂ نوح ہے۔اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔اس مناسبت سے اس کا نام سورت نوح رکھا گیا۔یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس سے پہلے ستر[۷۰] سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا اکہتر واں[۷۱] نمبر ہے۔اس کے دو رکوع اور اٹھائیس آیات ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر،شان اور رتبے والے پیغمبروں میں سے ہیں۔ان کا نام عبدالغفار بن لمک تھا۔قوم کی حالت پر نوحہ کرتے کرتے نوح لقب پڑ گیا اور نوح کے لفظ سے ہی مشہور ہو گئے۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام کی قوم تک کفر،شرک نہیں تھا اور گناہ تھے۔حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل رحمہ اللہ کو قتل کیا مگر کفر،شرک نہیں تھا۔شرک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہوا۔نوح علیہ السلام نے ان کو بڑا سمجھایا مگر ان بدبختوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی بات کو قبول نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا﴾ بے شک بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر ﴿اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾ ان کی قوم کی طرف۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر تشریف لائے ان کی نبوت عام نہیں تھی قومی پیغمبر تھے۔اپنی اپنی قوموں کے لیے مبعوث ہوئے۔حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جتنے لوگ تھے وہ سارے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھے۔ان کے بعد جتنے پیغمبر تشریف لائے وہ اپنی اپنی قوموں کے لیے یا ایک آدھ دوسری قوم کی طرف آئے۔تمام دنیا کے پیغمبر،تمام قوموں کے پیغمبر، گوروں،کالوں کے لیے پیغمبر،عربیوں اور عجمیوں کے لیے پیغمبر صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۸ میں ہے ﴿قُلْ﴾ "آپ اعلان کر دیں ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! ﴿اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔"

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے: بے شک بھیجا ہم نے رسول بنا کر نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف ﴿اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ﴾ کہ آپ ڈرائیں اپنی قوم کو ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ﴾ پہلے اس سے کہ آئے ان کے پاس ﴿عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ دردناک عذاب۔چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تبلیغ شروع کر دی اور ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اے میری قوم! بیشک میں تمھارے لیے ڈرانے والا ہوں کھول کر رب تعالیٰ کے عذاب سے اور ایسے انداز سے بیان کرتا ہوں کہ اچھی طرح سمجھ سکو۔

اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ پیغمبر قوم کی زبان میں بھیجتا ہے۔﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ [ابراہیم:۴] "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر اس کی قوم کی زبان میں۔" کیوں کہ پیغمبر کی زبان اور ہو اور قوم کی زبان اور ہو تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہماری بولی اور ہے پیغمبر کی بولی اور ہے۔ہمیں ان کی بات سمجھ نہیں آتی۔اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کرتے ہوئے

ہر پیغمبر کو اس زبان میں بھیجا جو قوم کی زبان تھی۔ اور پیغمبر ان کو بنایا جن کی زبان بڑی صاف تھی۔ پھر خاندانی لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے بڑے اعلیٰ تھے، اشرافِ قوم میں سے تھے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تم کمی ہو، تم ایسی قوم سے ہو۔ پیغمبر اخلاق میں اعلیٰ، کردار میں اعلیٰ۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسے اوصاف عطا فرمائے تھے کہ نبوت سے پہلے بھی برائی کے نزدیک نہیں جاتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ کل تک تو تم خود یہ کرتے رہے ہو اور آج ہمیں روکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت پاکیزہ اور عمدہ اخلاق عطا فرمائے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت

تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ کہ تم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ یہ تمام پیغمبروں کا پہلا سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے ﴿وَاتَّقُوْهُ﴾ اور ڈرو اسی سے۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرو، اس کے عذاب سے ڈرو ﴿وَاَطِیْعُوْنِ﴾ اور میری اطاعت کرو۔ ﴿اَطِیْعُوْنِ﴾ اصل میں اطیعونی تھا۔ یا تخفیفاً گرگئی ہے۔ جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو ﴿یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ بخش دے گا اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ۔ ایمان کی برکت سے تمھارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

نمبر ۲ ﴿وَیُؤَخِّرْكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ اور وہ تمھیں مہلت دے گا مدت مقرر تک۔ اللہ تعالیٰ نے جو تمھاری میعاد مقرر کی ہے اس وقت تک تمھیں خیر و عافیت کے ساتھ رکھے گا۔ مگر یاد رکھنا! ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت جس وقت آئے گا مؤخر نہیں ہوگا۔ موت کا وقت ٹل نہیں سکتا ﴿لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ تم جان لو میری بات کو کہ میں تمھاری بھلائی کی بات کر رہا ہوں کہ میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کی گرفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال سمجھایا۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ جس انداز سے انھوں نے سمجھایا۔ لوگوں کی کئی پشتیں بدل گئیں مگر سورۂ ہود آیت نمبر ۴۰ میں ہے ﴿وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ "نہیں ایمان لائے اس کے ساتھ مگر بہت تھوڑے۔" مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں کی کل تعداد سو بھی نہیں تھی۔ نوے کا ذکر بھی آتا ہے، ترانوے اور بچانوے کا ذکر بھی آتا ہے۔ سو کا ذکر نہیں ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ خود بیوی اور ایک بیٹا ایمان نہیں لایا۔

جب سینکڑوں سال کی محنت کے باوجود قوم راہِ راست پر نہ آئی تو شکایت کے طور پر ﴿قَالَ﴾ نوح علیہ السلام نے کہا ﴿رَبِّ﴾ یہ لفظ جب بھی آئے گا اصل میں ہوتا ہے یَا رَبِّیْ! شروع میں یا ندا کی اُڑ گئی اور آخر میں یا متکلم کی اُڑ گئی۔ معنیٰ ہوگا اے میرے رب! ﴿اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا﴾ بے شک میں نے دعوت دی اپنی قوم کو ہر رات اور ہر دن۔ ایسا نہیں کہ کسی دن دعوت دی اور کسی دن نہ دی۔ کسی رات دعوت دی اور کسی رات دعوت نہ دی۔ میں نے ان کو ہر رات، ہر دن دعوت دی ﴿فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا﴾ پس نہیں زیادہ کیا ان کے لیے میری دعوت نے مگر بھاگنا۔ جوں جوں میں ان کو دعوت دیتا تھا یہ

بھاگتے تھے اور صرف بھاگتے ہی نہیں تھے ﴿وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ﴾ اور بے شک میں نے ان کو جب بھی دعوت دی، توحید کی طرف بلایا، شرک سے روکا ﴿لِتَغْفِرَ لَهُمْ﴾ تاکہ آپ ان کو بخش دیں تو ﴿جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ﴾ کرلیں انھوں نے اپنی انگلیاں ﴿فِیْۤ اٰذَانِهِمْ﴾ اپنے کانوں میں۔ جب میں دعوت دینا شروع کرتا تو یہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے تھے کہ لفظ ہمیں سننے نہ پڑیں۔ نفرت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ساری انگلیاں تو کانوں میں نہیں آتیں پوروں کو مبالغۃً انگلیاں کہا ﴿وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ﴾ اور لپیٹ لیے اُنھوں نے اپنے کپڑے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور اپنے اوپر کپڑے لے لیتے کہ میری شکل ان کو نظر نہ آئے۔ پیغمبر کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اتنی نفرت تھی اپنے محسن سے۔ ﴿وَ اَصَرُّوْا﴾ اور انھوں نے اصرار کیا، ڈٹ گئے، کفر، شرک پر۔ کہتے تھے ہم تیری بات نہیں مانتے ﴿وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ اور تکبر کرتے تھے تکبر کرنا۔ تکبر کا معنیٰ ہے بَطَرُ الْحَقِّ وَ غِمْطُ النَّاسِ "حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو گھٹیا سمجھنا۔" رب تعالیٰ نے چار بُرائیاں ان کی بیان فرمائی ہیں جن کا حضرت نوح علیہ السلام نے شکوہ کیا۔

① کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔
② اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ لیتے تھے۔
③ اصرار کرتے تھے۔
④ بڑا تکبر کرتے تھے، حق کو ٹھکرا دیتے تھے۔

﴿ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ پھر میں نے ان کو دعوت دی کھلے طور پر، علی الاعلان۔ ہر طریقہ اختیار کیا۔ گلیوں میں لوگ جارہے ہوتے تو ان کے پیچھے پیچھے جاتے اور سمجھاتے۔ بازار جا کر سمجھاتے۔ کوئی جنگل میں لکڑیاں کاٹنے جارہا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ جاتے اور سمجھاتے۔ کوئی ہل چلا رہا ہے یہ ساتھ ساتھ چلتے اور سمجھاتے ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔" ان کی یہ کارروائیاں دیکھ کر لوگ کہتے یہ پاگل ہے، نہ غمی دیکھتا ہے نہ خوشی دیکھتا ہے نہ لوگوں کے کاروبار کا خیال کرتا ہے بس اپنی بات کی رٹ لگائی ہوئی ہے، ﴿وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ۝﴾ [سورۃ القمر: پارہ ۲۷] "اور کہا انھوں نے دیوانہ ہے اور جھڑک دیا گیا۔" دو چار آدمی بیٹھے ہوتے نوح علیہ السلام جاتے تو پاگل کہہ کر دھکے دے کر نکال دیتے۔ کیا عجیب منظر ہوتا ہوگا؟

فرمایا ﴿ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ﴾ پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی کہ کان کھول کر سن لو۔ منادی کرا کر گلیوں محلوں میں ان کو دعوت دی ﴿وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ اور میں نے ان کو آہستہ آہستہ بھی سمجھایا آہستہ آہستہ سمجھانا۔ یعنی دعوت کے جتنے طریقے تھے وہ سارے اختیار کیے۔ دن کو دعوت دی، رات کو دعوت دی، بازاروں میں، گلیوں میں ان کو سمجھایا، مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر ان کو سمجھایا، علی الاعلان سمجھایا، مخفی طور پر سمجھایا ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ پس میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو۔ کفر، شرک سے باز آجاؤ، غیر اللہ کی پوجا چھوڑ دو، نافرمانیاں چھوڑ دو ﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ بے شک وہ بخشنے والا ہے ﴿یُّرْسِلِ

السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ بھیجے گا آسمان کی طرف سے تمھارے اُوپر لگاتار بارش۔ مِدْرَارًا کا معنیٰ ہے موسلا دھار بارش۔ان پر کچھ عرصہ کے لیے بارش بھی رک گئی تھی اس لیے فرمایا تم رب تعالیٰ سے معافی مانگو اللہ تعالیٰ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔ اور کیا کرے گا؟ ﴿وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ اور مدد کرے گا تمھاری مالوں کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ۔یعنی مزید مال بھی دے گا اور اولاد بھی دے گا ﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ﴾ اور بنائے گا تمھارے لیے باغات۔ظاہر بات ہے زمین زرخیز ہو، بارشیں نازل ہوں، پھول بوٹے اُگیں گے، کھیتیاں لہلہائیں گی ﴿وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ اور بنائے گا تمھارے لیے نہریں ﴿مَا لَكُمْ﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے ﴿لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا﴾ نہیں اُمید رکھتے تم اللہ تعالیٰ سے عزت کی۔اپنے لیے تم اللہ تعالیٰ سے عزت اور وقار نہیں چاہتے۔سورۃ منافقون پارہ ۲۸ میں ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "عزت تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے۔" اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت، فرشتوں کے ہاں عزت، کائنات کے ہاں عزت۔تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اللہ تعالیٰ سے عزت حاصل نہیں کرتے ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا﴾ اطوار طور کی جمع ہے۔اور تحقیق اس نے تمھیں پیدا کیا طرح طرح سے، مختلف انداز سے۔کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے، کوئی پتلا ہے، کوئی موٹا ہے، کوئی لمبے قد کا ہے، کوئی پست قد کا ہے۔پھر یہ بھی ہے کہ ابتداءً تمھیں نطفے سے خون کا لوتھڑا بنایا، پھر بوٹیاں بنائیں، پھر ہڈیاں بنائیں، پھر ان پر گوشت چڑھایا۔کچھ عرصہ ماں کے پیٹ میں بے جان رہے پھر جان ڈالی پھر پیدا کر کے دنیا میں لایا۔بچے تھے، پھر جوان ہوئے، پھر بوڑھے ہوئے۔اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو دیکھو! اس کی رحمتوں کو دیکھو! باقی ذکر آگے آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿اَلَمْ تَرَوْا﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا ﴿كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ﴾ کیسے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ سات آسمانوں کو ﴿طِبَاقًا﴾ تہہ بہ تہہ ﴿وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ﴾ اور بنایا چاند کو ان میں ﴿نُوْرًا﴾ نور ﴿وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ اور بنایا سورج کو چراغ ﴿وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اُگایا تمھیں ﴿مِّنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿نَبَاتًا﴾ اُگانا ﴿ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا﴾ پھر وہ تمھیں لوٹائے گا زمین میں ﴿وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا﴾ اور نکالے گا تمھیں نکالنا ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ﴾ اور بنائی تمھارے لیے زمین ﴿بِسَاطًا﴾ بچھونا ﴿لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا﴾ تاکہ چلو تم اس زمین میں ﴿سُبُلًا فِجَاجًا﴾ کشادہ راستوں پر ﴿قَالَ نُوْحٌ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَّبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ﴾ بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی ہے ﴿وَاتَّبَعُوْا مَنْ﴾ اور پیروی کی (ان لوگوں نے) ان کی ﴿لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ﴾ نہیں زیادہ کیا اس کے مال نے اور اس کی اولاد نے (ان کے لیے) ﴿اِلَّا خَسَارًا﴾ مگر نقصان ﴿وَمَكَرُوْا﴾ اور انھوں نے تدبیریں کیں ﴿مَكْرًا كُبَّارًا﴾ بڑی بڑی تدبیریں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور انھوں

نے کہا ﴿ لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ ﴾ ہرگز نہ چھوڑنا اپنے الٰہوں کو ﴿ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا ﴾ اور ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ کو ﴿ وَّلَا سُوَاعًا ﴾ اور نہ سواع کو ﴿ وَّلَا يَغُوْثَ ﴾ اور نہ یغوث کو ﴿ وَيَعُوْقَ ﴾ اور نہ یعوق کو ﴿ وَنَسْرًا ﴾ اور نہ نسر کو ﴿ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ﴾ اور تحقیق انھوں نے گمراہ کیا بہتوں کو ﴿ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴾ اور نہ زیادہ کر ظالموں کے لیے مگر گمراہی ﴿ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ ﴾ اپنی خطاؤں کی وجہ سے ﴿ اُغْرِقُوْا ﴾ غرق کیے گئے ﴿ فَاُدْخِلُوْا نَارًا ﴾ پس داخل کیے گئے آگ میں ﴿ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ ﴾ پس نہ پایا انھوں نے اپنے لیے ﴿ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿ اَنْصَارًا ﴾ مددگار ﴿ وَقَالَ نُوْحٌ ﴾ اور کہا نوح علیہ السلام نے ﴿ رَّبِّ ﴾ اے میرے رب ﴿ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ ﴾ نہ چھوڑیں آپ زمین پر ﴿ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ کافروں میں سے ﴿ دَيَّارًا ﴾ کسی ایک کو ﴿ اِنَّكَ ﴾ بے شک آپ ﴿ اِنْ تَذَرْهُمْ ﴾ اگر چھوڑ دیں ان کو ﴿ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ ﴾ گمراہ کریں گے آپ کے بندوں کو ﴿ وَلَا يَلِدُوْٓا ﴾ اور نہیں جنیں گے ﴿ اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ مگر نافرمان ناشکروں کو ﴿ رَبِّ ﴾ اے میرے رب! ﴿ اغْفِرْ لِيْ ﴾ بخش دے مجھے ﴿ وَلِوَالِدَيَّ ﴾ اور میرے ماں باپ کو ﴿ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ ﴾ اور اس کو جو میرے گھر میں داخل ہو ﴿ مُؤْمِنًا ﴾ مومن ہو کر ﴿ وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور مومن مردوں کو ﴿ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ اور مومن عورتوں کو بخش دے ﴿ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اور نہ زیادہ کر ظالموں کے لیے ﴿ اِلَّا تَبَارًا ﴾ مگر بربادی۔

دلائل قدرت

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بڑے پیار اور محبت کے انداز میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور قدرتوں کا ذکر کیا۔

اسی سلسلے میں فرمایا ﴿ اَلَمْ تَرَوْا ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا ﴿ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ کیسے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو ﴿ طِبَاقًا ﴾ تہہ بہ تہہ۔ اگرچہ ہمیں ایک آسمان نظر آتا ہے لیکن اس کو دیکھ کر دوسروں کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ میرے رب کا فرمان حق اور صحیح ہے کہ اس کے اُوپر چھ آسمان اور ہیں۔ اس آسمان کی طرف دیکھو کتنا بڑا اور بلند ہے مگر اس کے نیچے نہ کھمبا ہے نہ ستون ہے نہ کوئی دیوار ہے۔ صاف اتنا کہ اس میں دراڑ تک نہیں ہے۔ جیسا بنایا تھا آج تک ویسا ہی ہے ﴿ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا ﴾ اور بنایا چاند کو ان میں نور ﴿ وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴾ اور بنایا سورج کو چراغ ﴿ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اُگایا تمھیں زمین سے اُگانا۔ مٹی سے تمھیں پیدا کیا۔ آدم کے متعلق فرمایا ﴿ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ﴾ [آل عمران: ۵۹] "اللہ تعالیٰ نے اس کو مٹی سے پیدا کیا" اور تم سب آدم کی اولاد ہو۔ تو تم بھی مٹی سے پیدا ہوئے ہو۔ اور اب بھی وہ تمھیں مٹی سے

پیدا کر رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو کچھ تم کھاتے ہو فصلیں، اناج، پھل، سبزیاں سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تم کھاتے ہو تو خون پیدا ہوتا ہے اور خون سے مادۂ تولید پیدا ہوتا ہے۔ تو آج بھی تم مٹی ہی سے پیدا ہو رہے ہو ﴿ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا﴾ پھر وہ تمھیں زمین میں لوٹائے گا۔ مرنے کے بعد زمین ہی میں دفن ہونا ہے ﴿وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا﴾ اور نکالے گا تم کو زمین سے نکالنا۔ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب قبروں سے نکل آئیں گے۔ پھر دیکھو اور غور کرو ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا﴾ اور بنایا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا۔ فرش بنا دیا تم اس پر چلتے ہو، سوتے ہو، اُٹھتے بیٹھتے ہو، کھیلتے کودتے ہو ﴿لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾ ﴿فِجَاجًا﴾ فج کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کشادہ راستہ۔ معنیٰ ہوگا تاکہ چلو تم زمین میں کشادہ راستوں پر۔ کشادہ راستہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ مخلوق زیادہ ہو اور راستہ تنگ ہو تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

تو نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کر کے سمجھایا اور قدرتوں کا ذکر کر کے سمجھایا مگر قوم کو کوئی چیز سمجھ نہ آئی اور اپنے کفر، شرک پر ڈٹی رہی۔ تو پھر ﴿قَالَ نُوْحٌ﴾ کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ﴾ اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری نافرمانی کی ہے، میری بات نہیں مانی ﴿وَاتَّبَعُوْا﴾ اور پیروی کی ﴿مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا﴾ ان کی کہ نہ زیادہ کیا اس کے لیے اس کے مال نے اور اس کی اولاد نے مگر نقصان۔ انھوں نے مال داروں کی بات مانی، سرداروں کے پیچھے لگے جن کو مال، اولاد نے نقصان کے سوا کچھ نہ دیا۔ مال و دولت کے گھمنڈ میں آخرت برباد کر لی اور ہمیشہ کے خسارے میں پڑ گئے ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا﴾ اور انھوں نے تدبیریں کیں بڑی تدبیریں حق کو مٹانے کے لیے۔ نوح علیہ السلام کو مارا پیٹا، گالیاں دیں، گھسیٹا، مجلس سے دھکے دے کر باہر نکال دیتے۔ جھوٹا کہا، شرارتی کہا، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو انھوں نے نوح علیہ السلام کے خلاف استعمال نہ کیا ہو۔

قومِ نوح کا جواب

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ ہرگز نہ چھوڑنا اپنے الٰہوں کو۔ وہ الٰہ کون ہیں؟ ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا﴾ اور ہرگز نہ چھوڑنا ود کو ﴿وَّلَا سُوَاعًا﴾ اور نہ سواع کو چھوڑنا ﴿وَّلَا يَغُوْثَ﴾ اور نہ یغوث کو چھوڑنا ﴿وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہ پانچ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک آدمی تھے یہ ان کے نام ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ وَد حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چار حضرت ادریس علیہ السلام کے نیک بیٹے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کی اصلاح کی۔ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بیٹوں نے باپ کی جگہ لی، لوگوں کی اخلاقی تربیت کرتے رہے۔ آخر انسان تھے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾

وہ بھی یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے فوت ہونے سے لوگوں میں اُداسی چھا گئی۔ ان کی مجالس میں جانے سے جو روحانی خوراک ملتی تھی وہ اب نہیں ملتی۔ ایمان یقین کی گفتگو ہوتی تھی، سکون ملتا تھا اب اس سے محروم ہو گئے۔

بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ دیکھا ایک بزرگ صورت آدمی آرہا ہے۔ وہ بھی آکر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا کیا بات ہے تم بڑے اُداس اور پریشان لگ رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہماری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے پانچ بزرگ تھے۔ وہ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ وہ دنیا میں تھے تو ہمیں روحانی خوراک ملتی تھی۔ بڑا اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ نیک عمل کی توفیق ہوتی تھی بُرے کاموں سے بچتے تھے۔ ان کی مجلسیں ہمیں یاد آتی ہیں، ان کی باتیں یاد آتی ہیں لیکن وہ ہمیں نہیں ملتے اس لیے ہم پریشان ہیں۔ اس آنے والے بزرگ نے کہا تمھاری پریشانی بڑی ہے۔ اور تمھیں پریشان ہونا چاہیے تھا۔ اور تمھارا صدمہ واقعی بڑا ہے۔ جس طرح جسم کو غذا نہ ملے تو کمزور ہو جاتا ہے روح کو غذا نہ ملے تو وہ بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ وہ تو اب واپس نہیں آئیں گے تم اس طرح کرو کہ ان کے مجسمے بنالو، بت بنالو اور یادگار کے طور پر گھروں میں بھی رکھو، عبادت خانوں میں بھی رکھو۔ ان کی شکلیں دیکھ کر کچھ نہ کچھ تو تسلی ہوگی۔

تصویر کی شرعی حیثیت

اُس زمانے میں تصویریں بنانا حرام نہیں تھا۔ یہ ہماری شریعت میں جان دار چیز کی تصویر بنانا حرام ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ "لوگوں میں سے سخت ترین عذاب قیامت والے دن تصویر بنانے والوں کو ہوگا، فوٹو بنانے والوں کو ہوگا۔" رب تعالیٰ فرمائیں گے ان میں جان ڈالو، روح ڈالو پھر تمھاری خلاصی ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ روح ڈالنا کس کے اختیار میں ہے لہٰذا دوزخ میں جلتے رہیں گے۔ ہاں مجبوری کی حالت کا شریعت لحاظ کرتی ہے۔ مثلاً: ہماری جیبوں میں نوٹ ہیں۔ کسی کی جیب مین زیادہ اور کسی کی جیب میں کم۔ اور ان پر جناح صاحب کی تصویر ہے۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ پر اپنی تصویر لگانی پڑتی ہے۔ یہ جائز نہ سمجھو اس کو ناجائز سمجھنا ہے۔ یہ امر مجبوری لگاتے ہیں۔ یہ ظالم قانون ہم سے یہ کام کرواتا ہے اور ہم کرتے ہیں۔ یاد رکھنا! جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناجائز قرار دیا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کو جائز قرار نہیں دے سکتی۔ مگر ہمیں اس کا گناہ نہیں ہے کیوں کہ ہم بالکل مجبور ہیں۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ کوئی آدمی بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو تو اس کو خنزیر کھانے کی اجازت ہے، مردار کھانے کی اجازت ہے۔ بلکہ اگر نہ کھانے کی وجہ سے مر گیا تو گناہ گار مرے گا۔ تو جس طرح مضطر و مجبور کے لیے حرام کھانے کی اجازت ہے اسی طرح ہم مجبور ہیں۔ اس کو کوئی جائز نہ سمجھے حاشا وکلا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس گھر میں جان دار کی تصویر ہو اللہ تعالیٰ کے رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ مگر آج تو مصیبت یہ ہے کہ ماچس ہو تو اس پر تصویر، صابن ہو تو اس پر تصویر، چائے کی ڈبی لو اس پر تصویر۔ باطل قوتوں نے لوگوں کے ایسے ذہن خراب کر دیئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی اہمیت ہی ختم ہو گئی ہے۔

تو خیر اس زمانے میں تصویر بنانا جائز تھا۔ تو اس بزرگ نما آدمی نے جو اصل میں ابلیس تھا کہا کہ تم ان کے مجسمے بنالو۔ یہ تو نہ کہہ سکا کہ تم ان کو سجدہ کرو، ان سے حاجتیں مانگو۔ کیوں کہ وہ لوگ پختہ ذہن کے تھے۔ مگر اس نے ایک بنیاد ڈال دی۔ ان لوگوں نے گھروں میں ان کے مجسمے بنا کر رکھ لیے، عبادت خانوں میں مجسمے بنا کر رکھ لیے۔ یہ لوگ دنیا سے چلے گئے نئی نسل آگئی۔ نئی نسل کو شیطان نے یہ پٹی پڑھائی کہ تمھارے بڑے ان کی پوجا کرتے تھے ان سے حاجتیں مانگتے تھے۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے اللہ تعالیٰ ان کی موڑتا نہیں ہے۔ پھر کیا ہوا کوئی کسی کے آگے جھک رہا ہے کوئی کسی کے آگے جھک رہا ہے، کوئی کسی کو سجدہ کر رہا ہے، کوئی کسی کے آگے رکوع میں ہے۔ اصل میں یہ پانچ بزرگوں کے مجسمے تھے محض پتھر نہیں تھے۔

تو فرمایا کہ انھوں نے کہا وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا ﴿وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ اور تحقیق انھوں نے گمراہ کیا بہت سارے لوگوں کو۔ وہ میری طرف نہیں آئیں گے ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا﴾ اور نہ زیادہ کر ظالموں کے لیے مگر گمراہی۔ سورۂ ہود میں ہے ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ﴾ "اور وحی نازل کی گئی نوح کی طرف ﴿اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ [آیت: ۳۶] بے شک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ کی قوم میں سے مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں۔"

تو نوح علیہ السلام نے کہا پروردگار! ان کو اور گمراہ کر دے ﴿مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا﴾ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کیے گئے۔ سیلاب میں غرق ہونے کے ساتھ ہی ﴿فَاُدْخِلُوْا نَارًا﴾ پس داخل کیے گئے آگ میں۔ مرنے کے بعد ہی سزا شروع ہو جاتی ہے ﴿فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ پس نہ پایا انھوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے کوئی مددگار۔ نہ وَد نے مدد کی، نہ سواع، یغوث، یعوق اور نسر نے مدد کی۔ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت ہو تو کوئی مدد کر بھی کیا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کس کے پاس اختیار ہے؟ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا کون حاجت روا ہے؟ کون مشکل کشا ہے؟ کون فریادرس ہے؟ کون دست گیر ہے؟ کوئی نہیں۔

﴿وَقَالَ نُوْحٌ﴾ اور کہا نوح علیہ السلام نے ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ اے پروردگار! نہ چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کسی ایک کو۔ ﴿دَيَّارًا﴾ کا معنیٰ داخل دار۔ کوئی گھر میں بسنے والا کافر نہ چھوڑ ﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ﴾ بے شک آپ اگر ان کو چھوڑ دیں گے ﴿يُضِلُّوْا عِبَادَكَ﴾ گمراہ کریں گے آپ کے بندوں کو ﴿وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ اور نہیں جنیں گے مگر نافرمان ناشکرے۔ فاجر، کافر ہی جنیں گے۔ کیوں کہ آپ فرما چکے ہیں ﴿لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ "کہ ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم میں سے مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں۔" جن کی تعداد پوری سو [۱۰۰] بھی نہیں تھی۔

﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب ﴿اغْفِرْ لِيْ﴾ بخش دے مجھے ﴿وَلِوَالِدَيَّ﴾ اور میرے ماں باپ کو بھی بخش دے ﴿وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا﴾ اور اس کو بھی جو میرے گھر میں داخل ہوا اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔ بیوی اور ایک بیٹا نافرمان تھے۔ ﴿وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور عام مومن مردوں کو جو قیامت تک پیدا ہوں گے ان کو بھی بخش دے ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مومن عورتوں کو بھی بخش دے جو قیامت تک پیدا ہوں گی۔

مسئلہ ایصالِ ثواب

ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو پہلے محدود تھا اور اب کافی پھیل گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی کی دعا کسی کے لیے مفید نہیں ہے۔ ایصالِ ثواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جو کسی نے نیکی، بُرائی خود کی ہے اس کا اس کو پھل ملے گا۔ اس پر انھوں نے رسالے لکھے ہیں۔ اخبارات میں مضمون چھپتے ہیں۔ لوگوں سے زکوٰۃ لے کر رسالے طبع کرتے ہیں اور لوگوں میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔

اور اہل حق اس بات کے قائل ہیں کہ ایصالِ ثواب بھی حق ہے اور دعا بھی دوسروں کو فائدہ دیتی ہے۔ اہل حق کی ایک دلیل یہ ہے اگر مومن مردوں اور عورتوں کو دعا فائدہ نہیں دیتی تو نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے ایسا بے کار اور مہمل کام کیوں کیا؟ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی قرآن کریم میں موجود ہے ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ [ابراہیم:۴۱] "اے پروردگار بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔"

میں کہتا ہوں جو لوگ کہتے ہیں کہ دعا کا کسی کو فائدہ نہیں ہوتا تو ان بے ایمانوں کا جنازہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ جنازے میں دعا دوسرے کرتے ہیں۔ سامنے میت پڑی ہوتی ہے اور جنازہ پڑھنے والے کہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا آخر تک۔ دعائے مغفرت میں جنازہ بھی شامل ہے۔ تو اگر دعا کا فائدہ نہیں ہے تو ان کا جنازہ نہیں ہونا چاہیے۔ (اور یہ وصیت کر کے مریں کہ ہمارا جنازہ نہ پڑھنا گڑھا کھود کر قبر میں ڈال کر آ جانا۔ مرتب)

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو مر چکے ہیں وہ تمھاری دعاؤں کے منتظر ہوتے ہیں۔ جس طرح عید کے موقع پر بہن بھائی قیمتی تحفوں کے منتظر ہوتے ہیں اور ملنے پر خوش ہوتے ہیں کہ فلاں نے ہدیہ بھیجا ہے۔ تو مرے ہوؤں کے لیے صدقہ کرو، خیرات کرو، جب چاہو کرو اور جس وقت چاہو کرو۔ لیکن دنوں کی تعیین نہ کرو کہ یہ بدعت ہے کہ تیسرے دن کرنا ہے، ساتویں دن کرنا ہے، دسویں دن کرنا ہے۔ دنوں کی تعیین کرو گے تو گناہ ہوگا ثواب کچھ نہیں ملے گا۔

تو حضرت نوح نے دعا فرمائی کہ اے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہوا اس کو بخش دے ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾ اور نہ زیادہ کر ظالموں کے لیے مگر ہلاکت، بربادی۔ ان کافروں کا بیڑہ غرق کر دے۔ انھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ الۡجِنِّ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ

(۲۹)

آیاتھا ۲۸ سُوْرَۃُ الْجِنِّ مَکِّیَّۃٌ (۷۲) (۴۰) رُکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اُوْحِیَ اِلَیَّ﴾ وحی کی گئی ہے میری طرف ﴿اَنَّهُ اسْتَمَعَ﴾ کہ بے شک شان یہ ہے کہ سنا ﴿نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ ایک گروہ نے جنوں میں سے ﴿فَقَالُوْۤا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا﴾ بے شک ہم نے سنا قرآن ﴿عَجَبًا﴾ عجیب ﴿یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ﴾ راہنمائی کرتا ہے بھلائی کی طرف ﴿فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ پس ہم ایمان لائے اس پر ﴿وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ﴾ اور ہم ہرگز نہیں شریک ٹھہرائیں گے اپنے رب کے ساتھ ﴿اَحَدًا﴾ کسی کو ﴿وَّاَنَّهٗ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ ﴿تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا﴾ بلند ہے شان ہمارے رب کی ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً﴾ نہیں بنائی اس نے اپنے لیے بیوی ﴿وَّلَا وَلَدًا﴾ اور نہ اولاد ﴿وَّاَنَّهٗ﴾ اور بے شک شان یہ ہے ﴿كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا﴾ کہا کرتا تھا ہم میں سے بے وقوف ﴿عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا﴾ اللہ تعالیٰ پر زیادتی کی بات ﴿وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ﴾ اور بے شک ہم گمان کرتے تھے ﴿اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ﴾ کہ ہرگز نہیں کہیں گے انسان ﴿وَالْجِنُّ﴾ اور جن ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ﴿وَّاَنَّهٗ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ ﴿كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ کچھ مرد انسانوں میں سے ﴿یَعُوْذُوْنَ﴾ پناہ پکڑتے تھے ﴿بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ جنات میں سے کچھ مردوں کی ﴿فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ پس زیادہ کی انھوں نے ان کے لیے سرکشی ﴿وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا﴾ اور بے شک انھوں نے خیال کیا ﴿كَمَا ظَنَنْتُمْ﴾ جیسا کہ تم نے خیال کیا ﴿اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا﴾ کہ ہرگز نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ کسی کو ﴿وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ﴾ اور بے شک ہم نے چھوا آسمان کو (قصد کیا) ﴿فَوَجَدْنٰهَا﴾ پس پایا ہم نے اس کو ﴿مُلِئَتْ حَرَسًا﴾ بھرا گیا (ہے) پہرے داروں کے ساتھ ﴿شَدِیْدًا﴾ سخت پہرے دار ﴿وَّشُهُبًا﴾ اور شہابوں سے ﴿وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا﴾ اور بے شک ہم بیٹھتے تھے آسمان میں ﴿مَقَاعِدَ﴾ بیٹھنے کی جگہوں میں ﴿لِلسَّمْعِ﴾ سننے کے لیے ﴿فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ﴾ پس جو سنے گا اب ﴿یَجِدْ لَهٗ﴾ پائے گا اپنے لیے ﴿شِهَابًا﴾ ٹوٹ جانے والا ستارا ﴿رَّصَدًا﴾ تیار ﴿وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ﴾ اور بیشک ہم نہیں جانتے ﴿اَشَرٌّ اُرِیْدَ﴾ کیا شر کا ارادہ کیا گیا ہے ﴿بِمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ ان کے بارے میں جو زمین میں ہیں ﴿اَمْ اَرَادَ بِهِمْ﴾ یا ارادہ کیا ہے ان کے بارے میں ﴿رَبُّهُمْ﴾ ان کے رب نے ﴿رَشَدًا﴾ بھلائی کا۔

جنات کا واقعہ

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمان پر جاتے تھے ان پر کوئی خاص پابندی نہیں تھی۔فرشتوں کی گفتگو سنتے تھے۔فرشتے ایک دوسرے سے گفتگو کرتے کہ آج فلاں شخص کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا ہے،فلاں کے متعلق یہ فیصلہ ہوا ہے۔تو جنات سن کر فال نکالنے والوں کو بتاتے۔وہ ایک سچ کے ساتھ ننانوے جھوٹ بھی چلا لیتے۔فرشتوں سے سنی ہوئی بات صحیح ہوتی تھی۔لوگ یقین کرتے تھے کہ فلاں جو بات کہی تھی صحیح نکلی۔جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو فرشتوں کے سخت پہرے لگا دیئے گئے۔جنات کا اُوپر جانا مشکل ہو گیا۔اب جو جن اُوپر جاتا تھا آگے سے شہاب پڑتے تھے۔کئی ہلاک ہو جاتے،کئی بھاگ جاتے۔ساری دنیا کے جنات پریشان ہو گئے کہ ہمارے اُوپر اتنی سخت پابندی کیوں لگی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

الجزائر میں ایک مقام ہے نصیبین۔وہاں جنات کی عالمی کانفرنس ہوئی جس میں مشرق مغرب کے،شمال جنوب کے عرب و عجم کے جنات اکٹھے ہوئے۔اُنھوں نے یہ ایجنڈا پیش کیا کہ پہلے ہم پر آسمان کی طرف جانے پر پابندی نہیں تھی۔اب پابندی لگ گئی ہے اس کے متعلق غور کرو،سوچو کہ ہمارے اُوپر یہ پابندی کیوں لگی ہے؟ چنانچہ جنات نے فیصلہ کیا کہ تحقیق کے لیے اطرافِ عالم میں وفود بھیجو۔چنانچہ اُنھوں نے مشرق،مغرب،شمال،جنوب،کی طرف وفد بھیج دیئے۔ایک وفد جزیرہ عرب کی طرف بھی بھیج دیا۔اس وفد میں پانچ جنات کا ذکر بھی آتا ہے اور نو کا ذکر بھی آتا ہے۔ابن درید رحمۃ اللہ علیہ مشہور مؤرخ ہیں۔اُنھوں نے پانچ کے نام بھی بتلائے ہیں کہ ایک کا نام ناشی تھا،ایک کا نام مناصیل تھا،ایک کا نام ماضر تھا،ایک کا نام ضواد اور ایک کا نام احطب تھا،رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔یہ سب صحابی ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب طائف سے واپس مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے طائف اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک مقام ہے بخاری شریف میں اس کا نام بطن نخلہ آتا ہے۔ جب آپ بطن نخلہ کے مقام پر پہنچے تو فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔اگرچہ اُس وقت پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں لیکن فجر اور عصر کی نماز باقاعدہ جماعت کے ساتھ ہوتی رہی ہے۔آپ ﷺ نے فجر کی نماز شروع کرائی۔قرأت بلند آواز سے فرمائی۔یہ جنات کا وفد وہاں پہنچا تو انھوں نے قرآن کریم سنا۔آپ ﷺ فجر کی نماز میں ساٹھ آیات سے لے کر سو آیات تک پڑھتے تھے ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر۔جنات نے جب قرآن کریم سنا تو ان کو بات سمجھ آگئی کہ ہمارے اُوپر پابندی نزولِ وحی کی وجہ سے لگی ہے کہ اس پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔وحی کے تحفظ میں کوئی شک نہ کر سکے۔یہ جنات وہیں مسلمان ہو گئے کیوں کہ ان کی زبان عربی تھی ایک ایک لفظ سمجھ رہے تھے۔آپ ﷺ نے ان کو نہیں دیکھا اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا۔آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت حضرت زید بن حارثہ اور حضرت بلال تھے رضی اللہ عنہما۔آپ ﷺ سے ملاقات کیے بغیر ہی وہ جنات واپس چلے گئے۔کیوں کہ نمائندے تھے اُنھوں نے جا کر رپورٹ پیش کرنی تھی۔وہ جب چلے گئے تو بخاری شریف کی روایت ہے آذَنَتْهُ بِهِمُ الشَّجَرَة ایک درخت نے بول کر آنحضرت ﷺ کو بتلایا کہ

حضرت! یہاں چند جنات آئے تھے انھوں نے قرآن پاک سنا اور یہیں مسلمان ہو گئے اور ﴿وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ﴾ [الاحقاف:۲۹] " وہ پلٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔" اپنی قوم کو رب کے عذاب سے ڈرانے کا عہد کر کے گئے ہیں۔

تو آپ ﷺ کو درخت نے اطلاع دی کہ جنات آئے تھے اور مسلمان ہو کر چلے گئے ہیں۔ اور یہ ارادہ لے کر گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے بلا سکتا ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں ابھی تک اس پتھر کو جانتا ہوں کہ جب میں اس پتھر کے پاس سے گزرتا تو مجھے سلام کہتا تھا۔

اس سورت کا نام سورۃ جن ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا چالیسواں نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور اٹھائیس [۲۸] آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ﴿أُوحِيَ إِلَيَّ﴾ وحی کی گئی ہے میری طرف ﴿أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ کہ بے شک شان یہ ہے کہ سنا ہے ایک جماعت نے جنوں میں سے۔ نفر کا لفظ عربی زبان میں دس سے کم پر بولا جاتا ہے۔ یعنی دس نہیں تھے۔ نو کا ذکر بھی آتا ہے، سات اور پانچ کا ذکر بھی آتا ہے۔ پانچ کے نام میں نے ابن دُرید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بتائے ہیں۔ ﴿فَقَالُوا﴾ پس اُنھوں نے کہا سننے کے ساتھ ہی ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ بے شک ہم نے سنا قرآن عجیب ﴿يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ﴾ راہنمائی کرتا ہے بھلائی کی طرف، نیکی کی طرف ﴿فَآمَنَّا بِهِ﴾ پس ہم ایمان لائے اس پر سنتے ہی۔ یہ معلوم نہیں کہ اس وقت آپ ﷺ نے کون سی سورۃ پڑھی تھی لیکن وہ جنات بڑے سمجھ دار تھے۔ اُنھوں نے حقیقت سمجھ لی۔ سب سے پہلی بات اُنھوں نے یہ کہی ﴿وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾ اور ہم ہرگز نہیں شریک ٹھہرائیں گے اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ اسلام کا پہلا سبق ہی یہی ہے لا الٰہ الا اللہ، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی دست گیر نہیں۔

تو اُنھوں نے کہا کہ ہم ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے اپنے رب کے ساتھ کسی کو ﴿وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا﴾، جد کے معنی شان کے ہیں۔ اور بے شک شان یہ ہے کہ بلند ہے شان ہمارے رب کی۔ ہمارے رب کا درجہ بہت بلند ہے ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا﴾ نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے بیوی اور نہ اولاد۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ جیسی کوئی سورت پڑھی جس میں ذکر تھا کہ نہ اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے اور نہ اولاد ہے۔ یہودی کہتے ہیں عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مریم علیہا السلام کے بیٹے بھی مانتے ہیں۔ اگلی بات کھل کر نہیں کرتے کہ پھر حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کیا نسبت ہوگی؟ مگر جب یہ دو باتیں مان لیں تو تیسری تو خود بہ خود ظاہر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ ہی اس کی شان کے لائق ہے۔ نہ اس کی ماں ہے، نہ باپ ہے، نہ بیٹی ہے، نہ بیٹا ہے، نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ سوتا ہے، نہ وہ تھکتا ہے، نہ اس کی ابتدا ہے، نہ انتہاء ہے، وہ ازلی، ابدی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے اور ساری دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔

﴿وَّ اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ کہا کرتا تھا ہم میں سے بے وقوف ﴿عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا﴾ اللہ تعالیٰ پر زیادتی کی بات۔مثلاً: کوئی کہتا عزیر (علیہ السلام) رب تعالیٰ کا بیٹا ہے،کوئی بے وقوف کہتا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔یہ سب بے وقوفوں کی باتیں ہیں۔یہ جنات کا بیان ہے۔

﴿وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ﴾ اور بے شک ہم گمان کرتے تھے ﴿اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ﴾ کہ ہرگز نہیں کہیں گے انسان اور جن ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ۔ہم یہ خیال کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولیں گے لیکن اب پتا چلا کہ سارے بے وقوف تھے اور جھوٹ بولتے رہے کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے،عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے،فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔اب حقیقت کھل گئی کہ اللہ تعالیٰ ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ﴾ ہے۔نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔لوگ جو کچھ کہتے ہیں سب جھوٹ ہے۔

﴿وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ اور بے شک کچھ مرد انسانوں میں سے ﴿یَعُوْذُوْنَ﴾ پناہ پکڑتے تھے ﴿بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ کچھ مردوں کی جنات میں سے ﴿فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ پس زیادہ کی انھوں نے ان کے لیے سرکشی۔انسان جنات سے پناہ پکڑتے تو انھوں نے جنات کی سرکشی کو بڑھا دیا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں ہمارے نام پر چیزیں ڈالتے ہیں ہمارے نام کی نذریں مانتے ہیں۔لہٰذا ان میں اور اکڑ پیدا ہوگئی (تکبر پیدا ہوگیا)۔

جنات کی سرکشی

طائف مکہ مکرمہ سے تقریباً بہتر [۷۵] میل دور ہے۔مکہ مکرمہ سے لوگ طائف جاتے تھے کبھی کسی راستے سے اور کبھی کسی راستے سے۔ایک راستے میں ایک جگہ آتی تھی جس کا نام وَج تھا۔یہ دشوار گزار پہاڑی تھی۔وہاں جنات کا ڈیرا تھا۔ لوگ وہاں سے گزرتے تھے۔ایک موقع پر قافلہ وہاں سے گزر رہا تھا کہ ایک جن نے ایک آدمی کا کپڑا اپھاڑ دیا۔اس نے سنا ہوا تھا کہ یہاں جنات رہتے ہیں۔وہ بڑا گھبرایا کہ میں قابو آ گیا اس نے دُہائی دینی شروع کر دی کہ میں یہاں جنات کا جو سردار ہے اس کو واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے کچھ نہ کہو یہ کھجوریں،یہ مکھن،یہ ستو،میں یہاں چھوڑتا ہوں،یہ کھاؤ پیو،مجھے کچھ نہ کہو۔جنات نے کہا بڑا سستا سودا ہے۔لوگوں نے یہاں سے گزرنا ہی ہوتا ہے تھوڑا سا چھیڑو تو بہت کچھ مل جاتا ہے۔پھر رسم پڑ گئی کہ جو بھی وہاں سے گزرتا کھانے پینے کی چیزیں وہاں چھوڑ جاتا۔کوئی مکھن،کوئی گھی،کوئی کھجوریں،کوئی ستو،کوئی دودھ۔جنات سرکش ہو گئے کہ لوگ ہم سے ڈرتے ہیں۔یہ پجاری بھی گمراہ اور وہ بھی گمراہ۔

تو فرمایا کچھ مرد انسانوں میں سے پناہ پکڑتے ہیں جنات کی پس بڑھا دیا انھوں نے ان کی سرکشی کو ﴿وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا﴾ اور بے شک انھوں نے خیال کیا۔انسانوں نے خیال کیا ﴿كَمَا ظَنَنْتُمْ﴾ جیسا کہ اے جنات! تم نے خیال کیا ﴿اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بھیجے گا کسی کو نبی بنا کر۔اب پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نبی بھیجتا ہے۔ہمارا نظریہ بھی غلط تھا اور انسانوں کا

نظریہ بھی غلط تھا۔

اور مفسرین کرام ﷭ یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ بے شک انسانوں نے بھی خیال کیا اور اے جنات! تم نے بھی خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو نہیں اُٹھائے گا۔ بعث بعد الموت نہیں ہوگی۔ ﴿وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ﴾ اور بے شک ہم نے ارادہ کیا آسمان کی طرف جانے کا۔ جنات کے لیے کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ آسمانوں کی طرف آتے جاتے تھے۔ قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو پابندی لگ گئی۔ اس کا حوالہ دیتے ہیں کہ بے شک ہم نے قصد کیا آسمان کی طرف جانے کا ﴿فَوَجَدْنٰهَا﴾ پس پایا ہم نے آسمان کو ﴿مُلِئَتْ حَرَسًا﴾ حَرَسًا حَارِسٌ کی جمع ہے۔ حارس کا معنیٰ ہے پہرے دار۔ معنیٰ ہوگا بھرا ہوا پہرے داروں سے۔ جگہ جگہ چوکیدار ہیں ﴿شَدِيْدًا﴾ سخت پہرا۔ سیکورٹی والے کسی کو آگے نہیں گزرنے دیتے بغیر چالاکی کے ﴿وَّ شُهُبًا﴾ شُهُبًا شِهَاب کی جمع ہے، شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اُوپر سے ہم پر ستارے پڑتے ہیں کوئی مرجاتا ہے، کوئی جھلس جاتا ہے، کوئی زخمی ہوجاتا ہے، پہلے اتنی سزائیں نہیں تھیں ﴿وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ﴾ اور بے شک ہم بیٹھتے تھے ﴿مِنْهَا﴾ آسمان کی طرف فضا میں ﴿مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ﴾ بیٹھنے کی جگہوں میں سننے کے لیے فرشتوں کی باتیں لیکن ﴿فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ﴾ پس جو سنے گا اب فرشتوں کی باتیں ﴿يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا﴾ وہ پائے گا اپنے لیے ٹوٹ جانے والا ستارا بالکل تیار۔ جس وقت بات سننے کے لیے اُوپر جائے گا اس پر ستارہ پھینک دیا جائے گا۔

وہ جنات کہنے لگے ﴿وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ﴾ اور بے شک ہم نہیں جانتے ﴿اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ کیا شر کا ارادہ کیا گیا ہے ان کے بارے میں جو زمین میں ہیں ﴿اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ یا ارادہ کیا ہے ان کے ساتھ ان کے رب نے بھلائی کا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا ہے اور قرآن کا نزول شروع ہوگیا ہے۔ نتیجہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ لوگ ان کی بات مان کر بھلائی پائیں گے یا انکار کر کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ہمیں نتیجے کا علم نہیں ہے کہ انھوں نے ماننا ہے یا انکار کرنا ہے۔

﴿وَّ اَنَّا مِنَّا﴾ اور بے شک ہم میں ﴿الصّٰلِحُوْنَ﴾ نیک بھی ہیں ﴿وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور ہم میں اس کے علاوہ بھی ہیں ﴿كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ ہم مختلف راستوں میں بٹے ہوئے تھے ﴿وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ﴾ اور بے شک ہم نے یقین کرلیا ﴿اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ﴾ اس بات کا کہ ہم عاجز نہیں کرسکتے اللہ تعالیٰ کو ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا﴾ اور ہم ہرگز نہیں عاجز کرسکتے اللہ تعالیٰ کو بھاگ کر ﴿وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى﴾ اور بے شک جس وقت ہم نے سنی ہدایت ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم ایمان لائے اس پر ﴿فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ﴾ پس جو ایمان لائے گا اپنے رب پر ﴿فَلَا يَخَافُ بَخْسًا﴾ پس وہ نہیں خوف کرے گا کمی کا ﴿وَّ لَا رَهَقًا﴾ اور نہ زیادتی کا ﴿وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ اور بے شک ہم میں مسلمان بھی ہیں ﴿وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور ہم میں بے انصاف بھی ﴿فَمَنْ اَسْلَمَ﴾ پس جو مسلمان ہوگیا

﴿فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا﴾ پس انھوں نے کوشش کی بھلائی حاصل کرنے کی ﴿وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور بہر حال جو بے انصاف ہیں ﴿فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ پس وہ ہوں گے جہنم کے لیے ایندھن ﴿وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا﴾ اور اگر یہ لوگ قائم رہیں ﴿عَلَى الطَّرِيْقَةِ﴾ سیدھے راستے پر ﴿لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ تو ہم پلائیں ان کو وافر پانی ﴿لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ تا کہ ہم آزمائیں ان کو پانی میں ﴿وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ﴾ اور جو شخص اعراض کرے گا اپنے رب کے ذکر سے ﴿يَسْلُكْهُ﴾ چلائے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿عَذَابًا صَعَدًا﴾ ایسے عذاب میں جو چڑھتا ہو گا ﴿وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ پس نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو ﴿وَّ اَنَّهٗ﴾ اور بے شک شان یہ ہے ﴿لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ جس وقت کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کا بندہ ﴿يَدْعُوْهُ﴾ پکارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ﴿كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ قریب تھا کہ یہ لوگ ہجوم کر کے اس کے قریب اکٹھے ہو جائیں۔

ربط :

اُوپر سے جنات کا بیان چلا آ رہا ہے جو قرآن سن کر ایمان لے آئے اور اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے واپس چلے گئے تھے۔ یہ وہی جنات کا گروہ تھا جو اس بات کی تحقیق کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف آیا تھا کہ ہم پر پابندی کی وجہ کیا ہے کہ اب ہم آسمانوں کی طرف نہیں جا سکتے۔

ان جنات نے یہ بھی کہا ﴿وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ﴾ اور بے شک ہم میں نیک بھی ہیں ﴿وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ اور ہم میں اس کے علاوہ بھی ہیں۔ جنات بھی عقل مند اور مکلف مخلوق ہے۔ یعنی شریعت کے پابند ہیں۔ جس طرح انسانوں میں نیک اور بد ہیں اسی طرح جنات میں بھی نیک ہیں اور دوسری مد کے بھی ہیں۔ کہنے لگے ﴿كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ طَرَائِق طَرِيْقَةٌ کی جمع ہے، اور قِدَدَ قِدَّةٌ کی جمع ہے۔ طریقہ کا معنیٰ راستہ ہے۔ اور قِدَّةٌ کا معنیٰ ہے پھٹا ہوا۔ راستے پھٹے ہوئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مختلف ہیں۔ معنیٰ ہوگا ہم مختلف راستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کوئی یہودی، کوئی عیسائی، کوئی ہندو، کوئی سکھ۔ جس طرح انسانوں میں مختلف مذاہب ہیں جنات میں بھی مختلف مذاہب ہیں۔ عقیدے کے لحاظ سے پھٹے ہوئے ہیں۔

﴿وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ﴾ اور بے شک ہم نے یقین کر لیا ﴿اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ﴾ اس بات کا کہ ہم عاجز نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کو زمین میں۔ رب تعالیٰ کے فیصلے کو ٹالنے کی ہمارے اندر قوت نہیں ہے۔ رب تعالیٰ جو فیصلہ نافذ کرنا چاہیں وہ ہو کر رہتا ہے ﴿وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا﴾ اور ہم ہرگز نہیں عاجز کر سکتے اللہ تعالیٰ کو بھاگ کر۔ یہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ دیکھو! لوگ جرم کر کے دوسرے ملکوں میں بھاگ جاتے ہیں جہاں اس حکومت کا اثر ورسوخ نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ کے ملک سے بھاگ کر کوئی

کہاں جائے گا۔ سورۂ رحمٰن پارہ ۲۷ میں ہے "اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم طاقت رکھتے ہو ﴿اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کہ نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے ﴿فَانْفُذُوْا﴾ تو نکل جاؤ ﴿لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ نہیں نکل سکتے مگر دلیل کے ساتھ۔" رب تعالیٰ کی زمین چھوڑ کر کہاں جاؤ گے؟ آسمان کو کراس کر کے کیسے جا سکتے ہو اور کہاں جا سکتے ہو؟

تو جنات نے کہا اور نہ ہم بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں ﴿وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى﴾ اور بے شک جس وقت ہم نے ہدایت سنی ﴿اٰمَنَّا بِهٖ﴾ ہم ایمان لائے اس پر کہ یہ سراسر ہدایت ہے ﴿الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ﴾ "یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔" ہم کہتے ہیں ﴿فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ﴾ پس جو ایمان لائے گا اپنے رب پر ﴿فَلَا يَخَافُ بَخْسًا﴾ پس وہ نہیں خوف کرے گا کمی کا، نقصان کا ﴿وَّلَا رَهَقًا﴾ اور نہ زیادتی کا خوف کرے گا۔ کمی کا مطلب یہ ہے کہ نیکی میں جتنے نمبر بنتے ہیں اس میں کم کیے جائیں ایسا نہیں ہوگا۔ یا بُرائی کے جتنے نمبر بنتے ہیں اس سے زیادہ کر دیئے جائیں ایسا بھی نہیں ہوگا۔ قاعدے کے مطابق نیکی کا پورا بدلہ ملے گا اور بدی میں زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ [سورۃ الزلزال: پارہ ۳۰] "ذرہ برابر جو نیکی کرے گا دیکھ لے گا اور ذرہ برابر جو بدی کرے گا دیکھ لے گا۔"

جنات میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی

اور جنات نے یہ بھی کہا ﴿وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ اور بے شک ہم میں مسلمان بھی ہیں ﴿وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور ہم میں بے انصاف بھی ہیں جو رب تعالیٰ کا حق دوسروں کو دیتے ہیں، شرک کرتے ہیں اور ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ [سورۃ لقمان] "بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔" رب تعالیٰ کی توحید میں کسی کو شریک کرنا بڑا ظلم اور ناانصافی ہے۔ تو جنات میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی ہیں۔

مؤطا امام مالک میں روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں اپنے دفتر میں تشریف فرما تھے۔ ایک خوب صورت نوجوان عورت سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ اس عورت نے کہا کہ شریعت میں کوئی شرم نہیں ہے میری طرف دھیان کر کے میری بات سنو! میرے آگے پیچھے کچھ نہیں ہے۔ میرے والدین فوت ہو چکے ہیں میرا خاوند معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے؟ میری شکل وصورت اور جوانی کو دیکھو۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں کہیں گناہ میں نہ مبتلا ہو جاؤں۔ اور میرے کھانے پینے کا بھی انتظام کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منشی کو حکم دیا کہ اس عورت کا نام پتا درج کر کے باقاعدہ بیت المال سے وظیفہ جاری کر دو۔ اور اس عورت سے فرمایا کہ چار سال چار مہینے دس دن کی مدت پوری ہونے دو پھر تمہارا نکاح ہوگا، انتظار کرو۔ کیوں کہ مفقود الخبر جس کا علم نہ ہو کہ مردہ ہے یا زندہ ہے اس کا چار سال چار مہینے دس دن انتظار کر کے پھر عورت نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ چار سال چار مہینے دس دن کا عرصہ گزرنے کے بعد اس عورت کا نکاح کر دیا گیا۔

نکاح کے کچھ عرصہ بعد پہلا خاوند بھی آ دھمکا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کی بیوی کسی اور کے نکاح میں ہے تو وہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں جا پہنچا اور شور مچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو بھائی! تمھاری بیوی خوب صورت، جوان، صحت مند تھی۔ اس نے آکر کھری بات کہی کہ میں گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گی میرا کچھ کرو۔ ہم نے تیرا انتظار کرنے کے بعد اس کا نکاح کر دیا۔ اس آدمی نے کہا حضرت! میری بھی بات سنو۔ مجھے جنات اُٹھا کر لے گئے تھے۔ میں اتنے سال جنات کی قید میں رہا ہوں۔ وہ جنات کافر تھے۔ وہاں مسلمان جنات بھی تھے۔ مجھے انھوں نے نمازیں پڑھتے دیکھا تو مجھ سے حال پوچھا۔ انھوں نے میری حمایت کی۔ مسلمان جنات میری حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جہاد کیا۔ مسلمان اور کافر جنات کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ انھوں نے مجھے رہا کر دیا اور میں گھر پہنچ گیا۔ میں تو مجبور تھا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

مسئلہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں اگر پہلا خاوند آجائے تو وہ عورت پہلے خاوند کی ہوگی۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ پانی نہ ملے تو تیمم کرنا ہے۔ تیمم کرنے والے کو جب پانی نظر آجائے گا تو تیمم ٹوٹ جائے گا۔ لیکن وہ عورت کچھ عرصہ دوسرے خاوند کے پاس رہی ہے لہٰذا عدت گزارنا پڑے گی۔ اور اس اثنا میں جو اولاد ہوئی ہے وہ ثابت النسب ہوگی۔ عدت کے بعد پہلے خاوند کے پاس چلی جائے گی۔

حدیثِ خرافہ کی حقیقت

خرافات کا لفظ مشہور ہے۔ عام طور پر بولتے ہیں یہ خرافات ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ حدیث خرافہ ہے۔ یعنی خرافات کی بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا أَتَدْرِيْنَ مَا الخرافة "کیا تو جانتی ہے خرافہ کیا ہے؟" کہنے لگیں حضرت! بڑوں سے سنا ہے کہ جو بات سمجھ نہ آئے اُسے حدیثِ خرافہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خرافة اِسْمُ رُجُلٍ "خرافہ ایک آدمی کا نام ہے۔" اس کو جنات قید کر کے لے گئے تھے۔ وہ کافی عرصہ جنات میں رہا پھر جنات نے اس کو رہا کر دیا۔ وہ جنات کی عجیب وغریب باتیں لوگوں کو سناتا تھا جو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں (حضرت نے ہنستے ہوئے فرمایا) پھر جو بات لوگوں کو سمجھ نہیں آتی تھی اس کو حدیثِ خرافہ کہہ دیتے تھے۔ اسی سے خرافات کا لفظ ہے۔

تو جنات میں مسلم بھی ہیں، کافر بھی ہیں، نیک بھی ہیں، بد بھی ہیں۔ ﴿فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا﴾ تحرّی کا معنیٰ ہوتا ہے کوشش کرنا۔ پس جو مسلمان ہو گیا پس اُنھوں نے کوشش کی بھلائی حاصل کرنے کی ﴿وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ﴾ اور بہر حال جو بے انصاف ہیں ﴿فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ پس وہ ہوں گے جہنم کے لیے ایندھن۔

بعض سطحی قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ انسانوں کا دوزخ میں جلنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ خاکی مخلوق ہے اور جنات تو ناری مخلوق ہے نار کو نار میں کیا تکلیف ہوگی، آگ کو آگ میں کیا تکلیف ہوگی؟ لیکن وہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ بخاری مسلم کی روایت میں ہے کہ جہنم کے ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی کہ پروردگار اس طبقے کی حرارت اور تپش سے میں تکلیف میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طبقے کو ایک سانس لینے کی اجازت دی۔ اسی طرح جو جہنم کا سرد طبقہ ہے اس نے بھی دوسرے طبقے کی

شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی ایک سانس لینے کی اجازت دی۔ یہ جو گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی ہے یہ جہنم کے گرم طبقے کا سانس ہے۔ اور سردیوں میں جو سخت سردی ہوتی ہے یہ جہنم کے سرد طبقے کا سانس ہے۔ تو جہنم کی آگ کا اتنا فرق ہے کہ ایک طبقے نے دوسرے طبقے کی شکایت کی۔ اور جنات دنیا کی آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ تو ان کو کیوں تکلیف نہیں ہوگی۔ پھر اگر کسی کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ آگ کو آگ سے تکلیف ہوگی تو وہ یہ سمجھ لے کہ زمہریر بھی جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ یہ ٹھنڈا طبقہ ہے۔ ان کو جہنم کے زمہریر طبقہ میں پھینکا جائے تو وہ بھی جہنم کا حصہ ہے۔

﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا﴾ کا عطف ہے ﴿اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ پر۔ بات کو سمجھنا قاری حضرات کے لیے کہہ رہا ہوں۔ اس کا مفہوم اس طرح بنے گا ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ آپ کہہ دیں میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک سنا ایک جماعت نے جنوں میں سے اور آپ کہہ دیں میری طرف وحی کی گئی ہے اس بات کی اور اگر یہ لوگ قائم رہیں ﴿عَلَی الطَّرِیْقَةِ﴾ حق کے راستے پر ﴿لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ تو ہم پلائیں گے ان کو وافر پانی۔ یعنی میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر یہ سیدھے راستے پر قائم رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بارش کے ذریعے وافر پانی پلائیں گے ﴿لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ﴾ تاکہ ہم آزمائیں ان کو، ان کا امتحان لیں پانی کے ذریعے۔ ﴿فِیْهِ﴾ کی "ہ" ضمیر پانی کی طرف جارہی ہے کہ بارش ہونے کے بعد کون اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے ﴿وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ﴾ اور جو شخص اعراض کرے گا اپنے رب کے ذکر سے۔ ذکر سے قرآن کریم بھی مراد ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] "بے شک ہم نے ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" اور ذکر سے مراد نماز بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی مراد ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے قرآن سے، نماز سے، اللہ تعالیٰ کی یاد سے اعراض کرے گا ﴿یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ چلائے گا اس کو اللہ تعالیٰ ایسے عذاب میں جو چڑھتا ہوگا۔ یعنی روز بروز اس کا عذاب بڑھتا جائے گا کم نہیں ہوگا۔ سورہ نبا پارہ ۳۰ میں ہے ﴿فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ "پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔" جنتیوں کے لیے لذتیں اور خوشیاں بڑھتی جائیں گی اور دوزخیوں کے لیے عذاب۔

اگلی آیت کا عطف بھی ﴿اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ پر ہے کہ آپ فرمادیں کہ میری طرف وحی آئی ہے ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ پس نہ پکارو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریادرس ہے۔ اور یہاں حالات یہ ہیں کہ بڑا زور لگا کر مسجد کے سپیکر پر کہتے ہیں:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دُنیا شاد کن یا غوثِ اعظم دستگیر

قرآن کا حکم دیکھو اور لوگوں کا عمل دیکھو! کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ فرمایا ﴿وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ جس وقت کھڑا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر نام آئے ہیں۔ ان میں ایک عبد اللہ بھی

ہے۔عبداللہ کا معنیٰ ہے اللہ کا بندہ۔صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے بندے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔جس وقت کھڑا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿یَدْعُوْهُ﴾ پکارنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ﴿كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا﴾ قریب تھا کہ یہ لوگ ہجوم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب اکٹھے ہو جائیں۔

﴿لِبَدًا﴾ لِبْدَةٌ کی جمع ہے۔اصل میں گدھے،خچر،گھوڑے کی زین کے نیچے جو نرم سا کپڑا رکھا جاتا ہے کہ جانور کو زین کی رگڑ نہ لگے جس کو تم تارو اور نمدہ کہتے ہو۔اس کی اُوپر نیچے تہیں ہوتی ہیں۔عربی میں اس کو لِبْدَةٌ کہتے ہیں۔وہ کپڑا چونکہ اُوپر نیچے تہوں والا ہوتا ہے اس لیے اس کو یہاں ہجوم کے معنیٰ میں لیتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو کافر لوگ آپ کو اذیت پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جاتے۔طعن وتشنیع کرنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعظ ونصیحت بے اثر ہو جائے۔تو اللہ تعالیٰ کی توحید بنیادی سبق ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر قائم رکھے۔(آمین)

﴿قُلْ﴾ (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ﴾ پختہ بات ہے ﴿اَدْعُوْا رَبِّیْ﴾ میں اپنے رب کو پکارتا ہوں ﴿وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ﴾ اور میں نہیں شریک ٹھہراتا اس کے ساتھ ﴿اَحَدًا﴾ کسی کو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّیْ﴾ بے شک میں ﴿لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ﴾ نہیں ہوں مالک تمھارے لیے ﴿ضَرًّا﴾ نقصان کا ﴿وَّلَا رَشَدًا﴾ اور نہ نفع کا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ﴾ بے شک مجھے ہرگز نہیں پناہ دے گا ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ﴿اَحَدٌ﴾ کوئی بھی ﴿وَّلَنْ اَجِدَ﴾ اور میں ہرگز نہیں پاؤں گا ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿مُلْتَحَدًا﴾ جائے پناہ ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ مگر میں مالک ہوں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے کا ﴿وَرِسٰلٰتِهٖ﴾ اور اس کے احکام پہنچانے کا ﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ﴾ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی ﴿وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اس کے رسول کی ﴿فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ﴾ پس بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا﴾ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿یُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب جان لیں گے ﴿مَنْ اَضْعَفُ﴾ اس کو جو زیادہ کمزور ہے ﴿نَاصِرًا﴾ مددگار کے لحاظ سے ﴿وَّاَقَلُّ عَدَدًا﴾ اور زیادہ کم ہے گنتی کے لحاظ سے ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿اِنْ اَدْرِیْۤ﴾ میں نہیں جانتا ﴿اَقَرِیْبٌ﴾ کیا قریب ہے ﴿مَّا﴾ وہ چیز ﴿تُوْعَدُوْنَ﴾ جس چیز کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے ﴿اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا﴾ یا بنائے گا اس کے لیے میرا رب کوئی میعاد ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ﴾ وہ عالم الغیب ہے ﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ﴾ پس نہیں اطلاع دیتا وہ اپنے غیب پر ﴿اَحَدًا﴾ کسی کو ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ مگر جس پر راضی

ہو پیغمبروں میں سے ﴿فَاِنَّهٗ﴾ پس بے شک وہ ﴿يَسْلُكُ﴾ چلاتا ہے ﴿مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ اس کے آگے ﴿وَمِنْ خَلْفِهٖ﴾ اور اس کے پیچھے ﴿رَصَدًا﴾ پہریدار ﴿لِّيَعْلَمَ﴾ تاکہ وہ ظاہر کر دے ﴿اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا﴾ کہ تحقیق انھوں نے پہنچا دیئے ہیں ﴿رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے احکامات ﴿وَاَحَاطَ﴾ اور اس نے احاطہ کیا ہوا ہے ﴿بِمَا﴾ اس چیز کا ﴿لَدَيْهِمْ﴾ جو ان کے آگے ہیں ﴿وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور اس نے گن رکھی ہے ہر چیز ﴿عَدَدًا﴾ گنتی کے لحاظ سے۔

ربط بین الآیات

پہلے رکوع میں جنات کا ذکر تھا کہ جنات میں مومن بھی ہیں، کافر بھی ہیں، اچھے بھی ہیں، بُرے بھی ہیں۔ اور جتنے احکامات انسانوں کے لیے ہیں بعینہٖ اتنے ہی جنات کے لیے ہیں۔ توحید، رسالت، قیامت، سب مسائل میں وہ پابند ہیں انسانوں کی طرح۔

جنات کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی کریم ﷺ! ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ان سب جنات کو بھی اور انسانوں کو بھی ﴿اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ﴾ پختہ اور یقینی بات ہے میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں وہی میرا حاجت روا ہے، مشکل کشا ہے، دست گیر اور فریادرس ہے ﴿وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾ اور میں نہیں شریک کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں، نہ اس کے کاموں میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کے ارادے اور چاہنے میں کوئی شریک ہے۔ وہ ہر اعتبار سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور دوسرا اعلان یہ بھی کر دیں ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ بے شک میں نہیں ہوں مالک تمھارے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا۔ ضارّ بھی اللہ تعالیٰ ہے اور نافع بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ میرے اختیار میں نہ تمھارا نفع ہے اور نہ نقصان ہے۔ اس سے تم خود اندازہ لگالو کہ اور کوئی کس طرح نفع نقصان کا مالک ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر کسی کا رتبہ اور مقام نہیں ہے۔ تمام مخلوقات میں سب سے بلند رتبے کی شخصیت سے اعلان کروایا جا رہا ہے کہ میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ تو شہید، ولی کیسے مالک ہو جائیں گے۔ اور قرآن پاک میں دو جگہ نویں پارے میں اور گیارھویں پارے میں بھی آپ ﷺ سے اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ [یونس: ۴۹] میں مالک نہیں ہوں اپنے نفس کے لیے نقصان اور نفع کا۔" کتنے کھرے لفظوں میں اعلان کروایا ہے۔ اور فرمایا یہ اعلان کر دیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ﴾ بے شک مجھے ہرگز نہیں پناہ دے گا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ﴿اَحَدٌ﴾ کوئی بھی۔ اگر معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ مجھے پکڑنا چاہے تو مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ یہ جملہ فرضیہ شرطیہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ جیسا کہ سورۃ زمر آیت نمبر ۶۵ پارہ ۲۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ "اگر آپ نے شرک کیا تو ضائع ہو جائے گا آپ کا عمل۔" اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیغمبر شرک کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں! بلکہ یہ جملہ فرضیہ ہے۔ یا جیسے اللہ تعالیٰ نے

فرمایا﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾[زخرف:۸۱] "آپ فرمادیں اگر ہو رحمان کے لیے اولاد تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔" اس کو جملہ فرضیہ کہتے ہیں۔

آپ کہہ دیں ہرگز نہیں پناہ دے گا مجھے کوئی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے اگر بالفرض والمحال اللہ تعالیٰ مجھے پکڑنا چاہے ﴿وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور ہرگز نہیں پاتا میں اللہ تعالیٰ سے نیچے کوئی جائے پناہ ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ مگر میں مالک ہوں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے کا اس کی قدرت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے ﴿وَ رِسٰلٰتِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا مجھے اختیار ہے۔ یہ انسان کے بس میں ہے نیکی کا حکم دینا، بُرائی سے روکنا۔ باقی میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے گا ﴿فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ﴾ پس بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا﴾ رہیں گے اس جہنم میں ہمیشہ۔ کافر، مشرک، مرتد کے لیے، رب تعالیٰ کے باغی کے لیے کسی وقت بھی دوزخ سے چھٹکارا نہیں ہے۔ اگر ایمان، عقیدہ صحیح ہے اعمال میں کمی ہے، گناہ گار ہے کسی نہ کسی وقت دوزخ سے رہا ہو کر جنت میں چلا جائے گا۔

فرمایا﴿حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت آئے گی اور تم عذاب میں گرفتار ہو گے یا قیامت سے پہلے بھی تم پر عذاب آسکتا ہے۔ مختلف قوموں پر عذاب آئے ہیں۔ تو فرمایا جب دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے ﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ﴾ پس بہ تاکید وہ جان لیں گے ﴿مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا﴾ کون زیادہ کمزور ہے از روئے مددگار کے ﴿وَّ اَقَلُّ عَدَدًا﴾ اور کون زیادہ کم ہے گنتی کے لحاظ سے۔ کافر مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ جو سب کو غلط کار (گمراہ) کہتے ہیں آپ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں، کتنی گنتی ہے ان کی؟ اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ ابتدائی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ پہلے تین چار سالوں میں مرد عورتیں ملا کر چالیس سے نہیں بڑھے۔ لیکن تھے ایسے پختہ لوگ کہ ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں مگر کلمہ نہیں چھوڑا۔

اسلام کے ابتدائی دور کی صعوبتیں

وہ وقت بھی آیا کہ مشرکوں نے دار الندوہ میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ اَنْ لَّا يُنَاكِحُوْهُمْ وَ لَا يُبَايِعُوْهُمْ" کہ ان کے ساتھ نہ رشتہ ناتا کرنا ہے اور نہ خرید و فروخت کرنی ہے۔" اس وقت جدہ کا وجود نہیں تھا اور طائف مکہ مکرمہ سے پچھتر (۷۵) میل دور تھا۔ قریب کوئی شہر نہیں تھا کہ جہاں سے جا کر ضروریات کی چیزیں خرید لیتے۔ مکہ مکرمہ میں جب مسلمانوں کے بچے دکانوں پر سودا خریدنے کے لیے جاتے تو دکان دار کہتے بھاگ جاؤ تمھارے لیے کوئی سودا نہیں ہے۔ نہ عورتوں کو اور نہ مردوں کو سودا ملتا تھا۔ دودھ پیتے بچے دودھ سے محروم، بیمار کو کوئی شے نہیں ملتی تھی۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ بھوک کی وجہ سے اُٹھتے تو گر پڑتے تھے۔ رشتہ داروں کو کچھ رحم آتا اور وہ سودا خرید کر چھپ چھپا کر دے جاتے تھے۔ پھر مکہ مکرمہ فتح ہوا تو لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾[سورۃ النصر: پارہ ۳۰]

تو ابتدائی دور میں مسلمان تھوڑے تھے اور کافر کہتے تھے تم کتنے ہو؟ فرمایا آج تو تم مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہو اس دن پتا چل جائے گا کہ کمزور کون ہے اور عدد کے لحاظ سے کم کون ہے؟ پھر کہتے تھے جس عذاب سے تم ڈراتے ہو وہ کب آئے گا؟ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس کا جواب دیا۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ فرما دیں ان سے ﴿اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ میں نہیں جانتا کیا قریب ہے وہ چیز جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ ﴿اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا﴾ یا بنائے گا اس کے لیے میرا رب کوئی میعاد۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ﴾ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ وہ وعدہ قریب ہے یا اس کے لیے اس نے کوئی میعاد مقرر فرمائی ہے ﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ پس وہ اطلاع نہیں دیتا اپنے غیب پر کسی کو ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ مگر جس پر راضی ہو رسولوں میں سے ان کو غیب کی خبریں بتلاتا ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۴ پارہ ۳ میں ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ "یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" غیب کلی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو بتلاتا ہے پھر نزول وحی پورے اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے ﴿فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ پس بے شک وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور اس کے پیچھے چوکیدار۔ وحی کی حفاظت کے لیے آگے پیچھے سخت پہرے ہوتے ہیں تاکہ جنات اور شیاطین کوئی دخل اندازی نہ کرسکیں۔

اہل بدعت کا غلط استدلال اور اس کے جوابات

آپ حضرات نے آیت کریمہ کا سرسری مفہوم سمجھ لیا ہے۔ اہل بدعت کی بھی سن لیں کہ وہ اس آیت کریمہ سے کیا استدلال کرتے ہیں۔ وہ اس کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ﴾ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ وہ اپنے غیب کی اطلاع نہیں دیتا کسی کو ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ مگر جس پر راضی ہو جائے رسولوں میں سے اس کو سارا غیب بتلا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو ایسی ہے کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہیں اس کا انکار کون کرسکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے سارا غیب ان کو بتلا دیا ہے۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا صرف دو تین باتیں تمھارے سامنے رکھنی ہیں۔

❀ قرآن کریم میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ سورۃ جن چالیسویں نمبر پر نازل ہوئی۔ ایک سو چودہ [۱۱۴] سورتوں میں سے چالیس سورتیں نکالو تو باقی چوہتر [۷۴] سورتیں بچتی ہیں جو اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ سورتیں جو بعد میں نازل ہوئی ہیں وہ غیب ہیں یا نہیں؟ اگر سارا غیب آپ کو عطا کر دیا گیا تھا تو چوہتر سورتیں بعد میں کیوں نازل ہوئیں؟ کیا یہ غیب سے نہیں تھیں؟ لہٰذا اس آیت کریمہ سے یہ ثابت کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا غیب عطا کر دیا گیا تھا غلط ہے۔

❀ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت کریمہ میں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ قریب ہے وہ چیز جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا

گیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی میعاد مقرر کی ہے۔ یعنی عذاب یا قیامت کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور اگلی آیت میں ہے کہ سب کچھ بتلا دیا ہے۔ پھر تو دونوں کا تعارض ہوتا ہے۔ اُو پر اعلان کروایا جاتا ہے کہ مجھے علم نہیں ہے اور آگے سب کچھ بتلا دیا۔ کیا یہ قرآن کا مطلب ہے؟

❀ تیسری بات یہ ہے کہ اگر اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو سب کچھ بتلا دیا گیا ہے تو پھر اس کے بعد نفی والی آیتیں کیوں نازل ہوئی ہیں؟ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کلی کی نفی کی گئی ہے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۶۴ پارہ ۶ میں ہے ﴿وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ﴾ "اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ پر بیان کیا ہے اس سے پہلے اور ایسے رسول بھی بھیجے جن کے حالات ہم نے بیان نہیں کیے۔" یہ عطائی علم کی نفی ہو رہی ہے کہ ہم نے آپ کو نہیں بتلائے۔ اور یہ سورت بعد میں نازل ہوئی ہے۔ تو پھر کیسے مان لیں کہ سورۃ جن کی آیت کریمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی ثابت ہو گیا۔ پھر قرآن کریم کی آخری سورتوں میں سے بڑی سورت سورۃ التوبہ ہے، سورۃ البرأۃ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ "مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ہیں جو منافقت پر اَڑے ہوئے ہیں اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔"

❀ اور سورۃ منافقون میں تم پڑھ چکے ہو کہ منافقوں نے آپس میں باتیں کیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ ایسی باتیں کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کو بلا کر پوچھا تو کہنے لگے توبہ توبہ ہمیں تو ان باتوں کا علم نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو جھڑکا کہ آپ نے کیوں جھوٹ بولا ہے؟ اس پر سورۃ منافقون نازل ہوئی اور آپ کو اطلاع دی گئی کہ منافقوں نے یہ باتیں کی تھیں۔ منافق صفائی دینے میں جھوٹے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہوتے تو حضرت زید کو کیوں جھڑکتے اور پھر یہ سورت کیوں نازل ہوتی؟ اللہ تعالیٰ قرآن کی سمجھ عطا فرمائے۔

جتنی غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ کو منظور تھیں وہ آپ کو عطا فرمائیں سارا غیب نہیں ملا۔ غیب خاصہ خداوندی ہے ﴿وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔"

تو فرمایا: چلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے آگے اور پیچھے پہرے دار۔ وحی فرشتوں کے پہرے میں اُترتی ہے ﴿لِّیَعْلَمَ﴾ تاکہ ظاہر کر دے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ کہ تحقیق انھوں نے پہنچا دیئے ہیں اپنے رب کے احکامات ﴿وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے احاطہ کیا ہوا ہے قدرت کے لحاظ سے جو ان کے پاس ہے ﴿وَ اَحْصٰی﴾ اور گن رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿كُلَّ شَیْءٍ﴾ ہر چیز کو ﴿عَدَدًا﴾ از روئے گنتی کے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی محیط ہے اور علم بھی محیط ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر ہے اور نہ اس کے علم سے کوئی چیز خارج ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ

(۲۹)

آیاتہا ۲۰ سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ (۷۳) (۳) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يَاۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ اے کمبل اوڑھنے والے ﴿قُمِ﴾ آپ کھڑے ہوں ﴿الَّيْلَ﴾ رات کو ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر تھوڑا حصہ ﴿نِّصْفَهٗۤ﴾ آدھی رات ﴿اَوِانْقُصْ مِنْهُ﴾ یا اس سے کچھ کم کردیں ﴿قَلِيْلًا﴾ تھوڑا سا ﴿اَوْزِدْ عَلَيْهِ﴾ یا نصف سے کچھ زیادہ کردیں ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ﴾ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں قرآن ﴿تَرْتِيْلًا﴾ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ﴾ بے شک ہم عنقریب ڈال رہے ہیں آپ پر ﴿قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ ایک بات بھاری ﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ﴾ بے شک رات کا اُٹھنا ﴿هِيَ اَشَدُّ وَطْاً﴾ یہ زیادہ سخت ہے روندنے (کچلنے) کے اعتبار سے ﴿وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا﴾ اور زیادہ درست ہے بات کرنے کے اعتبار سے ﴿اِنَّ لَكَ﴾ بے شک آپ کے لیے ﴿فِي النَّهَارِ﴾ دن میں ﴿سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ شغل ہے لمبا ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اور ذکر کریں آپ اپنے رب کے نام کا ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ﴾ اور یکسو ہو جائیں اس کی طرف ﴿تَبْتِيْلًا﴾ یکسو ہو جانا ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ﴾ وہ مشرق کا رب ہے ﴿وَالْمَغْرِبِ﴾ اور مغرب کا ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ پس آپ بنائیں اس کو کارساز ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور صبر کریں ﴿عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ان باتوں پر جو وہ کرتے ہیں ﴿وَاهْجُرْهُمْ﴾ اور چھوڑ دیں ان کو ﴿هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ چھوڑنا عمدگی کے ساتھ ﴿وَذَرْنِيْ﴾ اور آپ چھوڑ دیں مجھے ﴿وَالْمُكَذِّبِيْنَ﴾ اور جھٹلانے والوں کو ﴿اُولِي النَّعْمَةِ﴾ جو نعمت والے ہیں ﴿وَمَهِّلْهُمْ﴾ اور مہلت دیں ان کو ﴿قَلِيْلًا﴾ تھوڑی سی ﴿اِنَّ لَدَيْنَاۤ﴾ بے شک ہمارے پاس ﴿اَنْكَالًا﴾ بیڑیاں ہیں ﴿وَّجَحِيْمًا﴾ اور شعلے مارنے والی آگ ہے ﴿وَّطَعَامًا﴾ اور خوراک ہے ﴿ذَا غُصَّةٍ﴾ حلق میں اٹکنے والی ﴿وَّعَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور عذاب ہے دردناک ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ﴾ جس دن کانپے گی زمین ﴿وَالْجِبَالُ﴾ اور پہاڑ کانپنے لگیں گے ﴿وَكَانَتِ الْجِبَالُ﴾ اور ہو جائیں گے پہاڑ ﴿كَثِيْبًا مَّهِيْلًا﴾ ریت کے ٹیلے پھسلنے والے۔

نام و کوائف سورت اور چند ہدایات

اس سورت کا نام سورۃ المزمل ہے۔ مزّمّل کا لفظ اصل میں مُتَزَمِّلٌ تھا۔ تا کو زا کیا پھر زا کا زا میں ادغام کیا مُزَّمِّلٌ

ہوگیا۔ مزّمّل کا معنیٰ ہے کمبل یا چادر اوڑھنے والا۔ کپڑا باریک ہو یا موٹا ہو کپڑا اوڑھنے والے کو عربی میں مزّمّل کہتے ہیں۔ یہ سورۃ تیسرے نمبر پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے سورۃ العلق اور سورۃ القلم نازل ہوئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمبل اوڑھ کر گھر آرام فرمار ہے تھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ اے کمبل اوڑھنے والے آپ نے سونا نہیں ﴿قُمِ الَّیْلَ﴾ قیام کریں رات کو، رات کو جاگیں ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر تھوڑا حصہ رات کا آرام کریں۔ مثلاً: رات کے تین حصے کرلیں۔ دو حصے قیام کریں، تہجد کی نماز پڑھیں، قرآن کریم پڑھیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، تیسرا حصہ آرام کریں۔ تو فرمایا اے کمبل اوڑھنے والے! قیام کریں رات کو مگر تھوڑا حصہ رات کا ﴿نِّصْفَهٗٓ﴾ نصف رات قیام کریں ﴿اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا﴾ یا اس نصف سے کچھ کم کردیں تھوڑا سا ﴿اَوْ زِدْ عَلَیْهِ﴾ یا نصف پر زیادہ کردیں۔ دیکھو! یہاں تین صورتیں ہوگئیں۔ ایک ہے نصف رات قیام کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نصف سے کم کردیں تیسرا حصہ قیام کریں یہ آپ کی صواب دید پر ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دو حصے قیام کریں اور ایک حصہ آرام کریں یہ آپ کی صواب دید پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی آدھی رات قیام کرتے، کبھی دو حصے اور کبھی تیسرا حصہ قیام کرتے تھے۔ سورۃ مزمل کا جب پہلا رکوع نازل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی قیام فرض تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی رات کا قیام فرض تھا۔ ایک سال تک یہ فرضیت رہی۔ مسلم شریف، نسائی شریف اور ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ ایک سال بعد یہ فرضیت منسوخ کردی گئی۔ منسوخ ہونے کی وجہ اگلے رکوع میں آئے گی۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی رات کا تیسرا حصہ قیام کرتے تھے، کبھی دو حصے رات کے قیام کرتے تھے اور تیسرا حصہ آرام کرتے تھے، کبھی نصف رات قیام کرتے تھے اور نصف رات آرام کرتے تھے۔ اب تہجد فرض نہیں ہے مگر نوافل میں زیادہ درجہ تہجد کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ ہوتی ہے بندوں پر سحری کے وقت۔ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ آواز دیتا ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ "ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اس کو بخش دوں اَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَهٗ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا میں اس کو رزق دے دوں، ہے کوئی صحت طلب کرنے والا میں اس کو صحت دے دوں۔" اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے دروازے پر بلا کر نہ دے۔ مگر لینے کا کوئی ڈھنگ اور طریقہ ہونا چاہیے۔ استحقاق کی ہم میں شرائط نہیں ہیں۔ مگر اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

تو پہلا رات کا قیام ہوا ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا﴾ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ ایک تو اس لیے کہ قرآن کا ادب اس میں ہے اور دوسرا یہ کہ جب آپ آرام آرام سے پڑھیں گے تو سننے والوں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ کیوں کہ وہ عربی بولنے والے لوگ ہیں خود بہ خود سمجھتے جائیں گے۔ بہت کم ایسے مقامات ہوتے تھے جہاں آپ کو سمجھانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اگر آپ تیزی کے ساتھ پڑھیں گے تو کسی کو سمجھ آئے گا کسی کو سمجھ نہیں آئے گا۔ جیسے ہمارے علاقے کے بعض حافظ قرآن اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا۔ حالانکہ اصل مقصد تو سمجھنا ہے کہ سال میں ایک مرتبہ مکمل قرآن تراویح میں سنایا جائے کہ یہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے اور سارے لوگ ایک مرتبہ سن بھی لیں۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے اگر وہاں رمضان المبارک میں قرآن کریم نہ سنایا جائے تو ترکِ سنت کا وبال سارے محلے والوں پر پڑے گا۔ کیوں کہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

تو فرمایا آپ قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ﴾ بے شک ہم عنقریب ڈال رہے ہیں آپ پر ﴿قَوْلًا ثَقِیْلًا﴾ ایک بھاری بات، توحید کی نشر و اشاعت۔ اور یہ مشرکوں کے لیے بھاری ہے۔ سورۃ صافات آیت نمبر ۳۵ میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک یہ لوگ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کرتے ہیں" اچھلتے کودتے ہیں، اس سے ان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر کہتے ہیں ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ [سورۃ ص:۵] "کیا کر دیا ہے اس نے سارے معبودوں کو ایک معبود بے شک یہ عجیب چیز ہے۔" کہ سارے معبودوں کا انکار کر کے ایک معبود منوانا چاہتا ہے۔ سب سے بھاری چیز مشرکوں کے لیے توحید ہے جو ہم پیش کریں گے تا کہ آپ ان کو سمجھائیں۔

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ﴾ بے شک رات کو اُٹھنا، جاگنا ﴿هِیَ اَشَدُّ وَطْاً﴾ یہ زیادہ سخت ہے روندنے کے اعتبار سے۔ میٹھی نیند کو چھوڑ کر تہجد کے لیے اُٹھنا آسان بات نہیں ہے۔ خاص کر آج کل کے موسم میں کہ چھوٹی چھوٹی راتیں ہیں نیند بھی پوری نہیں ہوتی۔ مگر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے وہ اُٹھتے ہیں۔ وطی کا معنیٰ کچلنا ہے ﴿وَّاَقْوَمُ قِیْلًا﴾ اور زیادہ درست ہے بات کرنے کے اعتبار سے کہ رات کو اطمینان ہوتا ہے۔ قرآن پڑھیں گے تو خود بھی پوری توجہ سے سنیں گے اور دوسرے بھی سنیں گے اور سمجھیں گے۔

چند اہم مسائل

یہ مسئلہ میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں اور ضروری مسئلہ ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز کے الفاظ اگر اس کے کان نہ سنیں تو نماز بالکل نہیں ہوتی، بشرطیکہ بہرہ نہ ہو۔ یعنی اس انداز سے پڑھے کہ اس کے اپنے کان سن لیں۔ فقہائے کرام کا یہ مفتیٰ بہ قول ہے۔ صحیح اور محقق قول یہی ہے۔ اگر اپنے کان نہیں سنتے تو اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم تک محض حرف ہی درست کیے ہیں نماز بالکل نہیں ہوگی۔ اُس زمانے میں نہ گاڑیاں تھیں، نہ جہاز تھے، نہ سڑکیں تھیں، اطمینان ہی اطمینان ہوتا تھا۔ آج بھی وہ پہاڑی علاقے جہاں سڑکیں نہیں ہیں وہاں شور نہیں ہے بڑا سکون ہے۔

ایک مسئلہ اور بھی سمجھ لیں کہ نفلی نماز میں جماعت کے ساتھ اگر امام کے ساتھ ایک آدمی شریک ہو جائے تو جائز ہے۔ دو آدمی ساتھ مل جائیں تو بلا کراہت جائز ہے۔ تین آدمی ساتھ مل جائیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔ مکروہ تنزیہی کا مطلب ہے کہ ہو جائے گی لیکن اچھی بات نہیں ہے۔ اور نفلی جماعت میں چار یا چار سے زیادہ مل جائیں تو پھر مکروہ تحریمی ہے، حرام ہے۔ کیوں کہ شریعت نفلی نماز کو اتنی اہمیت نہیں دیتی جتنا فرائض اور سنت مؤکدہ کو اہمیت دیتی ہے۔

بعض قاری حضرات رمضان المبارک میں شبینہ پڑھتے ہیں۔اگر تراویح کی کچھ رکعتیں چھوڑ دی ہیں اور ان میں قرآن پڑھتے ہیں تو پھر صحیح ہے۔کیوں کہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اس کی جماعت صحیح ہے بلا قیل وقال کے۔اور اگر تراویح کی نماز پڑھ چکے ہیں اور نفلوں میں شبینہ کرتے ہیں تو امام کے ساتھ تین آدمی ہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔چار یا چار سے زیادہ ملیں گے تو مکروہ تحریمی ہے، گناہ ہوگا ثواب بالکل نہیں ملے گا۔

تو ایک یہ ہے کہ رات کو بات صحیح نکلے گی۔اور وطی کے معنیٰ موافقت بھی ہے کہ رات کو جو بات دل میں ہوگی زبان اس کے ساتھ موافقت کرے گی کیوں کہ سکون ہوگا۔فرمایا﴿ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ﴾ بے شک آپ کے لیے دن میں شغل ہے لمبا۔اے نبی کریم ﷺ! آپ نے دن میں تبلیغ بھی کرنی ہے، دور دراز سے آنے والے مہمانوں کے ساتھ ملاقات بھی کرنی ہے۔دن میں اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ آپ نفلی نماز میں مشغول ہوں یا قرآن کریم زیادہ پڑھیں یا ذکر میں زیادہ مشغول ہوں۔دن میں شغل طویل ہے۔کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے۔

ذکر اللہ کی اہمیت

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ﴾ اور ذکر کریں اپنے رب کے نام کا۔مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنی ہے۔سورۃ النحل آیت نمبر ۹۸ پارہ ۱۴ میں ہے ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾ ”پس جب آپ قرآن پڑھیں تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان مردود سے۔“ اعوذ باللہ کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھو۔کیوں کہ نیکی کا جو کام بسم اللہ کے بغیر پڑھا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔

تو فرمایا یاد کر اپنے رب کے نام کو۔ذکر میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے، تیسرے کلمے کا ذکر ہے، درود شریف ہے، استغفار ہے اور سب سے بڑا ذکر قرآن شریف ہے۔جتنے ورد وظائف ہیں وہ قرآن کریم کے مقابلے میں نہیں ہیں۔جتنا ہو سکے قرآن کریم پڑھو۔اور پہلے سن چکے ہو کہ ایک آیت ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا ثواب ہزار نفل پڑھنے سے زیادہ ہے۔اور حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اذا اراد اللّٰهُ تعالىٰ بِعَبْدِهٖ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهٗ ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کام میں لگا دیتے ہیں۔“ پوچھا گیا حضرت! کس کام میں لگا دیتے ہیں؟ فرمایا نیکی کے کاموں میں رغبت زیادہ ہوتی ہے۔روز بروز نیکی کا جذبہ بڑھتا جاتا ہے۔جب ایسی حالت ہو جائے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔

﴿ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ﴾ اور یکسو ہو جائیں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جانا۔اس میں آپ ﷺ کو خطاب کر کے ہمیں تمھیں سمجھایا گیا ہے کہ لات، منات، عزیٰ الٰہ نہیں ہیں۔الٰہ صرف رب ہی ہے۔رب تعالیٰ کے کام رب تعالیٰ ہی کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ وہ مشرق کا رب ہے اور مغرب کا رب ہے۔ساری کائنات کا رب وہی ہے۔اور سبق

کے طور پر یہ بات یاد رکھو! ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کہ جس کو سجدہ کیا جائے۔ اس کے سوا نہ کوئی حاجت روا ہے نہ مشکل کشا ہے نہ کوئی فریادرس ہے نہ کوئی دستگیر۔ اس کے سوا نہ کوئی نذر و نیاز کے لائق ہے ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ پس آپ بنائیں اس کو کارساز۔

قرآن کریم کے جتنے تراجم ہیں ان میں بہترین ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ آج سے تین سو سال پہلے کا ہے۔ اس کے اردو کے بعض الفاظ آج کل کے اردو والے نہیں سمجھتے۔ مثلاً: اُنھوں نے ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ کا ترجمہ کیا ہے "نرادھار ہے۔" پرانے اُردو دان تو اس کا معنیٰ سمجھتے ہیں نئے اُردو دان نہیں سمجھتے۔ نرادھار کا معنیٰ ہے بے نیاز۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ترجمہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کا آسان ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کے نام سے مشہور ہے۔ تو شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَكِيْلًا﴾ کا معنیٰ کرتے ہیں کارساز، کام بنانے والا۔ کام بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز نہیں ہے۔

تسلیٔ رسول ﷺ

کافر، مشرک آپ کے خلاف بڑی باتیں کرتے ہیں۔ مجنون کہتے ہیں، ساحر کہتے ہیں، مسحور کہتے ہیں، مفتری اور کذاب کہتے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ، جو ان کے منہ میں آتا ہے کہتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صبر کریں ان باتوں پر جو وہ کرتے ہیں ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ اور چھوڑ دیں ان کو چھوڑنا عمدگی کے ساتھ۔ یعنی ان کی کسی بات کا جواب نہ دیں۔ کیوں کہ اگر آپ بھی جواب دینا شروع کر دیں گے تو ان میں اور آپ میں فرق نہیں رہے گا۔ وہ جو کہتے ہیں کہنے دو ﴿وَذَرْنِيْ﴾ اور چھوڑ دے مجھے ﴿وَالْمُكَذِّبِيْنَ﴾ اور جھٹلانے والوں کو۔ جو قرآن کو جھٹلاتے ہیں، توحید و رسالت کو جھٹلاتے ہیں، قیامت کو جھٹلاتے ہیں، حق کو جھٹلاتے ہیں ﴿اُولِي النَّعْمَةِ﴾ نعمت والے ہیں، دولت والے ہیں اور وہ دولت بھی ہم نے ان کو دی ہے ﴿وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا﴾ اور مہلت دے ان کو تھوڑی سی۔ کتنا عرصہ کھائیں گے، پئیں گے، آرام اور نعمتوں میں رہیں گے؟ آنا تو ہماری طرف ہے ﴿اِنَّ لَدَيْنَآ﴾ بے شک ہمارے پاس ﴿اَنْكَالًا﴾ اَنْکَال نِكْلٌ کی جمع ہے۔ یہ اگر ہاتھوں میں ڈالی جائیں تو ہتھکڑیاں ہیں اور پاؤں میں ڈالی جائیں تو بیڑیاں ہیں۔ تو معنیٰ ہوگا ہمارے پاس ہتھکڑیاں بھی ہیں اور بیڑیاں بھی ہیں۔ اور سورۃ الحاقہ پارہ ۲۹ میں ہے ﴿فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا﴾ "ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے ﴿فَاسْلُكُوْهُ﴾ اس میں جکڑ دو۔"

تو فرمایا بے شک ہمارے پاس ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہیں ﴿وَّجَحِيْمًا﴾ اور شعلے مارنے والی آگ ہے۔ جحیم اس آگ کو کہتے ہیں جو خوب شعلہ مارے ﴿وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ﴾ اور ہمارے پاس ایسی خوراک ہے جو گلے میں اٹکنے والی ہے۔ اگر حلق میں اٹک جائے تو آنکھیں باہر آجاتی ہیں۔ آدمی موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوزخ میں جب لوگ بھوک کے

غلبے کی وجہ سے مجبور ہوں گے تو ضریع خاردار جھاڑی، غسلین پیپ اور خون ملا ہوا پانی، ان کو دیا جائے گا تو وہ ان کے گلے میں
اٹک جائے گا۔ کھانسی کرتے رہیں گے، تڑپتے رہیں گے نہ نیچے اُترے گا اور نہ باہر نکلے گا ﴿وَعَذَابًا اَلِیْمًا﴾ اور ہمارے پاس
دردناک عذاب ہے۔ ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ یہ ہوگا کب؟ ﴿یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ﴾ جس دن کانپے گی زمین۔ زمین کا
کانپنا دو دفعہ ہوگا۔ ایک نفخہ اولیٰ کے وقت جب حضرت اسرافیل علیہ السلام دنیا کو فنا کرنے کے لیے صور پھونکیں گے۔ سورۃ الحج پارہ ۱۷
میں ہے ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ﴾ دوسرا زلزلہ چالیس سال بعد ہوگا جب زندہ کرنے کے لیے دوبارہ صور پھونکیں
گے۔ زمین پر زلزلہ طاری ہوگا زمین پھٹے گی اور مردے باہر نکل آئیں گے ﴿وَالْجِبَالُ﴾ اور پہاڑ کانپیں گے۔ یہ مضبوط پہاڑ ﴿وَ
كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا﴾ کثیب کا معنیٰ ہے ریت کا ٹیلا۔ اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے ٹیلے ﴿مَّهِیْلًا﴾ پھسلنے والے (بھر
بھرے)۔ ان کو توڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ ریت ہو کر خود ہی پھسلتے جائیں گے۔ جس طرح ہوا میں خاک اُڑتی ہے
اسی طرح یہ اُڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ﴾ بے شک ہم نے بھیجا ﴿اِلَیْكُمْ﴾ تمھاری طرف ﴿رَسُوْلًا﴾ ایک رسول ﴿شَاهِدًا عَلَیْكُمْ﴾
گواہی دینے والا ہے تم پر ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَآ﴾ جیسا کہ بھیجا ہم نے ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ﴾ فرعون کی طرف ﴿رَسُوْلًا﴾ رسول
﴿فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی ﴿فَاَخَذْنٰهُ﴾ پس ہم نے پکڑا اس کو ﴿اَخْذًا
وَّبِیْلًا﴾ پکڑنا سخت ﴿فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ﴾ پس تم کیسے بچو گے ﴿اِنْ كَفَرْتُمْ﴾ اگر کفر کرو گے تم ﴿یَوْمًا﴾ اُس دن
سے ﴿یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ﴾ جو کر دے گا بچوں کو ﴿شِیْبًا﴾ بوڑھا ﴿السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ﴾ آسمان پھٹ جائے گا اس
دن ﴿كَانَ وَعْدُهٗ﴾ ہے وعدہ اس کا ﴿مَفْعُوْلًا﴾ پورا ہو کر رہنا ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ﴾ بے شک یہ آیات نصیحت
ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ﴾ پس جو شخص چاہے ﴿اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ﴾ بنا لے اپنے رب کی طرف ﴿سَبِیْلًا﴾ راستہ ﴿اِنَّ
رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿یَعْلَمُ﴾ جانتا ہے ﴿اَنَّكَ تَقُوْمُ﴾ بے شک آپ کھڑے ہوتے ہیں ﴿اَدْنٰی مِنْ
ثُلُثَیِ الَّیْلِ﴾ تھوڑا رات کی دو تہائی سے ﴿وَنِصْفَهٗ﴾ اور کبھی آدھی رات ﴿وَثُلُثَهٗ﴾ اور کبھی رات کا تیسرا حصہ ﴿وَ
طَآئِفَةٌ﴾ اور ایک گروہ بھی ﴿مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ﴾ ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں ﴿وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ﴾
اور اللہ تعالیٰ ہی اندازہ لگاتے ہیں رات کا ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کا ﴿عَلِمَ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ﴾
کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے ﴿فَتَابَ عَلَیْكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا تم پر ﴿فَاقْرَءُوْا﴾ پس پڑھو تم
﴿مَا﴾ وہ ﴿تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ جو آسان ہو قرآن ﴿عَلِمَ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ﴾ کہ بہ تاکید

ہوں گے تم میں ﴿مَّرْضٰى﴾ بیمار ﴿وَاٰخَرُوْنَ﴾ اور کچھ دوسرے ﴿یَضْرِبُوْنَ﴾ جو چلیں گے ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿یَبْتَغُوْنَ﴾ جو تلاش کریں گے ﴿مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل ﴿وَاٰخَرُوْنَ﴾ اور کچھ دوسرے ﴿یُقَاتِلُوْنَ﴾ جو لڑیں گے ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿فَاقْرَءُوْا مَا﴾ پس پڑھو تم وہ ﴿تَیَسَّرَ مِنْهُ﴾ جو آسان ہو قرآن پاک میں سے ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور دو زکوۃ ﴿وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ﴾ اور قرض دو اللہ تعالیٰ کو ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ قرض اچھا ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا﴾ اور جو آگے بھیجو گے ﴿لِاَنْفُسِكُمْ﴾ اپنی جانوں کے لیے ﴿مِّنْ خَیْرٍ﴾ بھلائی ﴿تَجِدُوْهُ﴾ پاؤ گے تم اس کو ﴿عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿هُوَ خَیْرًا﴾ وہ بہتر ہے ﴿وَّاَعْظَمَ اَجْرًا﴾ اور بڑا ہے اجر دینے کے اعتبار سے ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ اور معافی مانگو تم اللہ تعالیٰ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بخشنے والا مہربان ہے۔

تسلیٔ رسول ﷺ

مشرکینِ مکہ شرک میں بڑے سخت تھے یہ تسلیم کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ بڑے شریف النفس ہیں، نجیب الطرفین ہیں، ماں باپ کی طرف سے حسب نسب والے ہیں، سچے ہیں، امین ہیں۔ ظاہری طور پر آپ ﷺ کی قدر بھی کرتے تھے۔ ساری خوبیاں تسلیم کرنے کے باوجود آپ جو مسائل بیان کرتے تھے ان کا انکار کرتے تھے۔ توحید، قیامت اور آپ ﷺ کی رسالت کا سختی سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا اے مکے والو! ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا﴾ بے شک ہم نے بھیجا تمھاری طرف ایک رسول ﴿شَاهِدًا عَلَیْكُمْ﴾ گواہی دینے والا ہے تم پر۔ سورۃ البقرہ پارہ ۲ میں ہے ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا﴾ "تاکہ ہو جاؤ تم لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول تم پر گواہ۔" یہ اُمت پہلی اُمتوں پر گواہ ہوگی اور آنحضرت ﷺ اپنی امت کی صفائی دیں گے کہ میری اُمت نے گواہی صحیح دی ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ نے تبلیغ کی ہے؟ وہ عرض کریں گے کی ہے۔ ان کی قوم سے پوچھیں گے کہ تمھیں نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی ہے؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کب آئے ہیں اور کب تبلیغ کی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام کی پوزیشن مدعی کی ہوگی اور قوم کی مدعی علیہ کی۔ اور گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں اور قسم منکر پر آتی ہے۔

جب قوم انکار کرے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے مَنْ یَشْهَدُ لَكَ "آپ کے دعویٰ پر گواہ کون ہے؟" حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے میرے گواہ محمد ﷺ اور ان کی امت ہے۔ چنانچہ اُمت گواہی دے گی نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی ہے۔ وہ لوگ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ان کی گواہی نامنظور ہے کہ یہ موقع کے گواہ نہیں ہیں۔ یہ ہم سے ہزاروں سال بعد میں آئے ہیں۔ انھوں نے نوح علیہ السلام کو کب دیکھا ہے تبلیغ کرتے ہوئے۔ رب تعالیٰ اس امت سے فرمائیں گے سنتے ہو! دوسرا فریق کیا کہتا ہے۔

یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! بے شک ہم سنتے ہیں مگر ہم سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں ہم نے آپ کے قرآن میں پڑھا ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الاعراف:۵۹] "اور آپ کے پیغمبر نے بھی ہمیں بتایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا حق ادا کیا ہے۔" اگر آپ کی کتاب سچی ہے، آپ کا پیغمبر سچا ہے اور یقیناً سچے ہیں تو پھر ہم بھی سچے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ میری اُمت نے جو گواہی دی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔

تو فرمایا بے شک بھیجا ہم نے تمھاری طرف رسول گواہی دینے والا تم پر ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا﴾ جیسا کہ بھیجا ہم نے فرعون کی طرف رسول موسیٰ علیہ السلام۔ فرعون بھی بڑا دولت مند، ظالم، جابر اور ڈکٹیٹر تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی ﴿فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾﴾ [سورۃ النازعات: پارہ ۳۰] "پس اُنھوں نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔" پھر ہم نے اس کا کیا حشر کیا۔ اسی طرح یاد رکھو اگر تم بھی نافرمانی کرو گے تو تمھارا حشر بھی بُرا ہوگا۔

فرمایا ﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی، موسیٰ علیہ السلام کی ﴿فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا﴾ پس ہم نے پکڑا اس کو پکڑنا سخت۔ وبیل کا معنیٰ ہے شدید۔ یعنی سخت گرفت میں لیا۔ فرعون کو موسیٰ کے سامنے غرق کیا اور اس کی لاش کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ پس تم عبرت حاصل کرو تمھاری دولت سے فرعون کی سلطنت زیادہ تھی اور اس کو بھی اپنے ملک پر بڑا غرور تھا۔ پھر اس کا کیا انجام ہوا۔ پھر فرعون کے رسول سے تمھارا رسول اشرف ہے۔ خاتم النبیین ہے، امام النبیین ہے اگر تم نافرمانی کرو گے بدرجۂ اولیٰ اخذ وبیل میں پکڑے جاؤ گے۔ یہ تو دنیا کی بات ہے جو چند روزہ زندگی ہے ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ﴾ پس تم کیسے بچو گے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ﴿اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا﴾ اگر تم کفر کرو گے اُس دن سے ﴿يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ جو کر دے گا بچوں کو بوڑھا۔ شیبا شیب کی جمع ہے۔ اصل میں مضموم تھا یا کی مناسبت سے کسرہ دیا گیا۔ وہ دن اتنا ہیبت والا اور ہولناک ہوگا کہ اس کا خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہ فرض کے طور پر فرمایا کہ اگر بچے بھی ہوں گے تو غم کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے۔ ﴿السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ﴾ آسمان پھٹ جائے گا اس دن پہلے نفخے میں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے ﴿كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہنا۔ رب کا وعدہ طے شدہ ہے ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ﴾ بے شک یہ آیات نصیحت ہیں اور خیر خواہی ہیں۔ ان میں ہر طرح کی ہدایات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تمھیں سمجھا رہا ہے کہ آخرت میں تم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہو ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ پس جو شخص چاہے بنالے اپنے رب کی طرف راستہ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، نافرمانی سے بچے اور رب تعالیٰ کی رضا کا راستہ اختیار کرے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے رات کو قیام کا حکم دیا اور تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک سال تک فرض رہی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سورت کے پہلے رکوع اور دوسرے رکوع کے درمیان بارہ مہینے کا وقفہ ہے۔ دوسرا رکوع نازل ہوا تو فرضیت ختم کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے

بھی۔اور استحباب باقی رہا۔تمام نفلی نمازوں میں تہجد کا درجہ بہت زیادہ ہے۔

نمازِ تہجد کی فضیلت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ﴾ بے شک آپ کا رب جانتا ہے ﴿اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ﴾ بے شک آپ کھڑے ہوتے ہیں تھوڑا رات کی دو تہائی سے ﴿وَنِصْفَهٗ﴾ اور کبھی آدھی رات ﴿وَثُلُثَهٗ﴾ اور کبھی رات کا تیسرا حصہ۔اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قیام نہیں کرتے بلکہ ﴿وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾ ایک گروہ بھی ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دو تہائی، کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں اتنا لمبا قیام کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے اور یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس فکر میں ساری ساری رات جاگتے رہتے تھے کہ کہیں دو تہائی یا نصف یا تہائی کے قیام سے محروم نہ رہ جائیں۔کیوں کہ اس وقت گھڑیاں ہوتی نہیں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی اندازہ لگاتے ہیں رات کا اور دن کا۔وہ حقیقتاً رات اور دن کی مقدار کو جانتا ہے اور تم نے تو سوچنا ہے اور اجتہاد کرنا ہے اس میں غلطی لگ سکتی ہے۔گھڑیاں تو اس وقت ہوتی نہیں تھیں۔

﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے۔اتنا لمبا عرصہ قیام ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔بعد میں اس کی وجوہات بھی بیان فرمادیں کہ جن کی وجہ سے یہ کام مشکل ہے۔لہٰذا فرمایا ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمایا تم پر، مہربانی فرمائی اور قیام میں تخفیف کردی گئی۔اور فرضیت منسوخ کردی ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ پس پڑھو تم وہ جو آسان ہو قرآن سے۔مراد اس قرآن پڑھنے سے تہجد پڑھنا ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اب تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی ہے اب جس قدر آسان ہو بطور مستحب کے پڑھ لیا کرو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں مطلق قرأت فرض ہے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو قرآن کریم سے آسان ہو پڑھ لو۔یہ مطلق نماز کی بات ہے۔امام کے پیچھے قرأت کرنے سے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴ میں منع فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" یعنی جب امام قرأت کررہا ہو تو اس وقت مقتدیوں کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ توجہ کے ساتھ سنیں اور خود خاموش رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالنے چاہئیں۔[مؤطا امام محمد: ص ۹۸] اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس

کے منہ میں چنگاری ڈال دوں۔[جزاء القراۃ:صفحہ ۱۱](مزید تفصیل کے لیے حضرت کی کتاب احسن الکلام کا مطالعہ کریں۔مرتب)

تو فرمایا پس پڑھو تم قرآن سے جو آسان ہو۔آگے اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کی وجوہ بیان فرمائی ہیں۔

نمازِ تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کی وجوہات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بہ تاکید ہوں گے تم میں بیمار۔اگر تہجد فرض ہو تو بیمار آدمی تو بڑی مشقت میں مبتلا ہوگا کیوں کہ بیماری تو آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اور ﴿عَلِمَ﴾ کے بعد جو ﴿اَنْ﴾ ہے یہ ناصبہ نہیں ہے بلکہ مخففہ من المثقلہ ہے۔

تہجد کے منسوخ ہونے کی دوسری وجہ۔فرمایا ﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ اور کچھ دوسرے جو چلیں گے زمین میں ﴿يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ جو تلاش کریں گے اللہ تعالیٰ کا فضل۔تجارت کے لیے سفر کرنا،علم کے لیے سفر کرنا ہے۔اگر تہجد فرض ہو تو مسافر مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے تخفیف پیدا کر دی۔

تیسری وجہ: ﴿وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور کچھ دوسرے جو لڑیں گے اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔اس وقت تو جہاد فرض نہیں ہوا تھا مگر بتا دیا گیا کہ جہاد بھی پیش آنے والا ہے۔تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے،قتال کے لیے نکلیں گے تہجد کا پڑھنا ان کے لیے مشکل امر ہوگا اس لیے تخفیف کر دی گئی۔اسلام ایک انقلابی دین ہے اس میں جہاد فرض ہے۔اس لیے کہ اس کے بغیر عقائد کی درستی اور امن وامان قائم نہیں ہو سکتا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ "اور لڑو تم ان کے ساتھ یہاں تک کہ شرک نہ رہے۔" اور ابوداؤد شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ "جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔" اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں۔

تو خیر اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے اور مسافر بھی،جنھوں نے روزی کی تلاش کے لیے سفر کرنا ہے اور علم کے لیے سفر کرنا ہے اور مجاہد بھی ہوں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنا ہے۔تو ان کے لیے شب بیداری پر عمل کرنا مشکل ہوگا اس لیے تخفیف فرما دی اور فرمایا ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ پس پڑھ لو تم جو آسان ہو قرآن سے۔اپنی جان کو زیادہ تکلیف میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں فرض نماز اہتمام کے ساتھ پڑھتے رہو۔فرمایا ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز کو ہر حالت میں یہ معاف نہیں ہے ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور ادا کرو زکوٰۃ۔جو آدمی صاحبِ نصاب ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔یہ مالی فریضہ ہے۔سونے چاندی میں سے چالیسواں حصہ ہے۔پانچ اُونٹوں میں ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہے۔تیس گائے بھینس ہیں تو گائے یا بھینس کا ایک سال کا بچہ دینا ہے۔بھیڑ بکریاں ہیں تو چالیس میں ایک بکری دینی ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کے حکم کے بعد فرمایا ﴿وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور قرض دو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض۔ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق خرچ کرنا ہی قرض حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کو قرض سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح تم کسی کو قرض دو تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ استعمال کے بعد واپس دے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو خرچ کیا جائے گا اس کا بدلہ ضرور ملے گا بلکہ کئی گنا زیادہ ملے گا۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۴۵ میں ہے ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً﴾ "کون ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھا قرض پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے دُگنا کردے گا کئی گنا۔" اور یاد رکھو! تمھاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ فرمایا ﴿وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ﴾ اور جو آگے بھیجو گے اپنی جانوں کے لیے بھلائی ﴿تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پاؤ گے تم اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ﴿هُوَ خَیْرًا﴾ وہ بہتر ہے ﴿خَیْرًا﴾ مفعول ثانی ہے ﴿تَجِدُوْهُ﴾ کا اور ﴿هُوَ﴾ تاکید ہے یا بدل ہے۔ اور بعض نے رفع کے ساتھ مبتدا خبر بھی بنایا ہے ﴿وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا﴾ اور بڑا ہے اجر دینے کے اعتبار سے۔ ایک کے بدلے کم از کم دس دیتا ہے اور فی سبیل اللہ کی مد میں کم از کم ایک کے بدلے میں سات سو دیتا ہے۔ فرمایا ﴿وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ اور معافی مانگو تم اللہ تعالیٰ سے۔ کیوں کہ انسان جو بھی نیکی کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے لہٰذا استغفار کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کوتاہیاں معاف کردے ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِیْ

(۲۹)

آیاتہا ۵۶ — سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ (۷۴) — (۴) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اے کپڑا اوڑھنے والے ﴿قُمْ﴾ آپ کھڑے ہوں ﴿فَاَنْذِرْ﴾ پس لوگوں کو ڈرائیں ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں ﴿وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اور اپنے کپڑوں کو پس پاک رکھیں ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ اور بت پرستی سے دُور رہیں ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ اور کسی پر احسان نہ کر کہ تم اس سے زیادہ حاصل کرو ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اور اپنے رب کے لیے پس صبر کریں ﴿فَاِذَا نُقِرَ﴾ پس جس وقت بجائی جائے گی ﴿فِی النَّاقُوْرِ﴾ بجنے والی ﴿فَذٰلِكَ﴾ پس وہ دن ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اس دن ﴿یَّوْمٌ عَسِیْرٌ﴾ سخت دن ہوگا ﴿عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ﴾ کافروں کے لیے آسان نہیں ہوگا ﴿ذَرْنِیْ﴾ چھوڑ دے مجھے ﴿وَمَنْ﴾ اور اس کو ﴿خَلَقْتُ وَحِیْدًا﴾ جس کو میں نے پیدا کیا اکیلا ﴿وَّجَعَلْتُ لَهٗ﴾ اور بنایا ہے میں نے اس کے لیے ﴿مَالًا مَّمْدُوْدًا﴾ مال لمبا چوڑا ﴿وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا﴾ اور بیٹے حاضر ﴿وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا﴾ اور تیار کیا میں نے اس کے لیے تیار کرنا ﴿ثُمَّ یَطْمَعُ﴾ پھر وہ طمع کرتا ہے ﴿اَنْ اَزِیْدَ﴾ کہ میں زیادہ دوں گا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿اِنَّهٗ كَانَ﴾ بے شک ہے وہ ﴿لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا﴾ ہماری آیتوں کے ساتھ عناد رکھتا ﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ عنقریب میں اس کو چڑھاؤں گا پہاڑی پر ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ بے شک اس نے فکر کیا ﴿وَقَدَّرَ﴾ اور اندازہ لگایا ﴿فَقُتِلَ﴾ پس یہ تباہ کر دیا جائے ﴿كَیْفَ قَدَّرَ﴾ کیسا اندازہ لگایا ﴿ثُمَّ قُتِلَ﴾ پھر تباہ کر دیا جائے ﴿كَیْفَ قَدَّرَ﴾ کیسا اندازہ لگایا اس نے ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ پھر اُس نے دیکھا ﴿ثُمَّ عَبَسَ﴾ پھر اس نے منہ بنایا ﴿وَبَسَرَ﴾ اور بہت زیادہ منہ چڑھایا ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر اس نے پشت پھیری ﴿وَاسْتَكْبَرَ﴾ تکبر کیا ﴿فَقَالَ﴾ پس اس نے کہا ﴿اِنْ هٰذَاۤ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ﴾ مگر جادو جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے ﴿اِنْ هٰذَاۤ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ مگر آدمی کی بات ﴿سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ﴾ عنقریب میں اس کو داخل کروں گا سقر میں ﴿وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ سقر کیا ہے ﴿لَا تُبْقِیْ﴾ نہ باقی رکھتی ہے ﴿وَلَا تَذَرُ﴾ اور نہ چھوڑتی ہے ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ وہ جھلس دینے والی ہے چمڑوں کو۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام سورۃ المدثر ہے۔ مُدَّثِّر اصل میں مُتَدَثِّر تھا۔ عربی گرائمر کے لحاظ سے تا کو دال کیا پھر دال کا دال

میں ادغام کیا تو مُدَّثِّرٌ ہو گیا۔ اس کا معنیٰ ہے کپڑا اوڑھنے والا۔ کپڑا گرم ہو یا سرد یا کمبل ہو، جس طرح کا بھی ہو۔ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا چوتھا نمبر ہے۔ اس سے پہلے تین سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اور موجودہ ترتیب کے لحاظ سے چوہترواں [۷۴] نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور چھپن آیات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمبل اوڑھے ہوئے سو رہے تھے، آرام فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام نازل ہوا ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اے کپڑا اوڑھ کر سونے والے آپ کا کام سونا نہیں سوئے ہوؤں کو جگانا ہے ﴿قُمْ﴾ آپ کھڑے ہوں ﴿فَاَنْذِرْ﴾ پس آپ ڈرائیں لوگوں کو خواب غفلت سے ان کو بیدار کریں ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے پڑھتے تھے۔ عرب کے مشرک جب صبح کو اُٹھتے تھے تو کوئی لات کو پکارتا تھا، کوئی عزّیٰ کو، کوئی منات کو پکارتا تھا، کوئی کسی کو، کوئی کسی کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اٹھنے کی بھی دعا بتلائی اور سونے کی بھی۔ اُٹھنے کی دعا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں نیند کے بعد بیدار کیا اور ایک وقت آئے گا اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوں گے۔" سوتے وقت کی دعا ہے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا " اے اللہ! آپ کے نام کے ساتھ ہی سوتا ہوں اور آپ کے نام کے ساتھ ہی اُٹھوں گا۔"

اپنی چادر اور شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے

تو فرمایا آپ اپنے رب کے نام کی بڑائی بیان کریں ﴿وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اور اپنے کپڑوں کو پس پاک رکھیں۔ اس کا ایک معنیٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ کپڑے زمین پر گھسیٹتے ہوئے نہ پھریں۔ جیسے آج کل بعض نادان قسم کے لوگ اپنی چادر، شلوار زمین پر گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ اس کا اُس وقت بھی رواج تھا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سُبُلِ الْاِزَارِ فِی النَّارِ "لنگی چادر ٹخنوں سے نیچے ہوگی تو بندہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔" یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تکبر کی نیت سے ایسا کرے تو حرام ہے اور تکبر کی نیت سے نہ کرے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ ان لوگوں کو اس روایت سے دھوکا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُیَلَاءَ [بخاری، رقم: ۳۶۶۵] "جس شخص نے اپنا کپڑا زمین پر تکبر کرتے ہوئے لٹکایا" یہ حدیث صحیح ہے۔ اس روایت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا کہ اگر تکبر کی نیت سے کرے تو پھر حرام ہے۔ اگر تکبر کی نیت سے نہ کرے تو پھر مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ تکبر کی نیت کرے یا نہ کرے۔ کیوں کہ ابوداؤد شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِیْلَةِ [ابوداؤد، رقم: ۴۰۸۴] "کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مردوں کے لیے تکبر ہے۔" اور نماز میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ جا کر وضو بھی کر اور نماز بھی پڑھ۔ اس نے کہا حضرت! میں نے وضو کے ساتھ آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ فرمایا نہیں تمھاری نماز نہیں ہوئی۔ حضرت! مجھے غلطی بتلا دیں۔ فرمایا اَسْبَلْتَ اِزَارَكَ "تمھاری چادر ٹخنوں سے نیچے تھی۔" لہٰذا تیرا وضو بھی نہیں اور نماز بھی نہیں ہے۔ یہ ابوداؤد کی صحیح روایت ہے۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ تقویٰ کا لباس اختیار کرو۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ﴾ "اور تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔" ایک ظاہری لباس ہے اور ایک تقوے کا لباس ہے۔

تو رب تعالیٰ تقوے کے لباس کے متعلق فرماتے ہیں۔ تقوے کا لباس اختیار کرو۔ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ رُجْزَ کا معنیٰ ہے بت پرستی۔ پس آپ بت پرستی سے دور رہیں۔ جیسے پہلے آپ اس کے قریب نہیں گئے اب بھی قریب نہ جائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے معاذ اللہ تعالیٰ کہ آپ پہلے بت پرستی کرتے تھے اور اب حکم ہو رہا ہے کہ چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پیغمبر پیدائشی طور پر ہی مومن اور موحد ہوتا ہے۔

مکہ مکرمہ شہر کے قریب ایک جگہ تھی بلطه۔ اب وہ شہر میں آ گئی ہے۔ وہاں لوگ بھنڈارہ [چڑھاوا] کرتے تھے۔ انھوں نے گوشت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج دیا کہ آپ قریب محلے میں رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ گوشت واپس بھیج دیا اور فرمایا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یہ نبوت ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

تو فرمایا جیسے آپ پہلے ان کے قریب نہیں گئے آئندہ بھی نہیں جانا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا جا رہا ہے کہ بت پرستی کو چھوڑے رکھیں۔ ﴿وَلَا تَمْنُنْ﴾ اور کسی پر احسان نہ کر ﴿تَسْتَكْثِرُ﴾ کہ تم اس سے زیادہ حاصل کرو۔ مطلب یہ ہے کہ تم کسی کو دس روپے کا تحفہ اس نیت سے بھیجو کہ وہ لازماً مجھے پندرہ روپے کا بھیجے گا۔ یہ مذموم ہے۔ اگر کسی کو تحفہ بھیجو تو اس ارادے سے بھیجو کہ نیک آدمی ہے، ساتھی ہے اس کا حق ادا ہو جائے گا۔ لینے کی نیت نہ کرو۔

یہ شادیوں کے موقع پر جو نیوتہ بعض علاقوں میں نیوندرہ کہتے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔ وہ لوگ کاپیوں پر باقاعدہ نام، رقم درج کرتے ہیں۔ اور اپنی شادی کے موقع پر اگر رقم تھوڑی واپس آئے تو لڑتے ہیں کہ ہم نے اتنے دیئے تھے تم اتنے ہی واپس دے رہے ہو۔ تو یہ بالکل حرام ہے۔ ہاں! کسی کے لڑکے لڑکی کی شادی کے موقع پر امداد کرنا چاہتے ہو کیوں کہ ایسے موقع پر خرچے کافی ہوتے ہیں امداد کر دو لینے کی نیت نہ کرو تو ٹھیک ہے۔

تو فرمایا کسی پر احسان نہ کرو کہ تم اس سے زیادہ وصول کرو ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اور اپنے رب کے لیے پس آپ صبر کریں۔ بڑی تکلیفیں آئیں گی دین کے سلسلے میں۔

نفخۂ ثانیہ کا ذکر

﴿فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ﴾ پس جس وقت بجائی جائے گی بجنے والی (حضرت نے سپیکر کو بجا کر دکھایا کہ یہ نقر ہے۔) یہ جو

میں کھڑکا تا ہوں وہ بجنے والی چیز بگل ہے، صور ہے، جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے ساری دنیا فنا ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ پھونکیں گے ساری دنیا اُٹھ کھڑی ہوگی۔

تو نقر کے لفظی معنیٰ ہے بجانا، ٹھونکنا۔ اور ناقور کا معنیٰ ہے بجنے والی۔ ﴿فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ﴾ پس وہ دن بڑا سخت دن ہوگا ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ﴾ کافروں کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ وہ دن فی نفسہٖ بڑا سخت ہوگا۔ پچاس ہزار سال کا لمبا دن اور ایسا ہولناک دن ہوگا کہ ماں بچے کو دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی۔ ڈر کی وجہ سے حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے۔ اس کی شدت سے لوگ بے ہوشی کی حالت میں ہوں گے۔ سورۃ الحج آیت نمبر ۲ پارہ ۱۷ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى﴾ "اور تو دیکھے گا لوگوں کو نشے کی حالت میں حالانکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے ﴿وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔" تو فرمایا وہ دن بڑا سخت ہوگا کافروں کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ اگلی آیات میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے۔

ایک خاص واقعہ

وہ قصہ اس طرح ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بڑا رئیس آدمی تھا۔ ولید بن مغیرہ اس کا نام تھا۔ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف مِنْ سیوف اللہ کا والد تھا۔ مکہ مکرمہ میں اس سے بڑا مال دار کوئی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تیرہ بیٹے دیئے تھے۔ خود اس کی صحت ایسی تھی کہ بیٹوں میں بیٹھا ہوتا تو یہ نہیں پتا چلتا تھا کہ ان کا بھائی ہے یا باپ ہے۔ اور نوکر چاکر بھی کافی تھے۔ مختلف محلوں میں مختلف جنس کی دکانیں تھیں۔ کسی محلے میں منیاری کی، کسی محلے میں کریانے کی، کسی میں کپڑے کی۔ بڑا وسیع کاروبار تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اس کے تیرہ بیٹے ہیں اور نوکر چاکر بھی کافی ہیں اور لوگوں کی آمد و رفت بھی اس کے پاس کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دے تو ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے اس کے بیٹے صحیح ہو جائیں اور نوکر چاکر اور اس کے دوست احباب بھی ہدایت قبول کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند ساتھیوں کے ہمراہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ ولید بن مغیرہ تھا اور چند آدمی اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی زیادہ رش نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی اور اس کو دعوت دی۔ عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ بڑا تھا۔ آپ نے فرمایا چچا جان! آپ اچھے بھلے سمجھ دار آدمی ہیں۔ دیکھو! رب تعالیٰ نے آپ کو دولت سے نوازا ہے اور جوان سال صحت مند بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ نوکر چاکر ہیں، بڑی عزت عطا فرمائی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ عزت دنیا میں بھی برقرار رہے اور اگلے جہان میں بھی عزت پائیں تو میرا کلمہ پڑھ لیں۔ اگلے جہان میں اس سے زیادہ عزت ہوگی۔ کیوں کہ آپ کی اولاد زیادہ ہے اس کی نیکیاں بھی آپ کو ملیں گی۔

شریعت نے اولاد کی کثرت کی ترغیب اسی لیے دی ہے کہ اولاد زیادہ ہوگی۔ جتنی وہ نیکیاں کرے گی ان نیکیوں کا جتنا اجر انہیں ملے گا اتنا ماں باپ کو بھی ملے گا۔ وہ نیت کریں یا نہ کریں۔ اس لیے کہ ان کی اولاد ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ اولاد اس

لیے طلب کرتے تھے کہ وہ نیکیاں کرے گی ان کی نیکیوں کا ثواب ہمیں بھی ملے گا۔ اور آج کل لوگ اولاد اس لیے مانگتے ہیں کہ جب ہم بوڑھے ہوں گے تو ہمیں کما کر کھلائیں گے۔ پھر کھاتے جوتے ہیں۔ مار پڑتی ہے خوب بنا کر۔ کیوں کہ ہماری نیت ہی بُری اور فاسد ہوتی ہے۔ اس کا پھل بھی تو کچھ ملنا ہے۔ اچھا درخت ہو تو اچھا پھل ملے گا۔ بُرے درخت کے ساتھ بُرا پھل لگے گا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قرآن سنایا اور دعوت دی تو اس نے کہا اچھا میں سوچ کر بتاؤں گا۔ چند دن کی مہلت دے دیں پھر میں اپنا فیصلہ تمھیں سناؤں گا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا سنایا؟ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ کہنے لگا میں نے غور و فکر کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ قرآن جادو ہے جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا﴾ چھوڑ دے مجھے اور اس کو جس کو میں نے پیدا کیا ہے اکیلا۔ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو اکیلا تھا، نہ ساتھ بیٹے تھے نہ بیٹیاں تھیں نہ نوکر چاکر تھے۔ خالق بھی میں اکیلا ہوں اور یہ بھی اکیلا پیدا ہوا تھا ﴿وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا﴾ اور بنایا ہے میں نے اس کے لیے مال لمبا چوڑا ﴿وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا﴾ شهود شاهد کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے حاضر بیٹے۔ اس کے پاس حاضر رہتے تھے۔ معنیٰ ہوگا اور بیٹے حاضر ہونے والے مجلس میں۔ کیوں کہ آمدنی بہت تھی ان کو باہر جا کر کمانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تیرہ بیٹے تھے ان تیرہ میں سے تین کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ باقی سارے باپ کی طرح کفر پر مرے۔ وہ تین یہ ہیں: ایک خالد بن ولید مشہور جرنیل رضی اللہ عنہ جو سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللهِ تھے۔ دوسرے ہشام بن ولید رضی اللہ عنہ اور تیسرے ولید بن ولید رضی اللہ عنہ۔ آخری دو جب مسلمان ہوئے تو باپ نے بڑی سختی کی اور بھائیوں نے بھی ان کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دیں، بھوکا پیاسا رکھا، بڑی تکلیفیں دیں۔

احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافی عرصہ تک فجر کی نماز میں ان کی رہائی کے لیے قنوت نازلہ پڑھتے رہے اَللّٰهُمَّ اَنْجِ وَلِيْدَ بْنَ وليد و عباس بن ربيعه و هشام بن سلمة وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ. بخاری شریف کی روایت ہے۔ "پروردگار! ان کو ظالموں سے نجات عطا فرما۔ ان پر اتنے مظالم کیے گئے کہ ان کے لیے نمازوں میں دعائیں ہوتی تھیں۔" حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۸ ھ سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قوت تھی ابتدائی دور والا ڈر نہیں تھا۔

تو فرمایا بنایا میں نے اس کے لیے مال بڑا لمبا چوڑا اور بیٹے حاضر رہنے والے ﴿وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا﴾ اور تیار کیا میں نے اس کے لیے تیار کرنا۔ دنیا کا سامان، کاروبار، دکانیں، تجارت آگے مزید کمانے کے لیے ﴿ثُمَّ یَطْمَعُ﴾ پھر وہ طمع کرتا ہے ﴿اَنْ اَزِیْدَ﴾ کہ میں اس کو زیادہ دوں گا۔ مال ایسی چیز ہے کہ اس سے لالچی کی آنکھ نہیں بھرتی ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ہوگا ایسا کہ اب میں اس کے لیے نعمتوں کو بڑھاؤں گا۔ پھر اس کو مال اور اولاد میں خسارہ ہوتا رہا یہاں تک کہ مر گیا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا﴾ بے شک وہ ہماری آیتوں کے ساتھ عناد رکھتا ہے، دشمنی کرتا ہے ﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ صعود دوزخ میں ایک پہاڑی ہے دشوار گزار۔ مجرم آگ میں جلتا جائے گا اور اس پر چڑھتا جائے گا۔ جس وقت چوٹی پر پہنچے گا

فرشتوں کو حکم ہوگا اس کو پکڑ کر نیچے گرا دو۔ پھر حکم ہوگا اُوپر چڑھ۔ معنیٰ ہوگا عنقریب میں اس کو چڑھاؤں گا پہاڑی پر۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ روز بروز عذاب بڑھتا جائے گا ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ [سورۃ النبا: پارہ ۳۰] "پس چکھو تم عذاب کا مزہ پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔" کافروں کے لیے عذاب روز بروز بڑھتا جائے گا۔ جس طرح مومنوں کے لیے خوشیاں بڑھتی جائیں گی۔

فرمایا ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ بے شک اس نے فکر کیا ﴿وَ قَدَّرَ﴾ اور اندازہ لگایا قرآن پاک کے بارے میں فیصلے کا ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ پس تباہ کر دیا جائے کیسا اندازہ لگایا ﴿ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ پھر تباہ کیا جائے کیسا اندازہ لگایا اس نے ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ پھر اس نے دیکھا کہ فیصلہ سننے کے لیے مکے کے لوگ آ گئے ہیں کہ آج ولید بن مغیرہ نے قرآن پاک کے بارے میں اپنی رائے دینی ہے۔ کافی بڑا مجمع تھا۔ اس نے نظر جمائی کہ کون کون لوگ آئے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے ﴿ثُمَّ عَبَسَ﴾ پھر اس نے منہ بنایا جیسے کوئی آدمی ناراض ہو تو بناتا ہے ﴿وَ بَسَرَ﴾ اور زیادہ منہ بنایا۔ خوب بُرا منہ بنایا ناراضگی سے ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر اس نے پشت پھیری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ﴿وَاسْتَكْبَرَ﴾ اور اس نے تکبر کیا حق کو قبول کرنے سے اور فیصلہ سنایا ﴿فَقَالَ﴾ پس اس نے کہا ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر جادو جو نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہ اس نے فیصلہ سنایا کہ پہلے بھی جادو ہوتے تھے یہ بھی جادو ہے ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر آدمی کی بات۔ بشر کا بنایا ہوا قول ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے خود گھڑ کر لایا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ﴾ میں اس کو داخل کروں گا سقر میں۔ دوزخ کے طبقوں میں سے ایک سقر ہے جس میں متکبرین جلیں گے ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ سقر کیا ہے ﴿لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ﴾ نہ باقی رکھتی ہے کسی فرد کو، مجرموں کے افراد میں سے کسی فرد کو چھوڑے گی نہیں۔ وَلَا تَذَرُ کا معنیٰ ہے کہ کسی آدمی کے اعضاء میں سے کسی عضو کو نہیں چھوڑے گی سب کو عذاب ہوگا ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ﴾ اور وہ جھلس دینے والی ہے چمڑوں کو۔ آگ کے شعلوں سے سارا چمڑا اُتر جائے گا جیسے پانی گرم کر کے مرغوں کی کھال اُتارتے ہیں۔ پھر نئے چمڑے پہنا دیئے جائیں گے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۵۶ میں ہے جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کے لیے دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ ایک لمحے میں خدا جانے کتنی مرتبہ چمڑے بدلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ (آمین)

﴿عَلَيْهَا﴾ مقرر ہیں اس جہنم پر ﴿تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ انیس فرشتے ﴿وَمَا جَعَلْنَآ﴾ اور نہیں بنائے ہم نے ﴿اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ دوزخ کے نگران ﴿اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ مگر فرشتے ﴿وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ﴾ اور نہیں بنائی ہم نے ان کی تعداد ﴿اِلَّا فِتْنَةً﴾ مگر آزمائش ﴿لِّلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر کیا ﴿لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ﴾ تاکہ یقین کر لیں

وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ﴾ اور تاکہ زیادہ کرلیں وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْٓا﴾ جو ایمان لائے ﴿اِيْمَانًا﴾ ایمان کو ﴿وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ﴾ اور نہ شک کریں وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ایمان والے ﴿وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ﴾ اور تاکہ کہیں وہ لوگ ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے ﴿وَّالْكٰفِرُوْنَ﴾ اور کھلے کافر ﴿مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ﴾ کیا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿بِهٰذَا مَثَلًا﴾ اس کے ساتھ از روئے مثال کے ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اسی طرح بہکاتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ اور نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکر کو مگر وہی ﴿وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾ اور نہیں ہے یہ مگر نصیحت انسانوں کے لیے۔

ربط

کل کے درس میں تم نے یہ بات سنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے رئیس اعظم ولید بن مغیرہ کو بڑے اخلاص اور محبت کے ساتھ اسلام کی دعوت دی۔ قرآن پاک کی کچھ آیات بھی پڑھ کر سنائیں۔ سننے کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا کہ کچھ دنوں کے بعد اپنا فیصلہ سناؤں گا۔ جس دن اس نے فیصلہ سنانے کے لیے آنا تھا لوگ اکٹھے ہو گئے کہ آج ولید بن مغیرہ نے فیصلہ سنانا ہے۔ بڑا عظیم مجمع تھا۔ اس نے نظر ڈال کر مجمع کو دیکھا، منہ بناتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پشت پھیری اور یہ فیصلہ سنایا کہ ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾ "نہیں ہے یہ قرآن مگر جادو جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ نہیں ہے یہ مگر انسان کا کلام۔ یہ خدا کا کلام نہیں ہے خود بنا کر لاتا ہے۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ﴾ "عنقریب میں اس کو دوزخ میں ڈالوں گا نہ وہ کسی فرد کو چھوڑے گی اور نہ کسی کا عضو چھوڑے گی اور انسانوں کو جھلسا دینے والی ہے۔"

جہنم پر انیس فرشتے مقرر ہیں

اسی دوزخ کے متعلق فرمایا ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ مقرر ہیں اس دوزخ پر انیس فرشتے۔ ان کے انچارج کا نام مالک علیہ السلام ہے۔ اور جنت کے انچارج فرشتے کا نام رضوان ہے، علیہ السلام۔ ان فرشتوں کا عہدہ بہت بلند ہے۔ دوزخ کے انچارج کا نام قرآن پاک میں ہے سورۃ زخرف کے اندر۔ اور جنت کے انچارج کا نام قرآن پاک میں نہیں ہے۔ تم پہلے پڑھ اور سن چکے ہو کہ احادیث اور تفاسیر میں آتا ہے کہ دوزخ والے اکٹھے ہو کر دوزخ کے انچارج فرشتے مالک علیہ السلام کو کہیں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [زخرف:۷۷، پارہ:۲۴] "اے مالک! چاہیے کہ ہم پر فیصلہ کر دے آپ کا رب" ہمیں فنا کر دے، ختم کر دے ہم عذاب برداشت نہیں کر سکتے۔ مالک علیہ السلام کہیں گے تمھارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے، رب تعالیٰ نے کتابیں نازل نہیں کی تھیں، حق کی آواز پہنچانے والا تمھارے پاس کوئی نہیں آیا تھا؟ ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ کہیں گے پیغمبر بھی آئے تھے، کتابیں بھی نازل کی تھیں، حق کی

بات سنانے والے بھی آئے تھے ﴿ فَكَذَّبْنَا ﴾ پس ہم نے ان کو جھٹلا دیا۔ مالک علیہ السلام کہیں گے میں نے کوئی دعا نہیں کرنی ، تمھاری طرف سے کوئی اپیل نہیں کرنی خود ہی دعا کرو ﴿ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ [مومن: ۵۰، پارہ: ۲۷] "اور نہیں ہے دعا کافروں کی مگر ناکامی میں۔" کافروں کی دعا موت کے لیے بھی قبول نہیں ہوگی۔ تو فرمایا جہنم پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ رب تعالیٰ کا انتظام ہے۔ انیس کی حقیقت تو رب تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ بعض حضرات نے حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

انیس فرشتوں کے تقرر کی حکمتیں

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں تفسیر لکھی ہے (اب اس کا اُردو ترجمہ ہو چکا ہے۔) وہ تفسیر عزیزی میں ایک وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے حروف انیس ہیں اور قرآن کریم شروع ہوتا ہے بسم اللہ سے۔ تو کافروں نے سارا قرآن تو درکنار بسم اللہ کے انیس حروف بھی نہیں مانے۔ تو ایک ایک حرف کے بدلہ میں ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ہیں اور دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ تو پانچ نمازوں کے لیے پانچ گھنٹے تصور کرلو اگرچہ نماز پر گھنٹہ نہیں لگتا مگر موٹا تخمینہ ہے۔ تو باقی انیس گھنٹے بچتے ہیں۔ تو ہر ہر گھنٹے کے بدلے ایک ایک فرشتہ وہاں ہوگا جو ان کی سزا کی نگرانی کرے گا۔

شاہ صاحب تیسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات دروازے ہیں ﴿ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ﴾ [حجر: ۴۴] "اس کے سات دروازے ہیں۔" یعنی جہنم کے بڑے گیٹ سات ہیں۔ اس کے ایک دروازے پر ایک فرشتہ ہوگا اور باقی چھ دروازوں پر تین تین ہوں گے۔ تو اس طرح تعداد انیس ہوگئی۔ اور ایک وجہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ آدمی کے ذمہ تین چیزیں ہیں۔ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب و عمل بالارکان "زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا اور ارکان پر عمل کرنا۔" اور کافروں نے تینوں چیزوں کا انکار کیا۔ نہ تصدیق کی، نہ اقرار کیا، نہ عمل کیا۔ جہنم کے چھ طبقے کافروں کے لیے ہیں اور ایک طبقہ گناہ گار مومنوں کے لیے ہے۔ جن کا عقیدہ تو صحیح ہوگا عملی کوتاہی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اور سزا بھگتنے کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔ تو اس طبقے پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور کافروں، مشرکوں کے چھ طبقوں پر اٹھارہ فرشتے مقرر ہوں گے۔ ہر ہر طبقے پر تین تین۔

مومنوں کو اللہ تعالیٰ سزا پوری ہونے کے بعد جنت میں بھیج دے گا۔ ایک آدمی دوزخ میں رہ جائے گا۔ وہ دیکھے گا کہ میرے سوا کوئی بھی دوزخ میں نہیں ہے۔ بہت واویلا کرے گا عاجزی اور زاری کرے گا۔ کہے گا اے پروردگار! میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے تیرے گناہ زیادہ تھے۔ کہے گا پروردگار! مجھے دوزخ سے باہر نکال دے مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ تجھے دوزخ سے باہر نکال دوں اور تو کچھ نہیں مانگے گا؟ کہے گا اے پروردگار! وعدہ کرتا ہوں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے اس کو دوزخ سے نکال دو اور منہ اس کا دوزخ کی طرف رکھو۔ بدنی تکلیف

تو ختم ہو جائے گی مگر آگ کے شعلے دیکھنے سے ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوگا۔ نامعلوم کتنی مدت اس طرح رہے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار! دوزخ کے شعلے دیکھنے سے پریشان ہوں مجھے اجازت دے دیں کہ میں دوزخ کی طرف پشت پھیرلوں کہ مجھے نظر نہ آئے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے بڑا غدار ہے۔ تو نے تو وعدہ کیا تھا میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ اب تم نے سوال شروع کر دیا ہے۔ کہے گا پروردگار! جہنم دیکھنے سے تکلیف ہوتی ہے اجازت دے دیں آپ کے خزانے میں کیا کمی آئے گی مجھے سہولت ہو جائے گی۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے وعدہ کرتے ہو اور تو کچھ نہیں مانگو گے؟ کہے گا وعدہ کرتا ہوں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ رب تعالیٰ اجازت دے دیں گے کہ دوزخ کی طرف پشت پھیرلو۔ اب چہرہ جنت کی طرف ہو گیا۔

کچھ عرصہ خاموش رہے گا پھر کہے گا اے پروردگار! مجھے تھوڑا سا جنت کے قریب کر دے تا کہ میں قریب سے اس کا نظارہ کرسکوں۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ میں اور کچھ نہیں مانگوں گا پھر مانگنے لگ گئے ہو۔ کہے گا اے پروردگار! میں عاجز بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اگر جنت کے قریب کر دوں تو اور تو کچھ نہیں مانگے گا۔ کہے گا نہیں مانگوں گا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اچھا قریب ہو جاؤ۔ قریب ہو جائے گا تو فرمائیں گے اور تو کچھ نہیں مانگو گے۔ کہے گا کچھ نہیں مانگوں گا۔ کچھ عرصہ وہاں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کتنا عرصہ رہے گا۔ پھر کہے گا اے پروردگار! یہاں تک مجھے پہنچا دیا ہے اب مجھے جنت میں ہی داخل کر دے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے بڑا وعدہ شکن ہے کسی جگہ ٹھہرتا ہی نہیں ہے۔ کہے گا اے پروردگار! میں عاجز مخلوق ہوں آپ خالق ہیں، پروردگار ہیں مجھے جنت میں داخل کر دیں۔ پھر رب تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیں گے اور فرمائیں گے تَمَنَّ آرزو کرو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ جتنی دنیا ہے اس کے مثل اور تجھے دیتا ہوں۔ یہ ادنیٰ ترین جنتی کے بارے میں فرمائیں گے۔

آج ہم جنت کی فراخی اور وسعت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ماں کے پیٹ میں بچے کو کوئی سمجھائے کہ اتنی وسیع زمین ہے اتنا بلند آسمان ہے۔ جب تم پیدا ہو گے تو دیکھو گے۔ وہ بچہ ماں کے پیٹ میں زمین کی وسعت کو اور آسمان کی بلندی کو نہیں سمجھ سکتا۔ پیدا ہونے کے بعد کچھ سوجھ بوجھ آئے گی آنکھیں کھولے گا پھر سمجھے گا کہ آسمان کتنا بلند ہے، زمین کتنی وسیع ہے؟ اس میں دریا ہیں، پہاڑ ہیں۔ اس جہان کو تم ماں کا پیٹ سمجھو۔ اگلے جہان کی وسعت ہماری سمجھ میں یہاں نہیں آسکتی۔ ہماری سمجھ سے بہت بالاتر ہے۔ ایک کھوکھلے موتی کا گنبد ساٹھ میل میں پھیلا ہوا ہوگا۔ یہاں لاہور ساٹھ میل نہیں ہے۔ یہ ایک بندے کا مکان ہوگا چاہے اس میں کبڈی کھیلے۔

تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ چھ دروازوں پر تین تین فرشتے مقرر ہوں گے اور ایک پر ایک ہوگا۔ اس طرح تعداد اُنیس ہوگی۔

ایک منہ پھٹ کافر تھا اُسید بن کلدہ۔ ابوالاسد اس کی کنیت تھی۔ بڑا بے لحاظ آدمی تھا۔ جب اس نے سنا کہ انیس فرشتے ہوں گے تو کہنے لگا سترہ کے ساتھ تو میں نمٹ لوں گا دو کو تم سنبھال لینا۔ اتنا وزنی تھا کہ اُونٹ کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا لوگ

کھینچ کر چمڑے کو زور لگا کر اس کے پاؤں کے نیچے سے نکال نہیں سکتے تھے۔ چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا وہ کھڑا رہتا تھا۔ اس کو اپنی قوت، بہادری اور پہلوانی پر فخر تھا۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں ﴿وَ مَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ اور نہیں بنائے ہم نے دوزخ کے نگران ﴿اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً﴾ مگر فرشتے۔ ان فرشتوں کو دوزخ میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی وہ آگ میں چلیں پھریں گے نگرانی کریں گے۔ تکلیف انسانوں اور جنوں وغیرہ کو ہوگی ﴿وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ﴾ اور نہیں بنائی ہم نے ان کی تعداد ﴿اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں۔ کافر کہتے ہیں کہ اتنی بڑی دوزخ میں صرف انیس فرشتے ہوں گے۔ بھائی! انیس تو انیس ہیں یہاں تو ملک کا ایک صدر سب کو پریشان کر کے رکھ دیتا ہے۔ سارے ملک کو آفت میں ڈال دیتا ہے۔ اور انیس اور وہ بھی فرشتے۔

فرمایا نہیں بنائی ہم نے یہ تعداد مگر آزمائش کافروں کے لیے ﴿لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ تاکہ یقین کر لیں وہ لوگ جن کو دی گئی ہے کتاب۔ پہلی کتابوں میں بھی اس کا ذکر تھا کہ انیس فرشتے وہاں کے بڑے انچارج ہوں گے ﴿وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا﴾ اور تاکہ زیادہ کر لیں وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان کو۔ پہلی کتابوں میں بھی انیس کا ذکر تھا اور قرآن کریم میں بھی انیس کا ذکر ہے جو دوزخ کے بڑے انچارج ہوں گے ﴿وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ﴾ اور نہ شک کریں وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی ہے کتاب ﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ایمان والے نہ شک کریں ان کو یقین ہے کہ جو رب تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔

﴿وَ لِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ﴾ اور تاکہ کہیں وہ لوگ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ جن کے دلوں میں بیماری ہے منافقت کی ﴿وَّ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور کافر کہیں ﴿مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾ کیا ارادہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ از روئے مثال کے کہ اتنی وسیع جہنم ہوگی اور اس میں صرف انیس فرشتے نگران ہوں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تو پھر انیس ہیں ملک کا ایک صدر سارے ملک کو آفت میں ڈال دیتا ہے۔ کسی ایک بات پر اڑ جائے تو وہ لوگوں کو سانس نہیں لینے دیتا۔

فرمایا ﴿كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اسی طرح بہکاتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اور بہکاتا اُسے ہی ہے جو کجی پر راضی ہوتے ہیں۔ سورۃ صف پارہ ۲۸ میں ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ "جب انھوں نے کجی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔" جب وہ غلط راستے پر چل پڑے اور گمراہی کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کر دیا۔ ﴿وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور چاہتا کس کے لیے ہے؟ سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۱۳ پارہ ۲۵ میں ہے ﴿وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ "اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے ایمان لانے کا اور کفر اختیار کرنے کا ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء: ۱۱۵] "پھر اس کو پھیر دیتے ہیں جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے۔" رب تعالیٰ زبردستی نہ کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے۔ ہدایت اس کو ملے گی جو رجوع کرے گا۔ گمراہی پر اس کو پکا کیا جائے گا جو

گمراہی کے راستے کو اختیار کرے گا۔

﴿وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اَن گنت اور بے شمار فرشتے ہیں۔ ایک ایک آدمی کے ساتھ دن رات میں چوبیس چوبیس فرشتے ہوتے ہیں۔ چار فرشتے کراماً کاتبین ہیں۔ دو دن کے اور دو رات کے۔ اور دس فرشتے محافظ دن کے اور دس رات کے۔ سورۃ الرعد آیت نمبر ۱۱ پارہ ۱۳ میں ہے ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ "اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی آنے والے ہیں حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دس فرشتے دن کو اور دس فرشتے رات کو بندے کی حفاظت کرنے کے لیے مقرر ہیں جب تک اس کی حفاظت منظور ہوتی ہے۔ مردوں کے ساتھ، عورتوں کے ساتھ، جنات کے ساتھ۔ پھر حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمانوں میں چار انگشت کے برابر ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رب تعالیٰ کی عبادت کے لیے نہ کھڑا ہو۔ اس کا اندازہ لگاؤ کہ فرشتے کتنے ہوں گے کوئی شمار کر سکتا ہے؟

تو فرمایا آپ کے رب کے لشکروں کو صرف رب ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا ﴿وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾ اور نہیں ہے وہ دوزخ مگر نصیحت لوگوں کے لیے۔ اب وقت ہے وہ سمجھ لیں کہ دوزخ کتنا سخت مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام مومنین اور مومنات کو تمام مسلمین اور مسلمات کو سقر سے، دوزخ سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ (آمین)

﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿وَالْقَمَرِ﴾ قسم ہے چاند کی ﴿وَالَّيْلِ﴾ اور رات کی ﴿اِذْ اَدْبَرَ﴾ جب وہ رات پشت پھیر جائے ﴿وَالصُّبْحِ﴾ اور صبح کی قسم ﴿اِذَآ اَسْفَرَ﴾ جب وہ روشن ہو جائے ﴿اِنَّهَا﴾ بے شک وہ ﴿لَاِحْدَى الْكُبَرِ﴾ البتہ بڑی چیزوں میں سے ایک چیز ہے ﴿نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ﴾ ڈرانے والی ہے انسانوں کو ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ﴾ اس کے لیے جو چاہتا ہے تم میں سے ﴿اَنْ يَّتَقَدَّمَ﴾ کہ آگے بڑھے ﴿اَوْ يَتَاَخَّرَ﴾ یا پیچھے ہٹے ﴿كُلُّ نَفْسٍ﴾ ہر نفس ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ جو اس نے کمایا ہے اس کے بدلے میں ﴿رَهِيْنَةٌ﴾ گروی رکھا ہوا ہے ﴿اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ﴾ مگر دائیں ہاتھ والے ﴿فِيْ جَنّٰتٍ﴾ جنتوں میں ہوں گے ﴿يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ پوچھیں گے ﴿عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ مجرموں سے ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ﴾ کون سی چیز تمہیں لائی ہے دوزخ میں ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ ہم نمازیں نہیں پڑھتے تھے ﴿وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ﴾ اور نہیں تھے ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے ﴿وَ كُنَّا﴾ اور ہم تھے ﴿نَخُوْضُ﴾ شغل کرتے ﴿مَعَ الْخَآئِضِيْنَ﴾ شغل کرنے والوں کے ساتھ ﴿وَ كُنَّا نُكَذِّبُ﴾ اور ہم جھٹلاتے

تھے ﴿بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ بدلے کے دن کو ﴿حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ آئی ہمارے اُوپر موت ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ﴾ پس نہیں نفع دے گی ان کو ﴿شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ سفارش کرنے والوں کی سفارش ﴿فَمَا لَهُمْ﴾ پس ان کو کیا ہو گیا ہے ﴿عَنِ التَّذْكِرَةِ﴾ نصیحت سے ﴿مُعْرِضِيْنَ﴾ اعراض کرتے ہیں ﴿كَاَنَّهُمْ﴾ گویا کہ وہ ﴿حُمُرٌ﴾ گدھے ہیں ﴿مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ بھاگتے ہیں ﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ بھاگتے ہیں شیر سے ﴿بَلْ يُرِيْدُ﴾ بلکہ ارادہ کرتا ہے ﴿كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ان میں سے ہر آدمی ﴿اَنْ يُّؤْتٰى﴾ کہ دیئے جائیں اس کو ﴿صُحُفًا﴾ صحیفے ﴿مُّنَشَّرَةً﴾ بکھرے ہوئے ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ﴾ بلکہ وہ نہیں ڈرتے ﴿الْاٰخِرَةَ﴾ آخرت سے ﴿كَلَّاۤ﴾ خبردار ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک یہ قرآن ﴿تَذْكِرَةٌ﴾ نصیحت ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ پس جو شخص چاہتا ہے اس سے نصیحت قبول کرلے ﴿وَمَا يَذْكُرُوْنَ﴾ اور وہ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے ﴿اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ﴿هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى﴾ وہی ہے اہل تقویٰ ﴿وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ اور وہی ہے اہل اس کا کہ اس سے بخشش مانگی جائے۔

کل اور پرسوں کے سبق میں تم نے سَقَرُ کا لفظ پڑھا ﴿وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾ "اے مخاطب! تجھے کس نے بتلایا سقر کیا چیز ہے۔" سقر جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّا﴾ یہ حرف تنبیہ ہے اس کا معنیٰ ہے خبردار، آگاہ ہو جاؤ ﴿وَالْقَمَرِ﴾ واو قسمیہ ہے۔ معنیٰ ہو گا قسم ہے چاند کی ﴿وَالَّيْلِ﴾ اور قسم ہے رات کی ﴿اِذْ اَدْبَرَ﴾ جب وہ پشت پھیر جائے، چلی جائے ﴿وَالصُّبْحِ﴾ اور قسم ہے صبح کی ﴿اِذَاۤ اَسْفَرَ﴾ جب وہ روشن ہو جائے۔ چاند کی قسم ہے جب اُتر جائے، رات کی قسم ہے جب ختم ہو جائے، صبح کی قسم ہے جب روشن ہو جائے ﴿اِنَّهَا﴾ کی ضمیر سقر کی طرف لوٹ رہی ہے کہ بے شک وہ سقر ﴿لَاِحْدَى الْكُبَرِ﴾ كُبَرُ جمع ہے كُبْرٰى کی۔ بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ جس طرح چاند ایک بڑی چیز ہے۔

چاند کی بڑائی، بلندی اور روشنی کو سارے سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ اور جس طرح رات ایک بڑی چیز ہے۔ رات کی تاریکی کو سارے سمجھتے ہیں۔ اور صبح کا روشن ہونا بھی بڑی چیز ہے۔ دن چڑھتا ہے سب اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور سارے سمجھتے ہیں کہ اب دن ہے۔ ان چیزوں کی قسم اُٹھا کر رب تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک وہ سقر بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ﴿نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ﴾ وہ سقر ڈراتی ہے انسانوں کو۔ ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں بروقت اطلاع دی ہے کہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو سقر میں جاؤ گے۔ ہم نے تمھیں بتلا دیا ہے اب تمھاری مرضی ہے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ﴾ اس کے لیے جو چاہتا ہے تم میں سے آگے بڑھے ﴿اَوْ يَتَاَخَّرَ﴾ یا پیچھے ہٹے۔ یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ ہم نے تمھیں خیر اور شر سے آگاہ کر دیا ہے اب تمھاری مرضی ہے خیر کی طرف، ایمان اور ہدایت کی طرف، جنت کی طرف، نیکی کی طرف، آگے بڑھتے ہو یا پیچھے ہٹتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اتنا اختیار دیا ہے۔ نیکی کرو یا بدی، کر سکتے ہو۔

ہر شخص اپنی کمائی میں گروی رکھا ہوا ہے

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ ہر نفس اپنی کمائی میں گروی رکھا ہوا ہے۔ اگر نیک ہے تو نیکی کے سلسلے میں اور اگر بد ہے تو اس کو بُروں کے ٹولے میں شامل کیا جائے گا۔ جس نے جو کیا وہ اس کے سامنے آئے گا۔ آج دنیا میں ہم بہت سارے کام کر کے بھول جاتے ہیں قیامت والے دن سارے یاد آ جائیں گے ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ﴾ [آل عمران: ۳۰] "جس دن حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے نیکی سے اور جو اس نے بُرائی کی ہے ہر چیز سامنے ہوگی" اور رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۴] "آج اپنی کتاب، پرچہ، اعمال نامہ، خود پڑھ آج کے دن تیرا نفس کافی ہے تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔" دنیا میں کوئی پڑھا ہوا ہے یا اَن پڑھ ہے محشر میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ادراک وشعور عطا فرمائے گا۔ اور ہر آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ جب دو تین صفحے پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ "بتلاؤ کیا میرے فرشتوں نے زیادتی کی ہے۔" کوئی نیکی تو نے کی ہے اور انھوں نے نہ لکھی ہو یا کوئی بُرائی تم نے نہیں کی اور انھوں نے لکھ دی ہو۔ کہے گا نہیں پروردگار! جو کچھ میں نے کہا اور کیا ہے وہی لکھا ہے۔ پھر چند صفحے اور پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ سوال کریں گے اے بندے! بتا تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں ہوئی۔ بندہ اقرار کرے گا کہ نہیں کوئی زیادتی نہیں ہوئی یہ میری ہی کمائی ہے۔ اور ساتھ کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ [الکہف: ۴۹] کیا ہے اس کتاب کو اس نے نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑی ہے نہ بڑی سب لکھی ہوئی ہے، ہر شے کو اس نے سنبھال رکھا ہے۔

تو فرمایا ہر آدمی اپنی کمائی کے بدلے میں رہن رکھا ہوا ہے ﴿اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ﴾ مگر دائیں ہاتھ والے جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ نہیں پکڑے جائیں گے نہ ان کو ہتھکڑیاں پہنائی جائیں گی، نہ بیڑیاں اور نہ طوق گلوں میں۔ باقیوں کو گرفتار کیا جائے گا اور زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔ اصحاب الیمین محفوظ رہیں گے ﴿فِيْ جَنّٰتٍ﴾ وہ جنتوں میں ہوں گے ﴿يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ پوچھیں گے مجرموں سے۔ جنت کا محل وقوع اُوپر ہے اور جہنم کا محل وقوع نیچے ہے۔ جنت والے دوزخ والوں کے ساتھ گفتگو کر سکیں گے اور دوزخ والے جنت والوں سے گفتگو کر سکیں گے۔ دوزخی جنتیوں کو میوے، پھل کھاتے دیکھیں گے تو کہیں گے ﴿اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ "بہا دو ہمارے اُوپر تھوڑا سا پانی یا اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں روزی دی ہے ﴿قَالُوْٓا﴾ جنتی کہیں گے ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۵۰] بے شک اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔" ہم دینے کے مُجاز نہیں ہیں۔

دوزخیوں کے جرائم

تو جنتی مجرموں سے پوچھیں گے ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ﴾ کون سی چیز تمھیں لائی ہے دوزخ میں تمھارا کیا جرم تھا؟

﴿قَالُوْا﴾ وہ مجرم کہیں گے ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ ہم نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔

پہلا جرم یہ بتائیں گے کہ ہم نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔اس سے اندازہ لگاؤ کہ نماز کتنی اہم چیز ہے۔کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے قیامت والے دن سب سے پہلا سوال نماز کے متعلق ہی ہوگا اوّل مَا یحاسب الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الصَّلٰوۃ "پہلی وہ چیز جس کا بندے سے حساب ہوگا قیامت والے دن وہ نماز ہوگی۔"پہلا پرچہ ہی نماز کا ہوگا۔تو مجرم کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

دوسرا جرم:﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ﴾ اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔صاحبِ حیثیت آدمی کے فریضہ میں یہ بات شامل ہے کہ از خود معلوم کرے عزیز رشتہ داروں میں،محلہ داروں میں،اپنے دیہات اور شہر میں کون ضرورت مند ہے، غریب ہے،مسکین ہے،تلاش کر کے ان کو زکوٰۃ دے،عشر دے۔اگر مستحق ہیں تو فطرانہ،زکوٰۃ،عشر کے مال کے علاوہ میں بھی ان کا حق ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ "زکوٰۃ،عشر،فطرانہ کے علاوہ بھی مال میں دوسروں کا حق ہے۔"تو کہیں گے کہ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

اور تیسرا جرم یہ بتلائیں گے کہ ﴿وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ﴾ اور ہم تھے شغل کرتے شغل کرنے والوں کے ساتھ۔ جوا کھیلتے تھے،تاش کھیلتے تھے،لڈو کھیلتے تھے۔اور کیا کیا کھیلیں ہیں ہمیں تو ان کے نام بھی نہیں آتے۔یہ سب گناہ کی باتیں ہیں۔ اگر رب تعالیٰ نے تمھیں فراغت دی ہے،وقت دیا ہے تو اس کو کھیل تماشوں میں کیوں ضائع کرتے ہو۔اللہ اللہ کرو۔وقت کو قیمتی بناؤ۔مومن کا وقت بڑا قیمتی ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ اگر تم کسی مسلمان کی خوبی دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو لایعنی کاموں میں تو نہیں لگا ہوا۔دین کے جتنے کام ہیں وہ مقصود ہیں۔اور دنیا کے جتنے جائز کام ہیں وہ مفید ہیں اور وہ بھی دین کا حصہ ہیں۔اور ایسے کام جو نہ دین کے ہیں اور نہ دنیا کے ہیں نہ کسی کاروبار میں کام آئیں وہ گناہ ہیں۔

چوتھا جرم یہ بتلائیں گے ﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور ہم جھٹلاتے تھے بدلے کے دن کو۔کافر تو حساب کتاب کے دن کے منکر ہیں اور آج کل کے مسلمان برائے نام مانتے ہیں اس لیے کہ تیاری نہیں کرتے۔یہ کیا ماننا ہوا جب تیاری نہیں کرنی۔ایک آدمی سارا دن یہ کہتا رہے کہ روٹی بھوک کو ختم کرتی ہے،روٹی کے ساتھ بھوک ختم ہو جاتی ہے اور روٹی کھائے نہ تو کیا بھوک ختم ہو جائے گی۔پیاسا آدمی سارا دن ورد کرتا رہے کہ پانی سے پیاس بجھ جاتی ہے،پانی کے ساتھ پیاس بجھ جاتی ہے اور پانی پیے نہ تو کیا اس طرح پیاس بجھ جائے گی۔اگر کوئی آدمی زبان سے قیامت کو مانتا ہے اور اس کے لیے تیاری نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ اس نے قیامت کو نہیں مانا۔

تو مجرم کہیں گے ہم بدلے کے دن کی تکذیب کرتے رہے ﴿حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ ہم پر یقین آ گیا۔ موت کا ایک نام یقین بھی ہے۔سورۃ الحجر کی آخری آیتِ کریمہ ہے ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ "اے مخاطب اپنے

رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تیرے پاس موت آجائے۔" زندگی تو وہی ہے۔اب ہے لمحے کے بعد نہیں ہے۔صبح ہے شام کو نہیں ہے۔آج ہے کل نہیں ہے۔اور موت یقینی ہے۔

فرمایا ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ پس نہیں نفع دے گی ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش۔سفارش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سفارش کریں گے،شہید سفارش کریں گے،علماء بھی سفارش کریں گے، حافظ بھی سفارش کریں گے، عامۃ المومنین بھی سفارش کریں گے، چھوٹے بچے بھی سفارش کریں گے لیکن کافروں،مشرکوں کے لیے کوئی سفارش مفید نہیں ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اور کوئی نہیں ہے۔گیارھویں پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ [توبہ:۱۱۳] "نہیں لائق نبی کے اور نہ ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں کہ وہ بخشش طلب کریں مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ ان کے قربت دار ہی کیوں نہ ہوں۔"

عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انداز میں سفارش کہ کہ اس کے بدن پر اپنا لعاب مبارک ملا، اپنا کرتہ مبارک بطور کفن اس کو پہنایا پھر جنازہ بھی پڑھایا۔لیکن رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [توبہ:۸۰] "آپ ان کے لیے ستر [۷۰] مرتبہ بھی استغفار کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔"

تو فرمایا ان کو کسی کی سفارش نفع نہیں دے گی۔یہ سب کچھ سننے کے باوجود ﴿فَمَا لَهُمْ﴾ ان کو کیا ہو گیا ہے ﴿عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ﴾ اس نصیحت والی کتاب سے اعراض کرتے ہیں۔تذکرہ سے مراد قرآن پاک ہے۔﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ﴾ حُمُرٌ حِمَار کی جمع ہے۔حمار کا معنیٰ ہے گدھا۔گویا کہ یہ گدھے ہیں ﴿مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ بھاگنے والے ﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ بھاگتے ہیں شیر سے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قسورہ کا معنیٰ کرتے ہیں اَسَدٌ، شیر۔مطلب یہ بنے گا کہ جیسے جنگلی گدھوں کے کان میں شیر کی آواز پڑے تو وہ بھاگتے ہیں یہ بھی قرآن کریم سے اسی طرح بھاگتے ہیں۔اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کا معنیٰ کرتے ہیں رُمَاۃ، تیرانداز۔جنگلی گدھے چر رہے ہوں اور انہیں محسوس ہو کہ شکاری آگئے ہیں تو شکاریوں کی آہٹ سن کر گدھے بھاگ جاتے ہیں۔اسی طرح یہ قرآن پاک سے بھاگتے ہیں۔اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قَسْوَرَۃ کا معنیٰ کرتے ہیں عُصبۃ الرِّجال، آدمیوں کی جماعت۔جنگل میں شکاری اکیلے اکیلے نہیں جاتے کیوں کہ جنگل میں موذی جانور بھی ہوتے ہیں اس لیے وہ گروپ کی شکل میں جاتے ہیں۔تو جب جنگلی گدھے شکاریوں کے گروپ کو دیکھتے ہیں تو بھاگ جاتے ہیں۔اسی طرح یہ بھاگتے ہیں گویا کہ یہ جنگلی گدھے ہیں۔

﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ بلکہ ارادہ کرتا ہے، چاہتا ہے ہر آدمی ان میں سے ﴿اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً﴾ کہ دیئے جائیں اُن کو صحیفے بکھرے ہوئے۔قیامت والے دن کیا ملنے ہیں آج ہی ان کو پرچے مل جائیں کھلے ہوئے۔جب ان کو محشر کے دن سے ڈرایا جاتا تھا تو کہتے تھے کل جو پرچے دینے ہیں آج ہی دے دو۔مذاق اُڑاتے تھے۔﴿قَالُوْا رَبَّنَا

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ [ص: ۱۶، پارہ: ۲۳] "کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے۔"

فرمایا ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿بَل لَّا يَخَافُونَ الْاٰخِرَةَ﴾ بلکہ وہ نہیں ڈرتے آخرت سے۔ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اس لیے گناہوں پر جری ہیں ﴿كَلَّآ﴾ خبردار ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک یہ قرآن ﴿تَذْكِرَةٌ﴾ نصیحت ہے۔ یہ نری (سراسر) نصیحت کی کتاب ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ پس جو شخص چاہے اس سے نصیحت قبول کرے۔ مرضی ہے جبر نہیں ہے۔ ﴿وَمَا يَذْكُرُوْنَ﴾ اور نہیں یہ لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے متعلق کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" بندہ ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت آئے گی۔ بندہ نہ مجبور ہے اور نہ مکمل طور پر خود مختار ہے۔ نیکی کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دے دیں گے، بدی کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ بدی کی توفیق دے دیں گے۔ خود زبردستی نصیحت حاصل نہیں کر سکتا۔ رب چاہے گا تو نصیحت حاصل کر سکے گا اور رب اسی کے بارے میں چاہتا ہے جو ہدایت کی طرف آئے۔

﴿هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى﴾ اللہ تعالیٰ اس بات کا اہل ہے کہ اس سے ڈرا جائے ﴿وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ اور اللہ تعالیٰ اہل اور مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے بخشش مانگی جائے۔ اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف کر دے ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ۱۳۵] "اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کون معاف کر سکتا ہے۔" قرآن پاک کا یہ سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس سے معافی مانگو۔ رب تعالیٰ ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ الۡقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ

(۲۹)

آیاتہا ۴۰ سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۷۵) (۳۱) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ﴾ قیامت کے دن کی ﴿وَلَآ اُقْسِمُ﴾ اور میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ﴾ اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہے ﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ﴾ کیا خیال کرتا ہے انسان ﴿اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ﴾ کہ ہم ہرگز نہیں جمع کریں گے اس کی ہڈیوں کو ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں ﴿قٰدِرِیْنَ﴾ ہم قادر ہیں ﴿عَلٰٓی اَنْ﴾ اس بات پر ﴿نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ﴾ کہ ہم برابر کردیں اس کے پور پور ﴿بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ﴾ بلکہ ارادہ کرتا ہے انسان ﴿لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ﴾ تاکہ نافرمانی کرے اس کے سامنے ﴿یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ﴾ سوال کرتا ہے کب ہوگا قیامت کا دن ﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ پس جب چندھیا جائیں گی آنکھیں ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ اور بے نور ہو جائے گا چاند ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور اکٹھے کردیئے جائیں گے سورج اور چاند ﴿یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ﴾ اور کہے گا انسان ﴿یَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿اَیْنَ الْمَفَرُّ﴾ کہاں ہے بھاگنا ﴿کَلَّا﴾ خبردار ﴿لَا وَزَرَ﴾ کوئی جائے پناہ نہیں ہے ﴿اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ﴾ آپ کے رب کی طرف ہے اس دن ٹھہرنے کی جگہ ﴿یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ﴾ خبردار کیا جائے گا انسان کو ﴿یَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ﴾ بلکہ انسان ﴿عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ﴾ اپنے نفس پر بصیرت والا ہوگا ﴿وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ﴾ اور اگرچہ پیش کرے حیلے بہانے ﴿لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ﴾ نہ حرکت دیں اس قرآن پاک کے ساتھ اپنی زبان کو ﴿لِتَعْجَلَ بِہٖ﴾ تاکہ آپ جلدی کریں اس کے بارے میں ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ﴾ بے شک ہمارے ذمے ہے اس کا جمع کرنا ﴿وَقُرْاٰنَہٗ﴾ اور اس کا پڑھانا ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰہُ﴾ پس جب ہم پڑھیں اس کو (یعنی ہمارا فرشتہ) ﴿فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ﴾ پس آپ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ﴾ پھر ہمارے ذمے ہے اس کا بیان کرنا۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام سورۃ القیامہ ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں قیامہ کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے تیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا اکتیسواں نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور

چالیس آیتیں ہیں۔ چونکہ اس میں قیامت کا ذکر ہے، اس لیے اس کا نام قیامہ ہے اس میں قیامت کے حالات ہیں۔

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہر زبان کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، ضابطے ہوتے ہیں۔ عربی کا ضابطہ ہے کہ قسم ہو یا لفظ قسم ہو اس سے پہلے لا کا لفظ آجائے یا ما کا لفظ آجائے تو یہ زایدہ ہوتے ہیں۔ ان کا معنیٰ نہیں ہوتا۔ ﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ میں قسم نہیں اُٹھاتا۔ "لا" کا معنیٰ نہیں ہوگا (یہ زایدہ ہے)۔ اور ﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ کا معنیٰ ہوگا میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن کی۔ اسی لیے بغیر اُستاذ کے کوئی قرآن نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اُستاد کے بغیر کوئی حدیث سمجھ سکتا ہے۔ محض ترجمے سے بات نہیں بنتی۔ اسی واسطے فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کا ترجمہ بغیر تشریح کے ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ بعض حدیثیں منسوخ ہیں۔ ہاں! ثقہ عالم نے تشریح کی ہوگی تو وہ بتادے گا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ عام آدمی تو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ منسوخ حدیث پر عمل کرتا رہے گا۔

نفس کی تین اقسام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ میں قسم اُٹھاتا ہوں قیامت کے دن کی ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ اور قسم اُٹھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ قرآن پاک میں تین طرح کے نفوس کا ذکر آیا ہے۔

- ایک نفس اَمّارہ ہے جس کا ذکر تیرھویں پارے کی پہلی آیت کریمہ میں ہے ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ نفس امارہ ہر وقت بُرائی کا حکم دیتا ہے، بُرائی پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ سب سے بُرا نفس ہے۔
- دوسرا لَوّامہ ہے۔ اس سے گناہ ہو جائے تو اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے بُرا کام کیا ہے۔ کیوں کہ یہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہے۔ اور جو گناہ کو گناہ سمجھے اس کو کسی نہ کسی وقت توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ اور اگر گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھے گا تو توبہ کیوں کر کرے گا۔ تو نفسِ لَوّامہ اُسے کہتے ہیں جو گناہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو ملامت کرے۔
- تیسرا نفس مُطمئِنّہ ہے۔ جس کا ذکر تیسویں پارے میں آتا ہے ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝﴾ اللہ تعالیٰ نے جو عقائد بیان فرمائے ہیں ان پر اس کا یقین بھی ہے اور اطمینان بھی ہے اور جو اعمال، اخلاق اور معاملات بتائے ہیں سب پر مطمئن ہے۔ اس کو ان کے متعلق کوئی شک اور تردد نہیں ہے۔ یہ نفس مُطمئِنّہ سب سے اچھا ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نفس لَوّامہ کی قسم اُٹھائی ہے۔ جوابِ قسم محذوف ہے لَتُبْعَثُنَّ۔ جملہ یوں بنے گا کہ میں قسم اُٹھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم اُٹھاتا ہوں نفس لوامہ کی تم ضرور کھڑے کیے جاؤ گے قیامت والے دن۔ ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ﴾ کیا خیال کرتا ہے انسان۔ کافر انسان، نافرمان انسان کیا خیال کرتا ہے ﴿اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ﴾ کہ ہم ہرگز نہیں جمع کریں گے اس کی ہڈیوں کو۔ کافر یہ کہتے تھے کہ قیامت نہیں آئے گی۔

ایک موقع پر ابوجہل کہیں سے پرانی کھوپڑی اُٹھا کر لایا۔ مجمع موجود تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر کہنے لگا ذرا اس

کو ہاتھ لگاؤ۔ ہاتھ لگانے سے وہ ریزہ ریزہ ہونا شروع ہوگئی۔ قہقہہ لگا کر کہنے لگا ﴿مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ﴾ [سورۃ یٰسین] "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔" مشرکین مکہ کا نظریہ تھا کہ ان میں دوبارہ جان نہیں آسکتی۔

تو فرمایا کیا خیال کرتا ہے انسان کہ ہم ہرگز نہیں جمع کریں گے اس کی ہڈیوں کو ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں جمع کریں گے ﴿قٰدِرِیْنَ﴾ ہم قادر ہیں ﴿عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ﴾ اس بات پر کہ ہم برابر کردیں اس کے پور پور کو۔ بَنَانَ جمع ہے بَنَانَۃٌ کی۔ انگلیوں کی پوروں کو کہتے ہیں۔ چھوٹی چیز کا بنانا بہ نسبت بڑی چیز کے مشکل ہوتا ہے۔ تو فرمایا ہم قادر ہیں کہ اس کی پوروں کو برابر کردیں۔ درست کردیں اس کے پورے پورے کو ﴿بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ﴾ بلکہ ارادہ کرتا ہے انسانِ کافر ﴿لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾ تاکہ نافرمانی کرے اس کے سامنے۔

لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ کی تین تفسیریں

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی تین تفسیریں کی ہیں۔

- ایک یہ کہ یفجر کا معنیٰ جھوٹ بھی آتا ہے۔ تو اس معنیٰ کے اعتبار سے مطلب یہ بنے گا کہ بلکہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ جھٹلا دے آگے آنے والی کو یعنی قیامت کو۔ ﴿لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾ أَیْ لِیُکَذِّبَ اَمَامَهٗ۔
- دوسری تفسیر یہ کہ فجور کا معنیٰ ہے نافرمانی کرنا۔ اور ہ ضمیر راجع ہے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ معنیٰ بنے گا بلکہ ارادہ کرتا ہے انسان کہ نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کے سامنے۔ کہ میں گناہ ہی کرتا جاؤں۔ نافرمان انسان گناہ میں بڑھتا رہتا ہے۔
- تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ بلکہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں نافرمانی کرتا رہے۔ جب کہ ضمیر انسان کی طرف لوٹائی جائے کہ انسان کے آگے جو باقی زندگی ہے اس میں نافرمانی کرتا رہے۔ یہ فاسق فاجر انسان کی علامت ہے۔ اور مومن کی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر آنے والا دن پہلے سے اچھا ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج اگر کسی نیکی میں کوتاہی ہوئی ہے تو کل نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کل گزشتہ میں مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو آج نہیں ہونا چاہیے۔ روز بروز اس کی نیکی میں ترقی ہوتی ہے اور نافرمان روز بروز بُرے منصوبے بناتا ہے اور اس کا ذہن بدی کی طرف جاتا ہے۔

وقوعِ قیامت کا بیان

﴿یَسْئَلُ﴾ وہ پوچھتا ہے ﴿اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ﴾ کب ہوگا قیامت کا دن۔ استہزاء کرتا ہے کہ تم نے قیامت کب برپا کرنی ہے بتلاؤ تو سہی۔ فرمایا ﴿فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ پس جب چندھیا جائیں گی آنکھیں۔ بَرِقَ کا معنیٰ حیران رہ جانا، آنکھ کا کھلی کی کھلی رہ جانا۔ جب قیامت قائم ہوگی، پہاڑ اُڑیں گے، زمین ہموار ہوجائے گی، آسمان کو سمیٹ دیا جائے گا، ستارے گر پڑیں گے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر انسان حیران ہوجائے گا اور جب انسان حیران ہوتا ہے تو آنکھیں بند نہیں ہوتیں دیکھتا رہ جاتا ہے ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ اور چاند بے نور ہوجائے گا۔ چاند گرہن ہوجائے تو اندھیرا ہوجاتا ہے۔ سورج کو گرہن لگ جائے تو دن رات بن

جاتا ہے۔ تو چاند سے روشنی سلب کر لی جائے گی ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور اکٹھے کر دیئے جائیں گے سورج اور چاند بے نوری کی حالت میں۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ سورج کے طلوع ہونے کا وقت ہوگا لیکن مشرق سے طلوع نہیں ہوگا۔ لوگ حیران ہوں گے کہ مطلع صاف ہے کوئی بادل، دُھند وغیرہ نہیں ہے اور سورج کے چڑھنے کی کوئی نشانی نظر نہیں آ رہی۔ اسی حالت میں سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ چاند بھی وہیں ہوگا۔ دونوں اکٹھے ہو جائیں گے۔ آدھے آسمان تک آنے کے بعد پھر روٹین (معمول) کے مطابق چل پڑے گا اور جس دن سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا اسی دن دابۃ الارض نکلے گا۔ سورۃ النمل آیت نمبر ۸۲ پارہ ۲۰ میں ہے ﴿اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ﴾ "نکالیں گے ہم ان کے لیے جانور زمین سے۔" بیل کی شکل کا ایک جانور زمین سے نکلے گا لوگوں سے گفتگو کرے گا۔

معالم التنزیل وغیرہ تفسیروں میں ہے کہ صفا پہاڑی کی چٹان پھٹے گی۔ اس سے بیل کی شکل کا ایک جانور نکلے گا اور گفتگو کرے گا۔ اور لوگ اس کی گفتگو سنیں گے، سمجھیں گے اور اس کی باتوں پر یقین کریں گے اور مانیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ انسان حیوانیت کی صفت پر پہنچ گئے ہیں۔ شکلیں اگرچہ انسانوں والی ہیں کہ یہ انسانوں کی باتیں نہ مانتے تھے اور نہ یقین کرتے تھے اور اب حیوان کی باتیں مان کر یقین کر رہے ہیں۔

اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ اِلَى الْجِنْسِ.

"جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔"

اپنی جنس کی بات جلدی قبول کرتی ہے۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اکابر میں سے گزرے ہیں۔ اُنھوں نے مثنوی شریف میں حکایات اور مثالوں کے ذریعے لوگوں کی بڑی اصلاح کی ہے۔ مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک کاشت کار نے دانے خشک کرنے کے لیے مکان کی چھت پر ڈال دیئے۔ کبھی بیوی جا کر ان میں پاؤں مار کر ہلاتی اور کبھی خود جاتا۔ بیوی اُوپر گئی اور اس کے پاس شیر خوار بچہ تھا۔ وہ گھسٹتے گھسٹتے پرنالے کے قریب چلا گیا۔ پرنالا تو پانی کے لیے ہوتا ہے۔ وہ کتنا وزن برداشت کر سکتا ہے۔ خطرہ ہوا کہ اگر بچہ پرنالے میں آگے چلا گیا تو پرنالا گر جائے گا اور بچہ زمین پر گرے گا۔ اس کو بلاتے ہیں تو وہ آگے گھسٹتا ہے۔ بیوی نے خاوند کو آواز دی کہ بچہ گیا کہ پرنالے پر چلا گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا آگے ہوا تو گر جائے گا۔ کسی سمجھ دار نے ان سے کہا کہ اس عمر کا بچہ لا کر سامنے بٹھا دو۔ یہ بچہ اس کو دیکھ کر واپس آ جائے گا۔ وہ اس عمر کا بچہ لائے اور اس کے سامنے لا کر بٹھایا تو وہ بچہ پرنالے سے نکل کر اس بچے کے پاس آ گیا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

زاں بود جنس بشر پیغمبراں

"اسی لیے پیغمبر بشر ہوتے ہیں کہ جنس جنس سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔" جنس کو جنس کے ساتھ پیار ہوتا ہے۔

تو اس وقت انسان حیوان صفت ہو جائیں گے۔ اور جس دن سورج مغرب سے طلوع کرے گا اور دابۃ الارض خروج کرے گا اس دن توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی ایمان لائے گا تو وہ معتبر نہیں ہوگا اور جو نیکی پہلے نہیں کی اب نیکی کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ یہ قرآن کریم اور احادیث سے ثابت ہے۔ (سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۸ دیکھیں۔ مرتب) سورج مغرب سے طلوع ہو کر نصف النہار تک آئے گا۔ پھر حکم ہوگا معمول کے مطابق چل اور اپنی لیٹ نکال لے۔ اس کے بعد ایک سو بیس سال تک دنیا رہے گی۔ پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونک دیں گے اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

تو فرمایا جمع کر دیا جائے گا سورج اور چاند کو ﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ﴾ اور کہے گا انسان ﴿يَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿اَيْنَ الْمَفَرُّ﴾ مفر مصدر میمی ہے۔ اس کا معنیٰ ہے بھاگنا۔ معنیٰ ہوگا کہاں ہے بھاگنا۔ جب تکلیفیں سامنے آئیں گی تو کہیں گے کہاں بھاگیں؟ ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿لَا وَزَرَ﴾ کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ نہ کوئی ماویٰ نہ کوئی ملجا۔ اے انسان! کوئی چھٹکارے کی جگہ نہیں ہوگی ﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۣالْمُسْتَقَرُّ﴾ آپ کے رب کی طرف ہے مستقر۔ بعض اس کو ظرف کا صیغہ بناتے ہیں۔ اس وقت معنیٰ ہوگا ٹھہرنے کی جگہ۔ اور بعض مصدر کا معنیٰ کرتے ہیں۔ پھر معنیٰ ہوگا ٹھہرنا ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ﴾ خبردار کیا جائے گا انسان کو بتایا جائے گا ﴿يَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿بِمَا قَدَّمَ﴾ جو اس نے آگے بھیجا ہے ﴿وَاَخَّرَ﴾ اور جو اس نے پیچھے چھوڑا ہے۔ پیچھے نیک اولاد چھوڑی ہے، مسجد، مدرسہ بنایا ہے، نیک کام کیے ہیں تو ان سے اس کو فائدہ پہنچے گا۔ بُری اولاد چھوڑی ہے، سینما بنایا ہے، شراب خانہ کھولا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ ہر شے کا بدلہ ہوگا۔ ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ﴾ بلکہ انسان اپنے نفس پر بصیرت والا ہوگا، اپنے اعمال سے باخبر ہوگا ﴿وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ مَعَاذِيْر مَعْذِرَةٌ کی جمع ہے۔ معنیٰ ہوگا اور اگرچہ پیش کرے عذر، حیلے بہانے۔ کبھی کہے گا ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا﴾ [سورۃ المومنون] "اے ہمارے پروردگار! ہم پر بدبختی غالب آگئی ہمیں معاف کر دے۔" اور کبھی کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ [الاحزاب: ۶۷، پارہ: ۲۲] "اے ہمارے پروردگار! ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا سیدھے راستے سے ﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝۶۸﴾ "اے ہمارے پروردگار ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر لعنت بھیج بہت بڑی۔" اور کبھی کچھ کہیں گے اور کبھی کچھ کہیں گے لیکن معلوم سب کچھ ہوگا کہ میں کیا کر کے آیا ہوں۔

شانِ نزول

آگے رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم قیامت والے دن ہڈیوں کو جمع کریں گے اسی طرح ہم نے دنیا میں قرآن کو جمع کیا ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے۔ وہ پڑھتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پڑھتے جاتے تھے کہ کوئی لفظ رہ نہ جائے۔ اپنی یاد کے لیے ساتھ

ساتھ پڑھتے تھے۔اور یہ قرآن پاک کے آداب کے خلاف ہے کہ قرآن کریم پڑھا جائے اور سننے والا ساتھ پڑھے۔اسی لیے قرآن پاک میں رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [الاعراف: ۲۰۴] "اور جب قرآن کریم پڑھا جائے پس کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول ہی نماز ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آہستہ آہستہ ساتھ ساتھ زبان کو حرکت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ ﴾ نہ حرکت دیں قرآن پاک کے ساتھ اپنی زبان کو ﴿ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴾ تاکہ آپ جلدی کریں اس کے بارے میں، ایسا نہ کریں ﴿ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ ﴾ بے شک ہمارے ذمے ہے اس کا جمع کرنا ﴿ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴾ اور اس کا پڑھا دینا۔ یعنی جب جبرئیل علیہ السلام پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے میں جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے ذمے ہے ﴿ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ ﴾ پس جس وقت ہم اس کو پڑھ لیں یعنی ہمارا فرشتہ پڑھ لے ﴿ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴾ پس آپ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی۔ ساتھ ساتھ نہیں پڑھنا۔ بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت خاموشی کے ساتھ سنتے تھے زبان کو حرکت نہیں دیتے تھے۔

تو فرمایا جب ہم پڑھ چکیں تو پھر آپ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴾ پھر ہمارے ذمے ہے قرآن کا بیان کرنا۔ اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمے، اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمے، اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمے۔ آپ اس کی پیروی کریں ساتھ ساتھ پڑھنا قرآن کے آداب کے خلاف ہے۔

﴿ كَلَّا ﴾ خبردار ﴿ بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴾ بلکہ تم پسند کرتے ہو دنیا کی زندگی کو ﴿ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴾ اور چھوڑتے ہو آخرت کو ﴿ وُجُوْهٌ ﴾ کچھ چہرے ﴿ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴾ اس دن تروتازہ ہوں گے ﴿ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ﴿ وَ وُجُوْهٌ ﴾ اور کئی چہرے ﴿ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴾ اُس دن اُداس ہوں گے ﴿ تَظُنُّ ﴾ یقین کریں گے ﴿ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا ﴾ کارروائی کی جائے گی ان کے ساتھ ﴿ فَاقِرَةٌ ﴾ کمر توڑ ﴿ كَلَّاۤ ﴾ خبردار ﴿ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴾ جب روح پہنچ جاتی ہے ہنسلی کی ہڈی تک ﴿ وَ قِیْلَ ﴾ اور کہا جاتا ہے ﴿ مَنْ ﴾ کون ہے ﴿ رَاقٍ ﴾ دم کرنے والا ﴿ وَّ ظَنَّ ﴾ اور وہ یقین کر لیتا ہے ﴿ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴾ کہ بے شک جدائی کا وقت ہے ﴿ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴾ اور چمٹ جاتی ہے پنڈلی پنڈلی کے ساتھ ﴿ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ﹰالْمَسَاقُ ﴾ آپ کے رب کی طرف اُس دن چلنا ہے ﴿ فَلَا صَدَّقَ ﴾ پس نہ تصدیق کی اس نے ﴿ وَ لَا صَلّٰى ﴾ اور نہ نماز پڑھی ﴿ وَ لٰكِنْ

﴿كَذَّبَ﴾ لیکن اس نے جھٹلایا ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور اعراض کیا ﴿ثُمَّ ذَهَبَ﴾ پھر چلا ﴿اِلٰٓى اَهْلِهٖ﴾ اپنے گھر والوں کی طرف ﴿يَتَمَطّٰى﴾ اکڑتا ہوا ﴿اَوْلٰى لَكَ﴾ ہلاکت ہے تیرے لیے ﴿فَاَوْلٰى﴾ پھر ہلاکت ہے ﴿ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ﴾ پھر ہلاکت ہے تیرے لیے ﴿فَاَوْلٰى﴾ پھر ہلاکت ہے ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ﴾ کیا خیال کرتا ہے انسان ﴿اَنْ يُّتْرَكَ﴾ کہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا ﴿سُدًى﴾ بے کار ﴿اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً﴾ کیا نہیں تھا نطفہ ﴿مِّنْ مَّنِيٍّ﴾ منی کا ﴿يُّمْنٰى﴾ جو رحم میں ٹپکایا جاتا ہے ﴿ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً﴾ پھر تھا خون کا لوتھڑا ﴿فَخَلَقَ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ﴿فَسَوّٰى﴾ پس درست کیا ﴿فَجَعَلَ مِنْهُ﴾ پس بنائے اس سے ﴿الزَّوْجَيْنِ﴾ جوڑے ﴿الذَّكَرَ﴾ مذکر ﴿وَالْاُنْثٰى﴾ اور مؤنث ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ﴾ کیا نہیں ہے وہ پروردگار قادر ﴿عَلٰٓى اَنْ﴾ اس بات پر ﴿يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ کہ زندہ کرے مردوں کو۔

قیامت کا ذکر

اس سورت کی ابتداء میں بھی قیامت کا ذکر تھا۔ اب بھی اسی کا ذکر ہے۔ لفظ ﴿كَلَّا﴾ قرآن کریم میں کبھی تو تنبیہ کے لیے آتا ہے، خبردار! اور اس مقام پر تنبیہ کے لیے ہے۔ اور کبھی ہرگز نہیں! کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور کبھی حقًّا کے معنیٰ میں آتا ہے، پکی بات ہے۔ اس مقام پر تنبیہ کے لیے آیا ہے۔ ﴿كَلَّا﴾ خبردار۔ اور بعض مفسرین حقًّا کا معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ پکی بات ہے ﴿بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ﴾ بلکہ تم محبت کرتے ہو دنیا کی زندگی سے۔ عاجلہ، بہت جلد ختم ہونے والی کو تم پسند کرتے ہو ﴿وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور چھوڑتے ہو آخرت کو۔ آج جتنی محنت دنیا کے لیے ہے اس کا دسواں حصہ بھی آخرت کے لیے نہیں ہے۔ جو قیامت حشر کے منکر ہیں ان کی بات نہیں کر رہا، ان کو چھوڑ دیں۔ جو قیامت کو تسلیم کرتے ہیں وہ آخرت کے لیے کتنا کام کر رہے ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ جو شے بڑی واضح ہو اس کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چوبیس گھنٹوں میں دنیا کے لیے کتنا کام کرتے ہیں اور آخرت کے لیے کتنا کرتے ہیں؟ الا ماشاء اللہ! کوئی ہزار میں سے ایک دو آدمی نکل آئیں تو کوئی بعید نہیں ہے۔

روزِ قیامت رؤیتِ باری تعالیٰ

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بلکہ تم پسند کرتے ہو دنیا کو اور چھوڑتے ہو آخرت کو ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ﴾ کچھ چہرے قیامت والے دن تروتازہ ہوں گے، ہشاش بشاش ہوں گے۔ ان کے چہروں پر بڑی رونق ہوگی ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، رب کا دیدار نصیب ہوگا۔ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ قیامت والے دن میدانِ محشر میں، جنت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ مومن جب دیدار کرنے کے بعد گھروں کو واپس لوٹیں گے تو گھر والے کہیں گے جب تم گئے تھے تو اتنے خوب صورت نہیں تھے جتنے اب خوب صورت ہو۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا

دیدار نصیب ہوا ہے اس کی برکت سے ہمارا حسن بڑھ گیا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا حضرت! یہ ارشاد فرمائیں ہَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ "کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے قیامت والے دن؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ "تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح سورج اور چاند کو دیکھتے ہو۔" چودھویں رات کا چاند ہو، دھند اور بادل بھی نہ ہو تو چاند نظر آتا ہے کہ نہیں۔ دوپہر کا وقت ہو سورج سر پر ہو، دھند، بادل بھی نہ ہو تو سورج نظر آتا ہے کہ نہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! نظر آتا ہے۔ فرمایا سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ "اسی طرح تم ضرور دیکھو گے اپنے رب کو۔" یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

تو رب تعالیٰ کا دیدار قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی ثابت ہے۔ اور اس پر امتِ مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے سب طبقات کا۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، مقلد، غیر مقلد۔ سب اس پر متفق ہیں کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

ایک فرقہ ہے معتزلہ۔ وہ منکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ رب کا دیدار نہیں ہوگا۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ کافی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام نے آرزو کی دیدار کی اور کہا ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ "اے پروردگار! دِکھا تو مجھ کو تا کہ میں دیکھوں آپ کی طرف۔" ﴿قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ [الاعراف: ۱۴۳] اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا مجھے۔" میں اپنی تجلی اس پہاڑ پر ڈالوں گا اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹکا رہا تو ﴿فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ﴾ "پھر آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔" حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہاتھ کی جو چھوٹی انگلی ہے عربی میں اس کو خنصر کہتے ہیں، اس کے نصف پور کے برابر اپنے نور کی تجلی پہاڑ پر ڈالی پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جس وقت ہوش آیا تو کہا پروردگار! تیری ذات پاک ہے میں نے بے جا سوال کیا ﴿تُبْتُ اِلَیْکَ﴾ "میں توبہ کرتا ہوں آپ کے سامنے۔"

معتزلہ کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دیدار نہیں ہوا تو اور کس کو ہوسکتا ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا باطل ہے۔ کیوں کہ دنیا کے احکام اور ہیں اور آخرت کے احکام اور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ دنیا کا ہے۔ آخرت میں دیدار ہوگا۔ یہ قرآن پاک کی آیات تمھارے سامنے ہیں ان میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ کتنے چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور اُوپر سے ذکر بھی قیامت کا چلا آرہا ہے۔ تو یہ دیکھنا قیامت والے دن کا ہے اور نفی دنیا میں دیکھنے کی ہے۔ آخرت کی باتیں تو ہمیں دنیا میں سمجھ نہیں آسکتیں۔ بھلا یہ کس کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جنت میں درخت طوبیٰ ہے اتنا بڑا کہ بندہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوکر ایک کنارے سے چلے سو سال تک دوسرے کنارے تک نہ پہنچ سکے گا۔ دنیا میں کوئی ایسا درخت ہے؟ دنیا میں دودھ کی نہر کہیں ملتی ہے؟ جنت میں دودھ کی نہریں بھی ہوں گی۔ جنت میں چاہے کتنا بلند درخت ہو بندہ خیال کرے گا کہ اس کی چوٹی پر جو پھل ہے وہ میں نے کھانا ہے۔ آناً فاناً وہ ٹہنی جھک کر اس کے سامنے آجائے گی۔

اور کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز بھی ہو اور اس میں سانپ بچھو بھی ہوں، درخت بھی ہوں۔ بھئی! دنیا میں نہ جنت کی باتیں سمجھ آسکتی ہیں نہ دوزخ کی۔ بس ماننا ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام والی آیات سے آخرت کے دیدار کی نفی کرنا کمزور بات ہے۔خصوصاً جب دیدار والی آیات بھی موجود ہوں اور احادیث بھی موجود ہوں اور اجماع امت بھی ہو تو پھر انکار کی گنجائش نہیں ہے۔دنیا کے معاملات اور ہیں اور آخرت کے معاملات اور ہیں۔

فرمایا ﴿وَوُجُوْهٌ﴾ اور کچھ چہرے ﴿يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ﴾ اُس دن اُداس ہوں گے، پریشان ہوں گے، بُری شکلیں بنی ہوں گی ﴿تَظُنُّ﴾ وہ یقین کرلیں گے ﴿اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾ کہ ان کے ساتھ کمر توڑ کارروائی کی جائے گی۔ فِقَارُ الظَّهْر ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔اور ریڑھ کی ہڈی کے ہر ہر مہرے کو فِقْرَہ کہتے ہیں اور سب کو فِقار کہتے ہیں۔اور ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے تو آدمی بے کار ہو جاتا ہے۔ساری ہڈی تو درکنار ایک مہرے میں بھی گڑبڑ ہو جائے تو آدمی کام کا نہیں رہتا۔

تو مجرموں کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ کارروائی کی جائے گی ﴿كَلَّآ﴾ خبردار ﴿اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ﴾ تَرَاقِيَ تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے بمعنٰی ہنسلی کی ہڈی (حضرت نے اشارہ کرکے بتلایا کہ) جب جان پاؤں کی طرف سے نکلتے نکلتے ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جاتی ہے۔گھر والے بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں، ڈاکٹر حکیم بھی ﴿وَقِيْلَ﴾ اور کہا جاتا ہے ﴿مَنْ﴾ کون ہے ﴿رَاقٍ﴾ دم کرنے والا جو اس کو دم کرے اور اس کی جان نہ نکلے۔ڈاکٹر حکیم تو ناکام ہو چکے ہیں کوئی دم جھاڑ کرنے والا ہی اسے بچالے۔مگر کون بچا سکتا ہے؟ یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ جان نکلنے کے وقت مرنے والے کو تکلیف ہوتی ہے گھر والے برداشت نہیں کر سکتے تو دعا کرو اس کا سانس آسانی سے نکل جائے، رب اس کا سانس آسانی سے نکال دے۔اس کے لیے زندگی کی دعا کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور موت کے لیے دعا کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔

تو فرمایا کہا جاتا ہے، ہے کوئی دم کرنے والا ﴿وَّظَنَّ﴾ اور مرنے والا یقین کرلیتا ہے ﴿اَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾ کہ بے شک جدائی کا وقت ہے ﴿وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ اور چمٹ جاتی ہے پنڈلی پنڈلی کے ساتھ۔بعض آدمیوں کی جان بڑی سختی کے ساتھ نکلتی ہے پنڈلی پنڈلی کے ساتھ جڑ جاتی ہے اور وہ اکڑا پڑا ہوتا ہے۔اے بندے کیا کرتے ہو ﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ٱلْمَسَاقُ﴾ آپ کے رب کی طرف اس دن جانا ہے۔ساق یسوق کا معنٰی ہے چلنا اور مساق مصدر ہے۔آج چلنا ہے۔﴿فَلَا صَدَّقَ﴾ پس نہ اس نے تصدیق کی توحید کی، رسالت کی، قیامت کی، قرآن کی، حق کو تسلیم نہیں کیا ﴿وَلَا صَلّٰى﴾ اور نہ نماز پڑھی ﴿وَلٰكِنْ كَذَّبَ﴾ لیکن اس نے حق کو جھٹلایا ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور نیک کاموں سے اعراض کیا، پشت پھیری ﴿ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ﴾ پھر چلا اپنے گھر والوں کی طرف ﴿يَتَمَطّٰى﴾ اکڑتا ہوا ﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى﴾ ہلاکت ہے تیرے لیے پھر ہلاکت ہے ﴿ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى﴾ پھر ہلاکت ہے تیرے لیے پس ہلاکت ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ ابوجہل تھا۔بعض کے نزدیک عقبہ بن ابی معیط تھا اور بعض نے کہا ہے کہ ولید بن مغیرہ تھا۔بعض نے عاص بن وائل کا نام لیا ہے۔یہ جس وقت غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملتے تھے تو کسی کی پٹائی کر دیتے، کسی کو گالیاں

دیتے، کسی کو طعنے دیتے۔ پھر گھر جا کر بڑکیں مارتے کہ آج میں فلاں کی مرمت کر آیا ہوں، آج میں یہ کر آیا ہوں، آج میں یہ کر آیا ہوں۔ اے نافرمان انسان! آج مظلوموں، کمزوروں پر ظلم و زیادتی کرنے والے کل تجھے پتا چلے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ یہ ساری باتیں تیرے سامنے آئیں گی۔ سورۂ زلزال میں ہے ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ "پس جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی بُرائی کرے گا اس کو دیکھ لے گا۔"

محشر والے دن ایسی چیزیں سامنے آئیں گی کہ بندہ کہے گا میں تو ان کو گناہ ہی نہیں سمجھتا تھا۔ مثلاً: مسجد سے نکلتے ہوئے سیڑھیوں پر تھوک دینا بڑا گناہ ہے۔ بلکہ عام راستے پر جہاں سے لوگ گزرتے ہیں وہاں بلغم پھینک دینا (بھی گناہ ہے) کہ لوگوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے، ذہنی تکلیف پہنچتی ہے۔ پھل کھا کر چھلکے راستے پر پھینک دینا۔ ہم ان چیزوں کو عیب نہیں سمجھتے۔ شریعت کی نگاہ میں یہ سب چیزیں عیب ہیں۔ گھر کی صفائی نہیں کرتے جالے لگے ہوئے ہیں صاف نہیں کرتے۔ آج ہماری مسجدوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کہنے کے قابل نہیں ہے۔

تو یہ لوگ غریبوں پر ظلم کر کے اکڑتے ہوئے گھر جاتے تھے۔ پھر فرمایا ہلاکت ہے تیرے لیے پھر ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے پھر ہلاکت ہے ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى﴾ کیا خیال کرتا ہے انسان کہ اس کو بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ آج دیکھو دنیا میں فارغ اور بے کار آدمی سب سے بُرا ہے۔ تو کیا رب تعالیٰ نے تمھیں پیدا کر کے یونہی بیکار چھوڑ دیا ہے تمھارے ذمے کچھ اعمال نہیں ہیں؟ بھائی! تمھارے ذمے کچھ چیزیں کرنے کی ہیں اور کچھ چیزیں نہ کرنے کی ہیں۔ ﴿سُدًى﴾ کا معنیٰ مہمل، بے کار، فارغ۔ اے انسان! تجھے یاد نہیں ﴿اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ﴾ کیا نہیں تھا نطفہ منی سے ﴿يُّمْنٰى﴾ جو ٹپکایا گیا ماں کے رحم میں ﴿ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً﴾ پھر تھا خون کا لوتھڑا۔ پھر اس کے بعد بوٹی بنی۔ پھر اس میں رب نے ہڈیاں پیدا کیں، ڈھانچا تیار کیا پھر اس پر گوشت چڑھایا ﴿فَخَلَقَ فَسَوّٰى﴾ پس اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پس درست کر دیا اور اس میں روح ڈالی، اچھا بھلا تندرست بندہ پیدا کر دیا ﴿فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ﴾ پس بنائے اس حقیر قطرے سے جوڑے ﴿الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ مذکر اور مؤنث۔ نر اور مادہ پیدا کیے۔ اے قیامت، حشر کے منکر ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ﴾ کیا نہیں ہے وہ پروردگار قادر ﴿عَلٰٓى اَنْ﴾ اس بات پر ﴿يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ کہ زندہ کرے مُردوں کو قیامت والے دن۔ جو حقیر قطرے سے اچھا بھلا انسان پیدا کر سکتا ہے، مرد اور عورت بنا سکتا ہے۔ وہ دوبارہ پیدا کرے گا انکار کس چیز کا کرتے ہو۔ آنحضرت ﷺ جب یہ آیت کریمہ پڑھتے تو ساتھ ہی پڑھتے تھے ﴿بَلٰى هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ "کیوں نہیں وہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" لیکن اگر یہ آیت نماز میں آئے تو پھر نہیں پڑھنی۔ نماز میں خاموشی مطلوب ہے۔ تو کیا رب تعالیٰ قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟ کیوں نہیں! وہ قادر ہے ہر چیز پر۔ لہٰذا یقین رکھو کہ قیامت آئے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری کرو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَكَ الَّذِیْ

(۲۹)

آیاتھا ۳۱ سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَدَنِیَّۃٌ (۷۶) (۹۸) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ تحقیق آیا ہے انسان پر ﴿حِيْنٌ﴾ ایک وقت ﴿مِّنَ الدَّهْرِ﴾ زمانے میں سے ﴿لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا﴾ نہیں تھا وہ شے ﴿مَّذْكُوْرًا﴾ قابلِ ذکر ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ نطفے سے ﴿اَمْشَاجٍ﴾ جو ملا ہوا ہے ﴿نَّبْتَلِيْهِ﴾ ہم اس کو پلٹتے رہے ﴿فَجَعَلْنٰهُ﴾ پس ہم نے اس کو بنایا ﴿سَمِيْعًا﴾ سننے والا ﴿بَصِيْرًا﴾ دیکھنے والا ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے اس کی راہنمائی کی ﴿السَّبِيْلَ﴾ راستے کی ﴿اِمَّا شَاكِرًا﴾ یا تو شکرادا کرے گا ﴿وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ اور یا ناشکری کرے گا ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا﴾ بے شک ہم نے تیار کی ہیں ﴿لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿سَلٰسِلَا۟﴾ زنجیریں ﴿وَاَغْلٰلًا﴾ اور طوق ﴿وَّسَعِيْرًا﴾ اور شعلہ مارنے والی آگ ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ﴾ بے شک نیک لوگ ﴿يَشْرَبُوْنَ﴾ پئیں گے ﴿مِنْ كَاْسٍ﴾ ایسے پیالے سے ﴿كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾ جس کی ملاوٹ ہوگی کافور سے ﴿عَيْنًا﴾ وہ ایک چشمہ ہے ﴿يَّشْرَبُ بِهَا﴾ پئیں گے اس سے ﴿عِبَادُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے بندے ﴿يُفَجِّرُوْنَهَا﴾ اس کو چلائیں گے ﴿تَفْجِيْرًا﴾ چلانا ﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ وہ پورا کرتے ہیں نذروں کو ﴿وَيَخَافُوْنَ﴾ اور ڈرتے ہیں ﴿يَوْمًا﴾ اُس دن سے ﴿كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا﴾ جس کی بُرائی پھیلی ہوئی ہے ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ﴾ اور کھلاتے ہیں کھانا ﴿عَلٰى حُبِّهٖ﴾ اُس کی محبت پر ﴿مِسْكِيْنًا﴾ مسکین کو ﴿وَّيَتِيْمًا﴾ اور یتیم کو ﴿وَّاَسِيْرًا﴾ اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ﴾ بے شک ہم کھلاتے ہیں تم کو ﴿لِوَجْهِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ﴾ نہیں ارادہ کرتے ہم تم سے ﴿جَزَآءً﴾ بدلے کا ﴿وَّلَا شُكُوْرًا﴾ اور نہ شکریے کا ﴿اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا﴾ بے شک ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿يَوْمًا﴾ اُس دن سے ﴿عَبُوْسًا﴾ جو ترش رو ہوگا ﴿قَمْطَرِيْرًا﴾ بہت زیادہ ترش رو ﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ﴾ پس بچا لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ﴿شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ﴾ اس دن کے شر سے ﴿وَلَقّٰهُمْ﴾ اور دے گا ان کو ﴿نَضْرَةً﴾ تروتازگی ﴿وَّسُرُوْرًا﴾ اور خوشی۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام سورۃ الدھر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں الدھر کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ دھر کا لفظی معنیٰ ہے زمانہ۔ یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ستانوے [۹۷] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ اٹھانوے [۹۸] نمبر پر نازل ہوئی۔ اس کے دو رکوع اور اکتیس [۳۱] آیتیں ہیں۔ ﴿هَلْ﴾ کا لفظ کبھی استفہام کے لیے آتا ہے جس کا معنیٰ ہے کیا۔ اور کبھی تحقیق کے معنیٰ میں آتا ہے ﴿قَدْ﴾ کا معنیٰ دیتا ہے۔ تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ اس مقام پر تحقیق کے معنیٰ میں ہے جو قَدْ کا معنیٰ ہے جب کہ ماضی پر داخل ہو۔

انسان کی حیثیت

﴿هَلْ اَتٰى﴾ تحقیق آیا ہے ﴿عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ انسان پر ﴿حِيْنٌ﴾ ایک وقت ﴿مِّنَ الدَّهْرِ﴾ زمانے میں سے ﴿لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾ نہیں تھا وہ شے قابلِ ذکر۔ پیدائش سے پہلے انسان کا کیا وجود تھا؟ اس کا کیا نام تھا؟ معدوم تھا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا۔ ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ نطفے سے ﴿اَمْشَاجٍ﴾ مَشِيْج کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے ملا جلا۔ مرد اور عورت کا نطفہ رحم میں یہ دونوں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ عرصہ تو اسی شکل میں رہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کا لوتھڑا بناتا ہے۔ پھر اس لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیتا ہے پھر اس کی ہڈیاں بنا دیتا ہے پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے۔ اب انسانی ڈھانچا بن گیا مرد کا یا عورت کا جو رب تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔ پھر رب تعالیٰ اس میں روح پھونک دیتا ہے۔ روح داخل ہونے کے بعد کم وبیش پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ کیا تھا، کیا بن گیا۔

تو فرمایا بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ملے جلے ہوئے نطفے سے ﴿نَّبْتَلِيْهِ﴾ ہم اس کو پلٹتے رہتے ہیں۔ پھر نطفہ، پھر لوتھڑا، پھر ہڈیاں، پھر اس پر گوشت چڑھانا، پھر اس میں روح ڈالتے ہیں اور وہ ماں کے پیٹ میں نقل وحرکت کرتا ہے ﴿فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾ پس بنا دیا اس کو ہم نے سننے والا دیکھنے والا۔ سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے وجود سے زیادہ کوئی شے عجیب نہیں ہے۔ کیا تھا اور کیا بن گیا۔ مگر چونکہ روزمرہ بچے ہوتے ہیں اور جو چیز یا عادت روزمرہ ہو اس میں تعجب نہیں رہتا۔ ورنہ کیا قطرۂ حقیر اور کیا اچھا بھلا انسان۔ ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ﴾ بے شک ہم نے اس کی راہنمائی کی راستے کی۔ حق کا راستہ بتلایا، عقل، سمجھ دی، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں۔ آخری کتاب قرآن کریم ہے اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بعد اب قیامت تک دنیا کے کسی خطے میں نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کو باقی رکھنا، قرآن کو باقی رکھنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے۔ اسلام آج تک اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور قیامت

تک رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْل "میری امت کے علماء، ڈیوٹی دیں گے جو انبیائے بنی اسرائیل دیتے تھے۔" اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کی ڈیوٹی دی۔ اب چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اس لیے پیغمبرانہ ڈیوٹی علماء دیں گے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر، حق کی تائید، باطل کی تردید، یہ علماء کا شیوہ ہے۔

تو فرمایا ہم نے اس کی راہنمائی کی راستے کی ﴿اِمَّا شَاكِرًا﴾ یا تو شکر ادا کرے گا ﴿وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ اور یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا اختیار دیا ہے کہ ایمان لائے یا کفر اختیار کرے۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرے یا ناشکری کرے، نافرمانی کرے۔ اگر نافرمانی کرے گا تو ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟﴾ سَلَاسِل سِلْسِلَةٌ کی جمع ہے۔ سِلْسِلَة کا معنیٰ ہے زنجیر۔ معنیٰ ہوگا بے شک ہم نے تیار کی ہیں کافروں کے لیے زنجیریں۔ زنجیریں پاؤں میں ڈالی جائیں تو ان کو بیڑیاں کہتے ہیں جو سنگلیں مجرموں کو ڈالتے ہیں۔ ہاتھوں میں ڈالی جائیں تو ان کو ہتھکڑیاں کہتے ہیں ﴿وَاَغْلٰلًا﴾ اغلال غُلٌّ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے طوق، جو گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ مجرم کو فرشتوں نے پکڑا ہوگا، ہاتھ پاؤں جکڑے ہوں گے، گلے میں طوق پڑا ہوگا اور دوزخ میں جلتا رہے گا ﴿وَّسَعِيْرًا﴾ اور شعلہ مارنے والی آگ تیار کر رکھی ہے جو دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ اور دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، پتھر راکھ ہو جاتا ہے۔ اُس آگ کا کیا حساب ہوگا۔ یہ تو مجرموں کا ذکر تھا آگے نیکوں کا بھی سن لو۔

نیکوں کا ذکر

فرمایا ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ﴾ اَبْرَار کا مفرد بَرٌّ بھی آتا ہے اور بَارٌّ بھی آتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے نیکوکار۔ معنیٰ ہوگا بے شک نیک لوگ ﴿يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ﴾ پئیں گے پیالے سے بھرا ہوا پیالہ ﴿كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾ جس کی ملاوٹ کافور سے ہوگی ﴿عَيْنًا﴾ وہ چشمہ ہے ﴿يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ پئیں گے اس سے اللہ تعالیٰ کے بندے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس کافور کے چشمے کا پانی پئیں گے۔ اور جو عام جنتی ہوں گے ان کو جو پانی پلایا جائے گا یا شراب پلائی جائے گی اس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ جیسے شربتوں میں بعض عرق کیوڑہ ڈال دیتے ہیں۔ اس سے شربت کا ذائقہ عجیب قسم کا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے جو خاص بندے ہوں گے وہ کافور چشمے کا پانی پئیں گے ﴿يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴾ وہ اس کو چلائیں گے چلانا۔ جہاں ان کا دل کرے گا اس کو بہا کر وہاں لے جائیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ سونے کی لاٹھی ان کے ہاتھ میں ہوگی پانی کے بند موتیوں کے بنے ہوئے ہوں گے۔ جہاں کوئی پانی کو لے جانا چاہے گا لاٹھی سے اشارہ کرتا جائے گا خود ہی موتیوں کے بند اور کنارے بنتے جائیں گے اور ساتھ ساتھ پانی چلتا جائے گا۔ اور جنت کا پانی سطح زمین پر ہوگا دنیاوی نہروں کی طرح زمین کے اندر نہیں ہوگا۔ دودھ کی نہریں ہوں گی، شہد کی نہریں ہوں گی، میٹھے پانی کی نہریں ہوں گی۔

نیک بندوں کی خوبیوں کا ذکر

آگے اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی کچھ خوبیاں بتائی ہیں۔فرمایا ﴿یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ پوری کرتے ہیں وہ نذریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نذر اچھی چیز نہیں ہے لیکن اگر کسی نے مانی ہے اور اس کا کام ہو گیا ہے تو اب اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔نذر اچھی چیز کیوں نہیں ہے؟ ایک تو اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا کرنا ہے کہ رب میرا یہ کام کرے تو میں یہ کام کروں گا۔مثلاً: کہتا ہے کہ پروردگار اس کو شفا دے دے میں دیگ پکا کر غریبوں کو کھلاؤں گا۔مقدمے میں بری ہو گیا تو اتنی چیز آپ کے راستے میں دوں گا۔تو بظاہر یہ ایک سودا ہے۔اس لیے شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔اور بخاری شریف میں روایت ہے لَا یَأْتِیْ نَذْرٌ ابْنَ اٰدَمَ بِشَیْءٍ "نذر ابن آدم کے لیے کچھ نہیں لاتی۔" نذر کے ذریعے بندے کا کام نہیں بنتا کرنے والا رب ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے دیگ دی ہے، بکرا دیا ہے تب میرا کام ہوا ہے۔اس لیے شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔

نذر اور منت کے مال میں سے والدین، اولاد نہیں کھا سکتے، سید نہیں کھا سکتا، صاحب حیثیت اور ان کے بچے نہیں کھا سکتے، کافر نہیں کھا سکتا۔حتیٰ کہ نذر ماننے والا نمک بھی نہیں چکھ سکتا۔ہاں چکھ کر تھوک دے۔ایک بڑی بے احتیاطی یہ ہوتی ہے کہ محلے کے بچوں کو اکٹھا کر کے کھلا دیتے ہیں۔اس طرح نذر پوری نہیں ہوتی۔نذر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔تو فرمایا وہ پورا کرتے ہیں نذر کو ﴿وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا﴾ اور ڈرتے ہیں اُس دن سے ﴿کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا﴾ جس کی بُرائی پھیلی ہوئی ہے، بکھری ہوئی ہے۔دیکھو! آج کل گرمی کا موسم ہے۔بعض علاقوں میں گرمی زیادہ ہے بعض میں کم ہے اور بعض علاقوں میں سردی ہے۔اسی طرح سردی کے زمانے میں بعض علاقوں میں سردی زیادہ ہوتی ہے بعض میں کم ہوتی ہے۔سب علاقوں میں برابر نہیں ہے۔لیکن اُس دن کی تکلیف سارے جسم میں برابر ہوگی۔کوئی جگہ کوئی کونہ خالی نہیں ہوگا۔تو اللہ تعالیٰ کے بندے اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی بُرائی پھیلی ہوئی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی تیسری خوبی: ﴿وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ﴾ اور کھلاتے ہیں کھانا اُس کی محبت پر۔کس کی محبت پر؟ بعض حضرات فرماتے ہیں ہٖ ضمیر لفظ اللہ کی طرف جا رہی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت پر کھانا کھلاتے ہیں۔اور دوسرا یہ کہ ہٖ ضمیر طعام کی طرف لوٹ رہی ہے۔پھر معنیٰ ہوگا کھانا کھلاتے ہیں کھانے کی محبت پر یعنی کھانے کے ساتھ محبت کے باوجود دوسروں کو کھلاتے ہیں۔کن کو کھلاتے ہیں؟ ﴿مِسْکِیْنًا﴾ مسکین کو۔مسکین اُسے کہتے ہیں جو صاحب نصاب نہ ہو۔ایسے شخص کو زکوٰۃ بھی لگتی ہے، عشر بھی لگتا ہے، فطرانہ بھی لگتا ہے، قسم کا کفارہ اور نذر، منت کا مال بھی لگتا ہے۔اور یہ مسئلہ بھی تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ جس کے گھر میں ضرورت سے زاید سامان اتنا ہے کہ اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جائے تو وہ مسکین نہیں ہے۔زاید سامان سے مراد وہ سامان ہے کہ جو عموماً استعمال میں نہیں آتا کبھی کبھی آتا ہے۔مہمان آجائے تو وہ چاہے برتن

ہیں، پلیٹیں ہیں، چارپائیاں ہیں، لحاف اور رضائیاں ہیں۔ اگر اتنی مالیت کا زاید سامان کسی کے گھر میں پڑا ہے تو وہ زکوٰۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ نہیں لے سکتا۔ بعض دفعہ لوگ یتیم بچوں کو زکوٰۃ دے دیتے ہیں۔ حالانکہ ترکے میں سے ان کے حصے میں اتنا مال آجاتا ہے کہ مسکین نہیں رہتے۔ اسی طرح بچیوں کی شادیوں کے موقع پر جہیز میں چیزیں دے دیتے ہیں۔ مگر اس کی تفصیل سن لو۔ بالغ لڑکی کو تم جہیز میں زکوٰۃ دے سکتے ہو بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں زکوٰۃ دے رہا ہوں۔ لیکن مسئلہ نہ بھولنا اگر تم نے کسی لڑکی کو اتنی چیز دے دی کہ اس کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے بعد جو دوسرے اور تیسرے نمبر پر دے گا اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیوں کہ وہ صاحبِ نصاب بن گئی ہے۔ محض یتیم اور بیوہ سمجھ کر نہ دے دینا۔ اگر اس طرح کرو گے تو ذمہ تمھارے سر سے نہیں اُترے گا۔

﴿وَّیَتِیۡمًا﴾ اور یتیم کو کھلاتے ہیں جس کا باپ دادا نہ رہے اور ہو بھی نابالغ ﴿وَّاَسِیۡرًا﴾ اور قیدی کو کھلاتے ہیں چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، مجرم ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ وہ اس حالت میں بے بس ہے، ثواب ملے گا۔ اور کھانا کھلانے والے کہتے ہیں ﴿اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ﴾ بے شک ہم تم کو کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً﴾ نہیں ارادہ کرتے ہم تم سے کسی بدلے کا ﴿وَّلَا شُکُوۡرًا﴾ اور نہ شکریے کا ﴿اِنَّا نَخَافُ﴾ بے شک ہم ڈرتے ہیں ﴿مِنۡ رَّبِّنَا﴾ اپنے رب سے ﴿یَوۡمًا﴾ اُس دن ﴿عَبُوۡسًا﴾ جو ترش رو ہوگا۔ دن کو آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس وقت آدمی غصے میں ہوتا ہے اس کا چہرہ بگڑا ہوا ہوتا ہے، ماڈل اور نمونہ بنا ہوتا ہے ﴿قَمۡطَرِیۡرًا﴾ قمطریر کا معنیٰ بہت زیادہ بگڑا ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کی وجہ سے ان پر مہربان ہوگا ﴿فَوَقٰہُمُ اللّٰہُ﴾ پس بچا لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ﴿شَرَّ ذٰلِکَ الۡیَوۡمِ﴾ اس دن کی تکلیف سے اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں انھوں نے زندگی گزاری ﴿وَلَقّٰہُمۡ نَضۡرَۃً وَّسُرُوۡرًا﴾ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کرتے ہیں نَضۡرَۃً فِی الۡوَجۡہِ وَسُرُوۡرًا فِی الۡقَلۡبِ اور دے گا ان کو اللہ تعالیٰ تر و تازگی چہروں میں اور خوشی دل میں۔ ان کے چہرے ہشاش بشاش اور بارونق ہوں گے۔ دیکھنے والا بڑا خوش ہوگا اور ان کے دلوں میں خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوزخ سے بچا لیا۔

مجرم اُس دن نہایت تکلیف میں ہوں گے۔ ہتھکڑیاں لگی ہوں گی، بیڑیاں پہنی ہوں گی، گلوں میں طوق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین]

﴿وَجَزٰىہُمۡ﴾ اور بدلہ دے گا ان کو ﴿بِمَا صَبَرُوۡا﴾ اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا ﴿جَنَّۃً﴾ جنت کا ﴿وَّحَرِیۡرًا﴾ اور ریشمی لباس ﴿مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا﴾ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے جنت میں ﴿عَلَی الۡاَرَآئِکِ﴾ کرسیوں پر ﴿لَا یَرَوۡنَ فِیۡہَا﴾ نہیں دیکھیں گے جنت میں ﴿شَمۡسًا﴾ سورج کو ﴿وَّلَا زَمۡہَرِیۡرًا﴾ اور نہ ٹھنڈک کو ﴿وَدَانِیَۃً عَلَیۡہِمۡ﴾ اور جھکے ہوئے ہوں گے ان پر ﴿ظِلٰلُہَا﴾ سائے اُن کے ﴿وَذُلِّلَتۡ﴾ اور پست کر دیئے جائیں گے۔

﴿قُطُوفُهَا﴾ جنت کے پھل ﴿تَذْلِيلًا﴾ پست کر دیئے جانا﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ﴾ اور پھیرے جائیں گے ان کے سامنے ﴿بِاٰنِيَةٍ﴾ برتن ﴿مِّنْ فِضَّةٍ﴾ چاندی کے ﴿وَّاَكْوَابٍ﴾ اور گلاس ﴿كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠﴾ ہوں گے وہ شیشے کے ﴿قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ﴾ اور شیشہ چاندی کا ہوگا ﴿قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا﴾ اندازہ لگائیں اس کا وہ اندازہ لگانا ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا﴾ اور پلائے جائیں گے ان جنتوں میں ﴿كَاْسًا﴾ ایسے پیالے ﴿كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا﴾ جن میں ملاوٹ ہوگی زنجبیل کی ﴿عَيْنًا﴾ وہ چشمہ ہے ﴿فِيْهَا﴾ جنت میں ﴿تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا﴾ جس کا نام رکھا گیا سلسبیل ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ﴾ اور پھریں گے ان کے پاس ﴿وِلْدَانٌ﴾ بچے ﴿مُّخَلَّدُوْنَ﴾ ہمیشہ رکھے ہوئے ﴿اِذَا رَاَيْتَهُمْ﴾ جب دیکھے گا تو ان کو ﴿حَسِبْتَهُمْ﴾ تو خیال کرے گا ان کو ﴿لُؤْلُؤًا﴾ موتی ﴿مَّنْثُوْرًا﴾ بکھرے ہوئے ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ﴾ اور جب دیکھے تو ﴿ثَمَّ رَاَيْتَ﴾ وہاں دیکھے گا ﴿نَعِيْمًا﴾ نعمتیں ﴿وَّمُلْكًا كَبِيْرًا﴾ اور ملک بہت بڑا ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ﴾ ان پر کپڑے باریک ریشم کے ﴿خُضْرٌ﴾ سبز رنگ کے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٌ﴾ اور موٹے ریشم کے ﴿وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ﴾ اور پہنائے جائیں گے ان کو کنگن ﴿مِنْ فِضَّةٍ﴾ چاندی کے ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ اور پلائے گا ان کو ان کا رب ﴿شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ شراب طہور سے ﴿اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ﴾ بے شک ہے یہ تمھارے لیے ﴿جَزَآءً﴾ بدلہ ﴿وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ اور تمھاری محنت کی قدر کی گئی ہے۔

نیک بندوں کے بدلے کا ذکر

اس سے پہلے سبق میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خوبیوں کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو پورا کرتے ہیں نذر کو اور اس دن کی بُرائی سے ڈرتے ہیں جس کی بُرائی بکھری ہوئی ہے۔ اور کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو، یتیم کو، قیدی کو۔ اب ان کے بدلے کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا﴾ اور بدلہ دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا۔ حق کہنے پر جو تکلیفیں آئیں۔ کس چیز کا بدلہ دے گا؟ ﴿جَنَّةً﴾ جنت کا بدلہ دے گا ان کے صبر کے بدلے میں ﴿وَّحَرِيْرًا﴾ اور ریشمی لباس دے گا۔ دنیا میں مردوں کے لیے ریشمی لباس حرام ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ مبارک میں سونے کا ٹکڑا پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں ریشمی کپڑے کا ٹکڑا لیا اور اس طرح ہاتھ آگے بڑھائے اور فرمایا دیکھتے ہو میرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اور بائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! ایک ہاتھ میں ریشمی کپڑا ہے اور دوسرے ہاتھ میں سونا لگتا ہے۔ فرمایا واقعی ایسا ہے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ وَاَحَلَّهُمَا عَلٰى اُنَاثِ اُمَّتِيْ " اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں

میری اُمت کے مردوں کے لیے حرام فرمائی ہیں اور میری اُمت کی عورتوں کے لیے حلال فرمائی ہیں۔" لیکن ریشم سے مراد وہ ریشم ہے جو کیڑے سے بنتا ہے اصلی ریشم، مصنوعی ریشم نہیں۔ مصنوعی ریشم مرد بھی پہن سکتے ہیں۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا جنت کا اور ریشمی لباس کا۔﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ﴾ اَرَائِك اَرِيْكَة کی جمع ہے۔ اریکہ کا معنیٰ ہے آرام دہ کرسی۔ تو معنیٰ ہوگا ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے جنت میں آرام دہ کرسیوں پر۔ اور جس طرف کا ارادہ کریں گے کرسی اُسی طرف گھوم جائے گی گھمانے اور پھیرنے کی بھی تکلیف نہیں ہوگی ﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا﴾ نہیں دیکھیں گے جنت میں سورج کو ﴿وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ اور نہ ٹھنڈک کو۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کی دو تفسیریں کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں سورج اور چاند بالکل نہیں ہوگا روشنی ہوگی۔ جیسے: سورج کے طلوع سے پہلے ہوتی ہے۔ یہ حضرات ظاہری الفاظ سے استدلال کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں سورج بھی ہوگا، چاند بھی ہوگا لیکن سورج کی گرمی اور تپش نہیں ہوگی۔ یہ حضرات استدلال کرتے ہیں ﴿وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ سے کہ جنت میں ٹھنڈک نہیں ہوگی۔ تو ٹھنڈک کا تقابل گرمی سے ہوتا ہے۔ انتہائی گرمی سے بھی آدمی اُکتا جاتا ہے اور انتہائی سردی سے بھی آدمی اُکتا جاتا ہے۔ تو جنت میں نہ گرمی ہوگی اور نہ ٹھنڈک ہوگی۔

﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ﴾ اور جھکے ہوئے ہوں گے اُن پر ﴿ظِلٰلُهَا﴾ سائے جنت کے درختوں کے۔ ایک ایک درخت کا سایہ اتنا لمبا ہوگا کہ گھوڑا سو سال تک دوڑتا رہے تو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس درخت کا نام طوبیٰ ہے۔ ﴿وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا﴾ قُطُوْف جمع ہے قَطْفٌ کی۔ قَطف اُس پھل کو کہتے ہیں جو بالکل پکا ہوا ہو۔ معنیٰ ہوگا اور پست کر دیئے جائیں گے، نیچے کر دیئے جائیں گے ان پر جنت کے پھل قریب کر دیئے جانا۔ اگر کوئی بیٹھا ہے تو پھل کھانے کے لیے کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور کھڑا ہے تو درخت پر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر لیٹا ہوا ہے تو اُٹھ کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود بخود ٹہنیاں جھک کر سامنے آجائیں گی۔ اور جب یہ دانہ توڑے گا فوراً وہاں اس سے اچھا اور بڑا دانہ لگ جائے گا ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝۳۳﴾ [سورۃ الواقعہ] "نہ وہ قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے۔" کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ دنیا میں کسی کے باغ سے بغیر اجازت کے پھل توڑ و تو خوب مرمت ہوتی ہے۔ پھر دنیا میں موسم میں پھل ہوتا ہے موسم کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ جنت کے پھل دائمی ہیں ہر وقت موجود ہوں گے۔

﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ﴾ اٰنِيَةٌ اِنَاءٌ کی جمع ہے۔ اناء کے معنیٰ ہیں برتن۔ اور پھیرے جائیں گے جنتیوں کے سامنے برتن ﴿مِّنْ فِضَّةٍ﴾ چاندی کے۔ اس مقام پر چاندی کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر سونے کا ذکر ہے ﴿وَّاَكْوَابٍ﴾ اَكْوَاب كُوْبٌ کی جمع ہے۔ کوب ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہ ہو جیسے پیالہ ہوتا ہے یا گلاس ہے۔ اور قرآن کریم میں اَبَارِيْقَ کا لفظ بھی آیا ہے، ابریق کا لفظ بھی آیا ہے۔ ابریق اباریق ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کے پیچھے دستہ لگا ہوا ہو۔ جیسے: جگ ہے، چینک ہے۔ تو جنت میں ہر طرح کے برتن ہوں گے دستوں والے بھی اور بغیر دستوں کے بھی گلاس پیالے ہوں گے ﴿كَانَتْ قَوَارِيْرَا﴾ ہوں گے شیشے کے۔ قَوَارِيْر قَارُوْرَةٌ کی جمع ہے۔ قارورۃ کا معنیٰ ہے شیشہ۔ ﴿قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ﴾ شیشہ

چاندی کا ہوگا۔ مادہ ومیٹریل چاندی کا ہوگا اور صفائی میں شیشے کی طرح ہوگی۔ دنیا میں کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے کہ چاندی کا برتن ہو اور اندر کی چیزیں باہر سے نظر آئیں۔ لیکن جنت کے چاندی کے برتنوں کی صفائی ایسی ہوگی کہ اندر کی چیزیں باہر بالکل صاف نظر آئیں گی ﴿قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا﴾ اندازہ لگائیں گے وہ اس کا اندازہ لگانا یعنی اندازے سے بھریں گے۔ حوریں اور بچے ان برتنوں میں جو لائیں گے ایسے اندازے سے ڈال کر لائیں گے جنتی کسی کو بھوک پیاس ہوگی۔ نہ پانی زیادہ ہوگا نہ کم۔ پلانے والوں کو ایسا تجربہ ہوگا کہ وہ ان کی خواہش کے مطابق پورا پورا لائیں گے۔

﴿وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا﴾ اور وہ پلائے جائیں گے جنت میں ﴿كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا﴾ ایسے پیالے جن میں ملاوٹ ہوگی زنجبیل کی۔ ﴿كَأْسًا﴾ عربی میں بھرے ہوئے پیالے کو کہتے ہیں۔ خالی پیالے کو زجاجہ کہتے ہیں۔ زنجبیل سُنڈھ کو کہتے ہیں۔ یہ ہاضم ہوتی ہے۔ لیکن جنت کی زنجبیل ﴿عَيْنًا فِيْهَا﴾ وہ چشمہ ہے جنت میں ﴿تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا﴾ اس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے۔ اس چشمے کا نام سلسبیل ہے۔ جنتی کھانے کے بعد زنجبیل اور سلسبیل کا تھوڑا سا پانی پئیں گے کھانا ہضم ہو جائے گا۔ حالانکہ ایک ایک جنتی سو سو آدمی کے برابر کھائے گا۔ پھر بڑی عجیب بات یہ ہے کہ لَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ "نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ۔" بخاری شریف کی روایت ہے۔ اور نہ ناک سے بلغم آئے گا۔ پوچھا گیا حضرت! اتنا کھانا کھائیں گے جائے گا کہاں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتیوں کے بدن سے پسینا نکلے گا جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ اس پسینے کے ساتھ کھانا بھی ہضم ہو جائے گا۔ جنتی کو ڈکار آئے گا اس کی خوشبو بھی کستوری جیسی ہوگی۔ ڈکار کے ساتھ کھانا ہضم ہو جائے گا۔

جنتی بچوں کے متعلق مختلف تفسیریں

﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ اور پھریں گے ان کے پاس بچے ہمیشہ رکھے ہوئے۔ وہ بچے ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بچے کون ہوں گے؟ اس کے متعلق تین تفسیریں مفسرین سے منقول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جنت کی مخلوق ہیں۔ جیسے: حوریں جنت کی مخلوق ہیں۔ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں یہ غلطی کی ہے کہ اس نے کہا ہے جنت کی حوریں کافروں کی نابالغ لڑکیاں ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ یہ اُنھوں نے سورۃ صف کی تفسیر میں لکھا پہلے ایڈیشن میں۔ علماء نے مودودی کا تعاقب بلاوجہ نہیں کیا اس نے بڑی غلطیاں کی ہیں۔ میرا رسالہ ہے "مودودی صاحب کے چند غلط فتوے۔" اس میں مَیں نے باحوالہ ذکر کیا ہے کہ حوریں خاکی مخلوق نہیں ہیں۔ احادیث میں آتا ہے وہ کافور، زعفران اور عنبر سے پیدا کی گئیں ہیں، کستوری سے پیدا کی گئی ہیں۔

پھر کسی نے مودودی صاحب سے سوال کیا کہ سلف صالحین تو کہتے ہیں کہ وہ جنت کی مخلوق ہے۔ تو "ایشیا" رسالہ نکلتا تھا۔ اس میں مودودی صاحب کا بیان چھپا تھا کہ سلف کا بھی ایک قیاس تھا اور میرا بھی ایک قیاس ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ سلف صالحین کا قیاس نہیں ہے اُنھوں نے احادیث کے مطابق لکھا ہے۔ اور یہ سب صحابہ کرام، تابعین، تبع

تابعین اور سلف صالحین کے مقابلے میں کمر ٹھونک کے کھڑا ہے۔

لہٰذا یاد رکھنا! حوریں خا کی مخلوق نہیں ہیں۔ وہ کستوری، عنبر، زعفران سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی طرح وہاں جو بچے ہوں گے وہ بھی وہاں کی مخلوق ہیں حوروں کی طرح۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اپنے جو بچے چھوٹی عمر میں فوت ہوئے ہیں مثال کے طور پر میرے تین بچے فوت ہوئے ہیں۔ اسی طرح دوسروں کے بھی فوت ہوئے ہیں۔ یہ وہاں خدمت پر ہوں گے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت! مشرکوں کے جو چھوٹے بچے مرتے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خَدَمَةُ اَهْلِ الْجَنَّة "یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے۔" کیوں کہ مکلف نہیں ہوتے اور غیر مکلف کو رب تعالیٰ سزا نہیں دیتے۔

تو فرمایا پھریں گے ان کے پاس بچے جو ہمیشہ رہیں گے ﴿اِذَا رَاَيْتَهُمْ﴾ جب دیکھے تو اے مخاطب ان کو ﴿حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا﴾ تو خیال کرے گا ان کے بارے میں موتی بکھرے ہوئے۔ کوئی اِدھر بھاگا جا رہا ہے، کوئی اُدھر بھاگا جا رہا ہے ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ﴾ اور جب دیکھے گا تو ﴿ثَمَّ رَاَيْتَ﴾ وہاں جنت میں دیکھے گا ﴿نَعِيْمًا﴾ نعمتیں ہی نعمتیں ﴿وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا﴾ اور ملک بہت بڑا۔ ایک ایک آدمی کو دنیا کے برابر رقبہ ملے گا۔ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ بندہ کیا کرے گا مگر حق ہے۔ ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ﴾ سُنْدُس سُنْدَسَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے باریک ریشم۔ ان پر کپڑے ہوں گے باریک ریشم کے خُضْرٌ ، خَضْرَاء کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سبز رنگ کا باریک ریشم۔ سبز رنگ کے ریشمی کپڑے ہوں گے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٌ﴾ اِسْتَبْرَقَةٌ کی جمع ہے، گاڑھا ریشم موٹا۔ اور موٹے ریشم کے کپڑے ہوں گے۔ انسانوں کے مزاج مختلف ہیں۔ مثلاً: گرمی کے زمانے میں بعض لوگ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور بعض گرمی میں بھی موٹے کپڑے پہنتے ہیں کہ لو نہ لگے۔ وہاں بھی مزاج کے مطابق جو باریک ریشم پہننا چاہیں گے وہ باریک پہنیں گے اور جو موٹا ریشم پہننا چاہیں گے وہ موٹا پہنیں گے۔ سبز اس لیے فرمایا کہ عرب کا علاقہ خشک تھا وہ سبزہ دیکھ کر بڑے خوش ہوتے تھے۔ ورنہ جو چاہیں گے ملے گا ﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ﴾ "جنتیوں کے لیے جنت میں ہوگا جو وہ چاہیں گے۔"

﴿وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ﴾ اَسَاوِرَ اُسْوِرَة کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کنگن۔ ﴿مِنْ فِضَّةٍ﴾ اور پہنائے جائیں گے ان کو کنگن چاندی کے۔ اور سورۃ فاطر آیت نمبر ۳۳ میں سونے کا ذکر ہے ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ "سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اس میں۔" اور یہ مسئلہ یاد رکھنا! لوہا مرد کے لیے پہننا مکروہ ہے حرام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں لوہے کا چین دیکھا تو فرمایا حلية اَهْلِ النَّار "یہ تو جہنمیوں کو ہتھکڑیاں پہنائی جائیں گی نہ پہنو۔" چین چمڑے کا ہو تو کوئی ڈر نہیں، ریکسین کا ہو تو اس کا بھی کوئی ڈر نہیں۔

تو فرمایا پہنائے جائیں گے ان کو کنگن چاندی کے ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ اور پلائے گا ان کو ان کا رب ﴿شَرَابًا طَهُوْرًا﴾

ایک پانی جو پاکیزہ ہوگا یا ایسی چیزیں پلائے گا جو پاکیزہ ہوں گی۔ وہاں کی شراب میں دنیا کی شراب کی طرح خباثت نہیں ہوگی کہ آدمی کی عقل اُڑ جائے اور بدحواس ہوکر بکواس کرتا پھرے۔ لذت ہوگی، بدنی قوت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ ھٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً﴾ بے شک ہے یہ تمھارے لیے بدلہ۔ اے نیکیاں کرنے والو یہ تمھارا بدلہ ہے ﴿وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ اور تمھاری محنت کی قدر کی گئی ہے جو تم نے دین کے لیے کی ہے، آخرت کے لیے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو نصیب فرمائے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا﴾ بے شک ہم نے اُتارا ﴿عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ آپ پر قرآن ﴿تَنْزِيْلًا﴾ تھوڑا تھوڑا کر کے ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ پس آپ صبر کریں اپنے رب کے حکم کے لیے ﴿وَلَا تُطِعْ﴾ اور نہ اطاعت کریں ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿اٰثِمًا﴾ کسی گنہگار کی ﴿اَوْ كَفُوْرًا﴾ یا ناشکرے کی ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اور ذکر کر اپنے رب کے نام کا ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور پچھلے پہر ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کو ﴿فَاسْجُدْ لَهٗ﴾ سجدہ کریں اس کے سامنے ﴿وَسَبِّحْهُ﴾ اور تسبیح بیان کر اس کی ﴿لَيْلًا طَوِيْلًا﴾ لمبی رات ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ لوگ ﴿يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ﴾ پسند کرتے ہیں ختم ہونے والی زندگی کو ﴿وَيَذَرُوْنَ﴾ اور چھوڑتے ہیں ﴿وَرَآءَهُمْ﴾ اپنے آگے ﴿يَوْمًا ثَقِيْلًا﴾ اس دن کو جو بھاری ہے ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ﴾ ہم نے ہی پیدا کیا ہے ان کو ﴿وَشَدَدْنَآ﴾ اور مضبوط کیے ہم نے ﴿اَسْرَهُمْ﴾ ان کے جوڑ ﴿وَاِذَا شِئْنَا﴾ اور جس وقت ہم چاہیں گے ﴿بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ﴾ ہم بدل دیں گے ان جیسے ﴿تَبْدِيْلًا﴾ بدل دینا ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ﴾ بے شک یہ آیات نصیحت ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ﴾ پس جو چاہے ﴿اتَّخَذَ﴾ بنالے ﴿اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ اپنے رب کی طرف راستہ ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ﴾ اور تم نہیں چاہ سکتے ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ہے جاننے والا حکمت والا ﴿يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت میں ﴿وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ﴾ اور ظالموں کے لیے تیار کر رکھا ہے اس نے ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ عذاب دردناک۔

اس سورت کی ابتدا میں تھا کہ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا اور سمیعًا بصیرًا بنایا۔ اور سیدھے راستے کی راہنمائی کی۔ اب اس کی مرضی ہے کہ شکر گزار بندہ بنے یا ناشکری کرے۔ سیدھے راستے کی راہنمائی کس طرح کی ہے؟ اب اس کا ذکر ہے۔

نزولِ قرآن

فرمایا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ بے شک ہم نے نازل کیا آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے ﴿تَنْزِيْلًا﴾ تھوڑا

تھوڑا کر کے اتارنا۔ نَزَّلَ یُنَزِّلُ بابِ تفعیل ہے۔اس کا معنیٰ ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا۔اور بابِ افعال ہو اَنْزَلَ یُنْزِلُ تو اس کا معنیٰ ہے اکٹھا اُتارنا۔ ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [سورۃ القدر، پارہ ۳۰] "بے شک ہم نے اس کو اکٹھا اتارا لیلۃ القدر میں۔" آسمانِ دنیا پر ایک مقام ہے بیت العزت، اور بیت العظمت بھی اُسے کہتے ہیں۔لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر بیت العزت یا بیت العظمت کے مقام پر سارے کا سارا قرآن لیلۃ القدر کی رات کو اکٹھا اُتارا گیا۔پھر وہاں سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی پر تیئس سالوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا۔تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اترتا رہا اور دس سال مدینہ طیبہ میں۔سب سے پہلے اقراء کی پہلی پانچ آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔سب سے آخری آیت ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [المائدہ:۳] ہجرت کے دسویں سال نویں ذوالحجہ کو عرفات کے مقام پر جمعہ والے دن عصر کے وقت نازل ہوئی۔اس کے بعد قرآن کریم کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوا۔

تو ہدایت کا انتظام اس طرح کیا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا کہ پہلے پر عمل کر لیں۔پھر اور نازل کیا پھر اس پر عمل کر لیں۔پھر اور نازل کیا کیوں کہ دفعۃً یعنی ایک ہی دفعہ سارے احکام نازل کر دیئے جاتے تو آزاد قسم کے لوگ کہتے کہ ہم سے عمل نہیں ہوسکتا۔مکی سورتوں میں ذہن سازی کی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاؤ جیسے وہ چاہتا ہے۔رسالت پر ایمان لاؤ، قیامت پر ایمان لاؤ، آخرت پر ایمان لاؤ، قرآن پر ایمان لاؤ۔جب ذہن پختہ ہو گیا پھر کوئی حکم ان کے لیے ماننا مشکل نہ رہا۔

تلقین صبر

تو فرمایا بے شک ہم نے قرآن نازل کیا آپ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ پس آپ صبر کریں اپنے رب کے حکم پر ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ اور نہ اطاعت کریں ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی۔

مکہ مکرمہ میں قریش خاندان کے دو آدمی تھے۔ایک کا نام ولید بن مغیرہ تھا۔مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فاتح شام کے والد۔مکہ مکرمہ میں اس سے زیادہ مال دار آدمی کوئی نہیں تھا۔اور دوسرا عتبہ بن ربیعہ تھا۔یہ بدر میں قتل ہوا تھا۔یہ مالی لحاظ سے اتنا طاقتور نہیں تھا لیکن اس کی لڑکیاں بڑی خوب صورت تھیں۔ان دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم جا کر محمد ﷺ کے سامنے پیش کش کرتے ہیں اور اس کو جا کر سمجھاتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے اس علاقے میں بہت اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔باپ بیٹے کا مخالف ہے، بھائی بھائی کا مخالف ہے، خاوند بیوی کے درمیان جھگڑا ہے۔اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے پیش کش کرتے ہیں۔چنانچہ دونوں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور گفتگو کی۔ولید بن مغیرہ نے کہا کہ آپ نے جو تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے اس کو چھوڑ دیں میں آپ کو اتنا مال دوں گا کہ آپ کی کئی نسلوں سے ختم نہیں ہوگا۔عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ آپ کے علم میں ہے کہ میری جوان سال خوب صورت لڑکیاں ہیں۔آپ جس لڑکی کی طرف اشارہ کریں گے میں بغیر حق مہر کے آپ کے نکاح میں دے دوں گا مگر لا الٰہ الا اللہ کی رٹ چھوڑ دو۔ظاہری طور پر تو اس کی بڑی قربانی تھی کہ قریش خاندان کا مانا ہوا آدمی خود بخود لڑکی کا

رشتہ پیش کرے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تمھاری پیش کش کی قدر کرتا ہوں تمھاری بڑی قربانی ہے مگر میں تبلیغ مال کے لیے تو نہیں کرتا۔ اور میرا وعظ و نصیحت لڑکیاں حاصل کرنے کے لیے تو نہیں ہے۔ میں رب تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اس کا حکم ہے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آخری دم تک یہ کام کرتا رہوں گا۔ کوئی طاقت، کوئی لالچ، کوئی طمع مجھے اس سے روک نہیں سکتا۔

نمازِ پنجگانہ اور ذکر اللہ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ اطاعت کریں ان میں سے کسی گناہ گار کی اور نہ ناشکری کرنے والے کی۔ ان کو بھی سنا دیا، سمجھا دیا یہ ہمارا پیغمبر تمھاری اطاعت بالکل نہیں کرے گا لڑکیاں اپنے پاس رکھو اور اپنا مال سنبھال کر رکھو۔ فرمایا ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ اور آپ ذکر کریں اپنے رب کے نام کا ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ اور پچھلے پہر ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کو۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر کو کہتے ہیں۔ اس میں فجر کی نماز آ گئی۔ اور ﴿وَّاَصِيْلًا﴾ پچھلے پہر کو کہتے ہیں۔ اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں آ گئیں۔ اور ﴿مِنَ الَّيْلِ﴾ رات کے وقت میں مغرب اور عشاء آ گئیں۔ ﴿فَاسْجُدْ لَهٗ﴾ پس آپ سجدہ کریں رب تعالیٰ کے سامنے ان اوقات میں ﴿وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا﴾ اور تسبیح بیان کریں رب کی لمبی رات میں۔ سورۃ قٓ آیت نمبر ۳۹ میں ہے ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ "اور تسبیح بیان کر اپنے رب کی حمد کی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے۔" فجر کے وقت کی تسبیح کا بڑا اثر ہے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے کی تسبیح کا بڑا اثر ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل کلام ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔" یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ چار کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور بخاری شریف کی آخری روایت ہے كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ "دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں زبان پر ہلکے پھلکے ہیں ترازو میں بڑے وزنی ہیں۔" قیامت والے دن ان کو نیکیوں میں تولا جائے گا تو ان کا وزن پہاڑوں سے بھی زیادہ ہوگا۔ وہ دو کلمے یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

اور لا الٰہ الا اللہ کے وزن کا اندازہ اس سے لگائیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی اے پروردگار! مجھے کوئی ایسا ذکر بتلائیں کہ میں اس سے آپ کو یاد کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا يٰمُوْسٰى قُلْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "اے موسیٰ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔" موسیٰ علیہ السلام نے کہا پروردگار! یہ کلمہ تو ساری دنیا پڑھتی ہے میں ایسا ذکر چاہتا ہوں جو میری ذات کے ساتھ خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! اگر سات آسمان اور سات آسمانوں کی مخلوق، ساتھ سورج چاند بھی اور سات زمینیں اور سات زمینوں کی مخلوق، پہاڑ، دریا وغیرہ سارے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے لَمَالَتْ "تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والا پلڑا جھک جائے گا۔" یعنی اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ اسی لیے حدیث

پاک میں آتا ہے اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ "تمام اذکار میں بہترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔" اور حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ "مرتے وقت جس کو یہ کلمات نصیب ہو گئے وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

فرمایا ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ﴾ بے شک یہ لوگ ﴿یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ﴾ پسند کرتے ہیں جلدی ختم ہونے والی کو یعنی دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ دنیا کو دنیا بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ دنیا کا معنیٰ ہے قریب، قریب ختم ہونے والے۔ اور عاجلہ بھی کہتے ہیں، جلد ختم ہونے والی۔ ﴿وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ﴾ اور چھوڑتے ہیں اپنے آگے ﴿یَوْمًا ثَقِیْلًا﴾ ایسے دن کو جو بھاری ہے۔ وہ قیامت کا دن ہے۔ سورۃ الحج آیت نمبر ۲-۱ میں ہے ﴿اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ﴾ "بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے ﴿یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ﴾ جس دن تم دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی ﴿عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾ جس کو وہ دودھ پلاتی ہے ﴿وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾ اور گرا دے گی ہر حمل والی اپنا حمل ﴿وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی﴾ اور تو دیکھے گا لوگوں کو نشے کی حالت میں ﴿وَمَا هُمْ بِسُکٰرٰی﴾ حالانکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے ﴿وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللہِ شَدِیْدٌ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔" وہ دن اتنا سخت ہے۔ اور قیامت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں قیامت نہیں آئے گی۔

منکرینِ قیامت کو جواب

رب تعالیٰ فرماتے ہیں دیکھو ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ﴾ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے ﴿وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾ اور مضبوط کیے ہم نے ان کے جوڑ۔ انگلیوں کے جوڑ دیکھو، کہنیوں کا بند دیکھو، کندھوں اور گھٹنوں کے جوڑ دیکھو کتنے مضبوط ہیں۔ جس رب نے تمھارے یہ بند جوڑ مضبوط بنائے ہیں وہی تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ یا تم اپنی خلقت سے انکار کرو کہ ہم پیدا نہیں ہوئے اور کہو کہ ہمارے بدن میں جوڑ نہیں ہیں۔ اگر انسان کے بدن میں جوڑ بند نہ ہوں تو انسان اُٹھ بیٹھ لیٹ نہ سکے، تختے کا تختہ بنا رہے۔

فرمایا ﴿وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ﴾ اور جب ہم چاہیں گے بدل دیں گے ان جیسوں کو ﴿تَبْدِیْلًا﴾ بدل دینا۔ ہم ان کو پیدا کر سکتے ہیں، جوڑ بند مضبوط کر سکتے ہیں تو قیامت والے دن ان کو بدل کر نہیں لا سکتے۔ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے؟ ہمارے لیے کون سی چیز مشکل ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْکِرَۃٌ﴾ بے شک یہ سورت، یہ آیات نصیحت ہیں۔ یہ تمھیں دعوتِ فکر دیتی ہیں۔ غور کرو آخرت کو نہ بھولو، قبر کو نہ بھولو، موت کو نہ بھولو۔ قیامت کا دن بہت بھاری ہے دنیا کے ساتھ اس طرح نہ چمٹے رہو کہ دنیا ہی دنیا ہے۔ جائز طریقے سے دنیا کماؤ مگر حدود میں رہ کر۔ رب تعالیٰ کو نہ بھولو، نماز کی پابندی کرو، روزے رکھو، حق باطل کی پہچان کرو، حلال حرام کا فرق کرو۔ بے شک یہ سورۃ، یہ آیات نصیحت ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ﴾ پس جو شخص چاہے ﴿اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا﴾ بنا لے اپنے رب کی طرف راستہ ﴿اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ﴾ "بے شک ہم نے اس کو راستے کی راہنمائی کر دی ہے قرآن پاک کے ذریعے۔" اب جس کا جی چاہے راہِ حق پر چلے۔ چلنا اس کا کام ہے۔ ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ﴾ اور تم نہیں چاہ سکتے ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللہُ﴾ مگر یہ کہ رب چاہے۔ بندہ اپنے فعل میں کلیۃً مختار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ارادہ کا اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ

﴿مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جو چاہے ایمان لائے اپنی مرضی سے اور جو چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے۔" قوت، طاقت رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ جس وقت بندہ ایمان کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دے دیتے ہیں۔ اگر کفر کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کفر کی طرف چلا دیں گے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ [النساء:۱۱۵] "پھیر دیں گے ہم اس کو اس طرف جس طرف کا وہ رخ کرے گا۔" اور سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۹ پارہ ۲۱ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ضرور راہنمائی کریں گے ان کی اپنے راستوں کی طرف۔" تو انسان جو ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی توفیق دے دیتے ہیں۔

تو فرمایا تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ بے شک ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ﴿يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت میں یعنی اس کو راہِ حق کی ہدایت دے دیتا ہے ﴿يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ [سورۃ شوریٰ، پارہ ۲۵] "ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" اور جو اپنے کفر پر، شرک پر اڑا رہے رب تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ ضرورت مخلوق کو ہے رب تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ بے پرواہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے اگر ساری کائنات نیک ہو جائے ایک بھی بدنہ ہو۔ رب تعالیٰ کی شان میں رتی برابر اضافہ نہیں ہوتا۔ اور خدانخواستہ ساری کائنات کافر ہو جائے تو رب تعالیٰ کی خدائی میں ایک رتی برابر بھی کمی نہ ہوگی۔ یہ تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں جو کرو گے تمھارے سامنے آئے گا ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ "جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا دیکھ لے گا۔"

﴿وَالظّٰلِمِيْنَ﴾ اور جو ظالم ہیں ﴿اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ تیار کیا ہے ان کے لیے عذاب دردناک۔ آخرت کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ جب کہ دنیا کی آگ کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قرآن کی برکت سے، اسلام کی برکت سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تمام مومنین، مومنات کو، مسلمین مسلمات کو، دوزخ کے عذاب سے بچائے اور جنت میں جگہ دے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمُرۡسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ

۲۹

آیاتُھا ۵۰ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) (۳۳) رُکُوعاتُھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالْمُرْسَلٰتِ﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو چھوڑی جاتی ہیں ﴿عُرْفًا﴾ لگا تار ﴿فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا﴾ پس وہ تیزی کے ساتھ چلتی ہیں تیزی کے ساتھ چلنا ﴿وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا﴾ اور اڑا دیتی ہیں اڑا دینا ﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا﴾ پس تقسیم کرتی ہیں تقسیم کرنا ﴿فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا﴾ پس ڈال دیتی ہیں ذکر کو ﴿عُذْرًا﴾ عذر کے لیے ﴿اَوْ نُذْرًا﴾ یا ڈرانے کے لیے ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بے شک وہ چیز جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جا رہا ہے ﴿لَوَاقِعٌ﴾ البتہ واقع ہونے والی ہے ﴿فَاِذَا النُّجُوْمُ﴾ پس جس وقت ستارے ﴿طُمِسَتْ﴾ بے نور کر دیئے جائیں گے ﴿وَاِذَا السَّمَآءُ﴾ اور جس وقت آسمان ﴿فُرِجَتْ﴾ پھٹ جائے گا ﴿وَاِذَا الْجِبَالُ﴾ اور جس وقت پہاڑ ﴿نُسِفَتْ﴾ اڑا دیئے جائیں گے ﴿وَاِذَا الرُّسُلُ﴾ اور جس وقت رسولوں کے لیے ﴿اُقِّتَتْ﴾ وقت مقرر کیا جائے گا ﴿لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ﴾ کس دن کے لیے ان کو مہلت دی گئی ہے ﴿لِيَوْمِ الْفَصْلِ﴾ فیصلے کے دن کے لیے ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ کیا ہم نے ہلاک نہیں کیا پہلوں کو ﴿ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ﴾ پھر ہم نے پیچھے لگائے ان کے دوسرے ﴿كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ﴾ اسی طرح ہم کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ کیا ہم نے تمھیں پیدا نہیں کیا بے قدرے پانی سے ﴿فَجَعَلْنٰهُ﴾ پس ہم نے اس کو کیا ﴿فِيْ قَرَارٍ﴾ ایک جگہ میں ﴿مَّكِيْنٍ﴾ جو ٹھہرنے کی تھی ﴿اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک مقرر مدت تک ﴿فَقَدَرْنَا﴾ پس ہم نے اس کا اندازہ لگایا ﴿فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ﴾ کیا پس ہم خوب اندازہ کرنے والے ہیں ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا﴾ کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی ﴿اَحْيَآءً﴾ زندوں کو ﴿وَّاَمْوَاتًا﴾ اور مردوں کو ﴿وَّجَعَلْنَا فِيْهَا﴾ اور بنائے ہم نے اس زمین میں ﴿رَوَاسِيَ﴾ مضبوط پہاڑ ﴿شٰمِخٰتٍ﴾ اُونچے اُونچے ﴿وَّاَسْقَيْنٰكُمْ﴾ اور پلایا ہم نے تم کو ﴿مَّآءً فُرَاتًا﴾ پانی خوش گوار ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿اِنْطَلِقُوْٓا﴾ چلو تم ﴿اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ اس چیز کی طرف جس

کو تم جھٹلاتے ہو۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام سورۃ المرسلات ہے۔ پہلی ہی آیتِ کریمہ میں المرسلات کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سے پہلے بتیس سورتیں [۳۲] نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا تینتیسواں [۳۳] نمبر ہے اس کے دو رکوع اور پچاس آیتیں ہیں۔ ان آیات کی کئی تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ہواؤں کی صفات ہیں۔

مرسلٰت، عٰصفٰت، نٰشرٰت، مُلقیٰت کی مختلف تفسیریں

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ﴾ ان ہواؤں کی قسم جو چھوڑی جاتی ہیں ﴿عُرْفًا﴾ لگاتار۔ عرف عربی لغت میں گھوڑے کے ان بالوں کو کہتے ہیں جو گردن پر ایک لائن میں ہوتے ہیں۔ وہ چونکہ لگاتار اور مسلسل ہوتے ہیں اس لیے معنٰی کرتے ہیں ان ہواؤں کی قسم جو چھوڑی جاتی ہیں لگاتار، مسلسل ﴿فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا﴾ پس وہ تیزی کے ساتھ چلتی ہیں تیزی کے ساتھ چلنا۔ مشاہدے کی بات ہے کہ ہوائیں تیزی کے ساتھ بھی چلتی ہیں ﴿وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا﴾ اور اڑا دیتی ہیں اڑا دینا۔ گرد و غبار کو اُڑاتی ہیں، کپڑوں کو اڑا کر لے جاتی ہیں، کاغذوں کو اُڑا دیتی ہیں ﴿فَالْفٰرِقٰتِ﴾ پس تقسیم کرتی ہیں ہوائیں بادلوں کو ﴿فَرْقًا﴾ تقسیم کرنا۔ رب تعالیٰ کے حکم سے بادل کے ٹکڑے کو اِدھر لے جاتی ہیں، کسی کو اُدھر لے جاتی ہیں ﴿فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا﴾ پس وہ ہوائیں ڈالتی ہیں ذکر کو۔ یہ جو میں آواز نکال رہا ہوں اس کو تمھارے کانوں تک پہنچنے کے عالم اسباب میں ہوا ہی ذریعہ ہے۔ اگر یہ ہوا نہ ہو تو آواز نہیں پہنچتی۔ رب تعالیٰ نے نظام بنایا ہے وہ ذکر کو کانوں تک پہنچاتی ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ سب ہواؤں کی صفات ہیں۔ کیوں؟ ﴿عُذْرًا﴾ عذر کے لیے ﴿اَوْ نُذْرًا﴾ یا ڈرانے کے لیے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ کل قیامت کو، محشر والے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ پروردگار! میں بے خبر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام پیغمبروں کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۶۵ میں ہے ﴿لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ "تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت کہ ہم بے خبری میں مارے گئے۔" اور سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵ میں ہے ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ "اور ہم نہیں سزا دیتے یہاں تک کہ ہم بھیج دیں رسول۔" تاکہ ان پر حجت تام ہو جائے اور کسی قسم کا بہانہ نہ کر سکیں۔ آگے جوابِ قسم ہے ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ بے شک وہ چیز جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جا رہا ہے البتہ واقع ہونے والی ہے یعنی قیامت ضرور واقع ہونے والی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مجاہدین کی جماعتیں مراد ہیں۔ قسم ہے ان مجاہدینِ اسلام کی جماعتوں کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار۔ ایک لشکر گیا، پھر دوسرا گیا، پھر تیسرا گیا محاذ پر دشمن کے مقابلے میں۔ وہ جماعتیں بڑی تیزی کے ساتھ جاتی ہیں

﴿وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا﴾ اور حق کی بات کو بکھیرتی ہیں۔ چوں کہ مجاہدین اسلام جہاں پہنچتے ہیں وہاں تبلیغ بھی ہوتی ہے، دین کی نشر و اشاعت بھی ہوتی ہے ﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا﴾ پس وہ جماعتیں تقسیم کرتی ہیں تقسیم کرنا اس طرح کہ جب حملہ کرتے ہیں کافروں کو تتر بتر کر دیتی ہیں ﴿فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا﴾ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر پیش کرتے ہیں۔ نعرہ تکبیر بھی، حق بھی، اسلام بھی۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مبلغینِ اسلام کی جماعتیں مراد ہیں۔ اس زمانے میں تبلیغ کے لیے مختلف علاقوں میں جماعتیں جاتی تھیں لگا تار۔ کوئی اِس طرف کو، کوئی اُس طرف کو۔ وہ تیزی کے ساتھ چلتی ہیں۔ دین کو پھیلاتی جاتی ہیں۔ جہاں پہنچتے دین کی، توحید کی دعوت دیتے، دین کی نشر و اشاعت کرتے ﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا﴾ توحید اور شرک میں فرق کرتے، حق اور باطل کا فرق بیان کرتے، سنت اور بدعت کا فرق سمجھاتے۔ اے لوگو! یہ کام اچھے ہیں اور یہ کام بُرے ہیں۔ کچھ نہیں چھپاتے تھے صاف بتلاتے تھے ﴿فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا﴾ وہ جماعتیں لوگوں کے سامنے ذکر پیش کرتی ہیں کہ اللہ کے دین کو قبول کرو ﴿عُذْرًا﴾ عذر کی خاطر کہ اپنی طرف سے اتمامِ حجت ہو جائے ﴿اَوْ نُذْرًا﴾ یا اللہ تعالیٰ کا بندہ ڈرے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ﴾ سے ہوائیں مراد ہیں کہ قسم ہے ہواؤں کی لگا تار چھوڑی جاتی ہیں ﴿فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا﴾ پس وہ تیزی کے ساتھ چلتی ہیں تیزی کے ساتھ چلنا۔ اور ﴿النّٰشِرٰتِ﴾ سے بادل مراد ہیں۔ قسم ہے ان بادلوں کی جو رب تعالیٰ کی رحمت کی بارش کو بکھیرتے ہیں ﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا﴾ سے مراد قرآن کریم کی آیات مراد ہیں کہ قسم ہے قرآن کریم کی آیات کی جو تقسیم کرتی ہیں حق اور باطل کے درمیان تقسیم کرنا ﴿فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا﴾ سے مراد فرشتے ہیں۔ جو فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے ہیں عذر کی خاطر یا ڈرانے کے لیے بے شک وہ چیز جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے قیامت وہ ضرور آئے گی۔ قیامت دور نہیں ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيٰمَتُهٗ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قیامت قائم ہوگئی۔ کل کائنات کی قیامت کب قائم ہوگی؟

احوالِ قیامت

فرمایا ﴿فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ﴾ پس جس وقت ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اس کی روشنی مٹا دی جائے گی۔ آج ستارے ہمیں بڑے روشن نظر آتے ہیں ایک وقت آئے گا ان میں روشنی نہیں رہے گی کالے پتھر کی طرح نظر آئیں گے ﴿وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ﴾ اور جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے درمیان سے پھٹ کر کنارے پر چلا یا جائے گا لپیٹ دیا جائے گا جیسے سائبان کو اکٹھا کر دیتے ہیں۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۴ میں ہے ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ "جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو۔" جیسے بستے میں کتابیں لپٹی ہوئی ہوتی ہیں اس طرح ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے ﴿وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ اور جس وقت پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے جیسے دھنی ہوئی روئی اُڑتی ہے ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ "اور ہو جائیں گے پہاڑ رنگین دھنی ہوئی روئی کی طرح۔" [سورۃ القارعہ، پارہ ۳۰]

﴿وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ﴾ اُقِّتَتْ اصل میں وُقِّتَتْ تھا۔ واو کو ہمزہ کے ساتھ بدل دیا۔ معنیٰ ہوگا اور جس وقت رسولوں

کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو وقت بتلایا جائے گا۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ بارہ بجے نوح علیہ السلام کی قوم آئے، ایک بجے ہود علیہ السلام کی قوم آئے، اڑھائی بجے صالح علیہ السلام کی قوم آئے، تین بجے لوط علیہ السلام کی قوم آئے۔ جس طرح عدالتوں میں وقت دیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو اور ان کی اُمتوں کو وقت بتلایا جائے گا کہ فلاں وقت تمھارا فیصلہ ہے۔ ﴿لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ﴾ کس دن کے لیے ان کو مہلت دی گئی ہے ﴿لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ﴾ فیصلے کے دن کے لیے ﴿وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے۔ نہ پوچھو ﴿وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ویل کا لفظی معنیٰ ہلاکت، بربادی، خرابی، تباہی ہے اور ویل جہنم کے ایک طبقے کا نام بھی ہے۔ وہ اتنا گہرا ہے کہ جب مجرموں کو اس میں ڈالا جائے گا آگ کے شعلوں میں جلتے جلتے ستر سال کے بعد نیچے فرش تک پہنچیں گے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے اِذۡ سَمِعَ وَجۡبَۃً "اچانک ایک دھماکے کی آواز آئی۔" جیسے کوئی مکان گرا ہے۔ اُٹھنے لگے کہ معلوم کریں کیا ہوا ہے؟ کوئی مکان گرا ہے، کوئی دیوار گری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نہ اُٹھے اور فرمایا اَتَدۡرُوۡنَ مَا ھٰذَا "کیا تم جانتے ہو کہ یہ آواز کس چیز کی تھی؟" کہنے لگے حضرت! یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی کا مکان گرا ہے یا کوئی دیوار گری ہے۔ فرمایا نہیں! نہ مکان گرا ہے نہ کوئی دیوار گری ہے بلکہ یہ جہنم کے ایک طبقے میں پتھر پھینکا گیا تھا جو ستر سال کے بعد نیچے جا لگا ہے یہ اس کی آواز تھی۔

تو ویل جہنم کے ایک طبقے کا بھی نام ہے۔ فرمایا ہماری قدرت کو نہیں مانتے، دیکھتے نہیں ہو ﴿اَلَمۡ نُہۡلِکِ الۡاَوَّلِیۡنَ﴾ کیا ہم نے ہلاک نہیں کیا پہلوں کو۔ نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک نہیں ہوئی، ہود علیہ السلام کی قوم ہلاک نہیں ہوئی، صالح علیہ السلام کی قوم ہلاک نہیں ہوئی ﴿ثُمَّ نُتۡبِعُہُمُ الۡاٰخِرِیۡنَ﴾ پھر ہم نے پیچھے لگائے ان کے دوسرے۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا، لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا، فرعونیوں کو ہلاک کیا، تم نے ہماری قدرت نہیں دیکھی ﴿کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ﴾ اسی طرح ہم کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ۔ قریش مکہ اور دنیا کے دوسرے کافروں، مجرموں کے ساتھ بھی ہم اسی طرح کریں گے۔ ہم قادرِ مطلق ہیں جو چاہیں کریں ﴿وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے جو حق کو جھٹلاتے ہیں، قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔

اے قیامت کے منکرو! تم منہ پھیر کر کہتے ہو ﴿مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ﴾ "ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے۔" ﴿ہَیۡہَاتَ ہَیۡہَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ﴾ "بڑی دور کی بات ہے جس سے تم ڈرائے جاتے ہو۔" کہ دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے حساب کتاب ہوگا تم رب کی قدرت کا انکار کرتے ہو ﴿اَلَمۡ نَخۡلُقۡکُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ﴾ کیا ہم نے تمھیں پیدا نہیں کیا بے قدرے پانی سے۔ منی کا قطرہ کہ جب وہ شہوت کے ساتھ نکلتا ہے تو سارا بدن ناپاک ہو جاتا ہے۔ کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو کپڑا پلید ہو جاتا ہے۔ اس حقیر قطرے سے ہم نے تم کو پیدا نہیں کیا، انکار کر سکتے ہو؟ ﴿فَجَعَلۡنٰہُ فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ﴾ پس کیا ہم نے اُسے ایسی جگہ میں جو ٹھہرنے کی تھی۔ ماں کے رحم میں ہم نے اس نطفے کو ٹھہرایا۔

احادیث میں آتا ہے کہ چالیس دن تک نطفہ نطفے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس ملے جلے نطفے کولوتھڑا بنادیتا ہے پھرخون کے لوتھڑے کی بوٹی بن جاتی ہے پھر بوٹی کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہڈیوں میں تبدیل کر دیتا ہے ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ [سورۃ المومنون] "پس ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتے ہیں۔" جب پورا ڈھانچا تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیج کر اس میں روح پھونک دیتے ہیں۔ تقریباً پانچ ماہ تک بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے۔ کوئی ہوا آنے کی جگہ نہیں سانس لینے کی جگہ نہیں۔ ماں کے پیٹ میں الٹا پلٹا رہتا ہے۔ موٹا تازہ ہوتا ہے۔ ان سارے ادوار سے گزارنے والا کون ہے؟ وہ ذات جو تمھیں حقیر قطرے سے پیدا کر سکتی ہے وہ تمھیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی؟ پھر کیسے تم منہ بھر کر کہتے ہو کہ ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

مسئلہ مدتِ حمل

تو فرمایا پس کیا ہم نے اس کو ایسی جگہ میں جو ٹھہرنے کی ہے، ٹکنے والی ہے ﴿اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ ایک مدتِ مقرر تک۔ بعض بچے سات ماہ کے ہوتے ہیں، بعض آٹھ ماہ کے ہوتے ہیں، اکثر نو ماہ کے ہوتے ہیں اور بعض دس ماہ ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں۔ امام ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں۔ وہ ماں کے پیٹ میں دو سال رہے۔ جب پیدا ہوئے تو دانت بھی اُگ چکے تھے۔ پیدا ہوتے ہی ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسنا شروع کر دیا۔ ماں باپ نے نام ہی ضحاک رکھ دیا، ہنسنے والا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض بچے چار سال تک ماں کے پیٹ میں رہے ہیں۔ ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے۔ یعنی شادی کے چھ ماہ بعد جو بچہ پیدا ہوگا وہ حلال ہوگا۔

فرمایا ﴿فَقَدَرْنَا﴾ پس ہم نے اس کا اندازہ لگایا ﴿فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ﴾ کیا پس ہم خوب اندازہ کرنے والے ہیں۔ ہم سے بہتر اندازہ کون لگا سکتا ہے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے جو ہماری قدرت کو جھٹلاتے ہیں اے قدرت کے منکرو! غور کرو ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا﴾ کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی ﴿اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا﴾ زندوں کو اور مردوں کو۔ زندوں کو بھی سمیٹتی ہے اور مردوں کو بھی سمیٹتی ہے، اکٹھا کرتی ہے۔ جس ذات نے یہ زمین بنائی ہے وہ تمھیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتی ﴿وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾ ﴿رَوَاسِيَ﴾ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے مضبوط پہاڑ۔ اور بنائے ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ۔ ﴿شٰمِخٰتٍ﴾ شٰمِخٰتٌ شَامِخَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے بلند، بلند پہاڑ بنائے۔ بڑے بڑے بلند پہاڑ ہیں۔ ہمالیہ جیسے پہاڑ جس کی بلندی انتیس ہزار فٹ ہے۔ جس ذات نے اتنے اتنے بلند پہاڑ بنائے ہیں وہ تمھارے چھوٹے سے وجود کو نہیں بنا سکتی، کیسے تم قیامت کا انکار کرتے ہو؟

﴿وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴾ اور پلایا ہم نے تم کو پانی خوش گوار جو حلق سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔ ہمارے اُوپر تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میٹھا پانی وافر مقدار میں میسر ہے۔ بعض علاقے ایسے ہیں کہ وہاں پانی کڑوا ہے۔ آج سے تقریباً تیس سال

پہلے کی بات ہے رمک کے علاقے میں مَیں نے اشراق کی نماز کے لیے وضو کیا۔ پانی اتنا کڑوا تھا کہ ڈیرہ اسماعیل خان تک میرا منہ کڑوا رہا۔ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ چلو تم اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ حق کو جھٹلانے والو، قیامت کو جھٹلانے والے مجرمو! یہ تمھارے سامنے دوزخ ہے اس میں تم نے داخل ہونا ہے۔ انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ وقت آنے والا ہے۔

﴿اِنْطَلِقُوْۤا﴾ چلو ﴿اِلٰى ظِلٍّ﴾ ایک سائے کی طرف ﴿ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ﴾ جس کی تین شاخیں ہیں ﴿لَّا ظَلِيْلٍ﴾ نہ وہ سایہ کرنے والی ہیں ﴿وَّ لَا يُغْنِیْ﴾ اور نہ وہ کفایت کرنے والی ہیں ﴿مِنَ اللَّهَبِ﴾ آگ کے شعلوں سے ﴿اِنَّهَا﴾ بے شک وہ دوزخ ﴿تَرْمِیْ﴾ پھینکے گی ﴿بِشَرَرٍ﴾ چنگاریاں ﴿كَالْقَصْرِ﴾ محل جیسی ﴿كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ﴾ گویا کہ وہ اُونٹ ہیں زرد رنگ کے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿هٰذَا يَوْمُ﴾ یہ وہ دن ہے ﴿لَا يَنْطِقُوْنَ﴾ جس دن وہ بولیں گے نہیں ﴿وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ﴾ اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی ﴿فَيَعْتَذِرُوْنَ﴾ کہ پس وہ عذر کر سکیں ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ یہ فیصلے کا دن ہے ﴿جَمَعْنٰكُمْ﴾ ہم نے جمع کیا ہے تم کو ﴿وَالْاَوَّلِيْنَ﴾ اور پہلوں کو ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ﴾ پس اگر ہے تمھارے پاس کوئی تدبیر ﴿فَكِيْدُوْنِ﴾ تو مجھ پر چلالو ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک پرہیزگار ﴿فِیْ ظِلٰلٍ﴾ سایوں میں ہوں گے ﴿وَّ عُيُوْنٍ﴾ اور چشموں میں ہوں گے ﴿وَّ فَوَاكِهَ﴾ اور پھلوں میں ہوں گے ﴿مِمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ جو وہ چاہیں گے ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ کھاؤ اور پیو ﴿هَنِيْٓـئًا﴾ خوش گوار ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تم اچھے کام کرتے تھے ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ ﴿وَتَمَتَّعُوْا﴾ اور فائدہ اُٹھاؤ ﴿قَلِيْلًا﴾ تھوڑے دنوں میں ﴿اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ بے شک تم مجرم ہو ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے ﴿ارْكَعُوْا﴾ رکوع کرو ﴿لَا يَرْكَعُوْنَ﴾ وہ رکوع نہیں کرتے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿فَبِاَیِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ﴾ پس کس بات پر اس کے بعد ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان لائیں گے

ماقبل سے ربط

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا رد فرمایا جو قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [ق:۳، پارہ:۲۶] "کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہوجائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا بہت بعید ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس استبعاد کو دور کیا کہ تم اس کو دور نہ سمجھو ﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ "کیا ہم نے تمھیں بے قدرے حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔" جو ذات اس حقیر قطرے سے پیدا کرسکتی ہے وہ دوبارہ نہیں پیدا کرسکتی؟ پھر اپنے قادرِ مطلق ہونے پر دلیلیں دین کہ جس نے زمین زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی بنائی ہے اور اس میں مضبوط پہاڑ بنائے بلند اور تمھیں خوش گوار پانی پلایا اس کے لیے تمھیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

فرمایا قیامت یقیناً آئے گی اور قیامت والے دن رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ "چلو تم اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے۔" اور کہتے تھے کہ دوزخ کوئی چیز نہیں ہے۔ اب سامنے دیکھو! ہے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑے ہوں گے۔ وہاں سے جنت بھی نظر آئے گی اور دوزخ بھی نظر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے مجرموں کو ﴿اِنْطَلِقُوْٓا﴾ چلو تم ﴿اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ﴾ تین شاخوں والے سائے کی طرف۔ شُعَبٌ شُعْبَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے شاخ۔ اس سائے کی تین شاخیں ہوں گی۔ ایک اِدھر کو جائے گی، ایک اُدھر کو جائے گی، ایک تیسری طرف جائے گی۔ پھر وہ سایہ ایسا ہوگا ﴿لَّا ظَلِيْلٍ﴾ نہ وہ سایہ کرنے والا ہے یعنی وہ سایہ کام نہیں آئے گا۔ وہ راحت بخش سایہ نہیں ہوگا ﴿وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ﴾ اور نہ وہ کفایت کرے گا آگ کے شعلوں سے۔ دنیا میں جو سائے ہیں وہ کم از کم گرمی اور تپش سے حفاظت کرتے ہیں۔ چاہے درخت کا ہو، سائبان کا ہو، چھت کا ہو لیکن اس سائے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور اس کی تین شاخیں کیوں ہوں گی؟ اس کی مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔

اسلام کے بنیادی عقائد

ایک یہ کہ اسلام میں بنیادی عقیدے تین ہیں۔ باقی تمام ان کی طرف لوٹتے ہیں۔ مسئلہ توحید، مسئلہ رسالت اور مسئلہ قیامت۔ ان تینوں عقائد کے کافر منکر تھے۔ اسی طرح اس دھوئیں کی شاخیں بھی تین ہوں گی۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ایمان نام ہے تصدیق بالقلب والاقرار بِاللِّسان وَالْعَمَلُ بِالْاَرْکَانِ "دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا، ارکان (اسلام) پر عمل کرنا" عملی طور پر اس کا ثبوت دینا۔ کافروں نے نہ دل سے تصدیق کی نہ زبان سے اقرار کیا اور نہ عمل کیا۔ تینوں چیزوں کی مخالفت کی۔ اس لیے سائے کی تین شاخیں ہوں گی۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال تین قوتوں پر مشتمل ہیں۔ قوتِ وہمیہ، قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ۔ انسان کے تمام اعمال اِنھی تین قوتوں میں سے کسی نہ کسی سے نکلتے ہیں۔ دھوئیں کی تین شاخوں سے یہی تین قوتیں مراد ہیں۔ ہر

قوت سے نکلے ہوئے فعل کا بدلہ اس کے مطابق دیا جائے گا۔

﴿ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ ﴾ شَرَر، شَرَارَةٌ کی جمع ہے اور شَرَرَةٌ کی جمع بھی لکھی ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چنگاری۔ وہ دوزخ پھینکے گی چنگاریاں۔ لکڑیوں کو آگ لگی ہوئی ہو تو اس سے چنگاری اُڑتی ہے۔ وہ جو چنگاریاں اُڑیں گی ﴿ كَالْقَصْرِ ﴾ محل جیسی ہوں گی، کوٹھیوں کی طرح بڑی بڑی ہوں گی۔ وہ پھٹ کر نیچے گریں گی تو وہ اُونٹ کی طرح ہوں گی ﴿ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴾ گویا کہ وہ اُونٹ ہیں زرد رنگ کے۔ وہ چنگاریاں جو محلوں کی طرح ہوں گی جب وہ اُوپر جا کر پھٹیں گی اور ان کے حصے ہوں گے تو وہ ایک ایک اُونٹ کی طرح ہوں گی ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ جنھوں نے توحید کو جھٹلایا، رسالت اور قیامت کو جھٹلایا ان کے لیے بربادی ہوگی ﴿ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴾ یہ وہ دن ہے جس دن وہ بولیں گے نہیں۔ وہاں کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی عدالت کی طرف روانہ ہوں گے ﴿ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴾ "پس تو نہیں سنے گا مگر کھس کھس کی آواز۔" [طٰہٰ: ۱۰۸] یعنی پاؤں کی آہٹ کی آواز آئے گی۔ اور سورۃ مریم آیت نمبر ۹۸ میں ہے ﴿ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾ رکزا کا معنیٰ ہے کان کے ساتھ منہ لگا کر بات کرنا۔" یا سنے گا تو ان کے لیے ہلکی سی آواز۔"

محشر والے دن لوگوں کو ان کے والد کے نام سے بلایا جائے گا

پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی عدالت میں بلوائے گا اور حکم دے گا بتلاؤ تم کیا کیا کر کے آئے ہو۔ پھر ہر ایک کے سامنے ان کا اعمال نامہ رکھا جائے گا يُدْعَى النَّاسُ بِاٰبَآئِهِمْ "محشر والے دن لوگوں کو ان کے والد کے نام کے ساتھ بلایا جائے گا۔"

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ ماؤں کے ناموں کے ساتھ بلایا جائے گا یہ غلط ہے، ضعیف حدیث ہے۔ [عیسائیت وغیرہ میں اکثریت چوں کہ حرامیوں کی ہے۔ یورپ میں بچیاں شادی سے پہلے کئی بچے جن چکی ہوتی ہیں اس لیے اُنھوں نے اس بات کو شہرت دی ہے۔ مرتب] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے يُدْعَى النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِاٰبَآئِهِمْ "لوگ قیامت والے دن اپنے باپوں کے نام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔" حلالی ہے یا حرامی ہے جس کا نطفہ ہے اس کے نام کے ساتھ بلایا جائے گا۔

جب بندہ پیش ہو جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ﴾ "اپنا اعمال نامہ خود پڑھ۔" دنیا میں کوئی پڑھا ہوا ہے یا اَن پڑھ ہے وہاں اللہ تعالیٰ سب کو پڑھنے کی توفیق دے گا۔ دنیا میں جو نابینا ہیں وہاں اللہ تعالیٰ ان کو بینا کر دے گا۔ اور جو بولے، بہرے ہیں وہ کانوں سے سنیں گے۔ دنیا کی سب بیماریاں رب ختم کر دے گا۔ کسی قسم کا عذر نہیں ہوگا۔ اعمال نامے میں ہر شے درج ہوگی۔ اگر کسی وقت کوئی ہنسا ہے تو لکھا ہوا ہوگا کہ فلاں وقت ہنسا تھا اور رویا ہے تو وہ بھی لکھا ہوا ہوگا۔ کھایا ہے، پیا ہے، لیٹا ہے لکھا ہوا ہوگا۔ یہ نیکی کی ہے یہ بدی کی ہے سب کچھ اعمال نامے میں درج ہوگا۔ بندہ حیران ہو کر کہے گا ﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ﴾ [الکہف: ۴۹] "کیا ہے اس کتاب کو نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو نہ بڑی چیز کو مگر اس نے اس کو گن رکھا ہے۔" جب اللہ تعالیٰ بلائیں گے تو سب خاموش ہو کر کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ فرشتے بھی

﴿لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ "نہیں بات کر سکیں گے مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔" جس کو اللہ تعالیٰ بولنے کی اجازت دے گا وہی بولے گا ﴿وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر کر سکیں۔ معذرت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سورہ قیامہ میں تم پڑھ چکے ہو ﴿وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ "اگر چہ وہ کتنے ہی حیلے بہانے کرے۔" از خود تو عذر پیش کرے گا کبھی کہے گا ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا، کبھی کہے گا ہمیں ہمارے لیڈروں اور مولویوں نے گمراہ کیا، کبھی کہیں گے ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی۔ لیکن کوئی عذر سنا نہیں جائے گا۔ اجازت نہیں دی جائے گی کوئی ایسا عذر پیش کرنے کی جو قبول ہو سکے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اُس دن ان لوگوں کے لیے جو جھٹلانے والے ہیں حق کو ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ یہ فیصلے کا دن ہے ﴿جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ﴾ ہم نے جمع کیا ہے تم کو اور پہلوں کو۔ پہلے پچھلے سب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جمع ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ﴾ پس اگر ہے تمھارے پاس کوئی تدبیر میرے عذاب سے بچنے کی تو ﴿فَكِيْدُوْنِ﴾ تو مجھ پر تدبیر چلالو۔ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے خلاف مقدمات بنتے ہیں وہ عدالت میں پیش ہوتا ہے اور اپنی صفائی پیش کرتا ہے کہ میرے اُوپر ظلم ہو رہا ہے۔ پھر اس سے اُوپر والی عدالت میں جاتا ہے پھر اس سے اُوپر والی عدالت میں جاتا ہے۔ دنیا کی عدالت میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھاتے ہیں۔ مشاہدے کی بات ہے۔

علاماتِ قیامت

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ ضُعُفُ الْحُكْمِ "عدالتوں کے فیصلے کمزور ہوں گے" وَبَيْعُ الْحُكْمِ "اور فیصلے پیسوں کے ساتھ ہوں گے۔" دونوں باتیں پائی جا رہی ہیں۔ ہائی کورٹ تو الگ رہا سپریم کورٹ کے فیصلے خود حکومت نہیں مانتی۔ اس سے زیادہ کمزوری کیا ہوگی۔ وَبَيْعُ الْحُكْمِ "اور فیصلے بکیں گے۔" جو زیادہ بولی دے گا اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کی سچی عدالت میں کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ تو فرمایا تمھارے پاس کوئی تدبیر ہے تو مجھ پر چلالو ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ اب مجرمین اور مکذبین کے مقابلے میں مصدقین اور مکرمین کا حال بھی سنو!

مصدقین مکرمین کا ذکر

فرمایا ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بے شک پرہیزگار۔ مُتَّقِیْ کا مجرد ہے تَقْوٰی۔ تَقْوٰی کا معنیٰ ہے بچنا۔ سب سے پہلے شرک اور کفر سے بچنا ہے، پھر حرام سے بچنا ہے، گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنا ہے، پھر خلافِ اولیٰ چیز سے بچنا ہے۔ تو یہ متقی کہاں ہوں گے؟ ﴿فِيْ ظِلٰلٍ﴾ جنت کے درختوں کے سائے میں ہوں گے۔ ایک ایک درخت کا سایہ اتنا وسیع ہوگا کہ تیز رفتار گھوڑا سو سال تک اس کو طے نہیں کر سکے گا ﴿وَّعُيُوْنٍ﴾ اور چشموں میں ہوں گے۔ سلسبیل کا چشمہ، کافور کا چشمہ، کوثر کا چشمہ، زنجبیل کا چشمہ۔ ان کے پانی کا آج ہم دنیا میں تصور نہیں کر سکتے۔

﴿وَّفَوَاكِهَ﴾ ﴿فَوَاكِهَ﴾ فَاكِهَةٌ کی جمع ہے۔اس کا معنیٰ ہے پھل۔اور پھلوں میں ہوں گے ﴿مِمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ جو وہ چاہیں گے۔جس قسم کا پھل چاہیں گے اور جب چاہیں گے اور جس جگہ چاہیں گے ملے گا۔اور یہ بات کئی دفعہ سن چکے ہو کہ جنت کے پھلوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾[سورۃ الواقعہ، پارہ ۲۷]" نہ ختم ہوں گے اور نہ روکے جائیں گے۔" دانہ توڑیں گے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا لگ جائے گا۔ اور نہ رکاوٹ ہوگی کہ یہ پھل ابھی نہیں توڑنا یا یہاں سے نہیں توڑنا۔ بیٹھے بیٹھے نیت کرے گا کہ میں نے یہ پھل کھانا ہے۔ٹہنی خود بخود جھک کر سامنے آجائے گی۔

تو فرمایا متقی سایوں میں ہوں گے،چشموں میں ہوں گے،میووں میں ہوں گے جس قسم کے وہ چاہیں گے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ کھاؤ اور پیو ﴿هَنِيْٓـًٔا﴾ خوش گوار، مزے دار ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ تم اچھے کام کرتے تھے۔ان نیک کاموں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ نعمتیں دی ہیں ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔یہ انعامات متقیوں کے لیے ہیں۔مکذبین کا بُرا حال ہوگا۔

فرمایا ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا﴾ کھالو اور فائدہ اُٹھاؤ ﴿قَلِيْلًا﴾ تھوڑا سا۔دنیا میں کتنا عرصہ کھالو گے؟ دس سال، بیس سال، پچاس سال، سو سال، ہزار سال کھالو گے۔آخر یہ زندگی ختم ہونے والی ہے۔دیکھو! ابلیس لعین ہزاروں سال سے زندہ ہے لیکن مرنا اس نے بھی ہے۔دنیا کی زندگی محدود ہے۔اگلے جہان کی زندگی نہ ختم ہونے والی ہے۔ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔سب بوڑھے وہاں جوان ہوں گے۔سب کی عمر تیس سال کے قریب ہوگی۔کسی قسم کی وہاں بیماری نہیں ہوگی۔وہ بچے کہ ماں کے پیٹ میں ان میں جان ڈالی گئی مگر مردہ پیدا ہوئے۔ان کو بھی وہاں زندگی ملے گی۔وہ خود چلیں پھریں گے، بھاگیں گے۔کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔مجرم محروم نہیں کیا جائے گا۔مجرمو! کھالو اور تھوڑا سا فائدہ اُٹھالو ﴿اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ بے شک تم مجرم ہو ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔نہ توحید کو مانا، نہ رسالت کو تسلیم کیا اور نہ آخرت کو مانا، نہ قرآن کو مانا ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے رکوع کرو یعنی نماز پڑھو تو ﴿لَا يَرْكَعُوْنَ﴾ رکوع نہیں کرتے یعنی نماز نہیں پڑھتے۔عقیدے کے درست ہونے کے بعد تمام اعمال میں سب سے اہم نماز ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے سوائے نماز کے۔جو نماز پڑھتا تھا ہم سمجھتے تھے یہ مسلمان ہے۔اور نہیں پڑھتا تھا ہم سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔

بے نمازی کی سزا

جو آدمی نماز نہ پڑھے اس کی کیا سزا ہے؟ فقہائے کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت ایک نماز چھوڑ دے تو اس کی کیا سزا ہے؟ چار مشہور امام ہیں جن کی فقہ کو لوگوں نے قبول کیا ہے۔ان میں سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سزا قتل ہے۔کیوں کہ وہ کافر ہوگیا ہے۔ایک دن، ایک ہفتہ، ایک مہینہ یا ایک سال کی نمازیں نہیں، صرف ایک نماز جس نے جان بوجھ کر چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں اگر وہ نماز کا انکار نہیں کرتا تو

کافر تو نہیں ہوا مگر وہ مجرم ہے تعزیراً اس کی سزا قتل ہے کہ اس نے نماز کیوں چھوڑی ہے۔ چار اماموں میں سے تین امام یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ جس نے ایک نماز بغیر عذر کے چھوڑ دی اس کی سزا قتل ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو قید کر دو۔ جب تک سچے دل سے توبہ نہ کرے اور آئندہ کے لیے تسلی نہ دے ضمانت نہ دے اس وقت تک قید رکھو۔ جب تسلی دے، ضمانت دے کہ میں آئندہ کوئی نماز نہیں چھوڑوں گا تو پھر اس کو رہا کر دو۔ ورنہ جیل خانے ہی میں مرے۔

یہ حکمران طبقہ اسلام کیوں نہیں نافذ ہونے دیتا۔ اس لیے کہ سب بے نمازوں کا ٹولا ہے۔ ایک ایک دن میں دس دس دفعہ سر اتاریں جائیں گے۔ یہ اسلام کس طرح نافذ کر سکتے ہیں۔ اور عام آدمیوں کا حشر یہ ہے کہ دیکھو! سورج طلوع ہونے والا ہے لیکن ابھی تک دنیا سوئی ہوئی ہے اور کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ خاک مسلمان ہیں۔ ایک نماز کے چھوڑنے والے کے بارے میں تین امام کہتے ہیں اس کی سزا قتل ہے۔ اور چوتھا کہتا ہے عمر قید ہے۔ اس کو زمین پر چلنے پھرنے نہ دو تا کہ اس کی نحوست راستوں پر نہ پڑے، لوگوں پر نہ پڑے۔

تو فرمایا جب ان سے کہا جاتا ہے نماز پڑھو تو نماز نہیں پڑھتے ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس کس بات پر اس قرآن کے بعد وہ ایمان لائیں گے۔ قرآن پاک سے زیادہ صحیح اور قطعی اور محکم چیز اور کوئی ہے کہ جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب، سچی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور دعوت دیتی ہے ایمان کی، رسالت کی، نیکی کی، نماز پڑھنے کی۔ اب اگر یہ اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ یہاں جو کچھ پڑھتے ہو اپنے گھر بھی جا کر سنا دیا کرو۔ تمہارا بھی فریضہ ادا ہو جائے گا۔

آج ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ بروز سوموار بمطابق ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۵ء انتیسواں پارہ مکمل ہوا۔

والحمد للہ علیٰ ذٰلک ثم الحمد للہ نشکر اللہ تعالیٰ علی نعمائہ الکاملۃ و اٰلآئِہٖ الشاملہ

میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھ جیسے نکمے بندے کو اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اپنے شیخ مکرم امام اہل سنت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے درجات کی بلندی کی دعا کرتا ہوں جنھوں نے اس بندۂ ناچیز پر اعتماد کیا۔ اور اس سلسلے میں جو فروگزاشت ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے اور میرے حق میں اور ناشرین و (کمپوزر) کے حق میں صدقہ جاریہ فرمائے اور اپنے قرب کا ذریعہ بنائے۔ اور ارضی، سماوی، دنیاوی اور اُخروی تمام آفات و بلیّات سے محفوظ فرمائے اور مزید خدماتِ دینیہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ، گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ

تا

سُوۡرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ اکیس)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآنِ ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرتِ اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران

غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

نوٹ: اغلاط کی نشان دہی کے لیے درج ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔

0300-6450340

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۴۰ ﴿۷۸﴾ سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۸۰﴾ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ کس چیز کے بارے میں یہ لوگ سوال کرتے ہیں ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑی خبر کے بارے
میں ﴿الَّذِیْ﴾ وہ خبر ﴿ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ کہ یہ اس میں اختلاف کرنے والے ہیں ﴿کَلَّا﴾ خبردار
﴿سَیَعْلَمُوْنَ﴾ عنقریب یہ جان لیں گے ﴿ثُمَّ کَلَّا﴾ پھر خبردار ﴿سَیَعْلَمُوْنَ﴾ عنقریب یہ جان لیں گے
﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ﴾ کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو ﴿مِھٰدًا﴾ بچھونا ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ اور پہاڑوں کو میخیں
﴿وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا﴾ اور پیدا کیا ہم نے تم کو جوڑے ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ﴾ اور ہم نے بنایا تمھاری نیند کو ﴿سُبَاتًا﴾
آرام کا ذریعہ ﴿وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ﴾ اور بنایا ہم نے رات کو ﴿لِبَاسًا﴾ لباس ﴿وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ﴾ اور بنایا ہم نے دن
کو ﴿مَعَاشًا﴾ ذریعہ معاش ﴿وَّبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ﴾ اور بنائے ہم نے تمھارے اُوپر ﴿سَبْعًا شِدَادًا﴾ سات آسمان
سخت (مضبوط) ﴿وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا﴾ اور بنایا ہم نے چراغ ﴿وَّھَّاجًا﴾ روشن ﴿وَّاَنْزَلْنَا﴾ اور نازل کیا ہم نے
﴿مِنَ الْمُعْصِرٰتِ﴾ نچوڑنے والے بادلوں سے ﴿مَآءً ثَجَّاجًا﴾ پانی زور سے بہنے والا ﴿لِّنُخْرِجَ بِہٖ﴾ تاکہ ہم
نکالیں اس کے ذریعے ﴿حَبًّا﴾ دانے ﴿وَّنَبَاتًا﴾ اور سبزہ ﴿وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ اور گھنے باغ ﴿اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ﴾
بے شک فیصلے کا دن ﴿کَانَ مِیْقَاتًا﴾ ایک وقت مقرر ہے ﴿یَّوْمَ یُنْفَخُ﴾ جس دن پھونکا جائے گا ﴿فِی الصُّوْرِ﴾
بگل ﴿فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا﴾ پس آؤ گے تم فوج درفوج ﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ﴾ اور کھول دیئے جائیں گے آسمان
﴿فَکَانَتْ اَبْوَابًا﴾ پس ہو جائیں گے دروازے ہی دروازے ﴿وَّسُیِّرَتِ الْجِبَالُ﴾ اور چلا دیئے جائیں گے
پہاڑ ﴿فَکَانَتْ سَرَابًا﴾ پس ہو جائیں گے چمکتی ہوئی ریت ﴿اِنَّ جَھَنَّمَ﴾ بے شک جہنم ﴿کَانَتْ مِرْصَادًا﴾
گھات میں لگی ہوئی ہے ﴿لِّلطّٰغِیْنَ﴾ سرکشوں کے لیے ﴿مَاٰبًا﴾ ٹھکانا ہے ﴿لّٰبِثِیْنَ فِیْھَآ﴾ ٹھہریں گے اس
دوزخ میں ﴿اَحْقَابًا﴾ زمانہ ہائے زمانہ ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا﴾ نہیں چکھیں گے اس میں ﴿بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ کوئی
ٹھنڈک اور نہ پانی۔ ۱

وجہ تسمیہ اور کوائف

اس سورت کا نام نبا ہے اور نبا کا معنیٰ ہے خبر۔ اور لفظ نبی کا مادہ بھی نبا ہے۔ نبی کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے۔ نبی کا معنیٰ ہے خبر دینے والا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خبر دیتا ہے۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سے پہلے اُناسی (۷۹) سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا اسی (۸۰) نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

﴿عَمَّ﴾ اصل میں عَمَّا تھا۔ یعنی آخر میں الف بھی تھا مگر اس کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔ ﴿عَمَّ﴾ کا معنیٰ ہے کس چیز کے بارے میں ﴿یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ﴾ بڑی خبر کے بارے میں۔ اس خبر کے بارے میں جو بڑی ہے ﴿الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ وہ خبر جس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ نبا عظیم کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم نے بہت کچھ کہا ہے دو چیزیں مشہور ہیں وہ میں بیان کر دیتا ہوں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ نبا عظیم سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خبر دینے والی ہے۔ اس قرآن کریم کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے جادو ہے، کوئی کہتا ہے گھڑ کے لایا ہے، کوئی کہتا ہے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ "پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔" کوئی کہتا ہے جادو ہے، کوئی کہتا ہے کہانت ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ جو ان کے دل میں آتا ہے، دماغ میں آتا ہے، کہتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ نَبَا سے مراد قیامت ہے۔ اور یہی تفسیر بہتر ہے کیونکہ آگے ذکر بھی قیامت کا ہے کہ کس چیز کے بارے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔ بڑی خبر کے بارے میں یعنی قیامت کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔ وہ خبر جس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ قیامت کا انکار کرتے تھے اور بڑے شد و مد کے ساتھ انکار کرتے تھے۔

تصورِ قیامت

یہودی اور عیسائی قیامت کے قائل ہیں مگر اس کی جو تفسیر کرتے ہیں اس سے انکار ہی لازم آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت ایسے ہی ہے جیسے ہم خواب دیکھتے ہیں۔ جسم اور جسم کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ کچھ نہیں ہوگا بس جس طرح ہم خواب میں خوشی دیکھتے ہیں یا غمی دیکھتے ہیں بس یہی کچھ ہوگا اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تو یہ قیامت کا انکار ہی ہے۔ اس کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی کہتا ہے میں نے ملک کے صدر کو دیکھا ہے اور اس کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ اس کی چار ٹانگیں تھیں، لمبے لمبے اس کے دانت تھے، پیٹھ اس کی چوڑی تھی (اوپر چار پائی بچھا سکتے ہیں۔) اور آگے ایک لمبی سونڈ تھی جو اس نے نیچے لٹکائی ہوئی تھی۔ اب ظاہر بات ہے کہ یہ صدر کی تصویر نہیں یہ تو ہاتھی کی تصویر ہے جو اس نے کھینچ کر بنائی ہے۔ صدر کو تو اس نے نہیں دیکھا یہ تو صدر کے دیکھنے کا انکار ہے۔ تو جس طرح قیامت کی حقیقت عیسائی بیان کرتے ہیں وہ قیامت کا انکار ہی ہے۔

اہل حق قیامت کو اس طرح مانتے ہیں جس طرح رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے زوردار الفاظ میں قیامت کا اظہار فرماتے ہیں کہ قیامت اور سارا معاملہ اس خاکی جسم اور روح کے ساتھ ہوگا۔ رب تعالیٰ انھی خاکی جسموں کو قیامت والے دن اٹھائیں گے اور خوشیاں، غمیاں انھی کے ساتھ ہوں گی۔

تو فرمایا یہ کس چیز کے بارے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں، بڑی خبر کے بارے میں، وہ خبر جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿سَيَعْلَمُونَ﴾ عنقریب یہ جان لیں گے ﴿ثُمَّ كَلَّا﴾ پھر خبردار ﴿سَيَعْلَمُونَ﴾ عنقریب یہ جان لیں گے۔ چونکہ وہ لوگ زوردار الفاظ میں قیامت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ (صفّٰت:۱۶) "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟" اور کبھی کہتے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ (قٓ:۳، پارہ:۲۶) "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" ان کا وہم تھا کہ ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دوبارہ انسان کس طرح بنے گا؟ کبھی کہتے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ (یٰسین:۷۸) "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟" بوسیدہ ہڈیوں میں کون جان ڈالے گا؟ کبھی کہتے ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ (السجدہ:۱۰) "کیا جس وقت ہم رل مل جائیں گے زمین میں، زمین میں خلط ملط ہو جائیں گے کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے؟" مٹی سے علیحدہ کر کے ان وجودوں میں جان ڈالی جائے گی؟ گویا ان کے نزدیک یہ بڑا مشکل کام تھا (ان کے دماغوں پر سوء معرفت کا پردہ تھا، اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں تھی۔ مرتب)

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کر کے فرمایا ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ "بے شک فیصلے کا دن ایک وقت مقرر ہے۔"

دلائل قدرت

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا﴾ کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو بچھونا۔ جس زمین پر تمھاری بود و باش ہے جس پر تم رہتے ہو اس کو ہم نے نہیں بنایا؟ اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ کیوں کہ اس کو تو مشرکین مکہ بھی مانتے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو کہتے اللہ تعالیٰ نے۔ چنانچہ سورۂ زمر آیت نمبر ۳۸ میں ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ "اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو تو یقیناً کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔"

تو فرمایا کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو بچھونا ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ اور پہاڑوں کو میخیں۔ اوتاد وَتَدٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے میخ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو جب پیدا فرمایا تو زمین میں اضطراب تھا حرکت تھی تو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے مضبوط پہاڑ بطور میخوں کے زمین میں گاڑ دیے تاکہ زمین کا توازن درست ہو جائے۔ اور دور نہ جاؤ ﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اور ہم نے پیدا کیا

تمھیں جوڑا جوڑا۔ مرد بھی پیدا کیے، عورتیں بھی پیدا کیں ﴿وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ اور بنایا ہم نے تمھاری نیند کو آرام کا ذریعہ۔ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے نیند نہ آئے تو صحت خراب ہو جاتی ہے۔ ایسے بیمار لوگ بھی ہیں جو نیند کے لیے گولیاں کھاتے ہیں۔ نیند سے بدن اعتدال پر آ جاتا ہے اور صحت برقرار رہتی ہے۔ تو یہ نیند کس نے بنائی ہے؟

﴿وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ اور بنایا ہم نے رات کو لباس۔ جس طرح لباس سے ستر اور پردہ ہوتا ہے اسی طرح رات بھی پردہ ہے ﴿وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ اور بنایا ہم نے دن کو ذریعہ معاش، روزی کمانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ زمین ہم نے بنائی، پہاڑ ہم نے بنائے، تمھیں ہم نے پیدا کیا، رات ہم نے بنائی، نیند ہم نے بنائی، دن ہم نے بنایا۔ اور سنو! ﴿وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴾ شِدَاد۔ شَدِيْدَةٌ کی جمع ہے اور بنائے ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان مضبوط۔ جب سے آسمان بنائے گئے ہیں آج تک ان میں کسی قسم کی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ آج کل حکومتیں عمارتوں کی تعمیر کا ٹھیکہ دیتی ہیں اور ساتھ ساتھ مرمت کا بھی ٹھیکہ دیتی ہیں مگر آسمان کو دیکھو ہزارہا سال گزر چکے ہیں دراڑ تک نہیں آئی۔ پھر نہ نیچے کوئی دیوار ہے نہ ستون ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑے ہیں۔

﴿وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾ اور بنایا ہم نے چراغ روشن۔ سورج کی روشنی سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ﴿وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا﴾ اور نازل کیا ہم نے نچوڑنے والے بادلوں سے پانی زور سے بہنے والا۔ بادل جو قطروں کو نچوڑتے ہیں ان سے زور کی بارش ہم نے برسائی ہے۔ بادل کس نے بنائے، ان میں بارش کس نے پیدا کی، بادلوں کو پانی سے کس نے بھرا؟ اور بارش کیوں برسائی؟ ﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا﴾ تاکہ ہم نکالیں اس کے ذریعے دانے اور سبزہ۔ وہ علاقے جن میں نہریں اور ٹیوب ویل ہیں بارش نہ ہو تو ان پر بھی زد پڑتی ہے اور جو بارانی علاقے ہیں کہ جہاں فصلیں صرف بارش سے ہوتی ہیں وہ بے چارے تو اجڑ (بنجر ہو) جاتے ہیں (اور ان کی زبان باہر نکل آتی ہے) تو بارش کے ذریعے دانے اور سبزیاں کون اُگاتا ہے، ان کا خالق کون ہے؟ ﴿وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ اور گھنے باغ۔ اَلْفَافًا لفیف کی جمع ہے اور لفیف کا معنیٰ ہے گھنا۔ ایسے باغ کہ ٹہنیوں پر ٹہنیاں جڑی ہوئی ہیں یہ باغ کس نے پیدا کیے ہیں؟

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں کیا تم ان کا انکار کر سکتے ہو؟ وہ قادر مطلق ہے جس نے یہ سب کام کیے جو تمہارے سامنے ہیں اور تم مانتے ہو اس کے لیے قیامت کا قائم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ وہ پروردگار جو دانوں کو مٹی میں ملا کر اُگا دیتا ہے۔ کیسے خوب صورت پودے کھڑے کر دیتا ہے، وہی تمھیں ریزہ ریزہ کر کے مٹی میں ملانے کے بعد دوبارہ کھڑا کرے گا۔

فرمایا ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ بے شک فیصلے والے دن کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس دن حق و باطل کا فیصلہ ہونا ہے اس کا وقت مقرر ہے وہ آ کر رہے گا۔ دنیا میں بھی مقدمے چلتے ہیں، فیصلے ہوتے ہیں مگر بسا اوقات سچا جھوٹا اور جھوٹا سچا ہو جاتا ہے، بے گناہ پھنس جاتے ہیں اور مجرم بری ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں کوئی دھوکا، فراڈ اور داؤ نہیں چل سکے گا

حق کا فیصلہ ہوگا۔ کب ہوگا؟ ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ جس دن پھونکا جائے گا صور میں، بگل پھونکی جائے گی۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ڈیوٹی لگائی ہے صور پھونکنے کی اور وہ رکوع کی حالت میں صور منہ پر رکھ کر انتظار میں کھڑا ہے کہ کب مجھے حکم ملے اور میں بگل بجا دوں۔ تو جس دن بگل پھونکی جائے گی ﴿فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا﴾ پس آؤ گے تم فوج در فوج۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک۔ ابلیس، جو ناری مخلوق میں پہلا ہے اس سے لے کر آخری جن تک، تمام حیوانات، چرند، پرند، حشرات الارض جمع ہوں گے۔ کیا نقشہ ہوگا شہروں کی اکٹھی آبادی کو سامنے رکھ کر اندازہ لگالو۔ جماعت در جماعت آئیں گے۔

یہ آسمان جو تمھیں نظر آرہا ہے ﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا﴾ اور کھول دیئے جائیں گے آسمان پس ہو جائیں گے دروازے ہی دروازے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ مکان سے دروازے نکال دیئے جائیں تو باقی خالی خانے اور سوراخ ہی سوراخ نظر آئیں گے پھٹنے سے پہلے یہ کیفیت ہوگی۔ پھر ساتوں آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح کتابوں پر بستہ لپیٹا جاتا ہے۔

سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۴ میں ہے ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ "جس دن ہم لپیٹیں گے آسمان کو جیسا کہ لپیٹا جاتا ہے بستہ کتابوں پر۔" یا اس طرح سمجھو کہ سائبان کو ضرورت کے وقت سر پر لٹکا دیا جاتا ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد اس کو لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے ﴿وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ﴾ اور چلا دیئے جائیں گے پہاڑ ﴿فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ اصل میں سراب کہتے ہیں ریتلے علاقوں میں دوپہر کے وقت جو گرمی نکلتی ہے یوں لگتا ہے ریت سے شعلے نکل رہے ہیں۔ تو معنیٰ کرتے ہیں چمکتی ہوئی ریت اور باریک غبار کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اور سورۃ القارعۃ پارہ ۳۰ میں ہے ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ "اور ہو جائیں گے پہاڑ رنگین دھنی ہوئی اون کی طرح۔" اور زمین کی سطح بالکل ہموار ہو جائے گی ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ (طٰہٰ: ۱۰۷، پارہ: ۱۶) "نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا" فرض کرو کوئی آدمی مشرق سے چل کر مغرب میں پہنچنا چاہے تو درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ کوئی نابینا شمال سے جنوب میں پہنچنا چاہے تو راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

اور یاد رکھو! ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾ مرصاد کا معنیٰ ہے گھات۔ جہاں بیٹھ کر لوگ دشمن پر حملہ کرتے ہیں یا شیر، چیتے کے شکار کے لیے کسی محفوظ جگہ پر چھپ کر بیٹھنا۔ تو وہ جگہ جہاں وہ شکار کے لیے بیٹھتے ہیں اس کو گھات کہتے ہیں اور عربی میں مِرصاد کہتے ہیں۔ تو جس طرح وہ چھپ کر بیٹھے ہوتے ہیں شکار کرنے کے لیے یا دشمن پر وار کرنے کے لیے اسی طرح جہنم تمھارے گھات میں ہے، انتظار میں ہے مگر سب کے لیے نہیں بلکہ ﴿لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا﴾ سرکشوں کے لئے ٹھکانا ہے ﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ اَحقاب حُقُبٌ کی جمع ہے۔ حُقُب کا معنیٰ ہے دَهْرًا طَوِيْلًا لمبا زمانہ۔ تو معنیٰ ہوگا ٹھہریں گے اس دوزخ میں زمانہ ہائے زمانہ۔ جنت دوزخ کی زندگی کتنی لمبی ہوگی؟ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور

دروغہ جہنم سے کہیں گے دعا کرواپنے رب سے ﴿یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ (المومن:۴۹) "ہلکا کردے وہ ہم سے ایک دن ہی عذاب۔" کچھ سکون ہوجائے گا۔ جس طرح مزدور اور ملازم چھٹی والے دن خوش ہوتے ہیں کہ آج سوئیں گے، آرام کریں گے۔ اسی طرح جہنمی کہیں گے کہ ایک دن عذاب میں تخفیف ہوجائے ہمیں سکون مل جائے مگر ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ نہیں چکھیں گے دوزخ میں ٹھنڈک اور نہ پانی۔ ٹھنڈا پانی نہیں ملے گا گرم پانی ملے گا جس کے متعلق آگے بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا﴾ نہیں چکھیں گے دوزخ میں ﴿بَرْدًا﴾ کوئی ٹھنڈک ﴿وَّلَا شَرَابًا﴾ اور نہ پانی ﴿اِلَّا حَمِیْمًا﴾ مگر گرم پانی ﴿وَّغَسَّاقًا﴾ اور پیپ ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ بدلہ ہوگا پورا پورا (ان کے اعمال کے موافق) ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا﴾ بے شک وہ تھے ﴿لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾ نہیں امید رکھتے حساب کی ﴿وَّكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا﴾ اور جھٹلایا انھوں نے ہماری آیتوں کو زور سے جھٹلانا ﴿وَكُلَّ شَیْءٍ﴾ اور ہر چیز کو ﴿اَحْصَیْنٰهُ﴾ شمار کر رکھا ہے ہم نے ﴿كِتٰبًا﴾ کتاب میں ﴿فَذُوْقُوْا﴾ پس چکھو تم ﴿فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ﴾ پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے ﴿اِلَّا عَذَابًا﴾ مگر عذاب ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ بے شک پرہیزگاروں کے لیے ﴿مَفَازًا﴾ کامیابی ہے ﴿حَدَآىِٕقَ﴾ باغات ہوں گے ﴿وَاَعْنَابًا﴾ اور انگور ﴿وَّكَوَاعِبَ﴾ اور نوجوان عورتیں ﴿اَتْرَابًا﴾ ہم عمر ﴿وَّكَاْسًا﴾ اور پیالے ہوں گے ﴿دِهَاقًا﴾ بھرے ہوئے ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا﴾ نہیں سنیں گے اس میں ﴿لَغْوًا﴾ کوئی بے ہودہ بات ﴿وَّلَا كِذّٰبًا﴾ اور نہ جھٹلانا ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ بدلہ ہوگا آپ کے رب کی طرف سے ﴿عَطَآءً﴾ دیا ہوا ﴿حِسَابًا﴾ حساب سے ﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿لَا یَمْلِكُوْنَ﴾ نہیں مالک ہوں گے ﴿مِنْهُ﴾ اس کی طرف سے ﴿خِطَابًا﴾ بات کرنے کے ﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ﴾ جس دن کھڑا ہوگا روح الامین ﴿وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿صَفًّا﴾ قطار در قطار ﴿لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ﴾ نہیں کلام کرسکیں گے ﴿اِلَّا مَنْ﴾ مگر وہ ﴿اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ جس کو اجازت دے گا رحمان ﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ اور کہے گا بات ٹھیک ﴿ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ﴾ یہ دن برحق ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ﴾ پس جو شخص چاہے ﴿اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ﴾ بنالے اپنے رب کی طرف ﴿مَاٰبًا﴾ ٹھکانا ﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ﴾ بے شک ہم نے تمھیں ڈرایا ہے ﴿عَذَابًا قَرِیْبًا﴾ قریبی عذاب سے ﴿یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ جس دن دیکھے گا آدمی ﴿مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ﴾ جو آگے بھیجا ہے اس کے ہاتھوں نے ﴿وَیَقُوْلُ الْكٰفِرُ﴾ اور کہے گا کافر

﴿یٰلَیْتَنِیْ﴾ کاش کہ میں ﴿كُنْتُ تُرٰبًا﴾ ہوتا مٹی۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قائم ہونے کے دلائل بیان فرمائے ہیں کہ جس ذات نے زمین پیدا کی، آسمان پیدا کیے، پہاڑ پیدا کیے، تمھارے جوڑے پیدا کیے، نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا، رات کو لباس بنایا، دن بنایا روزی کمانے کے لیے، بادلوں سے بارش برسائی، زمین سے دانے اُگائے، گھنے باغات پیدا کیے۔ جو رب یہ سارے کام کرسکتا ہے اس کے لیے قیامت قائم کرنا کیا مشکل ہے۔ وہ قیامت قائم کرے گا۔ پھر ایک گروہ دوزخ میں جائے گا۔ جہنم سرکشوں کی تاک میں ہے اور وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ وہ قرن ہائے قرن دوزخ میں رہیں گے ﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا﴾ نہیں چکھیں گے وہ دوزخ میں ٹھنڈک اور نہ پانی ﴿اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا﴾ مگر گرم پانی اور پیپ۔

دنیا میں گرمی کے موسم میں لوگ ٹھنڈی بوتلیں پی کر، شربت، جوس پی کر کلیجے کو ٹھنڈا کرتے ہیں لیکن دوزخیوں کو گرم پانی ملے گا ایسا کہ ﴿یَشْوِی الْوُجُوْهَ﴾ (سورۃ الکھف) "چہروں کو جلا دے گا۔" ﴿یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ﴾ (ابراہیم:۱۷) "گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا۔" اور قریب نہیں ہوگا کہ حلق سے اتار سکے۔ چند قطرے بھی اندر چلے گئے تو ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ (سورۃ محمد:۱۵) "پس کاٹ ڈالے گا ان کی آنتوں کو۔" آنتوں کو ریزہ ریزہ کر کے پاخانے کے راستے نکال دے گا۔ جس طرح جمال گوٹہ اندر سے سب کچھ نکال دیتا ہے۔

اور سورت حج آیت نمبر ۲۰-۱۹ میں ہے "اور بہایا جائے گا ان کے سروں پر گرم پانی ﴿یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ﴾ پگھلایا جائے گا اس کے ساتھ جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں بھی جلائی جائیں گی۔" سارا چمڑا اُدھڑ کر پاؤں سے اتر جائے گا۔ کوئی ایک قسم کا عذاب نہیں ہے۔ اور زخموں سے بہنے والی پیپ ہوگی۔ اور یہ معنیٰ بھی ہے کہ وہ پانی جس سے پیپ اور خون دھویا گیا ہو (پیپ اور خون آلود پانی) وہ پلایا جائے گا۔ آج ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے کراہت ہوتی ہے۔ یہ ان کو پینے کے لیے دیا جائے گا۔

﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ بدلہ ہوگا پورا پورا ان کے اعمال کا جو انھوں نے کیے ہیں۔ یہ بدلہ ان کو کیوں ملے گا؟ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾ بے شک وہ امید نہیں رکھتے تھے حساب کی۔ کہتے تھے کوئی قیامت نہیں کوئی حساب نہیں، کوئی میدان محشر نہیں، کوئی جنت دوزخ نہیں ہے ﴿وَّ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا﴾ اور جھٹلایا انھوں نے ہماری آیتوں کو زور سے جھٹلانا۔ کَذَبَ کا معنیٰ ہے جھوٹ اور کِذَّاب کا معنیٰ ہوتا ہے زوردار طریقے سے جھٹلانا۔ مثلاً: کسی نے کہا یہ قرآن جادو ہے، کسی نے کہا خود گھڑ کے لایا ہے، کسی نے کہا اساطیر الاوّلین پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا ہوا نہیں ہے۔ کہہ لو جو کچھ کہنا ہے اور کر لو جو کچھ کرنا ہے ﴿وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا﴾ اور ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے ہم نے کتاب میں۔ ہر چیز کا ہم نے احاطہ کیا ہوا ہے۔

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر اس کے فنا ہونے تک کی ہر چیز لوح محفوظ میں درج ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ کتاب سے مراد ہر آدمی کا اعمال نامہ ہے۔ اس نے جو کیا ہے وہ اس میں درج ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ (بنی اسرائیل:۱۴) "پڑھ اپنا اعمال نامہ۔" ہر آدمی اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ چاہے پڑھا ہوا ہے یا اَن پڑھ ہے۔ اَن پڑھ کو اللہ تعالیٰ پڑھنے کی قوت عطا فرمائیں گے۔ خود پڑھے گا اور تعجب کرے گا اور کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ (الکہف:۴۹) "کیا ہے اس کتاب کو، میرے اعمال نامے کو نہیں چھوڑتا کوئی چھوٹی بات اور نہ کوئی بڑی بات مگر اس نے اس کو سنبھال رکھا ہے۔"

سب کچھ اس میں درج ہے۔ آج دنیا میں انسان کئی نیکی، بدی کے کام کر کے بھول جاتا ہے۔ وہاں دماغ اتنا مضبوط اور قوی کر دیا جائے گا کہ ہر چیز اس کے ذہن میں آجائے گی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ہم کہیں گے ﴿فَذُوْقُوْا﴾ پس چکھو تم اے مجرمو! ﴿فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔ روز بہ روز عذاب کا اضافہ ہوگا۔ مثلاً: آج اگر چار درجے کا ہے تو کل پانچ درجے کا ہوگا اور پرسوں چھ درجے کا ہوگا۔ جس طرح مومنوں کی خوشیوں میں اضافہ ہوگا کہ آج کے پھل کی اور لذت، کل کے پھل کی اور لذت اور پچھلے دن والے کی زیادہ لذت ہوگی۔ مقدار اور تعداد بھی بڑھتی جائے گی۔ کافروں کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ قیامت قائم ہونے کے بعد نافرمانوں اور سرکشوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اب ان کے مدمقابل پرہیزگاروں کا حال سنو!

فرمایا ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا﴾ بے شک پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہے۔ متقین کا مادہ تقویٰ ہے۔ اور تقویٰ کا معنیٰ ہے بچنا۔ بہترین تقویٰ کفر و شرک سے بچنا ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ پھر اس چیز سے بچنا ہے جس سے شریعت نے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تو ایسے لوگ جو کفر، شرک سے لے کر کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے بچتے ہیں ان کے لیے کامیابی ہے۔ پھر ﴿مَفَازًا﴾ مصدر میمی بھی بن سکتا ہے جس کا معنیٰ ہے کامیابی اور اسم ظرف کا صیغہ بھی بن سکتا ہے جس کا معنیٰ ہے کامیابی کی جگہ۔ دونوں معنیٰ صحیح ہیں۔

فرمایا ﴿حَدَآئِقَ﴾ یہ حدیقۃٌ کی جمع ہے۔ حدیقہ ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے ارد گرد دیوار ہو۔ چاہے اینٹوں کی ہو، پتھروں کی ہو، مٹی کی ہو یا درختوں کی ہو۔ اور ایسا باغ جس کے ارد گرد دیوار نہ ہو اسے عربی میں روضہ کہتے ہیں۔ تو پرہیزگاروں کے لیے باغ ہوں گے جن کی حد بندی ہوگی ﴿وَّ اَعْنَابًا﴾ اور انگور ہوں گے۔ اَعْنَاب عِنَبٌ کی جمع ہے اور عِنَبٌ کا معنیٰ ہے انگور۔ دنیا کے انگور جنت کے انگوروں کے مقابلے کچھ حیثیت نہیں رکھتے ﴿وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا﴾ اور نوجوان عورتیں ہم عمر۔ ﴿وَّ كَوَاعِبَ﴾ یہ کَاعِبٌ کی جمع ہے اور کَاعِب اس عورت کو کہتے ہیں جو اب جوان ہوئی ہے یعنی اس کے پستان اُبھر آئے ہوں، اُٹھتی جوانی۔ اور اَتْرَاب تِرْبٌ کی جمع ہے۔ تِرْبٌ کا معنیٰ ہے ہم عمر۔ یعنی وہ حوریں نوخیز اور ہم عمر ہوں گی۔ یعنی جنتی مردوں اور حوروں کی عمریں برابر ہوں گی۔

اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ عورتیں آپس میں ہم عمر ہوں گی اور جنتیوں پر بڑھاپا نہیں آئے گا، شباب رہے گا۔ تیس

سال کے لگ بھگ عمریں رہیں گی۔ کہتے ہیں کہ طبی اعتبار سے تیس سال کی عمر میں قوت بدنی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ اور آدمی جب چالیس سال کا ہوجاتا ہے تو قوت، عقل اور دماغ مکمل ہوجاتے ہیں۔ اور چالیس سال کے بعد قوت بدنی آہستہ آہستہ گھٹنی شروع ہوجاتی ہے (جتنی چاہے طاقت کی چیزیں استعمال کرے اور سونے ہیرے کے کشتے کھائے۔ مرتب)

تو فرمایا نوجوان ہم عمر عورتیں ہوں گی ﴿وَّ كَاْسًا دِهَاقًا﴾ اور پیالے ہوں گے بھرے ہوئے، دودھ کے، شراب کے، شہد کے، خالص پانی کے اور جنت کے چشموں کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ کافور، زنجبیل، سلسبیل اور کوثر کے چشمے۔ ان ذائقوں سے آدمی کو لطف و سرور آئے گا اور پینے کے بعد طبیعت میں اتنی خوشی ہوگی کہ دنیا میں کسی شے کے کھانے سے طبیعت اتنی خوش نہیں ہوتی۔ فرمایا ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا﴾ نہیں سنیں گے جنت میں ﴿لَغْوًا﴾ کوئی بے ہودہ بات۔ جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، دل آزاری کی کوئی بات نہیں ہوگی ﴿وَّلَا كِذّٰبًا﴾ اور نہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی بات ہوگی۔

دنیا میں لوگ ایک دوسرے کو جھٹلاتے ہیں جیسے سیاسی لوگ ایک دوسرے کو جھٹلاتے رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے وہ جھوٹا ہے، وہ (دوسرا) کہتا ہے یہ جھوٹا ہے۔ ہم کہتے ہیں سب سچ کہتے ہیں۔ کیونکہ ہیں تو سارے ہی جھوٹے۔ لیکن جنت میں کوئی کسی کو نہیں جھٹلائے گا ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ بدلہ ہوگا آپ کے رب کی طرف سے ﴿عَطَآءً حِسَابًا﴾ دیا ہوا حساب سے۔ یہاں حساب کا معنیٰ کافی ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کو جو بدلہ ملے گا وہ کافی ہوگا ﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے۔ فضا اور خلا ہے اور اس میں جو کچھ ہے اُس کا بھی رب ہے۔

رب کا معنیٰ ہے پالنے والا، تربیت کرنے والا ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ اور رحمان ہے بہت رحم کرنے والا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رحمان اسے کہتے ہیں جو بن مانگے دے اور رحیم اسے کہتے ہیں جو مانگنے پر دے۔ دیکھو! کتنی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بن مانگے عطا فرمائی ہیں۔ وجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں بن مانگے دیئے، زبان، آنکھیں، کان، ہاتھ، پاؤں، اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے عطا فرمائے۔ کیوں کہ اس وقت انسان کو کوئی شد بدھ نہیں تھی۔ تو یہ ساری چیزیں بن مانگے عطا فرمائیں۔ پھر جب شد بدھ حاصل ہوئی تو انسان نے اپنی ضروریات مانگنی شروع کیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کے حق میں جو چیز بہتر سمجھتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

تو فرمایا وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ رحمان ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا﴾ نہیں مالک ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات کرنے کے، گفتگو کرنے کے۔ محشر میں اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق جلوہ افروز ہوں گے جو اس کے لائق ہوگی۔ مخلوق بالکل خاموش ہوگی کوئی بات نہیں کر سکے گا ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ﴾ روح سے مراد "جبرئیل علیہ السلام" ہیں کیوں کہ روح القدس جبرئیل علیہ السلام کا لقب ہے اور روح الامین بھی ان کا لقب ہے اور تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ یہ جبرئیل علیہ السلام بھی کھڑے ہوں گے ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا﴾ اور باقی

فرشتے بھی صف بہ صف کھڑے ہوں گے۔

انسان الگ کھڑے ہوں گے، جنات الگ کھڑے ہوں گے، حیوان الگ کھڑے ہوں گے، عجیب منظر ہوگا ہر ایک کو اپنے اپنے نفس کی پڑی ہوگی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس آدمی کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے تیری نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں ایک نیکی تلاش کر کے لاتا کہ تیرا نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے۔ تو وہ بڑی چاہ کے ساتھ اپنے لنگوٹیے یار کے پاس جائے گا کہ بھائی مجھے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے، دے دے۔ وہ کہے گا اِلَيْكَ عَنِّيْ "میرے سے پیچھے ہٹ جا تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گا۔" پھر اپنے بھائی کے پاس جائے گا، پھر باپ کے پاس جائے گا، سب جواب دے دیں گے۔ آخر میں اپنی ماں کے پاس جائے گا اور کہے گا اَتَعْرِفُنِيْ "کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟" کہے گی ہاں تو میرا وہی بیٹا ہے جس کو میں نے پیٹ میں اٹھایا اور جنا اور پرورش کی۔ کہے گا امی! پھر بات یہ ہے کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے ایک نیکی مجھے دے دے تاکہ میرا نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے۔ وہ کہے گی اِلَيْكَ عَنِّيْ "پیچھے ہٹ جا تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گی؟"

سورۃ عبس پارہ ۳۰ میں ہے ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾ "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور بھاگے گا اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔" ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔

تو فرمایا جس دن کھڑے ہوں گے روح یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے قطار در قطار ﴿لَا يَتَكَلَّمُوْنَ﴾ نہیں کلام کر سکیں گے ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ مگر وہ جس کو اجازت دے گا رحمان۔ جس کو رحمان بولنے کی اجازت دے گا وہ بول سکے گا ﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ اور کہے گا بات درست۔ آج دنیا میں ایسے ہوشیار قسم کے لوگ بھی ہیں جو دوسرے کو جھوٹ بول کر مطمئن کر دیتے ہیں مگر وہاں یہ داؤ نہیں چلے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی وہ ﴿عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ہے، دلوں کے راز جانتا ہے۔ فرمایا ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ﴾ یہ دن برحق ہے، سچا ہے، انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو جب یہ حق ہے تو ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾ پس جو شخص چاہے بنالے اپنے رب کی طرف ٹھکانا۔ آج موقع ہے جو کر سکتے ہو کر لو آنکھیں بند ہونے کے بعد کچھ نہیں کر سکو گے۔ اگر کچھ نہ کیا، کفر شرک سے باز نہ آئے تو پھر کیا ہوگا؟ ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ "اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھ ﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ (فرقان: ۲۷) کاش میں بنا لیتا اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ راستہ۔" مگر اس وقت چیخنا چلانا کس کام کا۔

تو فرمایا پس جو شخص چاہے بنالے اپنے رب کی طرف ٹھکانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا﴾ بے شک ہم نے تمھیں ڈرایا ہے قریبی عذاب سے ﴿يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ جس دن دیکھے گا آدمی ﴿مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ جو آگے بھیجا ہے اس کے ہاتھوں نے۔ نیکی اور بدی جو بھی کی ہے سب سامنے ہوگی ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ﴾ اور کہے گا کافر ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾

کاش کہ میں ہوتا مٹی۔ بات توجہ سے سنیں! قیامت والے دن حساب تو جانوروں کا بھی ہونا ہے لیکن حساب کتاب کے بعد جانوروں کو اللہ تعالیٰ خاک بنا دیں گے سوائے تیرہ جانوروں کے کہ وہ جنت میں جائیں گے۔

ایک ان میں سے اصحاب الکہف کا کتا ہے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ھد ھد ہے، باقیوں کے نام بھی تفسیروں میں لکھے ہیں۔ باقی سب جانور خاک کر دیئے جائیں گے۔ تو جس وقت جانوروں کو خاک کر دیا جائے گا تو کافر کہے گا کہ کاش میں بھی مٹی ہو جاتا کیوں کہ سامنے نظر آ رہی ہوگی ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ﴾ (الشعراء:۹۱) ایک تفسیر یہ ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ کافر سے کافر اعظم مراد ہے، اور کافر اعظم ابلیس لعین ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا اور اس نے انکار کر دیا تھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ "کس چیز نے روکا تجھے کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس موقع پر ابلیس نے کہا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ میں اس سے بہتر ہوں ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (الاعراف:۱۲) آپ نے مجھے پیدا کیا آگ سے اور اس کو پیدا کیا مٹی سے۔" میں خاکی کو سجدہ کیوں کروں؟ لیکن اس دن ابلیس یہ کہے گا کہ میں بھی مٹی ہوتا کہ آج خاکیوں کو کیسے عہدے مل رہے ہیں کاش! کہ میں بھی مٹی ہوتا اور درجے پاتا۔ تو کافر سے مراد کافر اعظم ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفْسِیْر

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۴۶ (۷۹) سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۸۱) رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان کھینچ لاتے ہیں بدن میں ڈوب کر ﴿وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو گرہ کھول دیتے ہیں کھول دینا ﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو تیرتے ہیں تیرنا ﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو سبقت لے جاتے ہیں سبقت لے جانا ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو تدبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی ﴿یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ﴾ جس دن کانپے گی کانپنے والی ﴿تَتْبَعُہَا الرَّادِفَۃُ﴾ اس کے پیچھے لگے گی پیچھے لگنے والی ﴿قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ﴾ کچھ دل اس دن کانپ رہے ہوں گے ﴿اَبْصَارُہَا خَاشِعَۃٌ﴾ آنکھیں ان کی جھکی ہوں گی ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ﴾ کیا بے شک ہم لوٹائے جائیں گے پہلی حالت کی طرف ﴿ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً﴾ کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں بوسیدہ ﴿قَالُوْا﴾ یہ کہتے ہیں ﴿تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ﴾ یہ لوٹ آنا تو نقصان دہ ہوگا ﴿فَاِنَّمَا ہِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ﴾ پس پختہ بات ہے وہ جھڑک ہوگی ایک ہی ﴿فَاِذَا ہُمْ بِالسَّاہِرَۃِ﴾ پس اچانک وہ میدان میں ہوں گے ﴿ہَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی﴾ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بات ﴿اِذْ نَادٰہُ رَبُّہٗ﴾ جب پکارا اس کو اس کے رب نے ﴿بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی﴾ پاکیزہ میدان میں جس کا نام طویٰ ہے ﴿اِذْہَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ﴾ جاؤ فرعون کی طرف ﴿اِنَّہٗ طَغٰی﴾ بے شک اس نے سرکشی کی ہے ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہیں ﴿ہَلْ لَّکَ﴾ کیا تجھے رغبت ہے ﴿اِلٰۤی اَنْ تَزَکّٰی﴾ اس بات کی طرف کہ تو پاک ہو جائے ﴿وَاَہْدِیَکَ﴾ اور میں تیری راہ نمائی کروں ﴿اِلٰی رَبِّکَ﴾ تیرے رب کی طرف ﴿فَتَخْشٰی﴾ پس تیرے اندر خوف پیدا ہو جائے ﴿فَاَرٰىہُ الْاٰیَۃَ الْکُبْرٰی﴾ پس دکھائی موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بڑی نشانی ﴿فَکَذَّبَ وَعَصٰی﴾ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر اس نے پشت پھیری ﴿یَسْعٰی﴾ دوڑا ﴿فَحَشَرَ﴾ پس اس نے اکٹھا کیا لوگوں کو ﴿فَنَادٰی﴾ پس اس نے پکارا ﴿فَقَالَ﴾ پس کہنے لگا ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں ﴿فَاَخَذَہُ اللّٰہُ﴾ پس پکڑا اس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ﴾ آخرت کی سزا میں ﴿وَالْاُوْلٰی﴾ اور دنیا کی سزا میں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً﴾ بے شک اس میں البتہ عبرت ہے ﴿لِّمَنْ یَّخْشٰی﴾ اس کے لیے جو ڈرا۔

نام، کوائف اور موضوع

اس سورت کا نام نازعات ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں یہ لفظ موجود ہے، اسی سے لیا گیا ہے۔ اس سورت کے دو رکوع اور چھیالیس (۴۶) آیتیں ہیں۔ اس سے پہلے اَسّی (۸۰) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ پچھلی سورت کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو ثابت کیا ہے۔

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ سے لے کر ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ تک کی مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (تفسیر عزیزی میں ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ فرشتے مراد ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قسمیں اٹھائی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان کھینچ لاتے ہیں بدن میں ڈوب کر، غوطہ لگا کر۔ فرشتوں کے لیے جان کے اندر جانا آنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ فرشتوں کے لیے تو دیواروں کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فرشتوں کے لیے دیواریں ایسے ہی ہیں جیسے پرندوں کے لیے ہوا۔ ہم مرنے والے کو دفن کر کے منوں کے حساب سے اس کے اُوپر مٹی ڈال دیتے ہیں اور فرشتے حساب کتاب کے لیے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی دروازہ ہے، نہ کھڑکی ہے، نہ کوئی سوراخ ہے۔ تو فرشتوں کے لیے یہ چیزیں کوئی شے نہیں ہیں یعنی بے حیثیت ہیں۔

سورت النساء آیت نمبر ۷۸ میں ہے ﴿اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ﴾ "تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمھیں پا لے گی اگرچہ تم مستحکم اور مضبوط قلعوں میں ہو۔" بعض بچے جان پڑنے کے بعد ماں کے پیٹ ہی میں فوت ہو جاتے ہیں۔ فرشتے پیٹ میں ہوتے ہوئے جان نکال لیتے ہیں، پیٹ میں پہنچ جاتے ہیں۔ ﴿وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو گرہ کھول دیتے ہیں گرہ کھول دینا۔ فرشتے مومنوں کی جان اس طرح آسانی سے نکال لیتے ہیں جس طرح کوئی گرہ آرام سے کھول لی جاتی ہے روح کو نکلنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی ﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو تیرتے ہیں تیرنا ﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو سبقت لے جاتے ہیں رب تعالیٰ کے حکم میں سبقت لے جانا ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو تدبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی۔ جو کام اللہ تعالیٰ ان کے سپرد کرتا ہے اس کی تدبیر کرتے ہیں۔ اس تفسیر کی رو سے یہ ساری صفات فرشتوں کی ہیں اور جواب قسم محذوف ہے اور وہ ہے لَتُبْعَثُنَّ البتہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم اُٹھا کر فرمایا ہے تم ضرور اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ مجاہدین کی صفتیں ہیں۔ معنیٰ ہو گا قسم ہے مجاہدین کی ان جماعتوں کی جو کھینچ لاتے ہیں اپنے قیدیوں کو دشمنوں کی فوجوں میں گھس کر لڑائی کے دوران مجاہدین کے ساتھی بھی گرفتار ہوتے ہیں تو یہ اپنے ساتھیوں کو دشمنوں میں گھس کر کھینچ لاتے ہیں ﴿وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ اور قسم ہے ان مجاہدین کی جو قیدیوں کی گرہ کھول دیتے ہیں۔ کسی کو ہتھکڑی لگی ہوئی

ہے، کسی کو بیڑی لگی ہوئی ہے، کسی کو رسی سے باندھا ہوا ہے، یہ ساری گرہیں کھول کر ساتھیوں کو نکال لاتے ہیں ﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾ اوران کو لے کر اپنے مورچوں کی طرف تیرتے ہوئے جاتے ہیں ﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴾ اور قسم ہے ان مجاہدین کی جو ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ اور قسم ہے ان مجاہدین کی جماعتوں کی جو تدبیر کرتے ہیں کام کی۔ حسن تدبیر سے جہاد کرتے ہیں، مورچے سنبھالتے ہیں، دفاع بھی کرتے ہیں، کافروں سے لڑتے بھی ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ علماء مراد ہیں کہ علماء کی جماعتیں علم کی گہرائی میں ڈوب کر نکات نکالتی ہیں۔(نکتہ آفرینی کرتی ہیں) علماء لوگوں کے شکوک وشبہات کی گرہوں کو کھولتے ہیں اور تیرتے ہیں علمی میدان میں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں اور حسن تدبیر سے دین پہنچاتے ہیں۔

چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے واعظین مراد ہیں کہ پہلے زمانے میں علماء خود جا کر وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ آج کل اس کا سمجھنا مشکل نہیں یوں سمجھ لو کہ معنی ہے کہ جس طرح یہ تبلیغی جماعتیں آدمیوں کو کھینچ کر لاتی ہیں محلوں سے، دفتروں اور دکانوں سے، مسجدوں میں داخل کرتے ہیں اور ان کے حیلوں بہانوں کی گرہیں کھول کر کہ کوئی کہتا ہے میری دکان ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے سے بڑھ کر تبلیغ کرتے ہیں۔ اور وہ جماعتیں حسن تدبیر سے کام کو چلاتی ہیں۔ جواب قسم ہے تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے قیامت ضرور آئے گی۔ کس دن آئے گی؟ ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ جس دن کانپے گی کانپنے والی۔ یہ پہلا نفخہ ہوگا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جب صور پھونکیں گے تو ساری دنیا کانپے گی جیسے ریل گاڑی جب لائن پر سے گزرتی ہے تو آس پاس کی چیزیں کانپتی ہیں، زمین ہلتی ہے۔ ہوائی جہاز جب نزدیک ہو تو مکان کانپتے ہیں حالاں کہ یہ چیزیں بندوں کی ایجاد ہیں۔ اور نفخہ اسرافیل تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے وہ جب پھونکیں گے تو ساری دنیا کانپے گی ﴿تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ اس کے پیچھے لگے گی پیچھے لگنے والی۔ چالیس سال کے بعد اسرافیل علیہ السلام پھر صور پھونکیں گے اور ساری دنیا اُٹھ کھڑی ہوگی۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق پہلے اور دوسرے نفخے کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا ﴿قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾ کچھ دل اس دن کانپ رہے ہوں گے، خوف زدہ ہوں گے۔ یہ وہ ہوں گے جو مجرم، نافرمان اور رب تعالیٰ کے باغی ہوں گے۔ مومنوں کو کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (الانبیاء:۱۰۳) "نہیں غم میں ڈالے گی ان کو بڑی گھبراہٹ اور ملیں گے ان سے فرشتے۔" صرف رب تعالیٰ کی جلالت کی گھبراہٹ ہوگی، جرموں کی گھبراہٹ نہیں ہوگی ﴿اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ آنکھیں ان کی جھکی ہوں گی شرمندگی کی وجہ سے کہ ہم انکار کرتے رہے، قیامت کا، میدان محشر کا، پل صراط کا۔ تو یہ سب کچھ جب سامنے آجائے گا تو شرمندہ ہو جائیں گے اور جب آدمی شرمندہ ہوتا ہے تو آنکھیں جھکا لیتا ہے۔

اور آج ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ یہ کافر لوگ کہتے ہیں ﴿ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ﴾ کیا ہم لوٹائے جائیں گے پہلی حالت کی

طرف جس میں ہمارا روح اور جسم اکٹھے ہیں اور ہم چلتے پھرتے ہیں۔ مر کے جب ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ہڈیاں ہو جائیں گے پھر ہم موجودہ حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴾ کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں بوسیدہ۔ اگر ان کو ہاتھ لگاؤ تو چورا چورا ہو جاتی ہیں ﴿قَالُوْا﴾ کہتے ہیں ﴿تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾ یہ لوٹ کر آنا تو نقصان دہ ہوگا۔ یہ استہزاء کرتے تھے کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے خاک میں رل مل جائیں گے پھر ہم موجودہ حالت میں انسان بنا دیئے جائیں گے پھر تو بڑا نقصان ہوگا۔ یہ مذاق اُڑاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ پس بے شک وہ جھڑک ہوگی ایک ہی۔ حضرت اسرافیل جب بگل پھونکیں گے سارے انسان جہاں بھی ہوں گے میدان میں آ جائیں گے۔ چاہے درندوں نے کھائے ہیں یا مچھلیوں نے ہڑپ کیے ہیں یا پرندوں نے نوچے ہیں، کوئی ایک بھی غیر حاضر نہیں رہے گا ﴿فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ پس اچانک وہ میدان میں ہوں گے۔ سَاهِرَة کا معنیٰ ہے میدان۔

قریش مکہ کی اس ضد پر کہ ہم نے دوبارہ نہیں اٹھنا کوئی قیامت نہیں ہے اور توحید کے انکار کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا افسوس ہوتا تھا، بڑا صدمہ ہوتا تھا اور طبعی طور پر ہونا بھی چاہیے تھا کہ اپنی قوم کو اپنی زبان میں سمجھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فصاحت اور بلاغت عطا فرمائی تھی۔ جو فرماتے تھے سارے سمجھ جاتے تھے۔ پیغمبر کی پاک زبان ہو، قوم کی بولی میں سمجھائے، پھر معاوضے کا مطالبہ بھی کوئی نہ ہو اور یہ کہیں کہ ﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ "میری مزدوری اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔" پھر بھی نہ مانیں تو کس قدر افسوس ہوتا ہے۔ پھر فائدہ بھی ان کا اور الٹا کہیں کہ جادوگر ہے، جھوٹا ہے۔ کاہن اور مفتری کہیں تو طبعی طور پر ان باتوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ اگر آج یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں پہلے موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

فرمایا ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس خبر موسیٰ علیہ السلام کی ﴿اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ﴾ جس وقت پکارا موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے ﴿بِالْوَادِ﴾ میدان میں ﴿الْمُقَدَّسِ﴾ جو پاکیزہ ہے ﴿طُوًى﴾ اس کا نام طویٰ ہے۔ طور پہاڑ کے دامن میں جو وادی ہے اس کا نام طویٰ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس آ رہے تھے آپ کے ساتھ اہلیہ محترمہ حضرت صفورا علیہا السلام اور بعض روایتوں میں ہے کہ خادم بھی ساتھ تھا۔ رات کا وقت تھا، سردی کا موسم تھا، راستہ بھول گئے۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہ ایک طرف آگ نظر آئی تو ﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا اِنِّيْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ (طٰہٰ:۱۰) "پس کہا اپنے گھر والوں کو تم ٹھہرو میں نے

آگ دیکھی ہے تاکہ میں لاؤں تمھارے پاس اس میں سے کوئی شعلہ سلگا کر یا پاؤں میں آگ پر کوئی راہ بتانے والا۔" وہاں ایک درخت تھا بعض کہتے ہیں کہ عناب کا درخت تھا۔

بعض کہتے ہیں آکاس بیل جو کیکر وغیرہ درختوں پر پیلے رنگ کی چڑھی ہوتی ہے۔عربی میں اس کو علیق کہتے ہیں۔ اس میں روشنی تھی جیسے ٹیوب جل رہی ہو۔ وہ ظاہری آگ نہ تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور تھا۔ وہاں جس وقت پہنچے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ﴾ "میں آپ کا رب ہوں" میں تجھے نبوت دوں گا۔ اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی اور عصا مبارک والا معجزہ اور ید بیضا والا معجزہ بھی ملا۔

اور فرمایا ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ جاؤ فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی کی ہے ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہیں ﴿هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى﴾ کیا تجھے رغبت ہے اس بات کی طرف کہ تو پاک ہو جائے شرک سے، کفر سے، ظلم و جبر سے اے ظالم! تیرے حکم سے بارہ ہزار بچے اس لیے قتل ہوئے کہ تیرا اقتدار خطرے میں ہے ﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اور میں تیری راہ نمائی کروں تیرے رب کی طرف ﴿فَتَخْشٰى﴾ پس تیرے اندر خوف پیدا ہو جائے کہ تو نہ بندوں کا حق مارے اور نہ اللہ تعالیٰ کا۔

چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا ﴿فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى﴾ پس دکھائی اس کو بڑی نشانی ﴿فَكَذَّبَ وَعَصٰى﴾ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ﴾ پھر اس نے پشت پھیری ﴿يَسْعٰى﴾ دوڑا، کوشش کی جادوگروں کو لانے کی ﴿فَحَشَرَ﴾ پس اس نے جمع کیا جادوگروں کو ﴿فَنَادٰى﴾ پس اس نے پکارا یعنی میدان میں آکر للکارا ﴿فَقَالَ﴾ پس کہا لوگوں سے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ میں تمھارا اعلیٰ رب ہوں ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ﴾ پس پکڑا اس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿نَكَالَ الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کی سزا میں ﴿وَالْاُوْلٰى﴾ اور دنیا کی سزا میں کہ بحر قلزم میں ڈبویا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً﴾ بے شک اس میں عبرت ہے کہ سرکشی کرنے والوں کا کیا انجام ہے ﴿لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ اس کے لیے جو ڈرا۔ ڈرنے والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ کیا تم زیادہ سخت ہو پیدائش میں ﴿اَمِ السَّمَآءُ﴾ یا آسمان ﴿بَنٰىهَا﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس کو ﴿رَفَعَ سَمْكَهَا﴾ بلند کی اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ پس اس کو ہموار کیا ﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا﴾ اور تاریک بنایا اس کی رات کو ﴿وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا﴾ اور نکالا اس کی روشنی کو ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ اور زمین کو اس کے بعد پھیلا دیا ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا﴾ نکالا زمین سے اس کا پانی ﴿وَمَرْعٰىهَا﴾ اور چارا ﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ اور پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ یہ تمھارے فائدے کے لیے ہے ﴿وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ اور تمھارے مویشیوں کے لیے ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ پس جب آئے گا بڑا حادثہ ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ

الْاِنْسَانُ﴾ جس دن یاد کرے گا انسان ﴿مَا سَعٰى﴾ جو اس نے کوشش کی ہے ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ﴾ اور ظاہر کر دی جائے گی شعلہ مارنے والی آگ ﴿لِمَنْ يَّرٰى﴾ اس کے لیے جو دیکھے ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى﴾ بہر حال وہ شخص جس نے سرکشی کی ﴿وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور ترجیح دی دنیا کی زندگی کو ﴿فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ پس بے شک شعلہ مارنے والی آگ ہی اس کا ٹھکانا ہے ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ﴾ اور بہر حال جو ڈرا ﴿مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ اور روکا اپنے نفس کو خواہشات سے ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ یہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے قیامت کے بارے میں ﴿اَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ کب ہوگا اس کا قائم کرنا ﴿فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا﴾ تجھے کیا ضرورت ہے قیامت کے ذکر کے بارے میں ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ آپ کے رب کی طرف ہے اس کی انتہاء ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا﴾ پختہ بات ہے آپ ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو قیامت سے خوف کھاتا ہے ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا﴾ گویا کہ وہ جس دن دیکھیں گے قیامت کو ﴿لَمْ يَلْبَثُوْٓا﴾ کہ وہ نہیں ٹھہرے دنیا میں ﴿اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾ مگر دن کا پچھلا پہر یا پہلا پہر۔

اثباتِ قیامت

اس سے پہلے رکوع میں بھی قیامت کا اثبات تھا۔ اس رکوع میں بھی قیامت کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے قیامت کے منکرو! ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا﴾ کیا تم زیادہ سخت ہو خلقت اور پیدائش میں ﴿اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا﴾ یا آسمان کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے۔ کیا تمھارا چھوٹا سا وجود بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اتنا بڑا وجود بنانا مشکل ہے؟ پھر ایک آسمان نہیں سات آسمان ہیں جن کو رب تعالیٰ نے بنایا ہے ﴿رَفَعَ سَمْكَهَا﴾ بلند کی اللہ تعالیٰ نے آسمان کی چھت۔ نیچے نہ کوئی کھمبا، نہ ستون، نہ کوئی دیوار، اس رب کے لیے تمھاری پیدائش کیا مشکل ہے ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ پس اس کو ہموار کیا۔ ایسا لیول، برابر کہ اس میں رتی برابر کوئی کمی نہیں ہے۔ آج مستری اپنا پورا زور لگا کر مکان بناتے ہیں، چھتیں ڈالتے ہیں پھر بھی تھوڑا بہت فرق رہ جاتا ہے لیکن رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے آسمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسری دلیل: ﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا﴾ اور تاریک کیا اس کی رات کو۔ رب تعالیٰ نے رات کو پیدا کیا اور تاریک بنایا اس کے لیے تمھارا دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے؟

تیسری دلیل: ﴿وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا﴾ اور نکالا اس کی روشنی کو۔ دن پیدا کیا، دن بنانا مشکل ہے، رات بنانا مشکل ہے آسمان بنانا مشکل ہے یا تمھارا دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے؟

اور دلیل: ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ اور زمین کو اس کے بعد پھیلا دیا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین کا مادہ بنا کر پیڑا بنا کر رکھ دیا پھر سات آسمان بنائے اس کے بعد زمین کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ جس طرح پہلے آٹے کا پیڑا بنایا جاتا ہے پھر اس کی پھیلا کر روٹی بنائی جاتی ہے۔ تو رب تعالیٰ نے زمین کا پیڑا بنا کر مکہ مکرمہ کے مقام پر رکھ دیا پھر شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً، اس کو بچھا دیا۔ تو یہ مشکل ہے یا تمھارا دوبارہ بنانا مشکل ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔

اور دلیل سنو! ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین سے پانی نکالا۔ اسی پانی سے مخلوق پیدا فرمائی، کیا حیوانات، کیا نباتات۔ عالم اسباب میں ان کی بود و باش اس کے ساتھ ہے۔ تو یہ پانی کس نے پیدا کیا؟ ﴿وَمَرْعٰىهَا﴾ اور چارا زمین میں پیدا کیا۔ یہ جانوروں کے لیے چارا زمین سے کس نے نکالا، تمھارے لیے سبزیاں کس نے پیدا فرمائیں؟ ﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ اور پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا، جما دیا۔ زمین کو پیدا کیا تو زمین حرکت کرنے لگی تو اس میں رب تعالیٰ نے پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں تاکہ حرکت نہ کرے۔ اگر زمین حرکت کرتی رہتی تو لوگ نہ مکان بنا سکتے اور نہ آرام کے ساتھ رہ سکتے۔ آج معمولی سا زلزلہ آتا ہے تو لوگ گھروں سے باہر بھاگ جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے رات کو پیدا کیا، دن کو پیدا کیا، آسمان پیدا کیا، زمین پیدا کی، زمین سے پانی نکالا اور چارہ نکالا، پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ یہ تمھارے فائدے کے لیے ہے اور تمھارے مویشیوں کے لیے۔ اور یہ ساری چیزیں تم مانتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ربِّ تعالیٰ کی قدرت کا انکار نہیں کر سکتے تو پھر یہی رب تمھیں دوبارہ پیدا کرے گا ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ پس جب آئے گا بڑا حادثہ۔

قیامت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بڑی دہشت والی چیز ہے۔ پہلے نفخہ اولیٰ ہوگا حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بگل پھونکیں گے تو ساری کائنات فنا ہو جائے گی یہاں تک کہ فرشتے بھی نہیں رہیں گے۔ جان نکالنے والوں کا انچارج فرشتہ بھی نہیں رہے گا ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (العنکبوت: ۵۷) ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ (سورۃ الرحمان: پارہ ۲۷) "جو کچھ بھی زمین پر ہے سب نے فنا ہو جانا ہے باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" حی و قیوم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے باقی ہر شے کے لیے موت ہے۔ چاہے ہزاروں سال کوئی زندہ رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تقریباً دو ہزار سال ہو گئے ہیں آسمانوں پر زندہ ہیں قیامت سے پہلے زمین پر نازل ہوں گے، یہود و نصاریٰ کا صفایا کریں گے، دجال لعین کو قتل کریں گے، چالیس سال حکمرانی کریں گے ثُمَّ يَمُوْتُ وَ يُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ "پھر وہ فوت ہوں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔" شیطان کی عمر بڑی لمبی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ ان میں سب سے پہلے ابلیس لعین کو پیدا کیا اور ابھی تک وہ زندہ ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے، اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی کہ قبروں سے اٹھنے تک ﴿اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴) گویا کہ وہ موت سے بچنا چاہتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے

فرمایا تجھے مہلت ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ (الحجر:۳۸) جس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام فنا کے لیے بگل پھونکیں گے اس وقت تک تجھے مہلت ہے تو موت سے نہیں بچ سکتا۔ تو ابلیس پر بھی موت آئے گی۔

﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾ جس دن یاد کرے گا انسان جو اس نے کوشش کی ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ حافظہ اتنا تیز کر دیں گے کہ ہر چیز یاد آ جائے گی ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا﴾ "جس دن پائے گا ہر نفس جو اس نے عمل کیا ہے نیکی کا سامنے۔" (آل عمران: ۳۰) نیکی، بدی سب سامنے آ جائے گی۔ تو فرمایا اس دن یاد کرے گا انسان جو اس نے کوشش کی ہے ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾ اور ظاہر کر دی جائے گی شعلہ مارنے والی آگ اس کے لیے جو دیکھے۔ جحیم کا معنیٰ ہے بھڑکنے والی آگ، شعلہ مارنے والی آگ۔

اللہ تعالیٰ اپنی عدالت میں تشریف فرما ہوں گے جو ان کی شان کے لائق ہے۔ نیک و بد ساری مخلوق موجود ہو گی اور دوزخ ان کو نظر آئے گی۔ اور سورت تکویر میں ہے ﴿وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ﴾ "اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے گا۔" ابھی جنت، دوزخ میں کوئی داخل نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں کھڑے ہوں گے۔ پھر کیا ہو گا؟ ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى﴾ بہر حال وہ شخص جس نے سرکشی کی۔ پیغمبروں کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو نہ مانا، حق بیان کرنے والوں کی مخالفت کی ﴿وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ اور ترجیح دی دنیا کی زندگی کو آخرت پر کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا اور آخرت کو بھلا دیا۔

ایک ہے دنیا میں رہ کر دنیاوی ضروریات پوری کرنے کے لیے جائز طریقے سے دولت کمانا۔ اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ ہاں! اس بات کی نفی کرتا ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لے اور حلال و حرام کی تمیز نہ کرے، جائز و ناجائز کی پروا نہ کرے، حق و باطل میں فرق نہ کرے۔ جیسا کہ آج کل اکثر یہی طریقہ چل رہا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ حرام سے بچنا بڑا مشکل ہو گا اور کچھ نہ ہوا تو حرام کا دھواں ہی ناک میں پہنچے گا۔

دیکھو! جو لوگ اپنی رقم محض حفاظت کے لیے بینکوں میں رکھتے ہیں اور سود نہیں لیتے مگر بینک والے تو اس مال کے ساتھ سودی کاروبار کرتے ہیں۔ ان کی رقم کو بینک میں تو بند کر کے نہیں رکھ دیتے (تو سودی کاروبار میں تعاون تو ہو گیا۔) لہٰذا مسئلہ سمجھ لو۔ اگر بینک سے سود ملے تو لے لو بینک میں نہ چھوڑو۔ ثواب کی نیت کے بغیر کسی غریب کو دے دو ورنہ بینک والے بابو کھا جائیں گے، ان کا حق نہیں ہے۔

بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ سود کی رقم لے کر سڑک بنوا دیتے ہیں، بعض گلی بنا دیتے ہیں، بعض بیت الخلاء بنا دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیوں کہ ان چیزوں کو غریب بھی استعمال کرتے ہیں اور امیر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس رقم کے امیر مستحق نہیں ہیں۔

تو فرمایا اور ترجیح دی دنیاوی زندگی کو ﴿فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ پس بے شک شعلہ مارنے والی آگ ہی اس کا ٹھکانا ہے ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اور بہر حال جو ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے کہ رب تعالیٰ کی سچی عدالت میں میں

کھڑا ہوں گا اور رب تعالیٰ مجھ سے نیکی اور بدی کے بارے میں پوچھیں گے تو میں کیا جواب دوں گا؟ یہ خوف اس کے دل میں ہے ﴿وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ اور روکا اپنے نفس کو اُن خواہشات سے جو خلاف شرع ہیں۔ اور جو طبعی خواہشات ہیں ان پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ کھانے پینے کی خواہش ہے، سونے کی خواہش ہے، جنسی جائز خواہشات ہیں جو خلاف شرع نہ ہوں۔ تو جس نے خلاف شرع خواہشات سے اپنے آپ کو روکا ﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

مشرکین مکہ کو جب بُرے انجام سے ڈرایا جاتا تھا کہ قیامت برپا ہوگی، نیکی اور بدی کا حساب ہوگا تو پھر پوچھتے تھے قیامت کب آئے گی؟ فرمایا ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا﴾ یہ لوگ پوچھتے ہیں آپ سے قیامت کے بارے میں کب ہوگا اس کا قائم کرنا۔ کب لائی ہے قیامت؟ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا﴾ آپ کو کیا ضرورت ہے قیامت کے ذکر کے بارے میں۔ قیامت کا علم صرف رب تعالیٰ جانتا ہے ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا﴾ آپ کے رب کی طرف ہے اس کی انتہاء۔ قیامت کا جو صحیح وقت ہے اس کو رب تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ رب تعالیٰ کے پاس راز ہے۔

احادیث میں اتنا آتا ہے کہ جمعہ کا دن ہوگا، دس محرم کی تاریخ ہوگی۔ لیکن وہ جمعہ کس سال کا ہوگا، کس مہینے کا ہوگا، کون سی صدی کا ہوگا؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور جس روایت میں دس محرم کا ذکر ہے وہ نہایت ہی کمزور روایت ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ صحیح روایت اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ے کو جمعہ کے دن پیدا کیا، جمعہ کے دن جنت میں داخل کیا، جمعہ والے دن جنت سے نکالا اور جمعہ والے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔

فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا﴾ پختہ بات ہے آپ ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو قیامت سے ڈرتا ہے۔ قیامت کا علم آپ کے بس میں نہیں ہے آپ کا کام صرف ڈرانا ہے۔ آج تو یہ قیامت کا وقت پوچھتے ہیں مگر جب وہ برپا ہو جائے گی ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا﴾ گویا کہ وہ جس دن دیکھیں گے قیامت کو تو ایسے محسوس کریں گے ﴿لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾ کہ وہ نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر پچھلا پہر یا پہلا پہر۔ یعنی ایسے محسوس کریں گے کہ ہم دنیا میں تھوڑا عرصہ رہے ہیں۔ کوئی کہے گا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ ایک گھنٹہ رہے ہیں دنیا میں۔ کوئی ایک دن کہے گا۔ مختلف تعبیریں ہوں گی مگر اتنی بات قطعی اور یقینی ہے کہ آخرت کی طویل زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے۔ یہ سب تعبیریں قلت پر دال ہوں گی۔ لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو نتیجہ سامنے آجائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیَاتُهَا ۴۲ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۸۰) (۲۴) رُكُوْعَاتُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿عَبَسَ﴾ تیوری چڑھائی ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور اعراض کیا ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ اس واسطے کہ آیا ان کے پاس نابینا ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى﴾ شاید کہ وہ پاک ہو جائے ﴿اَوْ يَذَّكَّرُ﴾ یا وہ نصیحت حاصل کرے ﴿فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ پس اس کو نفع دیتی نصیحت ﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴾ بہر حال جس شخص نے بے پروائی اختیار کی ﴿فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾ پس آپ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ﴿وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى﴾ حالانکہ آپ کے ذمہ نہیں ہے کہ وہ ضرور تزکیہ حاصل کرے ﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى﴾ اور بہر حال جو دوڑتا ہوا آیا آپ کے پاس ﴿وَهُوَ يَخْشٰى﴾ اور وہ ڈرتا بھی ہے ﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾ پس آپ اس سے غفلت برتتے ہیں ﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ خبردار یہ آیات نصیحت ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ پس جو شخص چاہے اس نصیحت کو قبول کرے ﴿فِيْ صُحُفٍ﴾ صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے ﴿مُّكَرَّمَةٍ﴾ جو عزت والے ہیں ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ بلند ہیں ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ پاک ہیں ﴿بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ﴾ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں ﴿كِرَامٍ﴾ جو بڑے بزرگ ﴿بَرَرَةٍ﴾ شریف ہیں (نیک ہیں) ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ﴾ مارا جائے انسان ﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ کس چیز نے اس کو کفر پر آمادہ کیا ہے ﴿مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ کس چیز سے اس کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ نطفے سے ﴿خَلَقَهٗ﴾ پیدا کیا اس کو ﴿فَقَدَّرَهٗ﴾ پھر اندازہ رکھا اس کا ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾ پھر راستہ آسان کیا اس کے لیے ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ﴾ پھر اس کو موت دی ﴿فَاَقْبَرَهٗ﴾ پھر اس کو قبر میں ڈال دیا ﴿ثُمَّ اِذَا شَآءَ﴾ پھر جب چاہے گا ﴿اَنْشَرَهٗ﴾ اٹھادے گا اس کو۔

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام ہے سورت عبس۔ اس سورت کا پہلا لفظ ہی عبس ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے تیئس (۲۳) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا چوبیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بیالیس [۴۲] آیتیں ہیں۔ یہ پہلی سورت ہے جس کا ایک رکوع ہے۔ اس کے بعد جتنی سورتیں ہیں، ایک رکوع والی ہیں۔

ایک تو عمومی تبلیغ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم امیر، غریب، اعلیٰ، ادنیٰ، سب کو کرتے تھے۔ ایک خصوصی تبلیغ تھی کہ سرداروں اور بڑے لوگوں کو جا کر سمجھاتے تھے، توحید و رسالت کی دعوت دیتے تھے کہ یہ مسلمان ہو جائیں، ان کی اولاد مسلمان ہو جائے، ان

کے دوست احباب مسلمان ہو جائیں۔ان کی وجہ سے اور بہت سے لوگوں کو بھی اسلام لانے کی توفیق ہو جائے گی۔مگر وہ لوگ بات کو قبول نہ کرتے تھے۔کوئی تو ایسے بے رُخی کرتا کہ جب آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو اُٹھ کر چلا جاتا کہ مجھے کام ہے، کوئی منہ پھٹ ہوتا، کہتا یہاں کیا لینے آئے ہو؟ بعضے بڑے بڑے شریف بھی ہوتے تھے جو کہتے کہ دیکھو! ہم آپ کا کلمہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ہمارے پاس اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ الغرض جیسے جیسے جس کا مزاج ہوتا تھا اسی طرح کا برتاؤ کرتا تھا۔

شانِ نزول

اتفاق کی بات ہے کہ ایک دن تقریباً سارے سردار اکٹھے ہو کر آگئے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چھیڑ خانی کے واسطے آئے ہیں۔آنحضرت ﷺ کی خدمت میں چند صحابی موجود تھے۔آپ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کہ میں ان کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا یہ قابو نہیں آتے تھے آج یہ خود آگئے ہیں میں اپنا فریضہ ادا کرتا ہوں ان کے سامنے اسلام پیش کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے بڑی توجہ اور اخلاص کے ساتھ ان کے سامنے توحید پیش کی، رسالت پیش کی، قیامت کا مسئلہ پیش کیا، قرآن پاک کی حقانیت سمجھائی۔گفتگو کے دوران میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے۔گفتگو ہو رہی تھی وہ سنتے رہے۔درمیانؔ میں وقفہ ہوا نہ آپ ﷺ نے کوئی بات فرمائی نہ اُنھوں نے کوئی سوال کیا۔اِنھوں نے سمجھا کہ بات ختم ہوگئی ہے، نابینا تھے اندازہ نہ لگا سکے اور اپنا سوال شروع کر دیا جس پر آپ ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور آپ ﷺ کی پیشانی پر ناراضی کی وجہ سے شکن (بَل) پڑ گئے۔عَبَسَ کا معنیٰ ہے پیشانی پر بَل پڑ جانا اور چہرے کا کچھ اُداس ہو جانا کہ ابھی میری گفتگو ان سے ہو رہی ہے اور اس نے درمیان میں اپنی بات شروع کر دی ہے۔آپ ﷺ نے ان کو کچھ کہا نہیں لیکن ان کے سوال کو پسند نہ کیا، ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

سرداروں کے ساتھ گفتگو دوبارہ شروع ہوگئی۔اب عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اندازہ لگایا کہ میری غلطی ہے میں درمیان میں بول پڑا۔اپنی جگہ شرمندہ ہو کر اُٹھ کر چلے گئے۔یہ جا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورت نازل ہوئی۔

فرمایا ﴿عَبَسَ﴾ اس کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔معنیٰ ہوگا پیغمبر ﷺ نے تیوری چڑھائی، ترش روئی کا اظہار کیا ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور اعراض کیا ﴿اَنْ﴾ اس واسطے کہ ﴿جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ آیا ان کے پاس نابینا ﴿وَمَا یُدْرِیْكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا، آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے ﴿لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى﴾ شاید کہ وہ نابینا پاک ہو جائے، صفائی حاصل کرتا۔مسلمان تو وہ پہلے ہی تھا آپ اس کے سوال کا جواب دیتے اس کو پاکیزگی حاصل ہوتی ﴿اَوْ یَذَّكَّرُ﴾ یا وہ نصیحت حاصل کرے۔آپ اس کے سوال کا جواب دے دیتے اس کو نصیحت حاصل ہوتی ﴿فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ پس نفع دیتی اس کو نصیحت۔خود بھی عمل کرتے دوسرے لوگوں کو بھی بتلاتے آپ ﷺ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی ﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴾ بہرحال جس شخص نے بے پروائی اختیار کی اسلام سے ﴿فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾ پس آپ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔یہ اسلام قبول کرنے کے لیے نہیں آئے

چھیڑ خانی اور شرارت کے لیے آئے ہیں، ان کی نیت ٹھیک نہیں ہے ﴿وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى﴾ حالانکہ آپ کے ذمہ نہیں ہے کہ وہ ضرور تزکیہ حاصل کرے۔ان کا ایمان لانا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

ہدایت دینا رب تعالیٰ کا کام ہے۔سورۃ القصص آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے اس کو جس سے آپ کو محبت ہو لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

اگر ہدایت پیغمبروں کے اختیار میں ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے قابیل کو نافرمان نہ ہونے دیتے، حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کنعان کو ہدایت دے دیتے جس نے ساری زندگی اپنے باپ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ مٹکا لگا کے رکھا اور آخر دم تک ایمان نہیں لایا۔حضرت نوح علیہ السلام اپنی بیوی واعلہ کو ہدایت دے دیتے، حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت دے دیتے جو آخر تک مخالف ہی رہی ہے۔بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا بیٹیوں نے بھی کہا اماں جی! ابا جی کا کلمہ پڑھ لو۔بیٹیوں کو گھورتی تھی کہ میرے سامنے کلمے کا نام نہ لو۔ہدایت اگر پیغمبر کے اختیار میں ہوتی تو جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر کو ہدایت دے دیتے۔اگر بس میں ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی لحاظ سے اپنے مہربان چچا عبد مناف ابو طالب کو ہدایت دے دیتے۔

ایک روایت کے مطابق آٹھ سال کی عمر مبارک میں ان کی تحویل میں گئے۔ایک تاریخی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بارہ سال تھی۔تو بارہ سال سے لے کر پچاس سال کی عمر مبارک تک اس چچے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، لوگوں کا مقابلہ کیا، لوگوں سے ناراض ہوئے اور بہت کچھ ہوا مگر کلمہ نہیں پڑھا۔اقرار کرنے کے باوجود کہ آپ جو کہتے ہیں صحیح ہے۔ایک موقع پر کہا:

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا.

"تحقیق میں جانتا ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین دنیا کے تمام ادیان سے اچھا ہے۔" مگر میں نے دھڑا نہیں چھوڑنا، تو ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

فرمایا کہ آپ کے ذمہ نہیں ہے کہ وہ ضرور تزکیہ حاصل کرے۔یہ سردار لوگ نہیں سنورتے تو نہ سنوریں ان کا سنورنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔آپ کے ذمے ہے پہنچا دینا ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدہ:۶۷) "اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پہنچا دیں وہ چیز جو نازل کی گئی آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے۔" جو احکام رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں وہ پہنچا دیں پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى﴾ اور بہر حال جو دوڑتا ہوا آیا آپ کے پاس ﴿وَ هُوَ يَخْشٰى﴾ اور وہ ڈرتا بھی ہے اللہ تعالیٰ سے ﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾ پس آپ اس سے غفلت برتتے ہیں۔یہ نابینا بے چارہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے آپ کے اس دوڑتا ہوا آیا ہے آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور وہ سردار جو بے پرواہیں محض چھیڑ خانی کے لیے آئے ہیں نہ اسلام

قبول کرنے کے لیے آئے ہیں اور نہ ہی انھوں نے اسلام قبول کرنا ہے آپ اُن کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے وہ صحابہ جو مجلس میں تھے ان سے فرمایا کہ فوراً نابینے کو تلاش کر کے لاؤ۔ جب آپ ﷺ کے قاصد ان کے پاس پہنچے تو وہ پریشان ہو گئے کہ میں نے غلطی کی تھی کہ گفتگو کے دوران میں خواہ مخواہ اپنی بات شروع کر دی شاید آپ مجھے سزا دیں۔

بہرحال بے چارہ کانپتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا۔ آپ ﷺ کے پاس ایک چادر ہوتی تھی جو آپ ﷺ کندھے پر رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھو۔ کہنے لگا حضرت! میں آپ ﷺ کی چادر پر کس طرح بیٹھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تو نے میری چادر پر بیٹھنا ہے۔ حکم تھا، بیٹھ گئے۔ سردار اس وقت چلے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے یہ سورت کریمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم کو سنائی اور فرمایا کہ تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ڈانٹا ہے گو میری نیت غلط نہ تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ میرے قابو نہیں آتے تھے آج خود آ گئے ہیں تو میں ان کو دین اچھی طرح سمجھا دوں۔ تیری بے قدری مقصود نہیں تھی آپ تو پھر بھی پوچھ لیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے دو دفعہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ جب آپ ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ذہانت بھری چال

قادسیہ کی لڑائی جو بڑی سخت اور مشہور جنگ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی ہے۔ یہ کہنے لگے کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت! آپ حافظ قرآن ہیں اور قرآن میں موجود ہے ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ﴾ نابینا اگر جہاد نہیں کرتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، وہ معذور ہے۔ کہنے لگے ٹھیک ہے میں جانتا ہوں کہ رب تعالیٰ نے چھوٹ دی ہے مگر میرے جانے میں گناہ بھی تو نہیں ہے۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ کریں گے کیا؟ فرمایا اور کچھ نہیں تو میں اذانیں دوں گا تمھیں نمازیں پڑھاؤں گا۔

ایک دن صبح سویرے نماز سے فارغ ہوئے جنگ کی تیاری ہو رہی تھی۔ کہنے لگے دشمن ہم سے کتنا دور ہے؟ ساتھیوں نے بتلایا کہ ایک فرلانگ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے، مثال کے طور پر۔ کہنے لگے درمیان میں زمین ہموار ہے یا اُونچ نیچ ہے؟ ساتھیوں نے بتلایا کہ ہموار ہے۔ کہنے لگے جھنڈا مجھے دو۔ اس وقت جھنڈا امیر لشکر کے پاس ہوتا تھا۔ ساتھیوں نے پوچھا حضرت! آپ جھنڈے کا کیا کریں گے؟ کہنے لگے جھنڈے کو ہاتھ لگانا تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ جھنڈا ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا۔ جھنڈا لے کر دشمن کی طرف دوڑ لگا دی۔ ساتھی پریشان ہوئے کہ بزرگ صحابی ہیں، نابینا ہیں، وہ اِن کو شہید کر دیں گے۔ ان کی جان بچانے کے لیے ساتھی ان کے پیچھے دوڑے۔ دشمن کھانے پینے میں مصروف تھے اُنھوں نے سمجھا کہ حملہ ہو گیا ہے، وہ

اسلحہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان کا علاقہ بھی صحابہ کے قبضے میں آ گیا اور اسلحہ بھی۔ بعد میں ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ نے یہ عجیب کام کیا ہے۔ کہنے لگے میرا بھی یہی مقصد تھا کہ ان کے ناشتے کا وقت ہے بے خبر ہیں جب ان کی طرف دوڑوں گا چوں کہ میں نابینا ہوں میرے ساتھی میری مدد کے لیے آئیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ ان کا علاقہ بھی تمھارے قبضے میں آ گیا اور اسلحہ بھی۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہرحال جو دوڑتا ہوا آیا آپ کے پاس اور وہ ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے آپ اس سے غفلت برتتے ہیں ﴿ کَلَّآ ﴾ خبردار! ﴿ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴾ خبردار یہ قرآن پاک کی آیات نصیحت ہیں ﴿ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴾ پس جو شخص چاہے اس نصیحت کو قبول کرے۔ ہم جبر نہیں کرتے رب تعالیٰ ہدایت اسے دیتا ہے جو ہدایت کو قبول کرے۔ اس نے اختیار دیا ہے ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ (الکہف: ۲۹) "پس جس کا جی چاہے ایمان قبول کرے اپنی مرضی سے اور جو چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے، کوئی جبر نہیں ہے۔"

﴿ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴾ عزت والے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے۔ صحف صحیفة کی جمع ہے، اس کا معنیٰ ہے کاپی۔ لوح محفوظ میں قرآن کریم کی سورتوں کی الگ الگ کاپیاں ہیں ﴿ مَّرْفُوْعَةٍ ﴾ جو بلند ہیں۔ یعنی بلند مقام میں ہیں ﴿ مُّطَهَّرَةٍ ﴾ پاک ہیں۔ وہ صحیفے بڑے پاکیزہ ہیں جن میں قرآن کریم ہے ﴿ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴾ سَفَرَة سَافِرٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے لکھنے والا۔ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ وہ کون ہیں ﴿ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴾ کرام کریم کی جمع ہے۔ معنیٰ ہے بزرگ۔ اور بَرَرَة بَارّ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے نیک صالح۔ اس کے لکھنے والے بڑے بزرگ، نیک اور صالح ہیں ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴾ مارا جائے انسان کس چیز نے اس کو کفر پر آمادہ کیا ہے۔

کافر انسان کی بات ہو رہی ہے کہ کافر انسان غارت ہو جائے اس کو علم نہیں ہے ﴿ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴾ کس چیز سے اس کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے۔ تجھے اگر شرم آئے تو ہم بتا دیتے ہیں ﴿ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾ نطفے سے پیدا کیا ہے۔ اے انسان! تو رب تعالیٰ کے ساتھ معکّا (ضد) لگاتا ہے اور اپنی اصل کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے حقیر نطفے سے پیدا کیا ہے ﴿ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴾ پس پیدا کیا اس کو پھر اندازہ رکھا اس کا کہ کتنے فٹ لمبا ہوگا، کتنا موٹا ہوگا، کالا ہوگا، گورا ہوگا، ذہین ہوگا، غبی ہوگا۔ ساری تقدیریں رب تعالیٰ نے فرمائی ہیں ﴿ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴾ پھر راستہ آسان کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے۔ ماں کے پیٹ سے اچھا خاصا تنومند بچہ کس طرح باہر نکلتا ہے؟ یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے۔ پھر بود و باش کے راستے کس نے آسان کیے؟ رب تعالیٰ نے کیے ﴿ ثُمَّ اَمَاتَهٗ ﴾ پھر اس کو رب تعالیٰ نے موت دی ﴿ فَاَقْبَرَهٗ ﴾ پھر اس کو قبر میں ڈال دیا۔ یعنی حکم دیا کہ اس کو قبر میں ڈال دو۔

جس سرزمین پر قرآن نازل ہوا ہے ان علاقوں میں مردوں کو دفن کرتے تھے۔ مشرکین بھی اور یہودی اور عیسائی بھی، جلاتے نہیں تھے۔ تو ان کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے ﴿ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴾ پھر جب چاہے گا اس کو اٹھا دے گا اور وہ رب تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا۔

﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿لَمَّا یَقْضِ﴾ ابھی تک پورا نہیں کیا (انسان نے) ﴿مَآ اَمَرَهٗ﴾ وہ جس کا اس کو حکم دیا ﴿فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ﴾ پس چاہیے کہ دیکھے انسان ﴿اِلٰی طَعَامِهٖٓ﴾ اپنے کھانے کی طرف ﴿اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴾ بے شک ہم نے برسایا پانی کو برسانا ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا﴾ پھر پھاڑا ہم نے زمین کو پھاڑنا ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا﴾ پھر اُگایا ہم نے اس میں اناج ﴿وَّعِنَبًا﴾ اور انگور ﴿وَّقَضْبًا﴾ اور ترکاریاں ﴿وَّزَیْتُوْنًا﴾ اور زیتون ﴿وَّنَخْلًا﴾ اور کھجوریں ﴿وَّحَدَآىِٕقَ﴾ اور باغات ﴿غُلْبًا﴾ گھنے ﴿وَّفَاكِهَةً﴾ اور پھل ﴿وَّاَبًّا﴾ اور چارا ﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ﴾ تمھارے فائدے کے لیے ﴿وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ اور تمھارے مویشیوں کے لیے ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ﴾ پس جب آئے گی چیخ (کانوں کو پھوڑنے والی) ﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ﴾ جس دن بھاگے گا آدمی ﴿مِنْ اَخِیْهِ﴾ اپنے بھائی سے ﴿وَاُمِّهٖ﴾ اور اپنی ماں سے ﴿وَاَبِیْهِ﴾ اور اپنے باپ سے ﴿وَصَاحِبَتِهٖ﴾ اور اپنی بیوی سے ﴿وَبَنِیْهِ﴾ اور اپنی اولاد سے ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ہر آدمی کے لیے ان میں سے ﴿یَوْمَىِٕذٍ﴾ اُس دن ﴿شَاْنٌ﴾ حال ہوگا ﴿یُّغْنِیْهِ﴾ جو بے پروا کر دے گا اس کو (دوسروں سے) ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ﴾ کچھ چہرے اس دن ﴿مُّسْفِرَةٌ﴾ روشن ہوں گے ﴿ضَاحِكَةٌ﴾ ہنسنے والے ﴿مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ خوشیاں منانے والے ﴿وَوُجُوْهٌ﴾ اور کچھ چہرے ﴿یَّوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿عَلَیْهَا غَبَرَةٌ﴾ ان پر گرد و غبار ہوگا ﴿تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ چھا جائے گی ان کے چہروں پر تارکول (سیاہی) ﴿اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ یہی لوگ ہیں کفر کرنے والے فسق و فجور کرنے والے۔

ربط آیات

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ﴾ مارا جائے انسان ﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ کس چیز نے اس کو کفر پر آمادہ کیا ہے۔ کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا، حقیر نطفے سے پیدا کیا، پھر اس کا اندازہ ٹھہرایا، پھر ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے لیے راستہ آسان فرمایا، پھر اس کو موت دی اور حکم دیا اس کو قبر میں ڈالنے کا، پھر قبر سے اُٹھائے گا اور اس سے دنیاوی زندگی کا حساب کتاب لیا جائے گا۔

مگر اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے ذمے جو کام لگایا تھا وہ اس نے ابھی تک نہیں کیا۔ ﴿كَلَّا﴾ یہ لفظ قرآن کریم میں تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔

① ...... ایک حقًّا کے معنیٰ میں، یعنی پکی بات ہے۔

② ...... دوسرا ہرگز نہیں کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

③...... تیسرا خبردار کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

تینوں معنیٰ صحیح ہیں۔ ﴿كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ﴾ پکی بات ہے، ہرگز نہیں، خبردار! ابھی تک پورا نہیں کیا انسان نے وہ جس کا اس کو حکم دیا۔ رب تعالیٰ نے انسان کو جو حکم دیا مجموعی طور پر انسان نے اس کو پورا نہیں کیا۔ اور یہ مشاہدے کی بات ہے کہ انسان نے وہ بات پوری نہیں کی جس کا اس کو حکم دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسان! میری نعمتوں کو دیکھ اور ان سے میری قدرت کو سمجھ کہ جو نعمتیں رب تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور کوئی پیدا کر سکتا ہے؟ جس ذات نے یہ سب کچھ کیا ہے وہی قیامت قائم کر کے حساب کتاب بھی لے گا۔

فرمایا ﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ﴾ پس چاہیے کہ دیکھے انسان اپنے کھانے کی طرف کہ کتنی قوتیں اس کے تیار کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ وہ قوتیں کس نے پیدا کی ہیں۔ کھانے کے تیار کرنے میں رب تعالیٰ کی قدرت دیکھ۔ فرمایا ﴿اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴾ بے شک برسایا ہم نے پانی آسمان کی طرف سے برسانا ﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا﴾ پھر ہم نے پھاڑا زمین کو پھاڑنا۔ ہم اگر نہ پھاڑتے تو اتنا نرم و نازک پودا زمین سے باہر کس طرح آ سکتا تھا۔ یہ بارش برسانے والا کون ہے؟ زمین کو پھاڑ کر فصلیں اُگانے والا کون ہے؟ انگوری سے لے کر پھل تک پہنچانے والا کون ہے؟ جب زمین سے نکلتا ہے تو اکیلا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی گواہی دے رہا ہوتا ہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لا شریک لہ گوید

وہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میرا پیدا کرنے والا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

فرمایا ہم نے پانی برسایا پھر زمین کو پھاڑا ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا﴾ پھر اُگایا ہم نے اس میں اناج، دانے اُگائے، فصلیں اُگائیں ﴿وَّعِنَبًا﴾ اور انگور اُگائے ﴿وَّقَضْبًا﴾ اور ترکاریاں اُگائیں۔ ساگ، پالک، مولی، گاجر، آلو، گوبھی وغیرہ رب تعالیٰ کے سوا کون اُگانے والا ہے۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے پیدا کی ہیں

زیتون کی خوبیاں

﴿وَّزَيْتُوْنًا﴾ اور زیتون اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جسے ہم خوراک کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ مالش اور چراغ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ گھی جو جانوروں سے حاصل ہوتا ہے طبی اعتبار سے زیتون اس سے زیادہ فائدے مند ہے۔ گائے، بھینس کا گھی ان لوگوں کے لیے تو مفید ہے جو بدن سے مشقت کا کام لیتے ہیں۔ اور جو لوگ بدنی مشقت کا کام نہیں کرتے ان کے اعصاب کو آہستہ آہستہ کمزور کر دیتا ہے۔ اعصاب میں ایسا مواد پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر ضعف آ جاتا ہے۔ اور زیتون کے تیل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی رکھی ہے کہ اعصاب کے اندر جو نالیاں ہیں ان کو صاف رکھتا ہے۔ جیسے اصل

سرمہ آنکھوں کے پیچھے جو نالیاں ہیں اور دماغ کے ساتھ ملتی ہیں ان کو صاف رکھتا ہے۔ خصوصاً اثمد سرمہ۔ ورنہ نالیوں میں سوداوی، بلغمی، مواد جمع ہو جاتا ہے جو بینائی پر اثر انداز ہوتا ہے اور روشنی کی ٹیوبیں ختم ہو جاتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّہٗ یَجْلُوا الْبَصَرَ "اثمد سرمے کا استعمال کرو وہ آنکھوں کی بینائی کو بڑھاتا ہے۔" اثمد سرمہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جدہ سے ملتا ہے۔ (یہ ڈلی کی شکل میں لینا چاہیے اور خود پینا چاہیے وہاں سے جو پسا ہوا ملتا ہے اس میں اکثر ملاوٹ ہوتی ہے۔ مرتب) ہر مقام میں آج کل دھوکا بازی ہے اور یہ مسلمانوں کا شیوہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

وہ مذہب جس میں نری صداقت اور دیانت تھی آج اس مذہب کے ماننے والے برائیوں کے ٹھیکے دار بن گئے ہیں۔ یہ جن چیزوں کو مٹانے کے لیے آئے تھے آج ان چیزوں کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے!

عرب چاول اور اخروٹ سے آشنا نہ تھے

فرمایا ﴿وَّنَخْلًا﴾ اور کھجوریں پیدا کیں۔ کھجوریں عرب کی خوراک تھیں۔ آج تو ذرائع پیدا ہو گئے ہیں اور ہر چیز وہاں پہنچنے لگ گئی ہے ورنہ ایک وقت تھا کہ چاول وغیرہ جو چیزیں ہم استعمال کرتے ہیں اِن کو وہ پہچانتے بھی نہیں تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر نے جب مصر فتح کیا تو وہاں سے چاولوں کی بوریاں ملیں تو اُنھوں نے ان کو استعمال نہ کیا کہ نہ معلوم یہ کیا چیز ہے۔ جانوروں کی خوراک ہے یا دشمنوں نے ہمارے لیے زہر ڈال رکھا ہے۔

پھر کہنے لگے ایسا کرو کہ ان کو گھوڑوں کے آگے ڈالو دیکھو! کیا اثر کرتے ہیں؟ کوئی مرتا ہے یا نہیں۔ ایک دن چاول ڈالے، دوسرے دن چاول ڈالے، گھوڑے پہلے سے زیادہ موٹے تازے ہو گئے۔ پھر وہاں کے مقامی لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ ہماری خوراکوں میں سے بہترین خوراک ہے اور پکانے کا طریقہ بتایا۔

ترکی کے علاقے میں دو اخروٹ ملے، گول مول۔ بالکل علم نہ تھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ وہاں کے چرواہوں نے ایک دانہ توڑ کر دکھایا، اس میں سے گری نکال کر دکھائی۔ جب عرب مجاہدوں نے اخروٹ توڑ کر مغز نکال کر کھایا تو کہنے لگے سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْزَاقَ بِالْاَحْجَارِ "پاک ہے وہ ذات جس نے پتھروں میں روزی پیدا کی ہے۔" تو ان کو چاولوں کا علم نہ تھا، اخروٹ کا علم نہ تھا، کھجور ستو وغیرہ ان کی خوراک تھی۔

فرمایا ﴿وَّحَدَآئِقَ﴾ یہ حدیقۃٌ کی جمع ہے اور حدیقۃٌ کا معنیٰ ہے باغ۔ مگر ایسا باغ کہ جس کے ارد گرد دیوار ہو۔ پتھروں کی ہو چاہے اینٹوں کی ہو، مٹی کی ہو یا درختوں کی ہو۔ معنیٰ ہوگا اور باغات پیدا کیے ﴿غُلْبًا﴾ گھنے۔ غُلْبًا غُلْبٰی کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے وہ عورت جس کی گردن موٹی ہو۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس کی گردن موٹی ہوگی اس کی رگیں نظر نہیں آئیں گی۔ تو مراد ہے ایسے باغ جن کی ٹہنیاں ٹہنیوں میں گھسی ہوئی ہوں کوئی تمیز نہ ہو کہ یہ کس درخت کی ٹہنی ہے اور یہ کس درخت کی

ٹہنی ہے؟ معنیٰ ہوگا گھنے باغ ﴿وَّ فَاكِهَةً﴾ اور پھل۔ رب تعالیٰ نے پیدا کیے ﴿وَّ اَبًّا﴾ اور چارا پیدا کیا ہے ﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ﴾ فائدہ ہے تمھارے لیے ﴿وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ اور تمھارے جانوروں کے لیے فائدہ ہے۔ یاد رکھو! جس رب نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے وہی قیامت قائم کرے گا اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

فرمایا ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ﴾ پس جس وقت آئے گی چیخ جو کانوں کے پردے پھاڑ دے گی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جس وقت صور پھونکیں گے اس کو دور والے بھی ایسے ہی سنیں گے جیسے قریب والے سنیں گے۔ ایسی سخت آواز ہوگی کہ کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔ آج بھی تیز آواز سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ بجلی کی کڑک کی وجہ سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ اطباء لکھتے ہیں کہ جس وقت بجلی چمکے اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے بجلی کی طرف دیکھنے کی وجہ سے تمھاری آنکھوں کی بینائی ختم ہو جائے۔

میدانِ محشر میں لوگوں کا حشر

وہ ایسا دن ہوگا ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾ جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے وَاُمِّهٖ اور اپنی ماں سے بھاگے گا وَاَبِيْهِ اور اپنے باپ سے بھاگے گا ﴿وَصَاحِبَتِهٖ﴾ اور اپنی بیوی سے بھاگے گا ﴿وَبَنِيْهِ﴾ اور اپنی اولاد سے دوڑے گا۔

روایت تم پہلے سن چکے ہو کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ نیکیوں کا پلہ بھاری ہو تو جنت میں چلے جائیں اور بدیوں کا پلہ بھاری ہو تو دوزخ میں۔ اب ایک آدمی کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں۔ مثلاً: نیکیاں بھی پچاس ہیں اور بدیاں بھی پچاس ہیں۔ رب تعالیٰ اس آدمی سے فرمائیں گے کہ ایک نیکی تلاش کر کے لا تاکہ تیرا نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے۔ وہ بڑا خوش ہوگا کہ ایک نیکی میں آسانی کے ساتھ تلاش کرلوں گا۔ اپنے بھائی کے پاس جائے گا۔ جو دنیا میں اس کا دست و بازو تھا۔ کہے گا بھائی جان! میرے پاس ایک نیکی کی کمی ہے مجھے ایک نیکی دے دو۔ وہ کہے گا یہ بات نہ کرنا۔ پریشان ہو کر دوست کے پاس جائے گا جس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا، کھاتا پیتا تھا۔ کہے گا یار! ایک نیکی کی کمی ہے مجھے دے دو تاکہ میری نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے۔ وہ بھی انکار کر دے گا۔ پھر خاوند ہے تو بیوی کے پاس جائے گا، بیوی ہے تو خاوند کے پاس جائے گی۔ وہ بھی انکار کر دے گا۔ پھر والد کے پاس جائے گا وہ بھی کہے گا جا اپنا کام کر میں تجھے نیکی دے کر خود کہاں جاؤں گا۔ آخر میں ماں کے پاس جائے گا۔ کہے گا اَتَعْرِفُنِيْ "کیا مجھے پہچانتی ہے۔" وہ کہے گی ہاں! تجھے پہچانتی ہوں تو میرا بیٹا ہے۔ میں نے تجھے تکلیف کے ساتھ پیٹ میں اُٹھایا، پھر تجھے جنا، پھر تجھے دودھ پلایا، پھر تجھے پالا کہ تو چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ کہے گا امی! مجھے ایک نیکی دے دو تاکہ میرا نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے۔ ماں کہے گی پیچھے ہٹ جا تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گی۔

میدانِ محشر میں ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔ آج دنیا میں بے شمار مثالیں ہیں کہ بھائی بھائی کے لیے جان دے دیتا ہے ، ماں کے لیے جان دے دیتا ہے، بیوی کی عزت بچانے کے لیے جان دے دیتا ہے، یاروں دوستوں کے لیے جان دے دیتا

ہے لیکن وہاں ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ بڑا مشکل دن ہوگا ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ہر آدمی کے لیے ان میں سے ﴿يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ﴾ اُس دن حال ہوگا ﴿يُغْنِيهِ﴾ جو بے پرواکر دے گا اس کو دوسروں سے۔ ہر ایک کو اپنی جان کی مصیبت پڑی ہوگی کوئی کسی کی طرف توجہ نہیں کر سکے گا۔ نہ ماں، نہ باپ، نہ بیوی، نہ اولاد، نہ کوئی دوست عزیز، کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا ﴿أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (النجم: ٣٨) کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔

آج دنیا میں یاری دوستی نبھانے کے لیے قتل تک کے بوجھ اُٹھا لیتے ہیں یار کی جان بچانے کے لیے۔ وہاں کوئی کسی کا نہیں ہوگا ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ﴾ کچھ چہرے اس دن روشن ہوں گے۔ یہ مومن ہوں گے نیک عمل کرنے والے جنھوں نے توحید وسنت پر چل کر رب تعالیٰ کو راضی کیا اور بدعات اور خرافات سے بچے ﴿ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ﴾ ہنسنے والے خوشیاں منانے والے ہوں گے ﴿وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ﴾ اور کچھ چہرے اس دن ﴿عَلَيْهَا غَبَرَةٌ﴾ ان پر گرد وغبار ہوگا ﴿تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ چھا جائے گی ان کے چہروں پر تارکول۔ یہ جو سڑکوں پر لُک ڈالی جاتی ہے وہ ان کے چہروں پر ملی جائے گی۔ یہ علامت ہوگی مشرکوں اور بدعتیوں کی۔ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ "اس دن کئی چہرے سیاہ ہوں گے اور کئی چہرے سفید ہوں گے۔" (آل عمران: ١٠٦)

اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے سیاہ ہوں گے۔ یہ معنیٰ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کرتے ہیں ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ کفرۃٌ کافر کی جمع ہے اور فجرۃٌ فاجر کی جمع ہے۔ یہی لوگ ہیں کفر کرنے والے، فسق وفجور کرنے والے۔ عقیدے کے لحاظ سے کافر ہوں گے، عمل کے لحاظ سے فاجر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے نہ کرے۔ پہلوں میں سے کرے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ التَّكۡوِيۡرِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⟸ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ٢٩ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (٨١) (٧) رکوعاتہا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ جس وقت سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ﴿وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ﴾ اور جس وقت ستارے گر پڑیں گے ﴿وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ اور جس وقت پہاڑ چلائے جائیں گے ﴿وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ﴾ اور جس وقت (دس ماہ کی) گابھن اُونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی ﴿وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ﴾ اور جس وقت وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے ﴿وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ اور جس وقت سمندروں کو آگ لگا دی جائے گی ﴿وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾ اور جس وقت جانوں کو جوڑ دیا جائے گا ﴿وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ﴾ اور جس وقت زندہ درگور کی گئی بچی سے سوال کیا جائے گا ﴿بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ کس گناہ کے بدلے وہ قتل کی گئی ﴿وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ اور جس وقت صحیفے کھول دیئے جائیں گے ﴿وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ﴾ اور جس وقت آسمان کا چھلکا اُتار دیا جائے گا ﴿وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ﴾ اور جس وقت دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا ﴿وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ﴾ اور جس وقت جنت کو قریب کر دیا جائے گا ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ﴾ جان لے گا ہر نفس جو اس نے حاضر کیا ہے۔

نام و کوائف

اس سورت کا نام تکویر ہے۔ اس کی پہلی آیت کریمہ میں کُوِّرَتْ کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام تکویر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا ایک رکوع اور انتیس (٢٩) آیتیں ہیں۔ تکویر کا لفظی معنیٰ ہے کسی چیز کو غلاف میں لپیٹ دینا۔ ایک وقت آئے گا اللہ تبارک وتعالیٰ سورج کی روشنی کو سلب کر لیں گے۔ جیسے کسی چیز کو غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح سورج کو تہہ کر کے رکھ دیا جائے گا۔

آج سورج ہم سے کروڑوں میل دور ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں چوتھے آسمان پر ہے۔ اور اس کی روشنی اور تپش بالکل ظاہر ہے۔ ظاہر چیز کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی۔

موضوع سورت

اس سورت میں قیامت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ کچھ نفخہ اولیٰ سے پہلے کی ہیں اور کچھ نفخہ ثانیہ کے بعد کی ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جب بگل پھونکیں گے دُنیا کی تباہی و بربادی کے لیے، اس کو نفخہ اولیٰ کہتے ہیں۔ یعنی پہلی دفعہ کی پھونک۔ پھر

چالیس سال کے بعد دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بگل پھونکیں گے، اس کو نفخہ ثانیہ کہتے ہیں۔

نفخہ اولیٰ کی نشانیاں

یہ پہلے نفخے کی نشانی ہے ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ جس وقت سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، سورج کی روشنی ختم کر دی جائے گی۔

دوسری علامت: ﴿وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ﴾ اور جس وقت ستارے گر پڑیں گے تو کیا حال ہوگا کہ ایک ایک ستارہ زمین سے بڑا ہے۔

آج سے دو تین سال پہلے کی بات ہے کہ سائنس دانوں نے شوشہ چھوڑا تھا ممکن ہے صحیح ہو کہ ایک ستارے کا تھوڑا سا حصہ الگ ہو کر گرنے والا ہے۔ اس کی وجہ سے سارے لوگوں کی نیندیں اُڑ گئی تھیں۔ امریکہ والے کہہ رہے تھے کہ ہم پر گرا تو ہم مر جائیں گے، برطانیہ والوں نے کہا کہ ہم پر گرا تو ہم تباہ ہو جائیں گے، فرانس، چین والے سب پریشان تھے۔ پھر سارے سائنس دانوں نے اتفاق کیا کہ وہ ان کی طرف نہیں آئے گا دوسری طرف جائے گا۔ (پاکستانیوں کو کوئی فکر نہیں تھی۔ کیوں کہ یہ حالات کے پہلے ہی مارے ہوئے ہیں۔ مرتب)

تو ایک ستارہ بھی زمین پر گر جائے تو زمین میں کچھ بھی نہ رہے۔ تو فرمایا جب ستارے گر پڑیں گے آسمان سے نیچے زمین پر۔ نجوم نجم کی جمع ہے اور نجم کا معنیٰ ہے ستارہ۔

تیسری علامت: ﴿وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ جِبَال جَبَلٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے پہاڑ۔ اور جس وقت یہ پہاڑ چلائے جائیں گے۔ یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار ہو جائیں گے۔ یہ بڑے بڑے مضبوط پہاڑ کوہ ہمالیہ جیسے جو دنیا کا سب سے بلند پہاڑ ہے، ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح اڑیں گے ﴿وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ﴾ عِشار عُشَرَاءُ کی جمع ہے۔ عُشَرَاء اس اُونٹنی کو کہتے ہیں جو دس ماہ کی گابھن (حاملہ) ہو۔ جب اُونٹنی کو گابھن ہوئے دس ماہ ہو جائیں تو اس کی بڑی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ کیوں کہ اب بچے کی پیدائش کا وقت ہوتا ہے۔ اُونٹنی اگر کھڑے کھڑے بچہ دے دے تو بچے کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور اگر بیٹھ کر دے تو بچے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے اُونٹنی پر نگاہ رکھتے ہیں۔ لیکن جب قیامت برپا ہوگی تو ایسی افراتفری ہوگی کہ اس کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ معنیٰ ہوگا اور جس وقت گابھن اُونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

دیکھو! ۶۵ء اور ۷۱ء کی دو لڑائیاں تمھارے سامنے ہیں کہ جب انڈیا نے حملہ کیا تو بارڈر کے لوگوں نے دوڑ کر اپنی جانیں بچائیں۔ مال، ڈنگر کی کسی کو فکر نہیں تھی کہ ان کا کیا کرنا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار جانور ہندو، سکھ، ڈوگر، مرہٹے لے گئے۔ آدمی خود امن میں ہو تو جانوروں کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ اگر اپنی جان مصیبت میں ہو تو جانوروں کو کون پوچھتا ہے؟ ﴿وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ﴾ اور جس وقت وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ بھیڑیئے، شیر، چیتے، ہرن وغیرہ اس افراتفری

میں ڈر کے مارے دوڑ کر شہروں کی طرف جمع ہو جائیں گے اور ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ کوئی کسی کو نہیں چھیڑے گا ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ اور جس وقت سمندروں کو آگ لگا دی جائے گی۔ جس طرح آج پیٹرول کو آگ لگتی ہے اس طرح سمندروں کو آگ لگ جائے گی اور وہ جل سڑ جائیں گے۔

جغرافیہ دان کہتے ہیں کہ دنیا کے سو حصوں میں سے اکہتر (۷۱) حصوں پر پانی ہے اور انتیس (۲۹) حصوں پر دنیا کی بادشاہی ہے۔ یہ جو انتیس حصے خشک ہیں اس میں امریکہ، برطانیہ، افریقہ، چین، جاپان، انڈیا، پاکستان وغیرہ دنیا کے سارے ممالک ہیں۔ باقی حصوں پر پانی ہے۔ تو بحر محیط کو آگ لگ جائے گی پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں رہے گا۔ یہ نشانیاں نفخہ اولیٰ کی ہیں۔ اس کے بعد سات نشانیاں نفخہ ثانیہ کی ہیں۔

نفخہ ثانیہ کی سات نشانیاں

دوسری دفعہ حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بگل پھونکیں گے تو ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾ اور جس وقت جانوں کو جوڑ دیا جائے گا۔ یہودیوں کو یہودیوں کے ساتھ، عیسائیوں کو عیسائیوں کے ساتھ، ہندوؤں کو ہندوؤں کے ساتھ، سکھوں کو سکھوں کے ساتھ، مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ، نافرمانوں کو نافرمانوں کے ساتھ اور فرماں برداروں کو فرماں برداروں کے ساتھ۔ یہ ان کی اُصولی قسمیں ہوں گی۔ اصحاب الیمین وہ خوش نصیب جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اصحاب الشمال وہ بدقسمت جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور ایک طبقہ ہوگا السابقون السابقون کا جو نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔

اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ روحوں کو جسموں کے ساتھ جوڑا جائے گا۔ جس طرح اس وقت ہماری روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے اور ہم نقل و حرکت کرتے ہیں اور ہماری نقل و حرکت کو دوسرے بھی دیکھتے ہیں۔ مرنے کے بعد روح کو جسم سے الگ کر دیا جاتا ہے لیکن الگ کرنے کے باوجود روح اور جسم کا آپس میں تعلق ہوتا ہے۔ وہ تعلق دوسروں کو محسوس نہیں ہوتا۔ قبر میں روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس سے مرنے والے کو ادراک و شعور حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی ادراک و شعور کی وجہ سے فرشتوں کے سوالوں کو سمجھتا اور جواب دیتا ہے مَنْ رَّبُّكَ ؟ مَنْ نَبِيُّكَ ؟ مَا دِيْنُكَ ؟ یہ جواب دے گا "میرا رب اللہ ہے، میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، میرا دین اسلام ہے۔"

سوالات میں کامیابی کے بعد جنت کی خوشبوؤں کا احساس ہوگا اور بُرے کو عذاب محسوس ہوگا۔ لیکن یہ زندگی دوسروں کو محسوس نہیں ہوتی۔ علم کلام والے کہتے ہیں کہ ایسے سمجھو جیسے سکتے کا مریض ہوتا ہے۔ سکتے کا مریض نہ سانس لیتا ہے اور نہ ہی اس کی نبض چلتی ہے۔ حالانکہ روح جسم کے اندر ہوتی ہے۔ ایسے ہی قبر میں، برزخ میں، روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اس

تعلق کی بنا پر مرنے والا راحت و آرام محسوس کرتا ہے لیکن ہمارے شعور میں نہیں آسکتا۔ عالم برزخ کی زندگی غیر شعوری ہے۔ اگر کسی کی قبر کو اکھیڑا جائے اور اس کی باڈی صحیح سالم پڑی ہو تو اس کی نقل و حرکت ہمیں نظر نہیں آئے گی۔ لیکن قیامت والے دن روح کو جسم کے ساتھ اس طرح جوڑا جائے گا کہ اس کی نقل و حرکت کو دوسرے بھی سمجھیں گے۔

تو فرمایا جس وقت جانوں کو جوڑا جائے گا نیکوں کو نیکوں کے ساتھ اور بدوں کو بدوں کے ساتھ۔ ہر ایک طبقے کے لوگوں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا ﴿وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ﴾ اور جس وقت زندہ در گور کی ہوئی بچی سے سوال کیا جائے گا۔ عرب کے کچھ خاندانوں میں یہ رسم بد تھی کہ لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے، مارتے نہیں تھے۔ کہتے تھے مارنے سے گناہ ہوتا ہے۔ بھائی! سوال یہ ہے کہ قبر میں کتنی دیر زندہ رہے گی؟ تازہ ہوا نہ ملے تو پانچ، دس منٹ کے بعد مر جائے گی۔ ایسا وہ اس واسطے کرتے تھے کہ اس کی شادی کا انتظام کرنا پڑے گا، اس کا خرچہ ہمیں اٹھانا پڑے گا۔ اس لیے یہ حرکت کرتے تھے۔

تو فرمایا جس وقت زندہ در گور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا ﴿بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ کس گناہ کے بدلے وہ قتل کی گئی۔ تیرا کیا گناہ تھا؟ مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ بچی، بچے سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو شریعت ان کو سزا نہیں دیتی، گناہ گار تصور نہیں کرتی کہ معصوم ہیں، غیر مکلف ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ صحت اور آب و ہوا کے ماحول کی بنا پر کوئی جلدی بالغ ہو جاتا ہے اور کوئی دیر سے ہوتا ہے۔ جلدی بلوغت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ فلمیں دیکھنے والے ہو سکتا ہے دس بارہ سال میں بالغ ہو جائیں اور پہاڑی لوگ ہو سکتا ہے پندرہ سال میں بھی بالغ نہ ہوں۔

فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پندرہ سال کا لڑکا لڑکی ہر صورت بالغ ہوتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ چودہ (۱۴) سال کی عمر میں بالغ ہو جائے، تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں بالغ ہو جائے، بارہ (۱۲) سال کی عمر میں بالغ ہو جائے، ہو سکتا ہے۔

حسن بن صالح بن حی (بڑے چوٹی کے محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں ایک بچی اکیس (۲۱) سال کی عمر میں دادی بن گئی۔ دس سال کی عمر میں بالغ ہوئی، نکاح ہو گیا، بچہ پیدا ہوا، بالغ ہوتے ہی نکاح کر دیا۔ اکیس (۲۱) سال کی عمر میں دادی بن گئی۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ چوبیس (۲۴) سال کا آدمی دادا ہو سکتا ہے۔ اس زمانے میں لوگ بالغ ہوتے ہی بچی، بچے کی شادی کر دیتے تھے۔ آج کل دیر کرتے ہیں اسی لیے بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ رب تعالیٰ نے انسان کا ایک مزاج اور طبیعت بنائی ہے۔ بچیوں کی شادی دیر سے ہو تو طبی نقطۂ نظر سے عورت کے رحم میں جو خاص قسم کی ٹیوبیں ہوتی ہیں وہ سڑ جاتی ہیں اور اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ پھر بھاگتے پھرتے ہیں۔ بر وقت شادی ہو جائے تو پھر نظام قدرت ہے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا خاص انتظام رکھا ہے۔

فرمایا ﴿وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ صحف صحیفۃٌ کی جمع ہے۔ صحیفہ کا معنیٰ ہوتا ہے **کاپی، کتاب، نامۂ عمل۔ معنیٰ**

ہوگا اور جس وقت صحیفے کھول دیئے جائیں گے۔ میرا میرے سامنے آجائے گا، آپ کا آپ کے سامنے آجائے گا۔ ہر ایک کا نامہ اعمال اس کے سامنے ہوگا۔ ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ﴾ اور جس وقت آسمان کا چھلکا اتار دیا جائے گا، کھال اتار دی جائے گی۔ آج جو آسمان ہمیں نیلگوں نظر آتا ہے، سبز سبز نظر آتا ہے ایک وقت آئے گا ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ (سورۃ الرحمن) "پس ہو جائے گا سرخ چمڑے کی طرح یا جیسے تلچھٹ ہوتی ہے۔"

﴿وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ﴾ اور جس وقت دوزخ کی آگ بھڑکا دی جائے گی۔ میدان محشر میں دوزخ کی آگ کے شعلے نظر آرہے ہوں گے۔ دیکھ کر بندے توبہ توبہ کریں گے مگر اس وقت توبہ توبہ کرنے کا کیا فائدہ؟ ﴿وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ﴾ اور جس وقت جنت کو قریب کر دیا جائے گا۔ میدان محشر ہی میں جنت کی خوشبوؤں کو، راحتوں کو، جنت کے باغوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے۔ ہر ایک کی قلبی خواہش ہوگی کہ میں جلدی سے اس میں داخل ہو جاؤں۔ جس وقت یہ نشانیاں واضح ہو جائیں گی ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ﴾ جان لے گا ہر نفس جو اس نے حاضر کیا ہے۔ جس نے جو نیکی بدی کی ہے سامنے آجائے گی۔ رتی برابر بھی کسی چیز کا خفا نہیں رہے گا۔

﴿فَلَا أُقْسِمُ﴾ پس میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِالْخُنَّسِ﴾ پیچھے ہٹ جانے والے (ستاروں) کی ﴿الْجَوَارِ﴾ تیزی سے چلنے والے کی ﴿الْكُنَّسِ﴾ چھپ جانے والوں کی ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ﴾ اور قسم ہے رات کی جب وہ آنے لگے ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ بے شک یہ قرآن عزت والے قاصد کا قول ہے ﴿ذِي قُوَّةٍ﴾ بڑی طاقت والا ہے ﴿عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ عرش والے کے پاس عزت پانے والا ہے ﴿مُطَاعٍ﴾ اس کی اطاعت کی جاتی ہے ﴿ثَمَّ أَمِينٍ﴾ وہاں بڑا امین ہے ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴾ اور تمھارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے ﴿وَلَقَدْ رَآهُ﴾ اور البتہ تحقیق اس نے دیکھا ہے اس کو ﴿بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ﴾ روشن کنارے پر ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ اور نہیں ہے وہ غیب کی بات پر بخل کرنے والا ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ﴾ اور نہیں ہے یہ قول شیطان رجیم کا ﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ پھر تم کدھر جا رہے ہو ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر ﴿ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ﴾ نصیحت تمام جہانوں کے لیے ﴿لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ﴾ اس کے لیے جو چاہے تم میں کہ وہ قائم رہے ﴿وَمَا تَشَاءُونَ﴾ اور تم نہیں چاہتے ﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی شے کے متعلق دعویٰ کرتا ہے تو اپنے دعوے پر گواہ پیش کرے گا تو دعویٰ ثابت ہوگا۔

اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو پھر مدعا علیہ جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے قسم دے گا کہ مدعی نے میرے خلاف جھوٹا دعویٰ کیا ہے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ تو گویا قسم گواہی کا بدلہ ہے، اس کے قائم مقام ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ یعنی ان چیزوں کو بطور گواہ کے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں ہے، کسی چیز کا پابند نہیں ہے۔ وہ جس چیز کی چاہے قسم اُٹھا سکتا ہے۔ ہم مکلف ہیں، پابند ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بغیر کسی چیز کی قسم نہیں اُٹھا سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللهِ "جس نے غیر اللہ کی قسم اُٹھائی اس نے شرک کیا۔" کعبہ کی قسم اُٹھانا، نبی کی قسم اُٹھانا، پیغمبر کی قسم، پتر کی قسم، ماں کی قسم، باپ کی قسم، بیٹے کی قسم، کسی بزرگ کی قسم اُٹھانا، یہ سب شرک کی قسمیں ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی قسم نہ اُٹھاؤ۔ ہم قانون کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ قانون بنانے والا ہے اور نافذ کرنے والا ہے اس پر کسی قسم کا کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جس چیز کی چاہے قسم اُٹھا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی کا یہ ضابطہ بھی سمجھ لیں کہ قسم ہو یا حرف قسم ہو اور اس پر حرف لا داخل ہو تو وہ زائدہ ہوتا ہے اس کا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ﴿فَلَآ اُقْسِمُ﴾ کا معنیٰ ہوگا میں قسم اٹھاتا ہوں۔ اگر ﴿لَآ﴾ کا معنیٰ کریں تو معنیٰ ہوگا میں قسم نہیں اُٹھاتا۔ تو ضابطے کے مطابق لَآ کا ترجمہ نہیں ہوگا۔ معنیٰ ہوگا میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِالْخُنَّسِ﴾ خُنَّس خَنْسَاءُ کی جمع ہے (اور خُنَّس اَخْنَسْ کی جمع بھی آتی ہے)۔ اس کا معنیٰ ہے پیچھے ہونا۔ اور کُنَّس کَنْسَاءُ کی جمع ہے (اور اَکْنَسْ کی جمع بھی آتی ہے) اس کا معنیٰ ہے چھپ جانا۔

ستاروں کی تفصیل

ستارے دو قسم کے ہیں۔ ثوابت: جو اپنی جگہ قائم رہتے ہیں اور سیارات: حرکت والے، چلنے والے۔ کوئی مغرب کی طرف چلتا ہے، کوئی مشرق کی طرف چلتا ہے، کوئی شمال کی طرف چلتا ہے، کوئی جنوب کی طرف چلتا ہے۔ جو ستارے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں انہی سے متعلق ہے ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل: ۱۶) "اور ستاروں کے ذریعے یہ لوگ راہ پاتے ہیں۔" ان ستاروں کے ذریعے لوگ راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔ سمندری اور صحرائی سفر ستاروں کو دیکھ کر کرتے تھے کہ ہم اس طرف سے آئے ہیں اور اُس طرف کو جانا ہے۔ اس جگہ چلنے والے ستاروں کا ذکر ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نام تو نہیں لیا مگر صفت ان کی بیان فرمائی ہے۔ یہ پانچ سیارے ہیں۔

① زحل ② مشتری ③ مریخ ④ زہرہ ⑤ عطارد۔

ان کو ریاضی والے خَمْسَہ مُتَحَیِّرَہ کہتے ہیں۔ یعنی پانچ حیران کن سیارے۔ یہ بڑی تیزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ چلتے چلتے رب تعالیٰ کے حکم سے واپس ہو جاتے ہیں پھر چھپ جاتے ہیں، نظر نہیں آتے۔ ان آیتوں میں ان پانچ ستاروں کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں میں قسم اُٹھاتا ہوں ﴿بِالْخُنَّسِ﴾ پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی ﴿الْجَوَارِ﴾ تیزی سے

چلنے والے ہیں ﴿الْكُنَّسِ﴾ چھپ جانے والوں کی۔ بڑی رفتار کے ساتھ چلتے ہیں پھر واپس آجاتے ہیں پھر چھپ جاتے ہیں، غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑا عجیب نظام ہے جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ان ستاروں کی قسم اُٹھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ جیسے ان ستاروں کی حقیقت تم پوری طرح نہیں سمجھ سکتے اسی طرح یہ قرآن پاک حق اور سچ ہے لیکن تم اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ ستاروں کو نہ سمجھنے کے باوجود مانتے ہو اسی طرح قرآن کریم کو بھی مانو۔

﴿وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ﴾ اور قسم ہے رات کی جب وہ آنے لگے۔ ﴿عَسْعَسَ﴾ اضداد میں سے ہے۔ اس کا معنیٰ آنے کا بھی ہے اور جانے کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات بھی ایک بہت بڑی نشانی ہے ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے یعنی روشن ہو جائے۔ یہ رات اور دن رب تعالیٰ کی قدرت کی ایسی نشانیاں ہیں کہ جن کو ہر آدمی سمجھتا اور دیکھتا ہے۔ ان کو سمجھانے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ رات اس کو کہتے ہیں اور دن اس کو کہتے ہیں۔ ان کی قسم اُٹھا کر فرمایا:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صفات

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ بے شک یہ قرآن بولا ہوا ہے بڑی عزت والے قاصد کا۔ رسول کریم سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ کہ ان کے ذریعے یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچایا ہے۔

پہلے پڑھ چکے ہو ﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ﴾ (الشعراء: ۱۹۲) "اور بے شک یہ قرآن اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے۔" جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کے سردار ہیں، معزز ہیں، وہ لے کر آئے ہیں ﴿ذِي قُوَّةٍ﴾ بڑی طاقت والا ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوط کی بستیوں کو اُٹھا کر پھینکنے کا حکم دیا تو پورے کا پورا علاقہ ایسے سمجھو جیسے لاہور سے وزیر آباد تک کا علاقہ ہے۔ اتنا بڑا علاقہ۔ پَر مارا جیسے کسّی یا بیلچہ مارو تو زمین میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح پَر مارا اور زمین کو پَر پر اُٹھا کر بلندی پر لے جا کر اُلٹا کر کے پھینک دیا۔ تو رب تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بڑی قوت دی ہے ﴿عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ عرش والے کے ہاں بڑی عزت والے ہیں۔ تمام فرشتوں کے سَردار اور امام ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں ﴿مُطَاعٍ﴾ اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ تمام فرشتے اس کے مطیع ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم دیتے ہیں تمام فرشتے بلا قیل وقال اس کو بجالاتے ہیں ﴿ثَمَّ أَمِينٍ﴾ وہاں بڑا امین ہے۔ روح الامین، روح القدس، یہ جبرئیل علیہ السلام کے لقب ہیں۔

مشرک، کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند آدمی تھے باقی ساری قوم ایک طرف تھی۔ پھر یہ لفظ اتنا مشہور کیا ہوا تھا کہ بچے بچے کی زبان پر تھا کہ یہ دیوانہ ہے۔ اور دور دراز تک پھیلایا ہوا تھا۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴾ اور تمھارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ

ازدشنوٗہ قبیلے کا ایک آدمی تھا جس کا نام ضماد تھا۔ یہ پاگلوں کا دم کے ذریعے علاج کرتا تھا اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا تھا۔ یہ ازدشنوٗہ بستی سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچا۔ پتا پوچھتے پوچھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ کہنے لگا حضرت! آپ نے سنا ہوگا کہ ازدشنوہ قبیلے کا ایک آدمی دیوانوں کو دم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! سنا ہے۔ کہنے لگا وہ عاجز میں ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ کعبۃ اللہ کے متولیوں کا بیٹا پاگل ہو گیا ہے۔ میں انسانی ہمدردی کے تحت آیا ہوں میں نے آپ سے کچھ نہیں لینا اگرچہ فیس میری کافی زیادہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ بات سنی تو مسکرائے اور فرمایا کہ میں آپ کی تشریف آوری کی قدر کرتا ہوں، آپ نے بڑی تکلیف اُٹھائی ہے مگر میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاگل نہیں ہوں۔ کہنے لگا لوگ کیوں کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی زبانوں پر تو میرا کنٹرول نہیں ہے۔ کہنے لگا آپ کیا کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ والا خطبہ پڑھا اور اس کے بعد سورہ والسماء والطارق پڑھی۔ وہ چونکہ عربی تھا اور شاعر اور خطیب بھی تھا۔ وہ عربی زبان کی خوبیوں کو جانتا تھا۔ ہم چونکہ عربی زبان سے واقف نہیں ہے اس لیے اس کی خوبیوں کا علم نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے جاتے تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ طارق پڑھ لی تو کہنے لگا یہ مخلوق میں سے کسی کا کلام نہیں ہے، یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو کر واپس چلا گیا۔

مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ابولہب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سگا چچا تھا۔ ابوجہل اور ابولہب نے باری مقرر کی ہوئی تھی کہ ایک دن تردید کے لیے میں نے اس کے ساتھ رہنا ہے اور ایک دن تو نے ساتھ رہنا ہے۔ اسلام میں حج ۹ھ میں فرض ہوا ہے۔ لیکن لوگ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے مطابق حج کرتے تھے۔ عرفات، منیٰ میں بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ ابوجہل نے کہا کہ یہ جب عرفات میں تقریر کرے گا تو میں تردید کروں گا اور جب منیٰ میں کرے گا تو تو نے تردید کرنی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہ لوگ اکٹھے ہیں اور لوگوں کو توحید و رسالت کا مسئلہ، قیامت کا مسئلہ سمجھاتے۔ لوگ بڑے اطمینان سے سنتے۔ ابوجہل بھی بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر سنتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ختم ہوتا تو یہ کھڑا ہو جاتا اور کہتا لوگو! میرا نام عمرو بن ہشام ہے۔ بڑا مشہور آدمی تھا کیوں کہ مکہ مکرمہ کا ابوالحکم تھا، چیئرمین۔ یہ جس کی تقریر تم نے سنی ہے یہ میرا بھتیجا ہے۔ یہ پاگل ہے اس کی بات نہ ماننا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنی تقریر کرتے تھے یہ دو جملوں میں اس پر پانی پھیر دیتا تھا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں تقریر کرتے مسجد خیف کے پاس۔ جب بیان ختم ہوتا تو ابولہب اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا اور کہتا اَیُّھَا النَّاس لوگو میری بات سنو! اس کا نام محمد ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے والد کا نام عبداللہ ہے۔ عبداللہ میرا چھوٹا بھائی تھا۔ میں اس کا تایا ہوں۔ یہ صابی ہے، کاذب ہے، پاگل ہے، اس کے پھندے میں نہ آنا (معاذ اللہ تعالیٰ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھنٹہ دو گھنٹہ بیان فرماتے یہ اُٹھ کر اس پر پانی پھیر دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ﴾

اور نہیں ہے تمھارا ساتھی دیوانہ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ﴾ اور البتہ تحقیق اس نے یعنی آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے اس رسول کریم کو یعنی جبرئیل علیہ السلام کو ﴿بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ﴾ روشن کنارے پر۔ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک دفعہ زمین پر لَهٗ سِتّمائه اَجْنِحَةٍ "اس کے چھ سو پر تھے۔" جب آپ ﷺ پر نبوت کی ذمہ داری ڈالی گئی جبلِ نور پر مکہ مکرمہ میں۔ اور دوسری مرتبہ معراج کی رات ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ اس کے علاوہ جتنی دفعہ بھی جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں کبھی دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں اور کبھی کسی دیہاتی کی شکل میں، کبھی کسی کی شکل میں۔ اس کا حوالہ اللہ تعالیٰ دیتے ہیں کہ تمھارے ساتھی نے اس رسول کریم کو دیکھا ہے۔ ﴿وَمَا هُوَ﴾ اور نہیں ہے وہ تمھارا ساتھی ﴿عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ﴾ غیب کی بات پر بخل کرنے والا۔ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی غیب کی خبر معلوم ہوتی تھی تو آپ ﷺ اس کو ظاہر کرنے میں کوئی بخل نہیں کرتے تھے بلکہ ٹھیک ٹھیک دوسروں تک پہنچا دیتے تھے۔ دوزخ کیا ہے؟ میدان محشر کیا ہے؟ فرشتے کیا ہیں؟ پل صراط کیا ہے؟ سارا قرآن کریم غیب سے آیا ہے۔ یہ تمام غیب کی خبریں ہیں جو آپ ﷺ نے بتلائی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس پر بخل نہیں کیا۔

اہل بدعت اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سارا غیب جانتے تھے آپ ﷺ اس میں بخل نہیں کرتے تھے۔ یہ ان کی نادانی ہے۔ اس لیے کہ یہ سورت ساتویں نمبر پر نازل ہوئی ہے اس کے بعد ایک سو سات سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ اگر آپ کو سارا غیب معلوم ہو گیا تھا تو ایک سو سات سورتوں کے بعد میں نازل ہونے کا کیا معنیٰ ہے۔ اگر اس غیب سے سارا غیب مراد ہے تو پھر یہ آیت کریمہ قرآن کی آخری آیت ہونی چاہیے تھی۔ اس کے بعد قرآن کا کوئی حصہ نازل نہ ہوتا۔ حالانکہ اس کے بعد بڑی بڑی سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ تو یہاں غیب کی خبریں مراد ہیں۔

فرمایا ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ﴾ اور نہیں ہے یہ کہا ہوا شیطان مردود کا۔ چند دن وحی نہ آئی تو آپ ﷺ کی چچی ابولہب کی بیوی جس کا نام عوراء اور کنیت اُم جمیل تھی اور ابوسفیان کی سگی بہن تھی۔ یہ خاندان طبعی طور پر سخت، کرخت مزاج والا تھا۔ آکر کہنے لگی قَدْ تَرَكَكَ شَیْطَانُكَ "تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے جو وحی لے کر تیرے پاس آتا تھا۔" یعنی جبرئیل علیہ السلام۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ شیطان مردود کا قول نہیں ہے ﴿فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ پھر تم کدھر جا رہے ہو ﴿اِنْ هُوَ﴾ نہیں ہے یہ قرآن ﴿اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ مگر نصیحت تمام جہانوں کے لیے ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ﴾ اس کے لیے کہ جو چاہے کہ وہ قائم رہے۔ جو مانے نصیحت اس کے لیے ہے۔ جو نہیں مانتا اس کے لیے کیا ہے۔ دیکھو! کھانا اللہ تعالیٰ نے بھوک ختم کرنے کے لیے بنایا ہے، پانی پیاس بجھانے کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر بھوک پیاس اسی کی بجھے گی جو کھائے گا، پیے گا۔ ویسے اگر زبانی طور پر سارا دن کہتا رہے کھانے سے پیٹ بھر جاتا ہے، پانی سے پیاس بجھ جاتی ہے، تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ استعمال کرے گا تو فائدہ ہوگا۔ یہ کتاب نصیحت ہے مگر اس کے لیے جو چاہے گا ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ ﴿رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے جب تک رب تعالیٰ نہ کرے۔

بندے کو ایمان لانے کا، کفر اختیار کرنے کا، نیکی بدی کرنے کا اختیار اور قدرت ہے۔ مگر یہ قدرت تو رب نے دی ہے اس کے استعمال کرنے میں تم مختار ہو۔

مثال کے طور پر دیکھو! یہ ٹیوبیں ہیں، بلب ہیں، پنکھے ہیں، ہم بٹن دبا کر چلا سکتے ہیں مگر کب؟ جب کہ بجلی ہو۔ اگر بجلی پیچھے سے بند ہو جائے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بندے کو اتنا ہی اختیار ہے۔ اگر پیچھے سے رب تعالیٰ کی طرف سے بجلی بند ہو جائے تو پھر کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تم نہیں چاہ سکتے مگر جو رب چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡاِنۡفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۱۹ سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (۸۲) (۸۲) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا ﴿وَ اِذَا الْکَوَاکِبُ﴾ اور جس وقت ستارے ﴿انْتَثَرَتْ﴾ بکھر جائیں گے ﴿وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ اور جس وقت سمندر چلائے جائیں گے ﴿وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴾ اور جس وقت قبریں اکھیڑ دی جائیں گی ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ﴾ جان لے گا ہر نفس ﴿مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ﴾ جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ﴾ اے انسان ﴿مَا غَرَّکَ﴾ کس چیز نے تجھے دھوکا دیا ﴿بِرَبِّكَ الْکَرِیْمِ﴾ رب کریم کے بارے میں ﴿الَّذِیْ خَلَقَكَ﴾ وہ جس نے تجھے پیدا کیا ﴿فَسَوّٰىكَ﴾ پھر تجھے درست کیا ﴿فَعَدَلَكَ﴾ پھر تجھے برابر کیا ﴿فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ﴾ جس صورت میں چاہا ﴿رَكَّبَكَ﴾ تجھے جوڑ دیا ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ﴾ بلکہ تم جھٹلاتے ہو بدلے کے دن کو ﴿وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ﴾ اور بے شک تمھارے اُوپر البتہ نگران ہیں ﴿كِرَامًا كَاتِبِیْنَ﴾ وہ بڑے شریف لکھنے والے ہیں ﴿یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ﴾ بے شک نیک لوگ ﴿لَفِیْ نَعِیْمٍ﴾ البتہ نعمتوں میں ہوں گے ﴿وَ اِنَّ الْفُجَّارَ﴾ اور بے شک نافرمان ﴿لَفِیْ جَحِیْمٍ﴾ شعلے مارنے والی آگ میں ہوں گے ﴿یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ داخل ہوں گے اس میں بدلے والے دن ﴿وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىِٕبِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں گے وہ اس سے غیر حاضر ﴿وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ کیا ہے بدلے کا دن ﴿ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ﴾ پھر آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ کیا ہے بدلے کا دن ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ﴾ جس دن مالک نہیں ہوگا کوئی نفس ﴿لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا﴾ کسی نفس کے لیے کسی شے کا ﴿وَ الْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ اور حکم اور معاملہ اس دن اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الانفطار ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں انفطر کا لفظ موجود ہے، اس سے لیا گیا ہے۔ اکیاسی سورتیں (۸۱) اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بیاسیواں نمبر (۸۲) ہے۔ اس کا ایک رکوع

اور اُنیس (۱۹) آیتیں ہیں۔

قرآن کریم میں جن مسائل پر زیادہ زور دیا گیا ہے ان میں توحید کا مسئلہ ہے، رسالت کا مسئلہ ہے اور قیامت کا مسئلہ ہے۔ اور توحید کا مسئلہ اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتا جب تک شرک کا علم نہ ہو۔ اس لیے شرک کی بھی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ مشرکین مکہ قیامت کی بڑے زوردار الفاظ میں تردید کرتے تھے۔ اس لیے زوردار الفاظ میں قیامت کا اثبات کیا گیا ہے کئی سورتوں میں۔ کسی کا نام الحاقہ ہے، کسی کا نام القارعہ ہے۔ یہ سب قیامت کے متعلق ہیں۔ مکہ مکرمہ میں جتنی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں انھی مسائل پر زور دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔ پھٹنے کے بعد اکٹھا ہو جائے گا۔ جس طرح سائبان کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح بستے میں کتابوں کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) "جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو مثل لپیٹ دینے طومار کے کتابوں کو۔" ساتوں آسمانوں میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا ﴿وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ﴾ اور جس وقت ستارے بکھر جائیں گے۔ کواکب کوکب کی جمع ہے اور کوکب کا معنیٰ ہے ستارہ۔ جس وقت یہ ستارے بکھر کر زمین پر گر جائیں گے۔ آسمان کو جب حرکت دی جائے گی تو ستارے اپنی جگہ چھوڑ کر بکھر جائیں گے ﴿انْکَدَرَتْ﴾ زمین پر گر جائیں گے۔ ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ بحار۔ بحر کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سمندر۔ اور جس وقت سمندر چلائے جائیں گے۔ سات سمندر (بحرًا وّاحدًا) ایک سمندر ہو جائیں گے۔ یہ نفخہ اولیٰ کے وقت ہوگا۔ پھر نفخہ ثانیہ کے بعد کیا ہوگا ﴿وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴾ اور جس وقت قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام جب دوبارہ بگل پھونکیں گے تو سب قبروں سے نکل آئیں گے۔ جن کو جلایا گیا یا پرندے، درندے کھا گئے، سب آجائیں گے۔ یہ قبر کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ عرب کے باشندے، مشرکین، یہودی، عیسائی، مردوں کو قبروں میں دفن کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ قبروں والے تو آجائیں گے اور باقیوں کو چھٹی مل جائے گی۔ بلکہ سب آئیں گے ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ﴾ جان لے گا ہر نفس جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے۔ آگے سے مراد وہ نیکیاں جو اس نے زندگی میں کی ہیں وہ آخرت میں جمع ہو گئیں۔ اور پیچھے چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ جاریہ کا کوئی کام کر گیا۔ مسجد بنوائی، دینی مدرسہ بنوایا، یتیم خانہ کھول گیا، نلکا لگا گیا، رفاہِ عام کا کوئی بھی کام کر گیا۔ جب تک یہ چیزیں رہیں گی بدستور اجر اس کو پہنچتا رہے گا۔ نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہے۔

اسی طرح جس نے بُرے کام کیے وہ بھی آگے پہنچ چکے ہیں اور جو پیچھے چھوڑے ہیں مثلاً: سینما گھر بنایا ہے، شراب خانہ کھولا ہے، بُری اولاد چھوڑی ہے، سب جان لے گا اور اس کا وبال بھگتے گا۔

﴿ یَاَیُّهَا الْاِنْسَانُ ﴾ اے انسان! ﴿ مَا غَرَّكَ ﴾ غَرَّ یَغُرُّ کا معنٰی ہے دھوکا دینا۔ کس چیز نے تجھے دھوکا دیا ہے ﴿ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴾ اپنے رب کے بارے میں جو کریم ہے، مہربان ہے۔ کیوں دھوکے میں پڑا ہوا ہے، اس کا حق کیوں ادا نہیں کرتا، کیوں غفلت میں پڑا ہوا ہے؟ ﴿ الَّذِیْ خَلَقَكَ ﴾ جس نے تجھے پیدا کیا وہ تیرا خالق ہے ﴿ فَسَوّٰىكَ ﴾ پس اس نے تجھے درست کیا۔ ساری مخلوق سے تیری شکل وصورت اچھی بنائی ﴿ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾ میں تجھے پیدا کیا ﴿ فَعَدَلَكَ ﴾ پھر اس نے تجھے برابر کیا خاص اعتدال کے ساتھ۔ ایک ٹانگ اتنی ہی رہتی اور دوسری نصف میل جتنی لمبی ہوتی تو بندہ کیسے چلتا؟ ایک بازو اتنا ہی ہوتا اور دوسرا دس فٹ لمبا ہوتا تو کیسی شکل بنتی؟ (ایک کان ہمارا اتنا ہی ہوتا اور دوسرا ہاتھی کے کان جتنا ہوتا، ایک ہاتھ اتنا ہی ہوتا اور دوسرا ہاتھی کی ٹانگ جتنا ہوتا، ایک لات اتنی ہی ہوتی اور دوسری گدھے کی ٹانگ کی طرح کر دیتا، ایک آنکھ اتنی ہی ہوتی اور دوسری اتنی بڑی ہوتی جیسے سر ہے۔ لیکن اس نے اعتدال کے ساتھ سب کچھ بنایا ہے۔ اب اگر ہماری آنکھیں رب تعالیٰ ٹخنوں میں لگا دیتا تو پھر جو ہوتا ہمارے ساتھ وہ عیاں ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ ہر چیز کو رب نے اپنے اپنے مقام پر رکھا۔)

وہ ایسا کر سکتا تھا مگر اس نے ہر چیز برابر لگائی ہے، اعتدال کے ساتھ رکھی ہے۔ جس طرح اس نے بنا دیا ہے اس سے بہتر صورت نہیں ہو سکتی تھی ﴿ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ مردوں کی شکلیں جدا، عورتوں کی شکلیں جدا۔ کروڑوں انسان دیکھیں ایک کی شکل کا دوسرا ہے ہی نہیں۔ جس ذات کی یہ کاری گریاں ہیں اس کی نافرمانی کرتے ہو ﴿ كَلَّا ﴾ خبردار ﴿ بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ﴾ بلکہ تم جھٹلاتے ہو بدلے کے دن کو، حساب کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ زوردار الفاظ میں کہتے ہو قیامت نہیں آئے گی۔ یقین رکھو! قیامت آئے گی ﴿ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ﴾ اور بے شک تمہارے اوپر البتہ نگران ہیں، حفاظت کرنے والے ہیں ﴿ كِرَامًا ﴾ کریم کی جمع ہے، بڑے شریف ہیں ﴿ كَاتِبِیْنَ ﴾ لکھنے والے ﴿ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

دائیں اور بائیں کندھوں پر بیٹھنے والے فرشتے

سورت قٓ میں تفصیلاً تم پڑھ چکے ہو ﴿ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴾ "ایک فرشتہ دائیں کندھے پر بیٹھا ہے اور ایک بائیں کندھے پر بیٹھا ہے مگر ہمیں ان کا احساس نہیں ہوتا ﴿ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴾ نہیں بولتا انسان کوئی لفظ مگر اس کے پاس ایک نگران ہوتا ہے وہ فوراً لکھ لیتا ہے۔"

لیکن اس میں تفصیل ہے... دائیں کندھے والا فرشتہ نیکیاں لکھنے والا ہے اور بائیں کندھے والا برائیاں لکھنے والا ہے۔ اور بائیں کندھے والا فرشتہ دائیں کندھے والے فرشتے کا ماتحت ہے۔ احادیث میں تفصیل اس طرح آتی ہے کہ آدمی جب زبان سے کوئی اچھی بات نکالتا ہے تو دائیں کندھے والا فرشتہ فوراً لکھ لیتا ہے۔ اگر زبان سے بُری بات نکلے تو بائیں کندھے والا لکھنا چاہتا ہے مگر دائیں والا اس کو روک دیتا ہے کہ ہو سکتا ہے توبہ کر لے۔ کچھ دیر تک انتظار کرتا ہے۔ جب توبہ نہیں کرتا تو پھر وہ

حکم دیتا ہے کہ اُكْتُبْ "لکھ لو"

مجلسوں میں واہی تباہی باتیں ہوجاتی ہیں، لوگوں کی غیبتیں آدمی سنتا رہتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جس وقت مجلس سے کھڑا ہوتو یہ دعا پڑھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ . جو گناہ مجلس میں ہوئے ہیں وہ معاف ہوجائیں گے۔ اگر مجلس میں صرف نیکیاں ہوئی ہیں تو ان پر مہر لگ جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا امت کی تعلیم کے لیے۔

تو فرمایا جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ سوال یہ ہے کہ انسان جو ارادہ کرتا ہے نیکی، بدی کا، وہ لکھا جاتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق کافی تفصیل ہے۔ علمائے کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نیکی کا ارادہ بھی لکھتے ہیں اور برائی کا ارادہ بھی لکھتے ہیں۔ اس پر پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ علیم بذات الصدور تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے دلوں کے راز تو رب تعالیٰ جانتا ہے فرشتوں کو دل کی بات کا کیسے پتا چلتا ہے۔ انسان جو کرتا ہے وہ فعل ہے۔ فعل کو فرشتہ دیکھتا ہے۔ اور جو بات زبان سے نکلتی ہے وہ قول ہے اس کو فرشتہ سنتا ہے۔ لیکن دل کے ارادے کا اس کو کیسے علم ہوتا ہے؟

اس بات کا علمائے کرام جواب دیتے ہیں کہ بندہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو رائحةٌ طيبةٌ اچھی خوشبو دل سے باہر نکلتی ہے اور بُرا ارادہ کرتا ہے تو رائحةٌ كريهةٌ بدبُو دل سے باہر نکلتی ہے جس سے یہ فرشتے سمجھ جاتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں۔ تفصیلی علم تو فرشتوں کو نہیں ہوتا کہ اچھا بُرا کیا ارادہ کیا؟ بس اجمالی طور پر وہ لکھتے ہیں کہ اس نے بُرا ارادہ کیا یا اچھا ارادہ کیا ہے۔ قول، فعل کا لکھنا قرآن سے ثابت ہے اور ارادے کا لکھنا روایتوں سے ثابت ہے۔

تو یہ لکھنے والے فرشتے دو دن کے لیے مقرر ہیں اور دو رات کے لیے۔ دن والوں کی ڈیوٹی صبح کی نماز کے وقت شروع ہوتی ہے۔ جب فجر کی نماز شروع ہوئی جس وقت میں نے کہا اللہ اکبر! تو رات والے فرشتوں کی ڈیوٹی ختم ہوگئی اور دن والے آگئے۔ اس مسجد کے ساتھ جن لوگوں کا تعلق ہے سارے محلے والوں کی ڈیوٹی بدل گئی۔ پھر جب عصر کا وقت ہوگا امام اللہ اکبر! کہے گا تو دن والے فرشتوں کی ڈیوٹی بدل جائے گی اور رات والے فرشتے چارج سنبھال لیں گے۔ اس محکمے کا نام ہے کراماً کاتبین۔ یہ کسی وقت بھی آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑتے سوائے دو وقتوں کے۔ ایک قضائے حاجت کے وقت اور دوسرا جس وقت خاوند بیوی آپس میں ملتے ہیں۔ لیکن نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ ایسے مقام پر کھڑے ہوجاتے ہیں جہاں سے بندے کے قول و فعل کو دیکھتے رہتے ہیں کہ باتھ روم میں بیٹھا کیا کر رہا ہے؟ گا رہا ہے یا کچھ اور کر رہا ہے۔

یہ تمام زندگی کا ریکارڈ محفوظ ہے اور قیامت والے دن گلے میں لٹکا دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ "یہ اپنا اعمال نامہ پڑھ۔" ایک دو صفحے پڑھے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ذرا ٹھہر جا یہ جو تیرا اعمال نامہ لکھا ہے هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ "کیا میرے لکھنے والوں نے تیرے ساتھ زیادتی کی ہے۔" کوئی بات اپنی طرف سے تیرے ذمہ لگا دی ہو؟ بندہ کہے گا نہیں پروردگار! جو میں نے کیا ہے وہی درج ہے۔ چند صفحے اور پڑھے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بتا بندے فرشتوں

نے تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں کی ہے؟ کہے گا نہیں پروردگار! کوئی زیادتی نہیں کی میں نے جو کہا اور کیا ہے وہی درج ہے۔

تو آدمی اپنا نامہ اعمال خود پڑھے گا ہر آدمی کی فائل جدا جدا ہوگی۔ پھر کیا ہوگا؟ ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ﴾ بے شک نیک لوگ البتہ نعمتوں میں ہوں گے۔ ابرار کا مفرد بَرٌّ بھی آتا ہے اور بَارٌّ بھی آتا ہے۔ آج ہم جنت کی نعمتوں اور خوشیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے ﴿وَ اِنَّ الْفُجَّارَ﴾ یہ فاجر کی جمع ہے، نافرمان۔ اور بے شک رب تعالیٰ کے نافرمان، باغی ﴿لَفِیْ جَحِیْمٍ﴾ البتہ جحیم ہوں گے۔ جحیم کا معنیٰ ہے شعلے مارنے والی آگ۔ وہ آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہوگی۔ آج دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات کو اس آگ سے بچائے۔ ﴿یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ داخل ہوں گے اس میں بدلے والے دن۔ جس دن حساب کتاب ہوگا ﴿وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآىٕبِیْنَ﴾ اور وہ نہیں ہوں گے اس آگ سے غیر حاضر۔ مشرک کو ایک دفعہ داخل ہونے کے بعد نکلنا نصیب نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو آدمی ایک مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جاتا ہے۔ وہ وہیں رہیں گے۔ البتہ جہنم کے اوپر والے طبقے میں گناہ گار مسلمان ہوں گے۔ اہل توحید جو گناہوں میں مبتلا رہے۔ یہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں چلے جائیں گے اور یہ سارا طبقہ خالی ہوجائے گا۔

فرمایا ﴿ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ اور اے مخاطب! تجھے کس نے بتلایا کہ بدلے والا دن کیا ہے؟ ﴿ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ پھر تجھے کس نے بتلایا کہ بدلے والا دن کیا ہے؟ سن لو! ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْــٴًـا﴾ وہ دن ہے جس دن نہیں مالک ہوگا کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی شے کا۔ پہلے پڑھ چکے ہو کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں سے بھاگے گا، اپنی بیوی سے بھاگے گا، اپنے باپ سے بھاگے گا، اپنی اولاد سے بھاگے گا ﴿وَ الْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ اور حکم اور معاملہ سارا اس دن اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔ آج کہتے ہیں میری حکومت، میری شاہی۔ یہ میری تیری کہنے والوں نے قوم کا ستیاناس کر دیا ہے۔ وہاں کوئی بولے گا بھی نہیں سب حکم اللہ تعالیٰ کا ہوگا اور وہ نافذ کرے گا اور کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡمُطَفِّفِيۡنَ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۳۶ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (۸۳) (۸۶) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَيْلٌ﴾ بربادی ہے ﴿لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ کمی کرنے والوں کے لیے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿اِذَا اكْتَالُوْا﴾ جب ماپ کر لیتے ہیں ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں سے ﴿يَسْتَوْفُوْنَ﴾ پورا پورا لیتے ہیں ﴿وَ اِذَا كَالُوْهُمْ﴾ اور جب ماپ کر دیتے ہیں ان کو ﴿اَوْ وَّزَنُوْهُمْ﴾ یا ان کو تول کر دیتے ہیں ﴿يُخْسِرُوْنَ﴾ کمی کرتے ہیں ﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ﴾ کیا یہ یقین نہیں کرتے ﴿اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ کھڑے کیے جائیں گے ﴿لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن میں ﴿يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ﴾ جس دن کھڑے ہوں گے لوگ ﴿لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب العالمین کے سامنے ﴿كَلَّآ﴾ پکی بات ہے ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ﴾ بے شک نافرمانوں کا دفتر ﴿لَفِيْ سِجِّيْنٍ﴾ سجین میں ہے ﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ﴾ اور آپ کو کس نے بتایا کہ سجین کیا ہے ﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ یہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿يُكَذِّبُوْنَ﴾ جو جھٹلاتے ہیں ﴿بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ بدلے کے دن کو ﴿وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ﴾ اور نہیں جھٹلاتا اس کو ﴿اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ﴾ مگر ہر زیادتی کرنے والا ﴿اَثِيْمٍ﴾ گناہ گار ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا﴾ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ﴿كَلَّا﴾ پکی بات ہے ﴿بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ بلکہ زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ﴿مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ اس کمائی کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں ﴿كَلَّآ﴾ خبردار ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿عَنْ رَّبِّهِمْ﴾ اپنے رب سے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ پردے میں رکھے جائیں گے ﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ﴾ پھر بے شک یہ لوگ ﴿لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾ البتہ داخل ہوں گے شعلے مارنے والی آگ میں ﴿ثُمَّ يُقَالُ﴾ پھر کہا جائے گا ﴿هٰذَا الَّذِيْ﴾ یہ ہے وہ ﴿كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورت المطففین ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں مطففین کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام رکھا گیا

ہے۔ مطفّفین کا معنیٰ ہے ناپ تول میں کمی کرنے والے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے پچاسی (۸۵) (سورتیں نازل ہوچکی تھیں۔ (یہ چھیاسیویں [۸۶] نمبر پر نازل ہوئی)۔ اس کا ایک رکوع اور [۳۶] چھتیس آیتیں ہیں۔

﴿وَیۡلٌ﴾ ویل کا لفظی معنیٰ ہے ہلاکت، بربادی، تباہی۔ اور ویل جہنم میں ایک طبقے کا نام بھی ہے۔ تو ویل کن لوگوں کے لیے ہے؟ ﴿لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ﴾ کمی کرنے والوں کے لیے ہے تول میں اور ناپ میں۔ اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرما دی ﴿الَّذِیۡنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ﴾ جب ماپ کر لیتے ہیں لوگوں سے ﴿یَسۡتَوۡفُوۡنَ﴾ پورا پورا لیتے ہیں۔ اپنا حق پورا وصول کرنا اچھی بات ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خرابی اگلی بات میں ہے ﴿وَ اِذَا کَالُوۡهُمۡ﴾ اور جب ماپ کر دیتے ہیں ان کو ﴿اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ﴾ یا ان کو تول کر دیتے ہیں ﴿یُخۡسِرُوۡنَ﴾ کمی کرتے ہیں۔ اپنا حق پورا لیتے ہیں دوسروں کو پورا حق نہیں دیتے۔

خرید وفروخت کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً: ایک آدمی دکان دار سے کہتا ہے کہ ایک کلو گھی دے دے یا فروٹ دے دے یا دال دے دے، کوئی چیز بھی ہے۔ دکان دار کہتا ہے کہ میں سو روپے کی دوں گا، مثال کے طور پر اور خریدنے والا کہتا ہے ٹھیک ہے تول دے۔ یہ سودا ہو گیا۔ اگر دکان دار اس میں سے ایک دانے کی بھی کمی کرے گا تو قیامت والے دن اس کو دینا پڑے گا۔ کیوں کہ قیمت اس نے ایک کلو کی لی ہے۔ اس میں جو اس نے کمی کی ہے یہ اس کا حق مارا ہے۔

حقوق العباد اور غنیۃ الطالبین کے دو واقعات

یاد رکھنا! حقوق العباد کا مسئلہ بڑا سخت ہے۔ کئی دفعہ سن چکے ہو کہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک بڑے نیک آدمی تھے، فوت ہو گئے۔ اپنے ساتھی کو خواب میں ملے۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا گزری؟ کہنے لگے امتحان میں تو کامیاب ہو گیا ہوں لیکن جنت کے دروازے سے مجھے اندر داخل نہیں ہونے دے رہے۔ فرشتے کہتے ہیں: إِسۡتَعَرۡتَ إِبۡرَةً مِّنَ الۡجَارِ فَلَمۡ تَرُدَّهَا "تو نے اپنے پڑوسی سے سوئی مانگ کر لی تھی وہ تو نے واپس نہیں کی، آپ کے وارث وہ سوئی واپس کریں گے تو داخل ہونے کی اجازت ہوگی۔" صرف ایک سوئی کی وجہ سے جنت میں داخلے سے محروم ہیں۔ یہاں تو لوگ کارخانے غائب کر جاتے ہیں، مشینیں کھا جاتے ہیں۔

ایک دوسرا واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک آدمی دعوت کھا کر باہر نکلا تو کسی کے کھیت سے پودا توڑ کر اس سے خلال کیا، دانتوں سے بوٹی نکالی۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جنت میں نہیں داخل ہوسکتا کہ اس نے بغیر اجازت کے تنکا توڑ کر خلال کیا تھا۔ جب تک اس کے وارث اس کا نقصان نہیں بھریں گے۔ معاف رکھنا! یہاں تو قربانی کے بکرے چھترے لوگوں کی فصلیں چرتے ہیں۔ ہم نے حقوق العباد کو کچھ نہیں سمجھا حالانکہ حقوق العباد کا مسئلہ بڑا سخت مسئلہ ہے۔ کسی قسم کی ہیرا پھیری سنگین جرم ہے۔

ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی غلہ منڈی میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مختلف اجناس کے بڑے بڑے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ گندم، جو، باجرہ وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش ہوئے کہ ہر چیز

وافر مقدار میں موجود ہے۔ایک بڑا ڈھیر دیکھا کہ ماشاءاللہ بڑا ڈھیر ہے۔ جبرئیل تشریف لائے اور کہنے لگے حضرت! اس ڈھیر کو اوپر سے نہ دیکھیں ہاتھ ڈال کر اندر سے دیکھیں۔ جب آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک اندر ڈالا تو دانے بھیگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندے! یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا حضرت! اَصَابَتۡهُ السَّمَآء "بارش کی وجہ سے بھیگ گئے ہیں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بارش ہوگئی تھی تو تیرا فرض تھا اس کو خشک کرنا۔ یہ تو دھوکا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: مَنۡ غَشَّ فَلَیۡسَ مِنَّا "جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج تو کوئی چیز بھی خالص نہیں ملتی۔ چینی، نمک تک جیسی سستی چیز بھی اگر دیانت دار پیس کر نہ دے تو اس میں بھی ملاوٹ ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ! ہم مسلمان کہلانے والے ہیں۔

یاد رکھنا! گاہک کے ساتھ جو طے کیا ہے وہی اس کو دو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کسی چیز میں کوئی عیب ہے تو وہ عیب بتلانا ضروری ہے۔ اگر بغیر عیب بتلائے بیچ دی تو اس کی کمائی حلال نہیں ہوگی۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم عیب چھپاتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کاروباری معاملات میں احتیاط کا ایک واقعہ

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور اس کی کمائی محدثین، فقہائے کرام، بیوہ عورتوں، یتیم بچوں اور غریبوں، مسکینوں پر خرچ کرتے تھے۔ بہت بڑی دکان تھی۔ کسی کام جانا تھا تو شاگرد کو کہا بیٹا! مجھے کام پیش آگیا ہے تھانوں کی قیمت سمجھ لے۔ اس کی اتنی قیمت ہے، اس کی اتنی قیمت ہے اور اس کی اتنی قیمت ہے۔ مگر اس میں عیب ہے جب بیچنا ہے تو عیب بتلا کر بیچنا ہے۔ جب واپس تشریف لائے تو شاگرد سے پوچھا کہ کون کون سا تھان بکا ہے، کتنی رقم ملی ہے۔ شاگرد نے بتلایا کہ فلاں فلاں تھان بک گئے ہیں اور وہ گرم تھان جس میں عیب تھا وہ بھی بک گیا ہے۔ فرمایا گاہک کو عیب بتلایا تھا؟ شاگرد نے کہا کہ مجھے بتلانا یاد نہیں رہا۔ امام صاحب نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡن میری کمائی میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ فرمایا جنھوں نے خریدا ہے وہ قافلہ کس طرف گیا ہے؟ شاگرد نے بتلایا۔

اصطبل خانے پہنچے جس طرح آج کل یہاں ٹیکسیوں کے اڈے ہیں، بسوں کے اڈے ہیں، اس زمانے میں شہر سے باہر اصطبل ہوتے تھے۔ گھوڑے، گدھے، اونٹ کرایہ پر ملتے تھے۔ اصطبل والے سے کہا بھائی! جو تیرے پاس تیز رفتار گھوڑا ہے وہ مجھے دے۔ گھوڑا لیا اور قافلے والوں کے پاس پہنچ گئے۔ خریدار کا حلیہ پوچھ کر گئے تھے اس کو پہچان لیا۔ اس سے فرمایا کہ آپ نے کوفے کی فلاں دکان سے ایک گرم تھان خریدا ہے؟ اس نے کہا ہاں! خریدا ہے، پیسے دے کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسی طرح ہی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ اس تھان میں عیب ہے میرے شاگرد کو بتلانا یاد نہیں رہا میں وہ عیب بتلانے کے لیے آیا ہوں۔ تھان ہے اتنے ہی پیسوں کا۔

آج ایسے آدمی کہاں ملیں گے؟ آج کل تو عیب چھپاتے ہیں۔ یقین جانو! ان چیزوں نے ہمیں اسلام کی خوبیوں سے

محروم کر دیا ہے۔ کئی دفعہ سن چکے ہو کہ حرام کا ایک لقمہ کھانے سے چالیس دن تک دعا قبول نہیں ہوتی۔ اور ہمارے تو پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں۔

ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ اگر کسی نے دس روپے کا کرتہ خریدا اس میں ایک روپیہ حرام کا ہے جب تک وہ کرتہ جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ آج تو ہمارا دور ہی ہیرا پھیری کا ہے۔ یہ بڑے اہم مسئلے ہیں قرآن وحدیث کے، ان کو یاد کرلو۔

تو فرمایا لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں ﴿اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ﴾ ظن کے معنیٰ یقین کے بھی آتے ہیں اور گمان کے بھی آتے ہیں۔ یہاں یقین کے معنیٰ ہیں۔ کیا وہ یقین نہیں کرتے ﴿اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ﴾ کہ بے شک وہ کھڑے کیے جائیں گے مرنے کے بعد۔ ان کو یقین نہیں آتا کہ ہم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اور کھڑے کیے جائیں گے ﴿لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ بڑے دن میں جو پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا ﴿یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا﴾ (سورۃ المزمل) "جو کر دے گا بچوں کو بوڑھا۔"

﴿یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ﴾ جس دن کھڑے ہوں گے لوگ ﴿لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ رب العالمین کے سامنے۔ اور رب العالمین ایک ایک رتی کا حساب لیں گے ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ﴾ "پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کا کام کیا ہوگا دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾ اور جس نے ذرہ برابر بھی بُرائی کا کام کیا ہوگا دیکھ لے گا۔" فرمایا ﴿كَلَّآ﴾۔ یہاں کلّا کا معنیٰ حقًّا ہے، پکی بات ہے ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ﴾ بے شک نافرمانوں کا دفتر سجین میں ہے۔ سجین سات زمینوں کے نیچے ایک جگہ کا نام ہے جو کافروں اور نافرمانوں کی ارواح کا ٹھکانا ہے۔ اگلی آیات میں علّیّین کا لفظ آرہا ہے وہ سات آسمانوں کے اوپر ایک مقام کا نام ہے جو نیک لوگوں کی ارواح کا مقام ہے۔ لیکن سجین اور علیین میں روحوں کے ہونے کے باوجود قبروں میں جسموں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایک قسم کی حیات مرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ اس حیات کی وجہ سے فرشتوں کے سوالوں کو من ربك من نبيك ما دينك سمجھتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ پھر راحت وآرام نصیب ہو تو اس کو محسوس کرتا ہے سزا اور تکلیف ہو تو اس کو بھی محسوس کرتا ہے۔ اتنی حیات ہر نیک و بد کو قبر میں قطعی طور پر حاصل ہے۔ اس کا انکار بے دینی اور الحاد ہے۔

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ﴾ اور آپ کو کس نے بتایا کہ سجین کیا ہے ﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ وہ ایک دفتر ہے جس میں مجرموں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت کوئی مرتا ہے تو باقاعدہ وہاں اس کا نام درج ہے کہ آج یہ ہمارے پاس پہنچا ہے۔ ﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ﴾ بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿الَّذِیْنَ یُكَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ﴾ وہ لوگ جو جھٹلاتے ہیں بدلے اور حساب کتاب کے دن کو۔ عرب کے مشرکوں کی اکثریت بڑے زوردار الفاظ میں قیامت کا انکار کرتی تھی۔ جب قیامت کا ذکر ہوتا تو کہتے ﴿هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ (المومنون: ۳۶) "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ﴾ (قٓ: ۳) "کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر

آنا تو بہت بعید ہے۔" اور کبھی کہتے ﴿ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ (یٰسین:۷۸) "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔"

تو فرمایا وہ لوگ جو جھٹلاتے ہیں بدلے کے دن کو ﴿ وَ مَا یُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ﴾ اور نہیں جھٹلاتا اس کو مگر ہر زیادتی کرنے والا، تجاوز کرنے والا گناہ گار۔ جو اپنے رب کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہی قیامت کا انکار کرتے ہیں ﴿ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا ﴾ جب پڑھی جاتی ہیں اس پر ہماری آیتیں ﴿ قَالَ ﴾ کہتا ہے ﴿ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ اساطیر اُسْطُوْرَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنٰی قصہ، کہانی۔ کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ، حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ، حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ، قارون، فرعون اور ہامان کا قصہ۔ حالانکہ یہ محض قصے نہیں ہیں بلکہ ان میں عبرت اور سبق ہیں۔ نیک لوگوں کے قصے اس لیے بیان کیے ہیں کہ ان کو اپناؤ، ان کے نقش قدم پر چلو۔ اور بُرے لوگوں کے قصے اس لیے بیان کیے ہیں کہ ان کا حشر دیکھ کر، ان کا انجام دیکھ کر بُرے کاموں سے بچو۔ اور کافر یہ کہہ کر بات کو ٹال دیتے تھے کہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، قصے ہیں۔

فرمایا ﴿ كَلَّا ﴾ پکی بات ہے ﴿ بَلْ ﴾ بلکہ ﴿ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ﴿ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴾ اس کمائی کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں۔ لوہے پر جب زنگ چڑھ جاتا ہے تو اس کی پہلے والی ویلیو (حیثیت) نہیں رہتی، بے کار سا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے: اِذَا اَذْنَبَ الْعَبْدُ نُكِتَتْ عَلٰى قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ "جس وقت کوئی بندہ گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک دھبہ پڑ جاتا ہے، کالا سا نقطہ لگ جاتا ہے۔" دوسرا گناہ کیا دوسرا دھبہ پڑ گیا، تیسرا گناہ کیا تیسرا نقطہ لگ گیا، چوتھا گناہ کیا چوتھا دھبہ لگ گیا (مرد کا دل تقریباً ایک پاؤ ہوتا ہے عورت کا دل ہلکا ہوتا ہے تقریباً تین چھٹانک ہوتا ہے۔) کالے نقاط سے دل پر غلاف چڑھ جاتا ہے اس کو رین کہتے ہیں۔ یہ گناہوں کا زنگ ہوتا ہے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ جب دل پر زنگ چڑھ جائے تو نیکی کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور انسان گناہ کرنے سے جھجکتا نہیں ہے۔ یہ حالت انتہائی بُری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس حالت سے بچائے۔ پھر دیکھو بعض دھبے کچے ہوتے ہیں پانی سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور بعض پانی سے نہیں صابن سے جاتے ہیں اور بعض کے لیے رنگ کاٹ استعمال کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح آپ گناہوں کو سمجھیں کہ صغیرہ گناہ نیکیوں کی برکت سے خود بخود دھل جاتے ہیں۔ نماز کی برکت سے، روزے کی برکت سے، وضو کی برکت سے، مسجد کی طرف آنے کی برکت سے۔ بعض کے لیے صابن درکار ہے کہ حقوق العباد جب تک ادا نہیں کرو گے تو یہ دھبے نہیں اتریں گے۔ اور بعض کے لیے رنگ کاٹ کی ضرورت ہے کہ توبہ استغفار گناہوں کا رنگ کاٹ ہے۔ لیکن محض زبانی توبہ توبہ کرنے سے نہیں۔ مثلاً: چوری کی ہے تو اس میں رب تعالیٰ کا بھی حق توڑا ہے اور بندے کا بھی۔ تو اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگے اور بندے کا حق اس کو دے۔ نہیں دے سکتا تو اس سے معاف کرائے۔ اگر کسی کو گالی دی ہے، کسی سے بدتمیزی کی ہے، کسی کی غیبت کی ہے، تو جب تک اس سے معافی نہیں مانگے گا اس وقت تک کوئی توبہ نہیں

ہے۔تو یہ رنگ کاٹ ہے مگر شرائط کے ساتھ کہ حق ادا کرے۔محض منہ (زبان) سے توبہ توبہ کہنا دھوکا ہے۔

تو فرمایا ﴿كَلَّآ﴾ خبردار! ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ بے شک یہ مجرم لوگ اپنے رب سے اس دن پردے میں رکھے جائیں گے۔(اب اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رب سے روکے جائیں گے جب کہ دوسری آیات یہ بتلاتی ہیں کہ رب کے سامنے ہوں گے رب ان کو دیکھے گا وہ رب کو دیکھیں گے۔تو محجوب کا یہ معنیٰ ہے کہ جس پیار،شفقت،محبت اور رحمت سے مومن کو دیکھیں گے اس شفقت سے یہ محروم ہوں گے۔) رب تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا حجاب ہوگا ﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾ پھر بے شک وہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔جحیم کا معنیٰ ہے شعلے مارنے والی آگ ﴿ثُمَّ يُقَالُ﴾ پھر کہا جائے گا ﴿هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔کہتے تھے قیامت کوئی نہیں ہے،میدان محشر کوئی نہیں ہے۔آج دیکھ لیا ہے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا ہی میں ان چیزوں سے آگاہ کر دیا ہے کہ بروقت تیاری کرلو۔

﴿كَلَّآ﴾ پکی بات ہے ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ﴾ بے شک نیکوں کا دفتر ﴿لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾ علّیین میں ہے ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ علّیین کیا ہے ﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ ایک دفتر ہے لکھا ہوا ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ حاضر ہوتے ہیں اس میں مقرب بندے ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ﴾ بے شک نیک لوگ ﴿لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ البتہ نعمتوں میں ہوں گے ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ آرام دہ کرسیوں پر ﴿يَنْظُرُوْنَ﴾ دیکھیں گے ﴿تَعْرِفُ﴾ (اے مخاطب) تو پہچانے گا ﴿فِيْ وُجُوْهِهِمْ﴾ ان کے چہروں پر ﴿نَضْرَةَ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کی تروتازگی ﴿يُسْقَوْنَ﴾ پلائے جائیں گے ﴿مِنْ رَّحِيْقٍ﴾ خالص شراب ﴿مَّخْتُوْمٍ﴾ مہر لگی ہوئی ﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ اس کی مہر کستوری کی ہوگی ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ﴾ اور اس میں ﴿فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے ﴿وَمِزَاجُهٗ﴾ اور ملاوٹ اس شراب کی ﴿مِنْ تَسْنِيْمٍ﴾ تسنیم سے ہوگی ﴿عَيْنًا﴾ وہ ایک چشمہ ہے ﴿يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ پئیں گے اس سے مقرب بندے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿اَجْرَمُوْا﴾ جنھوں نے جرم کیا ﴿كَانُوْا﴾ تھے وہ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ﴾ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہنستے تھے ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ﴾ اور جب وہ گزرتے تھے ان کے پاس سے ﴿يَتَغَامَزُوْنَ﴾ آپس میں اشارے کرتے تھے ﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا﴾ اور جب وہ لوٹتے تھے ﴿اِلٰٓى اَهْلِهِمُ﴾ اپنے گھر والوں کی طرف ﴿انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ﴾ لوٹتے تھے دل لگی کرتے ہوئے ﴿وَاِذَا رَاَوْهُمْ﴾ اور جس وقت وہ دیکھتے تھے ان کو ﴿قَالُوْٓا﴾ کہتے تھے ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ﴾ بے شک یہ البتہ گمراہ ہیں ﴿وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ﴾ اور حالانکہ نہیں بھیجے گئے ان پر ﴿حٰفِظِيْنَ﴾ نگران ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ﴾ پس آج

کے دن وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ کافروں پر ہنسیں گے ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ کرسیوں پر بیٹھ کر ﴿يَنْظُرُوْنَ﴾ دیکھ رہے ہوں گے ﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ﴾ تحقیق بدلہ دیا جائے گا کافروں کو ﴿مَا﴾ اس کا ﴿كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ جو وہ کرتے تھے۔

اس سے پہلے بدوں کے انجام کا ذکر تھا۔ اب نیکوں کے انجام کا ذکر ہے۔ جان نکالنے والے فرشتے الگ ہیں جن کی تعداد اٹھارہ آتی ہے۔ ان سے وصول کر کے آسمانوں کی طرف لے جانے والے فرشتے اور ہیں۔ بدآدمی کی روح کو نکال کر جب پہلے آسمان تک لے جاتے ہیں تو لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ "نہیں کھولے جاتے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔" پھر فرشتے اس کو ساتویں زمین کے نیچے سجین کے مقام پر جو دفتر ہے وہاں پہنچاتے ہیں۔ اب اس کے مقابلے میں نیک لوگوں کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿كَلَّآ﴾ یہ حقًّا کے معنیٰ میں ہے، پکی بات ہے ﴿اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ﴾ اَبرار کا مفرد بَارٌّ ہے اور بَرٌّ بھی آتا ہے۔ بے شک نیک لوگوں کا دفتر ﴿لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾ علیین میں ہے ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ﴾ اور (اے مخاطب) تجھے کس نے بتلایا کہ علیین کیا ہے؟ ﴿كِتٰبٌ﴾ دفتر ہے ﴿مَّرْقُوْمٌ﴾ لکھا ہوا۔ اس میں نیک لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ حاضر ہوتے ہیں اس میں مقرب بندے۔

ارواح کا اجسام کے ساتھ تعلق

میں نے عرض کیا تھا کہ اگرچہ نیک لوگوں کی ارواح کا مقام علیین ہے اور بدلوگوں کی ارواح کا مقام سجین ہے لیکن اس کے باوجود قبر میں مردے کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت مرنے کے بعد کھلے گی۔ اس وقت ہم اس کی حقیقت اور کیفیت نہیں سمجھ سکتے مگر احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اُمت مسلمہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ قبر میں جو بدن ہے اس کے ساتھ روح کا اتنا تعلق ہے کہ جس سے جسم میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کے سوالوں کے جواب دیتا ہے۔ نیک آدمی ہو تو اس کے لیے قبر میں راحتیں اور خوشیاں ہوتی ہیں اور بد ہے تو اس کو سزا ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ "قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔" یہ سوال و جواب روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے۔ اور جزا، سزا بھی روح اور جسم دونوں کو ہوتی ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ ہے اس میں کسی قسم کی قیل وقال کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ جسم سے ہوتا ہے وہ بھی غلط کہتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ جسد مثالی سے ہوتا ہے وہ بھی غلط کہتے ہیں۔ اسی دنیا والے بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے اور اسی بدن کو روح کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حیات اور زندگی حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ بے شک نیک لوگ البتہ نعمتوں میں ہوں گے۔ ان کے جسم بھی نعمتوں میں ہوتے ہیں

اور روح بھی ﴿عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ اَرَائِك اَرِيْكَةٌ کی جمع ہے۔ اَرِیْکَہ کا معنٰی ہے آرام دہ کرسی۔ وہ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے، دیکھ رہے ہوں گے ﴿تَعْرِفُ﴾ اے مخاطب تو پہچانے گا، دیکھے گا ﴿فِيْ وُجُوْهِهِمْ﴾ ان کے چہروں میں ﴿نَضْرَةَ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کی تروتازگی۔ نعمتوں سے ان کو نوازا جائے گا جس کی وجہ سے ان کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ آج بھی خوش حال آدمی کے چہرے پر آثار نمایاں ہوتے ہیں اور بھوکے آدمی کے چہرے پر بھی آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

جنت کی شراب

﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ﴾ رحیق کا معنٰی ہے خالص شراب اور مختوم کا معنٰی ہے مہر لگی ہوئی۔ پلائے جائیں گے خالص شراب مہر لگی ہوئی ﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ مہر اس کی کستوری کی ہوگی۔ آج بھی قیمتی اور اعلیٰ چیزوں پر کمپنی کی مہر لگی ہوتی ہے۔ اس شراب کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے ﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ﴾ (صٰفٰت: ۴۷) "نہ اس میں سرگردانی ہوگی نہ پیٹ مروڑ۔" اور نہ اس کی وجہ سے وہ بدمست ہوں گے۔ یہ شرابی لوگ جانتے ہیں کہ پینے کے بعد سر درد ہوتا ہے یا نہیں، پیٹ میں مروڑ اُٹھتا ہے یا نہیں؟ بدحواس ہونا تو سارے جانتے ہیں۔

آخرت کی شراب کا ہم دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا میں شراب پیے گا ان دَخَلَ الْجَنَّةَ "اگر جنت میں داخل ہو گیا تو جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔" یہ بڑے خسارے کا سودا ہے۔ دنیا میں کوئی کتنا عرصہ پی لے گا؟ دس سال، بیس سال، تیس سال، چالیس سال، پچاس سال؟ اور جنت کی زندگی کا تو حساب ہی کوئی نہیں۔ اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شراب طہور سے محروم ہو گیا۔ اور جوں جوں قیامت قریب آئے گی زنا، شراب میں روز بروز اضافہ ہوگا کیوں کہ نیک لوگ کم رہ جائیں گے، مغلوب ہوں گے۔ غنڈوں اور بدمعاشوں، چوروں اور ڈاکوؤں کا غلبہ ہوگا۔ حکومت میں بھی یہی لوگ ہوں گے۔

تو فرمایا مہر اس کی کستوری کی ہوگی۔ آج کستوری سونے سے بھی مہنگی ہے ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ﴾ اور اس کے لیے ﴿فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے ﴿وَمِزَاجُهٗ﴾ اور اس شراب کی ملاوٹ ﴿مِنْ تَسْنِيْمٍ﴾ تسنیم سے ہوگی۔ تسنیم کیا ہے؟ ﴿عَيْنًا﴾ وہ چشمہ ہے ﴿يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ پئیں گے اس چشمے سے مقرب بندے۔ جنت کے چشموں میں سلسبیل کا بھی ذکر آتا ہے، کوثر کا بھی ذکر آتا ہے، کافور کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے صرف وہی پئیں گے۔ دوسروں کو اس کے ساتھ (پانی) ملا کر پلایا جائے گا۔

یہ مومنوں کا ذکر تھا آگے مجرموں کے متعلق فرمایا جو کافر ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو مجرم ہیں ﴿كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ﴾ تھے وہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہنستے تھے۔ مومنوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ ٹنڈ کا مذاق اُڑاتے ہیں، ڈاڑھی کا مذاق اُڑاتے ہیں، شلوار، لنگی ٹخنوں سے اُوپر ہو تو اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ بعض جاہل تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ دنیا میں جوئیں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے بستر ے جوؤں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یاد رکھنا! ان چیزوں سے حق تو نہیں

رک سکتا۔حق پر چلنے والے ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک زندہ رہیں گے۔

تو فرمایا مجرم لوگ ایمان والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں ﴿وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ﴾ اور جب ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو اشارے کرتے ہیں کہ اس کی ڈاڑھی کو دیکھو، اس کی لنگی کو دیکھو، یہ جنتی جا رہا ہے۔ یہ مشاہدے کی بات ہے۔ ﴿وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ﴾ اور جب مجرم لوگ لوٹتے ہیں اپنے گھر والوں کی طرف ﴿انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ﴾ لوٹتے ہیں دل لگی کرتے ہوئے، مذاق کرتے ہوئے۔ کہتے ہیں آج میں نے فلاں آدمی کا اس طرح مذاق اُڑایا، فلاں کے ساتھ اس طرح استہزاء کیا ہے۔یعنی گھر کے افراد کا بھی ذہن بگاڑتے ہیں ﴿وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا﴾ اور جس وقت مجرم لوگ مومنوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ﴾ بے شک یہ لوگ گمراہ ہیں۔

کئی صدیوں تک عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر چلتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام کا سچا مذہب عرب میں رائج رہا ہے۔ پہلا بدبخت جس نے ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو بدلا اور بت پرستی شروع کی وہ عمرو بن لُحی تھا۔ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے اڑھائی سو سال پہلے ہوا ہے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اس وقت کعبۃ اللہ کی بیرونی دیواروں پر تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت بھی تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بت بھی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کا بت بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر کعبۃ اللہ کو بتوں سے پاک کیا، توحید کا سبق دیا، شرک کی جڑیں اکھاڑیں۔

میں باوضو ہوں الحمدللہ! شرک و بدعت کی جتنی تردید فقہ حنفی میں ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔ مگر آج تیجہ، ساتا، دسواں، چالیسواں جیسی بدعات کرنے والے اور عرس اور میلاد منانے والے اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں۔ اور توحید وسنت کا پرچار کرنے والوں اور شرک و بدعت کی تردید کرنے والوں کو گمراہ کہتے ہیں۔

تو فرمایا مجرم مومنوں کو گمراہ کہتے ہیں ﴿وَ مَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ﴾ حالانکہ نہیں بھیجے گئے ان پر نگران۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ مجرم ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ ان کی نگرانی کریں اور ان کو نمبر دیں ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پس آج کے دن یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ کافروں سے ہنسیں گے۔ یہ دنیا میں کیے جانے والے مذاق کا جواب ہوگا ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ اَرَائِك اَرِيكَة کی جمع ہے، آرام دہ کرسی۔ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے ﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ﴾ تحقیق بدلہ دیا جائے گا کافروں کو ﴿مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ اس کا جو وہ کرتے تھے۔ ﴿هَلْ﴾ قَدْ﴾ کے معنیٰ میں ہے۔ جیسے سورۃ الدھر میں ہے ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ "تحقیق آیا انسان پر ایک وقت زمانے میں سے کہ یہ کچھ بھی نہیں تھا۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡاِنۡشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیَاتُہَا ۲۵ ﴿۸۴﴾ سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۸۳﴾ رُکُوْعَاتُہَا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِذَا السَّمَآءُ﴾ جس وقت آسمان ﴿انْشَقَّتْ﴾ پھٹ جائے گا ﴿وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا﴾ اور وہ اپنے رب کی بات سنے گا
﴿وَ حُقَّتْ﴾ اور ثابت کیا گیا ہے اس کے لیے یہی ﴿وَ اِذَا الْاَرْضُ﴾ اور جس وقت زمین ﴿مُدَّتْ﴾ پھیلا دی
جائے گی ﴿وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا﴾ اور نکال دے گی جو کچھ اس میں ہے ﴿وَ تَخَلَّتْ﴾ اور خالی ہو جائے گی ﴿وَ اَذِنَتْ
لِرَبِّهَا﴾ اور زمین سنے گی اپنے رب کے حکم کو ﴿وَ حُقَّتْ﴾ اور ثابت کیا گیا ہے اس کے لیے یہی ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ﴾
اے انسان ﴿اِنَّكَ كَادِحٌ﴾ بے شک تو تکلیف اُٹھانے والا ہے ﴿اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا﴾ اپنے رب کی طرف تکلیف
اُٹھانا ﴿فَمُلٰقِیْهِ﴾ پس ملنے والا ہے اس سے ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ﴾ پس بہر حال جس کو دیا گیا اس کا اعمال نامہ
﴿بِیَمِیْنِهٖ﴾ اس کے دائیں ہاتھ میں ﴿فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا﴾ پس عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا
آسان حساب ﴿وَّ یَنْقَلِبُ﴾ اور وہ لوٹے گا ﴿اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش ﴿وَ اَمَّا مَنْ
اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ﴾ اور بہر حال وہ شخص جس کو دیا گیا اس کا اعمال نامہ ﴿وَرَآءَ ظَهْرِهٖ﴾ پشت کے پیچھے سے ﴿فَسَوْفَ
یَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ پس عنقریب وہ مانگے گا ہلاکت ﴿وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًا﴾ اور داخل ہوگا شعلے مارنے والی آگ میں ﴿اِنَّهٗ
كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ بے شک وہ تھا اپنے گھر والوں میں خوش خوش ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ﴾ بے شک وہ خیال کرتا تھا ﴿اَنْ
لَّنْ یَّحُوْرَ﴾ کہ وہ ہرگز نہیں لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف ﴿بَلٰۤى﴾ کیوں نہیں ﴿اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا﴾
بیشک اس کا رب اس کو دیکھنے والا ہے ﴿فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ پس میں قسم اُٹھاتا ہوں شفق کی ﴿وَ الَّیْلِ﴾ اور رات
کی ﴿وَ مَا وَسَقَ﴾ اور جو وہ سمیٹتی ہے ﴿وَ الْقَمَرِ﴾ اور قسم اُٹھاتا ہوں چاند کی ﴿اِذَا اتَّسَقَ﴾ جب وہ پورا ہو جائے
﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ البتہ تم ضرور چڑھو گے ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر ﴿فَمَا لَهُمْ﴾ پس کیا ہو گیا ہے
ان لوگوں کو ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ ایمان نہیں لاتے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ﴾ اور جس وقت پڑھا جاتا ہے قرآن
ان کے سامنے ﴿لَا یَسْجُدُوْنَ﴾ سجدہ نہیں کرتے ﴿بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿یُكَذِّبُوْنَ﴾
جھٹلاتے ہیں ﴿وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
اَلِیْمٍ﴾ پس آپ خوش خبری سنا دیں ان کو دردناک عذاب کی ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے

﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ اَجْرٌ﴾ ان کے لیے اجر ہے ﴿غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ نہ ختم ہونے والا۔

نام وکوائف

اس سورت کا نام ہے سورۃ الانشقاق۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں ﴿انْشَقَّتْ﴾ کا لفظ موجود ہے جس سے یہ لیا گیا ہے۔ انشقاق مصدر ہے اس کا معنیٰ ہے پھٹ جانا۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سے پہلے بیاسی (۸۲) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ (یہ تراسیویں (۸۳) نمبر پر نازل ہوئی۔) اس کا ایک رکوع اور پچیس (۲۵) آیات ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔ آج ہمیں آسمان نیلا نیلا صاف نظر آتا ہے جس میں نہ کوئی سوراخ اور نہ دراڑ ہے مگر ایک وقت آئے گا کہ یہ سرخ رنگ کے چمڑے کی طرح ہو کر پھٹ جائے گا اور پھٹنے کے بعد کنارے کے ساتھ لگ جائے گا۔ آسمان اُوپر سے پھٹنے شروع ہوں گے۔ پہلے ساتواں پھر چھٹا پھر پانچواں، آخر میں پہلا۔ ﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا﴾ اور سن لے گا اپنے رب کے حکم کو۔ اذن کا معنیٰ ہے کان۔ اور کان سے آدمی سنتا ہے۔ آسمان کے کان نہیں ہیں مگر جیسے کانوں والی مخلوق سنتی ہے ایسے سنے گا اور اپنے رب کی بات مانتے ہوئے پھٹ جائے گا ﴿وَحُقَّتْ﴾ اور ثابت کیا گیا ہے اس کے لیے یہی کہ رب کے حکم کو سنے۔ کانوں سے سننے والی چیزیں بے شمار ہیں لیکن سانپ کے کان نہیں ہوتے مگر اُسے چیزوں کا احساس ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی شان ہے جانوروں میں سونگھنے والی قوت انسانوں سے بہت زیادہ ہے۔ جہاں بھی کھانے پینے کی کوئی چیز ہوگی انسان کو اس کی خوش بو یا بد بو آئے یا نہ آئے حیوانوں کو آجاتی ہے اور وہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہ نظام قدرت اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴾ اور جس وقت زمین پھیلا دی جائے گی۔ یہ زمین محشر کے لیے ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی۔ پہاڑ، ٹیلے، عمارتیں وغیرہ سب برابر کر دیئے جائیں گے ﴿وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا﴾ اور نکال دے گی جو کچھ اس میں ہے۔ خزانے، مُردوں کے اجزاء اُگل کر باہر پھینک دے گی ﴿وَتَخَلَّتْ﴾ اور خالی ہو جائے گی۔ یہ نکالنا نفخہ اولیٰ سے پہلے بھی ہے اور نفخہ ثانیہ سے بعد میں بھی ہے۔ نفخہ اولیٰ سے پہلے کا مطلب مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زمین میں جو چیزیں ہیں وہ قیامت سے پہلے نکل آئیں گی۔

مثال کے طور پر گیس ہے۔ یہ زمین کے اندر تھی۔ آج سے پچاس سال پہلے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ گیس بھی کوئی چیز ہے لیکن زمین نے اُگل دی۔ اسی طرح سونا، چاندی، تانبا، لوہا، پٹرول وغیرہ ساری چیزیں زمین نکال دے گی۔ جیسے جیسے مخلوق بڑھتی جائے گی اللہ تعالیٰ اس کی خوراک کا انتظام بڑھاتا جائے گا۔ یہ اقتصادیات والے پاگل بلاوجہ پریشان ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج سے پچاس سال بعد اتنی مخلوق ہو جائے گی کہاں سے کھائے گی؟ پاکستان کی آبادی پچپن کروڑ ہو جائے گی کہاں سے کھائے گی، یہ تمھارا سر کھائے گی۔ بھائی! تمھیں کیا فکر ہے رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ہود: ۶) "اور نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والا جانور زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کی روزی۔"

آج سے پچاس سال پہلے مخلوق تھوڑی تھی اس کے لیے پیداوار کے اسباب بھی تھوڑے تھے۔ آج مخلوق زیادہ ہے اللہ تعالیٰ نے پیداوار بڑھادی ہے۔ بہت ساری زمینیں جو پہلے زیر کاشت نہیں تھیں اب زیر کاشت ہیں۔ فصلیں بڑھ گئی ہیں۔ لہٰذا تمھیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔

اور نفخہ ثانیہ کے بعد یہ ہوگا کہ زمین میں جتنے مردے دفن ہیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب نکال دے گی ﴿وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ﴾ اور زمین سنے گی اپنے رب کے حکم کو اور ثابت کیا گیا ہے اس کے لیے یہی کہ اپنے رب کے حکموں کو سُنے۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسان کو خطاب فرماتے ہیں ﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ﴾ اے انسان ﴿اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا﴾ بے شک تو تکلیف اُٹھانے والا ہے اپنے رب کی طرف تکلیف اُٹھانا ﴿فَمُلٰقِيْهِ﴾ پس اس سے ملنے والا ہے۔ تکلیفوں کے بعد تجھے رب تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔ ظاہر بات ہے دنیا میں نیک لوگ بھی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں (بلکہ دوسروں کی نسبت زیادہ اُٹھاتے ہیں۔) گرمی، سردی میں وضو کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ نماز پڑھنی اور روزے رکھنے بھی آسان کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کرنا بھی مشکل کام ہے، جہاد کرنا بھی مشکل کام ہے، زکوٰۃ دینی بھی آسان کام نہیں ہے۔ اسی طرح انسان دنیا میں کبھی بیمار، کبھی تندرست، کبھی بھوکا، کبھی سیر، کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی خوف، کبھی کچھ، کبھی کچھ، یہ دنیا کی تکلیفیں ہیں۔ حضرت اصمعی (مشہور لغوی ہیں۔ انھوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ عزیزوں میرا ایک شعر لکھ لو:

ع عِشْ مُوْسِرًا اِنْ شِئْتَ اَوْ مُعْسِرًا

لَا بُدَّ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْهَمِّ

"تو امیر ہوکر زندگی بسر کر یا غریب ہوکر، راحت میں یا تکلیف میں، دنیا میں پریشانیاں ضرور آئیں گی۔"

دنیا میں کوئی آدمی پریشانی سے خالی نہیں ہے۔ یہ جو بڑے بڑے لوگ ہیں فیکٹریوں اور کارخانوں والے۔ ان کے متعلق ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑی راحت و آرام میں ہیں حاشا وکلّا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ان کے حالات سنو، ان سے گفتگو کرو تو تمھیں علم ہو کہ یہ تو اتنے پریشان ہیں کہ ان کو نیند بھی نہیں آتی۔ ان کے تو طوطے اُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان سے ہم زیادہ راحت و آرام میں ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ مال داروں کے گھر میں رات کو بلی داخل ہو جائے تو ڈر جاتے ہیں کہ ڈاکو تو نہیں آگئے؟ چوہا حرکت کرے تو سمجھتے ہیں چور آگیا ہے اور ہم بڑے مزے سے سوتے ہیں۔ ہم سے کسی نے کیا لے کر جانا ہے۔

تو فرمایا اے انسان! تو تکلیف اُٹھانے والا ہے اپنے رب کی طرف تکلیف اُٹھانا پس ملنے والا ہے اس سے ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ﴾ پس بہرحال جس شخص کو دیا گیا اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں۔ مومن موحد کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے سامنے سے آکر بڑے ادب و احترام کے ساتھ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پکڑائیں گے ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ پس عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا آسان۔ سرسری حساب ہوگا ﴿وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ اور وہ لوٹے گا اپنے اہل والوں کی طرف خوش خوش۔ میدان محشر میں جہاں اس کے گھر کے افراد ہوں گے وہاں بڑا خوش ہوکر جائے گا۔ جیسے دنیا میں جو بچے

امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں تو وہ اچھلتے کودتے اور لڈو تقسیم کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی کامیابی آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ﴾ اور بہرحال وہ شخص جس کو دیا گیا اس کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے۔

روایات میں آتا ہے فرشتے کافر ومشرک کی، بدکردار کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ لیکن اعمال نامہ تو اس کو پکڑانا ہے۔ تو پشت کی طرف سے آکر اس کو پکڑائیں گے۔ اس کی منحوس شکل سے نفرت کا اظہار ہوگا ﴿فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ پس عنقریب وہ مانگیں گے ہلاکت۔ کہے گا ﴿یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۞ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۞﴾ "کاش کہ میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کتاب کیا ہے ﴿یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۞﴾ کاش کہ یہ موت مجھے ختم ہی کر دیتی۔" (سورۃ الحاقہ: پارہ ۲۹) ﴿یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ "کاش کہ میں مٹی ہوتا اور جو تکلیفیں نظر آرہی ہیں نظر نہ آتیں۔"

﴿وَّیَصْلٰى سَعِیْرًا﴾ اور داخل ہوگا جہنم میں، شعلے مارنے والی آگ میں ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ بے شک وہ تھا اپنے گھر والوں میں خوش خوش۔ دنیا میں وہ اپنے گھر والوں میں بڑا خوش تھا ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ﴾ بے شک وہ خیال کرتا تھا کہ وہ ہرگز نہیں لوٹے گا اپنے رب کی طرف۔ حَارَ یَحُوْرُ کا معنیٰ ہے لوٹنا۔ کئی دفعہ یہ بات سن چکے ہو کہ قیامت کے منکر بڑے زور دار الفاظ میں قیامت کا انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے ﴿اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴾ (المومنون: ۳۷) "نہیں ہے یہ مگر ہماری صرف دنیا کی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اس میں اور نہیں ہم دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔" اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ﴾ (سورۃ قٓ: ۳) "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔" اور یہ بھی کہتے تھے ﴿هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ (المومنون: ۳۶) "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ قیامت آئے گی۔"

تو فرمایا کہ بے شک وہ خیال کرتا تھا کہ ہرگز اپنے رب کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا ﴿بَلٰۤى﴾ کیوں نہیں لوٹے گا؟ ﴿اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا﴾ بے شک اس کا رب اس کو دیکھنے والا ہے۔ اس کی نیکی، بدی سب رب کے سامنے ہے۔ اس کا بدن اس کے اعضاء رب کے سامنے ہیں۔ اس کے لیے لوٹانا کیا مشکل ہے؟ ﴿فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ پس میں قسم اُٹھاتا ہوں شفق کی۔ پہلے بتا چکا ہوں کہ قسم سے پہلے جو "لا" آتا ہے اس کا کوئی معنیٰ نہیں ہوتا ہے وہ زائدہ ہوتا ہے۔

اختلافِ شفق

شفق کے بارے میں اختلاف ہے کہ سرخی مراد ہے یا سفیدی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد مغرب کی طرف جو سرخی ہوتی ہے وہ شفق ہے۔ ان کے نزدیک سرخی ختم ہو جانے کے بعد نمازِ مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ سرخی کے بعد جو سفیدی ہوتی ہے وہ شفق ہے۔ اس سفیدی کے ختم ہو جانے کے بعد عشاء کا وقت داخل ہوگا۔

تو فرمایا میں قسم اُٹھاتا ہوں شفق کی ﴿وَالَّیْلِ﴾ اور قسم اُٹھاتا ہوں رات کی ﴿وَمَا﴾ اور اس چیز کی ﴿وَسَقَ﴾ جو وہ

سمیٹتی ہے۔ حیوان، انسان، پرندے وغیرہ بے شمار چیزیں ہیں جو رات کو ساکن ہو جاتی ہیں اور دن کو نقل وحرکت کرتی ہیں ﴿وَ الْقَمَرِ﴾ اور چاند کی قسم اُٹھاتا ہوں ﴿إِذَا اتَّسَقَ﴾ جب وہ پورا ہو جائے۔ تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں رات کا چاند اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ پھر کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ان تین دنوں کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس آدمی نے ان تین دنوں کے روزے رکھے گویا اس نے پورے مہینے کے روزے رکھے۔ کیوں کہ ضابطہ ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ "جس نے ایک نیکی کی اس کو دس گنا اجر ملے گا۔" ایک روزہ رکھا تو دس روزوں کا ثواب مل گیا۔ تین رکھے تو تیس دن کا ثواب مل گیا۔ فرمایا ان چیزوں کی قسم ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ البتہ تم ضرور چڑھو گے ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر، ﴿عَنْ﴾ یہاں بَعْد کے معنیٰ میں ہے یعنی ایک حالت پر دوسری حالت کے بعد) ایک حالت سے دوسری حالت پر۔ مثلاً: پہلے ماں کے پیٹ میں نطفہ، پھر لوتھڑا، پھر بوٹی، پھر انسانی شکل بنی، پھر اس میں جان پڑی، پھر تم بچے ہوئے، پھر جوان ہو گئے، پھر بوڑھے ہو گئے، پھر مر جاؤ گے، پھر قیامت برپا ہوگی۔ اسی طرح دنیا میں کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بھوک، کبھی پیاس، کبھی بیماری، کبھی تندرستی، بچپن، جوانی، بڑھاپا، یہ مختلف حالات طے کرنے ہیں۔ یہ سب کچھ سمجھ آرہا ہے ﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ایمان نہیں لاتے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ﴾ اور جس وقت ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے سجدہ نہیں کرتے رب تعالیٰ کو۔

یہ آیت سجدہ ہے جن مرد عورتوں نے یہ آیت سنی ہے اُن پر سجدہ لازم ہو گیا ہے۔ پڑھنے والوں پر بھی اور سننے والوں پر بھی۔ اور سجدے کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے شرائط ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نفل نماز نہیں پڑھ سکتے سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ واجب ہے۔ قضا نماز بھی پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ فرض ہے اور نمازِ جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ فرض کفایہ ہے۔ سجدہ تلاوت کے لیے اللہ اکبر! کہنا ہے ہاتھ نہیں اُٹھانے۔ ایک ہی سجدہ کرنا ہے اور اس میں تسبیحات بھی پڑھنی ہیں اور کم از کم تین مرتبہ پڑھے۔ اور اللہ اکبر کہہ کر اُٹھ جانا ہے سلام نہیں پھیرنا۔ بس یہ سجدہ تلاوت ادا ہو گیا۔

تو فرمایا جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے سجدہ نہیں کرتے ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿يُكَذِّبُوْنَ﴾ وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو، حق کو، قرآن کو، توحید کو، نبوت کو ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ وعا کا معنیٰ ہے برتن۔ پہلے زمانے میں لوگ سکے برتنوں میں ڈال دیتے تھے۔ اب اس کا لازمی معنیٰ ہوگا دولت جمع کرنا۔ تو ایسے مجرم جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کو جھٹلاتے ہیں ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ پس آپ ان کو خوش خبری سنا دیں دردناک عذاب کی۔ یہ طنزاً فرمایا ورنہ عذاب کی کیا خوش خبری ہے ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ مگر وہ لوگ عذاب سے بچ جائیں گے جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ ان کے لیے اجر ہے نہ ختم ہونے والا۔ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی، ہمیشہ ہمیشہ کا راحت و آرام پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡبُرُوۡجِ مَکِّیَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۲۲ (۸۵) سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ قسم ہے برجوں والے آسمان کی ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿وَشَاهِدٍ﴾ اور قسم ہے حاضر ہونے والے (دن) کی ﴿وَّمَشْهُوْدٍ﴾ قسم ہے (اس دن کی) جس میں حاضری دی جاتی ہے ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ مارے گئے خندقوں والے ﴿النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ ایندھن والی آگ تھی ﴿اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ﴾ جب وہ آگ کے قریب بیٹھے تھے ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ اس کارروائی پر جو وہ کرر ہے تھے ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں کے ساتھ ﴿شُهُوْدٌ﴾ دیکھ رہے تھے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ﴾ اور انھوں نے نہیں عیب پایا ایمان والوں میں ﴿اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ مگر یہ کہ وہ ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿الْعَزِيْزِ﴾ جو غالب ہے ﴿الْحَمِيْدِ﴾ قابل تعریف ہے ﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہی اللہ تعالیٰ کہ اسی کا ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ جنھوں نے فتنے میں ڈالا مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو ﴿ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا﴾ پھر توبہ نہ کی ﴿فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے ﴿وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ﴾ اور ان کے لیے جلانے والی آگ کا عذاب ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ﴾ یہ ہے بڑی کامیابی ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ بے شک آپ کے رب کی پکڑ البتہ (بڑی) سخت ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ﴾ بے شک وہی ابتداء میں پیدا کرتا ہے ﴿وَيُعِيْدُ﴾ اور وہی لوٹائے گا ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ﴾ اور وہی بخشنے والا ہے ﴿الْوَدُوْدُ﴾ اور بڑی محبت کرنے والا ہے ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾ عرش کا مالک ہے بڑی بزرگی والا ہے ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ کرتا ہے اس چیز کو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ﴾ کیا آئی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر ﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾ فرعون اور قوم ثمود کی ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿فِيْ تَكْذِيْبٍ﴾ جھٹلانے میں (لگے ہوئے) ہیں ﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے ﴿مُّحِيْطٌ﴾ گھیرنے والا ہے ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ بلکہ یہ قرآن ہے بڑی بزرگی والا ﴿فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾

لوح محفوظ میں ہے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ البروج ہے۔ اس کی پہلی آیت کریمہ میں بروج کا لفظ موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ چھبیس (۲۶) سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ستائیسواں (۲۷) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

بُروج بُرج کی جمع ہے۔ بُرج کا معنیٰ ہے قلعہ۔ یہ چانداور سورج کی منزلیں ہیں۔ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ کراچی سے گاڑی چلتی ہے پشاور کے لیے تو وہ سندھ طے کرے گی، صوبہ پنجاب طے کرے گی، پھر سرحد پہنچے گی۔ یا ضلعوں کو لے لو۔ مثلاً: لاہور سے چلی، تھوڑا سا شیخوپورہ عبور کیا، پھر گوجرانوالا، پھر گجرات، پھر جہلم، پھر راولپنڈی پہنچی۔ تو یہ جو راستے والے اسٹیشن ہیں یہ منزلیں سمجھیں۔ اسی طرح آسمان میں منزلیں ہیں جن کو سورج، چاند طے کرتے ہیں۔ ان کو بُرج کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ قسم ہے برجوں والے آسمان کی ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ اور وعدے والے دن کی قسم ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی ﴿وَشَاهِدٍ﴾ اور حاضر ہونے والے دن کی قسم ہے۔ اس سے جمعہ کا دن مراد ہے جو ہر جگہ خود حاضر ہوتا ہے ﴿وَّمَشْهُوْدٍ﴾ اور اس دن کی قسم ہے جس دن حاضری دی جاتی ہے۔ اس سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ نویں ذوالحجہ کو لوگ وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بڑے اہم دن ہیں۔

آگے جوابِ قسم ہے ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خد کی جمع ہے۔ اور بعض اس کو مفرد بناتے ہیں اور اس کی جمع اَخَادِید ہے۔ پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا مارے گئے کھائیوں والے۔ اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا مارے گئے کھائی والے ﴿النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ ایندھن والی آگ تھی۔ ایسی آگ جس کا ایندھن بہت زیادہ تھا ﴿اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ﴾ قُعُوْدٌ قَاعِد کی جمع ہے۔ قاعد کا معنیٰ بیٹھنے والا۔ جب وہ آگ کے قریب بیٹھے تھے۔ وہ آگ جلانے والے آگ کے پاس بیٹھے تھے۔ ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور وہ اس کارروائی پر جو وہ کر رہے تھے ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان والوں کے ساتھ ﴿شُهُوْدٌ﴾ دیکھ رہے تھے۔

اصحاب الاخدود کا واقعہ

یہ خندقوں والے کون ہیں؟ اس کے متعلق مسلم شریف، جس کا بخاری شریف کے بعد درجہ ہے، اس میں روایت ہے اور ترمذی شریف اور مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ (آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر (۷۰) سال پہلے کا واقعہ ہے) یمن کا ایک بڑا ظالم و جابر، بے لحاظ بادشاہ تھا۔ اس کا نام یوسف اور لقب ذونواس تھا۔ بڑا کافر، مشرک اور منہ پھٹ آدمی تھا۔ اُس زمانے میں اکثر حکومتوں کے بادشاہ جادوگروں اور نجومیوں کے مشوروں

پر چلتے تھے۔ تو یمن کے علاقے میں ایک بڑا جادوگر تھا۔ تاریخ کی کتاب میں اس کا نام سَطِیح لکھا ہے۔ یہ جادوگروں کا امام تھا۔ یہ جب بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ میں اب بوڑھا ہوگیا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اپنے جادو کے کرتب کسی کو سکھادوں۔ لہٰذا مجھے کوئی ذہین بچہ مہیا کرو تا کہ میں جادو کا علم، فن اور جتنے کرتب مجھے آتے ہیں میں اس کو سکھادوں۔

بادشاہ نے اس وقت کے سکول، کالجوں کے پرنسپلوں سے رابطہ کیا کہ ہمیں ایک ذہین بچہ چاہیے۔ انھوں نے ایک بڑا ذہین خوب صورت بچہ جس کا نام عبداللہ بن تامر تھا، یہ اتنا ذہین تھا کہ ہوا سے بات کو اخذ کر لیتا تھا۔ جب کوئی بات شروع کرتا تھا تو یہ اندازہ لگا لیتا تھا کہ اس نے کیا کہنا ہے۔ بادشاہ نے وہ بچہ جادوگر کے حوالے کر دیا کہ اس کو اپنا فن سکھادو۔ یہ بچہ روزانہ آنے جانے لگ گیا اور جادوگر سے جادو سیکھنا شروع کر دیا۔

راستے میں ایک راہب تھا جو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح مذہب حق پر تھا۔ اصل مقصد تو اس کا تبلیغ تھا مگر ظالم، جابر بادشاہ کی وجہ سے کھل کر تبلیغ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مسواکیں، ٹوپیاں، سرمہ جیسی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس بہانے کے ساتھ وہ تبلیغ کرتا تھا۔ یہ راہب اس بچے کو آتے جاتے دیکھتا تھا۔ ایک دن اس کو بلا کر کہا برخوردار! میں روزانہ تجھے دیکھتا ہوں کہاں آتے جاتے ہو؟ لڑکے نے بتایا کہ ایک بہت بڑا جادوگر ہے مجھے والدینؒ اور حکومت وقت نے اُس سے جادو سیکھنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ میں اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے جاتا ہوں۔ راہب نے بڑی نرمی کے ساتھ اس کو توحید سنائی اور رسالت اور قیامت کا سبق دیا۔ چونکہ بچے کا ذہن صاف تھا راہب کی باتیں اس کے ذہن میں بیٹھ گئیں اور وہ بچہ مسلمان ہوگیا۔ بادل نخواستہ جادوگر کے پاس بھی جاتا رہا کیوں کہ مجبور تھا مگر زیادہ وقت راہب کے پاس گزارتا تھا۔ کافی دین سیکھ لیا اور پختہ ذہن کا ہوگیا۔

ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی موذی جانور شیر یا اژدہا نے راستہ روک رکھا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کا گزرنا محال تھا لوگ پریشان تھے اور اس جانور کو مار نہ سکے۔ اس لڑکے نے بڑا پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے یہ موذی جانور ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ اس کے پتھر سے وہ جانور ہلاک ہوگیا اور اس کرامت کی وجہ سے وہ لڑکا بڑا مشہور ہوگیا۔ اس کے پاس ایک نابینا آدمی آیا اور درخواست کی کہ میری آنکھیں ٹھیک کر دو۔ لڑکے نے کہا تو بہ توبہ آنکھیں دینا رب کا کام ہے میرا نہیں ہے۔ راہب کے پاس گئے اس نے کہا کہ میں بھی دعا کرتا ہوں تم بھی دعا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آنکھیں واپس کر دیں۔ کیوں کہ وہ پہلے بینا تھا بعد میں آنکھیں ضائع ہوگئی تھیں اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، وہ بینا ہوگیا۔ اب اس کا اور زیادہ چرچا ہوا۔

ظالم بادشاہ تک یہ خبر پہنچی تو اس نے تینوں کو طلب کر لیا اور ان کو خاصا ڈرایا دھمکایا کہ میں تمھیں سزا دوں گا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا جرم اور قصور کیا ہے؟ ہم صرف رب کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں اور وقت کے نبی پر ایمان لائے ہیں۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ چنانچہ اس نے راہب اور جو اس کی دعا سے بینا ہوگیا تھا دونوں کو قتل کر دیا اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو پہاڑ پر لے جاؤ۔ اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو اس کو چھوڑ دینا ورنہ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دینا۔ جب اس کو چوٹی سے نیچے گرانے

لگے تو رب تعالیٰ کے فرشتوں نے ان سب کو پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ وہ سارے ختم ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم واپس آ گیا۔

بادشاہ کو اطلاع ہوئی کہ لڑکا تو نہیں مرا پبلک کافی مر گئی ہے۔ بادشاہ کو بڑا رنج ہوا اور اس نے حکم دیا کہ لڑکے کو کشتی میں سوار کر کے گہرے پانی میں لے جا کر ڈبو دو۔ اس کو سمندر میں گرا کر کشتی واپس لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکے عبداللہ کو محفوظ رکھا اور جو ڈبونے کے لیے گئے تھے ان کو فرشتوں نے اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ بچے کو پھر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ لڑکے نے کہا کہ اگر تو مجھے مارنا چاہتا ہے تو میں خود اس کی تدبیر بتلاتا ہوں۔ مجھے کسی اونچی جگہ پر کھڑا کر کے مجھ پر تیر چلاؤ اور تیر چلاتے وقت تیر چلانے والا زبان سے یہ الفاظ کہے بِاسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ یعنی "اس بچے کے رب کے نام پر تیر چلاتا ہوں۔" چنانچہ بِاسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ کہہ کر تیر چلایا تو وہ لڑکا شہید ہو گیا۔ یہ لفظ سن کر پبلک نے جب الفاظ سنے اور یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ "اس نوجوان کے رب پر ہم ایمان لے آئے۔" یہ دیکھ کر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا میں تمھارا علاج کرتا ہوں۔ اس نے خندقیں کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور ہزاروں کی تعداد میں ایمان والوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینک کر زندہ جلا دیا۔ وہ لوگ آگ میں جل گئے مگر کلمہ کسی نے نہ چھوڑا۔

ایک ایمان دار عورت لائی گئی جس کی گود میں بچہ تھا۔ آگ کے شعلوں کو دیکھ کر وہ عورت گھبرائی۔ اس بچے نے بول کر کہا یَا اُمِّیْ اِصْبِرِیْ اِنَّکِ عَلَی الْحَقِّ "اے ماں! صبر کر نا تم حق پر ہو گھبرانا نہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ آگ ہے مگر حقیقت میں یہ جنت ہے۔" بادشاہ نے جب لوگوں کو آگ میں ڈال کر شہید کر دیا تو لوگ تالیاں بجا رہے تھے، بھنگڑے ڈال رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اسی آگ کو پھیلا کر سب کو بھسم کر دیا اور سارے ظالم ختم ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ﴾ اور انھوں نے نہیں عیب پایا ایمان والوں میں ﴿اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ مگر یہ کہ وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر ﴿الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ جو غالب ہے قابل تعریف ہے۔ بس یہ جرم تھا ان کا کہ وہ اللہ تعالیٰ العزیز الحمید پر ایمان لائے ﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہی اللہ تعالیٰ کہ جس کا ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ جنھوں نے فتنے میں مبتلا کیا مومن مردوں کو ﴿وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مومن عورتوں کو ﴿ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا﴾ پھر توبہ نہ کی انھوں نے ﴿فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ پس ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے ﴿وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ﴾ اور ان کے لیے جلانے والی آگ کا عذاب ہے۔ مرنے کے بعد تو جو عذاب ہوگا سو ہوگا دنیا میں بھی اسی آگ نے ان کو جلا کر راکھ کر دیا جو انھوں نے مومنوں کے لیے جلائی تھی۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ﴾ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد عورت کو نصیب فرمائے ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ظالم چاہے جتنا ظلم کر لے کتنا عرصہ کر لے گا؟ یقیناً ایک دن رب تعالیٰ کی پکڑ میں آئے گا پھر اس کی جان نہیں چھوٹے گی ﴿اِنَّهٗ هُوَ

﴿يُبْدِئُ﴾ بے شک وہی اللہ تعالیٰ ہی ابتدا میں پیدا کرتا ہے مخلوق کو۔ اَبْدَأَ يُبْدِئُ ابداء پیدا کرنا۔ ﴿وَيُعِيْدُ﴾ اور وہی لوٹائے گا قیامت والے دن۔ جس نے پہلے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ لوٹائے گا ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾ اور وہی بخشنے والا ہے اور بڑی محبت کرنے والا ہے ﴿ذُو الْعَرْشِ﴾ عرش والا ہے۔

جو غیر جان دار مخلوق ہے اس میں سے عرش سب سے بڑا ہے۔ سات آسمانوں اور سات زمینوں پر حاوی ہے ﴿الْمَجِيْدُ﴾ بزرگی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی عظمت والی ہے ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ کرتا ہے اس چیز کو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ تو تم نے سن لیا کہ ظالموں نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اور سنو!

فرمایا ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ﴾ کیا آئی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر ﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾ فرعون کی خبر آئی ہے یا نہیں، قوم ثمود کی خبر آئی ہے یا نہیں؟ فرعونیوں کے ساتھ کیا ہوا؟ قوم ثمود کے ساتھ کیا ہوا؟ جو رب ان قوموں کو سزا دے سکتا ہے وہ آج بھی نافرمانوں کو سزا دے سکتا ہے ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ﴾ بلکہ کافر لوگ تکذیب میں مبتلا ہیں، جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ توحید اور رسالت کو جھٹلاتے ہیں، قرآن اور قیامت کو جھٹلاتے ہیں، کمربستہ ہو کر حق کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں ﴿وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے سے گھیرنے والا ہے علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے کوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے سب اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم اور قدرت میں ہیں۔ فرمایا اس کا انکار نہ کرو ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ بلکہ یہ قرآن ہے بڑی بزرگی والا۔ یہ جو قرآن تمھارے سامنے ہے بڑی بزرگی والا ہے۔

آج آسمانی کتابوں میں یہی کتاب ہے الحمد للہ! جو اپنی اصل شکل میں موجود ہے کہ اس میں زیر زبر کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ بے شک تورات، انجیل، زبور برحق تھیں اور آسمانی صحیفے بھی تھے لیکن اس وقت دنیا میں تورات کا ایک نسخہ بھی اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے۔ نہ انجیل اصل شکل میں موجود ہے اور نہ زبور اصلی شکل میں موجود ہے۔ اور خود پادری صاحبان اس چیز کا اقرار کرتے ہیں کہ کوئی بھی اصل شکل میں موجود نہیں ہے۔ صرف قرآن کریم اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ جس طرح لوح محفوظ میں تھا اور جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا اسی طرح آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک رہے گا۔

فرمایا ﴿فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ لوح محفوظ میں ہے۔ وہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وساطت سے دنیا کے کونے کونے میں پہنچا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۱۷ ‏ سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ (۸۶) (۳۶) ‏ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالسَّمَآءِ﴾ قسم ہے آسمان کی ﴿وَالطَّارِقِ﴾ اور رات کو آنے والے کی ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا الطَّارِقُ﴾ طارق کیا ہے ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ﴾ نہیں ہے کوئی نفس ﴿لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ مگر اس پر نگران ہے ﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ﴾ پس چاہیے کہ دیکھے انسان ﴿مِمَّ خُلِقَ﴾ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ﴿خُلِقَ﴾ پیدا کیا گیا ہے ﴿مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ اُچھلنے والے پانی سے ﴿يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾ جو نکلتا ہے پشت اور سینے کے درمیان سے ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ بے شک وہ اس کو دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ جس دن امتحان لیا جائے گا رازوں کا ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ﴾ پس نہیں ہوگی اس کے لیے کوئی طاقت ﴿وَّلَا نَاصِرٍ﴾ اور نہ کوئی مددگار ہوگا ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ قسم ہے لوٹنے والے آسمان کی ﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾ اور قسم ہے پھٹنے والی زمین کی ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ بے شک یہ قرآن کریم البتہ فیصلہ کرنے والی بات ہے ﴿وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ اور نہیں ہے یہ قرآن ہنسی مذاق کی بات ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا﴾ بے شک یہ لوگ تدبیر کرتے ہیں تدبیر کرنا ﴿وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں تدبیر کرنا ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ پس آپ مہلت دیں کافروں کو ﴿اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا﴾ مہلت دیں ان کو تھوڑی سی۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام طارق ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں طارق کا لفظ موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے پینتیس (۳۵) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا چھتیسواں (۳۶) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور سترہ (۱۷) آیتیں ہیں۔

طارق کیا ہے اور النجم الثاقب کی مختلف تفسیریں

﴿وَالسَّمَآءِ﴾ میں واؤ قسمیہ ہے۔ معنیٰ ہوگا قسم ہے آسمان کی ﴿وَالطَّارِقِ﴾ اور قسم ہے رات کو آنے والے کی۔ طارق کا لفظی معنیٰ ہے رات کو آنے والا۔ لیکن یہاں خود تشریح کر دی کہ طارق سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ طارق کیا ہے، رات کو آنے والا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ سے مراد چاند ہے کہ اس کی روشنی باقی تمام ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے زحل ستارہ مراد ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ ثریا یعنی کہکشاں مراد ہے۔ ان ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خاصیات رکھی ہیں۔ ہم سے چونکہ بہت دور ہیں اس لیے ہم ان کی پوری حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ قسم ہے اور آگے جواب قسم ہے ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ بعض حضرات ﴿اِنْ﴾ کو نافیہ قرار دیتے ہیں اور ﴿لَمَّا اِلَّا﴾ کے معنیٰ میں ہے۔ معنیٰ ہوگا نہیں ہے کوئی نفس مگر اس پر نگران ہے۔

حَافِظٌ کی مراد

وہ نگران کون ہے؟ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (یوسف: ۶۴) ”پس اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔“ تو سب سے بڑا محافظ رب العالمین ہے اور ہر وقت نگران ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ کراماً کاتبین مراد ہیں۔ کہ وہ اعمال کے نگران ہیں۔ سورۃ الانفطار پارہ ۳۰ میں ہے ﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ”بے شک تمھارے اوپر البتہ حفاظت کرنے والے مقرر ہیں وہ باعزت لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔“ جو بات زبان سے نکلتی ہے اس کو لکھ لیتے ہیں اور جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ یہ دو فرشتے دن کے ہوتے ہیں اور دو رات کے۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت ان کی ڈیوٹی بدلتی ہے۔ رات والے فجر کی نماز کے لیے امام اللہ اکبر! کہتا ہے تو چلے جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں۔ اور عصر کی نماز کے وقت امامِ محلہ کہتا ہے اللہ اکبر! تو دن والے چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ حافظ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ جن کا ذکر پارہ ۱۳ سورۃ الرعد آیت نمبر ۱۱ میں ہے ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ ”اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔“

تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس فرشتے انسان کے بدن کی دن کو حفاظت کرتے ہیں اور دس رات کو۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی منظور ہوتی ہے اور جب اس کی ہلاکت کا وقت ہوتا ہے تو فرشتے الگ ہو جاتے ہیں اور وہی کچھ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کیا ہوتا ہے۔

تو فرمایا ہر نفس پر نگران مقرر ہے ﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ پس چاہیے کہ دیکھے انسان، غور کرے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان جب جوانی اور طاقت میں ہوتا ہے مال و دولت والا ہوتا ہے تو بگڑا ہوا ہوتا ہے اور اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ میں کس چیز سے پیدا ہوا ہوں۔ انسان کو اپنی خلقت دیکھنی چاہیے۔ اگر اسے خود شرم آتی ہے بیان نہیں کر سکتا تو ہم بتا دیتے ہیں ﴿خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ پیدا کیا گیا ہے اچھلنے والے پانی سے جو اُچھل کر رحم میں پڑتا ہے شہوت کے ساتھ۔ ﴿مَاءٍ مَّهِيْنٍ﴾

حقیر پانی کہ جب وہ شہوت کے ساتھ بدن سے نکلتا ہے تو بدن پلید ہو جاتا ہے، کپڑے کو لگے تو کپڑا پلید ہو جاتا ہے۔ اس نجس پانی سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ کاش کہ آج انسان اپنی اصلیت کو دیکھتا ﴿يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾ تَرَائِب تَرِيْبَةٌ کی جمع ہے تَرِيْبَه کا معنیٰ ہے چھاتی۔ چھاتی ہے تو مفرد مگر اس پر جمع کا لفظ بولا گیا ہے۔ معنیٰ ہوگا جو نکلتا ہے پشت اور سینے کے درمیان سے۔ مرد کا نطفہ کمر سے اور عورت کا چھاتی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور چھاتی دل کے قریب ہوتی ہے اس وجہ سے ماں میں بچوں کے لیے شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ اور کمر چوں کہ دل سے ذرا دور ہوتی ہے اس لیے باپ میں شفقت بہ نسبت ماں کے تھوڑی ہوتی ہے۔

فرمایا اے انسان سن لے! جس رب نے تجھے حقیر چیز سے پیدا کیا ہے ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ بے شک وہ رب تعالیٰ انسان کو دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے۔ اگر انسان اپنی اصلیت کو سمجھے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو تسلیم کرنا اور بعث بعد الموت کا اقرار کرنا کوئی مشکل نہیں ہے اور اگر آنکھیں بند کر لے اور ضد سے کام لے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ سَرَائِر جمع ہے سَرِيْرَةٌ کی اور سَرِيْرَة کا معنیٰ ہے راز۔ معنیٰ ہوگا جس دن امتحان لیا جائے گا رازوں کا۔ چاہے دل کے راز ہوں یا ایک دوسرے کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں ہوئی ہوں سب کا امتحان ہوگا کہ وہ باتیں جائز تھیں یا ناجائز تھیں۔ چھوٹی بڑی ہر شے سامنے آئے گی اور انسان حیران ہوگا اور کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ (الکہف: ۴۹) "کیا ہے اس کتاب کو کہ یہ نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اس نے اس کو سنبھال رکھا ہے۔" وہ چیزیں جن کو انسان گناہ نہیں سمجھتا تھا ان کا بھی سوال ہوگا۔

مقرب بندوں کے گناہ نیکیوں میں بدل دیئے جائیں گے

بخاری شریف میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مومن بندے کو قریب کر کے اس پر پردہ ڈال دیں گے۔ پھر اس سے سوال کریں گے اَتَذْكُرُ ذَنْبَ كَذَا "کیا فلاں گناہ تجھے آیا، کیا فلاں گناہ تجھے یاد ہے۔" ان چیزوں کا ذکر فرمائیں گے جن کو بندہ گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ مثلاً: رب تعالیٰ فرمائیں گے بندے! تجھے یاد ہے مسجد سے نکلتے ہوئے تو نے سیڑھیوں پر تھوکا تھا، تو نے کیلا، آم کھا کر چھلکے راستے پر پھینک دیئے تھے۔ تیرے کمرے میں جالا لگا ہوا تھا تو نے نہیں اُتارا تھا۔ تو نے کمرے کی صفائی نہیں کی تھی۔ ایسی چیزوں کا ذکر ہوگا جن کو انسان گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے، طوطے اُڑ جائیں گے کہ ان چیزوں کا سوال ہو رہا ہے جن کو میں گناہ ہی نہیں سمجھتا تھا۔ تو رب تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! چوں کہ تیری نیکیاں زیادہ ہیں لہٰذا میں تجھے ان گناہوں کے بدلے میں اجر دیتا ہوں۔ کیوں کہ توبہ کرنے والے بندوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں کے ساتھ بدل دیتے ہیں ﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ "یہی لوگ ہیں کہ تبدیل کر دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں کے ساتھ۔"

جب یہ دیکھے گا تو پھر اپنے گناہ بتانے کے خود ریکارڈ توڑ دے گا۔ کہے گا میں نے یہ گناہ بھی کیا تھا، یہ گناہ بھی کیا تھا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے پہلے بولتا نہیں تھا اب خاموش نہیں ہوتا۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم گناہ شروع کر دو کہ مشکل ہے کہ ہم لوگ اس مد میں آ جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوں گے جن کی بُرائیاں نیکیوں کے ساتھ بدلے گا۔ ہمارے لیے تو اتنی بات ہی بڑی ہے کہ ہمارے گناہ معاف کر دے۔ہم اس مد کے بندے ہو جائیں ہمارے لیے یہی غنیمت ہے۔

تو فرمایا جس دن رازوں کا امتحان لیا جائے گا ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ﴾ پس نہیں ہوگی اس کے لیے کوئی طاقت امتحان کو ٹالنے کی ﴿وَّلَا نَاصِرٍ﴾ اور نہ کوئی مددگار ہوگا کہ اس کو چھڑا سکے ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ قسم ہے لوٹنے والے آسمان کی۔ قاضی بیضاوی (لوٹنے کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ وہ دورہ کرتا ہے یعنی چکر لگاتا ہے۔اور ﴿ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ کا معنیٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ آسمان بار بار بارش برساتا ہے۔ بارش ہوتی ہے، پھر بارش ہوتی ہے، پھر لوٹ کر آیا پھر بارش ہوئی ﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾ اور قسم ہے زمین پھٹنے والی کی۔ پھٹنے کے بعد اس میں درخت اُگتے ہیں، فصلیں اُگتی ہیں، سبزیاں اُگتی ہیں، پودے پیدا ہوتے ہیں۔

فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ بے شک یہ قرآن کریم فیصلہ کرنے والی بات ہے۔قرآن جو کہتا ہے حق کہتا ہے۔یہی سورت حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بنی تھی۔ جن کا تعلق قبیلہ بنو ازدشنوءہ سے تھا۔ یہ بڑا مشہور قبیلہ ہے۔اسی قبیلے کی عورت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگا جب وہ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔دو بچے پیدا ہوں گے۔ایک کا نام موسیٰ رکھیں گے اور دوسرے کا نام محمد رکھیں گے۔موسیٰ تو اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے اور یہ تورات اور موسیٰ علیہ السلام کی تائید کرتے تھے۔اور محمد اس لیے کہ نازل ہونے کے بعد چالیس سال تک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نافذ کریں گے۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام کا واقعہ

یہ ضماد دیوانوں کا معالج تھا۔اس کو علم ہوا کہ مسجد حرام کے متولیوں میں سے کسی کا بچہ جو یتیم ہے دیوانہ ہو گیا ہے۔تو یہ انسانی ہمدردی کے جذبے کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا حضرت! ازدشنوءہ قبیلے کے ضماد نامی آدمی کا نام سنا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے سنا ہے۔ کہنے لگا وہ عاجز میں ہوں۔ میں پاگلوں کا علاج کرتا ہوں اللہ تعالیٰ شفا دیتا ہے۔ میں انسانی ہمدردی کے تحت آیا ہوں آپ سے فیس نہیں لینی اگرچہ میری فیس بہت زیادہ ہے۔ اس کی گفتگو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے کہ کافروں نے میرے خلاف کتنا پروپیگنڈا کیا ہوا ہے کہ ان کا قبیلہ مکہ مکرمہ سے چار پانچ دن کی مسافت پر رہتا ہے وہاں تک مشہور ہو گیا ہے کہ یہ دیوانہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دیوانہ نہیں ہوں۔ضماد نے کہا کہ لوگ کیوں کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کی زبانیں ان کے منہ میں ہیں میرے کنٹرول میں تو نہیں ہیں وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔

کہنے لگا آپ کہتے کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ مسنونہ پڑھا جو جمعہ میں آپ حضرات سنتے ہیں اور یہ سورت

پڑھی۔ کیوں کہ وہ عربی تھا اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کو سمجھتا تھا جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے جاتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت مکمل کر لی تو کہنے لگا میں معافی چاہتا ہوں میں نے غلط سمجھا تھا مجھے آپ مسلمان کر کے بیعت کر لیں۔ ضماد شکار کرنے کے لیے آیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کے جال میں ایسا پھنسا کہ نکل نہ سکا۔ آیا تھا کافر اور گیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو کر۔

تو فرمایا بے شک یہ قرآن فیصلہ کرنے والی بات ہے ﴿وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ اور نہیں ہے یہ قرآن ہنسی مذاق کی بات۔ دل لگی کی بات نہیں ہے ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا﴾ بے شک یہ لوگ تدبیر کرتے ہیں تدبیر کرنا کہ کسی طرح قرآن کریم کے پروگرام کو مٹا دیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۲۶، پارہ: ۲۴) "اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں نہ سنو اس قرآن کو اور شور و غل مچاؤ اس میں تاکہ تم غالب ہو جاؤ۔"

اور سورۃ الانعام آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ "اور وہ روکتے ہیں اس قرآن سے اور خود بھی دور ہوتے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہید کرنے کے منصوبے بنائے کہ کسی طریقے سے دین ختم ہو جائے ﴿وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں تدبیر کرنا۔ آپ کو بچانے کی اور اسلام کو پھیلانے کی۔ سورت صف پارہ ۲۸ میں ہے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو، ایمان کو، نور توحید کو، نور رسالت کو، نور نبوت کو، نور قرآن کو، اگرچہ کافر اس کو پسند نہ کریں۔"

﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ پس آپ مہلت دیں کافروں کو ﴿اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا﴾ مہلت دیں ان کو تھوڑی سی۔ عنقریب ان کو انجام کا پتا چل جائے گا۔ پھر بدر میں ان کی کیا گت بنی؟ پھر ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو کیسے ان کی دوڑیں لگیں۔ تاخیر میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے آپ پریشان نہ ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡاَعۡلٰی مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۱۹ (۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿سَبِّحِ﴾ پاکیزگی بیان کر ﴿اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اپنے بلند رب کے نام کی ﴿الَّذِيْ خَلَقَ﴾ وہ جس نے پیدا کیا ﴿فَسَوّٰى﴾ پھر برابر کیا ﴿وَالَّذِيْ قَدَّرَ﴾ اور وہ ذات جس نے تقدیر مقرر کی ﴿فَهَدٰى﴾ پھر راہ نمائی کی ﴿وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾ اور وہ ذات جس نے چارا نکالا ﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً﴾ پھر کر دیا اس کو خشک ﴿اَحْوٰى﴾ سیاہ ﴿سَنُقْرِئُكَ﴾ بتاکید ہم آپ کو پڑھائیں گے ﴿فَلَا تَنْسٰٓى﴾ پھر آپ نہ بھولیں گے ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر وہ جو رب چاہے ﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ﴾ بے شک وہ جانتا ہے بلند آواز کو ﴿وَمَا يَخْفٰى﴾ اور مخفی کو ﴿وَنُيَسِّرُكَ﴾ اور ہم آسان کر دیں گے آپ کے لیے ﴿لِلْيُسْرٰى﴾ آسان چیز کو ﴿فَذَكِّرْ﴾ پس آپ نصیحت کریں ﴿اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾ تحقیق نفع دے گی نصیحت ﴿سَيَذَّكَّرُ﴾ عنقریب قبول کرے گا ﴿مَنْ يَّخْشٰى﴾ جو ڈرتا ہے ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا﴾ اور کنارہ کش رہے گا اس نصیحت سے ﴿الْاَشْقَى﴾ جو بڑا بد بخت ہے ﴿الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى﴾ وہ جو داخل ہو گا بڑی آگ میں ﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا﴾ پھر نہ مرے گا اس آگ میں ﴿وَلَا يَحْيٰى﴾ اور نہ زندہ رہے گا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ تحقیق کامیاب ہو گیا جس نے باطن صاف کر لیا ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ اور ذکر کیا اپنے رب کے نام کا ﴿فَصَلّٰى﴾ پس نماز پڑھی ﴿بَلْ﴾ بلکہ ﴿تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ تم ترجیح دیتے ہو دنیا کی زندگی کو ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ حالانکہ آخرت بہت بہتر ہے اور دیر پا ہے ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بیشک یہی بات ﴿لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ پہلے صحیفوں میں درج ہے ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الاعلیٰ ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں اعلیٰ کا لفظ موجود ہے اسی سے سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سات (۷) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا آٹھواں (۸) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور انیس (۱۹) آیات ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے تمام ایمان والوں کو حکم دیتے ہیں ﴿سَبِّحِ﴾ پاکیزگی بیان کر اِسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اپنے رب کے نام کی جو بلند شان والا ہے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ "اپنے سجدوں میں پڑھا کرو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" اور سورہ واقعہ کی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ "اس کو تم اپنے رکوع میں کرلو یعنی رکوع میں پڑھا کرو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" حدیث پاک میں آتا ہے کہ کم از کم تین مرتبہ تسبیح ہونی چاہیے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے یعنی کم از کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھے۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ الاستاذ ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ بڑے اُونچے درجے کے فقیہ، محدث اور مجاہد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام کو چاہیے کہ پانچ یا سات مرتبہ تسبیحات پڑھے۔ کیوں کہ مقتدیوں میں بعض کند ذہن ہوتے ہیں اور بعض بوڑھے ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ امام تین مرتبہ پڑھ کر سر اُٹھالے اور وہ نہ پڑھ سکیں۔ میرا عمل اُن کے فتویٰ پر ہے۔ میں کم از کم پانچ مرتبہ پڑھتا ہوں تاکہ مقتدی تین دفعہ آرام سے پڑھ لیں۔

﴿الَّذِيْ خَلَقَ﴾ جس نے پیدا کیا ساری کائنات کو۔ وہ ساری کائنات کا خالق ہے ﴿فَسَوّٰى﴾ پھر برابر کیا ہر چیز کو، اعتدال کے ساتھ بنایا۔ وہ ایسا بھی کرسکتا تھا کہ ایک ٹانگ اتنی ہی ہوتی اور دوسری اُونٹ کی طرح لمبی ہوتی، ایک ہاتھ اتنا ہی ہوتا اور دوسرا زیبرے کی اگلی ٹانگ کے برابر لمبا ہوتا، ایک کان اتنا ہی ہوتا اور دوسرا ہاتھی کے کان کے برابر ہوتا، ایک آنکھ اتنی ہی ہوتی اور دوسری بھینس کی آنکھ کے برابر ہوتی۔ وہ ایسا کرنے پر قادر تھا لیکن اس نے ہر چیز کو اعتدال کے ساتھ بنایا ﴿وَالَّذِيْ قَدَّرَ﴾ اور وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا، ہر چیز کی تقدیر مقرر کی فَهَدٰى پھر راہ نمائی کی کہ اس طرح تو نے ماں کی چھاتی سے خوراک چوسنی ہے۔ بچے کو ماں کی چھاتی سے دودھ چوسنا کس نے سکھایا ہے کہ اس طرح چوسے گا تو دودھ نکلے گا جو تیری خوراک بنے گا۔

سورۃ البلد میں ہے ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ "اور بتائی اس کو ہم نے دو گھاٹیاں۔" دایاں پستان اور بائیاں پستان کہ ان میں تیری خوراک ہے۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ادراک وشعور عطا فرمایا ہے۔ چھوٹے بچوں کو تم نے دیکھا ہوگا کہ آنکھ میں خارش ہو تو انگلیاں نہیں مارتے الٹا ہاتھ ملتے ہیں۔ اگر آنکھ میں ناخن ماریں تو آنکھ کا نقصان ہوسکتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ڈالا ہے۔

ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے شعور وادراک رکھا ہے

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے وہ واقعہ سناتے ہیں کہ مجھے راجپوتانہ (علاقے کا نام ہے) جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہندوؤں کا راج تھا بندر مارنے کی ممانعت تھی۔ وہاں بندر بڑا نقصان کرتے تھے برتن اور کپڑے تک اُٹھا کر لے جاتے تھے اور سامنے بیٹھ کر کپڑے کو چیر پھاڑ دیتے تھے۔ روٹیاں اُٹھا کر لے جاتے۔ غصہ بھی آتا مگر بے بس تھے مار بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم نے سنکھیا خریدا اور آٹے میں ملا کر روٹیاں پکائیں اور چھت پر پھیلا دیں کہ سو پچاس کھا کر مریں گے کچھ تو کمی آئے گی۔ ہم دیکھنے بیٹھ گئے کہ بندر آتے جائیں گے کھاتے جائیں گے اور مرتے جائیں گے اور

ہم خوش ہو جائیں گے۔

دو تین بندر آئے دیکھا روٹیاں پھیلی پڑی ہیں۔ اب دیکھ رہے ہیں کھاتے نہیں۔ دیکھتے دیکھتے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد چودہ پندرہ بندر آئے وہ بھی دیکھ کر چلے گئے۔ پھر دس پندرہ منٹ کے بعد پچاس ساٹھ بندروں کی قطار جو بڑے موٹے چودھری قسم کے تھے، آئے اور روٹیوں کو گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ مگر کھانے کے لیے آگے کوئی نہ بڑھا۔

کچھ دیر بعد ایک بوڑھا بندر آگے بڑھا۔ اس نے روٹی کو توڑ کر سونگھا، دوسرے نے توڑا اور سونگھا، تیسرے نے توڑا اور سونگھا اور کھائے بغیر سارے بھاگ گئے۔ گویا کہ وہ نتیجے پر پہنچ گئے۔ ہم نے سمجھا کہ یہ تدبیر بھی ناکام ہوگئی مگر کوئی بیس منٹ گزرے تو سو دو سو بندروں کی ایک قطار آئی اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک پتوں والی ٹہنی تھی۔ انھوں نے آکر روٹیوں کے ٹکڑے کیے اور روٹیوں کے ٹکڑے کھاتے اور اوپر سے پتے کھاتے اور دندناتے ہوئے چلے گئے۔ نہ ان میں سے کوئی بے ہوش ہوا اور نہ کوئی مرا۔ وہ جڑی بوٹی زہر کا تریاق تھا۔

تو ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے شعور رکھا ہے اور زندہ رہنے کا انداز بتلایا ہے ﴿وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾ اور اللہ وہ ذات جس نے نکالا چارا زمین سے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسانوں کی خوراک کا انتظام کیا ہے وہاں حیوانوں کی خوراک کا بھی انتظام کیا ہے، چارا پیدا کیا ہے ﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى﴾ پھر کر دیا اس کو خشک سیاہ۔ پہاڑی علاقوں میں برف باری ہوتی ہے تو وہ لوگ دو دو دن گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے نہ جانوروں کو نکال سکتے ہیں۔ وہ لوگ جانوروں کے لیے گھاس کاٹ کر جمع کر لیتے ہیں۔ وہ گھاس خشک ہو کر سیاہ ہو جاتی ہے۔ جو رب جانوروں کا انتظام کرتا ہے وہ انسانوں کا انتظام بدرجہ اولیٰ کرے گا۔ جسمانی خوراک کا بھی اور روحانی خوراک کا بھی۔

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بتاکید ہم آپ کو پڑھائیں گے ﴿فَلَا تَنْسٰٓى﴾ پس آپ نہیں بھولیں گے ﴿اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ یعنی جس حکم کو اللہ تعالیٰ منسوخ کر دیں گے وہ آپ کے ذہن سے نکل جائے گا اور جس کو محفوظ رکھنا ہے وہ نہیں بھولے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سناتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد ہو جاتا تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو فوراً سنا دیتے تھے اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے۔ تقریباً اٹھائیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاتبین وحی تھے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

فرمایا ﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے بلند آواز کو ﴿وَمَا يَخْفٰى﴾ اور اس کو بھی جانتا ہے جو مخفی ہے۔ بلکہ رب تعالیٰ تو دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے ﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى﴾ اور ہم آسان کر دیں گے آپ کے لیے آسان چیز کو۔ اس آسان سے کیا مراد ہے؟ ایک تفسیر یہ ہے کہ شریعت اور دین مراد ہے کہ یہ شریعت آسان ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا کہ جس کو وہ اُٹھا نہ سکے۔ یہ مزید آپ کے لیے آسان ہو جائے گی۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یُسریٰ سے مراد جنت ہے۔ جنت کو آسان کر دیا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں

محنت، مشقت نہیں ہے تمام چیزیں وہاں تیار ملیں گی۔ دنیا میں تو انسان محنت مشقت کرتا ہے اور جنت میں کسی چیز کے لیے مشقت نہیں ہے۔

تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جنت میں پہچانے والے جو اعمال ہیں وہ ہم آپ کے لیے آسان کردیں گے۔ نمازیں پڑھنی آسان ہوں گی، روزے رکھنے آسان ہوں گے، جہاد کرنا آسان ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھکاوٹ ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ پوچھنے والے پوچھتے تو فرماتے تھکاوٹ ہوگئی تھی اس کو دور کرنے کے لیے نماز شروع کر دی ہے۔

آج بھی بڑے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ریڑھ کی ہڈی کا علاج ہی نماز ہے۔ رکوع، سجود کرنے سے ریڑھ کی ہڈی کو بڑی تقویت پہنچتی ہے۔ باطنی طور پر جو ثواب ہے وہ تو ہے نماز ظاہری طور پر بھی صحت کا سبب ہے۔

﴿ فَذَكِّرْ ﴾ پس آپ نصیحت کریں لوگوں کو ﴿ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴾ تحقیق نفع دیتی ہے نصیحت۔ ﴿ إِنْ ﴾ یہاں ﴿ قَدْ ﴾ کے معنیٰ میں ہے۔ (بعض حضرات ﴿ إِنْ ﴾ کو شرطیہ قرار دیتے ہیں اور معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ نصیحت کر اگر نصیحت نفع دے۔) جس آدمی کا دل صاف ہو ضد اور تعصب اس میں نہ ہو اس کے لیے حق کو ماننا کوئی مشکل نہیں ہے۔ اور ضدی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ پیغمبر بھی ضد کا علاج نہیں کر سکے۔

معجزۂ شق القمر

ستائیسویں پارے میں واقعہ گزر چکا ہے کہ چودھویں کا چاند تھا قریش مکہ نے کہا کہ آپ نبوت کے دعوے دار ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے تو اپنے رب کو کہیں کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری تصدیق کے لیے ایسا کر دے تو مان جاؤ گے؟ کہنے لگے ضرور مانیں گے۔ یہ چوں کہ مشکل کام تھا سارے اس پر متفق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر کعبۃ اللہ سے مشرق کی طرف بیت اللہ کے دروازے کے سامنے جو پہاڑ ہے اس کا نام جبل ابوقبیس ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اسی پہاڑ کو زمین میں نصب کیا۔ اسی پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کیا تھا کہ اے مال دار لوگو! حج کے لیے آؤ۔ اسی آواز کے جواب میں حاجی لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہتے ہوئے جاتے ہیں۔ جبل ابوقبیس چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ اب حکومت نے اس کے نیچے سرنگیں بنا دی ہیں جن کے ذریعے گاڑیاں منیٰ جاتی ہیں۔

چاند کا دوسرا ٹکڑا کعبۃ اللہ سے مغرب کی طرف جو پہاڑ ہے جس کا نام قیقعان ہے اس پر چلا گیا۔ لیکن قریش مکہ نے ﴿ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ کہہ کر حق کو قبول نہیں کیا۔ تو ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

فرمایا﴿ سَیَذَّكَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰی ﴾ عنقریب قبول کرے گا نصیحت کو جو ڈرتا ہے رب تعالیٰ سے ﴿ وَ یَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَی ﴾ اور کنارہ کش رہے گا نصیحت سے جو بڑا بد بخت ہے۔ بد بخت، نامراد انسان نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ وہ بد بخت کہاں جائے گا؟ ﴿ الَّذِیۡ ﴾ وہ ﴿ یَصۡلَی النَّارَ الۡكُبۡرٰی ﴾ داخل ہوگا بڑی آگ میں۔ وہ دوزخ کی آگ ہے جو دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ اور دنیا کی آگ لوہے تک کو پگھلا دیتی ہے۔ تو اس کا کیا حال ہوگا؟ ﴿ ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی ﴾ پھر نہ مرے گا اس میں اور نہ جیے گا۔ اگر اس میں مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک جھونکا ہی کافی ہے لیکن وہاں تو سزا کے لیے ڈالا جائے گا، مرنے کے بعد سزا کون بھگتے گا۔ پھر آگ میں جلنے والے کی کیا زندگی ہے۔ خود آگ میں جلنے والے، جہنم کے انچارج فرشتے مالک علیہ السلام سے کہیں گے ﴿ یٰمٰلِكُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّكَ ﴾ (الزخرف:۷۷) "اے مالک علیہ السلام! چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر آپ کا رب۔" پروردگار ہم کو مار دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہے گا کیا تمھارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے، کتابیں نہیں آئی تھیں؟ کہیں گے آئے تھے مگر ہمارے اوپر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی۔ فرشتہ کہے گا بے شک تم رہنے والے ہو اسی مقام پر۔

فلاح پانے والوں کا تذکرہ

آگے اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰی ﴾ تحقیق کامیاب ہو گیا جس نے باطن صاف کر لیا اور ظاہر بھی صاف کر لیا۔ باطن کی صفائی کلمہ طیبہ، ایمان کے ساتھ ہے۔ عقیدے کی درستگی کے ساتھ ہے۔ اور ظاہر کی صفائی غسل اور وضو کے ساتھ ہے ﴿ وَ ذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ﴾ اور ذکر کیا اپنے رب کے نام کا پس اس نے نماز پڑھی۔ یعنی اللہ اکبر! کہہ کر نماز شروع کی۔ پانچ نمازیں اور جمعہ فرض ہے۔ وتر واجب ہیں باقی نفل نمازیں ہیں۔ تو جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نمازیں پڑھیں وہ کامیاب ہو گیا۔ تمھیں تو اس طرح تزکیہ کرنا چاہیے تھا لیکن حال کیا ہے؟ ﴿ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا ﴾ بلکہ تم ترجیح دیتے ہو دنیا کی زندگی کو۔ دنیا کو دین پر مقدم رکھتے ہو۔ شریعت کو دوسرا درجہ دیتے ہو۔ وقت ملا تو نماز پڑھ لی دل کیا تو روزہ رکھ لیا، حلال و حرام کی پروا نہیں کرتے۔

جائز طریقے سے دنیا کمانے کی اجازت ہے بلکہ حکم ہے۔ لیکن ناجائز طریقے سے کمانا بُری بات ہے۔ بندے کو چاہیے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے۔ حلال کو حلال سمجھے اور حرام کو حرام سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو سمجھے اور حقوق العباد کو سمجھے ﴿ وَ الۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ﴾ اور آخرت بہت بہتر ہے اور دیر پا ہے ﴿ اِنَّ هٰذَا ﴾ بے شک یہی بات ﴿ لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴾ پہلے صحیفوں میں درج ہے۔ وہ کون سے صحیفے ہیں؟ ﴿ صُحُفِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے ہیں۔ ان میں بھی یہی مسئلہ درج تھا کہ آخرت بہت بہتر ہے اور پائیدار ہے۔ لہٰذا تم آخرت کو دنیا پر ترجیح دو دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۲۶ سُوْرَۃُ الْغَاشِیَةِ مَکِّیَّةٌ (۸۸) (۶۸) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿هَلْ﴾ تحقیق ﴿اَتٰىكَ﴾ آچکی ہے آپ کے پاس ﴿حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ ڈھانپ لینے والی چیز کی بات ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ﴾ کچھ چہرے اس دن ﴿خَاشِعَةٌ﴾ جھکے ہوئے ہوں گے ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ محنت کرنے والے تھکے ہوئے ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں ﴿تُسْقٰى﴾ پلایا جائے گا انہیں ﴿مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ﴾ کھولتے ہوئے چشمے سے پانی ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے کھانا ﴿اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ﴾ مگر کانٹے دار جھاڑی ﴿لَّا يُسْمِنُ﴾ نہ وہ موٹا کرے گی ﴿وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾ اور نہ کفایت کرے گا بھوک سے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ﴾ کچھ چہرے اس دن ﴿نَّاعِمَةٌ﴾ تروتازہ ہوں گے ﴿لِّسَعْيِهَا﴾ اپنی کمائی پر ﴿رَاضِيَةٌ﴾ راضی ہوں گے ﴿فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ اونچی جنت میں داخل ہوں گے ﴿لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا﴾ نہیں سنیں گے اس میں ﴿لَاغِيَةً﴾ کوئی بے ہودہ بات ﴿فِيْهَا عَيْنٌ﴾ اس میں چشمے ہوں گے ﴿جَارِيَةٌ﴾ جاری ﴿فِيْهَا سُرُرٌ﴾ اس میں کرسیاں ہوں گی ﴿مَّرْفُوْعَةٌ﴾ اونچی اونچی ﴿وَّ اَكْوَابٌ﴾ گلاس ہوں گے ﴿مَّوْضُوْعَةٌ﴾ مناسب مقام پر رکھے ہوئے ﴿وَّ نَمَارِقُ﴾ اور گاؤ تکیے ﴿مَصْفُوْفَةٌ﴾ صف بہ صف رکھے ہوں گے ﴿وَّ زَرَابِيُّ﴾ اور قالینیں ﴿مَبْثُوْثَةٌ﴾ بچھی ہوں گی ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ﴾ کیا پس وہ دیکھتے نہیں ہیں ﴿اِلَى الْاِبِلِ﴾ اونٹوں کی طرف ﴿كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ کیسے پیدا کیے گئے ہیں ﴿وَ اِلَى السَّمَآءِ﴾ اور آسمان کی طرف ﴿كَيْفَ رُفِعَتْ﴾ کیسے بلند کیا گیا ہے ﴿وَ اِلَى الْجِبَالِ﴾ اور پہاڑوں کی طرف ﴿كَيْفَ نُصِبَتْ﴾ کیسے نصب کیے گئے ہیں ﴿وَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ اور زمین کی طرف ﴿كَيْفَ سُطِحَتْ﴾ کیسے بچھائی گئی ہے ﴿فَذَكِّرْ﴾ پس آپ نصیحت کریں ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ بے شک آپ نصیحت کرنے والے ہیں ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ نہیں ہیں آپ ان پر داروغہ ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى﴾ مگر جس نے روگردانی کی ﴿وَ كَفَرَ﴾ اور کفر کیا ﴿فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ﴾ پس عذاب دے گا اس کو اللہ تعالیٰ ﴿الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴾ بڑا عذاب ﴿اِنَّ اِلَيْنَاۤ﴾ بے شک ہماری طرف ﴿اِيَابَهُمْ﴾ ان کا لوٹنا ہے ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا﴾ پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے ﴿حِسَابَهُمْ﴾ ان کا حساب۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الغاشیہ ہے۔ غاشیہ کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام الغاشیہ رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سڑسٹھ (۶۷) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور چھبیس آیتیں ہیں۔

جس طرح قیامت کا ایک نام قیامت ہے۔ ایک نام القارعہ ہے، ایک نام الحاقہ ہے، ایک نام واقعہ ہے، ایک نام آزفہ ہے، ایک نام آخرۃ ہے۔ اسی طرح ایک نام غاشیہ بھی ہے۔ یہ سب نام قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

﴿هَلْ اَتٰىكَ﴾ ﴿هَلْ﴾ یہاں ﴿قَدْ﴾ کے معنیٰ میں ہے۔ معنیٰ ہوگا تحقیق آ چکی تمھارے پاس ﴿حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ چھا جانے والی کی بات۔ قیامت سب کا احاطہ کرے گی ایسا نہیں ہے کہ ایک علاقہ میں برپا ہو اور دوسرے علاقہ میں نہ ہو۔ بعض قوموں پر آئے اور بعض قوموں پر نہ آئے۔ بلکہ وہ سب پر چھا جائے گی۔ تو فرمایا اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تحقیق آ چکی ہے آپ کے پاس چھا جانے والی کی بات ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ﴾ کچھ چہرے اس دن جھکے ہوئے ہوں گے شرم اور ندامت سے ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ محنت کرنے والے تھکے ہوئے۔

بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ کافر لوگ دنیا میں بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں، عبادتیں کرتے ہیں، تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لیکن جہنم میں جائیں گے کیوں کہ ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔ کیوں کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہے۔ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ اعمال کی قبولیت کے لیے تین بنیادی شرطیں ہیں۔ پہلی شرط: ایمان ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔

دوسری شرط: اخلاص ہے۔ یعنی نیکی خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو ریا اور دکھاوا نہ ہو۔

تیسری شرط: اتباع سنت ہے۔ جو کام کرے سنت کی پیروی میں کرے۔ اگر اپنی طرف سے گھڑے گا گناہ ہوگا ثواب نہیں ملے گا۔ اگر یہ شرائط پائی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی محفوظ ہوگی۔ لیکن ایمان کے بغیر کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہندو، سکھ، بدھ مت والے، یہودی، عیسائی اپنے اپنے طرز وطریقے پر عبادتیں کرتے ہیں، ریاضتیں کرتے ہیں، تکلیفیں اُٹھاتے ہیں مگر ان کے یہ سارے اعمال اور تکلیفیں اُٹھانا بے کار ہیں۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ لہٰذا ان کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔ آخرت میں چلیں گے تو بڑی مشکل سے چلیں گے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور دور دراز سے چل کر اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں پہنچیں گے تو محنت اٹھائے ہوئے تھکے ماندے ہوں گے بخلاف مومنوں کے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کھلے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جسم میں مزید قوت پیدا کر دے گا۔ وہ خوشی خوشی پہنچیں گے۔ کافر تھکے ماندے ہوں گے ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ داخل ہوں گے بھڑکتی

ہوئی آگ میں ﴿تُسْقٰى مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ﴾ پلایا جائے گا انہیں کھولتے ہوئے چشمے سے پانی۔ جیسے ہانڈی کے نیچے تیز آگ ہو تو پانی کھولتا ہے اس طرح کا ابلتا ہوا گرم پانی ان کو پلایا جائے گا کہ ہونٹوں کو لگے گا تو ﴿یَشْوِی الْوُجُوْهَ﴾ ہونٹ جل جائیں گے۔ ﴿یَتَجَرَّعُهٗ﴾ (سورۃ ابراہیم) "ایک ایک گھونٹ کر کے نیچے اُتاریں گے۔" پیٹ میں پہنچے گا تو انتڑیوں کو ریزہ ریزہ کر کے پاخانے کے راستے نکال دے گا۔ پھر وہ انتڑیاں ان کے منہ میں ڈال کر پیٹ میں پہنچائی جائیں گی اور یہی قصہ ان کے ساتھ ہوتا رہے گا۔

﴿لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ﴾ نہیں ہوگا ان کے لیے کھانا ﴿اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ﴾ مگر کانٹے دار جھاڑی جو بڑی کڑوی ہوتی ہے جانور اس کو سونگھ کر چھوڑ دیتے ہیں کھاتے نہیں۔ اور شجرۃ الزّقّوم تھوہر کا درخت بھی دوزخیوں کی خوراک ہے۔ سمجھانے کے لیے ان کے ساتھ تشبیہ دی ہے ورنہ آخرت کی کوئی شے دنیا میں موجود نہیں ہے ﴿لَّا یُسْمِنُ وَ لَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ﴾ نہ وہ موٹا کرے گا جسم کو اور نہ وہ بھوک سے کفایت کرے گا۔ خوراک آدمی اسی لیے کھاتا ہے کہ بھوک ختم ہو جائے اور جسم موٹا اور مضبوط ہو جائے۔ جہنم کی خوراک یہ دونوں کام نہیں کرے گی۔ بھوک کے غلبے کی وجہ سے مجبوراً کھائیں گے۔ یہ تو نافرمانوں کا ذکر تھا اب ان کے مدمقابل فرماں برداروں کا ذکر ہے، نیکوں کا ذکر ہے ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاعِمَةٌ﴾ کچھ چہرے اس دن بڑے تروتازہ، ہشاش بشاش ہوں گے، سفید ہوں گے ﴿لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ﴾ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے کہ ایمان لائے، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، حج کیا، زکوٰۃ دی، قربانیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خوش ہوں گے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگ گئی ﴿فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ﴾ اونچی جنت میں داخل ہوں گے۔ جنت درجے کے لحاظ سے بھی بلند ہے اور حسی اعتبار سے بھی بلند ہے۔ جنت کا محل وقوع بلند ہے ﴿لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً﴾ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی بے ہودہ بات۔ گالی نہیں سنیں گے، جھوٹ نہیں سنیں گے، غیبت نہیں سنیں گے، کسی قسم کی دل آزاری کی بات نہیں سنیں گے۔ جنت دارالسلام ہے وہاں امن اور سلامتی ہے ﴿فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ﴾ جنت میں چشمے جاری ہوں گے۔ کوثر کا، سلسبیل کا، کافور کا، زنجبیل کا، صاف پانی کا۔ مختلف قسم کے چشمے جاری ہوں گے۔

﴿فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ﴾ سُرُر سَرِیْرٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کرسی۔ جنت میں اونچی کرسیاں ہوں گی ان پر بیٹھے ہوں گے جدھر کا ارادہ کریں گے کرسیاں اُدھر گھوم جائیں گی۔ کرسیاں ارادے کے تابع ہوں گی ﴿وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ﴾ اَکْوَاب کُوْبٌ کی جمع ہے۔ ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کا دستہ نہ ہو۔ گلاس بھی ہو سکتا ہے، پیالہ بھی ہو سکتا ہے۔ گلاس اور پیالے ہوں گے مناسب جگہ پر رکھے ہوئے۔ جب کسی کو پیاس لگے گی پیالہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ہر جگہ موجود ہوں گے

﴿وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ﴾ نَمَارِقُ نَمْرُوْقَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے گاؤ تکیہ جس کے ساتھ آدمی ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے۔ معنیٰ ہوگا وہاں تکیے ہوں گے صف بہ صف رکھے ہوئے ﴿وَّ زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ﴾ یہ زَرْبِیَّةٌ کی جمع ہے۔ زربیہ کا معنیٰ ہے قالین۔ معنیٰ ہوگا قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔ کوئی جنتی گاؤ تکیہ لگا کے بیٹھا ہوگا، کوئی کرسی پر اور کوئی قالین پر بیٹھا ہوگا۔ ہر ایک کے دل کی مراد پوری ہوگی۔

عرب کا علاقہ ریتلا اور پہاڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے علاقے کے لیے اُونٹ پیدا فرمایا۔ اُونٹ کا پاؤں ریت میں

دھنستا نہیں ہے کہ چوڑا ہوتا ہے۔ انسان کا قدم ریت میں دھنس جاتا ہے۔ اُونٹ جفاکش جانور ہے اور قدم بھی لمبے لمبے ہوتے ہیں سفر جلدی طے ہوتا ہے۔ وہ لوگ اُونٹوں پر سفر کرتے تھے دائیں بائیں پہاڑ نظر آتے تھے۔ اُوپر آسمان اور نیچے زمین نظر آتی تھی۔

(فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اس طرح بیان فرمایا تھا کہ پہلے ان کی نگاہ اُونٹ پر پڑتی تھی۔ اُونٹ پر بیٹھنے کے بعد نگاہ اُٹھاتے تو آسمان پر پڑتی۔ آسمان سے نیچے دیکھتے تو نگاہ پہاڑوں پر پڑتی پہاڑوں سے ہٹتی تو زمین پر پڑتی۔ مرتب)

اللہ تعالیٰ نے توجہ دلانے کے لیے فرمایا ﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ ﴾ کیا پس وہ نہیں دیکھتے اُونٹوں کی طرف ﴿ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴾ کیسے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کا قد دیکھو، ان کا بدن دیکھو، ٹانگیں دیکھو، گردن دیکھو ﴿ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴾ اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کیسے بلند کیا گیا ہے۔ پہلے سے لے کر ساتویں تک۔ جس کو پہلے آسمان کا یقین ہے وہ باقیوں پر بھی یقین رکھتا ہے۔ دنیا میں منکر بھی موجود ہیں۔

فیثاغورث ایک یونانی حکیم گزرا ہے وہ آسمان کا منکر تھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ نیلگوں چیز جو نظر آتی ہے یہ آسمان نہیں ہے بلکہ یہ ہماری حد نظر ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسے باطل لوگوں کا رد فرمایا ہے کہ ایک آسمان نہیں سات آسمان ہیں۔

فرمایا ﴿ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴾ اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کیسے نصب کیے گئے ہیں۔ سورت نبا میں گزر چکا ہے ﴿ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴾ "پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے کیل بنایا ہے اور زمین میں ٹھونک دیا ہے۔" ﴿ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴾ اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کیسے بچھائی گئی ہے ﴿ فَذَکِّرْ ﴾ پس آپ نصیحت کریں ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ﴾ بے شک آپ نصیحت کرنے والے ہیں۔

دیانند سرسوتی کا اعتراض اور دیوبندی عالم کا بصیرت افروز جواب

انگریز کا زمانہ تھا۔ آریہ سماج کا ایک منہ پھٹ لیڈر تھا دیانند سرسوتی۔ یہ اسلام کے خلاف، قرآن کے خلاف بڑی تقریریں کرتا تھا۔ ایک طرف پادری اسلام کی تردید کرتے تھے اور ایک طرف یہ کرتا تھا۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے "ستیارتھ پرکاش" بڑی نایاب کتاب ہے مگر میرے پاس موجود ہے۔ اس کا چودھواں باب اس منحوس نے قرآن کریم پر اعتراضات کے لیے وقف کیا ہے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے لے کر وَالنَّاسِ تک اعتراضات کیے ہیں۔ یہاں اس مقام پر بھی اس نے اعتراض کیا ہے۔ کہتا ہے نصیحت کرنے والے کے ساتھ اُونٹوں کا کیا ربط ہے، آسمان کا کیا ربط ہے، زمین کا کیا جوڑ؟ کہ ان چیزوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَذَکِّرْ ﴾ آپ نصیحت کریں۔ کہتا ہے کہ یہ کتاب کسی جاہل بدو نے لکھی ہے، معاذ اللہ تعالیٰ۔

ہمارے اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ دین کی بڑی سمجھ دی تھی۔ قرآن پاک کی روح کو، حدیث پاک کی روح کو اور فقہ اسلامی کی روح کو بڑی گہری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہمارے بزرگوں میں سے مفتی نعیم احمد صاحب

لدھیانوی (منڈی بہاؤ الدین میں مسجد کے خطیب تھے۔ پھر فیصل آباد چلے گئے تھے اور پیپلز کالونی کی بڑی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے تھے۔ وہ شاعر مزاج بھی تھے۔ ایک موقع پر انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا اور میرے مہاجر بھائیو!

زمیں بدلی زماں بدلا مکیں بدلے مکاں بدلا
نہ تو بدلا نہ میں بدلا پھر بدلا تو کیا بدلا

حضرت کے سامنے کسی نے اسی اعتراض کا ذکر کیا کہ دیانند سرسوتی نے یہ اعتراض کیا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ ان چیزوں کا مذکر مبلغ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مبلغ کو جفاکشی میں اونٹ کی طرح ہونا چاہیے، اخلاق میں آسمان کی طرح بلند ہونا چاہیے، اپنے عقیدے اور نظریے میں پہاڑوں کی طرح مضبوط ہونا چاہیے لوٹے کی طرح گھومے نہ۔ اور تواضع ایسی ہو جیسے زمین بچھی ہوئی ہے۔ تو ان چیزوں کا مذکر نصیحت کرنے والے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

فرمایا بے شک آپ نصیحت کرنے والے ہیں ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ نہیں ہیں آپ ان پر داروغہ کہ جبراً ان سے منوائیں ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ﴾ مگر جس نے اعراض کیا ایمان سے اور رب تعالیٰ کے حکموں کا انکار کیا ﴿فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴾ پس اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا بڑی سزا۔ اور بندو! کان لگا کر سن لو ﴿اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ﴾ بے شک ہماری طرف ہی ان لوگوں نے لوٹ کر آنا ہے اور کوئی اور جگہ نہیں ہے جہاں جائیں گے ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے ان کا حساب۔ ہم ان سے رتی رتی کا حساب لیں گے لہٰذا اب وقت ہے آخرت کی تیاری کرو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡفَجۡرِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۳۰ (۸۹) سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۰) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالْفَجْرِ﴾ قسم ہے فجر کی ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ اور قسم ہے دس راتوں کی ﴿وَّالشَّفْعِ﴾ اور قسم ہے جفت کی ﴿وَالْوَتْرِ﴾ اور قسم ہے طاق کی ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾ اور قسم ہے رات کی جب جانے لگے ﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ﴾ تحقیق ان چیزوں میں قسم ہے ﴿لِّذِيْ حِجْرٍ﴾ عقل والے کے لیے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ﴿كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ﴾ کیا کیا آپ کے رب نے ﴿بِعَادٍ﴾ عاد قوم کے ساتھ ﴿اِرَمَ﴾ جو ارم تھے ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ بڑے بڑے ستونوں والے ﴿الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ وہ عاد کہ نہیں پیدا کیے ان جیسے شہروں میں ﴿وَثَمُوْدَ﴾ اور نہیں دیکھا ثمود قوم کو ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ ثمود قوم ﴿جَابُوا الصَّخْرَ﴾ جنھوں نے تراشا چٹانوں کو ﴿بِالْوَادِ﴾ وادی میں ﴿وَفِرْعَوْنَ﴾ اور فرعون کو نہیں دیکھا ﴿ذِي الْاَوْتَادِ﴾ میخوں والا ﴿الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ﴾ جنھوں نے سرکشی کی شہروں میں ﴿فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ﴾ پس بہت زیادہ کیا انھوں نے ان شہروں میں فساد ﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ﴾ پس پھینکا ان پر آپ کے رب نے ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ عذاب کا کوڑا ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿لَبِالْمِرْصَادِ﴾ گھات میں ہے ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ﴾ پس بہرحال انسان ﴿اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ﴾ جب آزماتا ہے اس کو اس کا رب ﴿فَاَكْرَمَهٗ﴾ پس اس کو عزت دیتا ہے ﴿وَنَعَّمَهٗ﴾ اور اس کو نعمت دیتا ہے ﴿فَيَقُوْلُ﴾ تو کہتا ہے ﴿رَبِّيْ اَكْرَمَنِ﴾ میرے رب نے میری عزت کی ہے ﴿وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ﴾ اور بہرحال جب اس کو آزماتا ہے ﴿فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ﴾ پس تنگ کر دیتا ہے اس پر اس کا رزق ﴿فَيَقُوْلُ﴾ تو کہتا ہے ﴿رَبِّيْ اَهَانَنِ﴾ میرے رب نے میری توہین کی ہے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الفجر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں فجر کا لفظ موجود ہے۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام فجر ماخوذ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے نو (۹) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا دسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور تیس (۳۰) آیتیں ہیں۔

وَالْفَجْرِ کی تفسیریں

﴿وَالْفَجْرِ﴾ میں واؤ قسمیہ ہے۔معنٰی ہوگا قسم ہے فجر کی۔فجر سے کیا مراد ہے؟مفسرین کرام رحمہم اللہ اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد چھوٹی عید کی فجر ہے۔چونکہ رمضان شریف کے روزے ختم ہوئے ہیں اور رمضان شریف میں بڑی عبادت کی ہوتی ہے اس کے بعد آنے والی عید کا بڑا مقام ہے۔عید کی نماز بھی پڑھنی ہوتی ہے۔لہٰذا فجر سے مراد چھوٹی عید کی فجر ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ فجر سے مراد دسویں ذوالحجہ کی فجر ہے۔بڑی عید کی فجر مراد ہے۔دسویں ذوالحجہ کو حاجی قربانی کرتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ قربانی کرتے ہیں۔یہ دن بھی بڑی برکت والا ہے لہٰذا اس کی فجر مراد ہے۔

تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی فجر مراد ہے کہ نویں تاریخ کو لوگ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔یہ حج کے فرائض اور ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔لہٰذا عرفہ کی فجر مراد ہے۔اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ ہر فجر مراد ہے کہ یہ نورانی وقت ہوتا ہے لہٰذا اس وقت کی قسم ہے ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ اور قسم ہے دس راتوں کی۔اس سے کون سی راتیں مراد ہیں؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے:
اِلْتَمِسُوْهَا فِيْ عَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ "رمضان المبارک کے آخری عشرے میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔" تو ان دس راتوں کی بڑی فضیلت ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یکم ذوالحجہ سے لے کر دس ذوالحجہ کی دس راتیں مراد ہیں۔ان راتوں میں حج کے احکام ہوتے ہیں، احرام باندھتے ہیں، منٰی، عرفات، مزدلفہ پہنچتے ہیں۔گویا کہ یہ بڑی برکت والی راتیں ہیں۔

تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ محرم کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔کیوں کہ سال کا آغاز ہوتا ہے۔دس محرم کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دی تھی۔

﴿وَّالشَّفْعِ﴾ اور قسم ہے جفت کی ﴿وَالْوَتْرِ﴾ اور قسم ہے طاق کی۔اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جفت، طاق سے نمازیں مراد ہیں کہ فجر، ظہر، عصر، عشاء کی نمازیں جفت ہیں مغرب اور وتر طاق ہیں۔اور یہ معنٰی بھی کرتے ہیں کہ جفت سے مراد مخلوق ہے اور طاق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔کیوں کہ مخلوق میں نر بھی ہیں، مادہ بھی ہیں، کالے بھی ہیں، گورے بھی ہیں، بڑے قد کے بھی ہیں، چھوٹے قد کے بھی ہیں۔آسمان بلندی پر ہے اور زمین پستی پر ہے، رات ہے، دن ہے۔یہ سب جفت ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک لہ ہے اس کے مقابلے میں کوئی نہیں ہے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾ اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگتی ہے۔رات تاریک ہوتی ہے۔یہ رب تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک قدرت ہے۔یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ رات سے معراج والی رات مراد ہے۔﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا﴾

"پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو رات کے وقت۔" وہ رات بھی بڑی برکت والی راتوں میں سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے پہلا، دوسرا آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا بیداری کی حالت میں سیر کرائی۔ اور اسی رات پانچ نمازوں کا تحفہ بھی دیا۔

﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ﴾ یہاں ﴿هَلْ قَدْ﴾ کے معنیٰ میں ہے۔ تحقیق ان چیزوں میں قسم ہے ﴿لِّذِيْ حِجْرٍ﴾ عقل مندوں کے لیے۔ جواب قسم محذوف ہے۔ وہ ہے لَتُعَذَّبُنَّ يَا اَهْلَ (کُفّار) مَكَّةَ "تمھیں ضرور سزا دی جائے گی اے مکے والو!" جو رب ان چیزوں کے قائم کرنے پر قادر ہے وہ تمھیں اُٹھا بھی سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ ایک رویت ہوتی ہے آنکھ سے دیکھنا اور ایک رویت ہوتی ہے دل سے دیکھنا۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہاں رویت قلبی مراد ہے یعنی جاننا۔ تو ﴿اَلَمْ تَرَ اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ کے معنیٰ میں ہے۔ کیا آپ کے علم میں نہیں ہے ہمارے بتلانے کے ساتھ۔ کیوں کہ جب یہ واقعات ہوئے ہیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آنکھوں سے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا۔

قومِ عاد

تو فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا یعنی آپ کے علم میں نہیں ہے ﴿كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾ کیا کیا آپ کے رب نے عاد قوم کے ساتھ اِرَمَ جو ارم کی نسل سے تھی، عاد بن ارم بن سام بن نوح۔ عاد نوح علیہ السلام کا پڑپوتا تھا۔ اس سے آگے اتنی نسل چلی کہ مستقل خاندان بنے۔ یہ بڑے قد آور اور صحت مند تھے ذَاتِ الْعِمَادِ بڑے بڑے ستونوں والے۔ ان کے قد بڑے لمبے تھے اور اپنے قد کے مطابق انھوں نے مکان بنائے ہوئے تھے۔ مکانوں کے ستون بڑے بڑے ہوتے تھے ﴿الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ وہ عاد قوم کہ نہیں پیدا کیے گئے ان جیسے شہروں میں۔ ایسے قد آور اور صحت مند لوگ اللہ تعالیٰ نے شہروں میں پیدا ہی نہیں کیے۔ اور طاقتور اور مضبوط ہاتھوں والے تھے کہ کسی آدمی کی کھوپڑی پر ہاتھ ڈالتے تھے تو بھیجا نکال دیتے تھے، اس کی پسلیاں توڑ دیتے تھے۔

سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۳۰ میں ہے ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ﴾ "اور جب تم ہاتھ ڈالتے ہو کسی پر تو گرفت کرتے ہو ظلم کے ساتھ۔" دوسری قوموں کو للکارتے ہوئے کہتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ۱۵) "کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا۔"

ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ یہ احقاف کے علاقے میں رہتے تھے۔ جغرافیہ دان احقاف کے علاقے کی تعیین اس طرح کرتے ہیں کہ ایک طرف نجران اور دوسری طرف عمان ہے۔ تیسری طرف حضر موت اور چوتھی طرف بحرین ہے۔ ان کے درمیان کا جو علاقہ ہے وہ احقاف ہے۔ احقاف حقف کی جمع ہے۔ حقف کا معنیٰ ریت کا ٹیلا ہے۔ اس علاقے

میں ریت کے ٹیلے تھے اس لیے اس کو احقاف کہتے ہیں۔

ہود علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی تھوڑے سے لوگ مسلمان ہوئے باقی کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ یہ بارانی اور خشک علاقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح سزا دی کہ بارش روک لی نہری علاقوں اور چشموں والے علاقوں میں بھی بارش نہ ہو تو اثر پڑتا ہے۔ اور بارانی علاقوں میں بارش نہ ہو تو ان لوگوں کا بُرا حال ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ درخت خشک ہو گئے، کھیت تباہ ہو گئے، جانور مرنے لگ گئے، پانی کی تنگی کی وجہ سے لوگ دوسری جگہ منتقل ہونے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم پر لگاتار بارش برسائے گا تمھارے حالات سدھر جائیں گے۔ قوم نے کہا کہ اگر تیری وجہ سے بارش ہونی ہے تو ہمیں ایک قطرے کی بھی ضرورت نہیں ہے ہم تیری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

سورہ احقاف میں ہے کہ ان کو ایک بادل کا ٹکڑا نظر آیا بڑے خوش ہوئے۔ کہنے لگے ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا "یہ بادل ہے ہم پر بارش برسائے گا۔" ہمارے حالات سنور جائیں گے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ وہ بادل کا ٹکڑا جب قریب آیا تو اس سے آواز آئی:

رِمَادًا لَا تَذَرُ مِنْ عَادٍ اَحَدًا.

"عاد قوم کو خاک کر دے ان میں سے کسی ایک کو نہ چھوڑ۔"

یہ آواز انھوں نے اپنے کانوں سے سنی مگر توبہ نہیں کی اور اپنی کرتوتوں سے باز نہیں آئے۔ پھر ان بادلوں سے تند و تیز ہوا نکلی کہ ایک ہزار میل فی گھنٹہ کہو تو بھی کم ہے۔ ان بڑے بڑے قد والوں کو اُٹھا اُٹھا کر پھینک کر مار دیا ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ (سورۃ الحاقۃ: پارہ ۲۹) "گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہیں جو اکھاڑ کے پھینک دیئے گئے ہیں۔" اور سورۃ الذاریات آیت نمبر ۴۲ پارہ ۲۷ میں ہے ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ "نہیں چھوڑتی تھی وہ ہوا کسی چیز کو جس پر وہ چلتی تھی مگر کر دیتی تھی اس کو چورا چورا۔"

تو فرمایا کیا آپ نہیں جانتے کیا کیا آپ کے رب نے عاد قوم کے ساتھ جو ارم کی نسل سے تھے لمبے لمبے ستونوں والے کہ نہیں پیدا کیے ان جیسے شہروں میں ﴿وَثَمُوْدَ﴾ اور نہیں دیکھا آپ نے قوم ثمود کو، آپ کے علم میں نہیں ہے ﴿الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ﴾ صَخْرَ صَخْرَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چٹان۔ اور صَخْرَ کا معنیٰ ہے چٹانیں۔ معنیٰ ہوگا وہ ثمود قوم جنھوں نے تراشا چٹانوں کو ﴿بِالْوَادِ﴾ وادی القریٰ میں۔ اس علاقے کو حجر کہتے ہیں۔ یہ خیبر اور تبوک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے چٹانیں تراش تراش کے مکان بنائے تھے تا کہ زلزلے کی وجہ سے گریں نہ۔ بڑی بڑی چٹانیں تھیں ان میں پورا پورا مکان بن جاتا تھا۔ سونے کا کمرہ، مہمان خانہ، باورچی خانہ، ناچ گھر۔ ایک ایک مکان پر سو سو سال لگ جاتے تھے۔

ہمارے شاگرد فاضل نصرۃ العلوم مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ پرنسپل سے اجازت لے کر حجر کے علاقے میں

گئے۔قریب پہنچے تو وہاں چرواہے ملے، کچھ بوڑھے، کچھ جوان۔اُنھوں نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ حجر کے علاقے میں جارہے ہیں۔انھوں نے کہا لَا تَذْهَبُوْا "نہ جاؤ خدا کا عذاب آجائے گا۔" خیر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے وہاں جا کر دیکھا دوسو کے قریب چٹانوں میں کمرے بنے ہوئے تھے مگر بسنے والا کوئی نہیں تھا۔قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ نے ایک چیخ مسلط کی جس سے سب کے کلیجے پھٹ گئے اور ختم ہو گئے مگر صالح علیہ السلام کی بات نہیں مانی۔

﴿وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ﴾ اَوْتَاد وَتَدٌ کی جمع ہے۔ وتد کے معنیٰ ہیں میخ۔معنیٰ ہوگا فرعون کے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا کیا جو میخوں والا تھا۔یہ اتنا ظالم تھا کہ جب سزا دیتا تھا تو ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا تھا کہ آدمی ہل نہ سکے۔لوگوں میں مشہور تھا وہ بادشاہ جو بدن میں میخیں ٹھونک دیتا ہے۔

اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ اس کے خیموں کی میخیں سونے کی ہوتی تھیں ﴿الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ﴾ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی ﴿فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ﴾ پس بہت زیادہ کیا ان شہروں میں انھوں نے فساد۔قوم عاد نے بھی اور قوم ثمود نے بھی اور ظالم فرعون نے تو اپنا اقتدار بچانے کے لیے بارہ ہزار بچے قتل کرائے اور نوے ہزار حمل گرائے۔اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس سے خطرہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو فرعون کے گھر پال کر دکھایا۔فرمایا ﴿فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ پس پھینکا ان پر آپ کے رب نے عذاب کا کوڑا (تازیانہ عبرت تیرے رب نے ان کو لگایا)۔کسی پر ہوا مسلط کی، کسی پر زلزلہ، کسی پر چیخ اور فرعونیوں کو رب تعالیٰ نے بحر قلزم میں ڈبو دیا ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ بے شک آپ کا رب گھات میں ہے، نگرانی میں ہے۔مرصاد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بیٹھ کر آدمی اپنے دشمن کی نگرانی کرتا ہے کہ یہاں سے گزرے گا تو میں حملہ کروں گا۔تو معنیٰ ہوگا تمھارا رب نگرانی میں لگا ہوا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ﴾ پس بہر حال انسان ﴿اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ﴾ جب آزماتا ہے اس کو اس کا رب ﴿فَاَكْرَمَهٗ﴾ پس اس کو عزت دیتا ہے ﴿وَ نَعَّمَهٗ﴾ اور اس کو نعمت دیتا ہے۔مال دیا، اولاد دی، منصب اور عہدہ دیا تو بڑا خوش ہوتا ہے ﴿فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ﴾ تو کہتا ہے میرے رب نے میری عزت کی ہے۔وہ مال و دولت کو عزت سمجھتا ہے۔حالانکہ رب تعالیٰ مال و دولت دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے۔

مال و دولت اگر فی نفسہ عزت والی چیز ہوتی تو دنیا میں سب سے زیادہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملتی۔کیوں کہ مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی شخصیت کوئی نہیں ہے۔لیکن بارہا تم سن چکے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا وقت بھی آیا ہے کہ دو دو مہینے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر چولھا نہیں جلا کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دقل کھجوریں بھی ہمیں سیر ہو کر دو دن نہیں ملیں۔دقل کھجور بڑی سخت قسم کی ہوتی ہے دانتوں والا اس کو چبا سکتا ہے دوسرا نہیں۔لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں مال و دولت سے عزت ملتی ہے۔

﴿وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ﴾ اور بہر حال جب اس کو آزماتا ہے رب ﴿فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ﴾ پس تنگ کر دیتا ہے اس پر اس کا

رزق ﴿فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ﴾ تو کہتا ہے میرے رب نے میری توہین کر دی ہے۔ یعنی مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ رزق کی کمی میں ذلت ہے اور فراوانی میں عزت ہے۔ لیکن اس کا یہ نظریہ غلط ہے۔ کیوں کہ مال و دولت کی فراوانی عزت ہوتی تو فرعون و قارون سب سے زیادہ عزت والے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جس کا تقویٰ زیادہ ہوگا وہ عزت والا ہوگا۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: پارہ ۲۶) ”بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

ہاں! کسی کو اگر ایمان اور اچھے اعمال کے ساتھ ساتھ مال و دولت بھی مل جائے تو نور علیٰ نور ہے۔ محض دولت کوئی شے نہیں ہے۔ مومن ہے، حلال طیب طریقے سے کماتا ہے، رب تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، قربانی دیتا ہے، فطرانہ نکالتا ہے، عشر ادا کرتا ہے، حج ادا کرتا ہے، غریبوں کی امداد کرتا ہے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آزمائش سے محفوظ فرمائے۔

﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ﴾ بلکہ تم عزت نہیں کرتے یتیم کی ﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ﴾ اور نہیں ابھارتے تم ﴿عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ﴾ مسکین کے کھانے پر ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ﴾ اور کھاتے ہو تم وراثت ﴿اَكْلًا﴾ کھا جانا ﴿لَّمًّا﴾ سمیٹ کر ﴿وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ﴾ اور محبت کرتے ہو تم مال کے ساتھ ﴿حُبًّا جَمًّا﴾ بہت زیادہ محبت ﴿كَلَّاۤ﴾ خبردار ﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ﴾ جب کوٹ دیا جائے گا زمین کو ﴿دَكًّا دَكًّا﴾ کوٹا جانا ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ﴾ اور آئے گا تیرا رب ﴿وَالْمَلَكُ﴾ اور فرشتے ﴿صَفًّا صَفًّا﴾ صف بہ صف ﴿وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍ﴾ اور لایا جائے گا اس دن ﴿بِجَهَنَّمَ﴾ جہنم کو ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اس دن ﴿یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ﴾ یاد کرے گا انسان ﴿وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ اور کہاں فائدہ دے گا اس کو یاد کرنا ﴿یَقُوْلُ﴾ کہے گا ﴿یٰلَیْتَنِیْ﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ﴾ کچھ آگے بھیجا ہوتا زندگی میں ﴿فَیَوْمَىٕذٍ﴾ پس اس دن ﴿لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾ نہیں سزا دے گا رب جیسی سزا کوئی ﴿وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ﴾ اور نہیں جکڑے گا اس جیسا کوئی جکڑنا ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ﴾ اے اطمینان والے نفس! ﴿ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ﴾ لوٹ آ اپنے رب کی طرف ﴿رَاضِیَةً﴾ تم اس سے راضی ﴿مَّرْضِیَّةً﴾ وہ تجھ سے راضی ﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴾ پس داخل ہو جاؤ میرے بندوں میں ﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

اکثر مقامات پر جو کوتاہیاں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے۔ شاذ و نادر ہی کوئی ملک اور کوئی علاقہ ان کوتاہیوں سے خالی ہو۔

فرمایا ﴿كَلَّا﴾ خبردار! ﴿كَلَّا﴾ کا معنیٰ خبردار بھی ہے اور حقًّا بھی ہے۔ یعنی پکی بات ہے ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ﴾ بلکہ

تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، اس کی خبر گیری نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں مال دیا ہے تمھارے عزیزوں، رشتہ داروں میں، محلے والوں میں سے، ملک والوں میں سے کوئی یتیم ہے تو اس کی دیکھ بھال کرنا، نگرانی کرنا، اس کی ضروریات پورا کرنا تمھاری ذمہ داری ہے مگر تم پوری نہیں کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ تمھارے رزق میں تنگی کر دیتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو تمھارے ساتھ کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔

دوسرا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ تم یتیم کا حصہ بھی خود کھا جاتے ہو۔ اس کا حصہ دیانت داری کے ساتھ اس کو نہیں دیتے۔ اس کا حق مار لیتے ہو۔ تم یتیم کا خیال نہیں رکھتے۔ دیکھو! بوسنیا، چیچنیا کو ظالموں نے تباہ کیا، خون کی ہولی کھیلی، بچے یتیم ہوئے۔ ان یتیم بچوں کے بارے میں مسلم تنظیموں نے اعلان کیا کہ ان کی کوئی تربیت کرے۔ مسلمان حکومتوں نے صرف شلغموں سے مٹی جھاڑی اور خاص انتظام نہ کیا۔ کافی تعداد میں بچوں کو انگریز لے گیا۔ وہ ان کو انگریز ہی بنائے گا۔ حالانکہ یہ مسلمان حکومتوں کا فریضہ تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں یتیم بچے تھے۔ بعض مدارس نے کچھ انتظام کیا۔ مثلاً: اکوڑہ خٹک میں ہزار بارہ سو بچوں کا انتظام کیا گیا۔ دو چار اور مدرسے ہیں جنھوں نے کچھ بچے لیے۔ اکثر بچوں کو انگریز لے گیا حالانکہ وہ مسلمانوں کے بچے ہیں۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں خبردار! بلکہ تم یتیموں کا خیال نہیں رکھتے، یتیموں کا حق نہیں دیتے۔ ایک کوتاہی یہ ہے۔

دوسری کوتاہی: ﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ اور نہیں ابھارتے نہیں ترغیب دیتے تم مسکین کے کھانے پر۔ رب تعالیٰ نے تمھیں مال دیا ہے تو یتیم مسکین کو کھانا کھلاؤ، لباس کا انتظام کرو، اس کی ضروریات پوری کرو اور اگر خود توفیق نہیں ہے تو دوسروں کو آمادہ کرو کہ یہ مسکین ہے اس کا خیال رکھو۔ خیال رکھنے والے ہیں مگر نسبتاً بہت کم ہیں۔ جس طرح ہونا چاہیے تھا اس طرح نہیں ہو رہا۔

تیسری کوتاہی: ﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا﴾ اور کھا جاتے ہو تم وراثت کو کھا جانا سمیٹ کر۔ اپنا حصہ بھی کھا جاتے ہو اور دوسروں کا حصہ بھی کھا جاتے ہو۔ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، بیٹیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ انگریز کے زمانے میں جو زمینیں تقسیم ہوئی ہیں وہ بالکل غلط ہوئی ہیں۔ متحدہ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اور چار پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس وقت کے علماء نے وراثت کے متعلق تحریک چلائی کہ شریعت کے مطابق وراثت تقسیم ہونی چاہیے۔ انگریز بڑا چالاک اور نباض تھا۔ اس کو علم تھا کہ نوابوں نے شرعی تقسیم کو قبول نہیں کرنا۔ اس نے سوال نامہ جاری کیا کہ حکومت کے پاس یہ مطالبہ آیا ہے کہ مسلمانوں کی وراثت شریعت کے مطابق تقسیم ہو۔ تم لوگ اپنی رائے دو۔ صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں شرعی وراثت کا قاعدہ منظور نہیں ہے۔ بلوچستان، سرحد، بنگلہ دیش نے کہا کہ ہمیں منظور ہے۔

تو اس غلط تقسیم کے تحت جو زمینیں لوگوں کے پاس جدی پشتی آ رہی ہیں وہ بالکل ناجائز ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعاً سرخرو نہیں ہوں گے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے ہمیں تو اوپر سے وراثت میں ملی ہیں۔ یاد رکھنا! وراثت ایک ایسی چیز ہے جو پوتا پڑپوتا نیچے تک جاتی ہے قیامت تک جس کا حق ہے وہ اسی کا حق ہے۔ اوپر والے مر گئے ان کا جو حق بنتا تھا ان کے پوتے پڑپوتے جو بھی اس وقت موجود ہیں ان کے حوالے کرو ورنہ عند اللہ گرفت ہوگی اور کوئی عذر قبول

نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حق مقرر کیا ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی۔

تو رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میراث کھا جاتے ہو سمیٹ کر نہ بہنوں کا حق دیتے ہو نہ پھوپھیوں کا نہ بیٹیوں کا حق دیتے ہو۔

چوتھی کوتاہی: ﴿وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ اور تم مال سے محبت کرتے ہو بہت زیادہ۔ حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ جائز طریقے سے مال آئے تو بُرا نہیں ہے۔ لیکن حلال حرام کی تمیز کے بغیر آئے گا تو وبال ہے۔ اور آج یہ تمیز بالکل اُٹھ گئی ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار کوتاہیاں بیان فرمائی ہیں اور یہ اکثر ملکوں اور علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔

فرمایا ﴿كَلَّآ﴾ خبردار! ﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾ جب زمین کو کوٹ دیا جائے گا کوٹ دیا جانا۔ کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ یہ تمام پہاڑ اُٹھا دیئے جائیں گے، گڑھے پُر کر دیئے جائیں گے ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۷) "اور نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا۔" زمین میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی اور نہ کوئی موڑ ہوگا ﴿صَفْصَفًا﴾ بالکل ہموار ہوگی۔ ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بہ صف۔ رب تعالیٰ کے آنے کے بارے میں ایک مسلک متقدمین کا ہے اور ایک متاخرین کا ہے۔ تیسری صدی تک کے محدثین اور فقہاء متقدمین کہلاتے ہیں۔ اور تیسری صدی سے بعد کے جو فقہاء اور محدثین ہیں وہ متاخرین کہلاتے ہیں۔

متقدمین کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ آئے گا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور عدالت کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ ہمیں حقیقت کا علم نہیں ہے۔ مثلاً: قرآن کریم میں ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ "رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔" کیسے ہے؟ ہم کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے کہ میں مصلے پر بیٹھا ہوں آپ حضرات دریوں پر بیٹھے ہیں، کوئی کرسی پر بیٹھتا ہے، ایسا نہیں ہے۔ جیسے اس کی شان کے لائق ہے بیٹھا ہے۔ اسی طرح آنا جو اس کی شان کے لائق ہوگا۔ ہم اس سے زیادہ نہیں جانتے اور نہ سمجھنے کے پابند ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات اور خوبیاں ہمارے احاطہ علم سے باہر ہیں۔

اور متاخرین فرماتے ہیں کہ ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ﴾ سے مراد جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ ہے۔ یعنی آپ کے رب کا حکم آئے گا۔ جیسے استوی علی العرش سے مراد حکمرانی لیتے ہیں۔ یعنی عرش پر بیٹھنے کا مطلب ہے کنٹرول کہ کائنات کو پیدا بھی اس نے کیا ہے اور اس پر حکمرانی بھی خود کرتا ہے۔ اس نے اپنے اختیارات میں سے ایک رتی بھی کسی کو نہیں دی۔ سارے رب تعالیٰ کے محتاج ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (فاطر:۱۵) "اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ تعالیٰ کی طرف اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے۔"

تو یہ حضرات حقیقت پر محمول نہیں کرتے بلکہ نتیجہ اور پھل مراد لیتے ہیں۔ اور یہ بات بھی کئی دفعہ بیان ہو چکی ہے کہ صرف اتنا ہی نہیں ماننا کہ رب تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ماننا ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:۴) "اور وہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔" اور سورۃ قٓ پارہ ۲۶ میں ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

الْوَرِیۡدِ﴾ ”اور ہم زیادہ قریب ہیں اس سے اس کی دھڑکتی ہوئی رگ سے۔“ یعنی شاہ رگ سے جسے رگِ جان کہتے ہیں۔ جو دماغ سے دل تک پہنچتی ہے۔ اور سورت واقعہ میں ہے ﴿وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ ”لیکن تم نہیں دیکھتے۔“ رب تعالیٰ کی ذات اس جہان میں نظر نہیں آتی۔ ہاں! قدرتوں کے ذریعے پہچانی جاتی ہے۔ زمین دیکھو، سورج چاند ستارے دیکھو، پہاڑ دیکھو، حیوان دیکھو!

وَفِیۡ کُلِّ شَیۡءٍ لَهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ.

”اور ہر شے میں اس کے لیے دلیل ہے جو دلالت کر رہی ہے کہ وہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔“

تو فرمایا آئے گا آپ کا رب جو اس کی شان کے لائق ہے اور فرشتے صف بہ صف ﴿وَجِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ﴾ اور لایا جائے گا اس دن جہنم کو۔ ستر ہزار فرشتے جہنم کو کھینچ کر رب تعالیٰ کے سامنے عدالت میں پیش کریں گے تاکہ سب اس کا منظر دیکھ لیں۔

سورۃ الشعراء آیت نمبر ۹۱ میں ہے ﴿وَبُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ﴾ ”اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔“ اور مومنوں کے سامنے جنت کا نظارہ ہوگا ﴿وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ﴾ ”اور قریب کر دیا جائے گا جنت کو پرہیزگاروں کے لیے۔“

﴿یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ﴾ اس دن یاد کرے گا انسان اپنی کوتاہیوں کو ﴿وَاَنّٰی لَهُ الذِّکۡرٰی﴾ اور کہاں فائدہ دے گا اس کو یاد کرنا۔ اس دن کوتاہیاں، کمیاں یاد آئیں گی لیکن کیا فائدہ؟

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اب ندامت، شرمندگی، پشیمانی ہی پشیمانی ہے۔ ﴿یَقُوۡلُ﴾ کہے گا انسان ﴿یٰلَیۡتَنِیۡ﴾ ہائے افسوس مجھ پر ﴿قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ﴾ کچھ آگے بھیجتا زندگی میں۔ میں اپنی اس زندگی کے لیے کچھ نیکیاں بھیج دیتا۔ اب تو واویلے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ﴾ ”اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو۔“ پھر ان کے پیچھے بھاگے گا جن مذہبی پیشواؤں اور سیاسی لیڈروں نے گمراہ کیا تھا۔ اور کہے گا ﴿اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا﴾ (الاحزاب: ۶۷) ”بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی پس انھوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ اے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر لعنت بھیج بڑی لعنت۔“ رب تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تمھیں عقل نہیں دی تھی؟ دنیا میں تمھیں میلا کچیلا نوٹ کوئی پکڑائے تو تم اس کو لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ کہتے ہو بھائی! اس کو بدل دو۔ اتنی سمجھ تو ہے بندے کو کہ کھوٹا سکہ اور پھٹا ہوا نوٹ لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اور گندے عقیدے اور گندے اعمال دامن میں باندھے ہوئے ہیں، سوچ نہیں سکتے؟ کوئی آدمی قیامت والے دن معذور نہیں ہوگا سوائے پاگلوں کے کیوں کہ مدارِ عقل پر ہے۔

﴿فَیَوۡمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾ اس دن نہیں سزا دے گا رب جیسی کوئی سزا۔ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ جس میں جلیں گے اور مارنا مقصود ہو تو اس آگ کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن ﴿لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی﴾ ”نہ مرے گا اس میں اور نہ جیے گا۔“ ﴿وَّلَا یُوۡثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ﴾ اور نہیں جکڑے گا اس جیسا کوئی جکڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہوں گی اور گلے میں طوق ہوں گے ﴿فِیۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡهُ﴾ (الحاقہ: پارہ ۲۹) ”ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی

ستر گز ہے جکڑ دو اس کو۔"

فرمایا ﴿یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ﴾ اے اطمینان والے نفس! ﴿ارْجِعِیْۤ﴾ لوٹ ﴿اِلٰى رَبِّكِ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً﴾ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ قرآن پاک میں تین قسم کے نفس بیان ہوئے ہیں۔

① نفس امّارہ ② نفس لوّامہ ③ اور نفس مطمئنہ

① نفس امّارہ وہ ہے جو ہر وقت بدی کا حکم دیتا ہے۔ ہر وقت بدی کا خیال رہتا ہے۔

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ (پارہ ۱۳)

"بے شک نفس بہت حکم دیتا ہے برائی کا۔"

دن رات مکر و فریب، جھوٹ ہی میں لگا رہتا ہے۔

② نفس لوّامہ وہ ہے جو غلطی ہونے پر ملامت کرتا ہے کہ تو نے بُرا کام کیا ہے۔ بُرائی کو بُرائی سمجھتا ہے۔ یہ بھی اچھا ہے۔

③ نفس مطمئنہ وہ ہے جو نیکیوں میں لگا رہتا ہے بُرائیوں کے قریب نہیں جاتا۔ عقیدہ صحیح، نماز، روزہ اور سب اعمال دین حق کے مطابق ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے نفس مطمئنہ! لوٹ آ اپنے رب کی طرف، تو رب سے راضی، رب تجھ سے راضی ﴿فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ﴾ پس داخل ہو جاؤ میرے بندوں میں جو جنت میں ہیں ﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس مطمئنہ عطا فرمائے اور بُرے کاموں سے سب کو بچائے اور محفوظ فرمائے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡبَلَدِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ (۳۰)

آیاتُہا ۲۰ سُوْرَۃُ الْبَلَدِ مَکِّیَّۃٌ (۹۰) (۳۵) رُکُوعَاتُہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ میں قسم اٹھاتا ہوں ﴿بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اس شہر کی ﴿وَ اَنْتَ﴾ اور اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ﴿حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اُترے ہیں اس شہر میں ﴿وَوَالِدٍ﴾ اور قسم ہے والد کی ﴿وَّمَا وَلَدَ﴾ اور جو اس نے جنا ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿فِیْ كَبَدٍ﴾ مشقت میں ﴿اَیَحْسَبُ﴾ کیا انسان خیال کرتا ہے ﴿اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ﴾ کہ ہرگز قادر نہیں ہے اس پر کوئی ﴿یَقُوْلُ﴾ کہتا ہے ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ میں نے ہلاک کیا مال ڈھیر ﴿اَیَحْسَبُ﴾ کیا وہ خیال کرتا ہے ﴿اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ﴾ کہ نہیں دیکھا اس کو کسی نے ﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ﴾ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے ﴿عَیْنَیْنِ﴾ دو آنکھیں ﴿وَلِسَانًا﴾ اور زبان ﴿وَّ شَفَتَیْنِ﴾ اور دو ہونٹ نہیں دیئے ﴿وَهَدَیْنٰهُ﴾ اور ہم نے راہ نمائی کی اس کی ﴿النَّجْدَیْنِ﴾ دو راستوں کی ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾ پس نہ چڑھا گھاٹی پر ﴿وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ وہ گھاٹی کیا ہے ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ گردن کو آزاد کرنا ہے ﴿اَوْ اِطْعٰمٌ﴾ یا کھانا کھلانا ہے ﴿فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ﴾ بھوک والے دن میں ﴿یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ ایسے یتیم کو جو قرابت دار ہو ﴿اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ یا مسکین کو جو خاک آلود ہو ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ پھر ہو ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں ﴿وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ اور ایک دوسرے کو رحم کی وصیت کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ﴾ یہی لوگ ہیں دائیں ہاتھ والے ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ﴿هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں ﴿عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ان پر آگ ہوگی بند کی ہوئی۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام ہے سورۃ البلد۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں بلد کا لفظ موجود ہے۔ اسی سے سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ چونتیس (۳۴) سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس کا پینتیسواں (۳۵) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بیس (۲۰) آیتیں ہیں۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ عربی زبان میں قسم سے پہلے لا آئے تو وہ زائدہ ہوتا ہے اس کا معنیٰ نہیں ہوتا۔

﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ کا معنٰی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں۔ لا کا معنٰی نہیں کریں گے ﴿بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اس شہر کی یعنی مکہ مکرمہ کی جہاں قرآن پاک نازل ہوا ہے ﴿وَ اَنْتَ﴾ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ﴿حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اُترے ہیں اس شہر میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اس شہر میں ہوئی اور ولادت کے بعد ترپین سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر میں رہے۔ پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ دس سال مدینہ طیبہ میں گزارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل عمر مبارک تریسٹھ سال ہوئی۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلال کرنے والے ہیں اس شہر کو۔ مکہ مکرمہ میں لڑائی جھگڑا حرام ہے۔ فتنہ فساد، جانور کو مارنا، یہاں تک کہ درخت کاٹنا بھی ممنوع ہے۔ لیکن ۸ ھ میں سورج کے طلوع ہونے سے لے کر عصر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لڑائی حلال کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے یہ شہر حرمت والا ہے یہاں پر لڑائی جائز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تھوڑی دیر کے واسطے حلال قرار دی ہے۔ اس کے بعد قیامت تک اس شہر میں لڑائی حلال نہیں ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں، منٰی، عرفات، مزدلفہ میں، جہاں اجتماعات تھے۔ فرمایا سنو! رب تعالیٰ نے میرے لیے لڑنا حلال کیا تھا اس سے پہلے کسی کے لیے مکہ میں لڑنا حلال نہیں تھا اور اس کے بعد قیامت تک کے لیے کسی کے لیے لڑنا حلال نہیں ہے اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ "میرے لیے دن کے ایک حصے میں لڑائی حلال کی گئی۔" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ اس تفسیر کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ پیش گوئی تھی کہ آج تو آپ مجبور ہو کر اس شہر کو چھوڑ رہے ہیں مگر ایک وقت آئے گا کہ جب آپ کے لیے اس شہر میں لڑائی جائز ہوگی۔

تو فرمایا آپ اترے ہیں اس شہر میں ﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ اور قسم ہے والد کی اور جو اس نے جنا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿مَا وَلَدَ﴾ سے ان کی اولاد مراد ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخصیص نہیں ہے۔ کیوں کہ جنات میں بھی والد ہیں، حیوانات میں بھی والد ہیں۔ کائنات میں جو جننے والی مخلوق ہے سب میں والد ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان سب کی قسم اُٹھائی ہے۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم اُٹھائے مگر اللہ تعالیٰ پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔ وہ کسی شہر کی قسم اُٹھائے، کسی جگہ کی قسم اُٹھائے، زیتون اور تین کی قسم اُٹھائے، طور کی قسم اُٹھائے، عصر کی قسم اُٹھائے۔ مخلوق کے لیے قانون بیان کیا ہے کہ مَنْ حَلَفَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ "جس نے غیر اللہ کی قسم اُٹھائی اس نے شرک کیا۔" پیغمبر، کعبہ، دودھ، بیٹا، سب غیر اللہ ہیں کسی کی بھی قسم جائز نہیں ہے۔ باپ، پیر بھی غیر اللہ ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے مَنْ قَالَ بِاللَّاتِ فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "جس نے کہا مجھے لات کی قسم ہے تو وہ فوراً پڑھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ "اور مسلمان ہو جائے۔

تو فرمایا قسم ہے والد کی اور جو اس نے جنا۔ جواب قسم ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾ البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا

انسان کو مشقت میں۔ انسان کو ہر جگہ مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ کبھی بیمار، کبھی تندرست، کبھی بھوکا، کبھی پیاسا، کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی مالی پریشانی، کبھی ذہنی پریشانی، کبھی کوئی تکلیف، کبھی کوئی تکلیف۔ دنیا میں چاہے کوئی امیر ہے یا غریب ہے تکلیف اور صدمہ اُٹھائے گا۔

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے لغت کے امام گزرے ہیں۔ اُنھوں نے شاگردوں سے کہا کہ میرا ایک شعر لکھ لو:

عِشْ مُوْسِرًا اِنْ شِئْتَ اَوْ مُعْسِرًا

لَا بُدَّ فِی الدُّنْیَا مِنَ الْهَمِّ

"زندگی گزار مال دار ہو کر یا تنگ دست ہو کر پریشانی ضرور آتی ہے۔"

ہم غریب یہ سمجھتے ہیں کہ مال دار لوگ بڑی عیش وعشرت میں ہیں۔ یقین جانو! امیروں کے حالات سن کر ہم کہتے ہیں کہ شکر ہے ہم غریب ہیں۔ تو فرمایا ہم نے پیدا کیا انسان کو مشقت میں۔

شانِ نزول

اگلی آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بڑا چودھری تھا جس کی کنیت ابو الاشد نام اُسید اور والد کا نام کلدہ تھا۔ بڑا وزنی (زور آور) پہلوان تھا۔ اُونٹ کا چمڑا پاؤں کے نیچے رکھ کے کہتا تھا کہ میرے پاؤں کے نیچے سے چمڑا کھینچو! آٹھ آٹھ، دس دس آدمی، بیس بیس آدمی مل کر کھینچتے چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر پاؤں کے نیچے سے کھینچ نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال بھی بہت دیا تھا۔ اس مال کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف خرچ کرتا تھا۔ زبان آور پروپیگنڈا کرنے والوں کو بلا کر پیسے دیتا اور مختلف علاقوں اور گلیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کراتا (جس آدمی کے بارے میں خطرہ ہوتا کہ یہ مسلمان ہو جائے گا اس کو مال دے کر اسلام قبول کرنے سے روکتا۔) اور پھر وہ اس پر فخر کرتا اور کہتا کہ میں نے اسلام کے مقابلے کے لیے بڑا مال خرچ کیا ہے۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَیَحْسَبُ﴾ کیا وہ خیال کرتا ہے ﴿اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ﴾ کہ ہرگز اس پر کوئی قادر نہیں ﴿یَقُوْلُ﴾ کہتا ہے ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ میں نے ہلاک کیا، خرچ کیا مال ڈھیر ﴿اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ﴾ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ نہیں دیکھا اس کو کسی نے۔ پروردگار اس کو دیکھنے والا نہیں ہے کہ کس کس کو خفیہ طور پر مال دے رہا ہے پروپیگنڈے کے لیے۔ اور پھر بیٹھ کر فخر کرتا ہے کہ میں نے اتنا مال خرچ کیا ہے۔ مال تجھے رب نے دیا تھا کسی اچھی جگہ لگاتا۔ اُلٹا تو رب تعالیٰ کے پیغمبر کی مخالفت میں خرچ کر رہا ہے۔

اسی واسطے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۷) "بے شک بے جا خرچ کرنے والے لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔" شیطانوں کے بھائی اس لیے ہیں کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے قوت دی، طاقت دی۔

اس قوت اور طاقت سے نیکی کرتا لیکن اس نے وہ طاقت بُرائی میں خرچ کر دی۔ اسی طرح مال دار کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اچھے کاموں پر خرچ کرتا۔ اس نے بُرے کاموں پر لگا دیا اور دھکے سے شیطان کا بھائی بن گیا۔

فرمایا ﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴾ کیا نہیں بنائیں ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ آنکھوں کی قدر اندھے سے پوچھو ﴿ وَلِسَانًا ﴾ اور زبان نہیں دی کلام کرنے کے لیے۔ اس کی قدر گونگے سے پوچھو کہ دل کی بات بتلانا چاہتا ہے اشاروں کے ساتھ مخاطب نہیں سمجھتا تو پریشان ہو جاتا ہے۔ تجھے رب تعالیٰ نے زبان دی ہے اظہار مافی الضمیر کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے ﴿ وَّ شَفَتَیْنِ ﴾ اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔ ہونٹوں کے بغیر انسان ابوامی نہیں کہہ سکتا ہے۔ ہونٹوں کے بغیر پانی پیے گا تو نیچے گرے گا (اور ہونٹوں کے بغیر جو شکل بنتی ہے اس کا تصور خود کر لو۔)

اور نعمت: ﴿ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴾ اور ہم نے راہ نمائی کی اس کی دو گھاٹیوں کی، دو راستوں کی۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ خیر اور شر کا راستہ مراد ہے۔ ہم نے عقل دی، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں۔ ہر دور میں حق کی آواز بلند کرنے والے بھیجے جن کے ذریعے خیر اور شر کا راستہ بتلایا کہ یہ جنت کا راستہ ہے اور یہ دوزخ کا راستہ ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ نجدین سے مراد ماں کے پستان ہیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پستان چوسنے لگ جاتا ہے۔ یہ اس کو کس نے بتلایا ہے کہ اب تیری غذا یہاں ہے اور اس طرح تو نے حاصل کرنی ہے وہ کس کالج سے پڑھ کر آیا ہے؟ یہ رب تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ڈال دیا ہے ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾ پس نہ چڑھا وہ گھاٹی پر۔ عقبہ اصل میں ایسے پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر چڑھنا مشکل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انسان گھاٹی پر نہیں چڑھا ﴿ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ گھاٹی یہ ہے ﴿ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴾ گردن کو آزاد کرنا ہے۔ یعنی غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔ جس طرح گھاٹی پر چڑھنا مشکل ہے اسی طرح یہ کام کرنا بھی مشکل ہے۔ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھتے ہوئے آدمی تنگ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کام کرتے ہوئے بھی انسان کو گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ یہ کام وہی کرتا ہے جس کو رب تعالیٰ توفیق اور ہمت دے۔ غلام اور لونڈی کو آزاد کرنا بڑی نیکیوں میں سے ہے۔

میرے علم میں نہیں ہے کہ ہمارے دور میں کسی ملک میں شرعی غلام ہو۔ پہلے ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ تو آج کل چل رہا ہے کہ زبردستی کسی کو یہاں سے اُٹھا کر سندھ میں بیچ دیا یا دوسری ریاستوں کو بیچ دیا (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔) بدمعاش اور بدقماش قسم کے لوگ یہ کاروبار کرتے ہیں۔ بلکہ آج کل تو مردے بھی بیچتے ہیں۔ رب جانے اُنھوں نے مردوں سے کیا نکالنا ہے۔ یہ مردہ فروشی کا کام بہت سے ملکوں میں ہو رہا ہے۔ ایسا دور آ گیا ہے کہ نعشیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

﴿ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴾ یا کھانا کھلانا ہے بھوک والے دن۔ کس کو؟ ﴿ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴾ یتیم کو جو قرابت دار ہو۔ ایک یتیم ہونے کی وجہ سے اور دوسرا اپنا قریبی ہونے کی وجہ سے دوہرا ثواب ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت! میں کبھی نفلی صدقہ کرتی ہوں تو کیا میں اپنے پہلے

خاوند ابوسلمہ کی اولاد کو دے دیا کروں کہ ان کا والد کوئی جائیداد نہیں چھوڑ گیا اور کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھے ڈبل ثواب ملے گا۔ ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ قریبی رشتہ دار مستحق ہو تو اس کو صدقہ دینے سے دس کے بجائے بیس نیکیاں ملتی ہیں ﴿اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ یا مسکین کو جو خاک آلود ہو، مٹی میں ملا ہوا مسکین یعنی وہ بے چارہ اتنا بھوکا ہے کہ کھڑا نہیں ہوسکتا گر پڑتا ہے، مٹی میں ملا ہوا ہے۔

اور یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی دری چادر وغیرہ نہیں ہے جو اپنے نیچے بچھائے۔ بس وہ مٹی پر لیٹ جاتا ہے ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پھر وہ غلام، لونڈیوں کو آزاد کرنے والا، یتیموں، مسکینوں کو کھانا کھلانے والا ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے۔ کیوں کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں صبر کی تکلیفوں میں۔ ان میں سے ہو کہ بھائی! دین کے معاملے میں تکلیفیں بھی آتی ہیں صبر کرو ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں رحم کی کہ غلاموں پر شفقت کرو، پڑوسیوں کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آؤ بلکہ ساری مخلوق پر شفقت کرو ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ یہی لوگ ہیں دائیں ہاتھ والے کہ جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اور پہلے پڑھ چکے ہو کہ جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ خوشیاں مناتے ہوئے کہے گا ﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ﴾ (الحاقہ:۱۹) "میرا اعمال نامہ پڑھ لو۔"

آگے دوسری مد کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ﴿هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاسکے گی ﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ان پر آگ جو موند دی جائے گی۔ آگ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ باہر کی ہوا تک نہ آئے گی۔ وہاں سے نکلنے کا کبھی موقع نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کفروشرک اور بداعمالیوں سے بچائے اور محفوظ رکھے اور ایمان اور اچھے اعمال پر قائم ودائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الشَّمۡسِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۱۵ سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ (۹۱) (۲۶) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالشَّمْسِ﴾ قسم ہے سورج کی ﴿وَ ضُحٰهَا﴾ اوراس کی روشنی کی ﴿وَالْقَمَرِ﴾ اور قسم ہے چاند کی ﴿اِذَا تَلٰهَا﴾ جس وقت وہ سورج کے پیچھے آتا ہے ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور قسم ہے دن کی ﴿اِذَا جَلّٰهَا﴾ جب وہ سورج کو روشن کر دے ﴿وَالَّیْلِ﴾ اور قسم ہے رات کی ﴿اِذَا یَغْشٰهَا﴾ جب وہ ڈھانپ لیتی ہے ﴿وَالسَّمَآءِ﴾ اور قسم ہے آسمان کی ﴿وَ مَا بَنٰهَا﴾ اوراس ذات کی جس نے اس کو بنایا ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور قسم ہے زمین کی ﴿وَ مَا طَحٰهَا﴾ اوراس ذات کی جس نے اسے پھیلایا ہے ﴿وَ نَفْسٍ﴾ اور قسم ہے نفس کی ﴿وَّ مَا سَوّٰىهَا﴾ اوراس ذات کی جس نے اس کو درست کیا ﴿فَاَلْهَمَهَا﴾ پس الہام کر دیا اس نفس کو ﴿فُجُوْرَهَا﴾ اس کی بدکاری کا ﴿وَ تَقْوٰىهَا﴾ اور اس کی پرہیز گاری کا ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ تحقیق فلاح پا گیا ﴿مَنْ زَكّٰىهَا﴾ جس نے اس کو پاک کرلیا ﴿وَ قَدْ خَابَ﴾ اور تحقیق نامراد ہوا ﴿مَنْ دَسّٰىهَا﴾ جس نے اس کو گناہ میں چھپا دیا ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ﴾ جھٹلایا قوم ثمود نے ﴿بِطَغْوٰىهَاۤ﴾ اپنی سرکشی کی وجہ سے ﴿اِذِ انْۢبَعَثَ﴾ جس وقت اُٹھ کھڑا ہوا ﴿اَشْقٰىهَا﴾ ان میں سے ایک بدبخت ﴿فَقَالَ لَهُمْ﴾ پس کہا ان کو ﴿رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول نے ﴿نَاقَةَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی اُونٹنی کا خیال رکھنا ﴿وَ سُقْیٰهَا﴾ اور اس کے پانی پینے کا ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس اُنھوں نے جھٹلایا نبی کو ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ پس کاٹ دیں اُونٹنی کی ٹانگیں ﴿فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ﴾ پس اُلٹ دیا اُن پر ﴿رَبُّهُمْ﴾ اُن کے رب نے عذاب ﴿بِذَنْۢبِهِمْ﴾ ان کے گناہوں کی وجہ سے ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ پھر برابر کر دیا ﴿وَ لَا یَخَافُ عُقْبٰهَا﴾ اور نہیں ڈرتا وہ اس کے انجام سے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الشمس ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں شمس کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے پچیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا چھبیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور پندرہ آیتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سورج بھی بہت بڑی شے ہے۔ اس کے فائدے سے کوئی شخص بے خبر نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اُٹھائی ہے۔ فرمایا ﴿وَالشَّمْسِ﴾ قسم ہے سورج کی ﴿وَ ضُحٰهَا﴾ اوراس کی روشنی کی۔ ایک سورج کا جسم ہے کہ وہ بھی بہت بڑا ہے اوراس کی روشنی اور حرارت ہے۔ رب تعالیٰ نے سورج کی حرارت اور تپش کے ساتھ بہت سے فوائد

رکھے ہیں۔انسانوں اور حیوانوں کی صحت ،فصلوں کی نشوونما، پھلوں کا پکنا وغیرہ۔

﴿وَالْقَمَرِ﴾ اور قسم ہے چاند کی ﴿اِذَا تَلٰىهَا﴾ جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے۔سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند کی روشنی ہوتی ہے اور وہ اپنی چمک دمک دکھاتا ہے۔ تَلَا یَتْلُوْا تِلُوًّا کا معنیٰ ہوتا ہے پیچھے آنا۔ ﴿وَالنَّهَارِ﴾ اور قسم ہے دن کی۔ ﴿اِذَا جَلّٰىهَا﴾ جب وہ سورج کو روشن کر دے۔ روشن تو سورج کرتا ہے جوں جوں دن چڑھتا ہے سورج کی روشنی نمایاں ہوتی جاتی ہے(تو دن کی طرف اسناد مجازی ہے)۔ سورج کی روشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے اس سبب سے دن کی طرف نسبت کی ہے۔ ﴿وَالَّيْلِ﴾ اور قسم ہے رات کی ﴿اِذَا يَغْشٰىهَا﴾ جب وہ سورج کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جب وہ اس پر چھا جاتی ہے۔رات جب آتی ہے تو اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونوں میں سے ہے سورج، چاند، دن، رات۔

﴿وَالسَّمَآءِ﴾ اور قسم ہے آسمان کی ﴿وَمَا بَنٰىهَا﴾ اور اس ذات کی جس نے آسمان کو بنایا ہے۔آسمان کتنا بلند ہے اور نیچے ستون وغیرہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کو سہارا دینے والی ہو۔بعض حضرات ما کو مصدر یہ بناتے ہیں۔ پھر معنیٰ ہوگا قسم ہے آسمان کی اور اس کو بنانے والے کی کہ صاف اور وسیع ہے ﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا﴾ اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے پھیلایا ہے، بچھایا ہے۔

جغرافیہ دان لکھتے ہیں کہ زمین کے سو حصوں میں سے انتیس حصے خشکی کے ہیں اور اکہتر حصوں پر پانی ہے۔لیکن یہ انتیس حصے آدمی طے کرتے ہوئے تھک جاتا ہے۔ جہازوں میں بھی سفر کرے پھر بھی تھک جاتا ہے۔اس سے سمندر کی لمبائی اور چوڑائی کا اندازہ خود لگا لو۔اور یہ بھی تم پڑھ چکے ہو کہ یہ سمندر اور اس جیسے سات سمندر اور ہوں اور سارے سیاہی بن جائیں اور انسان، فرشتے، جنات تمام کائنات رب تعالیٰ کی تعریف لکھنے لگ جائے۔ یہ آٹھ سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن رب تعالیٰ کی تعریف ختم نہیں ہوگی۔وہ بڑی عظمتوں والی ذات ہے۔

گزشتہ سال مجھے دوست مجبور کر کے جنوبی افریقہ لے گئے، جوھانسبرگ۔ کہنے لگے ہم آپ کو یہاں کا چڑیا گھر دکھاتے ہیں۔اس میں ہر طرح کے جانور ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید چند میل کے فاصلے پر ہوگا مگر وہ تو جوھانسبرگ سے نو سو کلومیٹر دور تھا۔وہ کمرے نہیں تھے بلکہ وہ جنگل تھا جس کی لمبائی تین سو میل اور چوڑائی ایک سو ساٹھ میل تھی۔ جس میں جانور کھلے پھر رہے تھے۔ہم تو تھک گئے۔حالانکہ وہاں کی سڑکیں بھی بہت عمدہ تھیں۔ یہ تو دنیا کے ایک کونے کی بات ہے ساری دنیا تو بہت وسیع ہے۔

تو فرمایا قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا ہے، پھیلایا ہے ﴿وَنَفْسٍ﴾ اور قسم ہے نفس کی ﴿وَّمَا سَوّٰىهَا﴾ اور اس ذات کی جس نے اس کو درست کیا ہے۔ جہاں جس چیز کو لگنا چاہیے وہیں لگائی۔ جہاں ہاتھ لگنے چاہئیں تھے وہیں لگائے، جہاں پاؤں لگنے چاہئیں تھے وہیں لگائے، جہاں آنکھیں، ناک اور کان لگنے چاہیے تھے وہیں لگائے بڑے تناسب کے ساتھ۔جس طرح انسان کو درست کیا اسی طرح حیوانات کو بھی بڑے خاص طریقے اور اعتدال کے ساتھ پیدا فرمایا۔

﴿فَاَلْهَمَهَا﴾ پھر الہام کر دیا اس نفس میں۔ یعنی اس کے دل میں ﴿فُجُوْرَهَا﴾ اس کی بدکاری کا۔ یہ کام بُرے ہیں ﴿وَتَقْوٰىهَا﴾ اور پرہیزگاری کا کہ یہ کام اچھے ہیں۔ عقل بھی عطا فرمائی اور پیغمبروں کے ذریعے بھی بتلایا۔ کتابیں نازل کیں، صحیح اور غلط سمجھایا، حق اور باطل کو واضح کیا۔ پھر ہر زمانے میں اہل حق کھڑے کیے جنھوں نے لوگوں تک حق پہنچایا۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں حق کی آواز بلند کرنے والے موجود نہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ "میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر ڈٹا رہے گا ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" اور جو اپنے مفاد کی خاطر ساتھ مل کر الگ ہو جائے گا اس کی علیحدگی سے بھی ان کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ اور اندر سے ریشہ دوانیاں کریں تحریکیں چلائیں ان کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ وہ حق پر ڈٹا رہے گا۔ آخری حصہ ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مل کر کافروں سے جہاد کرے گا اور یہ حق کا گروہ قیامت تک رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے اگرچہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے کمزور ہے مگر مفہوم صحیح ہے۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ "میری اُمت کے علمائے حق ایسے ہی ہیں جیسے انبیائے بنی اسرائیل۔" درجے میں نہیں، ڈیوٹی میں ایسے ہیں۔

جیسے موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ان کی تائید اور تورات کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار ہزار پیغمبر بھیجے۔ اُنھوں نے اس کو زندہ رکھا۔ تو ان کے انبیاء نے تبلیغ کا کام کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے علماء وہ کام کریں گے۔ آج الحمدللہ! زمین کے کونے کونے تک حق کی آواز پہنچی ہوئی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں حق کی آواز نہ پہنچی ہو۔ کافروں کے مظالم بہت سخت ہیں لیکن حق حق ہے، اسلام اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مٹائے گا نہیں۔ یہ جواب قسم ہے۔

فرمایا ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ تحقیق فلاح پا گیا جس نے نفس کو پاک کیا کفر سے، شرک سے، تکبر سے، حسد سے، بغض، کینہ سے، اخلاق ذمیمہ سے۔ ایک عارف باللہ نے کیا خوب بات کہی ہے کہ اس کی مثال سانپ کی ہے۔ سانپ چھوٹا ہو تو اسے جوتے سے بھی مار سکتے ہیں، لاٹھی سے بھی مار سکتے ہیں۔ لیکن اگر اسے چھوڑ دیں گے اور وہ اژدہا بن جائے گا تو سارا گاؤں بھی اس کے پیچھے لگ جائے تو وہ قابو میں نہیں آئے گا۔ نفس امارہ کی اصلاح بہت مشکل ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں سے پوچھا گیا حضرت! دنیا میں سب سے مشکل چیز کون سی ہے اور آسان چیز کون سی ہے؟ تو فرمایا سب سے مشکل چیز نفس کی اصلاح ہے اور سب سے آسان چیز دوسروں پر تنقید کرنا ہے۔ یہ جو آپ حضرات بزرگوں کے قصے کتابوں مین پڑھتے ہیں کہ فلاں نے اتنی ریاضت کی، فلاں نے اتنا مجاہدہ کیا، یہ سب محنتیں نفس کی اصلاح کے لیے کی گئیں۔ لیکن اب یہ سلسلہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ لیکن نفس کی اصلاح اہم چیز ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاموں میں سے ایک کام نفس کی اصلاح بھی فرمایا ہے ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ (سورۃ الجمعہ: پارہ ۲۸) "اور وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے۔"

شرعی دائرے میں رہ کر ریاضتیں کرنا جائز ہے

بعض نادان یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو مجاہدے اور ریاضتیں نہیں کیں لہٰذا یہ ریاضتیں اور مجاہدے بدعت ہیں۔ یہ کہنا ان کی نادانی ہے۔ بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجاہدے اور ریاضتیں نہیں کیں کیوں کہ ان کے دل کا آئینہ صاف تھا۔ اور آئینہ صاف ہو تو مانجنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کے بعد دلوں پر زنگ آ گیا اور زنگ کو دور کرنے کے لیے صفائی کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں کسی خوش نصیب کو، سعادت مند کو دو منٹ بیٹھنے کا بھی موقع مل جاتا تھا تو اس کے نفس کی اتنی صفائی ہو جاتی تھی کہ سو سال کی ریاضت سے بھی اتنی صفائی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ان کو دل صاف کرنے کے لیے ریاضتوں کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ اب دلوں میں کدورت اور زنگ کو دور کرنے کے لیے دلوں کی صفائی کے لیے بزرگوں نے شرعی دائرے میں رہ کر روزے بھی رکھے، چلّے بھی کاٹے، بڑا کچھ کیا کہ نفس کی صفائی ہو جائے۔ تو سب سے مشکل چیز نفس کی اصلاح ہے۔ اور سب سے آسان چیز دوسروں پر تنقید کرنا ہے۔

فرمایا ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے نفس کو گناہ میں، معاصی میں چھپا دیا۔ دن کو بھی گناہ، رات کو بھی گناہ۔ اُٹھتے گناہ، بیٹھتے گناہ، چلتے پھرتے گناہ کرنے والا نامراد ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکو گے۔ اس پر آگے اللہ تعالیٰ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

قومِ ثمود کا واقعہ

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ﴾ جھٹلایا قوم ثمود نے حق کو اپنی سرکشی کی وجہ سے۔ یہ حجر کے علاقے میں رہتے تھے جو خیبر اور تبوک کے درمیان واقع ہے۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ان کو توحید باری تعالیٰ کی دعوت دی ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود، مشکل کشا، حاجت روا، فریاد رس، دست گیر رب تعالیٰ کی ذات کے سوا۔" تو لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اُڑایا۔ کیوں کہ ان لوگوں کا عقیدہ اور تھا۔ وہ شرکیہ عقیدہ رکھتے تھے۔ تو جب ایک آدمی کھڑا ہو کر سب کے خلاف بولے تو اس کا مذاق تو اُڑایا جائے گا۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو ہمیں کوئی کرشمہ دکھاؤ اور کرشمہ بھی ہماری مرضی کا۔ جس چٹان پر ہم ہاتھ رکھیں اس سے اُونٹنی نکل آئے پھر ہم مانیں گے۔ قرآن پاک کی تصریحات میں موجود ہے کہ اُنھوں نے جس چٹان پر ہاتھ رکھا اللہ تعالیٰ نے اُسی چٹان سے اُونٹنی نکال دی۔ فرمایا اے میری قوم! ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے تمھارے لیے ایک خاص نشانی ہے ﴿فَذَرُوْهَا﴾ پس اس کو چھوڑ دو ﴿تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ کھائے اللہ تعالیٰ کی زمین میں ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور نہ چھونا اس کو برائی کے ساتھ پس تمھیں پکڑ لے گا عذاب دردناک۔"

اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ کہنے لگے بڑا مضبوط جادو ہے اور بڑا کاری گر جادوگر ہے۔ جادو کہہ کر ٹال دیا۔

تو فرمایا جھٹلایا قومِ ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے ﴿ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا ﴾ جس وقت اُٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بد بخت جس کا نام قدار تھا۔ قد چھوٹا اور گربہ چشم تھا۔ بلی کی طرح آنکھیں تھیں۔ وہاں نو غنڈے تھے یہ ان کا سردار تھا۔ سورۃ نمل آیت نمبر ۴۸ میں ہے ﴿ وَ كَانَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ یُّفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا یُصۡلِحُوۡنَ ﴾ "اور تھے شہر میں نو شخص جو فساد مچاتے تھے زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے تھے۔" اُنھوں نے مشورہ کیا کہ صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کی ٹانگیں کاٹنی ہیں اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے۔ پھر صالح علیہ السلام کو اولاد سمیت ذبح کرنا ہے۔ اس کا ذکر ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں جس وقت کھڑا ہوا قوم ثمود کا ایک بڑا بد بخت ترین انسان قدار ﴿ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﴾ پس کہا ان کو اللہ تعالیٰ کے رسول صالح علیہ السلام نے ﴿ نَاقَةَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی اُونٹنی کا خیال رکھنا اس کو تکلیف نہیں پہنچانی ﴿ وَ سُقۡیٰهَا ﴾ اور اس کے جو پانی پینے کی باری ہے اس کے مطابق اس کو پانی پینے دینا۔ ایک دن تمھارا ہے اور ایک دن اس کا ہے ﴿ فَكَذَّبُوۡهُ ﴾ پس جھٹلایا ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو۔ کہنے لگے آپ کون ہوتے ہیں باری مقرر کرنے والے؟ ہم آپ کی باری نہیں مانتے۔ اس طرح تو ہمارے جانور پیاسے رہ جاتے ہیں ﴿ فَعَقَرُوۡهَا ﴾ پس کاٹ دیں اُنھوں نے اُونٹنی کی ٹانگیں (قدار بن سالف نے) اُونٹنی بڑبڑائی تو حضرت صالح علیہ السلام روتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ اب قوم پر عذاب آنے والا ہے جو ٹلے گا نہیں ﴿ فَدَمۡدَمَ عَلَیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ ﴾ پس اُلٹ دیا اُن پر اُن کے رب نے عذاب ﴿ بِذَنۡۢبِهِمۡ ﴾ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاکت ڈال دی ﴿ فَسَوّٰىهَا ﴾ پھر برابر کر دیا سزا کو سب پر۔ کوئی شخص بھی اس عذاب سے نہ بچ سکا۔ وہ عذاب کیا تھا؟

سورۃ الحجر میں ہے ﴿ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُصۡبِحِیۡنَ ﴾ "پس پکڑا اُن کو خوف ناک آواز نے اس حال میں کہ وہ صبح کے وقت میں تھے۔" حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایسی ڈراونی آواز نکالی کہ سب کے کلیجے پھٹ گئے۔ رجفہ کا لفظ بھی آیا ہے کہ ایسا زلزلہ آیا کہ ان کے سر دیواروں کے ساتھ ٹکراتے تھے۔ حالانکہ اُنھوں نے چٹانیں تراش کر مکان بنائے ہوئے تھے کہ زلزلے کی وجہ سے گریں نہ۔ لیکن رب تعالیٰ کے زلزلے سے کون بچائے؟ ایسا زلزلہ آیا کہ کسی کا سر وہاں لگ رہا ہے اور کسی کا یہاں لگ رہا ہے۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری سب ختم ہو گئے ایک بھی زندہ نہ بچا ﴿ وَ لَا یَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴾ اور نہیں ڈرتا اللہ تعالیٰ اس کے انجام سے۔ دنیا میں جتنی بھی کوئی مضبوط حکومت ہو جب وہ پبلک کے خلاف کوئی قانون پاس کرتے ہیں تو خوف کرتے ہیں کہ لوگ احتجاج کریں گے، جلوس نکالیں گے، ہڑتال کریں گے۔ لیکن رب تعالیٰ کو کسی قوم کی تباہی پر کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ الَّیۡلِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۲۱ | سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ (۹۲) (۹) | رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالَّیۡلِ﴾ قسم ہے رات کی ﴿اِذَا یَغۡشٰی﴾ جب وہ چھا جائے ﴿وَالنَّہَارِ﴾ اور قسم ہے دن کی ﴿اِذَا تَجَلّٰی﴾ جب وہ روشن ہو جائے ﴿وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ﴾ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر پیدا کیا ﴿وَالۡاُنۡثٰۤی﴾ اور مادہ پیدا کیا ﴿اِنَّ سَعۡیَکُمۡ﴾ بے شک تمھاری کوشش ﴿لَشَتّٰی﴾ البتہ مختلف ہے ﴿فَاَمَّا مَنۡ﴾ پس بہرحال وہ شخص ﴿اَعۡطٰی﴾ جس نے مال دیا ﴿وَاتَّقٰی﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا ﴿وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی﴾ اور اس نے تصدیق کی اچھی بات کی ﴿فَسَنُیَسِّرُہٗ﴾ پس ہم آسان کردیں گے اس کے لیے ﴿لِلۡیُسۡرٰی﴾ آسان دین ﴿وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ﴾ اور بہرحال وہ شخص جس نے بخل کیا ﴿وَاسۡتَغۡنٰی﴾ اور وہ بے پروا رہا ﴿وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی﴾ اور جھٹلایا اس نے اچھی بات کو ﴿فَسَنُیَسِّرُہٗ﴾ پس ہم آسان کردیں گے اس کے لیے ﴿لِلۡعُسۡرٰی﴾ تنگ چیز ﴿وَ مَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ﴾ اور نہیں کام آئے گا اس کے اس کا مال ﴿اِذَا تَرَدّٰی﴾ جب وہ گرے گا دوزخ میں ﴿اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی﴾ بے شک ہمارے ذمہ ہے راہنمائی کرنا ﴿وَ اِنَّ لَنَا﴾ اور بے شک ہمارے لیے ہے ﴿لَلۡاٰخِرَۃَ﴾ البتہ آخرت ﴿وَالۡاُوۡلٰی﴾ اور دنیا ﴿فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ﴾ پس میں نے تم کو ڈرا دیا ہے ﴿نَارًا﴾ آگ سے ﴿تَلَظّٰی﴾ جو شعلے مارتی ہے ﴿لَا یَصۡلٰىہَاۤ﴾ نہیں داخل ہوگا اس آگ میں ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿الۡاَشۡقَی﴾ جو بدبخت ہے ﴿الَّذِیۡ کَذَّبَ﴾ وہ جس نے جھٹلایا ﴿وَ تَوَلّٰی﴾ اور اعراض کیا ﴿وَ سَیُجَنَّبُہَا﴾ اور عنقریب بچایا جائے گا اس آگ سے ﴿الۡاَتۡقَی﴾ جو بڑا پرہیزگار ہے ﴿الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ﴾ جو دیتا ہے اپنا مال ﴿یَتَزَکّٰی﴾ کہ نفس کو پاک کرے ﴿وَ مَا لِاَحَدٍ﴾ اور نہیں ہے کسی کا ﴿عِنۡدَہٗ﴾ اس کے ہاں ﴿مِنۡ نِّعۡمَۃٍ﴾ کوئی احسان ﴿تُجۡزٰۤی﴾ جس کا بدلہ دیا جائے ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ﴾ چاہتے ہوئے اپنے رب کی رضا ﴿الۡاَعۡلٰی﴾ جو بلند و برتر ہے ﴿وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰی﴾ اور عنقریب وہ اس سے راضی ہو جائے گا۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الیل ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں لیل کا لفظ موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے آٹھ (۸) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نواں (۹) نمبر

ہے۔اس کا ایک رکوع اور اکیس (۲۱) آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَالَّیْلِ ﴾ واوقسمیہ ہے۔قسم ہے رات کی ﴿ اِذَا یَغْشٰی ﴾ جب وہ چھا جائے۔ جب رات کا اندھیرا چھا جائے تو تاریکی ہوتی ہے ﴿وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴾ اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے۔دن جب روشن ہوتا ہے تو سفید، سیاہ رنگ کی ہر چیز نظر آتی ہے۔رات کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا باوجود آنکھ کے صحیح ہونے کے۔اور دن کو ہر چیز اپنی اصل شکل میں نظر آتی ہے ﴿ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ﴾ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے پیدا کیا نر کو اور مادہ کو۔ پروردگار نے مرد پیدا کیے، عورتیں پیدا کیں اور ان کے ذریعے نسل انسانی کو چلایا اور جس وقت تک دنیا قائم رہے گی یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

فرمایا ﴿ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ﴾ شَتّٰی شَتِیْتٌ کی جمع ہے جس طرح مرضٰی مریضٌ کی جمع ہے۔اس کا معنیٰ ہے متفرق ہونا۔معنیٰ ہوگا بے شک تمھاری کوشش البتہ مختلف ہے۔جیسے دن رات میں فرق ہے، نر مادہ میں فرق ہے، اسی طرح تمھارے عملوں میں بھی فرق ہونا چاہیے۔نیک عمل اور ہے، بدعمل اور ہے، شرک اور ہے، توحید اور ہے، سنت اور بدعت میں فرق ہے۔حق اور ہے، باطل اور ہے، سچ اور ہے، جھوٹ اور ہے۔اللہ تعالیٰ نے دن رات اور نر اور مادہ کے اختلاف کو پیش کر کے عمل کے اختلاف کی طرف راہ نمائی فرمائی ہے کہ عمل بھی مختلف ہے۔

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی ﴾ پس بہر حال وہ شخص جس نے دیا مال۔(اس آیت کا اول مصداق مفسرین کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔پھر قیامت تک کے ﴿ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴾ اس میں شامل ہیں۔کیوں کہ شان نزول پر چیز بند نہیں ہوتی۔) زکوٰۃ ادا کی، فطرانہ دیا، عشر دیا۔جو حقوق مالیہ ہیں حقوق اللہ ہیں یا حقوق العباد ہیں، ادا کیے ﴿ وَاتَّقٰی ﴾ اور ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ کی گرفت سے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ﴿ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴾ اور اس نے تصدیق کی اچھی بات کی۔کلمہ طیبہ کی، اسلام کی، شریعت کی، قرآن کی، دین حق کی تصدیق کی ﴿ فَسَنُیَسِّرُهٗ ﴾ پس ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے ﴿ لِلْیُسْرٰی ﴾ آسان دین۔ یسریٰ سے مراد شریعت ہے۔شریعت پر چلنا آسان کر دیں گے۔اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا۔

اور یسریٰ سے مراد جنت بھی ہے۔تو معنیٰ ہوگا ہم اس کے لیے آسان کر دیں گے جنت تک پہنچنا۔جنت کو یسریٰ اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے۔دنیا میں تو محنت کر کے کھانا ہے، گرمی سردی برداشت کرنی ہے، چور، ڈاکو کا ڈر بھی ہے، عزت پر حملے کا خوف بھی ہے، بیماریاں بھی ہیں۔وہاں ان میں سے کوئی شے نہیں ہے۔اس کا نام ہی دارالسلام ہے خوش نصیب ہوگا جو جنت میں داخل ہو جائے گا۔وہ ابدالآباد کی زندگی اور مزے کی جس کو آج ہم نہیں سمجھ سکتے۔ جہاں ہر خواہش پوری ہوگی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا حضرت! جنت میں کاشت کاری کی اجازت ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کاشت کاری کی کیا ضرورت ہوگی سب کچھ تیار مل جائے گا۔ کہنے لگا حضرت! اگر کوئی کرنا چاہے تو پھر۔فرمایا ہاں! اجازت مل جائے گی کھڑے کھڑے بیج ڈالے گا اس کے سامنے اُگیں گے، بڑھیں گے،

پک جائیں گے، کاٹے جائیں گے، ڈھیر لگ جائے گا۔ ایک منٹ میں سارا کچھ ہو جائے گا۔

سورۃ الفرقان میں ہے ﴿لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُوْنَ﴾ "ان کے لیے جنت میں وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔" اگر کوئی کہیں اُڑ کے جانا چاہے گا تو اُسے اُڑنے کی توفیق مل جائے گی۔ اگر کوئی چاہے گا کہ یہ اُڑتا ہوا پرندہ میری خوراک بن جائے تو اُسی وقت بھنا ہوا رکابی میں سامنے پڑا ہوگا۔ جنتی جو چاہیں گے اللہ تعالیٰ اُن کی مرادیں پوری کرے گا۔

﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ اور بہر حال جس نے بخل کیا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں۔ جہاں خرچ کرنا تھا نہیں کیا یا جتنی مقدار میں خرچ کرنا تھا نہیں کیا ﴿وَاسْتَغْنٰى﴾ اور بے پرواہ رہا حق سے ﴿وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ اور جھٹلایا اس نے اچھی بات کو۔ کلمہ توحید کو، اسلام کو، دین کو، حق کو جھٹلایا ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ پس ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے تنگ چیز کو۔ (ان آیات کے اولین مصداق مفسرین کے نزدیک ابوجہل، عاص بن وائل، امیہ بن خلف، نضر بن حارث وغیرہ ہیں۔ پھر قیامت تک اس مد کے لوگ اسی میں شامل ہیں کہ ﴿كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ کے لیے تنگی کو آسان کریں گے۔) تنگ چیز سے مراد دوزخ ہے۔ اس کو دوزخ والے کام آسان لگیں گے۔ دوزخیوں والے کام کرے گا وہ اس کو دوزخ میں پہنچا دیں گے۔

مثلاً: چوری، ڈاکا کوئی آسان کام تو نہیں ہیں۔ جاگنا ہے، اِدھر اُدھر دیکھنا ہے، لوگوں کا خطرہ، پولیس کا خطرہ۔ ان خطرات کے باوجود ان لوگوں کے لیے یہ کام آسان ہیں رات کو سونا ان کے لیے مشکل ہے چلنا بھاگنا ان کے لیے آسان ہے۔ کیوں کہ انھوں نے حق کی تصدیق نہیں کی۔ وہ اس طرف چل پڑے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ راستہ آسان کر دیا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ (سورۃ النساء: ۱۱۵) "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔" جس طرف کوئی جانا چاہتا ہے اسی طرف ہم اس کو چلا دیتے ہیں۔ کوئی نیک کام کی طرف چلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق دے دیتے ہیں۔ بُرے کام کی طرف چلنا چاہتا ہے تو اس کی توفیق دے دیتے ہیں۔ یہ دنیا دار التکلیف ہے اور دار العمل ہے۔ جو کوئی اچھا بُرا کرنا چاہے کرتا رہے۔ آخرت دار الجزاء ہے وہاں اس کو کیے کا بدلہ مل جائے گا۔

﴿وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ﴾ اور نہیں کفایت کرے گا اس کو اس کا مال۔ اس کے کام نہیں آئے گا ﴿اِذَا تَرَدّٰى﴾ جب وہ گرے گا دوزخ میں۔ ﴿تَرَدّٰى﴾ کا معنی ہے بلندی سے نیچے گرنا۔ پل صراط دوزخ کے اوپر بچھا ہوا ہے۔ جونہی ایک قدم رکھ کر اُٹھائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑے گا۔ پھر وہیں اس کے ٹکڑے جوڑ کر چنگا بھلا انسان بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ ہوش وحواس ٹھیک ہوں گے تکلیف محسوس کرے گا۔

جہنمی ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی ﴿يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ (یونس: ۴۵) "ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔" میدانِ محشر میں بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے کہ یہ فلاں صاحب ہے یہ فلاں صاحب ہے۔ جنت میں بھی ایک دوسرے کی شناخت ہوگی اور دوزخ میں بھی ایک دوسرے کی شناخت ہوگی اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا بھی کریں گے۔ جن لوگوں نے گمراہ کیا ان کے پیروکار ان کے پیچھے پڑ جائیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا اب تم ہمیں اس سزا سے چھڑاؤ۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے تمھارے ساتھ

کوئی جبر تو نہیں کیا تم ہماری بات نہ مانتے۔ یہاں تک کہ گمراہوں کا بڑا پیر شیطان ہے۔ یہ لوگ اس کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ تو ہمیں سبز باغ دکھاتا تھا آج ہماری کوئی مدد کر، کوئی نسخہ بتلا کہ جس کے ذریعے ہم دوزخ سے نکل جائیں۔

سورۃ ابراہیم میں ہے ابلیس لعین کہے گا ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ "مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو میرا تم پر کوئی جبر تو نہ تھا ﴿اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ﴾ میں نے تم کو دعوت دی تم نے قبول کر لی، نہ قبول کرتے۔" اور یہ بھی کہے گا ﴿اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ﴾ "بے شک میں نے انکار کیا اس چیز کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔" اور میرے کفر کے ذمہ دار بھی تم ہو۔ لیڈر ایسا ہونا چاہیے۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے اس کے ساتھ سوچو غور و فکر کرو حق کو حق کہو، باطل کو باطل کہو۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے تمھیں نہ مال بچائے گا نہ اولاد بچائے گی صرف ایمان عمل صالح، حق کو قبول کرنا دوزخ کے بچانے کے سبب ہیں۔

فرمایا ﴿اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی﴾ بے شک ہمارے ذمہ ہے راہنمائی کرنا۔ ہم نے عقل دی، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، حق کی آواز بلند کرنے والے بھیجے، راہ نمائی کے پورے اسباب مہیا کیے ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی﴾ اور بے شک ہمارے لیے ہے البتہ آخرت اور دنیا۔ دنیا کے مالک بھی ہم ہیں اور آخرت کے مالک بھی ہم ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں اے بندو! ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی﴾ پس میں نے تم کو ڈرا دیا ہے آگ سے جو شعلے مارنے والی ہے ﴿لَا یَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَی﴾ نہیں داخل ہوگا اس آگ میں مگر جو بد بخت ہے۔ دوزخ میں بد بخت ہی جائے گا ﴿الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾ وہ جس نے جھٹلایا حق کو اور اعراض کیا عمل سے ﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی﴾ اور عنقریب بچایا جائے گا اس بھڑکتی ہوئی آگ سے جو بڑا پرہیزگار ہے ﴿الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی﴾ جو دیتا ہے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں کہ پاک کرے اپنے نفس کو بخل سے، غریبوں کے حق سے۔

الاتقیٰ کا مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں

تفسیروں میں آتا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے مال دار تھے۔ جن غلاموں اور لونڈیوں کو ایمان کی وجہ سے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا انہیں خرید کر آزاد کرا دیتے تھے۔ حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ یہ قریش کا بڑا آدمی تھا۔ بڑا تلخ مزاج اور بڑا ظالم آدمی تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس نے بڑی تکلیفیں دی ہیں۔ کبھی ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیتا اور خود سائے میں سو جاتا اور کہتا خبردار! اگر یہاں سے اِدھر اُدھر ہوا۔ کبھی قمیص اتروا کر گرم ریت پر لٹا دیتا۔ یہ بے چارہ غلام تھا سب کچھ برداشت کرتا۔ اگر کبھی قیل و قال کرتا تو اتنا مارتا تھا کہ بے چارہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس بے چارے پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ اس کے پاس گئے کہ اس کو میرے آگے بیچ دے۔ اس نے اتنی قیمت بتلائی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو خرید نہ سکیں سن کر ڈر جائیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ گھر آئے جھاڑ و پھیر کر ساری رقم اکٹھی کر کے دے دی اور آزاد کر دیا۔ بلکہ بعض کتابوں میں آتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کرتے کا بٹن گر گیا تو قمیص کو کانٹے کے ساتھ جوڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کانٹے کے ساتھ جوڑا ہے بٹن لگا لیتے۔ تو کہنے لگے حضرت سارے پیسے اکٹھے کر کے بلال کو خریدا ہے بٹن کے پیسے بھی نہیں بچے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ مال خرچ کرتا تھا تزکیہ حاصل کرنے کے لیے ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى﴾ اور نہیں ہے کسی کا اس کے ہاں احسان جس کا بدلہ دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کسی کا احسان نہیں تھا کہ جس کا وہ بدلہ دے رہے تھے ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾ مگر چاہتے ہوئے اپنے رب کی رضا جو بلند و برتر ہے۔ اُنھوں نے بلند رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کیا کہ بلال وغیرہ غلام ایمان لا چکے تھے اس لیے خرید کر آزاد کیا کہ کھل کر عبادت کر سکیں۔ تو رب تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَلَسَوْفَ یَرْضٰى﴾ اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا۔

اور یہ معنیٰ بھی ہے کہ مال خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قدر انعام واکرام فرمائیں گے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔ یہ معنیٰ اس وقت ہو گا جب ﴿یَرْضٰى﴾ کی ضمیر کا مرجع اتقیٰ ہو کہ اتقیٰ کو اللہ تعالیٰ اس کے ایثار کا اتنا بدلہ دے گا کہ وہ راضی ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۱۱ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۹۳) (۱۱) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿وَالضُّحٰى﴾ (واو قسمیہ ہے معنیٰ ہے) قسم ہے چاشت کے وقت کی ﴿وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ﴾ نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے ﴿وَ مَا قَلٰى﴾ اور نہ ہی دشمنی کی ہے ﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ﴾ اور البتہ آخرت ﴿خَيْرٌ لَّكَ﴾ بہتر ہے آپ کے لیے ﴿مِنَ الْاُوْلٰى﴾ دنیا سے ﴿وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ﴾ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو دے گا ﴿فَتَرْضٰى﴾ کہ آپ راضی ہو جائیں گے ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا﴾ کیا نہیں پایا اس نے آپ کو یتیم ﴿فَاٰوٰى﴾ پس اس نے ٹھکانا دیا ﴿وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا﴾ اور پایا آپ کو بے خبر ﴿فَهَدٰى﴾ پس آپ کی راہ نمائی کی ﴿وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا﴾ اور پایا آپ کو مفلس ﴿فَاَغْنٰى﴾ پس اس نے غنی کر دیا ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ﴾ پس بہر حال یتیم پر ﴿فَلَا تَقْهَرْ﴾ پس نہ قہر کر ﴿وَ اَمَّا السَّآئِلَ﴾ بہر حال سائل کو ﴿فَلَا تَنْهَرْ﴾ پس نہ جھڑک ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ﴾ اور بہر حال اپنے رب کی نعمت کو ﴿فَحَدِّثْ﴾ پس بیان کرو۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الضحیٰ ہے۔ ضحیٰ کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے دس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا گیارھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور گیارہ (۱۱) آیتیں ہیں۔

شانِ نزول

اس سورت کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ ایک یہ پوچھا کہ روح کی حقیقت کیا ہے ﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ "یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں روح کے بارے میں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟" دوسرا سوال تھا کہ اصحاب کہف کون لوگ تھے؟ تیسرا سوال تھا کہ ذوالقرنین کون بزرگ تھے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں کل بتاؤں گا۔ زبان سے ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ اس بات کا تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر اللہ تعالیٰ سے بے پرواہوں۔ لیکن ظاہری طور پر زبان سے یہ الفاظ نہ کہہ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کہ کل کا دن آیا تو یہودیوں نے آ کر کہا کہ ہمارے سوالات کا جواب دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا وحی نازل نہیں ہوئی۔ایک دن گزرا، دودن گزرے، تین دن گزرے۔حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فَتَأَخَّرَ الْوَحْیُ خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا "پندرہ دن وحی نازل نہ ہوئی۔" یہودیوں نے پروپیگنڈا کیا کہ کل کا وعدہ تھا جواب دوں گا ابھی اس کا کل نہیں آیا؟ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر جھگڑے ڈالتے کہ کل نہیں آیا۔کوئی کہتا اس کا کل قیامت والے دن آئے گا۔مخالف کو تو بات ملنی چاہیے وہ ان کو مل گئی۔یہود نے تو اس عنوان کے ساتھ مذاق اُڑایا اور قریش مکہ نے کہا کہ اب اس کا رب ناراض ہو گیا ہے اس لیے وحی نہیں آتی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی جس کا نام عورا اور کنیت ام جمیلہ تھی۔یہ ابولہب کی بیوی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی سگی بہن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھی۔یہ خاندان قدرتی طور پر سخت مزاج تھا۔خاندانی اثرات لوگوں میں ہوتے ہیں۔اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آکر کہا کہ وہ تیرا شیطان اب تیرے پاس نہیں آتا وہ تیرا پیچھا چھوڑ گیا ہے قَدْ تَرَكَكَ شَیْطَانُكَ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق کہتی تھی وہ تجھے چھوڑ گیا ہے۔عجیب قسم کا منظر تھا۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

﴿وَالضُّحٰی﴾ قسم ہے چاشت کے وقت کی۔واو قسمیہ ہے ﴿وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔یعنی جب اس کا اندھیرا چھا جائے ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ﴾ نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے ﴿وَمَا قَلٰی﴾ اور نہ ہی دشمنی کی ہے آپ کے رب نے۔اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔رات بھی ہے دن بھی ہے۔جیسے رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا فطری بات ہے۔رات کا اندھیرا ہمیشہ نہیں رہتا دن کا اُجالا اور روشنی بھی ہے۔اسی طرح ان لوگوں کے اعتراضات کے اندھیرے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ وحی کی روشنی بھی آئے گی دن چڑھے گا۔پندرہ دن کے بعد وحی نازل ہوئی۔فرمایا ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾ "اور نہ کہیں آپ کسی شے کے بارے میں کہ میں کرنے والا ہوں اس کو کل ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ۔" (پارہ:۱۵) ان شاء اللہ کے بغیر کل کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔کوئی کام بھی رب چاہے گا تو ہوگا۔پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے روح کے بارے میں بھی اور اصحاب کہف کے بارے میں بھی اور ذوالقرنین کے متعلق بھی بتایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرمایا۔

﴿وَمَا قَلٰی﴾ میں کاف کو حذف کیا گیا ہے۔اصل میں ہے قَلَاكَ۔﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾ اور البتہ آخرت بہت بہتر ہے آپ کے لیے دنیا سے۔دنیا عارضی اور فانی شے ہے۔اب ہے لمحے کے بعد نہیں ہے، آج ہے کل نہیں ہے، صبح ہے شام نہیں ہے۔اس پر اگر کوئی اعتماد کرے تو نادان ہے۔آخرت پائیدار ہے نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔

بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ اب تک جو احکام نازل ہوئے ہیں ان کے بعد جو احکام نازل ہوں گے وہ بہت بہتر ہوں گے۔اس سورت کا گیارھواں نمبر ہے باقی جو ایک سو تین سورتیں نازل ہوں گی وہ بہت بہتر ہوں گی۔ان میں بہت کچھ ہوگا ﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی﴾ اور عن قریب آپ کا رب آپ کو (وہ کچھ) دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے بلند اور عظیم مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا۔ ختم نبوت کی مہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان لگائی۔ جنت میں سب سے عمدہ اور بہترین کوٹھی کا نام وسیلہ ہے اس سے بڑھ کر کوئی کوٹھی نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیں گے۔ جس کے لیے ہم اذان کے بعد دعا کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ کچھ عطا فرمائیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہو جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت

فرمایا ﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴾ کیا نہیں پایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پس آپ کو ٹھکانا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابھی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ وفات پا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والد کو نہیں دیکھا۔ ان کی وفات کے بعد دادا کی تربیت میں تھے چھ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ سے جاتے ہوئے ابوا کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ کیوں کہ ان کے میکے مدینہ طیبہ میں تھے۔ بنونجار خاندان میں، خادمہ اُم ایمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر واپس آئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا نے کی۔ آٹھ سال کی عمر میں اور بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان نے اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں وفات پائی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آخری وقت میں دادا جان بڑے پریشان تھے کہ نہ ماں ہے نہ باپ کا سایہ سر پر ہے بھائی بھی نہیں ہے۔ بیٹوں کے مزاج سے اور بہوؤں کے مزاج سے بھی واقف تھے۔ بیٹیاں دوسروں کے گھروں میں تھیں۔ مال و دولت بھی نہیں۔ عالم اسباب میں کوئی سہارا نہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان وفات کے وقت کافی گھبرائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کافی پریشان ہیں؟ کہنے لگے اپنے پوتے کے واسطے پریشان ہوں کہ عالم اسباب میں اس کا کوئی آسرا اور سہارا نہیں ہے۔ بیٹوں میں عبد مناف ابوطالب ظاہری لحاظ سے بڑے شریف الطبع تھے اور بہوؤں میں ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد بڑی شریف الطبع بی بی تھی۔ جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھی رضی اللہ عنہا۔ مگر یہ مالی لحاظ سے سب سے کمزور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جی نے ان دونوں کو بلایا۔ ایک ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبد مناف کے ہاتھ میں دیا اور دوسرا ہاتھ اپنی بہو کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ اس کا اللہ تعالیٰ نگران اور محافظ ہے۔ اب یہ بچہ تمھارے سپرد ہے۔ عبدالمطلب کی باقی بہوئیں سخت مزاج تھیں یہ نرم مزاج تھی۔ آٹھ یا بارہ سالہ کی عمر سے لے کر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچاس سال کی ہوئی۔ نبوت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور اسی سال ابوطالب نے بھی وفات پائی۔ تاریخ میں اس کا نام عام الحزن ہے یعنی غم والا سال۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کیا نہیں پایا آپ کو یتیم پھر رب تعالیٰ نے ٹھکانا دیا ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا﴾ اور پایا آپ کو بے خبر ﴿فَهَدٰى﴾ پس آپ کی راہ نمائی کی۔ اکثر مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم یہی معنیٰ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریعت کے احکام سے بے خبر پایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی کی۔

سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۵۲ میں ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ "آپ نہیں جانتے تھے کیا ہے کتاب اور نہ ایمان لیکن ہم نے بنایا اس کو نور ہدایت۔ دیتے ہیں ہم اس کے ساتھ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔" نہ آپ کتاب جانتے تھے اور نہ ایمان کی تفصیل جانتے تھے۔ نفس ایمان تو پیغمبر کا پیدائشی طور پر ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل سے آپ بے خبر تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ نمائی کی۔

بعض مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں لوگوں کی بکریاں چراتے تھے اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ کسی نے پوچھا حضرت! آپ نے بھی چرائی ہیں؟ تو فرمایا كُنْتُ اَرْعٰى لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلٰى قَرَارِيْطَ "میں ٹکے ٹکے پر مکے والوں کی بکریاں چراتا تھا۔" سوئے اتفاق سے ایک دفعہ وہ بکریاں دور چلی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بچے تھے راستہ بھول گئے پہاڑیاں تھیں خیال نہ رہا کدھر جانا ہے؟ رات کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر نہ آئے۔ دوسرا دن اور رات بھی گزر گئی، تیسرا دن اور رات بھی گزر گئی۔ سب کو پریشانی ہوئی۔ پھر کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن میں ڈالا کہ وہ پہاڑ ہمارے دائیں طرف ہوتا ہے اور یہ ہمارے بائیں طرف ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر پہنچا دیا۔

اس زمانے میں انسانوں کی آبادی کم ہوتی تھی جنگلات ہی جنگلات ہوتے تھے بھیڑیئے بکثرت تھے۔ یہ بھی گھر والوں کی پریشانی کا سبب تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔

اور کمالین وغیرہ میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شام کے سفر میں ساتھ لے گئے۔ مکہ میں زمین پتھریلی ہے۔ نہ وہاں باغات، نہ زراعت۔ وہاں کے لوگ گزران کے لیے دو تجارتی سفر کرتے تھے۔ ایک گرمیوں میں اور ایک سردیوں میں۔ گرمیوں میں شام کا سفر اور سردیوں میں یمن کا سفر کرتے تھے اور سال بھر کی روزی کما لیتے تھے۔ تو شام کے سفر میں ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجارت کا رنگ ڈھنگ جانیں کہ تجارت ایسے کرتے ہیں۔ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور قافلے سے دور ہو گئے۔ شیطان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور دور لے گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر شیطان کو ایک تھپڑ مارا تو وہ دوڑ گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ مبارک قافلے کی طرف پھیر دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلے سے گم ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی فرمائی۔

(مرشد مولانا عبدالمجید صاحب جامی جو مدینہ طیبہ میں چالیس سال سے مقیم ہیں اور بڑی مدت قطب الاقطاب حضرت

مولانا عبداللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شجاع آباد ملتان میں رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس جملے کی تشریح اس طرح کرتے تھے کہ وَوَجَدْنَاكَ مُشْتَاقًا لِهِدَايَةٍ فَهَدَيْنَاكَ إِلَىٰ تَحْصِيلِهَا" اور پایا ہم نے آپ کو مشتاق ہدایت کے لیے پس ہم نے آپ کی راہنمائی کر دی اس کے حاصل کرنے کی طرف۔" اور دلیل میں سورہ یوسف کی آیت نمبر ۹۵ پیش فرماتے تھے ﴿ قَالُوْا ﴾ "یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا ﴿ تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴾ بے شک آپ یوسف علیہ السلام کی پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔" یہاں ضلال کا ترجمہ محبت ہے۔ از مرتب: محمد نواز بلوچ)

﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾ اور پایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفلس، ضرورت مند پس غنی کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی جائیداد نہیں تھی۔ چچے ابو طالب نے تربیت کی۔ دنیاوی لحاظ سے ایسا بہتر چچا شاید پیدا ہو۔ لیکن آخرت کے اعتبار سے بدقسمت تھا ایمان نصیب نہیں ہوا۔ اچھا بھلا سمجھتے ہوئے دھڑے بندی کی وجہ سے محروم رہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو عورتوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر خدیجۃ الکبریٰ آمادہ ہو جائے تو آپ کے ساتھ نکاح کرا دیا جائے۔ کیوں کہ وہ اس سے قبل یکے بعد دیگرے دو خاوندوں سے بیوہ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی رائے لی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے چچا جان اور چچی جان کہیں گے میں منظور کر لوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مال دیا تھا۔ وہ تجارت کرتی تھیں۔ عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سبب پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴾ پس بہر حال یتیم پر پس قہر نہ کر۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ یتیم کے ساتھ زبردستی نہ کرنا۔

سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۲ میں ہے ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ ﴾ "اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے۔" اور سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ﴾ "بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال زیادتی کے ساتھ کھاتے ہیں بے شک وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔" وہ لقمے نہیں کھا رہے وہ دوزخ کی آگ پیٹ میں ڈال رہے ہیں۔

﴿ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴾ اور بہر حال سائل کو نہ جھڑک۔ جو صحیح معنیٰ میں سائل ہے اس کو نہ جھڑکو۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے کہ اگر کوئی آدمی واقعی پیشہ ور سائل نہیں ہے اور اچانک کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے تو اس کی امداد کرو۔ لیکن اگر کسی نے مانگنے پر کمر باندھ لی ہے۔ مانگنا اپنا پیشہ بنا لیا ہے اس کو تنبیہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت دی ہے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں کیوں مانگتا ہے؟ خصوصاً چھوٹے بچے اور عورتیں کہ وہ اچھے لوگوں کے پاس بھی جائیں گے اور بُروں کے پاس بھی جائیں گے دن کو بھی جائیں گے اور رات کو بھی جائیں گے۔ ان کے اخلاق خراب ہوں گے، معاشرے میں برائی اور خرابی پیدا ہوگی۔ ان کو جھڑک دو کہ تو اچھا بھلا ہے مزدوری کر، محنت کر یہ پیشہ صحیح نہیں ہے۔ بجائے اس کے شریفانہ زندگی بسر کرو۔ مقصد اصلاح ہو تو پھر جھڑکنا صحیح ہے۔ اپنے بخل پر پردہ ڈالنے کے لیے جھڑکتے ہو تو پھر صحیح نہیں ہے بلکہ گناہ ہے۔

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ اور بہر حال اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار شکر ہے۔ ایک شخص میلے لباس میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے فرمایا تیرے پاس صابن نہیں ہے کہ کپڑے دھولے۔ تیرے پاس کنگھی نہیں ہے کہ سر کے بالوں میں پھیر لے۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہنے لگا حضرت! میرے پاس اتنے غلام ہیں، اتنے اونٹ ہیں، اتنی بکریاں ہیں۔ میں بہت خوش حال بندہ ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا رب تعالیٰ نے تجھے نعمت دی ہے اس کا اثر تیرے بدن پر نظر آنا چاہیے۔

شرعی دائرے میں رہ کر صاف ستھرا لباس پہننا عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے۔ انسان اپنی حیثیت سے ادنیٰ لباس پہنے بُری بات ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمت کا اظہار قولاً بھی کرو اور فعلاً بھی کرو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۸ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (۹۴) (۱۲) رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ﴾ کیا نہیں ہم نے کھولا آپ کے لیے ﴿صَدْرَكَ﴾ آپ کا سینہ ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ﴾ اور ہم نے اُتار دیا آپ سے ﴿وِزْرَكَ﴾ آپ کا بوجھ ﴿الَّذِيْٓ اَنْقَضَ﴾ وہ جس نے بوجھل کر دیا تھا ﴿ظَهْرَكَ﴾ آپ کی کمر کو ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ﴾ اور ہم نے بلند کیا آپ کے لیے ﴿ذِكْرَكَ﴾ آپ کے ذکر کو ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ﴾ پس جب آپ فارغ ہوں ﴿فَانْصَبْ﴾ تو محنت کریں ﴿وَاِلٰى رَبِّكَ﴾ اور اپنے رب کی طرف ﴿فَارْغَبْ﴾ راغب ہو جائیں۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام الم نشرح ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں الم نشرح کا لفظ موجود ہے۔ جس سے یہ نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بارھواں نمبر ہے۔ سورۃ ضحیٰ اس سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اہل عرب کی حالت

آنحضرت ﷺ جس دور میں مبعوث ہوئے اس وقت لوگوں کے عقائد بہت بُرے تھے۔ اور اخلاقی اعتبار سے اور رسموں کے اعتبار سے ہر طرف بُرائی ہی بُرائی تھی۔ وہ کعبۃ اللہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا تھا اُس میں رب تعالیٰ کی عبادت کے بجائے تین سو ساٹھ بتوں کی عبادت ہوتی تھی۔ اور ظلم کی بات یہ ہے کہ خود ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی عقیدت تھی اور مشرکوں کو بھی عقیدت تھی۔ یہ سب کے مشترک بزرگ تھے۔

نجران کے علاقے میں عیسائی تھے۔ اُنھوں نے شوشہ چھوڑا کہ ہمارے خاص بزرگوں عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کا کوئی مجسمہ کعبہ میں نہیں ہے۔ مکے والوں نے ان کو خوش رکھنے کے لیے ان کے بھی بت رکھ دیئے۔ یعنی ان تین سو ساٹھ بتوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کا بھی بت تھا اور ان میں اساف اور نائلہ کا بھی بت تھا۔

ایساف مرد کا نام ہے اور نائلہ عورت کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے۔ اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے ان کو کوئی جگہ نہ ملی۔ اُس وقت مخلوق بہت کم ہوتی تھی۔ اب تو الحمد للہ! کعبہ ہر وقت آباد رہتا ہے۔ اس وقت آدمی اتنے نہیں ہوتے تھے۔ شام کے وقت لوگ کھانے پینے کے لیے گئے تو ان کو موقع مل گیا۔ اُنھوں نے کعبۃ اللہ کے اندر بدکاری کی، اللہ تعالیٰ کے گھر کی بے حرمتی کی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو انسانی شکل میں ہی پتھر بنا دیا۔ لوگوں نے عبرت کے لیے ان کے بت بھی نصب کر دیئے۔ کچھ عرصہ تک تو لوگ ان کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے لیکن بعد والی نسلوں نے ان کی بھی پوجا شروع کر دی۔ اتنا گند عقیدے کے لحاظ سے تھا کہ وہ گھر جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تھا وہاں اس کی عبادت نہیں ہوتی تھی اس کی عبادت کے بجائے دوسروں کی عبادت ہوتی تھی۔

قتل و غارت، ڈاکے عام تھے۔ بلکہ اُس زمانے میں شریف آدمی کو رشتہ ملنا مشکل ہوتا تھا۔ جو رشتہ مانگنے کے لیے آتا تھا اس سے پوچھتے تھے کہ تو نے کتنے ڈاکے ڈالے ہیں اور کتنے آدمی قتل کیے ہیں اور کتنے اغوا کیے ہیں اور کتنے مٹکے شراب کے پیے ہیں؟ جو اس میں نمبر لے جاتا اس کو بغیر قیل و قال کے رشتہ مل جاتا۔ اور جس کے متعلق کہا جاتا کہ بڑا شریف آدمی ہے اس نے کوئی ڈاکا نہیں ڈالا، کسی کو قتل اور اغوا نہیں کیا۔ تو کہتے بھاگ جاؤ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ ہماری لڑکی کی کیا حفاظت کرے گا اس کو کیا کھلائے گا؟ کیوں کہ اُن کے ہاں بہادری کا معیار چوری، ڈاکا، قتل اور اغوا ہی تھا۔ اور جو یہ کام نہیں کرتا تھا وہ گھٹیا سمجھا جاتا تھا۔

ایک شاعر بڑی شریف قوم سے تھا جو چوری، ڈاکے، قتل سے گریز کرتی تھی۔ وہ اپنی قوم کی بدخواہی کرتے ہوئے کہتا ہے: ع

كَأَنَّ رَبَّكَ لَمْ يَخْلُقْ بِخَشْيَتِهٖ

سِوَاهُمْ مِنْ جَمِيْعِ النَّاسِ اِنْسَانًا

”گویا کہ آپ کے رب نے نہیں پیدا کیے اپنے خوف کے لیے سارے انسانوں میں ان کے سوا کوئی انسان۔“

یعنی ایسا لگتا ہے کہ رب نے اپنی عبادت کے لیے میری قوم پیدا کر دی ہے نہ چوری، نہ ڈاکا، یہ بھی کوئی آدمی ہیں۔ یوں سمجھو کہ شریف ہونا عیب سمجھا جاتا تھا۔

تو ایسے ماحول میں جہاں عقائد درست نہ ہوں، اخلاق خراب ہوں اور خراب ہی خراب ہوں اور ساتھ دینے والا ایک آدمی بھی نہ ہو ایسے موقع پر حق بیان کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سارے عرب مخالف، یہودی مخالف، مشرک مخالف، عیسائی مخالف، قریبی رشتہ دار مخالف، دور والے مخالف، اندر والے مخالف، باہر والے مخالف۔ اور پروگرام ایسا ہے جو ہر ایک کو گولی کی طرح لگتا ہے، رب تعالیٰ کی توحید۔

سورۃ الصّٰفّٰت آیت نمبر ۳۵ پارہ ۲۳ میں ہے ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ”بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا تھا لا الٰہ الا اللہ تو تکبر کرتے تھے۔“ اور سورۃ ص آیت نمبر ۵ پارہ ۲۳ میں ہے ﴿ اَجَعَلَ

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ "کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بے شک یہ ایک عجیب چیز ہے۔" سب معبودوں کا انکار کر کے کہتا ہے ایک ہی مشکل کشا ہے، ایک ہی حاجت روا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ تو ایسے ماحول میں حق بیان کرنا سخت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔ اتنا بھاری کام آپ کے سپرد کیا اور ہمت دی کہ شرح صدر ہو گیا کہ ان شاء اللہ یہ کام کرنا ہے اور یہ ہو کر رہے گا۔ نہ توحید کا مسئلہ مشکل نظر آیا، نہ قیامت کا بیان کرنا اور ان کے جتنے غلط عقائد تھے ان کو احسن طریقے سے رد کیا اور حق کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک ایسا کھولا کہ نہ اس میں کوئی لالچ تھا اور نہ کسی قسم کا کوئی خوف تھا۔

حسی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چار مرتبہ شق صدر ہوا

یہ شرح صدر تو باطنی طور پر تھا اور ظاہری طور پر بھی شرح صدر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک جب تقریباً چار سال کی تھی اور حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ ان کی بیٹی تھی شیماء رضی اللہ عنہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ تھے اور بھیڑ بکریاں چرا رہے تھے۔ گھر سے کچھ فاصلے پر تھے کہ دو آدمی سفید لباس میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹا کر چھاتی کو چاک کیا۔ یہ شق صدر ہوا۔ شیماء رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی گئیں کہ امی جان! امی جان! بھائی کو کوئی مار گیا ہے۔ آدمی آئے ہیں اُنھوں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آئیں تو وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھاتی دیکھی تو معمولی سا نشان تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سینے کے ساتھ لگایا، پیار کیا۔ اس کے بعد پھر پیچھے پیغام بھیجا کہ تمھارا کوئی دشمن ہے جس نے یہ کارروائی کی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ چاک کیا اور وہ مواد صاف کر دیا کہ جس سے بچوں کا میلان کھیل کود کی طرف ہوتا ہے۔

دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ چاک کیا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان ہوئے اور جوانی میں جو طبعی خیالات ہوتے ہیں ان سے پاک کر دیا گیا۔

تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ چاک کیا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا کے سامنے جبلِ نور کی چوٹی پر تھے جس پر آج کل اُنھوں نے چونا لگایا ہوا ہے۔ (آج کل اس جگہ کھوکھے بنا کر دکانیں بنائی ہوئی ہیں۔ مرتب) سینہ چاک کر کے اس میں کچھ چیزیں رکھ دی گئیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کا بوجھ برداشت کر سکیں۔

چوتھی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ چاک کیا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرایا گیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُم ہانی کے گھر تھے۔ اُم ہانی کا گھر حجر اسود سے ایک سو ستر قدم کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف تھا۔ اب وہ مسجد حرام کے اندر آ گیا ہے۔ اُسی طرف باب ام ہانی بھی ہے۔ دروازے کے اندر اور باہر دونوں طرف لکھا ہوا ہے "باب اُم ہانی"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے اور دوسری طرف حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیان میں تھے۔ تین فرشتے آئے ان میں ایک جبرئیل علیہ السلام تھے۔ آپس میں گفتگو کی کہ ہمارا مطلوب جس کو ہم نے لے کر جانا ہے کون ہے؟ دوسرے نے کہا اَوْسَطُهُمْ وَهُوَ خَيْرُهُمْ "ان کے درمیان میں جو ہے اور وہ سب سے بہتر ہے۔" وہ ہمارا مطلوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آہستہ سے اُٹھایا، چھت پھاڑی اور لے گئے۔ چھت پھر مل گئی ایسے کہ جیسے چھت کو کسی نے چھیڑا ہی نہیں۔ اور حطیم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا گیا۔ اسے آب زم زم سے دھویا گیا۔ پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں علم وحکمت تھی۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے کو بھر دیا گیا۔

یہ حسی طور پر چار دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ حالانکہ عموماً جتنے آپریشن ہوتے ہیں ان کے بعد آدمی کچھ دن ہل جل نہیں سکتا چاہے آپریشن کتنے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں۔ لیکن رب تعالیٰ کا آپریشن تو رب تعالیٰ کا آپریشن تھا وہ فوری طور پر صاف ہو جاتا تھا۔

فرمایا ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ اور ہم نے اُتار دیا آپ سے آپ کا بوجھ۔ یعنی جو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھاری نظر آتا تھا ہم نے آسان کر دیا۔ عالم اسباب میں اس کی یہ صورت بنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت بلال، حضرت خباب بن ارت رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے مخلص اور جانباز ساتھی عطا فرمائے جو جان پر کھیل کر بھی حق کی آواز بلند کرنے والے تھے۔ باطنی طور پر اللہ تعالیٰ نے اندر قوت عطا فرمائی اور ظاہری طور پر ایسے مخلص ساتھی عطا فرمائے کہ دنیا میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔

تو فرمایا اور ہم نے اُتارا آپ سے آپ کا بوجھ ﴿الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پشت کو۔ وزنی چیز آدمی اُٹھائے تو کمر کو تکلیف ہوتی ہے ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ اور ہم نے بلند کر دیا آپ کے لیے آپ کے ذکر کو۔ کلمے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اذان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روضہ اقدس میں آرام فرما رہے ہیں اور پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بلند ہو رہا ہے، ہر وقت گونج رہا ہے۔ مرتب)

التحیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے چاہے فرض نماز ہو یا واجب ہو، سنت ہو یا نفل ہو، جمعہ ہو یا عید ہو۔ کوئی ایسی نماز نہیں ہے جس میں التحیات اور درود شریف نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح خطبہ میں بھی چاہے جمعہ کا ہو یا عید کا ہو یا نکاح کا ہو اس میں باقاعدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آتا ہے۔ اور جو مقرر تقریر کرتا ہے سنت کے مطابق اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی شہادت بھی ہوتی ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لکھا ہوا تھا ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) "وہ جس کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔" تمام کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام۔

فرمایا آپ پریشان نہ ہوں ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ پس بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہمیشہ تکلیف نہیں رہتی تکلیف کے بعد راحت بھی آتی ہے ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ عربی گرائمر کا ضابطہ ہے کہ جس لفظ پر الف لام آئے اس کو معرفہ کہتے ہیں اور جس اسم پر الف لام نہ ہو نکرہ ہوتا ہے۔﴿الْعُسْرِ﴾ معرفہ ہے اور یسر نکرہ ہے۔دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ معرفہ دوبارہ آئے تو بھی پہلا ہی ہوتا ہے اور نکرہ دوبارہ آئے تو دوسرا ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ بنے گا کہ تنگی ایک ہوگی آسانیاں دو ہوں گی۔مگر انسان بڑا ناشکرا ہے۔تنگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور جب راحت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ظفر مرحوم جو مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ تھا اس کا شعر ہے:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

عیش میں جو خدا کو بھول جائے اور طیش میں رب کے خوف سے بے نیاز ہو جائے وہ آدمی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت

فرمایا ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ پس جب آپ فارغ ہوں تو محنت کریں۔اکثر مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کا یہ مفہوم بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوں تو دعا کریں۔احادیث میں جن اوقات میں دعاؤں کے قبول ہونے کا ذکر ہے اُن میں سے ایک بعد الصلوٰۃ المکتوبہ ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ترمذی شریف کی روایت ہے سحری کے وقت میں خاص طور پر دعاؤں میں قبولیت پائی جاتی ہے۔فرض نماز کے بعد اجتماعی شکل میں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا صحیح سنت سے ثابت ہے۔کچھ غیر مقلد شور مچاتے ہیں لیکن ان کے بزرگوں کے فتوے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے، احادیث سے ثابت ہے۔اگر کوئی ضد کرے تو اس کا جواب نہیں ہے۔

بعض اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تبلیغ سے فارغ ہو تو دعا کرو۔تبلیغ دین بہت اُونچا مقام ہے۔پیغمبروں والا کام ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ کسی بھی نیکی اور عبادت کے بعد دعا کرے گا تو قبول ہوگی۔بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جب جہاد سے فارغ ہوں تو دعا کریں۔لیکن جہاد تو مکہ مکرمہ میں نہیں ہوا وہ تو مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ہے۔اس لیے پہلی تفسیریں صحیح ہیں کہ فرض نماز کے بعد دعا، سحری کے وقت دعا، تبلیغ کے بعد دعا، نہایت عاجزی اور مشقت سے۔

اور فرمایا ﴿وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں یہی سمجھ کر کہ وہی دینے والا ہے، وہی داتا ہے اور کوئی داتا نہیں ہے۔وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے، وہی فریاد رس ہے، وہی دست گیر ہے اور کوئی نہیں ہے۔یہ سورت تو چھوٹی سی ہے لیکن اس میں بہت مضامین ہیں۔اختصار کے ساتھ آپ نے سنے ہیں۔اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ التِّیۡنِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۸ سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ (۹۵) (۲۸) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَالتِّیْنِ﴾ قسم ہے انجیر کی ﴿وَالزَّیْتُوْنِ﴾ اور قسم ہے زیتون کی ﴿وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ﴾ اور قسم ہے طور سینا کی ﴿وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ﴾ اور قسم ہے اس امن والے شہر کی ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ اچھی ترکیب میں ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰہُ﴾ پھر ہم نے لوٹایا اس کو ﴿اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ﴾ نیچوں سے نیچے ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿فَلَھُمْ اَجْرٌ﴾ پس ان کے لیے اجر ہے ﴿غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ نہ ختم ہونے والا ﴿فَمَا یُکَذِّبُکَ﴾ (پس اے انسان) کون سی چیز جھٹلانے پر مجبور کرتی ہے تجھے ﴿بَعْدُ﴾ یہ سننے کے بعد ﴿بِالدِّیْنِ﴾ بدلے کے دن کو ﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ﴿بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ﴾ سب حاکموں سے اچھا حاکم۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ التین ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں تین کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ اس سے پہلے ستائیس (۲۷) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا اٹھائیسواں (۲۸) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ (۸) آیتیں ہیں۔

﴿وَالتِّیْنِ﴾ واؤ قسم کا ہے۔ تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شام کے علاقے میں دو پہاڑ ہیں تین اور زیتون۔ یعنی تین اور زیتون پہاڑوں کے نام ہیں۔ ان دو پہاڑوں کی قسم ہے۔ یہ حضرات قرینہ یہ پیش کرتے ہیں کہ طورِ سینین بھی پہاڑ ہے۔ اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ تو طور بھی جگہ کا نام ہے، بلد امین بھی جگہ کا نام ہے۔ اس مناسبت سے تین سے بھی پہاڑ مراد ہے اور زیتون سے بھی پہاڑ مراد ہے جو جگہ کے نام ہیں۔ لیکن اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین سے انجیر مراد ہے جو کہ پھل ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت فائدے رکھے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ ایسا پھل ہے کہ جس میں گٹھلی نہیں ہے۔ آم، آلو بخارا، خوبانی وغیرہ میں گٹھلی ہوتی ہے۔ طبی نقطۂ نگاہ سے اس میں بہت فائدے ہیں۔

انجیر کے فوائد

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر اس کے بہت سے فائدے لکھے ہیں۔ نمبر ایک

بواسیر کا علاج ہے۔ نمبر دو رگوں میں جو فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں انجیر کے ذریعے وہ تحلیل ہو جاتے ہیں۔ بلغمی مادہ جمع ہو جائے تو فالج ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی خارج کرتا ہے۔ خون کو صاف کرتا ہے، جوڑوں کے دردوں کے لیے بطور علاج کے استعمال ہوتا ہے۔ یہ تجربے سے ثابت ہے اور دوسرے دردوں کے لیے بھی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سے فائدے رکھے ہیں تازہ ہو یا خشک۔

بعض دفعہ ہاتھوں اور پاؤں میں ایسا درد ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے ہیں جس کو گنٹھیا کہتے ہیں۔ اس کے علاج کے لیے حکیم حضرات مستقل طور پر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن آج مصیبت یہ ہے کہ نہ تو لوگوں کے اندر یقین رہا ہے اور نہ اس کی طرف توجہ ہے (ڈاکٹروں کے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں۔) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان سادہ دیسی علاجوں میں بڑا اثر رکھا ہے۔

زیتون کے فوائد

اور زیتون درخت ہے جس کے پھل سے تیل نکلتا ہے۔ یہ تیل خوراک کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے جانوروں کا گھی جس کو ہم دیسی گھی کہتے ہیں، مفید بھی ہے اور مضر بھی ہے۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں، بدن سے کام لیتے ہیں ان کے لیے سونے پر سہاگا ہے۔ اور جو لوگ بدنی کام نہیں کرتے بیٹھے رہتے ہیں ان کے اعصاب کو کمزور کرتا ہے۔ زیتون کے تیل میں رب تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ یہ اعصاب کو تقویت بخشتا ہے۔ معدے میں جو فاسد مادے جمع ہو جاتے ہیں ان کو خارج کرتا ہے۔

(نوٹ: اپنے حکیم اور ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ علاقے علاقے کا بڑا فرق ہوتا ہے اور مزاج کا بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہمارے معدے زیادہ گرم شے برداشت نہیں کرتے۔ مرتب)

اور زیتون دردوں کے لیے مالش کے طور پر مفید ہے۔ ہمارے ہاں چوں کہ رواج نہیں ہے اور مہنگا بھی ہے اور ہم گھی کھانے کے عادی ہیں اس لیے ہمیں اس کا ذائقہ اچھا نہیں لگتا ورنہ دیسی گھی سے یہ بہت اچھا ہے۔

تو فرمایا ﴿وَالتِّيْنِ﴾ قسم ہے انجیر کی ﴿وَالزَّيْتُوْنِ﴾ اور قسم ہے زیتون کی ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ اور قسم ہے طورِ سینا کی۔ طور وہ پہاڑ ہے جس پر بارہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے ہم کلام ہوئے۔ سینین کے تین معانی مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

❀...... ایک معنیٰ ہے برکت والا۔

❀...... دوسرا معنیٰ ہے حَسَنٌ خوب صورت۔ طور پہاڑ بڑا خوش نما ہے۔

❀...... تیسرا معنیٰ ہے پھلوں والا۔ طور پہاڑ پر جو درخت ہیں وہ پھل دار ہیں۔ قرآن کریم میں سینین بھی آیا ہے اور سینا بھی آیا

ہے۔دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

چار مقامات پر دجال نہیں جاسکے گا

دجال لعین جب آئے گا تو ساری دنیا میں گھومے گا۔ دنیا کا کوئی حصہ اس کے ناپاک قدموں سے محفوظ نہیں رہے گا مگر چار مقامات پر نہیں جاسکے گا۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتے راستوں پر کھڑے ہوں گے۔ وہ اس کا رخ پھیر دیں گے۔

دوسرا مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی انتہائی کوشش کرے گا لیکن فرشتے اس کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ سڑکوں پر فرشتوں کا سخت پہرہ ہوگا۔ پھر مدینہ منورہ میں زلزلہ آئے گا اور کچے قسم کے لوگ جو دجال کے مرید ہوں گے وہ باہر چلے جائیں گے۔ اور پکے قسم کے ... حرکت نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ موت تو ہے ہی ہم مدینہ کیوں چھوڑیں۔

تیسرا مقام بیت المقدس ہے۔ ایک پہاڑ ہے جس کا نام صہیون ہے۔ آج کل صحافی اس کو صیہون لکھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اصل صہیون ہے بروزن برزون۔ یہ پہاڑ سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے جیسے ہمارا کوہ مری ہے۔ اس پہاڑ پر یہ شہر آباد ہے جسے بیت المقدس کہتے ہیں۔ اور بیت المقدّس بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس میں مسجد اقصیٰ ہے جس پر اس وقت یہودیوں کا قبضہ ہے۔ ان کا دل چاہے تو مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے دیتے ہیں نہ چاہے تو نہیں پڑھنے دیتے۔ لیکن اُس وقت اللہ تعالیٰ ایسے حالات اور اسباب پیدا کرے گا کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کا کنٹرول ہوگا اور دجال لعین بیت المقدس شہر میں داخل نہیں ہوسکے گا باوجود کوشش کرنے کے۔

اور چوتھا مقام کوہِ طور ہے کہ اس پر چڑھنے کی کوشش کرے گا لیکن توفیق نہیں ہوگی۔ یہ چار مقامات دجال لعین کے ناپاک قدموں سے محفوظ رہیں گے۔ مجمع الزوائد میں یہ روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔

﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ اور قسم ہے اس امن والے شہر کی۔ مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ مکرمہ جاہلیت اور کفر کے زمانے میں بھی امن کا شہر تھا۔ کافر، مشرک لوگ بھی حرم میں نہیں لڑتے تھے۔ اگر کوئی نادان لڑائی کرتا تو کہتے حرم حرم یعنی حرم کا احترام کر یہاں نہ لڑ۔ اس کے اردگرد سے لوگ اُٹھا لیے جاتے تھے ﴿وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ (العنکبوت: آیت: ۶۷، پارہ: ۲۱) "اور اُچک لیے جاتے ہیں لوگ اردگرد سے۔" قتل ہوتے، ڈاکے پڑتے لیکن ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ (آل عمران: ۹۷) "اور جو شخص اس میں داخل ہوگیا وہ امن والا ہوگیا۔" اس کو پورا امن نصیب ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے کہ زمین کے ٹکڑوں میں سب سے اعلیٰ ٹکڑا کون سا ہے؟ لیکن یہ اختلاف زمین کے اُس ٹکڑے کے علاوہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا مقام۔ کیوں کہ وہ جگہ عرش سے، لوح سے، قلم سے، بیت اللہ سے، جنت سے بھی افضل ہے۔ کیوں کہ جو ذات وہاں آرام فرما ہے وہ ساری مخلوق سے افضل ہے۔ پھر اس ٹکڑے کے بعد بیت اللہ سب سے افضل ہے۔ اس کا بہت

بلند مقام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (فرماتے ہیں عزت والی چیزیں جن کو شعائر اللہ کہتے ہیں بہت سی ہیں مگر چار اہم ہیں۔ ایک قرآن کہ اس کا احترام اسلام کی بنیاد ہے۔ دوسرا نبی کا وجود۔ تیسری نماز اور چوتھا کعبۃ اللہ۔ یہ چار چیزیں شعائر اللہ میں معظم ہیں۔

پہلے چار چیزوں کی قسم تھی اب جواب قسم ہے۔ فرمایا ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو اچھی ترکیب میں۔ انسان کا بدن دیکھو! اور جانوروں کا بدن دیکھو! انسان کو جیسی قد و قامت اور وضع قطع اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ مخلوق میں اور کسی کو نہیں دی۔ قد دیکھو، ہاتھ پاؤں دیکھو، آنکھیں دیکھو، سوچنے کے لیے دل دیا، سمجھنے کے لیے دماغ دیا، بہت کچھ دیا ہے۔ اچھی ترکیب اور اچھی صورت میں انسان کو پیدا فرمایا۔ ساری کائنات میں انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت دی بنی آدم کو۔" مجموعی لحاظ سے انسانوں کا درجہ فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہے۔ مجموعی کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک سارے کے سارے انسان تھے، بشر تھے۔ ان کی وجہ سے اس نوع کا پلہ بھاری ہو گیا۔ باوجود اس کے کہ فرشتے اپنی نوع کے اعتبار سے معصوم ہیں اور انسان اپنی نوع کے اعتبار سے معصوم نہیں ہے۔ معصوم صرف پیغمبر ہیں۔ امام بھی معصوم نہیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے رافضیوں کے کفر کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ اپنے بارہ اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں۔ اور غیر معصوم کو معصوم سمجھنا بھی کفر ہے۔ بے شک اماموں کا اپنی جگہ مرتبہ اور مقام ہے مگر معصوم نہیں ہیں۔

فرمایا ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾ پھر ہم نے لوٹایا اس کو نیچوں سے نیچے۔ انسان انسان رہے تو بڑی بلند مخلوق ہے لیکن جب انسانیت کے درجے سے گر جاتا ہے تو ﴿شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے برا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل میں آتا ہے کہ کتا کتیا بھی سوار ہوئے، بلا بلی بھی سوار ہوئے، چوہا چوہی بھی سوار ہوئے، خنزیر اور خنزیرنی بھی مگر نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کو جگہ نہ ملی کہ وہ انسانیت سے گر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر فرمایا تھا کہ آپ کے اہل کو بچاؤں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھ کر کہا ﴿رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (ہود: ۴۵) "اے میرے رب بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ برحق ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ "بے شک وہ نہیں ہے آپ کے اہل میں سے ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ اس کے کام اچھے نہیں ہیں۔"

پیغمبر کے بیٹے کے عمل اچھے نہیں تھے کشتی میں جگہ نہیں ملی اور کتے اور خنزیر کو جگہ مل گئی۔ انسان اگر انسان ہو تو بہت بلند ہے۔ جب گر جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ انھی انسانوں میں سے منافق ہیں جو جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: ۱۴۵) "بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔"

تو فرمایا پھر ہم نے اس کو لوٹا دیا نیچوں سے نیچے ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾

اور عمل کیے اچھے۔ ان کے درجے بلند ہوں گے ﴿فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ پس ان کے لیے اجر ہوگا نہ ختم ہونے والا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی جوانی میں، صحت میں نیکیاں زیادہ کرتا تھا مگر بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ اس کے نامہ اعمال میں وہ نیکیاں اسی طرح لکھتے جاؤ جس طرح وہ جوانی میں کرتا تھا۔ مثلاً: جوانی میں وہ مسجد میں آتا تھا بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتا تو اس کے آنے جانے کے ہر قدم پر جو نیکیاں لکھی جاتی تھیں اب بھی اسی طرح لکھی جائیں گی اگرچہ اس نے کی نہیں ہیں۔ درس سننے کے لیے آتا تھا تو ہر قدم پر سات، سات سو نیکیاں ملتی تھیں۔ اب بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتا یہ نیکیاں برابر لکھی جائیں گی۔

اس کو اس طرح سمجھو کہ ایک پکا ملازم ہوتا ہے اور ایک کچا ملازم ہوتا ہے۔ کچا ملازم دیہاڑی دار ہوتا ہے۔ آئے گا دیہاڑی ملے گی نہیں آئے گا نہیں ملے گی۔ چھٹی کرے گا تو اس دن کی تنخواہ نہیں ملے گی۔ مگر جو پکا ملازم ہوتا ہے اس کو چھٹی کی بھی تنخواہ ملتی ہے اور ریٹائر ہونے پر پنشن بھی ملتی ہے۔ کوشش کرو کہ ہم رب تعالیٰ کے پکے ملازم ہو جائیں۔ تو جو پکے ملازم ہیں ان کو بڑھاپے اور بیماری میں بھی پورا اجر و ثواب ملتا ہے اُن اعمال کا جو وہ جوانی اور صحت کے زمانے میں کرتے تھے۔

فرمایا ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ﴾ پس اے انسان! کون سی چیز جھٹلانے پر مجبور کرتی ہے تجھے ﴿بَعْدُ﴾ یہ سننے کے بعد کہ ہم نے انسان کو اچھی ترکیب میں پیدا کیا ہے ﴿بِالدِّينِ﴾ حساب کے دن کو، بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہو اور کہتے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی۔ جو رب پیدا کرسکتا ہے دوبارہ نہیں لوٹا سکتا؟ کیوں کہتا ہے قیامت نہیں آئے گی ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے اچھا حاکم۔ حق والا، عدل والا، انصاف والا حاکم نہیں ہے؟

اگر قیامت نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا عدل ظاہر نہیں ہوگا۔ کیوں کہ دنیا میں سچے کو جھوٹا بنا دیا جاتا ہے اور جھوٹے کو سچا بنا دیا جاتا ہے۔ تو دنیا میں تو صحیح فیصلہ نہ ہوا۔ اگر آخرت نہ آئے اور عدل و انصاف قائم نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت معاذ اللہ تعالیٰ! اندھیر نگری ہے سچ، جھوٹ میں فرق نہ ہوا، سچے اور جھوٹے کا پتا نہ چلا، حق و باطل کا علم نہ ہوا، مومن اور کافر کا علم نہ ہوا، موحد اور مشرک کا نتیجہ نہ نکلا، سنی اور بدعتی کا پتا نہ چلا۔ تو عقلی طور پر قیامت کا آنا ضروری ہے۔ تو جو قیامت کا انکار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو احکم الحاکمین نہیں مانتے۔

اس آیت کریمہ کو جب پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی پڑھتے تھے بَلٰی نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پڑھتے تھے۔ نماز میں نہیں نماز کے بعد، نماز کے علاوہ جب یہ آیت کریمہ سنو ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ تو کہو بَلٰی نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ "کیوں نہیں اور ہم اس پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
(۳۰)

آیاتُھا ۱۹ سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ (۹۶) (۱) رُکُوْعَاتُھَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ آپ پڑھیں اپنے رب کے نام کے ساتھ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ﴾ جس نے پیدا کیا ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ اس نے پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے ﴿اِقْرَاْ﴾ آپ پڑھیں ﴿وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ اور آپ کا رب بڑے کرم والا ہے ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ﴾ سکھایا انسان کو ﴿مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا ﴿كَلَّاۤ﴾ خبردار ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ﴾ بے شک انسان ﴿لَیَطْغٰۤى﴾ البتہ سرکشی کرتا ہے ﴿اَنْ رَّاٰهُ﴾ کہ وہ دیکھتا ہے اپنے آپ کو ﴿اسْتَغْنٰى﴾ بے پروا ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى﴾ بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ﴾ کیا دیکھا ہے آپ نے اس شخص کو ﴿یَنْهٰى﴾ جو منع کرتا ہے ﴿عَبْدًا﴾ بندے کو ﴿اِذَا صَلّٰى﴾ جب وہ نماز پڑھتا ہے ﴿اَرَءَیْتَ﴾ آپ بتلائیں ﴿اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى﴾ اگر ہے وہ (نماز پڑھنے والا) ہدایت پر ﴿اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴾ یا وہ حکم دیتا ہے پرہیزگاری کا ﴿اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى﴾ آپ بتلائیں اگر (وہ روکنے والا) جھٹلاتا ہے اور اعراض کرتا ہے ﴿اَلَمْ یَعْلَمْ﴾ کیا وہ نہیں جانتا ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰى﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿لَىٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ﴾ اگر یہ باز نہ آیا ﴿لَنَسْفَعًۢا﴾ البتہ ہم گھسیٹیں گے ﴿بِالنَّاصِیَةِ﴾ پیشانی سے پکڑ کر ﴿نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ جو پیشانی جھوٹی اور خطا کار ہے ﴿فَلْیَدْعُ﴾ پس وہ بلائے ﴿نَادِیَهٗ﴾ اپنی مجلس والوں کو ﴿سَنَدْعُ﴾ ہم بلائیں گے ﴿الزَّبَانِیَةَ﴾ پیدل سیاست کرنے والے فرشتوں کو ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿لَا تُطِعْهُ﴾ آپ اس کی اطاعت نہ کریں ﴿وَ اسْجُدْ﴾ اور سجدہ کرو ﴿وَ اقْتَرِبْ﴾ اور قریب ہو جاؤ۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ العلق ہے۔ دوسری آیت کریمہ میں علق کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک کی وہ سورت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ پوری تو نہیں لیکن اس کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ تو نزول کے اعتبار سے اس کا پہلا نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور انیس (۱۹) آیتیں ہیں۔

شانِ نزول

اس کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نبوت ملنے سے پہلے غارِ حرا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے تھے۔ یہ غار حرا جبل نور کی چوٹی پر آج بھی اصلی شکل میں موجود ہے۔ پہلی کتابوں میں جبل نور کا نام فاران تھا۔ یہ کافی دشوار گزار پہاڑ ہے۔ اس پر چڑھنا کافی مشکل ہے۔ ہمت والے لوگ چڑھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کھجوریں، پانی کی صراحی، ستو اور خشک روٹی جو بھی خوراک اس وقت میسر ہوتی تھی ساتھ لے کر کئی کئی دن اور راتیں وہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ پیغمبر پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی شرک کے قریب نہیں جاتا۔

اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل دین تو اکثریت نے مسخ کر دیا تھا لیکن کچھ خال خال بندے اس دین پر چلنے والے موجود تھے۔ انھی لوگوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ کو نبوت ملنے سے چند دن پہلے فوت ہو گئے تھے۔ یہ مشرکوں کی سخت تردید کرتے تھے کہ ظالمو! تم نے اللہ تعالیٰ کے گھر میں بت پرستی شروع کی ہوئی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر کیوں نہیں چلتے۔

تو خیر حضرت جبرئیل علیہ السلام جبل نور پر انسانی شکل میں تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑا تھا اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ ٹکڑا آپ ﷺ کے سامنے کیا اور کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ آپ پڑھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سینے کے ساتھ لگا کر زور سے دبایا اور کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ پڑھو۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تیسری مرتبہ پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سینے کے ساتھ لگایا اور کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ پڑھ ﴿بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، سے لے کر ﴿مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ تک پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھوٹے بچے کو قاعدہ پڑھاؤ اور کہو پڑھ بسم اللہ! تو وہ ساتھ پڑھتا ہے۔ جو کہتے جاؤ گے وہ ساتھ پڑھتا جائے گا۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی اور ذہن بھی کامل اور صاف تھا تو آپ ﷺ کو ساتھ پڑھنے میں کیا دشواری تھی؟ اور فرمایا کہ مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سمجھا کہ کپڑے پر جو الفاظ لکھے ہوئے ہیں اس کے متعلق مجھے فرما رہے ہیں کہ پڑھو۔ تو فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ بعد میں حقیقت کھلی کہ وہ کپڑا تو جبرئیل اپنی یادداشت کے لیے لائے تھے پڑھانا تو زبانی تھا۔

جس وقت یہ پہلی وحی نازل ہوئی ہے اس وقت آپ ﷺ کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کو پندرہ سال گزر چکے تھے اور حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہم سب پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبوت والے سال پیدا ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ جس وقت گھر تشریف لائے تو بڑے گھبرائے ہوئے تھے۔ فرمایا

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ " مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اوڑھادو۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمبل اوڑھایا گیا۔ فرمایا مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بڑے حوصلے والی بیوی تھیں۔ کہنے لگیں اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا اس لیے کہ آپ سچ بولتے ہیں، غریبوں کی ہمدردی کرتے ہیں، غریبوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اچھے کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا چچازاد بھائی تھا ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ۔ پہلے مشرک تھا پھر عیسائی ہوگیا۔ لوگوں کو انجیل عربی اور عبرانی زبان میں لکھ کر دیتے تھے اور لکھوائی لے کر اپنا وقت گزارتے تھے۔ اُس وقت وہ نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اپنے بھتیجے سے سنو! یہ کیا سناتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں تھا میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اقراء، پڑھو! میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ مجھے سینے کے ساتھ لگا کر زور سے دبایا اور کہا کہ پڑھو! میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تین دفعہ اس نے مجھے سینے کے ساتھ لگا کر دبایا۔ پھر وہ پڑھتا گیا میں بھی اس کے ساتھ ساتھ پڑھتا گیا۔

ورقہ بن نوفل نے کہا ذٰلِكَ النَّامُوْسُ الَّذِیْ " یہ وہ فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش میں اُس وقت تک زندہ رہوں جس وقت لوگ آپ کو یہاں سے نکالیں گے تو میں تمہاری مدد کروں۔" بخاری شریف کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگ یہاں سے نکالیں گے؟ اُس نے کہا ہاں! جو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہی ہے وہ جس پیغمبر نے بھی کہی ہے اس پر سختی آئی ہے۔ بعض کو قتل کیا گیا اور بعض کو نکالا گیا۔ ورقہ بن نوفل فوت ہوئے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت! ان کا کیا انجام ہوگا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ان کو ایسا لباس پہنے ہوئے دیکھا کہ وہ دوزخیوں کا نہیں ہوسکتا وہ جنتیوں کا لباس ہے۔

ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق بھی کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے پیغمبر ہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا جب لوگ آپ کو یہاں سے نکالیں گے تو میں پوری قوت کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ یہی تصدیق ہے۔ اسی لیے اسماء الرجال والے فرماتے ہیں کہ یہ بھی صحابی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن ان سے پہلے واضح طور پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائی تھیں۔ لہٰذا اولیت ان کو حاصل ہے۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ تو اس موقع پر یہ پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا ﴿ اِقْرَاْ ﴾ پڑھ ﴿ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ اپنے رب کے نام کے ساتھ ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ جس نے پیدا کیا ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴾ اس نے پیدا کیا انسان کو مِنْ عَلَقٍ لوتھڑے سے۔ منی کے قطرے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے خون کا لوتھڑا بنا دیتا ہے پھر وہ سخت ہو کر بوٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے انسانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ پھر چار ماہ

بعد اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں روح پھونک دیتے ہیں۔ پانچ ماہ بچہ بغیر سانس لیے ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے مرتا نہیں۔ مگر وہی بچہ پیٹ سے باہر آنے کے بعد ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں ہوا نہ ہو تو مر جاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کم و بیش پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ میں زندہ رہتا ہے جہاں ہوا کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

فرمایا ﴿اِقْرَاْ﴾ آپ پڑھیں ﴿وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ اور آپ کا رب بڑے کرم والا ہے، بڑی مہربانی کرنے والا ہے ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے۔ قلم کے ذریعے نشر و اشاعت ہوتی ہے اور علم پھیلتا ہے ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ سکھایا انسان کو وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ان چیزوں کی تعلیم دی جن کا اس کو علم ہی نہیں تھا۔ دنیا کا علم حاصل ہوا، آخرت کا بھی علم حاصل ہوا۔ آج انسان زہرہ ستارے تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جس وقت آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا، اظہارِ نبوت کیا تو سب سے پہلے ابو جہل مقابلے میں آیا۔ یہ بڑا اکھڑ مزاج اور ضدی آدمی تھا۔ یہ مکہ مکرمہ کا ابو الحکم یعنی چیف جسٹس تھا۔ اس نے سمجھا کہ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے تو میری سرداری خطرے میں پڑ جائے گی تو مخالفت شروع کر دی ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی﴾ میں انسان سے مراد ابو جہل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّآ﴾ خبردار! ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ﴾ بے شک انسان یعنی ابو جہل ﴿لَیَطْغٰۤی﴾ البتہ سرکشی کرتا ہے، نافرمانی پر تلا ہوا ہے۔ کیوں؟ ﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی﴾ کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے، بے پروا دیکھتا ہے اپنے آپ کو مالی اعتبار سے کہ مکہ مکرمہ میں دوسرے نمبر کا مال دار تھا۔ پہلا نمبر ولید بن مغیرہ کا تھا جو مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ مکہ مکرمہ میں اس سے بڑا کوئی مال دار نہیں تھا۔

فرمایا اے انسان! ﴿اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی﴾ بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ قیامت کو نہ بھولنا رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ دنیا میں کتنی دیر زندہ رہو گے؟ کتنا کھا لو گے؟ کتنا استعمال کر لو گے؟ کتنا عرصہ سرکشی اور نافرمانی کرو گے؟ ایک دن رب کے پاس جانا ہے اور نتیجہ بھگتنا ہے۔ یقین جانو! جس آدمی کا یہ پختہ عقیدہ ہو کہ رب تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور مجھ سے پوچھ گچھ ہونی ہے اول تو وہ گناہ ہی نہیں کرے گا۔ اگر بمقتضائے بشریت ہو گیا تو اصرار نہیں کرے گا فوراً توبہ کرے گا۔ اور وہ آدمی جو موت، قبر، آخرت سے بے فکر ہے اس کی زندگی، حیوانوں والی ہے، جو چاہے کرتا پھرے آخرت میں رسوا ہو گا۔

فرمایا ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ﴾ کیا دیکھا ہے آپ نے اس شخص کو یعنی ابو جہل کو ﴿یَنْهٰی﴾ وہ روکتا ہے ﴿عَبْدًا﴾ بندے کو یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ﴿اِذَا صَلّٰی﴾ جب وہ نماز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تھے وہ منع کرتا تھا۔ پہلی وحی کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وضو کا طریقہ بتلایا کہ اس وقت نفلی نماز تھی فجر، چاشت اور عصر کی۔ یہ تین نمازیں آپ ﷺ پڑھتے تھے مسجد حرام میں۔ اُس وقت مسجد حرام کا تھوڑا سا رقبہ تھا۔ آنحضرت ﷺ جب کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھتے تو ابو جہل کہتا اگر میں نے تجھے دوبارہ نماز پڑھتے دیکھا تو تیری گردن کچل دوں گا، نعوذ باللہ تعالیٰ۔

چنانچہ ایک دن وہ اس ارادے کے ساتھ آیا کہ جس وقت یہ سجدے میں جائیں گے تو میں ان کی گردن پر چڑھ جاؤں

گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ کر آگے بڑھا مگر فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہوئی تم جلدی واپس لوٹ آئے؟ کہنے لگا مجھے خندق نظر آئی جس میں آگ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ آگے بڑھ کر مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

فرمایا ﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى﴾ آپ بتلائیں کہ اگر وہ نماز پڑھنے والا بندہ ہدایت پر ہو ﴿اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴾ یا وہ پرہیزگاری کا حکم کرتا ہو۔ وہ اچھے کام کرتا ہے اس لیے یہ منع کرتا ہے ﴿اَرَءَيْتَ﴾ کیا دیکھا ہے تو نے ﴿اِنْ كَذَّبَ﴾ اگر وہ روکنے والا حق کو جھٹلاتا ہے ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور اعراض کرتا ہے حق سے ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ﴾ کیا وہ نہیں جانتا ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اس سرکش کی تمام حرکات کو۔ یہ جو روکنے والا ہے، بدکردار ابوجہل عمرو بن ہشام، اس کو علم نہیں ہے کہ رب تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ کر رہا ہے۔ کب تک یہ روکے گا اور کس کس کو روکے گا؟

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ رحمٰن شروع کی ہوئی تھی۔ کافروں نے آکر اتنا مارا کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اس کے چند دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَازَالَ اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَر "جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اس کے بعد ہم طاقتور سمجھے جاتے تھے۔" پہلے جو لوگ ہم پر سختی کرتے تھے اب سختی نہیں کرتے تھے بلکہ ڈرتے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے مظلوموں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، غلاموں پر، لونڈیوں پر۔

فرمایا ﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ﴾ خبردار البتہ اگر وہ روکنے والا باز نہ آیا ﴿لَنَسْفَعًا﴾ البتہ ہم گھسیٹیں گے ﴿بِالنَّاصِيَةِ﴾ پیشانی سے پکڑ کر یعنی پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر ﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ جو پیشانی جھوٹی اور خطاکار ہے۔ یعنی ہمارے فرشتے آئیں گے بالوں سے پکڑ کر اسے کھینچیں گے یہ کون ہوتا ہے ہمارے بندے کو نماز سے روکنے والا۔

ابوجہل یہ بھی کہتا تھا کہ میری مجلس تو آدمیوں سے بھری ہوتی ہے تیرے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ یہ خباب، بلال، اور چند لولے، لنگڑے تیرے ساتھ ہیں۔ جن پر فخر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ﴾ پس وہ بلائے اپنی مجلس والوں کو۔ نادی کا معنیٰ مجلس، محفل۔ جس مجلس اور محفل پر گھمنڈ کرتا ہے بلائے ان کو ﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ ہم بلائیں گے پیدل سیاست کرنے والے فرشتوں کو۔ زبانیہ (زبنیۃٌ کی جمع ہے) دراصل اس عملے کو کہتے ہیں جو سختی کے ساتھ مجرم سے جرم کا اقرار کرائے۔ جیسے پولیس والے کہ مار مار کر جرم کا اقرار کرواتے ہیں۔ بعض بے گناہ بھی اقرار کر لیتے ہیں مار سے بچنے کے لیے۔

تو زبانیہ فرشتوں کا وہ سخت محکمہ ہے جو ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ جان قبض کرتے وقت کافروں کے مونہوں اور پشتوں پر کوڑے برساتے ہیں۔ وہ مرنے والا ہی جانتا ہے دوسرے کو علم نہیں ہوتا۔

تو فرمایا ہم بلائیں گے اپنے پٹائی کرنے والے جتھے کو، سٹاف کو ﴿ كَلَّا ﴾ خبردار ﴿ لَا تُطِعْهُ ﴾ آپ اس کافر کی اطاعت نہ کریں نماز سے نہ رکیں۔ جتنا آپ کا جی چاہتا ہے ڈٹ کر نماز پڑھیں ﴿وَاسْجُدْ﴾ اور سجدہ کر اپنے رب کے سامنے ﴿وَاقْتَرِبْ﴾ اور قرب حاصل کر اپنے رب کا۔ اس کافر کے کہنے میں نہ آنا۔ یہ سجدے کی آیت ہے جو آدمی اس آیت کو پڑھے گا اس پر بھی سجدہ واجب ہے اور جو سنے گا اس پر بھی سجدہ واجب ہے۔ مثلاً: اب میں نے پڑھی ہے اور جن مرد عورتوں نے سنی ہے سب پر سجدہ واجب ہو گیا ہے۔ اب تو وقت نہیں ہے سجدہ کرنے کا کیوں کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سجدہ کرنا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے لیے وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، قبلے کی طرف رخ ہونا، نماز کا وقت بھی ہو، سورج کے طلوع ہونے کے وقت اور غروب ہونے کے وقت اور زوال کے وقت نہیں کر سکتا۔ ان تین وقتوں کے سوا جس وقت چاہے کر سکتا ہے۔ کیوں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ عصر کی نماز کے بعد بھی سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد بھی کر سکتا ہے۔ فجر اور عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، قضا نماز پڑھ سکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
(۳۰)

آیاتہا ۵ سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ (۹۷) (۲۵) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے اُتارا اس قرآن پاک کو ﴿فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ لیلۃ القدر میں ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ وہ قدر والی رات کیا ہے ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ وہ قدر والی رات ﴿خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ ہزار مہینے سے زیادہ بہتر ہے ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اُترتے ہیں فرشتے ﴿وَالرُّوْحُ فِيْهَا﴾ اور روح اس میں ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے اِذن سے ﴿مِنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ ہر معاملے میں ﴿سَلٰمٌ﴾ سلامتی ہوتی ہے ﴿هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ اس رات فجر کے طلوع ہونے تک۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے نازل کیا ہے اس قرآن پاک کو ﴿فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ لیلۃ القدر میں۔ لیلۃ القدر میں سارے قرآن پاک کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا میں ایک مقام ہے جس کا نام بیت العزت ہے اور اس کو بیت العظمت بھی کہتے ہیں، تک پورا قرآن ایک ہی رات یعنی لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ بیت العزت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر تیئیس (۲۳) سال میں نازل ہوا۔

کل کے درس میں تم سن چکے ہو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو اکتالیسویں سال کی پہلی صبح سحری کے وقت سوموار کے دن سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں ﴿مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ تک نازل ہوئیں۔ پھر مکہ مکرمہ میں قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔ تقریباً چھیاسی سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ باقی قرآن پاک مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، پانچ سو چالیس رکوع ہیں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں۔

شانِ نزول

اس سورت کا شانِ نزول اس طرح تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملی کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ (۶۰) سے ستر (۷۰) سال کے درمیان ہوں گی۔ ستر سے زائد عمر والے کم لوگ ہوں گے۔ یہ سبق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یاد تھا۔

پھر ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد اور عابد کا ذکر کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک مجاہد تھا کہ جس کا معمول تھا کہ رات کو تہجد پڑھتا اور دن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا اور دوپہر کو تھوڑا سا سوتا تھا، آرام کرتا تھا۔ یہ عمل اس نے چوراسی سال کیا۔ چوراسی سال کے تقریباً ایک ہزار مہینے بنتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ بات سنی تو پریشان

ہو گئے، سب غمگین ہو گئے اور سر جھکا لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا ہے؟ ایک واقعہ سن کر غمگین ہو گئے ہو؟ کہنے لگے حضرت! آپ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ اور آج آپ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے چوراسی سال اس طرح گزارے کہ رات کو تہجد اور دن کو جہاد۔ ہماری تو عمریں ہی چوراسی سال نہیں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ پھر ان میں سے نابالغی کا وقت بھی گزر جاتا ہے۔

نابالغی کے زمانے میں آدمی جو عبادت کرتا ہے اس کا ثواب اس کے والدین کو ملے گا۔ اگر نابالغی میں عبادت نہیں کرتا تو اس پر شرعاً کوئی گرفت نہیں ہے۔ مگر عادت پڑے گی۔ اگر بچپن میں عبادت نہیں کرے گا تو عادت نہیں پڑے گی۔ اس لیے حدیث پاک میں حکم آیا ہے کہ سات سال کے بچوں کو نماز کا حکم دو اور دس کے ہو جائیں اور نہ پڑھیں تو ان کو مارو۔ اور بالغ ہونے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے آب و ہوا، خوراک، ماحول، صحت، ان چیزوں پر موقوف ہے۔ اگر لڑکے لڑکی کے بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر میں لازماً بالغ ہو جائے گا۔ اس سے پہلے تیرہ سال یا چودہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔

تو خیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا حضرت ہماری تو عمریں ساٹھ سے ستر کے درمیان رہیں گی ان میں کچھ زمانہ نابالغی کا بھی ہے تو وہ بنی اسرائیل کا مجاہد تو نمبر لے گیا، اس کا درجہ تو بڑھ گیا اس لیے ہم پریشان ہوئے ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں ایک رات ایسی دی ہے کہ جو ہزار مہینے یعنی چوراسی سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

پھر یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے۔ کیوں کہ دوسرے پارے میں ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ "رمضان المبارک کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔" لوح محفوظ سے، آسمان دنیا میں، بیت العزت کے مقام پر، رمضان المبارک میں لیلۃ القدر میں۔

لیلۃ القدر کی تلاش

لیلۃ القدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکم رمضان المبارک کو اعتکاف بیٹھ گئے۔ دس راتیں اعتکاف میں گزاریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا جس رات کی تلاش میں آپ ہیں وہ ان راتوں میں نہیں ہے وہ آئندہ راتوں میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو ساتھی اس رات کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے بیٹھے تھے ان سے فرمایا کہ میرا خیال تھا کہ شاید وہ رات پہلی دس راتوں میں ہو مگر اب جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ آئندہ راتوں میں ہے۔ لہٰذا اب میں نے بیس تاریخ تک اعتکاف بیٹھنا ہے جو تم میں سے ہمت کرے وہ بھی بیٹھے۔

چنانچہ بیس رمضان تک اعتکاف بیٹھے مگر کوئی اشارہ نہ ہوا۔ جب بیسویں رات پوری ہوگئی تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے

اور کہا الَّذِیْ تَطْلُبُہٗ اَمَامَكَ "جس رات کی تلاش میں آپ ہیں وہ آگے ہے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ "لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔" پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید سہولت مل گئی کہ فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ "آخری دس راتوں میں جو طاق راتیں ہیں ان میں تلاش کرو۔" اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں۔ ان پانچ راتوں میں لیلۃ القدر ہے۔

امام ابوحنیفہ وَ مَنْ وَّافَقَهٗ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رات گردش کرتی رہتی ہے۔ کسی رمضان میں اکیسویں، کسی رمضان میں تیئیسویں، کسی رمضان میں پچیسویں اور کسی رمضان میں ستائیسویں اور کسی رمضان میں انتیسویں کی رات ہوتی ہے۔ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس تحقیق کو تسلیم کرلیا جائے تو بخاری شریف اور مسلم شریف کی تمام روایات منطبق ہوجاتی ہیں کسی کا انکار لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ بخاری شریف میں اکیسویں کی روایت بھی آتی ہے، تیئیسویں کی اور پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں کی روایت بھی آتی ہے۔ بہ ظاہر روایات میں تعارض ہے اور ہیں بھی صحیح۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق بڑی گہری ہے کہ یہ رات پھرتی رہتی ہے ایک رات میں بند نہیں ہے۔ لہٰذا اکیسویں والی روایت بھی صحیح ہے اور تیئیسویں والی روایت بھی صحیح ہے۔ کسی رمضان المبارک میں اکیسویں والی رات قدر کی ہوتی ہے اور کسی میں تیئیسویں والی ہوتی ہے وغیرہ۔ اس رات کی کوئی علامت نہیں ہے کہ جس سے شناخت ہوجائے کہ یہ لیلۃ القدر کی رات ہے۔

اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اس رات میں سارے درخت سجدے میں گر جاتے ہیں، سب پانی دودھ بن جاتے ہیں ایسی کوئی علامت شریعت میں نہیں ہے۔ جیسے نماز، روزے کے لیے، حج زکوٰۃ کے لیے کوئی ظاہری علامت نہیں ہے کہ جس سے پتا چل جائے کہ نماز قبول ہوگئی ہے، روزہ قبول ہوگیا ہے، زکوٰۃ قبول ہوگئی ہے، حج قبول ہوگیا ہے۔

یہ جو روایت ہے کہ جس آدمی کا حج قبول ہوجائے تو اس کی کنکریاں جو وہ جمرات کو مارتا ہے غائب ہوجاتی ہیں اور جس کا حج قبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں وہیں پڑی رہتی ہیں یہ روایت موضوع ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ ہاں وجدانی کیفیت پیدا ہوجائے تو شریعت اس کا انکار نہیں کرتی۔ وجدانی کیفیت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کرنے والے کے دل میں نرمی پیدا ہوجائے، بدن پر لرزہ طاری ہوجائے، قبول ہونے کی کوئی کیفیت پیدا ہوجائے جس کا اس کو احساس ہو تو شریعت اس کا انکار نہیں کرتی۔ جیسے مثال کے طور پر میرے گھٹنوں میں درد ہے اس کو میں سمجھتا ہوں تمھیں علم نہیں ہے۔ کسی کو بھوک لگتی ہے تو اس کو بھوک کا احساس ہوتا ہے، جس کو پیاس لگتی ہے اس کو پیاس کا احساس ہوتا ہے دوسرے کو نہیں۔ تو اگر کوئی زیادہ مخلص ہو اور اللہ تعالیٰ اس پر کوئی ایسی کیفیت طاری کردے کہ اس کو روشنی نظر آئے وغیرہ تو یہ اس کی حد تک ہوگی۔ ظاہری طور پر لیلۃ القدر کی کوئی نشانی نہیں ہے۔

تو فرمایا ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے نازل کیا ہے اس قرآن پاک کو ﴿فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ قدر والی، تعظیم والی رات میں ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ وہ تعظیم والی رات کیا ہے، احترام والی رات کیا ہے؟ ﴿لَيْلَةُ

الْقَدْرِ ﴿خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ وہ تعظیم والی رات بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینے کی راتوں سے نہیں فرمایا۔ اگر صرف راتیں مراد ہوتیں تو فرماتے خَيْرٌ مِّنْ لَيَالِيْ اَلْفِ شَهْرٍ مہینے فرمایا تو اس میں دن بھی آتے ہیں اور راتیں بھی آتی ہیں۔ ایک طرف ہزار مہینوں کے دنوں کی عبادت، راتوں کی عبادت اور ایک طرف لیلۃ القدر کی ایک رات کی عبادت، یہ ان سے بہتر ہے۔

منکرین حدیث کا رد

خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ یہ دوسرے پر زیادتی کے لیے آتا ہے، برتری کے لیے آتا ہے۔ تو ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ تھوڑے وقت کی عبادت زیادہ وقت کی عبادت سے بڑھ سکتی ہے۔ لہٰذا منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ تین دفعہ سورہ اخلاص پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ چنانچہ یہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے سے تیسرے حصے کا ثواب مل جائے گا۔ جو آدمی تین مرتبہ پڑھے گا اس کو پورے قرآن کا ثواب مل جائے گا۔

اسی طرح حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اشراق پڑھ کر جائے گا، اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے پندرہ منٹ بعد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو حج و عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔

منکرین حدیث کہتے ہیں یہ کیا ہوا کہ تھوڑی سی دیر میں حج کا ثواب مل گیا، عمرے کا ثواب مل گیا، تھوڑا سا قرآن پڑھا تو سارے قرآن کا ثواب مل گیا۔ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔ اس طرح احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ اب تم ان کو اس طرح پکڑو کہ بھئی! تم قرآن کو تو مانتے ہو دل سے نہ سہی مگر زبان سے دعویٰ تو کرتے ہو۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ ہزار مہینوں کی راتیں بناؤ، دن بناؤ۔ تیس راتیں، تیس دن یا انتیس راتیں، انتیس دن۔ تو ایک رات کی عبادت انتیس ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے، انتیس ہزار دنوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی تو کیا قرآن کریم کا انکار کر دیں؟ معاذ اللہ تعالیٰ (رب تعالیٰ نے یہ چیزیں انعام کے طور پر عطا فرمائی ہیں اس میں عقل کا کیا دخل ہے؟ مرتب: محمد نواز بلوچ)

لہٰذا ان لوگوں کی باتوں میں نہ آنا۔ آج کل منکرین حدیث، کتابیں، رسالے دھڑا دھڑ شائع کر رہے ہیں اور مفت تقسیم کرتے ہیں۔ کراچی کے بڑے بڑے سیٹھ کچھ گمراہ ہو گئے ہیں وہ ان کو زکوٰۃ وغیرہ دے دیتے ہیں اور یہ کتابیں اور رسالے طبع کرا کے لوگوں میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ ان رسالوں اور کتابوں میں گمراہی ہوتی ہے۔ ہر آدمی ان کی گمراہی نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً: ڈاکٹر عثمان ہے اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ اسی طرح غلام احمد پرویز ہے وغیرہ۔ یہ سلسلہ بڑا چل رہا ہے۔ ان کی کتابیں نہ پڑھنا چاہے مفت مل جائیں۔ کیوں کہ آدمی جب کسی کتاب کو مسلسل پڑھتا ہے تو اس کا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنا اثر ذہن پر چھوڑتی ہے اچھی ہو یا بُری۔

اہلِ حق کی کتابیں پڑھواور قرآن وحدیث کوذہن پر نہ پرکھو۔ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ جو حدیث بیان ہوئی ہے وہ صحیح ہو (منسوخ نہ ہو۔) حدیثِ صحیح ثابت ہو جائے تو آنکھیں بند کر کے قبول کرلو۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ تین دفعہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔مسلم شریف میں موجود ہے،نسائی شریف میں موجود ہے سورۃ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ﴾ پڑھنے سے نصف قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔دو دفعہ پڑھنے سے مکمل قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھنے سے قرآن پاک کے چوتھائی کا ثواب مل جاتا ہے۔چار دفعہ پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ احادیث صحیح ہیں ہم مانتے ہیں۔عقل مدار نہیں ہے۔

لیلۃ القدر کی ایک رات ہزار مہینوں کے دنوں اور راتوں سے بہتر ہے۔پھر لیلۃ القدر ہر علاقے کی اپنی معتبر ہے۔مثلاً اب ہمارے ہاں دن چڑھ رہا ہے امریکہ میں رات آرہی ہے۔یہ جو اقالیم سبع ہیں اپنے اپنے علاقے کے اعتبار سے معتبر ہوں گے۔ہمارے حق میں ہماری ہوں گی اور اُن کے حق میں ان کی ہوں گی۔

﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اُترتے ہیں فرشتے ﴿وَالرُّوْحُ فِيْهَا﴾ اور روح اس میں۔روح سے مراد روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اُترتے ہیں فِيْ كُبْكُبَةٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ "فرشتوں کے جمگھٹے میں۔" اور جہاں کہیں کوئی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے سلام کرتے ہیں،رحمت بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔آن واحد میں وہ سارے جہان میں گھوم جاتے ہیں۔

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ لیلۃ القدر کو روحیں آتی ہیں یہ نری خرافات ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔نہ جمعرات کو،نہ شب برأت کو،نہ لیلۃ القدر کو روحیں آتی ہیں،نہ عید کو آتی ہیں۔(اس سلسلے میں قاضی جگنو نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور ہندوستان میں کوئی بزرگ گزرے ہیں جو بدعتی خیال کے تھے۔تمام رطب و یابس انھوں نے جمع کیا ہے۔اس میں عجیب عجیب حدیثیں گھڑی ہیں۔ایک یہ بھی ہے اِنَّ فِيْ بَطْنِ الْمُؤْمِنِ زَاوِيَةٌ لَا يَمْلَؤُهَا اِلَّا الْحَلْوَاء "کہ مومن کے پیٹ میں ایک خانہ ہے حلوے کے بغیر اور کوئی چیز اس کو پُر نہیں کرتی۔" اور روحیں آکر حلوا اور کھیر مانگتی ہیں۔حلوے اور کھیر کا ذکر ضرور اس میں ہے۔بحوالہ: دورۂ تفسیر از شیخ سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ)

بخاری شریف کی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس سعادت مند کو جنت میں داخلہ مل گیا وہ دنیا میں آنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔جنت کی خوشیاں چھوڑ کر دنیا میں کون آئے گا؟ اور جو مجرم پھنسا ہوا ہے اس کو سیر کے لیے کون چھوڑتا ہے۔دنیا کی حوالات اور جیل سے نہیں آسکتا دوزخ سے کیسے چھوٹ کر آئے گا؟ ہاں اتنی بات یاد رکھنا! کہ حدیث پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اپنے مُردوں کو پریشان نہ کرنا۔تمھارے اعمال کبھی کبھی بڑوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ماں باپ،دادا دادی کے آگے۔اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور بُرے ہوں تو وہ بے چارے غمگین ہوتے ہیں۔اس کو اس طرح سمجھو کہ ہمیں کوئی آکر کہے کہ تیرے بیٹے نے اچھا کام کیا ہے تو ہم بڑے خوش ہوں گے اور اگر کہیں کہ بُرا کام کیا ہے تو پریشان ہوں

گے۔اس سے زیادہ وہ پریشان ہوں گے کہ وہ عین الیقین کو پہنچ چکے ہیں۔تو روحیں دنیا میں نہیں آتیں۔ان کو کبھی حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی فوت ہوتا ہے تو روحیں آپس میں ملتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے۔جانے والا بتلاتا ہے کہ فلاں کا یہ حال ہے،فلاں کا یہ حال ہے۔اور اگر وہ دوسری طرف چلا گیا ہو تو وہ کہتا ہے کہ وہ تو کافی عرصے کا آچکا ہے تمھارے پاس نہیں پہنچا؟ وہ کہتے ہیں نہیں پہنچا۔پھر وہ دوسری طرف چلا گیا ہے۔

تو فرمایا فرشتے اُترتے ہیں اور روح القدس اُترتے ہیں ﴿بِإِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے اِذن سے ﴿مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ﴾ ہر معاملے میں سلامتی ہوتی ہے، ہر قسم کی سلامتی کا حکم ہوتا ہے اس رات ﴿حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ فجر کے طلوع ہونے تک۔غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔اس میں کوئی تلاوت کرے،نماز پڑھے، صدقہ خیرات کرے، جو بھی نیکی کرے گا اس رات کا ثواب حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس رات کی عبادت ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۸ (۹۸) سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۰) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ﴾ نہیں تھے وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے ﴿وَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور مشرکین میں سے ﴿مُنْفَكِّیْنَ﴾ باز آنے والے ﴿حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ﴾ یہاں تک کہ آجائے ان کے پاس واضح دلیل ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (وہ بینہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہے ﴿یَتْلُوْا﴾ پڑھتا ہے ﴿صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ پاکیزہ صحیفے ﴿فِیْهَا﴾ ان میں لکھی ہوئی ہیں ﴿كُتُبٌ قَیِّمَةٌ﴾ کتابیں مضبوط ﴿وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ﴾ اور نہیں پھوٹ ڈالی اُن لوگوں نے ﴿اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جن کو دی گئی کتاب ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا﴾ بعد اس کے ﴿جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ﴾ آگئی اُن کے پاس واضح دلیل ﴿وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا﴾ اور نہیں حکم دیا گیا اُن کو ﴿اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی ﴿مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ خالص کرنے والے ہوں اس کے لیے دین کو ﴿حُنَفَآءَ﴾ یک سو ہونے والے ہیں ﴿وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کریں نماز ﴿وَ یُؤْتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور ادا کریں زکوٰۃ ﴿وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ﴾ اور یہی دین مضبوط ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ اہل کتاب میں سے ﴿وَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور مشرکوں میں سے ﴿فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی آگ میں ہوں گے ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس دوزخ میں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ﴾ یہ لوگ ساری مخلوق میں سے بدتر ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾ یہ لوگ ساری مخلوق میں سے بہتر ہیں ﴿جَزَآؤُهُمْ﴾ اُن کا بدلہ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اُن کے رب کے ہاں ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغات ہیں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہیں اُن کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ﴾ رہیں گے اُن میں ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ ہمیشہ ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ راضی ہو چکا اللہ تعالیٰ اُن سے ﴿وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور وہ راضی ہو چکے اللہ تعالیٰ سے ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ﴾ یہ اُس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے اپنے رب سے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام ہے سورۃ البینہ۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا سواں (۱۰۰) نمبر

ہے۔اس سے پہلے ننانویں (۹۹) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔اس کا ایک رکوع اور آٹھ (۸) آیتیں ہیں۔

رب نے پیچیدہ بیماریوں کے لیے ماہر حکیم اعلیٰ دوا کے ساتھ بھیجا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں ایک سخت شکل کو بیان فرمایا ہے۔سمجھانے کے لیے میں عرض کرتا ہوں۔جسمانی بیماریوں میں سے بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ بیمار خود سمجھتا ہے کہ میں بیمار ہوں، مجھے تکلیف ہے۔اور بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ بیمار کو پتا نہیں چلتا ڈاکٹر اور حکیم بتلاتے ہیں کہ تجھے یہ بیماری ہے۔اور بعض ایسی پیچیدہ بیماریاں ہوتی ہیں کہ جو ڈاکٹر اور حکیم کی سمجھ میں بھی نہیں آتیں۔پھر یہ بھی ہے کہ معمولی بیماری کے لیے معمولی دوا کفایت کر جاتی ہے اور پیچیدہ بیماری کا نہ تو معمولی دوا سے آرام آتا ہے اور نہ معمولی ڈاکٹر کام آتا ہے۔ایسی بیماری کے لیے ماہر ڈاکٹر اور ماہر حکیم کی ضرورت ہوتی ہے۔اور تشخیص کے بعد ایسی بیماری کے لیے قیمتی دوا کی ضرورت ہوتی ہے کہ بیماری جڑ سے اکھڑ جائے۔عام دوا کفایت نہیں کرتی۔

اسی طرح سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے ہیں اُس وقت مشرکین عرب کی جو اپنے آپ کو ابراہیمی کہلواتے تھے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں کفر و شرک کی بیماریاں، بدعات اور رسومات کی بیماریاں اُن میں یوں جڑ پکڑ چکی تھیں کہ (وہ ان کو بیماریاں ہی نہیں سمجھتے تھے۔) معمولی حکیم اور معمولی ڈاکٹر اُن کے لیے کافی نہیں تھا اور نہ ہی معمولی نسخہ سے اُن کو آرام آسکتا تھا۔یہ بیماریاں اُن کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھیں جنھوں نے اُن کے جسموں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔وہ اُس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتے تھے جب تک قابل ترین حکیم اور ڈاکٹر اُن کی بیماریوں کی تشخیص کر کے اُن کو قیمتی دوائی نہ کھلاتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنے روحانی ڈاکٹر اور حکیم بھیجے ہیں اُن تمام روحانی معالجوں میں سے سب سے بڑے ماہر معالج اور حکیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اُن کے علاج کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا۔اور روحانی علاج کے لیے جتنی دوائیں ہیں ان تمام دواؤں میں سب سے اعلیٰ دوا، سب سے بڑی دوا قرآن کریم ہے۔جو اِس وقت ہمارے سامنے ہے ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ (یونس:۵۷) "اور شفا ہے اس کے لیے جو سینوں میں (روگ) ہیں۔"

باطنی بیماریوں کا واحد علاج قرآن پاک ہے۔اور ظاہری بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے بشرطیکہ یقین کامل ہو۔مگر آج ایک تو ہمارا یقین کمزور ہے، خوراک ہماری حلال کی نہیں ہے، زبانیں ہماری پاک نہیں ہیں، دل ہمارے پاک نہیں ہیں، دماغ ہمارے پاک نہیں، دانت ہمارے پاک نہیں، اس لیے ہم جب پڑھ کر دم کرتے ہیں تو فائدہ نہیں ہوتا۔ورنہ قرآن کریم میں آج بھی وہی اثر ہے۔

دم اور تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے، ایک واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس صحابہ ایک مہم پر روانہ فرمائے۔ان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔واپس آتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچے، رات گزارنی تھی۔اُن لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے بتلایا

کہ ہم مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں اور مسلمان ہیں۔ کہنے لگے اچھا تم ہمارے گاؤں کو ناپاک کرنے آئے ہو ہم تمھیں نہیں رہنے دیں گے۔ اُنھوں نے قصبے میں نہ رہنے دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قصبے سے باہر ڈیرا لگالیا۔ رات گزارنی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ قصبے کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا۔ وہاں جتنے معالج تھے ان کو بلایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ مجبوراً انھوں نے کہا کہ جن لوگوں کو ہم نے رات یہاں رہنے نہیں دیا تھا اُن کے پاس جاؤ شاید اُن میں کوئی دم والا ہو۔ اِن کے پاس آکر اُنھوں نے کہا فَهَلْ فِيْكُمْ مِّنْ رَاقٍ "کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن میں تیس بکریاں معاوضہ لوں گا۔ کیوں کہ تیس آدمی تھے۔ خیال ہوا کہ ایک ایک تو مل جائے۔

بخاری شریف کی روایت ہے تیس بکریاں طے ہوئیں۔ انھوں نے جاکر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ایسے ہوگیا جیسے اس کو تکلیف تھی ہی نہیں۔ تیس موٹی موٹی بکریاں ان سے لے لیں۔ بعض ساتھیوں نے کہا کہ یہیں تقسیم کرلو۔ دوسروں نے کہا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ کر دریافت کریں کہ یہ ہمارے لیے جائز بھی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ مدینہ طیبہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بالکل ٹھیک کیا ہے۔

مسئلہ: دم اور تعویذ پر اُجرت لینا بالاتفاق جائز ہے چاہے جتنی مرضی کوئی لے۔ ہاں! ہمارے اکابر نے ہمیں دو سبق دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ امیر کے گھر نہیں جانا فقیر کا دروازہ بہتر ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی سے مانگنا نہیں ہے، نہ اشارہ، نہ کنایہ۔ اپنی خوشی سے کوئی دے دے تو لے لو۔ الحمدللہ! ہم نے اپنے بزرگوں کی نصیحت پر عمل کیا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے واقعہ پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا حصہ بھی نکالو۔ اس میں لالچ وطمع نہیں تھا صرف اُن کا ذہن صاف کرنا تھا کہ اگر اس میں ذرا بھی خرابی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہ لیتے۔ کیوں کہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿يَاۤ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (المومنون: ۵۱) "اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک۔" تو خیر قرآن کریم ظاہری بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ نہیں تھے وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ یہودیوں اور عیسائیوں میں ﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور مشرکوں میں سے۔ قریش عرب جو اپنے آپ کو موحّد سمجھتے تھے مگر تھے مشرک۔ نہیں تھے یہ سارے ﴿مُنْفَكِّيْنَ﴾ باز آنے والے، اپنی بُرائی سے جدا ہونے والے ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ یہاں تک کہ آئے ان کے پاس واضح دلیل۔ وہ بینہ کیا ہے؟ ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول۔ ایسا رسول جو تمام رسولوں کا امام اور ساری کائنات سے افضل۔ تب انھوں نے اپنی عادت کو چھوڑنا تھا۔ بیماریاں سخت اور پیچیدہ تھیں ماہر حکیم کی ضرورت تھی۔ نسخہ کیا ہے؟ ﴿يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ پڑھتا ہے پاکیزہ صحیفے۔ ایسے مضمون جو بڑے پاکیزہ ہیں۔ قرآن پاک کی ہر سورت ایک صحیفہ ہے ﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ ان میں لکھی ہوئی باتیں بڑی قیمتی ہیں، مضبوط ہیں۔ پیغمبر سب سے اعلیٰ اور نسخہ سب سے بہترین۔ یہ قرآن جو تمھارے سامنے ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے قرآن نازل نہ ہوتا تو یقیناً ان لوگوں نے کفر وشرک سے

باز نہیں آنا تھا۔ بیماری بڑی تھی علاج کے لیے حکیم بھی بڑا چاہیے تھا اور نسخہ بھی بہترین درکار تھا۔

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ اور نہیں پھوٹ ڈالی اُن لوگوں نے جن کو دی گئی کتاب ﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ مگر بعد اس کے کہ آ گئی اُن کے پاس واضح دلیل ـــ رسول اللہ آ گیا۔ محض اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے تفرقہ ڈالا آخری پیغمبر کے آجانے کے بعد۔ یہ پیغمبر ان کو وہی سبق دیتا ہے جو پہلی کتابوں میں موجود تھا۔ تورات، انجیل، زبور رب تعالیٰ کی سچی کتابیں تھیں۔ ان تمام کتابوں میں ہدایت تھی، عقیدہ تھا، اخلاقی معاملات تھے، آخری پیغمبر کی نشانیاں تھیں۔

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اور نہیں حکم دیا گیا اُن کو مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی ﴿مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو۔ ان کو صرف رب تعالیٰ کی عبادت کا حکم تھا مگر انھوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنا لیا تھا ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (توبہ:۳۱) "بنا لیا انھوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب اللہ تعالیٰ کے سوا اور مسیح ابن مریم کو۔" مولویوں اور پیروں کی بات کو آسمانی دلیل کے بغیر صحیح سمجھ لیتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا شروع کر دی۔

﴿حُنَفَآءَ﴾ حنیف کی جمع ہے۔ حنیف کا معنیٰ ہے یکسو ہونے والا۔ تمام غلط راستوں کو چھوڑ کر سیدھے راستے پر چل پڑے۔ باطل عقائد اور نظریات کو چھوڑ کر صحیح بات کو لینے والا حنیف ہے۔ توحید کے لیے یکسو ہونے والا۔ تو ﴿حُنَفَآءَ﴾ کا معنیٰ ہوگا یکسو ہونے والے ہیں ﴿وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کریں نماز۔ لیکن ان لوگوں نے کیا کیا؟ ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ (مریم:۵۹) "ضائع کر دی انھوں نے نماز اور خواہشات کی پیروی کی۔"

آج مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمان کہلانے والوں میں پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے والے کتنے ہیں؟ اور کچھ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ توبہ کر لیں گے سب کچھ معاف ہو جائے گا۔ میں کئی مرتبہ یہ مسئلہ سمجھا چکا ہوں کہ نماز، روزہ اور جتنے ارکان اسلام ہیں ایک ارب مرتبہ توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوں گے چاہے کعبۃ اللہ میں جا کر توبہ کرو۔ جب تک ان کی قضا نہیں ہوگی معافی نہیں ہے۔ تمام فقہاء، تمام محدثین کا اتفاقی مسئلہ ہے لہٰذا مغالطے میں نہ آنا۔ اپنے گھروں میں یہ مسئلہ واضح کرو، عورتوں کو بھی سمجھاؤ۔ بالغ ہونے کے بعد جس کے ذمہ نماز ہے وہ آج سے ہی اس کی قضا شروع کر دے۔ نوجوانوں کے لیے تو یہ مسئلہ آسان ہے کہ ابھی ابھی بالغ ہوئے ہیں مصیبت تو بوڑھوں کے لیے ہے۔ ایسے لوگ بھی میرے محلے میں رہتے ہیں جن کو میں نے کبھی سجدہ کرتے نہیں دیکھا۔ مجھ سے بھی زیادہ عمر کے ہیں۔ ان سے کہو تو کہتے ہیں اچھا جی! فطرت ہی ایسی بن گئی ہے۔

تو بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ نماز توبہ کے ساتھ معاف نہیں ہوتی ﴿وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہ بھی ان کو حکم تھا ﴿وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ اور یہی سیدھا دین ہے۔ اس کے بعد فرمایا نافرمانوں کا نتیجہ بھی سن لو! ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا اہل کتاب میں سے، یہود و نصاریٰ میں سے ﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور مشرکوں میں سے۔ عرب کے مشرکوں میں یا دنیا کے مشرکوں میں سے، سب کے سب ﴿فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی آگ میں ہوں

گے۔ پھر جہنم میں جانے کے بعد ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ﴾ بَرِیّہ کا معنٰی ہے مخلوق۔ یہ لوگ ساری مخلوق میں سے بدتر ہیں۔ کتا، بلی، خنزیر، چوہا وغیرہ جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں یہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ چاہے ان کی قدوقامت، شکل وصورت اچھی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بدترین مخلوق ہیں۔

بخلاف اس کے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾ یہ لوگ ساری مخلوق میں سے بہتر ہیں۔ ان کے لیے بدلہ کیا ہوگا؟ ﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اُن کا بدلہ اُن کے رب کے ہاں ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغات ہیں۔ یہ باغ ہمیشہ رہنے والے ہیں کبھی خشک نہ ہوں گے اور نہ ان کے پتے جھڑیں گے، ان کے میوے بھی ختم نہیں ہوں گے ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ "نہ قطع کیے جائیں گے نہ روکے جائیں گے۔" ہمیشہ ہمیشہ ہوں گے ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہیں اُن باغوں کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ رہیں گے اُن میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بہتر ہوں گے وہ ان باغوں میں رہیں گے۔ جو سعادت مند ایک دفعہ داخل ہو گیا پھر اس کے نکلنے کا وہاں سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو چکا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے۔ دنیا میں اخلاقی لحاظ سے سندیں دی جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا سے بڑی کوئی سند نہیں ہے۔ یہ وعدہ کن لوگوں سے ہے؟ فرمایا ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ﴾ یہ اُس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے اپنے رب سے۔ چاہے گورا ہے، چاہے کالا ہے، عربی ہے، چاہے عجمی ہے، موٹا ہے یا پتلا ہے اور دنیا کے جس حصے میں بھی رہتا ہے رب تعالیٰ کی رضا کا پروانہ اس کو حاصل ہوگا۔ لہٰذا ہر ایک کو اپنی آخرت بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الزِّلۡزَالِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتُہا ۸ | سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۹) (۹۳) | رُکُوعَاتُہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ جب ہلا دی جائے گی زمین ﴿زِلْزَالَهَا﴾ اس کا ہلایا جانا ﴿وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ﴾ اور نکال دے گی زمین ﴿اَثْقَالَهَا﴾ اپنے بوجھ ﴿وَ قَالَ الْاِنْسَانُ﴾ اور کہے گا انسان ﴿مَالَهَا﴾ اس کو کیا ہو گیا ہے ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اُس دن ﴿تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ بیان کرے گی زمین اپنی خبریں ﴿بِاَنَّ رَبَّكَ﴾ اس لیے کہ بے شک تیرے رب نے ﴿اَوْحٰى لَهَا﴾ اس کو حکم دیا ہے ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اُس دن ﴿یَّصْدُرُ النَّاسُ﴾ لوٹیں گے لوگ ﴿اَشْتَاتًا﴾ گروہ گروہ ہو کر ﴿لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ﴾ تاکہ دکھائے جائیں ان کو ان کے اعمال ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ﴾ پس جس نے عمل کیا ﴿مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر ﴿خَیْرًا﴾ نیکی کا ﴿یَّرَهٗ﴾ دیکھ لے گا اس کو ﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ﴾ اور جس نے عمل کیا ﴿مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ذرہ برابر ﴿شَرًّا﴾ برائی کا ﴿یَّرَهٗ﴾ دیکھ لے گا اُس کو۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الزلزال ہے۔ زلزال کا لفظ پہلی آیت کریمہ ہی میں موجود ہے۔ جس سے یہ نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا اسی (۸۰) نمبر ہے۔ اس سے پہلے اُناسی (۷۹) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ (۸) آیتیں ہیں۔

قرآن کریم میں تین بنیادی عقیدے بیان ہوئے ہیں۔ توحید، رسالت، قیامت۔ تو عقائد کا تیسرا حصہ اس سورت میں ہے۔ سورۂ اخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ عقائد میں سے تیسرا حصہ اس میں ہے۔ لہٰذا اس کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ بطور انعام کے قرآن کریم کے تیسرے حصے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ یعنی جس شخص نے ایک دفعہ سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھی اس کو دس پاروں کا ثواب مل گیا۔ دو دفعہ پڑھی تو بیس پاروں کا ثواب مل گیا اور جس نے تین مرتبہ پڑھی اس کو پورے قرآن کا ثواب مل گیا۔

اور ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھنے سے ربع قرآن یعنی چوتھائی کا ثواب مل جاتا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا ہے۔ اور توحید اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتی جب تک شرک کا مفہوم سمجھ نہ آئے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے اَلشِّرْكُ اخفی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ "شرک کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ اُن کی چال چیونٹی سے مخفی ہے۔" ہر آدمی اُن کو نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت! اگر رات میرے پاس تلوار نہ ہوتی تو

ڈاکو مجھے لوٹ لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شرک نہ کر شرک بُری شے ہے۔ تجھے یہ کہنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی امداد نہ ہوتی اور عالم اسباب میں یہ تلوار نہ ہوتی تو ڈاکو مجھے لوٹ لیتے۔ تو نے رب تعالیٰ کا نام ہی نہیں لیا۔ تو پہلے شرک کی حقیقت کو سمجھے گا پھر توحید سمجھ آئے گی۔

سورۃ الزلزال کی فضیلت

سورت ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ کے متعلق فرمایا کہ اس کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ نصف قرآن کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ سورتیں چھوٹی ہیں مگر ان کا اجر زیادہ ہے۔ یہ سورتیں ہر مسلمان مرد عورت کو یاد کرنی چاہئیں۔ یہ سورت دو مرتبہ پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔

مستدرک حاکم میں روایت ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پس کہا اُس نے مجھے پڑھائیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا اس کو ذوات الرٰ اسورتوں میں سے کوئی پڑھادیں۔ اس نے عرض کیا حضرت! میں بوڑھا ہوں زبان ٹھیک نہیں چلتی، حافظہ بھی کمزور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوات حٰم میں سے کوئی سورت پڑھادو۔ اُس نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو سورۃ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ پڑھادو۔ جب وہ پڑھ کے فارغ ہوا تو اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس پر زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر جب وہ آدمی واپس گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آدمی کامیاب ہوگیا، یہ آدمی کامیاب ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ جب ہلادی جائے گی زمین اس کا ہلایا جانا۔ جس وقت زمین پر زلزلہ طاری کر دیا جائے گا اس کا زلزلہ ﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ اور نکال دے گی زمین اپنے بوجھ۔ زلزلہ طاری ہوگا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔ ساری دنیا تباہ ہوجائے گی۔ دوبارہ پھر بگل پھونکیں گے تو سارے اپنی قبروں میں سے اور جہاں کہیں بھی کوئی ہوگا نکل پڑیں گے۔ زمین پہلے زلزلے سے پہلے اپنے سارے بوجھ نکال دے گی۔

قربِ قیامت زمین اپنے دفینے اُگل دے گی

مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وقت آئے گا زمین اپنے دفینے اور خزانے باہر نکال دے گی۔ سونے کے پہاڑ نکلیں گے، چاندی کے پہاڑ نکلیں گے، پٹرول، ڈیزل، سوئی گیس زمین سے نکل آئیں گی۔ پہلے ان چیزوں کو کون جانتا تھا؟

تو زمین میں جو دفینے ہیں وہ سب نکل آئیں گے۔ محشر والے دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیں گے۔ قاتل کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جانتا ہے یہ کیا ہے؟ وہ کہے گا اے پروردگار! یہ سونے کا پہاڑ ہیں، یہ چاندی کا پہاڑ ہے۔

اس کے لیے میں نے آدمیوں کو قتل کیا۔ چور کہے گا اس سونے چاندی کے بدلے میرے ہاتھ کاٹے گئے، قطع رحمی کرنے والا کہے گا اس سونے چاندی کی وجہ سے میں نے قطع رحمی کی۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے اب اُٹھالے جتنا اُٹھا سکتا ہے۔ کہے گا اے پروردگار! اب میں نے اس کا کیا کرنا ہے؟ تو زمین اپنے خزانے نکال دے گی۔

مسلم شریف کی روایت ہے دریائے فُرات اپنا رخ بدل لے گا۔ اس کے نیچے سے سونے کے پہاڑ نکل آئیں گے۔ اس سونے کے لیے لڑائیاں ہوں گی سو میں سے ننانوے قتل ہو جائیں گے ایک زندہ بچے گا۔ ہر ایک کے ذہن میں یہ ہوگا کہ وہ بچنے والا میں ہوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دریائے فرات کے رخ بدلنے سے نیچے سے سونا ظاہر ہوگا، نظر آئے گا۔ اس کے قریب نہ جانا۔ سونا تو لینا ہوگا فائدے کے لیے اور ننانوے نے قتل ہو جانا ہے لینے والا تو ایک خوش قسمت بچے گا۔ اس وقت تو سونے پر قبضہ یہودیوں کا ہے۔

دورۂ افریقہ اور یہود کے سونے کے کارخانے

گزشتہ سال ساتھی مجھے جنوبی افریقہ لے گئے۔ بہت بڑا ملک ہے، بڑا وسیع رقبہ ہے۔ وہاں سونے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ ایک کارخانے کے بارے میں ساتھیوں نے بتلایا کہ یہاں سفید سونا صاف کرتے ہیں۔ سرخ سونے سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔ اگر سرخ سونا ایک روپے کا ہے تو یہ سوا روپے کا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں مزدور کام کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کوئی کارخانہ کسی مسلمان کا بھی ہے؟ کہنے لگے نہیں سارے یہودیوں کے ہیں۔

اور یہ بھی بتلایا کہ ان کارخانوں کے مالکوں کی کچھ عرصہ پہلے میٹنگ ہوئی تھی جس میں اُنھوں نے اتفاق رائے کے ساتھ فیصلہ کیا کہ ان کارخانوں میں اتنا مال ہم نے مسلمانوں کے ذہن بدلنے کے لیے اور ان کو تباہ کرنے کے لیے خرچ کرنا ہے۔ چنانچہ مختلف شہروں میں انھوں نے رہڑھوں کا انتظام کیا کہ اُن پر گانے چلا کے وہ پھرتے رہیں چاہے اُن سے کوئی سودا لے یا نہ لے بس وہ گانے لگا کر بازاروں میں، گلیوں میں، پھرتے رہیں۔ لوگوں کو گانے سنا کر اُن کا ذہن خراب کیا جائے۔ ان رہڑھوں کا سارا خرچہ یہودی دیتے تھے۔ (آج کل وہ یہ سارا کام میڈیا سے لے رہے ہیں۔) اور مسلمانوں کے اخلاق تباہ کر رہے ہیں۔ اور ہم لوگ خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے ہیں۔ یہ بہت خبیث قومیں ہیں اور مسلمان غافل ہے اور حق سے ہٹتا جا رہا ہے۔

تو فرمایا زمین اپنے بوجھ نکال دے گی ﴿وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا﴾ اور کہے گا انسان حیرت سے اس کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ اُگل رہی ہے۔ پہلی دفعہ بگل پھونکنے سے ہر شے فنا ہو جائے گی۔ پھر دوسری دفعہ اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے تو سارے انسان بن کر نکل آئیں گے۔ چاہے وہ قبروں میں ہیں، چاہے درندے کھا گئے، چاہے مچھلیوں کے پیٹ میں ہیں، چاہے جل کر راکھ بن گئے ہیں۔

آج اسٹیشن پر جاؤ جگہ نہیں ملتی۔ بازاروں میں رش ہے، مارکیٹ میں پاؤں دھرنے کی جگہ نہیں، ہسپتالوں میں آدم ہی

آدم ہے۔ اور میدان محشر میں اول تا آخر انسان، حیوان، کیڑے مکوڑے، سارے جمع ہوں گے۔ وہ کتنا بڑا میدان ہوگا؟ اس سے اندازہ لگاؤ وہ کتنا بڑا میدان ہوگا۔ کافروں کے لیے وہ بڑا سخت ہوگا لیکن مومنوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ "نہیں غم میں ڈالے گی اُن کو بڑی گھبراہٹ ﴿وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳) اور ملیں گے ان سے فرشتے، سلام کریں گے۔" تو مومنوں کے لیے اس دن کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ بے ایمانوں، کافروں، منافقوں، بے نمازوں اور روزے خوروں، شرابیوں، زانیوں، بدمعاشوں اور غنڈوں کے لیے سخت ہوگا۔

﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اُس دن ﴿تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ زمین بیان کرے گی اپنی خبریں کہ اے پروردگار! اس مرد نے، اس عورت نے مجھ پر یہ کام کیا تھا۔ جہاں نماز پڑھی، جہاں قرآن کریم پڑھا، جہاں درود شریف پڑھا، جہاں ذکر کیا، جہاں زنا کیا، جہاں شراب پی، جہاں جو بھی کام کیا ہے اچھا یا بُرا زمین کا وہ حصہ بول کر بتائے گا اور ایسے بولے گا جیسے ایک آدمی بولتا ہے۔ زمین کیوں بولے گی؟ ﴿بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾ اس لیے کہ آپ کے رب نے اس کو حکم دیا ہے۔ اسی طرح یہ ہاتھ پاؤں آج ہمارے ساتھ نہیں بولتے قیامت والے دن بولیں گے۔ بدن کا ایک ایک عضو بولے گا۔ جِلد بولے گی۔

جب اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھیں گے اے بندے! تو نے یہ کام کیا ہے تو وہ انکار کرے گا جھوٹ بولے گا۔ مثلاً: مشرک کہے گا ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) "قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو ہمارا پروردگار ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ "دیکھو! کیسا جھوٹ بولا ہے انھوں نے اپنی جانوں پر۔" معلوم ہوا مشرک بڑا ڈھیٹ ہے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئے گا۔ پھر ان کی زبانوں پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ پاؤں بولیں گے۔ سورۃ یٰسین آیت نمبر ۶۵ میں ہے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ "آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے۔" کیوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا۔

﴿يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ﴾ اُس دن لوٹیں گے لوگ اللہ تعالیٰ کی عدالت سے ﴿اَشْتَاتًا﴾ شَتٌّ کی جمع ہے شت کا معنیٰ ہے فرقہ، گروہ۔ گروہوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عدالت سے لوٹیں گے۔ کوئی جنت کی طرف جائے گا اور کوئی دوزخ کی طرف۔ ایک یہودیوں کا گروہ ہوگا، ایک عیسائیوں کا گروہ ہوگا، ایک ہندوؤں کا، ایک سکھوں کا۔ پھر مزید ان میں تقسیم کہ کوئی چوروں کا، کوئی ڈاکوؤں کا، کوئی قاتلوں کا۔

مسلمانوں میں نمازیوں کا گروہ، حاجیوں کا گروہ، روزے داروں کا گروہ۔ تو الگ الگ گروہوں کی شکل میں لوٹیں گے ﴿لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ﴾ تاکہ دکھائے جائیں ان کو ان کے اعمال یعنی ان کے اعمال کا نتیجہ ان کو دکھایا جائے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ پس جس نے عمل کیا ذرہ برابر۔ ﴿خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ نیکی کا، اُس کو دیکھ لے گا۔ عربی زبان میں ذرہ کے دو معنیٰ آئے ہیں۔ ایک سرخ رنگ کی جو چھوٹی سی چیونٹی ہوتی ہے اس کو ذرہ کہتے ہیں۔ عربی جس

کسی شے کی قلت کو بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ اس چیونٹی سے بھی چھوٹی ہے۔ دوسرا معنیٰ: ہوا میں جو چھوٹے چھوٹے ذرے اُڑتے ہیں روشنی میں روشن دان سے نظر آتے ہیں ان کو ذرہ کہتے ہیں۔ مراد اس سے مقدار شے ہے۔ تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی قیامت والے دن اس کو دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ اور جس نے عمل کیا ذرہ برابر ﴿شَرًّا يَّرَهٗ﴾ برائی کا دیکھ لے گا اُس کو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِيَّاكِ وَمُحَقِّرَاتِ الذُّنُوْبِ "یاد رکھنا! کسی گناہ کو ہلکا اور حقیر نہ سمجھنا۔ اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز پرس ہوگی۔" تو محشر والے دن آدمی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی دیکھ لے گا اور چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی دیکھ لے گا۔ یہ بات بندے کو ہر وقت یاد رکھنی چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۱۱ (۱۰۰) سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۱۴) رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَ الْعٰدِیٰتِ﴾ قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ﴿ضَبْحًا﴾ ہانپتے ہوئے ﴿فَالْمُوْرِیٰتِ﴾ پھر آگ سلگانے والوں کی ﴿قَدْحًا﴾ ٹاپ مار کر ﴿فَالْمُغِیْرٰتِ﴾ پھر اُن کی جو غارت ڈالنے والے ہیں ﴿صُبْحًا﴾ صبح کے وقت ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ﴾ پھر وہ اُڑاتے ہیں اس میں ﴿نَقْعًا﴾ گرد و غبار ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ﴾ پس گھس جاتے ہیں گرد و غبار کے ساتھ ﴿جَمْعًا﴾ جماعت میں ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ﴾ بے شک انسان اپنے رب کا ﴿لَكَنُوْدٌ﴾ بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿وَ اِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ ﴿عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ﴾ اس پر البتہ گواہ ہے ﴿وَ اِنَّهٗ﴾ اور بے شک وہ ﴿لِحُبِّ الْخَیْرِ﴾ مال کی محبت میں ﴿لَشَدِیْدٌ﴾ البتہ بہت سخت ہے ﴿اَفَلَا یَعْلَمُ﴾ کیا پس انسان نہیں جانتا ﴿اِذَا بُعْثِرَ﴾ جب کریدا جائے گا ﴿مَا فِی الْقُبُوْرِ﴾ اُن کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ﴿وَ حُصِّلَ﴾ اور ظاہر کر دیا جائے گا ﴿مَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ جو کچھ سینوں میں ہے ﴿اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ﴾ بے شک اُن کا رب اُن کے بارے میں ﴿یَوْمَىٕذٍ لَّخَبِیْرٌ﴾ اُس دن خبر رکھنے والا ہے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ العادیات ہے۔ عادیات کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا چودھواں (۱۴) نمبر ہے۔ اس سے پہلے تیرہ (۱۳) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور گیارہ (۱۱) آیتیں ہیں۔

﴿وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا﴾ میں واو قسمیہ ہے۔ قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے۔ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم اُٹھائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ "جس نے قسم اُٹھائی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تحقیق اُس نے شرک کیا۔" کعبۃ اللہ کی قسم اُٹھائے، نبی کی قسم اُٹھائے، رسول کی قسم اُٹھائے، پیر کی قسم اُٹھائے، دودھ اور بیٹے کی قسم اُٹھائے، کسی بھی غیر اللہ کی قسم اُٹھائے تو اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے مَنْ قَالَ بِاللَّاتِ وَ الْعُزّٰى فَلْیَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "جس آدمی نے یہ کہا کہ مجھے لات کی قسم ہے، عزیٰ کی قسم ہے وہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے۔" کیوں کہ یہ شرک ہے۔

قرآن پاک کی قسم اُٹھانا کیسا ہے؟

قرآن پاک کے بارے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن پاک کی قسم درست ہے یا نہیں؟ ایک تو قرآن پاک کے یہ الفاظ ہیں جو ہم پڑھتے ہیں۔ یہ کلام لفظی کہلاتا ہے۔ ہم لکھتے ہیں، پڑھتے ہیں۔ ایک مضمون ہے جو ان الفاظ کے اندر ہے وہ کلام نفسی کہلاتا ہے جو رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ قدیم ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات بھی قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔

علامہ فخر الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی مشہور کتاب ہے "تبیین الحقائق" اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قرآن پاک کی قسم اُٹھائی تو منعقد ہو جائے گی۔ مثلاً: کوئی کہتا ہے کہ مجھے قرآن پاک کی قسم ہے تو یہ قسم صحیح ہے کیوں کہ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ غیر اللہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عین اللہ ہیں۔ لہٰذا رب تعالیٰ کی کسی بھی صفت کی قسم اُٹھائے گا وہ صحیح ہے۔ مثلاً: کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی قسم ہے یا اللہ تعالیٰ کے جلال کی قسم ہے، مجھے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی قسم ہے۔ یہ سب قسمیں صحیح ہیں۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور جو قاعدہ مخلوق کے لیے ہے وہ اللہ تعالیٰ پر لاگو نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ﴿لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۲۳) "نہیں پوچھا جا سکتا اللہ تعالیٰ سے جو وہ کرتا ہے اور ان سے (یعنی مخلوق سے) سوال کیا جائے گا۔" اللہ تعالیٰ روزانہ بے شمار مخلوق کو مارتا ہے بچے بھی مرتے ہیں، بڑے بھی مرتے ہیں اس سے کون پوچھنے والا ہے۔ اور اگر مخلوق میں سے کوئی اپنے بچوں کو مار دے تو وہ مجرم ہے۔ اس لیے کہ مخلوق اور خالق کے احکام جُدا جُدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اُونٹ ہیں۔ کیوں کہ عرب کی سرزمین پر زیادہ سواری اونٹوں کی ہوتی ہے اور وہ دوڑتے بھی ہیں۔ خصوصاً جہاد کے لیے، حج اور عمرے کے لیے۔ عرفات پہنچتے ہیں، مزدلفہ اور منیٰ پہنچتے ہیں۔ تو اُونٹوں کی قسم ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے اُونٹ نہیں گھوڑے مراد ہیں۔ کیوں کہ آگے لفظ ہانپنا ہے۔ گھوڑے ہانپتے ہیں اونٹ نہیں ہانپتے۔ ہانپنے کا معنیٰ ہے تیزی کے ساتھ چلنا پھر جلدی جلدی سانس لینا۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو جانور ہانپتے ہیں، ایک گھوڑا اور دوسرا کتا۔ ان کے سوا اور کوئی جانور ہانپتا نہیں ہے۔ لہٰذا یہی تفسیر صحیح ہے یعنی گھوڑے مراد ہیں۔

قسم ہے گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے ﴿فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا﴾ پھر آگ سلگانے والوں کی ٹاپ مار کر۔ عموماً گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے نعل لگے ہوتے ہیں۔ گھوڑے دوڑیں اور ان کے پاؤں پتھر پر لگیں تو چنگاریاں نکلتی ہیں۔ ان گھوڑوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھائی ہے۔ ﴿فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا﴾ پھر اُن کی جو غارت ڈالنے والے ہیں صبح کے وقت۔ اُس زمانے میں عموماً حملے صبح کے وقت ہوتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن پر صبح کے وقت حملہ کرتے تھے۔ اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دشمن پر حملے کا ارادہ فرماتے تو رات کے آخری حصے کا انتظار فرماتے، صبح صادق کے وقت۔ اگر دوسری طرف سے اذان کی آواز آتی تو سمجھتے کہ یہ لوگ اہل ایمان ہیں لہٰذا حملہ نہ کرتے۔ اور اگر اذان کی

آواز نہ آتی تو حملہ کر دیتے۔
اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر پہنچے تو ساتھیوں سے فرمایا اچھی طرح اور غور سے سنو! اگر اذان کی آواز آئے تو اس محلے پر حملہ نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی میں کوئی مسلمان مارا جائے۔

تو فرمایا جو حملہ کرنے والے ہیں صبح کے وقت ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا﴾ پھر وہ اُڑاتے ہیں اس میں گرد وغبار۔ بعض حضرات ﴿بِهٖ﴾ کی ضمیر لوٹاتے ہیں صبح کی طرف۔ تو اس وقت معنیٰ ہوگا وہ گھوڑے صبح کے وقت گرد وغبار اُڑاتے ہیں۔ رات کو عموماً اوس، شبنم پڑتی ہے اس کی وجہ سے صبح کو گرد وغبار کم اُڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اتنے تیز دوڑتے ہیں کہ صبح کے وقت وہ گرد وغبار اُڑاتے ہیں۔ اور بعض حضرات ضمیر ﴿قَدْحًا﴾ کی طرف لوٹاتے ہیں۔ تو پھر معنیٰ ہوگا تیز چلنے کی وجہ سے گرد وغبار اُڑاتے ہیں۔

﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ ﴿بِهٖ﴾ کی ضمیر لوٹ رہی ہے ﴿نَقْعًا﴾ کی طرف۔ معنیٰ ہوگا پس وہ گھس جاتے ہیں دشمن کی جماعت میں گرد وغبار کے ساتھ۔ ان گھوڑوں کی قسم ہے۔ آگے جواب قسم ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ بظاہر گھوڑوں کے دوڑانے اور انسان کے ناشکرے ہونے کا آپس میں ربط نظر نہیں آتا لیکن حقیقت میں بڑا گہرا ربط ہے۔ وہ اس طرح کہ گھوڑے کو بندے نے پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ گھوڑے کے واسطے چارا پانی بھی بندے نے پیدا نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ گھوڑا سانس لیتا ہے تو ہوا بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے بندے نے نہیں۔ گھوڑا جس زمین پر چلتا ہے وہ بھی رب تعالیٰ نے پیدا کی ہے بندے نے نہیں کی۔ بندہ صرف مجازی طور پر مالک ہے کہ اُس نے خریدا ہے یا گھر میں پالا ہے۔ گھاس اس کو کھلاتا ہے، پانی اس کو پلاتا ہے۔ اتنے سے تعلق سے وہ اس کا اتنا فرماں بردار ہے کہ مجاہد اس پر سوار ہو کر جہاد کے لیے جاتا ہے گھوڑا دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، تلواریں چل رہی ہیں، نیزے مارے جا رہے ہیں، گھوڑا زخمی بھی ہوتا ہے لیکن اپنے مجازی مالک کی نافرمانی نہیں کرتا۔ لیکن انسان اپنے حقیقی مالک کی بے شمار نعمتیں کھانے کے باوجود نافرمان ہے۔ اے انسان! تو نے سوچا ہے۔ کتنا بڑا سبق ہے؟
تو گھوڑے سے بھی گیا گزرا ہے۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا ہے، تیرے لیے خوراک، پانی پیدا کیا ہے، زمین بنائی ہے، ہوا چلائی ہے، سارا کارخانہ کائنات تیری خدمت پر لگایا ہے تو کتنا ناشکرا ہے۔ راحت، آرام میں بھی رب تعالیٰ کے سامنے نہیں جھکتا اور گھوڑا تیروں کی بارش میں بھی تیری فرماں برداری کر رہا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لَكَنُوْدٌ کا معنیٰ

عام مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم ﴿لَكَنُوْدٌ﴾ کا معنیٰ مطلق ناشکری کرنے والا کرتے ہیں۔ لیکن حسن بصری (جو تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ﴿لَكَنُوْدٌ﴾ اس ناشکرے کو کہتے ہیں کہ جس پر رب تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہوں اور وہ ان نعمتوں کا ذکر نہ کرے۔ لیکن جب تکلیفوں میں پھنسے تو تکلیفیں ساری شمار کرے کہ مجھے یہ تکلیف ہے، یہ تکلیف ہے، میں بیمار ہوں، میرا کاروبار

صحیح نہیں چل رہا، مجھے مالی نقصان ہوا ہے، دشمن نے میرے ساتھ یہ کیا ہے۔ رب تعالیٰ کی رحمتوں کا ذکر نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وجود دیا ہے، مجھے آنکھیں دی ہیں، کان دیئے ہیں، زبان دی ہے، دل، دماغ دیا ہے، مال دیا ہے، اولاد دی ہے، عزت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اور زیادہ دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم: ۷) "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور زیادہ دوں گا۔"

نماز ادائے شکر کا سب سے عمدہ طریقہ

اور یاد رکھنا شکر کا یہی معنیٰ نہیں ہے کہ اچھا کھانا کھانے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیر کر کہہ دیا الحمد للہ! (ایسا کرنے والے بھی کم ہیں۔ مرتب) حکیم، اطباء کہتے ہیں کہ آدمی جب کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے تو دو منٹ میں وہ ناخنوں کے نیچے تک پہنچ جاتا ہے۔ بھئی! کھانے پینے کا اثر تو سارے بدن میں ناخنوں کے نیچے تک پہنچ گیا اور شکریے میں تو نے دو تولے کی زبان ہلا کر سمجھا کہ شکریہ ادا ہو گیا۔ یقین جانو! سب سے بڑا شکر یہ نماز کے ذریعے ہے۔ نماز کے ذریعے جو شکر ادا ہوتا ہے وہ اور کسی عبادت کے ذریعے ادا نہیں ہوتا۔ اور تمام عبادتوں میں سرفہرست نماز ہے۔ قیامت والے دن پہلا پرچہ ہی نماز کا ہے اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الصَّلٰوةُ "مومن کا پہلا پرچہ حقوق اللہ میں سے نماز کا ہوگا۔" اگر نماز میں پورا اترتا ہے تو ان شاء اللہ باقی کام بھی ٹھیک ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مراسلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں، اُن کا دور خلافت دس سال ہے، اپنے تمام حکام کو سرکاری طور پر خط لکھا اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلٰوةُ "بے شک تمھارے تمام کاموں میں سب سے اہم اور ضروری کام میرے نزدیک نماز ہے۔" افسر نماز پڑھتا ہوگا تو میں سمجھوں گا کہ باقی کام بھی دیانت داری کے ساتھ کرتا ہے اور جو نماز نہیں پڑھتا هُوَ بِمَا سِوٰى اَضْيَعُ "میں سمجھوں گا کہ اس نے باقی کام بھی نہیں کیے۔" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں افسروں کی دیانت داری کا معیار نماز تھا۔

آج کتنے افسر ہیں جو نماز کی پابندی کرنے والے ہیں؟ پھر اگر کوئی نماز کی پابندی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ گھپلے کر کے لوٹ مار کر کے رقم بیرون ملک پہنچا دیتا ہے تو سن لو اور یاد رکھنا! ایک پیسہ بھی اگر کسی کا ناحق لیا ہوگا واپس کرنا پڑے گا۔ اور کس طرح؟ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں تین پیسوں کے بدلے سات سو نمازیں دینی پڑیں گی۔ نمازیں بھی وہ جو قبول ہو چکی ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ اور شامی میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

تو فرمایا بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ اور بے شک وہ اس پر گواہ ہے۔ شریف آدمی تو زبان قال سے کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکا۔ اگر کوئی زبان قال سے نہیں کہتا تو زبان حال بتا رہی ہے کہ میں نے رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔ بعض حضرات ہٗ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں۔ تو پھر معنیٰ ہوگا کہ

بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ناشکری پر گواہ ہے ﴿وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ﴾ اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔ مال کا بڑا عاشق ہے۔ مسلمان قوم کی ذلت کا ایک سبب مال کی محبت بھی ہے۔

ابو داؤد شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا کافر تمھیں کھانے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے جیسے دستر خوان پر کھانا لگا دیا گیا ہو تو کھانے والوں کو بلایا جاتا ہے آؤ بھائی! کھالو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا حضرت! کیا اُس وقت ہم تھوڑے ہوں گے کہ کافر ہمیں کھانے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا لَا بَلْ اَنْتُمْ کَثِیْرٌ "نہیں تم تھوڑے نہیں ہو گے بلکہ تم بہت زیادہ ہو گے۔" حضرت جب ہم زیادہ ہوں گے تو پھر لوگ ہمیں کیسے کھائیں گے؟ فرمایا فِیْکُمُ الْوَهْنُ "تمھارے اندر وھن ہوگا۔" وھن کا لفظی معنیٰ ہے کمزوری، سستی، یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے۔ مطلب نہ سمجھے۔ پوچھا وَمَا الْوَهْنُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! حضرت وھن کیا ہوتا ہمیں سمجھ نہیں آئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا حُبُّ الدُّنْیَا وَ کَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ "دنیا کی محبت اور موت سے ڈرنا۔" جس وقت یہ دو بیماریاں تمھارے اندر آجائیں گی کافر تمھیں کھانے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دیں گے۔ آج ہماری یہی کیفیت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مستدرک حاکم میں۔ آج سے تیس چالیس سال پہلے پڑھی پر ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی۔ حدیث صحیح سند کے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک وقت آئے گا آل عراق پر عجمی لوگ پابندیاں لگائیں گے، دانہ پانی کوئی چیز نہ پہنچے۔ سمجھ نہیں آتا تھا کہ عراق مستقل ملک ہے عجمیوں کو کیا مصیبت پڑی ہے ان پر دانہ پانی بند کرنے کی؟ مگر اب اِس وقت عراق پر انتیس حکومتوں نے حملہ کیا ہے اور اُن میں ہماری مہربان حکومت بھی شامل ہے۔ باقاعدہ ہمارے جہاز اور پائلٹ بھی ان میں شامل ہیں۔ اب عراق والوں کو خوراک پہنچانا بھی منع ہے اور دوائیں پہنچانا بھی منع ہے۔

اسی حدیث میں ہے کہ پھر شام پر پابندیاں لگیں گی۔ انھوں نے پوچھا وہ کون کرے گا؟ فرمایا الرّوم۔ وہ عیسائی کریں گے، امریکی کریں گے۔ شامیوں کے دانے پانی کے بند ہونے کا وقت بھی آنے والا ہے۔ عراق میں تو تم چھ سال سے دیکھ رہے ہو کہ بچے بھوکے مر رہے ہیں، دوائیاں بھی نہیں پہنچ رہیں۔ وہ خوددار اور جفاکش لوگ ہیں اس لیے زندہ ہیں ورنہ ان ظالموں نے زندگی کی کوئی رمق نہیں چھوڑی۔

﴿اَفَلَا یَعْلَمُ﴾ کیا پس نہیں جانتا انسان ﴿اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ﴾ جب کریدا جائے گا، نکال دیا جائے گا جو قبروں میں ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے سارے قبروں سے نکل آئیں گے ﴿وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ﴾ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے۔ دل کے جھوٹے سچے راز سب نکل آئیں گے ﴿اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ﴾ بے شک اُن کا رب اُن کے بارے میں اُس دن خبر رکھنے والا ہوگا۔ یعنی نتیجہ سامنے آجائے گا۔ آج بھی اللہ تعالیٰ خبردار ہے مگر آج کی خبر کا پورا نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ اس دن رب کی خبر کا پورا نتیجہ نکلے گا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۱۱ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۱۰۱) (۳۰) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ کھٹکھٹا دینے والی ﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾ کیا ہے کھٹکھٹا دینے والی ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾ کیا ہے کھٹکھٹا دینے والی ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ﴾ جس دن ہو جائیں گے لوگ ﴿كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ﴾ اور ہو جائیں گے پہاڑ ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (رنگ برنگ) دھنی ہوئی روئی کی طرح ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ پس بہر حال وہ جس کے اعمال بھاری ہوں گے ﴿فَهُوَ﴾ پس وہ ﴿فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پسندیدہ عیش میں ہوگا ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور بہر حال وہ جس کے اعمال ہلکے ہوں گے ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ پس اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا هِيَهْ﴾ کیا ہے وہ ہاویہ ﴿نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ آگ ہے بھڑکتی ہوئی۔

نام اور کوائف

قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں۔ قیامت، آخرت، الطامہ، آزفہ، غاشیہ، الحاقہ۔ ان ناموں میں سے ایک قارعہ بھی ہے۔ اس سورت کا نام بھی قارعہ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا تیسواں (۳۰) نمبر ہے۔ اس سے پہلے انتیس (۲۹) سورتیں نازل ہو چکی تھی۔

قَرَعَ کا معنیٰ ہے کھٹکھٹانا۔ کسی چیز کو کسی چیز پر ماریں تو اس سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اُسے کھڑکھڑاہٹ کہتے ہیں۔ قیامت کا نام قارعہ اس لیے ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی تو ہر چیز آپس میں ٹکرائے گی تو بڑا کھڑاک ہوگا۔ پہاڑ آپس میں ٹکرائیں گے، مکان ٹکرائیں گے، درخت ٹکرائیں گے۔ جیسے آج کل کوئی معمولی سی چیز دوسری کے ساتھ ٹکرائے تو دھماکا ہوتا ہے۔ گاڑی، گاڑی سے ٹکرائے تو کتنا دھماکا ہوتا ہے پہاڑ تو آخر پہاڑ ہیں۔ عجیب قسم کا منظر ہوگا۔

تو فرمایا ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ کھڑکھڑانے والی ﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾ کیا ہے کھڑکھڑانے والی ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ کیا ہے کھڑکھڑانے والی؟ ایک دھماکہ تو اس وقت ہوگا جب دنیا فنا ہوگی۔ پہاڑ، پہاڑ سے، درخت، درخت سے، دیوار، دیوار سے، ٹیلے، ٹیلے سے ٹکرائیں گے۔ پھر دوسری مرتبہ بگل پھونکی جائے گی، ساری کائنات میدانِ محشر میں جمع ہو جائے گی۔ اس وقت کیا حال ہوگا؟ ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ﴾ جس دن ہو جائیں گے لوگ ﴿كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح۔ جیسے پروانے بکھرے ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سب جمع ہوں گے۔

وہ کتنی بڑی جگہ ہوگی؟

بقول ابن العربی (آخری انسان کی پیدائش چین میں)

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ اپنا کشف بیان فرماتے ہیں کہ مجھے کشف میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ آخری انسان چین میں پیدا ہوگا۔ اس کے بعد کسی انسان کے ہاں پیدائش نہیں ہوگی تیس سال لوگ شادیاں بھی کریں گے لیکن اولاد کسی کے ہاں نہیں ہوگی۔ یہ قیامت سے پہلے قیامت کی ایک نشانی ہوگی۔

تو خیر سارے انسان، جنات، حیوان، فرشتے، مچھلیاں وغیرہ جو بھی مخلوق ہے وہ ساری اکٹھی ہوگی۔ عجیب قسم کا منظر ہوگا۔ بے ہنگم، بے ترتیب، جیسے پروانے ہوتے ہیں یہ کیفیت ہوگی ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ اور ہو جائیں گے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح۔ وہ بلند و بالا پہاڑ کہ ان پر چڑھنے سے بعض دفعہ جان چلی جاتی ہے دھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑتے پھر رہے ہوں گے ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ پس بہرحال وہ جس کے اعمال کے ترازو بھاری ہوں گے ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ پس وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا، مزے کر رہا ہوگا ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور بہرحال وہ جس کے اعمال کے ترازو ہلکے ہوں گے ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ پس اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اسلامی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ قیامت والے دن نیکی اور بدی کا ترازو میں تُلنا حق ہے۔ میدان محشر حق ہے، پل صراط حق ہے، جنت، دوزخ حق ہے، اللہ تعالیٰ کی عدالت کا قائم ہونا حق ہے۔

اعمال کا تلنا حق ہے اور معتزلہ کا رد

معتزلہ ایک فرقہ ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے۔ اُن میں بڑے بڑے فاضل گزرے ہیں۔ وہ ترازو کا انکار کرتے ہیں کہ اعمال ترازو میں تلیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میزان کا مطلب ہے عدل و انصاف ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم ترازو تسلیم کرلیں، نیکیوں اور بدیوں کا تلنا تسلیم کرلیں تو معاذ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی جہالت لازم آتی ہے۔ تولتا تو وہ ہے جس کو علم نہ ہو۔ رب تعالیٰ کے علم میں تو سب کچھ ہے۔ اہل حق کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی جہالت لازم نہیں آتی۔ کیوں کہ رب تعالیٰ نے اپنے علم کے لیے نہیں تولنا بلکہ بندوں کو بتلانا ہے کہ تمھاری نیکیاں اتنی ہیں اور بدیاں اتنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو علیم بالذات الصدور ہے۔ اس پر جہالت لازم نہیں آتی۔ جہالت اَلصَّیِّد لازم آتی ہے تول کر بندوں کو دکھانا ہے کہ اپنی نیکیاں اور بدیاں دیکھ لو۔ اس کے مطابق تمھارا نتیجہ بولا جائے گا۔

پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے افعال اور اقوال اعراض کی قسم سے ہیں جواہر نہیں ہیں۔ عرض وہ شے ہوتی ہے جس کا اپنا وجود نہیں ہوتا وہ دوسری شے کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ جیسے سفیدی کپڑے کے ساتھ قائم ہے کپڑے سے الگ قائم نہیں ہوسکتی۔ قول، یہ زبان کے ساتھ قائم ہے، عمل بدن کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا علیحدہ وزن کیسے ہوگا؟ اہل حق فرماتے ہیں کہ جو چیزیں اس

جہان میں اعراض ہیں وہ اُس جہان میں اجسام ہوں گی، ان کے جسم ہوں گے۔

معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات ہوئی تو انھوں نے دو پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت تک پہنچائے۔ایک یہ کہ اِقْرَأْ مِنِّيْ اُمَّتَكَ السَّلَامَ "میری طرف سے اپنی امت کو میرا سلام دے دینا۔" جواب میں کہہ دو عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى نَبِيِّنَا وَ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

اور دوسرا پیغام یہ پہنچانا کہ جنت کی زمین بالکل چٹیل میدان ہے طَيِّبَةُ الْاَرْضِ عَذْبَةُ الْمَاءِ "زرخیز زمین ہے، پانی بہت عمدہ ہے۔اس کے لیے درخت تم نے دنیا سے لانے ہیں۔" وہ کیا ہیں؟ ایک دفعہ کہو سبحان اللہ! ایک درخت لگ گیا، ایک دفعہ پڑھو الحمد للہ! ایک درخت لگ گیا، ایک دفعہ کہو اللہ اکبر! ایک درخت لگ گیا، ایک دفعہ پڑھو لا الٰہ الا اللہ ایک درخت لگ گیا۔ اس جہان میں ایک کلمے کی دس نیکیاں ملتی ہیں ایک صغیرہ گناہ مٹ جاتا ہے اور ایک درخت جنت میں لگ جاتا ہے۔انسان جتنی زیادہ تسبیحات اس دنیا میں کرے گا اتنے زیادہ درخت جنت میں لگیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ۔ اور بخاری شریف کی آخری روایت ہے كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ "اللہ تعالیٰ کو دو کلمے بہت پیارے اور محبوب ہیں زبان پر بڑے ہلکے ہیں یاد کرنے میں کوئی وقت نہیں لگتا اور پڑھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی ترازو میں بڑے بھاری ہیں۔قیامت والے دن ان کو تولا جائے گا تو بڑا وزن ہوگا۔ایک کلمہ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔" اِس جہان میں تو یہ قول ہیں اُس جہان میں درخت ہوں گے۔کیوں کہ اِس جہان کا معاملہ اور ہے اور اُس جہان کا معاملہ اور ہوگا۔

پھر اب تو اعراض بھی تلتے ہیں۔ڈاکٹر بتا دیتے ہیں کہ اتنے درجے کا بخار ہے، ہوا بھی تلتی ہے تم کہتے ہو اتنے پونڈ ہوا بھر دو۔لہٰذا اعمال کا تلنا حق ہے اور کئی خوش قسمت ایسے بھی ہوں گے کہ وہ بے حساب وکتاب جنت میں جائیں گے۔

بغیر حساب وکتاب جنت میں جانے والے خوش نصیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔پوچھا گیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا هُمُ الَّذِيْنَ "وہ وہ لوگ ہوں گے لَا يَسْتَرْقُوْنَ جو دم جھاڑ نہیں کروائیں گے نہ غلط قسم کے تعویذ کرائیں گے نہ غلط قسم کا دم کرائیں گے۔اور لَا يَكْتَوُوْنَ بلا وجہ بدن میں داغ نہیں لگوائیں گے لَا يَتَطَيَّرُوْنَ بدفالی حاصل نہیں کریں گے کہ کوئی عورت گھر آ گئی اور یہ قدرتاً بیمار ہو گیا تو کہا کہ فلانی آئی تھی اس نے بیمار کر دیا۔یہ شرک کی جڑ ہے۔اور چوتھا فرمایا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اور اپنے رب کی ذات پر توکل کرتے ہیں۔" (رواہ البخاری) اس روایت سے معلوم

ہوا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔

بڑی خوشی کی بات ہے مگر سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت تو بہت زیادہ ہے اس میں سے صرف ستر ہزار بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں تو یہ کوئی خاص فضل تو نہ ہوا۔ یہ تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ روایات صحیح ہیں۔ ان میں ایک روایت ہے عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ والی اور دوسری روایت ہے ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے۔ اور تیسری روایت ہے عُتبہ سُلمی رضی اللہ عنہ سے۔ سند کے لحاظ سے یہ روایات صحیح ہیں۔ ان میں آتا ہے کہ یہ جو ستر ہزار بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے مَعَ كُلِّ رَجُلٍ أَلْفٍ سَبْعُوْنَ أَلْفًا "ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے۔" اس کا حساب تم خود کر لینا کہ کتنے بنتے ہیں۔

اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحیح سند کے ساتھ کہ ان میں سے ایک ایک کے ساتھ ستر، ستر ہزار ہوں گے۔ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی ہے وَثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِ رَبِّيْ "اور رب تعالیٰ کے تین چلو بھی ہوں گے۔ یہ بھی بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔" عقیدہ صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی امید ہے، بڑی گنجائش ہے۔ تو ایسے بھی ہوں گے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کی نیکیوں اور بدیوں کو تولا جائے گا۔

ایک نیکی سب بدیوں پر بھاری

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی ہوگا اس کی نیکیوں کی طرف ایک پرچی ہوگی بِطَاقَةٌ اور برائیوں کے ننانوے رجسٹر ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے تیری نیکی اور بدی کا وزن ہوگا۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَا هٰذِهِ السِّجِلَّاتُ "اس پرچی کی ننانوے رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے؟" رب تعالیٰ فرمائیں گے میرا قانون ہے نیکی اور بدی کا وزن ہوگا۔ وہ کہے گا پروردگار! مخلوق کے سامنے مزید شرمندہ نہ کریں جو آپ کا قانون ہے وہ میرے سر آنکھوں پر۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے نہیں وزن ہوگا۔

چنانچہ ترازو کے ایک پلڑے میں وہ پرچی رکھی جائے گی اور دوسرے پلڑے میں ننانوے رجسٹر رکھے جائیں گے مگر پرچی والا پلڑا بھاری ہوگا۔ وہ کہے گا اے پروردگار! یہ میری کون سی نیکی ہے جو اتنے رجسٹروں پر بھاری ہوگئی ہے؟ تو رب تعالیٰ اسے دکھائیں گے۔ اس میں لکھا ہوا ہوگا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ یعنی اس کے پاس صرف عقیدے والی نیکی ہوگی۔ لیکن کسی مغالطے میں نہ آنا کہ چلو بھائی جتنے گناہ کرتے پھریں ایک دفعہ کلمہ شہادت پڑھ لیتے ہیں۔

یاد رکھنا! یہ اُس آدمی کی بات ہے جس کی ساری زندگی کفر شرک میں گزری اور مرنے سے پہلے اس کو صرف اتنا موقع

ملا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور مزید کسی نیکی کا موقع نہیں ملا اور فوت ہو گیا۔ لہٰذا کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ اکسیرِ اعظم کا نسخہ مل گیا ہے کلمہ شہادت پڑھ لو یہ سارے گناہوں پر بھاری ہے۔ یہ پیدائشی مسلمانوں کے لیے نہیں ہے کہ بُرائیاں کریں، بدمعاشیاں کریں اور محض کلمہ شہادت جنازے کے ساتھ پڑھنے سے بیڑا پار ہو جائے گا۔

تو فرمایا بہرحال جس کے موازین ہلکے ہوئے ﴿ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴾ پس اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اور اُمّ کا ایک معنٰی اُمّ دماغ بھی کرتے ہیں۔ سر میں جو مغز ہے آدمی کو جب دوزخ میں پھینکا جائے گا تو الٹا کر کے نیچے گرایا جائے گا، سر کے بل گرایا جائے گا۔ تو سب سے پہلے اس کا دماغ جا کر لگے گا۔ اور دوسرا معنٰی کرتے ہیں ٹھکانا۔ جیسے چھوٹے بچوں کا ٹھکانا ماں کی گود ہوتی ہے اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

﴿ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِيَهۡ ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ وہ ہاویہ کیا ہے ﴿ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ آگ ہے بھڑکنے والی۔ یہ دنیا کی آگ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اس میں لوہے تک ہر چیز پگھل جاتی ہے۔ دوزخ کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں صحیح ایمان، اعتقاد اور عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اس سے محفوظ رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ میزان کے موقع پر اپنے فضل و کرم سے ہمیں کامیاب فرمائے، عذاب قبر سے بچائے اور صحیح سالم پل صراط سے گزار دے اور جنت میں پہنچا دے۔ [آمین]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۸ سُوْرَۃُ التَّکَاثُرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۰۲) (۱۶) رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ غافل کر دیا تمھیں کثرت نے ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ یہاں تک کہ تم نے زیارت کی قبروں کی ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ عنقریب تم جان لو گے ﴿ثُمَّ كَلَّا﴾ پھر خبردار ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ عنقریب تم جان لو گے ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿لَوْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جان لو ﴿عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾ یقینی طور پر جاننا ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾ البتہ ضرور دیکھو گے تم دوزخ کو ﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا﴾ پھر البتہ تم دیکھو گے اس کو ﴿عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ یقین کی آنکھ سے ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ﴾ پھر البتہ پوچھا جائے گا تم سے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اُس دن ﴿عَنِ النَّعِيْمِ﴾ نعمتوں کے بارے میں۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ التکاثر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں تکاثر کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت سولھویں (۱۶) نمبر پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے پندرہ (۱۵) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ (۸) آیتیں ہیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی کمزوری کا ذکر فرمایا ہے۔ ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ غافل کر دیا تمھیں رب کی بندگی سے، عبادت سے اور اطاعت سے کثرت نے۔ کوئی کہتا ہے میرے پاس مال زیادہ ہے، کوئی کہتا ہے میرے پاس اولاد زیادہ ہے، کوئی کہتا ہے میری پارٹی بڑی ہے، کوئی کہتا ہے میرے پاس کارخانے زیادہ ہیں۔ یہ کثرت کا اظہار تمھیں لے ڈوبا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لَا اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الْفَقْرَ "میں تمھارے فقیر ہونے سے نہیں ڈرتا۔" مالی لحاظ سے غریب اور کمزور ہو گے تو تمھارا دین تو قائم رہے گا۔ مجھے خدشہ یہ ہے کہ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا "تم پر دنیا پھیلائی جائے گی۔" دولت زیادہ ہوگی تو تم میں سے گمراہ زیادہ ہوں گے۔ آپ ﷺ نے جو فرمایا صحیح فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ اِلَى الْغُرَبَاءِ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ "اسلام کی ابتداء غریبوں میں ہوئی اور غریبوں میں ہی رہے گا میری طرف سے غریبوں کو مبارک باد ہے۔" آج بھی دین غریبوں میں ہے۔ امیروں میں سو میں سے ایک دو نکلیں گے جو صحیح معنیٰ میں امیر ہیں۔ امیر لوگوں کو دین کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دین کے ساتھ وہی لوگ ہیں جن کو رب تعالیٰ نے غریب رکھا ہے۔ عموماً مال آدمی میں بے راہ روی اور سرکشی پیدا کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشوریٰ: ۲۷)

"اور اگر اللہ تعالیٰ کشادہ کردے روزی اپنے بندوں کے لیے تو البتہ سرکشی کریں زمین میں۔"

روز بروز یہی فکر ہے کہ اور بڑھے، اور بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ ذَھَبٍ لَا بْتَغٰی ثَالِثًا "اگر ہوں انسان کے لیے دو میدان سونے کے بھرے ہوئے تو سیر نہیں ہوگا تیسرے میدان کی تلاش میں ہوگا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابن ادم اِلَّا التُّرَابُ آدمی کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھرتی ہے۔" کہتا ہے مَالِی مَالِی "میرا مال، میرا مال" اے بندے! تیرا کیا ہے؟ تیرا مال وہی ہے جو تو نے کھالیا، پی لیا، پہن لیا یا اپنے ہاتھ سے دے چکا ہے، خیرات کی ہے۔ باقی تو وارثوں کا ہے۔

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون سا ایسا آدمی ہے جس کو اپنے وارثوں کا مال زیادہ عزیز ہوا اپنے مال سے۔ کہنے لگے حضرت! ایسا آدمی تو ہم میں سے کوئی نہیں ہے۔ فرمایا تم سارے ہو۔ کیوں کہ جس مال کو تم سنبھالے پھرتے ہو وہ تمھارا نہیں ہے تمھارے عزیزوں کا ہے جس کے لیے تم پاپڑ بیلتے ہو۔ سچ جھوٹ کو خلط ملط کرتے ہو وہ تمھارا نہیں ہے تمھارے وارثوں کا ہے۔ پھر اگر وارث نیک ہیں، کھائیں گے، نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے تو تمھیں بھی ثواب ملے گا اور اگر پسماندگان معاذ اللہ بُرے ہیں، بے نماز، روزے خور، جوا کھیلنے والے، نشہ کرنے والے، تو تمھیں قبر میں پڑے ہوئے بھی سزا ہوگی کہ یہ تمھارا مال کھا کر بداعمالیاں کر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا قبر تک بندے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو واپس آجاتی ہیں ایک ساتھ رہتی ہے۔ ایک تو عزیز رشتہ دار جنازے کے ساتھ جاتے ہیں، واپس آجاتے ہیں چاہے کتنے قریبی کیوں نہ ہوں ساتھ جانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے۔ ماں جو کہتی ہے بیٹے میں تجھ پر قربان! وہ بھی ساتھ نہیں جاتی۔ پشتو کی کہاوت ہے کہ ماں کہتی تھی اپنے بیٹے کو:

"زہ پُرتا قربایم" "میں تجھ پر قربان۔"

بیٹے کو تیز بخار چڑھ گیا اور بظاہر مایوسی ہوگئی کہ نہیں بچے گا۔ نیم چاندنی رات تھی اتفاقاً بیل کھل کر اندر داخل ہوا۔ اس نے سمجھا کہ عزرائیل علیہ السلام آگئے ہیں۔ کہنے لگی اے عزرائیل علیہ السلام! "دہ جوڑ او نہ جوڑ فرق گواہ مامہ وڑہ۔" بیمار اور تن درست کا فرق کرنا کہیں مجھے نہ لے جانا۔ تو ساتھ کوئی نہیں جاتا۔ دوسرا: مال جاتا ہے۔ مال سے مراد چارپائی، چادر وغیرہ۔ وہ بھی واپس آجاتا ہے۔ تیسری ساتھ جانے والی چیز ایمان اور عمل ہے۔ اس کا ہمیں خیال ہی نہیں ہے۔

شانِ نزول

تو فرمایا تمھیں غفلت میں ڈال دیا کثرت نے ﴿حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ یہاں تک کہ تم نے زیارت کی قبروں کی۔ تفسیر کبیر میں واقعہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں دو برادریاں تھیں۔ بنو عبد مناف اور بنو سہم۔ یہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک برادری نے کہا ہم زیادہ ہیں۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں۔ اس پر اختلاف ہوگیا۔ سمجھ دار آدمیوں نے کہا کہ جھگڑا نہ کرو ایک

شہر میں رہنے والے ہو مردم شماری کر لو۔ مردم شماری کی گئی تو بنو عبد مناف کے افراد بڑھ گئے۔ اُنھوں نے نعرے بازی کی، خوشی منائی کہ ہم زیادہ ہیں۔ بنو سہم کو بڑا صدمہ ہوا کہ ہم تھوڑے نکلے۔ بنو سہم نے کہا کہ قبروں کو بھی شمار کرو۔ چنانچہ قبرستان گئے تو بنو سہم کے مردے زیادہ نکلے۔ اُنھوں نے وہاں نعرے بازی کی، خوشی منائی کہ ہم زیادہ ہیں۔ تو فرمایا تمھیں غفلت میں ڈال دیا کثرت نے یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی یعنی مُردوں کو بھی مردم شماری میں شامل کیا۔

(اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ کثرت کے اظہار نے تمھیں غفلت میں ڈالا حتیٰ کہ تم نے مقابر کی زیارت کی۔ یعنی دنیا میں انھی چیزوں میں مگن رہے اور پھر مر گئے تم اور قبروں تک پہنچ گئے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَ يَشُبُّ خَصْلَتَانِ " آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور دو خصلتیں اس میں جوان رہتی ہیں اَلْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ جوں جوں بڑا ہوتا ہے مال کی حرص بڑھ جاتی ہے اور دوسری عمر کی۔" چاہے جتنی عمر ہو جائے چاہے گا مجھے اور عمر مل جائے۔

شاہ پور کھیالی میں ایک بابا ہوتا تھا ایک سو پانچ سال اس کی عمر تھی۔ بات کرتا تو کہتا تھا کہ جتنی میری عمر گزری ہے معلوم نہیں اتنی اور ہے یا نہیں مگر بات میں سچی کرتا ہوں۔ ایک سو پانچ سال کھا کر بھی وہ سیر نہیں ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! کون سا آدمی اچھا ہے۔ فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ " جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں۔" حضرت! اَیُّ النَّاسِ شَرٌّ "بُرا آدمی کون سا ہے؟" فرمایا: مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ " جس کی عمر زیادہ ہو اور اس کے عمل بُرے ہوں۔" ایک وہ زمانہ تھا کہ جب کسی آدمی کی ڈاڑھی میں سفید بال آ جاتا تھا یا سر میں ایک بال سفید آ جاتا تھا تو اس میں انقلاب پیدا ہو جاتا تھا کہ اب میں گیا کہ نذیر، ڈرانے والی چیز آ گئی ہے۔ میری موت قریب ہے۔ (اور اب سارے جسم کے بال بھی سفید ہو جائیں پھر بھی کوئی پروا نہیں ہے۔) اور معاف رکھنا! ہم مکمل سفید ہو جائیں پھر بھی نہیں بدلتے۔ نہ آج ہمارا اچھا ہے اور نہ کل آنے والا اچھا ہو گا۔

فرمایا ﴿ كَلَّا ﴾ خبردار ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ عن قریب تم جان لو گے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے۔ دنیا کا سارا نشہ اتر جائے گا۔ آج ہم دنیا کے نشے میں ہیں۔ جس طرح بے ہوش کر کے آپریشن کرتے ہیں اس وقت پتا نہیں چلتا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ جب نشہ اُترتا ہے اور ہوش آتا ہے تو پھر پتا چلتا ہے کہ میرا بازو کٹ چکا ہے، ٹانگ کٹ چکی ہے، پیٹ چیرا گیا ہے۔ پھر درد بھی ہوتا ہے۔ آج ہم دنیا کے نشے میں ہیں آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے نشہ اُتر جائے گا اور سب کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔

فرمایا ﴿ ثُمَّ كَلَّا ﴾ پھر خبردار ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ عنقریب تم جان لو گے ﴿ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴾ خبردار اگر تم جان لو یقینی طور پر جاننا ﴿ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴾ البتہ تم ضرور دیکھو گے دوزخ کو، آگ کے شعلوں کو۔ وہ آگ جو دنیا کی آگ سے تر گنا تیز ہے ﴿ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴾ پھر البتہ تم ضرور دیکھو گے اس کو یقین کی آنکھ سے۔

علم کے تین درجات

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "معارف لَدُنِّیَۃ" اس میں وہ فرماتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔

علم الیقین اُسے کہتے ہیں کہ سچا آدمی کوئی بات کہے مثلاً ایک آدمی نے کہا کہ آگ جلا دیتی ہے اور آپ نے آگ کو جلاتے ہوئے دیکھا نہیں لیکن بتانے والے کی سچائی کا آپ کو علم ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔تو یہ علم الیقین ہے۔کہ جس طرح اس نے کہا ہے ایسا ہی ہے۔

اور عین الیقین یہ ہے کہ آپ آگ کو جلاتے ہوئے دیکھیں کہ وہ چیزیں جلا رہی ہے۔اور آپ چیزوں کو جلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔تو یہ علم الیقین ہے۔

اور حق الیقین یہ ہے کہ آپ کے بدن کا کوئی حصہ آگ میں جل جائے۔پھر اس سے آگے علم کا کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

فرمایا تمھیں یہ ساری باتیں حق الیقین کے طور پر حاصل ہو جائیں گی کہ رب تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے۔

﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ پھر تم سے البتہ پوچھا جائے گا اُس دن نعمتوں کے بارے میں۔اللہ تعالیٰ نے وجود دیا، کان دیئے، آنکھیں دیں، دل دیا، ہاتھ پاؤں دیئے، صحت دی۔ان کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کو کہاں خرچ کیا، ان سے کیا کام لیا؟ سورت بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ "کان، آنکھ، دل، ان سب چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا۔" اللہ تعالیٰ نے مال دیا، صحت دی، فراغت دی، ان کے بارے میں سوال ہوگا کہ یہ چیزیں تم نے کہاں استعمال کیں۔پہلے لوگ اچھے تھے دنیا اُن کی اگرچہ تنگ تھی لیکن آخرت آسان تھی۔ہم جتنے آرام میں ہیں یقین جانو! آخرت میں اتنے تنگ ہوں گے۔ہمیں اللہ تعالیٰ نے جتنی سہولتیں عطا فرمائی ہیں اتنا شکر ادا نہیں کرتے۔حالانکہ قیامت والے دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

ترمذی شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے پوچھا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہے؟ کہنے لگیں کوئی چیز نہیں ہے۔بھوک نے بے تاب کیا تو مسجد میں جا بیٹھے۔تھوڑی دیر ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ کہنے لگے حضرت بھوک نے بے تاب کیا تو باہر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی ہی بھوک نے مجھے گھر سے نکالا ہے۔فرمایا اچھا چلو! تینوں ہستیاں چل پڑیں۔

حضرت ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے باغ تھا۔باغ میں جا کر بیٹھ گئے۔حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ ذرا مالدار تھے۔ان کی بیوی نے دیکھا تو بڑی خوش ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور ساتھ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ خوش آمدید کہا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالہیثم کہاں ہیں؟ بیوی نے بتایا کہ پانی لینے کے لیے گئے ہیں ابھی آجاتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد میں وہ آ گئے۔ دیکھ کر بڑے حیران اور خوش ہوئے کہ بزرگ ہستیاں میرے گھر آ گئی ہیں۔ کھجوروں کا گچھا لا کر سامنے رکھ دیا اور کہا کہ حضرت! میں بکری ذبح کرتا ہوں کہ آپ کے لیے کھانا تیار کرا کر لاتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِیَّاكَ وَالْحُلُوْبَةَ "دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دودھ والا جانور ذبح نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اس سے دودھ کی قلت پیدا ہوگی۔ اسی لیے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح فرمائی ہے کہ دودھ والے جانور کی قربانی مکروہ ہے۔ وہ گئے، بکری ذبح کی، گوشت بنایا اور کھانا تیار کرا کے لے آئے۔ تینوں حضرات نے کھانا کھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت والے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس کا تم نے حق ادا کیا یا نہیں کیا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں۔ پھر بعض نادان ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ زبان سے الحمد للہ! کہہ دیا بس سارا شکر ادا ہوگیا۔ بھئی! نعمتوں کا فائدہ تو سارا بدن اُٹھائے اور شکریے کے لیے صرف دو تولے کی زبان ہلے۔ شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ نماز میں ہے کہ اس سے سارا جسم خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ جتنا شکر نماز کے ذریعے ادا ہوتا ہے اور کسی چیز سے ادا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو، موت کو نہ بھولو، قبر اور آخرت کی تیاری کرو۔ جنت دوزخ کو سامنے رکھو، پل صراط کو آنکھوں کے سامنے رکھو، میزان کو نہ بھولو اور غفلت میں زندگی نہ گزارو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَةُ الۡعَصۡرِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۳ (۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَالْعَصْرِ﴾ قسم ہے عصر کی ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ﴾ بے شک سارے انسان ﴿لَفِيْ خُسْرٍ﴾ البتہ گھاٹے میں ہیں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ﴾ مگر وہ لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿وَتَوَاصَوْا﴾ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق پر قائم رہنے کی ﴿وَتَوَاصَوْا﴾ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں ﴿بِالصَّبْرِ﴾ صبر کی۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ العصر ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں عصر کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے بارہ (۱۲) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا تیرھواں (۱۳) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیات ہیں۔

قرآن کریم کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں۔ ان میں سے تین سورتیں سب سے مختصر ہیں۔ ایک سورۃ العصر ہے اور دوسری سورۃ الکوثر ہے اور تیسری سورۃ النصر ہے۔ ان کی تین، تین آیتیں ہیں۔ ان تین سورتوں کے سوا قرآن کریم میں کوئی ایسی سورت نہیں ہے جس کی تین آیتیں ہوں۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کم از کم تین آیتیں پڑھے گا تو نماز صحیح ہوگی۔ یا ایک آیت کریمہ جو بقدر تین آیتوں کے لمبی ہو پڑھنی چاہیے، اکیلا پڑھے یا جماعت کرائے۔ قرآن کریم میں سب سے لمبی آیت کریمہ آیت تداین ہے ﴿اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (البقرہ: ۲۸۲)

سورۃ العصر کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایات ذکر کی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عموماً یہ معمول تھا کہ جب کوئی مجلس برخاست ہوتی اور گھروں کو جانا چاہتے تو ایک دوسرے کو یہ سورت سنا کر جاتے تھے۔ یعنی اس سورت میں جو مضمون ہے وہ سبق کے طور پر ایک دوسرے کو سناتے تھے کہ بھائی ان چیزوں کو یاد رکھو اور ان کی پابندی کرو۔ یہ سورت پڑھنے کے بعد السلام علیکم کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے۔

عصر کی مختلف تفسیریں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْعَصْرِ﴾ قسم ہے عصر کی۔ عصر کی مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ عصر سے مراد زمانہ ہے۔ لیکن وہ زمانہ جو پہلے گزر چکا ہے اور دہر اس زمانے کو کہتے ہیں جو گزشتہ اور آئندہ پر حاوی ہو۔ تو عصر سے مراد گزشتہ

زمانہ ہے۔ کیوں کہ گزرا ہوا زمانہ بندے نے خود دیکھا ہوتا ہے یا تاریخی واقعات سنے ہوتے ہیں لہٰذا ان حالات کے بارے میں کوئی شک اور تردد نہیں ہوتا۔ اور زمانے ہی میں ایمان، کفر، خیر، شر ہے۔ اور زمانہ ظرف ہے۔ تو معنیٰ ہوگا قسم ہے گزشتہ زمانے کی۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ عصر سے عصر کا وقت مراد ہے۔ کیوں کہ عصر کے وقت کی خاص اہمیت ہے۔ اس وقت فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی ہے۔ عصر کی نماز جب کھڑی ہوتی ہے تو صبح والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات والے فرشتے آ جاتے ہیں۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۸ میں ہے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ "تمام نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً عصر کی نماز کی۔"

تیسری تفسیر یہ ہے کہ عصر کی نماز مراد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ "جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی یوں سمجھو کہ اس کے گھر کے سارے افراد مر گئے اور مال بھی سارا لوٹ لیا گیا۔" تصور کرو کہ جس کے گھر کے سارے افراد ختم ہو جائیں اور سارا مال بھی کوئی لے جائے تو کتنا صدمہ ہوگا؟ عصر کی نماز کے فوت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو محدثین کا ایک گروہ کہتا ہے فوت ہونے کا معنیٰ ہے کہ اس نے بغیر کسی عذر کے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ ایک تو عذر ہے کہ بیمار ہے، مسافر ہے۔ تو جس شخص نے بغیر کسی عذر کے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو یوں سمجھو کہ اس کے گھر کے سارے افراد مر گئے اور اس کا سارا مال لوٹ لیا گیا۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ نماز کے فوت ہونے سے مراد ہے نماز کا مستحب وقت فوت کر دیا کہ مستحب وقت میں نماز نہیں پڑھ سکا بغیر کسی مجبوری کے۔ مسافر نہیں، بیمار نہیں ہے اور کوئی خاص وجہ نہیں ہے اور یہ مست ہو کر اپنے کاموں میں لگا رہا اور مستحب وقت میں نماز نہیں پڑھی تو یہ بھی گناہ ہے۔

کتاب الروح کا ایک عبرت ناک واقعہ

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بڑا نیک آدمی تھا۔ بیوی بھی نیک۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا وہ بھی نیک تھے۔ اچھے لوگوں کا گھرانا تھا۔ بزرگ فوت ہو گئے اور کچھ دنوں کے بعد نوجوان لڑکی بھی فوت ہو گئی۔ لوگ جب دفنا کے جانے لگے تو اس کی قبر سے آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ بیٹے نے گھر جا کر تلوار ہاتھ میں لی اور والدہ سے کہا کہ بتا میری بہن میں کیا عیب تھا؟ کیوں کہ اولاد کے عیب ماں باپ ہی جانتے ہیں۔ والدہ سمجھی کہ چند دن پہلے اس کا والد فوت ہوا ہے اور اب بہن فوت ہوگئی ہے بے چارے کا دماغی توازن قائم نہیں رہا اس لیے اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔ والدہ نے سمجھانا شروع کیا کہ بیٹے تیرا باپ تھا، میرا خاوند تھا، تیری بہن تھی میری بیٹی تھی، صدمہ مجھے بھی ہے صدمے کو صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے۔ بیٹے نے کہا امی! ایسی بات نہیں ہے سب نے مرنا ہے۔ مجھے یہ بتلاؤ کہ میری ہمشیرہ میں عیب کیا تھا کہ اس کی قبر سے آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے ہیں؟ ماں نے کہا بیٹے! تیری ہمشیرہ میں کوئی عیب نہیں تھا۔ جب سے وہ جوان ہوئی نہ ہمارے گھر کوئی اجنبی آیا اور نہ ہی میں نے اس کو کسی رشتہ دار کے گھر جانے دیا۔ بس ایک عیب تھا کہ نماز لیٹ پڑھتی تھی مستحب وقت میں نہیں پڑھتی تھی۔

علمائے وقت سے پوچھا گیا تو اُنھوں نے بتایا کہ اس کا لیٹ نماز پڑھنا گناہ تھا۔ اور جو پڑھتے ہی نہ ہوں تو ان کا کیا

حال ہوگا؟ یہ خود سوچ لیں۔ اور ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا حال ہمیں بتلا دیں اور اگر ہم قبر کے حالات دیکھ لیں تو ہمارے لیے کھانا پینا مشکل ہو جائے اور دنیا کا سارا نظام معطل ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے پردہ ڈالا ہوا ہے۔ تو عصر سے مراد زمانہ بھی ہے، نماز بھی ہے اور مستحب وقت بھی ہے۔

تو فرمایا قسم ہے عصر کی ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴾ بے شک سارے انسان البتہ گھاٹے میں ہیں۔ اس گھاٹے سے بچنے والے وہ ہیں جن میں چار خوبیاں ہیں۔ فرمایا ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے صحیح معنیٰ میں۔ یعنی جس کو قرآن ایمان کہتا ہے، حدیث ایمان کہتی ہے، فقہ اسلامی ایمان کہتی ہے۔ محض دعویٰ ایمان سے کچھ نہیں بنتا اور نہ کوئی فائدہ ہے۔

باطل فرقے

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے پاکستان ہی میں کتنے ہی باطل فرقے ہیں جو ایمان کے دعوے پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم مومن ہیں، مسلمان ہیں۔ حالانکہ نہ وہ از روئے قرآن مومن ہیں، نہ از روئے حدیث مومن ہیں اور نہ فقہ اسلامی کے لحاظ سے مومن ہیں۔ جیسے قادیانی ہیں، منکرین حدیث ہیں، ذکری فرقہ ہے، رافضیوں کو دیکھ لو، سر سے لے کر پاؤں تک شرک میں ڈوبے ہوؤں کو دیکھ لو۔ اسی طرح کمیونزم والے ہیں، سوشلزم والے ہیں۔ یہ سب اسلام سے خارج ہیں۔ مگر اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ پرویزی پکے کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

غلام احمد پرویز نت کلاں کا رہنے والا تھا۔ اس نے معارف القرآن تفسیر لکھی ہے چار جلدوں میں۔ وہ کہتا ہے کہ آج تک کوئی شخص پیدا ہی نہیں ہوا جس نے میری طرح قرآن سمجھا ہو۔ ساری زندگی انگریز کے بوٹ صاف کرتا رہا، انگریز کا ملازم تھا، کسی استاد سے قرآن شریف پڑھا نہیں اور دعویٰ کرتا ہے کہ میرے جیسا قرآن کسی نے نہیں سمجھا (بات تو اس کی ٹھیک ہے کہ جس طرح کا اس نے سمجھا ہے اس طرح کا تو کسی نے نہیں سمجھا اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا ہے۔ مرتب)

کہتا ہے کہ اگر سائنس یہ ثابت کر دے کہ آدمی اپنے عنصر جسم کے ساتھ چند منٹ میں چاند تک پہنچ سکتا ہے، آسمان تک پہنچ سکتا ہے میں پھر بھی ہرگز، ہرگز رسول اکرم کے معراج جسمانی کو تسلیم نہیں کروں گا۔ اُس وقت ابھی امریکہ نے خلائی جہاز نہیں چلائے تھے یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب اس نے یہ بات تفسیر میں لکھی۔ یہ بے ایمان قرآن کا سب سے بڑا مفسر بنا بیٹھا ہے۔ یہ لوگ گھروں میں مفت رسالے تقسیم کرتے ہیں۔ ان سے بچو۔ لہٰذا جب تمھارے پاس کوئی کتاب آئے تو پوچھو یہ کتاب کس مسلک کی ہے، کس فرقے کی ہے۔ یہ باطل فرقے کتابیں اور رسالے تقسیم کرتے رہتے ہیں، احتیاط کرو۔ ایمان بچانا بہت ضروری ہے۔ کراچی میں ایک نیا فتنہ ڈاکٹر عثمان کا کھڑا ہوا ہے۔ یہ لوگوں کو مفت کتابیں اور رسالے بھیجتے ہیں ان سے ایمان کو بچاؤ۔

احمد رضا خان نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے جس کا نام ہے کنز الایمان۔ اُردو ترجموں میں اتنا غلط ترجمہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، باوضو ہوں میرے سامنے قرآن شریف ہے، قبر کے کنارے پر ہوں، خدا کو جواب دینا ہے، اتنا غلط ترجمہ کسی نے نہیں کیا۔ شاھد کا لفظ قرآن پاک میں موجود ہے ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ﴾ (الاحزاب: ۴۵) تو ﴿ شَاهِدًا ﴾ کا ترجمہ کیا ہے

حاضر وناظر۔ حالانکہ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاضر وناظر مانے وہ کافر ہے۔ اب عام آدمی جو دیکھے گا تو وہ کہے گا حاضر وناظر تو قرآن کا ترجمہ ہے۔ کون کون سے فتنے کی نشان دہی کی جائے۔ کوئی ایک فتنہ ہے۔ اس دور میں ایمان بچانا بہت مشکل ہے۔

دوسری خوبی خسارے سے بچنے کی ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کرتے ہیں اچھے۔ تیسری خوبی: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں حق پر قائم رہنے کی۔ مثلاً: میں آپ کو کہتا ہوں سچے عقیدے کو نہ چھوڑنا، عبادات کو نہ چھوڑنا، حرام کے قریب نہ جانا اور تمھارے بھی ذمہ یہ فرض ہے کہ جس جس کو ملو اس کو تلقین کرو کہ بھائی! یہ کام کرنے کے ہیں اور یہ کام نہ کرنے کے ہیں۔ خسارے سے بچنے والوں کی چوتھی خوبی: ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ اور ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں۔ وصیت کا معنیٰ ہے تاکیدی حکم کرتے ہیں صبر کا۔ کہ ایمان پر قائم رہنا، حق کی بات پر قائم رہنا۔ حق کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بڑی بڑی تکلیفیں آتی ہیں ایسے موقع پر صبر سے کام لینا ہے۔

عمرو بن العاص اور مسیلمہ کذاب کا مکالمہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ یمامہ کے علاقے میں گئے جہاں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کا خاندان، قبیلہ بنو حنیفہ بڑا جنگجو تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے ساتھ مقابلہ میں چودہ سو ۱۴۰۰ صحابہ جن میں سات سو ۷۰۰ حافظ قرآن تھے، شہید ہوئے تھے اور بالآخر یہ فی النار ہوا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حالتِ کفر میں اس کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی ذکر ہوا۔ ان دنوں سورۃ العصر نازل ہوئی تھی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ مسیلمہ کذاب نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا مجھ پر بھی ایک سورت نازل ہوئی ہے یَا وَبَرُ یَا وَبَرُ اِنَّكَ ذُوْ الْاُذُنَیْنِ وَ الصَّدَرُ وَ سَائِرُكَ نَقْرٌ حَقَرٌ۔ یعنی اس نے سورۃ العصر کی نقل اُتاری۔ وَبَرُ ایک جنگلی جانور ہے بلے کی شکل کا۔ اس کے کان بڑے بڑے ہوتے ہیں اور چھاتی اُبھری ہوئی ہوتی ہے اور باقی بدن اس کا دبلا پتلا ہوتا ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ ہے: "اے جنگلی بلے، اے جنگلی بلے! تیرے کان ہی کان ہیں اور تیرا سینہ ہی سینہ ہے باقی بدن میں تو کمزور ہے۔"

یہ سنا کے مسیلمہ کذاب نے عمرو بن العاص سے کہا بتلاؤ بات بنی ہے۔ یعنی مقابلہ میں سورت ٹھیک ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اِنَّكَ تَکْذِبُ "بے شک تو جھوٹ بول رہا ہے یہ اس کا مقابلہ نہیں ہے۔" حالانکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اگر مسلمان ہوتے تو مسیلمہ کذاب کہتا کہ تو طرف داری کر رہا ہے۔ تو یہ چار خوبیاں جس میں ہوں گی وہ کامیاب ہے۔ باقی سارے خسارے میں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
(۳۰)

آیاتہا ۹ (۱۰۴) سُوۡرَۃُ الۡھُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۲) رکوعاتہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿وَیۡلٌ﴾ ہلاکت ہے ﴿لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ﴾ ہر اُس شخص کے لیے جو منہ پر عیب بیان کرتا ہے ﴿لُّمَزَۃِ﴾ جو غائبانہ عیب بیان کرتا ہے ﴿الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا﴾ وہ جس نے جمع کیا مال ﴿وَّعَدَّدَہٗ﴾ اور گنتا رہتا ہے اس کو ﴿یَحۡسَبُ﴾ گمان کرتا ہے وہ ﴿اَنَّ مَالَہٗۤ﴾ کہ بے شک اس کا مال ﴿اَخۡلَدَہٗ﴾ ہمیشہ رکھے گا اسُ کو ﴿کَلَّا﴾ خبردار ﴿لَیُنۡۢبَذَنَّ﴾ البتہ ضرور ڈالا جائے گا اس کو ﴿فِی الۡحُطَمَۃِ﴾ چور چور کر دینے والی میں ﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ﴾ اور آپ کو کس نے بتلایا ﴿مَا الۡحُطَمَۃُ﴾ کیا ہے چور چور کر دینے والی ﴿نَارُ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے ﴿الۡمُوۡقَدَۃُ﴾ جلائی ہوئی ﴿الَّتِیۡ تَطَّلِعُ﴾ وہ آگ جو پہنچ جاتی ہے ﴿عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ﴾ دلوں پر ﴿اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ﴾ بے شک یہ آگ ان پر بند کی ہوئی ہوگی ﴿فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ﴾ لمبے لمبے ستونوں میں۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الھمزہ ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں ھمزہ کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اکتیس (۳۱) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا نزول کے اعتبار سے بتیسواں (۳۲) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور نو (۹) آیتیں ہیں۔

مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت سارے مخالف تھے۔ لیکن مخالفین میں بعض شریف الطبع تھے کہ مخالفت کے باوجود گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان چیزوں کو پسند کرتے تھے۔ اور بعض مخالفت میں اتنے سخت تھے کہ شرارت سے باز نہیں آتے تھے ہاتھا پائی بھی کرتے اور زبان درازی بھی کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تنگ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنگ کرنا، غلاموں کو مارنا، لونڈیوں کو مارنا، تنگ کرنا ان کا وتیرہ تھا۔ بعض تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے زبان درازی کرتے اور بعض غائبانہ، پشت کے پیچھے کہتے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ اس لیے کیا ہے کہ ماں باپ اس کے سر پر نہیں ہیں۔ اس طرح یہ لوگوں کو قریب کر کے مال اکٹھا کرنا چاہتا ہے۔ کوئی کہتا مال مقصد نہیں ہے، رشتہ لینا مقصد ہے کہ عموماً رشتہ والدین کرتے ہیں یا دادا دادی کرتے ہیں۔ وہ تو ہیں نہیں تو یہ لوگوں کو اپنا گرویدہ کر کے رشتہ لینا چاہتا ہے۔ کسی نے کہا کہ سارے عرب کو اپنے ماتحت کر کے حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ الغرض جو بات کسی کے منہ میں آتی، کرتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر طائف

تاریخ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے تین بھائی سردار تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی بڑی نرمی کے ساتھ حق ان کے سامنے پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام لے کر آیا ہوں اور قیامت کو حق سمجھو، میری نبوت پر ایمان لاؤ، قرآن پاک کو سچا مانو، سچ بولو، جھوٹ کے قریب نہ جاؤ، ناپ تول میں کمی نہ کرو، کسی عورت کو بُری نگاہ سے نہ دیکھو، چوری نہ کرو، ڈاکہ نہ ڈالو، زنا نہ کرو، قتل نہ کرو۔

ایک بھائی نے کہا تیرے پاس فوج کتنی ہے، دولت کتنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس نہ فوج ہے نہ دولت ہے۔ کہنے لگا رب کو یتیم ہی ملا تھا رسالت کے لیے اور کوئی اچھا آدمی نہیں ملا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ دوسرے نے کہا کہ اگر رب نے تجھے نبی بنایا ہے تو کعبہ کا غلاف پھاڑا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبے کی بڑی ناقدری کی ہے تیرے جیسے یتیم اور مسکین کو نبوت دے کر۔ یہ کہہ کر وہ بھی اُٹھ کر چلا گیا۔ تیسرا جانے لگا تو نوجوانوں کو اس نے اشارے سے کہا کہ اس کی پٹائی کرو، حوصلہ شکنی کرو کہ پھر اِدھر نہ آئے۔ تینوں بھائی مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے اور شرارت کا اشارہ کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت وہاں سے واپس مڑے تو طائف کے لڑکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھروں کی بارش کر دی۔ گھٹنوں اور ٹانگوں پر پتھر مارے۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے اتنا خون بہا کہ جوتے خون سے بھر گئے۔

اور تاریخ میں مکہ مکرمہ کے تین آدمیوں کا نام آتا ہے، ابی بن خلف، ولید بن مغیرہ، اخنس بن شریق۔ یہ بھی بڑے بے لحاظ اور منہ پھٹ آدمی تھے۔ اور ابوجہل بھی انھی منہ پھٹ آدمیوں میں سے تھا۔ ان میں سے ہر ایک آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زبان درازی کرتا رہتا تھا کہ کیا تو سونے کی کوٹھی میں رہتا ہے، تیرے پاس کتنا مال ہے، تیرے کتنے نوکر ہیں، رب تعالیٰ نے تجھے کس چیز کی نبوت دی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَيْلٌ ﴾ ہلاکت ہے۔ وَیل کے عربی میں کئی معانی آتے ہیں ہلاکت، بربادی، تباہی۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ وَیل جہنم کے ایک طبقے کا نام بھی ہے۔ وہ طبقہ اتنا گہرا ہے کہ اوپر سے آدمی کو پھینکا جائے تو آگ کے شعلوں میں جلتا ہوا ستر سال کے بعد نیچے پہنچے گا۔ حال آں کہ آدمی وزنی ہوتا ہے اور وزنی چیز جلدی نیچے جاتی ہے۔ اس طبقے سے باقی طبقے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ وہ طبقہ کس کے لیے ہوگا؟

ھمزہ اور لمزہ کی تفسیر

﴿ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ ﴾ ہر اُس شخص کے لیے جو منہ پر عیب بیان کرتا ہے کہ تجھ میں یہ خرابی ہے، یہ خرابی ہے۔ ﴿ لُّمَزَةٍ ﴾ جو غائبانہ عیب بیان کرتا ہے کہ فلاں میں یہ عیب ہے، فلاں میں یہ عیب ہے۔

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ھمزہ اسے کہتے ہیں جو زبان سے عیب بیان کرے اور لمزہ اسے کہتے ہیں جو ہاتھ کے اشارے سے عیب بتلائے۔ مثلاً: کسی کا قد چھوٹا ہے تو ہاتھ کے اشارے سے کہے کہ وہ اتنا چھوٹا ہے۔ کوئی نابینا ہے تو آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ وہ نابینا ہے۔ کسی کا گونگا ہونا زبان نکال کر بتلائے کہ وہ بول نہیں سکتا۔ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں میں حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ قد آور تھیں اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد سب سے چھوٹا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کوئی پیغام لے کر آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا کہ اس نے پیغام بھیجا ہے۔ اس کے چھوٹے قد والی ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا۔ فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اس طرح کرنا بڑا گناہ ہے چاہے کوئی حاضر ہو یا غائب ہو۔ اس طرح اشارہ کر کے تو نے جو تحقیر کی ہے اگر یہ سمندر میں ملا دی جائے تو اس گناہ کی وجہ سے سمندر کڑوا ہو جائے۔ اگر وہ چھوٹے قد کی ہے تو رب تعالیٰ نے اس کو اتنا قد دیا ہے۔ گویا کہ یہ رب تعالیٰ کی ذات پر اعتراض ہوا۔ اگر بندے کے اختیار میں ہو تو کوئی شخص دنیا میں بونا نہ ہو۔ یہ تو رب تعالیٰ کا کام ہے۔ تو کسی کا عیب بیان کرنا، دل آزاری کرنا بڑا گناہ ہے چاہے موجود ہو یا غائب ہو۔

فرمایا ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا﴾ وہ جس نے جمع کیا مال۔ مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ سب سے بڑا مال دار تھا۔ تیرہ اس کے بیٹے تھے خود بھی بڑا صحت مند تھا۔ اولاد میں بیٹھا ہوتا تھا تو فرق نہیں ہو سکتا تھا کہ بھائی ہے یا باپ ہے۔ نوکر چاکر بھی کافی تھے۔ وہ بڑا مال جمع کرتا تھا ﴿وَّعَدَّدَهٗ﴾ اور گنتا رہتا ہے اس کو۔ جب یہ کمرے میں اکیلا ہوتا تھا تو گنتا رہتا تھا کہ میرے مال میں سے کسی بیٹے یا بہو نے کم تو نہیں کر دیا۔ گن گن کر خوش ہوتا تھا ﴿یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ﴾ وہ گمان کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا، زوال نہیں آئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھا لیا، پی لیا، پہن لیا، اپنے ہاتھ سے صدقہ خیرات کر دیا۔ باقی مال تو تیرے وارثوں کا ہے اگر نیک ہیں اچھی جگہ میں لگائیں گے تجھے اجر ملے گا۔ بُرے ہیں، بُرے جگہ خرچ کریں گے تجھے بھی گناہ ہوگا۔

بخاری شریف کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو قبر تک تین چیزیں ساتھ جاتی ہیں۔ دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور تیسری چیز ساتھ رہتی ہے۔ رشتہ دار، ماں باپ، اولاد واپس آجاتے ہیں کوئی اس کے ساتھ قبر میں نہیں جاتا۔ اور دوسری چیز مال، چارپائی، چادر وغیرہ بھی واپس آجاتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ قبر میں مردے کے نیچے چٹائی، روئی وغیرہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ نیچے چٹائی ڈال دیتے ہیں اور بہانہ بناتے ہیں کہ نیچے زمین گیلی تھی، نیچے نمی تھی، سب غلط ہے۔ صرف عمل ساتھ ہوں گے۔ اگر کسی گناہ گار کو بڑے مکان میں دفن کر دو تو اس کی دیواریں آپس میں مل جائیں گی اور اس کی پسلیاں آر پار ہو جائیں گی اور اگر کسی مومن کو تنگ قبر میں دفن کر دو گے تو اس کی قبر ستر، ستر ہاتھ عرضاً، طولاً کشادہ ہو جائے گی۔ قبر کی تنگی اور کشادگی کا تعلق عمل کے ساتھ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَان "قبر جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا ہے۔" سارادارومدار ایمان اور عمل پر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ مومنوں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں ان کا نام مبشر بشیر ہے اور کافر، گناہ گاروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں ان کا نام منکر نکیر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت فرشتے سوال کر لیتے ہیں اس کے بعد اچانک اگر مرنے والا نیک آدمی ہے تو قبر میں ایسا خوب صورت آدمی، عمدہ لباس، خوشبوؤں والا، اس کے پاس آتا ہے۔ وہ بڑا حیران ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دنیا میں بڑا چلا پھرا ہوں ایسا خوب صورت آدمی میں نے نہیں دیکھا، ایسی خوش بو کبھی نہیں سونگھی، ایسا بہترین لباس میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ تو کون ہے، کہاں سے آگیا ہے؟ قبر میں روشنی ہوگی جیسے ٹیوبیں روشن ہوتی ہیں۔ اَلصَّلٰوةُ نُوْرٌ وہ نماز کی روشنی ہوگی۔ وہ بڑے خاص انداز میں کہے گا اَمَا تَعْرِفُنِيْ "کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔" اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ "میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شکل میں تیرا ساتھی بنا کر بھیجا ہے۔" اگر مرنے والا برا آدمی ہے تو كَرِيهُ الْمَنْظَر بری شکل والا آدمی اس کے سامنے آئے گا ایسی بری شکل کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ ایسا بدبودار لباس پہنے ہوگا کہ اس سے دماغ پھٹے گا۔ یہ کہے گا اے اللہ کے بندے! میں پہلے ہی تکلیف میں ہوں تو بدصورت کہاں سے آگیا ہے؟ یہ میرے لیے اور مصیبت ہے۔ وہ بڑے استغناء کے ساتھ کہے گا تو مجھے نہیں جانتا۔ وہ کہے گا میں نے تیرے جیسا بدصورت کبھی زندگی میں نہیں دیکھا۔ وہ جواب میں کہے گا اَنَا عَمَلُكَ السُّوْءِ "میں تیرا برا عمل ہوں۔ میں تیرے گلے کا ہار بن کے رہوں گا۔" تو قبر کی اچھائی، برائی عمل کے ساتھ ہے چٹائیاں بچھانے سے نہیں ہے۔

فرمایا ﴿كَلَّا﴾ خبردار ﴿لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ﴾ البتہ ضرور بالضرور اس کو ڈالا جائے گا چور چور کر دینے والی میں، توڑ پھوڑ دینے والی میں ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ﴾ اور آپ کو کس نے بتایا ہے کہ وہ چور چور کر دینے والی کیا ہے، وہ توڑ پھوڑ دینے والی کیا ہے ﴿نَارُ اللّٰهِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے ﴿الْمُوْقَدَةُ﴾ جو جلائی ہوئی ہے۔ اگر وہاں موت دینا مقصود ہو تو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن مقصد تو سزا دینا ہے۔ وہ آگ ایسی ہوگی کہ سر سے لے کر پاؤں تک ہر چیز کو جلائے گی۔ ظاہر، باطن، دل تک اس کا اثر ہوگا۔ دل ایسے جلے گا جیسے ہاتھ جلتا ہے۔

وہ آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہوگی لیکن ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ "نہ مرے گا اُس میں اور نہ جیے گا۔" صرف آگ ہی نہیں اس کے ساتھ گرم پانی سر پر ڈالا جائے گا جس سے سارا چمڑا اُدھڑ جائے گا۔ پانی پلایا جائے گا انتڑیاں کٹ کے باہر نکل آئیں گی ﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ﴾ (الحج: ۲۰) "پگھلایا جائے گا اس کے ساتھ وہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں۔" پہلا چمڑا جل جائے گا نیا پہنایا جائے گا۔ ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ (النساء: ۵۶) "جب بھی اُن کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کے لیے دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے۔" بھڑک اتنی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ! وہ کہے گا مجھے کھانے کے لیے کچھ ملے کہ میں کھاؤں۔ زقوم، تھوہر، ضریع اور غسلین کھانے کے لیے ملیں گے۔

تھوہڑ اتنا کڑوی ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اُس کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سارا سمندر کڑوا ہو جائے۔ اور اتنا بدبودار کہ اگر اُس کا ایک قطرہ دنیا میں گر جائے تو مشرق سے لے کر مغرب تک سارے اس کی بدبو کی وجہ سے مر جائیں۔ پیاس کا عذاب الگ ہوگا، پینے کے لیے ایسا گرم پانی دیا جائے گا کہ ہونٹ جل جائیں گے ﴿وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ (المومنون:۱۰۴) "جہنم میں بدشکل ہو کر رہیں گے۔" حدیث پاک میں آتا ہے کہ اوپر والا ہونٹ ناک کی پھونگری (نوک) کے ساتھ لگ جائے گا اور نیچے والا لٹک کر ناف کے ساتھ لگ جائے گا۔ بڑی بُری شکل ہوگی۔

﴿الَّتِي﴾ وہ آگ ﴿تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾ پہنچ جائے گی دلوں پر۔ وہ ظاہر باطن پر برابر اثر کرے گی ﴿إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ﴾ بے شک یہ آگ اُن پر بند کی ہوئی ہوگی۔ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں جکڑ کر لا کھ کر دیا جائے گا کہ وہ پہلو نہ بدل سکیں۔ کیوں کہ پہلو بدلنے سے بھی تھوڑا سکون مل جاتا ہے ﴿فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ عمد عِمَادٍ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے ستون۔ مُمدّدَہ لمبے۔ لمبے لمبے ستونوں میں رکھا جائے گا کہ حرکت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام صحیح العقیدہ مسلمان مرد، عورتوں کو دوزخ کے عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡفِيۡلِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۵ (۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹) رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا آپ نہیں جانتے ﴿كَيْفَ فَعَلَ﴾ کیسا کیا ﴿رَبُّكَ﴾ آپ کے رب نے ﴿بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾ ہاتھی والوں کے ساتھ ﴿اَلَمْ يَجْعَلْ﴾ کیا نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿كَيْدَهُمْ﴾ اُن کی تدبیر کو ﴿فِيْ تَضْلِيْلٍ﴾ خسارے میں ﴿وَّاَرْسَلَ﴾ اور چھوڑے اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ اُن پر ﴿طَيْرًا﴾ پرندے ﴿اَبَابِيْلَ﴾ غول درغول ﴿تَرْمِيْهِمْ﴾ جو مارتے تھے اُن کو ﴿بِحِجَارَةٍ﴾ پتھر ﴿مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ کنکر کے ﴿فَجَعَلَهُمْ﴾ پس کر دیا اُن کو ﴿كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ﴾ گھاس کی طرح کھایا ہوا۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام ہے سورۃ الفیل۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں فیل کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ فِیْل فِیْلَۃٌ کی جمع ہے۔ فِیْلَۃٌ کا معنیٰ ہے ہاتھی۔ فِیْل کا معنیٰ ہے بہت سے ہاتھی۔ یعنی وہ سورت جس میں بہت سے ہاتھیوں کا ذکر ہے۔ نزول کے اعتبار اس کا سے انیسواں (۱۹) نمبر ہے اس سے پہلے اٹھارہ (۱۸) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

عرب کے سارے لوگ ابراہیم علیہ السلام کے معتقد تھے۔ مشرک، یہودی، عیسائی، صابی۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مسلم تھی اور وہ سب کے ہاں قابل احترام تھے اس لیے ہر فرقہ اپنی کڑی ان کے ساتھ ملاتا تھا اور اپنا تعلق ان کے ساتھ جوڑتا تھا۔ یہودی کہتے تھے ابراہیم علیہ السلام ہمارے طریقے پر تھے، عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام بھی وہی کرتے تھے۔ مشرکین مکہ کا یہ غلط نظریہ تھا کہ ہم ابراہیمی ہیں جو کچھ ہم کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام یہی کچھ کرتے تھے۔ اتنے زوردار الفاظ میں دعویٰ کرتے تھے کہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لیے رب تعالیٰ نے صریح اور صاف لفظوں میں فرمایا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آل عمران: ۶۷) "ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن ایک طرف ہونے والے موحد مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔"

چونکہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی اس نسبت سے لوگ کعبۃ اللہ کی بڑی قدر کرتے تھے لیکن حقیقی روح اُن کے اندر نہیں تھی۔ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ ایک آدمی سامنے مرا پڑا ہے اس کی آنکھیں نظر آرہی ہیں ناک، کان، پاؤں جسم کے سارے اعضاء نظر آرہے ہیں لیکن اندر روح نہیں ہے۔ اس لیے سارے اعضاء

بے حقیقت ہیں۔ وہ جو کام کرتے تھے ان کی محض شکل وصورت ہوتی تھی روح ابراہیمی جو توحید تھی وہ ان میں بالکل نہیں تھی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے مطابق حج صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر جب مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا ﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ (الحج:۲۷) "اور اعلان کرو لوگوں میں حج کا آئیں گے وہ تمھاری طرف پیدل اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر جو چلی آئیں گی دور دراز راستے سے۔"

کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کا نام ہے جبل ابوقبیس۔ یہ پہاڑی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمائی تھی۔ اب حکومت نے اس کے نیچے سے سرنگ نکالی ہے منیٰ کی طرف جانے کے لیے۔ اس جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی تھی۔ جن کی قسمت میں تھا انھوں نے عالم ارواح میں لبیک کہا تھا اور اب اسی صدا کا جواب دیتے ہوئے لوگ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کہتے ہوئے جاتے ہیں۔

تو لوگ بیت اللہ کی بڑی عزت کرتے تھے اور دور دراز سے آتے تھے۔ اور مکہ مکرمہ والوں کی اقتصادی اور معاشی ضرورت بھی پوری ہوتی تھی کہ سامان لاتے تھے، بیچتے تھے، خریدتے تھے۔ کیوں کہ مکہ مکرمہ میں تو کوئی شے پیدا نہیں ہوتی تھی۔ نہ زرعی زمین ہے، نہ وہاں کارخانے ہوتے تھے، نہ ہی صنعتی دور تھا۔ لوگ چونکہ اطراف سے مکہ مکرمہ آتے تھے۔ یمن سے بھی آتے تھے۔

واقعہ اصحابِ فیل

یمن ملک حبشہ کا ایک صوبہ تھا اس کے گورنر کا نام تھا ابرہہ بن صباح بن اَشرم۔ (یہ عیسائی تھا۔) حج کے دنوں میں جب اُس نے دیکھا کہ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان سب مکہ مکرمہ جارہے ہیں تو اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جارہے ہیں، کیا بات ہے؟ تو مقامی لوگوں نے گورنر کو بتلایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک مکان ہے یہ لوگ وہاں جا کر اس کا طواف کرتے ہیں اور وہ مکان ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اُس نے آدمی بھیج کر کعبۃ اللہ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ وہ تو سادہ سا کمرہ تھا اوپر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں ان لوگوں کو یہاں ہی کعبہ بنا دیتا ہوں وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ اس نے شہر صنعاء (جو یمن کا دارالخلافہ تھا) میں ایک مصنوعی کعبہ بڑا خوب صورت، بڑا بلند بنوایا اور ارد گرد لوگوں کی رہائش کے لیے کافی کمرے بنوائے ان میں بستر لگوائے، خوراک کا انتظام کیا۔ جو لوگ پختہ ذہن کے تھے وہ تو اس کے چکمے میں نہ آئے مگر پیٹو قسم کے لوگ بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ یہاں چارپائی، بستر ابھی ملتا ہے، حلوا کھیر بھی ملتی ہے، بڑی سہولتیں ہیں۔ اس قسم کے لوگوں نے اس مصنوعی کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔

کچھ سالوں کے بعد حاجی لوگ مکہ مکرمہ میں کم ہو گئے۔ مکہ مکرمہ کے لوگ بھی پریشان ہوئے کہ تجارت میں کمی آگئی ہے پہلے جتنا سامان فروخت ہوتا تھا اب اتنا نہیں ہوتا۔ ہماری آمدنی پر زد پڑی ہے۔ اس کے لیے اُنھوں نے تحقیقی کمیٹی بنائی کہ

وجہ معلوم کرو کہ لوگوں میں کمی کیوں آئی ہے؟ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ صنعاء میں ایک مصنوعی کعبہ بنایا گیا ہے جس میں سہولتیں بہت ہیں لوگ وہیں چکر لگا کر اپنا وقت گزار لیتے ہیں۔ قریش کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ باقی مار تو آدمی کھا لیتا ہے مگر پیٹ کی چوٹ بہت سخت لگتی ہے۔ اُن کی آمدنی پر زد پڑی تھی وہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ قریش مکہ نے قبیلہ بنوخزاعہ کا اور بعض روایات میں ہے کہ بنوکنانہ کا ایک چالاک آدمی بھیجا کہ وہ اس مصنوعی کعبہ کو آگ لگا دے۔ اُس نے وہاں جا کر کچھ دن گزارے، کھاتا پیتا رہا، حالات کا جائزہ لیا اور پہلے اس میں غلاظت کی پھر اس کو آگ لگا کر جلا دیا۔ وہ بالکل راکھ ہو گیا۔

اصحابِ فیل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں

ابرہہ کو خبر پہنچی تو اس کا پارا چڑھ گیا، غصے میں آ گیا کہ اتنی رقم لگا کر اتنا بلند و خوب صورت کعبہ بنایا تھا معلوم کرو یہ کام کس نے کیا ہے؟ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کارروائی قریش کے ایک آدمی نے کی ہے۔ اُس نے کہا کہ انھوں نے ہمارا کعبہ جلا ڈالا ہے ہم نے اُن کا کعبہ گرانا ہے۔ فوج کو چلنے کا حکم دے دیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ ہزار فوج اس نے ساتھ لی اور آٹھ ہاتھی۔ بعض کہتے ہیں کہ بارہ ہاتھی تھے اور بڑے کا نام محمود تھا۔ ہاتھی اس زمانے میں وہ کام کرتے تھے جو آج کل ٹینک کرتے ہیں۔ ابرہہ فوج کی قیادت کرتا ہوا مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے سے قبائل ساتھ ملتے گئے۔ مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جی حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ چر رہے تھے۔ اُن پر اُنھوں نے قبضہ کر لیا۔ اُس وقت کعبۃ اللہ کے متولی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان تھے اور یہ واقعہ صحیح قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت والے سال پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے صرف پچاس دن پہلے۔

ابرہہ جس وقت مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو اپنے مشیروں سے کہا کہ میں مکہ مکرمہ کے بڑے آدمی سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان کعبۃ اللہ کے متولی تھے، بڑے قد و قامت والے اور شکل و صورت بھی بڑی اچھی اور بارعب تھے۔ یہ ابرہہ کے پاس پہنچے۔ ابرہہ نے پوچھا کیا سوال لے کر آئے ہو؟ فرمایا تم نے میرے دو سو اونٹ پکڑے ہیں وہ واپس کر دو۔ ابرہہ نے کہا کہ میں نے تو آپ کی شکل و صورت دیکھ کر سمجھا تھا کہ آپ بڑے سمجھ دار آدمی ہیں مگر بات آپ نے بڑی ہلکی کی ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھارا کعبہ گرانے آیا ہوں۔ تجھے چاہیے تھا کہ میرے ساتھ کعبہ کے بچانے کی بات کرتا تجھے اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا میرا خاندان بڑا ہے میں نے اپنے گزارے کے لیے اونٹ رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کو بیچا، کسی پر سامان لادا۔ اس طرح اپنا وقت گزارتا ہوں۔ اور کعبے کا مالک بڑا طاقت ور ہے وہ کعبے کی خود حفاظت کرے گا مجھے اس کے لیے منت سماجت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو اور غصہ آیا اور کہنے لگا دیکھوں گا کعبے والا کتنا طاقت ور ہے۔

جس وقت یہ مزدلفہ کے علاقے میں پہنچا۔ مزدلفہ اور مِنٰی کے درمیان ایک جگہ ہے اس کا نام وادی مُحَسِّر ہے۔ یہ پانچ

سو چالیس (۵۴۰) ہاتھ چوڑی ہے اور اتنی ہی لمبی ہے۔ اس کے ارد گرد حکومت سعودیہ نے جنگلہ لگایا ہوا ہے۔ وہاں شرطے (پولیس والے) کھڑے ہوتے ہیں اس طرف جانے نہیں دیتے۔ کیوں کہ مزدلفہ کا سارا علاقہ حاجیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ عرفات سے واپسی پر مغرب، عشاء، فجر، مزدلفہ ہی میں پڑھنی ہوتی ہیں اور صبح کی نماز کے بعد اصل مقصد ہے مزدلفہ میں ٹھہرنے کا۔

تو پولیس والے وادی مُحسر کی طرف نہیں جانے دیتے۔ کیوں کہ اس کا حج پر اثر پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا وادی مُحَسِّر "سارا مزدلفہ حاجیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسر نہیں۔" اس وادی محسّر میں جب ابرہہ کا لشکر پہنچا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ سمندر کی طرف سے پرندے آئے فوج درفوج۔ ہر پرندے کے پاس تین کنکر تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسور کے دانے کے برابر۔ ایک ایک پنجے میں اور ایک چونچ میں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ پتھر حمص یعنی چھوٹے چنے کے برابر تھے۔ وہ مسور کا دانہ سر پر پڑتا تھا آر پار ہو کر نیچے سے نکل کر ہاتھی کو چیرتا ہوا زمین پر گر جاتا تھا اور ان کی تڑپ تڑپ کر جان نکل جاتی تھی۔ ساٹھ ہزار میں سے کوئی واپس گھر نہیں لوٹ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی اس طرح حفاظت فرمائی۔

تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے ساتھ گفتگو کر کے جب واپس آئے تو شبابیب مکہ، نوجوانان مکہ بڑے جذبات میں تھے۔ کیوں کہ کعبۃ اللہ کا احترام تو سب کے دل میں تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے انھیں کہا کہ تم پہاڑوں پر چلے جاؤ شہر میں نہ رہنا۔ اُنھوں نے کہا باباجی! اپنی فکر نہیں ہے ہم تو کعبۃ اللہ کے بارے میں متفکر ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے انھیں کہا کہ تم اپنی فکر کرو، اپنی عورتوں کی فکر کرو، بچوں کی فکر کرو، کعبۃ اللہ کی حفاظت کرنے والا زندہ ہے وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔ چنانچہ وہ جبل نور پر چڑھ گئے۔ کچھ دوسرے پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ مکہ خالی ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو اس طرح ختم کیا کہ اُن کی نسل بھی باقی نہ رہی۔

اصحابِ فیل کی ناکامی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کا معنیٰ ہے ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ کیوں کہ رویت آنکھ سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی ہوتی ہے۔ تمام حضرات اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ کرتے ہیں ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ﴾ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ نہیں جانتے ہمارے بتلانے سے ﴿كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ﴾ کیسا کیا آپ کے پروردگار نے ﴿بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾ ہاتھی والوں کے ساتھ ﴿اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ﴾ کیا نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کی تدبیر کو، اُن کے مکر کو، اُن کی شرارت کو ﴿فِيْ تَضْلِيْلٍ﴾ خسارے میں۔ بڑے ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ تکبرانہ انداز میں ابرہہ کی قیادت میں آزمودہ فوج کے ساتھ آئے کہ ہم ان کے کعبہ کو گرا کر آئیں گے مگر اُن میں سے ایک آدمی بھی بچ کر واپس نہ جا سکا۔

﴿وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا﴾ اور چھوڑے اللہ تعالیٰ نے اُن پر پرندے۔ طیر طائرٌ کی جمع ہے۔ ﴿اَبَابِيْلَ﴾ کا مفرد

اِبُّوْلٌ بھی آتا ہے اِبِّیْلٌ اور اِبَّالٌ بھی آتا ہے۔جس کا معنیٰ ہوگا گروہ، جماعت۔تو ابابیل کا معنیٰ ہوگا گروہ در گروہ (جوق در جوق)۔اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے ورنہ مسور یا چنے کے دانے سے آدمی نہیں مرتا۔پھر ہاتھی تو ہاتھی ہے۔مگر رب تعالیٰ نے اُن کو گولی سے بھی تیز کر دیا تھا۔کئی تڑپ تڑپ کر موقع پر مر گئے اور باقیوں کے جسم میں جدری، چیچک، خسرہ قسم کی بیماری پیدا ہوگئی وہ اس بیماری کی وجہ سے مر گئے۔اللہ تعالیٰ چاہے تو ابابیلوں کے ذریعے نصرت عطا فرما دے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ بندے میں اخلاص ہو۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ ﴾ (محمد:۷) "اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین کی تو وہ تمھاری مدد کرے گا۔" دین کی مدد کا یہ معنیٰ ہے کہ دین پر چلو۔لیکن جب دین میں کمی آئے گی تو رب تعالیٰ کا وعدہ پورا نہیں ہوگا۔

مصر میں کچھ حضرات سے مسواک چھوٹ گئی تھی جس کی وجہ سے دو مہینے فتح رک گئی تھی۔حالانکہ مسواک نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت مؤکدہ ہے بلکہ مستحب ہے۔اور جس نماز کے لیے مسواک کی جائے اس کا درجہ باقی نمازوں سے ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔اور جہاں فرض چھوڑ دیئے گئے ہوں وہاں رب تعالیٰ کی نصرت کیسے آئے گی۔مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کیا خوب بات کہی ہے:

فضائے بدر پیدا کر
فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے
قطار اندر قطار اب بھی

فرمایا ﴿ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴾ جو مارتے تھے اُن کو پتھر کنکر کے۔کسی کی نوک اِس طرف کسی کی نوک اُس طرف ﴿ فَجَعَلَهُمْ ﴾ پس کر دیا اُن کو ﴿ كَعَصْفٍ ﴾ گھاس کی طرح ﴿ مَّاْكُوْلٍ ﴾ کھایا ہوا۔یعنی گھاس کو جانور کھا کھا کے بچے ہوئے (باقی ماندہ) کو پاؤں کے ساتھ روندتے ہیں اور منہ سے بگاڑتے ہیں۔روند کر، کچل کر چھوڑا ہوا۔اسی طرح وہ روندے ہوئے کچلے ہوئے تھے۔ابرہہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا اور اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ قُرَیۡشٍ مَّکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
(۳۰)

آیاتھا ۴ (۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (۲۹) رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾ اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو ﴿اٖلٰفِهِمْ﴾ اُن کا مانوس کر دینا ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ﴾ سردی کے سفر سے ﴿وَالصَّیْفِ﴾ اور گرمی کے سفر سے ﴿فَلْیَعْبُدُوْا﴾ پس چاہیے کہ وہ عبادت کریں ﴿رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ﴾ اس گھر کے رب کی ﴿الَّذِیْۤ﴾ وہ رب ﴿اَطْعَمَهُمْ﴾ جس نے ان کو کھانا کھلایا ﴿مِّنْ جُوْعٍ﴾ بھوک میں ﴿وَّاٰمَنَهُمْ﴾ اور امن دیا ان کو ﴿مِّنْ خَوْفٍ﴾ خوف سے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ قریش ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں قریش کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے اٹھائیس سورتیں (۲۸) نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا انتیسواں (۲۹) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

سرزمین مکہ مکرمہ میدانی علاقہ نہیں ہے۔ پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور جو زمین ہے وہ ہموار نہیں ہے۔ زیادہ تر زمین بھی پتھریلی ہے۔ وہاں کھیت کاشت نہیں ہو سکتے تھے اور وہ صنعتی دور بھی نہیں تھا۔ اس لیے وہاں کے لوگوں کا ذریعہ معاش و خوراک تجارت تھا۔ اپنی اپنی بساط اور طاقت کے مطابق وہ لوگ تجارت کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ عموماً سال میں دو سفر کرتے تھے۔ ایک یمن کا اور ایک شام کا۔ سردیوں میں یمن جاتے تھے کیوں کہ وہ گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام جاتے تھے کہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا۔ مکہ مکرمہ سے شام دو ماہ میں پہنچتے تھے۔ وہاں چند دن رہتے، اپنا سامان بیچتے، وہاں سے چیزیں خریدتے اور پھر واپس آتے۔

قریش مکہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا انکار کیا تو یہی بات کہی کہ ہم تو سواریوں کو چلاتے ہوئے دو ماہ میں مشکل سے پہنچتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ رات میں یہ سارا سفر کر کے واپس آ گیا۔ آسمانوں والا سفر تو ویسے ہی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور یہ شام کا سفر بھی ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ دو مہینوں کا سفر منٹوں میں ہو گیا۔

یہ لوگ جب سفر پر جاتے تھے تو لوگ کعبۃ اللہ کی وجہ سے ان کا بڑا احترام کرتے تھے کہ یہ لوگ کعبۃ اللہ کے پڑوسی ہیں۔ کیوں کہ کعبۃ اللہ کا احترام صرف عرب والے ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی کرتے تھے۔ لوگ ان کی بڑی خدمت کرتے۔ روٹی مفت، چارپائی مفت، بستر مفت۔ مکہ مکرمہ کی چیزیں برکت والی سمجھ کر مہنگی خریدتے اور اپنی چیزیں سستی دیتے کہ یہ خدام

کعبہ ہیں۔ عام قافلے والوں کو حتی الوسع ڈاکو نہیں چھوڑتے تھے لیکن ان کا جب پتا چلتا کہ کعبۃ اللہ کے پاس سے آئے ہیں تو ان کو نہیں چھیڑتے تھے۔ کوئی بد باطن قسم کا ہوتا تو الگ بات تھی۔ لیکن ان لوگوں کو سفر میں اطمینان نصیب ہوتا تھا۔ اسی طرح جب یہ لوگ یمن جاتے تو راستے میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ کھانے مفت، دودھ، مکھن، گھی، جو ان کی بساط میں ہوتا پیش کرتے۔ ان سے چیزیں مہنگی خریدتے اور ان کے آگے سستی بیچتے۔ بلکہ بعض لوگ ان کو چیزیں مفت دے دیتے تھے کہ تم لوگ کعبۃ اللہ کے خادم ہو اس لیے ہم نے تم سے پیسے نہیں لینے۔ گویا ان کو کعبۃ اللہ کی برکت سے جسمانی طور پر بھی امن ہوتا اور مالی طور پر بھی۔

اچھے اور بُرے مال کا فرق

تو ان لوگوں کا فریضہ تھا کہ اس گھر والے کی صحیح معنٰی میں عبادت کرتے کہ اس کے گھر کی برکت سے ہماری اتنی عزت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہوتا ہے کہ اے پروردگار! تو نے مجھ پر انعام کیا ہے، صحت دی ہے، جوانی دی ہے، مال دیا ہے، اولاد دی ہے، جائز کاروبار دیا ہے۔ رب تعالیٰ کے انعامات کی قدر کرنی چاہیے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، رب تعالیٰ کے احکامات کے سامنے جھکے۔ لیکن عموماً اس طرح ہوتا ہے کہ مال آجانے کے بعد لوگ سرکش ہو جاتے ہیں۔

بعض لوگ ہمارے سامنے ہیں کہ غریب ہوتے تھے تو نماز کے لیے پہلی صف میں آ کر بیٹھتے تھے، درس سنتے تھے۔ ملک سے باہر گئے، دولت آ گئی، نہ نماز رہی، نہ روزہ۔ کبھی جمعہ میں نظر آ جاتے ہیں۔ بھائی! ایسی دولت کا کیا فائدہ کہ جس کی وجہ سے انسان نماز سے رہ جائے، دین سے دور ہو جائے۔ ایسی دولت تو لعنت ہے اور کچھ نہیں ہے۔ ایسی ہی دولت اور اس کے طلب گاروں کے بارے میں آتا اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَ طَالِبُھَا كِلَابٌ "اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والی دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔" مال فی نفسہٖ بُرا نہیں ہے اگر جائز طریقے سے کمایا جائے اور آخرت سے غفلت کا باعث نہ بنے۔ اگر مال فی نفسہٖ بُرا ہوتا تو اس پر عبادات موقوف نہ ہوتیں۔ حج رکن اسلام ہے اور وہ مال پر موقوف ہے۔ جس کے پاس مال نہیں ہے اس پر حج نہیں ہے۔ قربانی واجب ہے مگر اس پر جس کے پاس مال ہو۔ عشر عبادت ہے لیکن اگر مال نہیں ہے تو عشر کہاں سے دے گا؟ لہٰذا دونوں کے درمیان فرق سمجھ لو۔ اگر مال جائز طریقے سے ہو اور آخرت سے غافل کرنے والا نہ ہو تو یہ جتنا بھی زیادہ ہو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ایسا مال کہ جس میں حلال و حرام کی تمیز نہ کی گئی ہو اور وہ آخرت سے غافل کر دے، نماز روزے کی پروانہ رہے، یہ مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔

قریش مکہ کو کعبۃ اللہ کی وجہ سے امن حاصل تھا، عزت حاصل تھی، رزق ملتا تھا، اُن کو اِس کی قدر دانی کرنی چاہیے تھی لیکن ان ظالموں نے بجائے رب تعالیٰ کی عبادت کے تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا شروع کی ہوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ﴾ ایلاف کا معنیٰ ہے مانوس کرنا، محبت ڈالنا۔ معنیٰ ہوگا اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو۔ تجارت کے لیے جہاں بھی جاتے تھے لوگ ان سے محبت کرتے تھے، ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔

لفظ قریش کی وجہ تسمیہ ؟

قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں؟ اہل لغت نے اس کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ قریش کا معنیٰ ہے جمع کرنا۔ یہ لوگ چوں کہ تجارت کے ذریعے مال جمع کرتے تھے کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ ہمارے پاس زرعی زمین نہیں ہے، باغات نہیں ہیں، اہل وعیال کا خرچہ جمع کرنا ہے تو تجارت کے ذریعے مال جمع کرتے تھے۔ اس لیے ان کو قریش کہا جاتا ہے۔

قاموس اللغات، لغت کی مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ نضر بن کنانہ جو آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے تھے۔ وہ بڑے بہادر تھے۔ ان کو بہادری کی وجہ سے قریش کا لقب ملا تھا۔ قریش اصل میں سمندر میں سب سے بڑی مچھلی کا نام ہے جس پر آج تک کوئی قابو نہیں پا سکا۔ ساری مچھلیاں اس کے منہ میں آجاتی ہیں۔ جیسے خشکی کے جانوروں میں سب سے زیادہ بہادر شیر سمجھا جاتا ہے اسی طرح سمندری مخلوق میں قریش مچھلی سب سے زیادہ بہادر سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ نضر بن کنانہ بڑا بہادر آدمی تھا اس لیے اس کو قریش کا لقب دیا گیا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور صحیح العقیدہ لوگ تھے۔ قریش کی ایک شاخ تھی قبیلہ بنوخزاعہ۔ اس کا ایک آدمی تھا جس کا نام تھا عمرو بن لُحی بن قمع۔ اس ظالم نے کعبۃ اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ رکھ دیا اور اس کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ رکھ دیا کہ ان بزرگوں نے کعبۃ اللہ بنایا تھا۔

یہ بڑا افراڈیا آدمی تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ عمرو بن لُحی نے ایک کنڈی والی لاٹھی رکھی ہوئی تھی اور کمر کے پیچھے تھیلا رکھا ہوا ہوتا تھا۔ لوگ طواف کرتے یہ دیکھتا جس کا کمبل، چادر اچھی ہوتی کنڈی کے ذریعے اس کے کندھے سے اُتار لیتا۔ اگر کسی کو علم ہو جاتا تو کہتا غلطی سے لگ گئی ہے۔ لوگ کم ہوتے تھے طواف کرنے والے خال خال ہوتے تھے۔ اب مخلوق بہت زیادہ ہوگئی ہے۔

میں نے پہلا حج بحری جہاز کے ذریعے صرف سولہ سودس (۱۶۱۰) روپے میں کیا تھا۔ آج اگر کسی کے سامنے یہ بات کریں تو وہ مذاق سمجھتا ہے۔ پھر اس سولہ سودس روپے سے کرایہ، خرچہ، کتابیں خریدیں، مصلے، رومال، تسبیحیں اور تبرکات بھی تھے۔ جب میں نے طواف کیا تو کوئی شاذ ونادر ہی طواف ہوگا جس میں میں نے حجر اسود کو بوسہ نہ دیا ہو۔ اور اب مخلوق بہت زیادہ ہوگئی ہے اور پیسے بھی لوگوں کے پاس عام ہو گئے ہیں۔ اب کچھ لوگ تو حج فرض سمجھ کر جاتے ہیں اور کچھ لوگ سیر وسیاحت کے لیے جاتے ہیں۔ اب حجر اسود کا بوسہ لینا آسان کام نہیں ہے۔

تو عمرو بن لُحی نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے رکھ دیئے۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اس میں

اضافہ کیا۔ ہابیل (کا مجسمہ بھی لگا دیا، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کا بھی لٹکا دیا۔ اساف اور نائلہ کا مجسمہ بھی لٹکا دیا۔ اساف مرد کا نام ہے اور نائلہ عورت تھی۔ ان کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے۔ ان کو اور کوئی جگہ نہ ملی خواہش کی تکمیل کے لیے۔ شام کے بعد کچھ اندھیرا ہوا تو انھوں نے کعبۃ اللہ کے اندر برائی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا، پتھر بنا دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی توہین کی ہے لوگوں نے عبرت کے لیے ان کے مجسمے وہاں رکھ دیئے کہ رب تعالیٰ کے گھر کی توہین کرنے والے پتھر بن چکے ہیں۔ مرد کی شکل بعینہٖ مرد کی تھی اور عورت کی شکل بعینہٖ عورت کی تھی۔ لوگوں نے ان کی بھی پوجا شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾ اس لیے کہ مانوس رکھا قریش کو ﴿اٖلٰفِهِمْ﴾ اُن کا مانوس کر دینا ﴿رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ﴾ سردی کے سفر سے اور گرمی کے سفر سے۔ سردی کے موسم میں یمن کا سفر کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں شام کا سفر کرتے ہیں۔ اور ان دو سفروں میں سال بھر کی روزی کما لیتے ہیں۔ ان کے گھر اناج، کپڑوں وغیرہ سے بھرے ہوتے تھے۔ فرمایا ﴿فَلْیَعْبُدُوْا﴾ پس ان کو چاہیے کہ عبادت کریں ﴿رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ﴾ اس گھر کے رب کی جس کی برکت اور وسیلے سے ان کو سب کچھ ملتا ہے۔ بتوں کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔

پنڈت کا اعتراض اور اس کا جواب

پنڈت دیانند سرسوتی آریا سماج کا ایک منہ پھٹ لیڈر گزرا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے " ستیارتھ پرکاش" اس کا چودھواں باب قرآن پاک پر اعتراضات کے لیے وقف ہے۔ یعنی اس باب میں اس نے بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن پاک پر اعتراضات کیے ہیں۔ اور اپنے آپ کو محقق کہتا ہے۔ پہلے قرآن پاک کا ترجمہ نقل کرتا ہے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے پھر اس کے جواب میں لکھتا ہے کہ محقق کہتا ہے۔ اور عجیب عجیب حماقتوں کا مظاہرہ کرتا ہے اور اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔ اس نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ تم ہمیں کہتے ہو کہ بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ تم بھی تو پتھروں کی پوجا کرتے ہو کہ کعبۃ اللہ بھی تو پتھروں کا ڈھیر ہے۔

مسئلہ

یہاں پر ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ جو لوگ کعبۃ اللہ کے سامنے ہوتے ہیں ان کے لیے عین کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرنا ضروری ہے۔ اگر کعبۃ اللہ سے اِدھر اُدھر چہرہ پھر گیا تو نماز قطعاً نہیں ہوگی۔ اور جہاں کعبۃ اللہ نظر نہ آئے تو وہاں سمت کعبہ، جہت کعبہ ہی کافی ہے۔ عین کعبے کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ جو ہماری مسجدیں ہیں یہ تقریباً دو ڈگری کعبۃ اللہ سے ہٹی ہوئی ہیں مگر اس سے نماز پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ پانچ ڈگری تک بھی ہٹی ہوں پھر بھی نماز پر کوئی زد نہیں پڑتی، وہم نہ کرنا۔

تو پنڈت دیانند سرسوتی کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " قبلہ نما" میں دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کعبہ ہمارا مسجود لہ نہیں ہے مسجود الیہ ہے۔ ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے، سجدہ تو رب تعالیٰ

کو کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے مختصر دورِ خلافت میں کعبہ کو شہید کر کے گہرائی تک لے گئے تھے نماز اس وقت بھی ہوتی تھی حالانکہ سامنے کوئی عمارت نہیں تھی۔ کئی مہینے مسلسل بغیر کعبۃ اللہ کی عمارت کے نمازیں ہوتی رہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پس چاہیے کہ یہ عبادت کریں اس گھر کے رب کی ﴿الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ﴾ وہ رب جس نے ان کو کھانا کھلایا، خوراک دی بھوک میں کہ وہاں تو کوئی پیداوار نہیں تھی۔ کعبۃ اللہ کی برکت سے تجارت کے ذریعے ان کو خوراک نصیب فرمائی ﴿وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ﴾ اور جس رب نے ان کو امن دیا خوف سے۔ حرم سے باہر لوگ اطمینان سے سو نہیں سکتے تھے کہ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت تھی۔ لیکن حرم کے علاقے میں چور، ڈاکو بھی کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ آج بھی جو سمجھ دار لوگ ہیں وہ وہاں کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو سمجھ دار لوگ اُسے کہتے ہیں حرم الحاج "حاجی مت لڑو یہ حرم ہے۔" حرم کے رقبے میں شکار بھی جائز نہیں ہے۔ چڑیا تک کو نہ کوئی مار سکتا ہے نہ پکڑ سکتا ہے۔ درخت بھی نہیں کاٹ سکتا۔ اتنی پابندی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے گھر کی برکت سے تمھارا مال محفوظ، جان محفوظ اور اس کی برکت سے تمھیں روزی میسر ہے۔ اس کے رب کی عبادت کرو۔ لیکن ظالمو! تم نے ہبل کی عبادت شروع کر دی، ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی عبادت شروع کر دی، عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت شروع کر دی ہے اور اپنی آخرت برباد کر رہے ہو۔ ہوش کے ناخن لو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡمَاعُوۡنِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
۳۰

آیاتہا ۷ ﴿۱۰۷﴾ سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۱۷﴾ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَرَءَیْتَ﴾ کیا آپ نے دیکھا ﴿الَّذِیْ﴾ اس شخص کو ﴿یُکَذِّبُ﴾ جو جھٹلاتا ہے ﴿بِالدِّیْنِ﴾ دین کو ﴿فَذٰلِکَ الَّذِیْ﴾ پس یہی شخص ہے ﴿یَدُعُّ الْیَتِیْمَ﴾ جو دھکے دیتا ہے یتیم کو ﴿وَلَا یَحُضُّ﴾ اور ترغیب نہیں دیتا ﴿عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ﴾ مسکین کو کھانا کھلانے کی ﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ﴾ پس ہلاکت ہے نمازیوں کے لیے ﴿الَّذِیْنَ هُمْ﴾ جو وہ ﴿عَنْ صَلَاتِهِمْ﴾ اپنی نمازوں سے ﴿سَاهُوْنَ﴾ غافل ہیں ﴿الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ﴾ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں ﴿وَیَمْنَعُوْنَ﴾ اور منع کرتے ہیں ﴿الْمَاعُوْنَ﴾ استعمال کی چیزیں۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الماعون ہے۔ آخری آیت کریمہ میں ماعون کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سے پہلے سولہ (۱۶) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا سترھواں (۱۷) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں۔

قیامت کے منکر پہلے بھی تھے اور آج بھی بہت سے گمراہ لوگ ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں قیامت کوئی شے نہیں ہے۔ اور جو زبانی طور پر قیامت کے قائل ہیں ان کی تیاری کوئی نہیں ہے۔ یہ دنیا کے امتحانات آخرت کے مقابلے میں کھیل کی حیثیت بھی نہیں رکھتے مگر ان کے لیے بڑی تیاری کرتے ہیں اور آخرت میں جو حقیقی اور سچا امتحان ہے اس کے لیے تیاری کرنے والے کتنے ہیں؟ اصل تو تیاری آخرت کے امتحان کی ہونی چاہیے۔

ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا مَتَی السَّاعَةُ "حضرت یہ بتلائیں کہ قیامت کب آئے گی؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَا اَعْدَدْتَ لَهَا "تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟" اس نے سر جھکا کر کہا حضرت! صرف فرض نمازیں پڑھتا ہوں، فرض روزے رکھتا ہوں، نفلی نماز روزے کی توفیق نہیں ہے مگر اتنی بات ہے کہ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔" آج ہم میں سے کتنے ہیں فرض نمازوں کی پابندی کرنے والے؟ یا کتنے خوش نصیب ہیں مردوں اور عورتیں میں کہ بالغ ہونے کے بعد ان کے ذمہ کوئی نماز نہ ہو۔ یا جن کی نمازیں رہ گئی ہیں قضا کر کے پوری کر چکے ہوں؟ میرے خیال میں ہزار میں سے کوئی ایک خوش نصیب ہوگا۔ تو وہ لوگ بڑے دھڑلے سے قیامت کا انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ﴾ کیا آپ نے دیکھا اس آدمی کو ﴿یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ﴾ جو جھٹلاتا ہے دین کو۔ دین کا معنیٰ قیامت بھی ہے، حساب بھی ہے، ثواب اور بدلہ بھی ہے۔ تو وہ قیامت کو جھٹلاتا ہے، حساب کو جھٹلاتا ہے، نیکی، بدی کے بدلے کو جھٹلاتا ہے۔ یہ کون شخص ہے؟ تفسیروں میں بعض کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔ ولید بن ولید اور ولید بن مغیرہ۔ یہ مشہور صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ یہ بڑا کٹر قسم کا مشرک تھا اور بڑا منہ پھٹ اور بے لحاظ آدمی تھا۔ اور بعض نے عاص بن وائل کا نام بتلایا ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے والد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل سے ایسا آدمی پیدا فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فاتح شام ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر ہیں۔ والد دونوں کے سخت قسم کے کافر اور مشرک ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قیامت کا ذکر فرماتے تو کہتے لا کہاں رکھی ہے، قیامت کہاں چھپا رکھی ہے؟ کہتے ہو مردے زندہ ہوں گے ہمارے ساتھ قبرستان چلو اور کسی مردے کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی فرمائشی باتوں کو پورا نہیں کیا۔ رب قادر تھا وہ سب مردوں کو زندہ کر سکتا تھا لیکن نہیں کیا۔ اس میں اس کی حکمت تھی۔

فرمایا ﴿فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ﴾ پس یہی شخص ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو۔ برادری رشتہ داروں میں یتیم ہوتا اس کو حصہ نہیں دیتا تھا دھکے مار کر ان کو ان کے حصے سے پیچھے ہٹا دیتا اور یتیم کا مال کھا جاتا۔ حالانکہ یتیموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا خیال رکھو۔ برادری کے لوگ خیال رکھیں، محلے والے خیال رکھیں، اہل دیہہ خیال رکھیں۔ جس قوم میں یتیم ہو اور وہ اس کا خیال نہ رکھیں، محلے والے خیال نہ رکھیں، اہل دیہہ خیال نہ رکھیں تو سارے محلے اور دیہات والے لوگ رب تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایک وقت تھا لوگ خود یتیم کو تلاش کرتے تھے کہ یتیم مسکین کہاں ہے؟ اس زمانے میں بیت المال کی طرف سے انتظام ہوتا تھا۔ غریبوں، مسکینوں کے وظیفے مقرر ہوتے تھے اور مسلمان از خود بھی خیال رکھتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت کی برکات

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت میں ایسا وقت بھی آیا کہ زکوٰۃ دینے والا رات کو دو رکعت نماز نفل پڑھ کر دعا کرتا تھا اے پروردگار! کل میں نے زکوٰۃ دینی ہے مجھے کوئی زکوٰۃ کا مستحق مل جائے۔ پھر صبح کی نماز پڑھ کر، ناشتہ کر کے دو تھیلے ہاتھ میں لیتا۔ ایک میں سونے کے دینار اور ایک میں چاندی کے درہم اور مستحق کی تلاش میں نکل پڑتا۔ کسی آدمی کو دیکھا کہ اس کے کپڑے ہلکے ہیں، خستہ حالت ہے۔ اس سے کہتا بھائی! اگر آپ زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو میرے پاس زکوٰۃ کی کافی رقم ہے۔ وہ کہتا دہائی خدا کی! میں تو خود زکوٰۃ دینے والا ہوں۔ سارا دن گھومتا زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا۔ شام کو وہ تھیلے لے کر گھر واپس آ جاتا تھا۔ (اب کوئی آواز لگا کر دکھائے۔) وہ کیسا عجب دیانت داری کا زمانہ تھا۔ اگر آج کا زمانہ ہوتا تو ہر آدمی کہتا اصل زکوٰۃ کا مصرف اور مستحق میں ہی ہوں۔ ساری مجھے دے دو چاہے میں گلی بناؤں، نالیاں بناؤں یا ان پیسوں سے الیکشن لڑوں۔ یاد رکھنا! جو آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے اور وہ زکوٰۃ کھاتا ہے، خنزیر کھاتا ہے۔ کئی کئی دن مسلسل تلاش کرتے زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے یہ واقعات ہیں۔

یتیم کا مال اور تیجے، ساتویں کی بدعت

یادرکھنا! بڑے گناہوں میں سے ہے یتیم کا مال کھانا۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ (النساء:۱۰) ”بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال زیادتی سے کھاتے ہیں بے شک وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔“ معاف رکھنا! شاید کوئی ہم سے بچا ہوگا یتیم کا مال کھانے سے۔ سارے کمر باندھ کر کھاتے ہیں۔ یاد رکھنا! آدمی جب فوت ہوتا ہے اور اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے، سانس بند ہوجاتا ہے تو اس کی وراثت فوراً خود بخود وارثوں کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک نہیں رہتا۔ پھر فوت ہونے والوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے وارثوں میں چھوٹے بچے، بچیاں ہوتے ہیں۔ اس مال سے تیجا، ساتا، دسواں اور چالیسواں ہوتا ہے۔ وہ مال تو یتیموں کا ہے مرنے والے کا تو مال نہیں رہا۔ اور فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ نابالغ لڑکا لڑکی کسی چیز کی اجازت دیں تو ان کی اجازت کو شریعت قبول نہیں کرتی۔ کیوں کہ وہ اجازت دینے کے مُجاز نہیں ہیں۔ تو ان یتیموں کے مال کو کھا رہے ہوتے ہیں وہ حرام کھا رہے ہوتے ہیں۔ چاچا، ماما کھائیں، بابے کھائیں، مولوی اور پیر کھائیں، چودھری اور نمبردار کھائیں، سب نے حرام کھانا ہے۔

سنت، بدعت کا سوال تو بعد میں ہوگا کہ اگر وارثوں میں سے جو بالغ ہیں وہ اپنے حصے میں سے تیجا، ساتا وغیرہ کریں تو یہ دوسری شق ہے، دوسری دفعہ لگے گی کہ دنوں کی تعیین کرنا ایصال ثواب کے لیے بدعت ہے۔ ناک کی خاطر صحیح العقیدہ لوگ بھی چلے جاتے ہیں کہ اگر نہ گیا تو ناراض ہوں گے۔ بھائی! اگر ہمدردی ہے تو جنازے میں پہنچو۔ جنازے کے بعد تعزیت کرنی ہے تو کسی دن پہنچ جاؤ۔ ضرور ہی ان متعین دنوں میں جانا ہے اور تیجے، ساتے میں پہنچوں گے تو ان کو تسلی ہوگی۔ یہ رسمیں لوگوں نے اتنی پختہ کی ہوئی ہیں کہ خدا پناہ!

قاضی محمد شفیع صاحب اللہ تعالیٰ ان کو زندگی بخشے۔ ان کے محلے کی بات ہے رمضان المبارک کے مہینے میں دن دیہاڑے تیجے کا کھانا پکا کر کھلایا گیا۔ کسی دین دار نے کہا بھئی! اگر کھلانا بھی تھا تو افطاری کے بعد کھلا دیتے۔ کہنے لگے شام کے بعد تو تیجا ختم ہوجانا ہے چوتھی تاریخ شروع ہوجائے گی کہ اسلامی تاریخ سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی بدل جاتی ہے، وہ بھی چوتھا ہوجائے گا۔ اندازہ لگاؤ! بدعت کے کتنے پکے ہیں؟ رمضان شریف میں دن دیہاڑے کھلایا اور کھانے والوں نے کھایا۔ یہ گکھڑ کی بات ہے کسی اور علاقے کی نہیں ہے۔ تو یادرکھنا! تیجے، ساتے، دسویں وغیرہ کا بدعت ہونا تو الگ بات ہے لیکن یتیم کے مال میں سے صدقہ خیرات کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ تمام فقہاء حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اس پر متفق ہیں۔ اور اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہوجاتا ہے اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد جو اولاد ہوگی وہ خود سمجھ لو کہ کیا ہوگی؟

خاص طور پر ان بدعات میں عورتیں بہت پکی ہیں۔ عورتیں امام ہیں اور مرد مقتدی ہیں۔ شادی بیاہ کی رسمیں ہوں، مرنے کی رسمیں ہوں، ختنے کی رسمیں ہوں۔ لہٰذا عورتیں اچھی طرح سمجھ لیں اور ڈٹ جائیں کہ ہم نے یہ رسمیں نہیں ہونے دینی۔ امام پکا ہوجائے تو مقتدی کا بس نہیں چلتا۔ اور ایک سنت کو زندہ کرنے سے سوشہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ اور ترغیب نہیں دیتا مسکین کو کھانا کھلانے کی۔ کوئی مسکین محلے میں ہے، برادری میں ہے، نہ اپنے نفس کو آمادہ کرتا ہے کہ اس کو کھانا کھلا دے اور اگر خود توفیق نہیں ہے تو دوسروں کو ترغیب بھی نہیں دیتا۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ ہلاکت ہے نمازیوں کے لیے۔ کون سے نمازی؟ ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ جو وہ اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ بھولے ہوئے ہیں۔ (اس سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ والے مشرکین بھی نمازیں پڑھتے تھے اور انھی کی مذمت ہے مومنوں کی مذمت نہیں کیوں کہ مکہ میں سارے مومن مخلص تھے منافق ایک بھی نہ تھا۔ ہاں مدینہ میں جا کر منافق ہوئے۔ اور یہ مکی سورۃ ہے۔ تو مصلین سے مشرکین مراد ہیں نہ کہ مومنین۔ قرآن پاک کا شانِ نزول پر بند ہونا یعنی آیت کو شانِ نزول پر منطبق کرنا ضروری نہیں ہے یہ قیامت تک کے لیے ہے اس لیے آج بھی اس سے استدلال کر سکتے ہیں لیکن اُس وقت مذمت اُن کی تھی۔ تفصیل کے لیے گلدستۂ توحید دیکھیے۔)

منافق کی نماز

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوْا صلٰوۃ المنافق اِتَّقُوْا صلٰوۃ المنافق اِتَّقُوْا صلٰوۃ المنافق "منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو، منافق کی نماز سے بچو۔" بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے تین مرتبہ فرمایا۔ سوال کیا گیا حضرت! منافق کی نماز کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب نماز کا مستحب وقت نکل جائے تو اُٹھتا ہے مرغے کی طرح ٹھونگیں مارتا ہے سجدے پر سجدہ۔ مثلاً: عصر کا وقت ہے سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو یہ اس وقت ٹھونگیں مارتا ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ کئی دفعہ یہ مسئلہ میں واضح کر چکا ہوں کہ ارکانِ نماز میں اعتدال، اطمینان واجب ہے۔ ترکِ واجب سے نماز کامل نہیں ہوتی جب تک سجدہ سہو نہ ہو۔ رکوع میں اتنا اعتدال ہو کہ کمر سیدھی ہو جائے اور کم از کم تین تسبیحات پڑھے اور جب رکوع سے سر اُٹھائے تو بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اگر سر اُٹھاتے ہی سجدے میں چلا گیا تو نماز نہیں ویسے ہی ٹکریں مار رہا ہے۔

بخاری شریف، مسلم شریف اور تمام صحاح کی کتابوں میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے ایک شخص آیا جس کا نام خلاد بن رافع تھا۔ اس نے جلدی جلدی نماز پڑھی بغیر رکوع، سجود کے اعتدال کے۔ آپ ﷺ کے پاس آکر سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام! اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ "پھر جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔" پھر اُس نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھی تھی۔ پھر آکر سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ "پھر جا کے نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔" تیسری دفعہ پھر اُس نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح اُس کو آتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ "پھر جا کے نماز پڑھ یہ جو تو نے نماز نہیں پڑھی یہ کچھ نماز نہیں ہے۔"

اس نے کہا حضرت! اَبِيْ وَ اُمِّيْ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے جو طریقہ آتا تھا میں نے اس کے مطابق

پڑھی۔آپ بتائیں مجھے کیسے پڑھنی چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کا طریقہ بتلایا، پھر نماز کا طریقہ بتلایا اور فرمایا رکوع میں جاؤ تو رکوع اطمینان کے ساتھ کرو۔جس وقت رکوع سے سر اُٹھاؤ تو اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔جس وقت سجدے میں جاؤ تو اطمینان کے ساتھ ناک اور پیشانی زمین کے ساتھ لگا کر سجدہ کرو۔پھر جب سجدے سے سر اُٹھاؤ تو دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان کے ساتھ بیٹھو۔پھر دوسرا سجدہ اطمینان کے ساتھ کرو۔

ہماری جو برائے نام نمازیں ہیں یہ ظاہری شرائط بھی پوری نہیں کرتیں اور جو باطنی شرائط ہیں وہ تو بہت دور کی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ "کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اس انداز سے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔" تو جو نمازیں شرائط کے ساتھ نہیں ہیں ایسے نمازیوں کے متعلق فرمایا ہلاکت ہے نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ویل جہنم میں ایک طبقے کا نام بھی ہے۔حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ نمازوں میں کوتاہی کرتے ہیں وہ اس طبقے میں جائیں گے۔جس سے دوزخ کے باقی طبقے روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتے ہیں۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں، دکھلاوا کرتے ہیں۔اگر کسی نے دیکھ لیا تو پڑھ لیتے ہیں اگر نہ دیکھا تو پروا نہیں۔اگر کسی نے دیکھ لیا تو خوب سنوار کر پڑھتے ہیں۔پھر یہ نماز رب تعالیٰ کے لیے تو نہ ہوئی جس کو دکھا رہا ہے اس کے لیے ہوئی۔

ایک صحابی نے سوال کیا حضرت! میں نماز پڑھ رہا ہوں رب تعالیٰ کی رضا کے لیے۔اس دوران میں کوئی آدمی آجاتا ہے اور میرے دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے کہ اچھی بات ہے کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے دیکھ لیا ہے۔حضرت! یہ ریاکاری میں تو داخل نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ ریا نہیں ہے۔نیکی کرتے ہوئے خوشی محسوس کرنا ایمان کی علامت ہے۔ریا تو تب ہو کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے شروع کرلے۔

فرمایا ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ ماعون کہتے ہیں گھر کی استعمال کی چیزوں کو۔مثلاً: دیگچی ہے، ہانڈی ہے، چمچہ ہے، پیالیاں ہیں، چائے دانی ہے۔اگر کوئی یہ چیزیں مانگتا ہے، اس سے منع کرنا نہ دینا بڑی خساست کی بات ہے، گناہ کی بات ہے۔جب یہ چیزیں واپس مل سکتی ہیں تو منع نہ کرو۔

ہاں! ایسے آدمی سے روکنے کی اجازت ہے جو لے کر واپس نہیں کرتا یا لے کر بے دردی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔صحیح چیز لے گیا اور توڑ پھوڑ کر واپس کر دی اس سے روک سکتے ہو۔اور اس سے کہہ دو کہ بھائی! تم صحیح چیز لے جاتے ہو اور توڑ پھوڑ کر واپس کرتے ہو اس لیے ہم آپ کو نہیں دیں گے۔یہ نہ کہو کہ گھر میں یہ چیز نہیں ہے۔جھوٹ مت بولو۔اور جو دیانت دار ہے اس سے استعمال کی چیزیں نہ روکو۔تو فرمایا اور منع کرتے ہیں استعمال کی چیزیں۔رب تعالیٰ اس سے بچائے اور محفوظ رکھے۔(آمین)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡكَوۡثَرِ مَكِّيَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
(۳۰)

آیاتہا ۳ (۱۰۸) سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۵) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ﴾ بے شک ہم نے آپ کو عطا کی ﴿الْكَوْثَرَ﴾ کوثر ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ پس آپ نماز پڑھیں اپنے رب کے لیے ﴿وَانْحَرْ﴾ اور قربانی کریں ﴿اِنَّ شَانِئَكَ﴾ بے شک آپ کا دشمن ﴿هُوَالْاَبْتَرُ﴾ ہی ابتر ہے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الکوثر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں کوثر کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا پندرھواں (۱۵) نمبر ہے۔ اس سے پہلے چودہ (۱۴) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

قرآن پاک کی کوئی سورت تین آیات سے کم نہیں ہے۔ وہ سورتیں جو تین آیات پر مشتمل ہیں وہ تین ہیں۔ ایک سورۃ العصر، دوسری سورۃ الکوثر اور تیسری سورۃ النصر ہے۔ سب سے بڑی سورت سورۃ البقرہ ہے۔

شانِ نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ ایک خاوند سے ایک لڑکا تھا اور دوسرے خاوند سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کے ایک سال بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، پھر ایک سال بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور جس سال آپ کو نبوت ملی اس سال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

بیٹے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین تھے۔ دو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام عبداللہ تھا رضی اللہ عنہ۔ اس کا لقب طیب بھی تھا اور طاہر بھی تھا۔ تیسرے بیٹے کا نام حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بیٹا بالغ نہیں ہوا۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اس عمر کو پہنچے تھے کہ کوشش کر کے گھوڑے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے۔ تقریباً آٹھ، نو سال عمر تھی۔ اور اس عمر میں فوت ہو گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔

جس وقت حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو عاص بن وائل نے شور مچایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرینہ اولاد کوئی نہیں

رہی یہ ابتر ہو گیا ہے۔ کیوں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ یہ جو کلمہ سناتا ہے، توحید سناتا ہے وہ کب تک رہے گی؟ جب اپنی نرینہ اولاد نہ ہو تو کام ختم ہو جاتا ہے۔ لڑکیاں دوسروں کے گھروں میں چلی جائیں گی اور عورت کھل کر تبلیغ بھی نہیں کر سکتی۔ اس کا مشن ختم ہو جائے گا کہ اس کی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ طبعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی تکلیف ہوئی۔ آخر بری بات آدمی سنے تو تکلیف تو ہوتی ہے۔ آدمی لوہے یا ربڑ کا بنا ہوا تو نہیں ہے۔ انسان آخر انسان ہے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! کوثر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نَهْرٌ فِی الْجَنَّةِ "جنت میں نہر ہے۔" وہ دنیا کی نہروں کی طرح نہیں ہے کہ یہ زمین کی گہرائی میں چلتی ہیں اور دونوں طرف مٹی کے بند ہوتے ہیں (کنارے ہوتے ہیں۔) وہ نہر جنت کی زمین کی سطح پر چلتی ہے اور کناروں پر موتیوں کے بند ہیں۔ اس نہر کا پانی حوض کوثر میں ہوگا۔ اس حوض کوثر کے متعلق فرمایا وہ اتنا لمبا چوڑا ہے جیسے مکہ مکرمہ سے لے کر اذرحا کے مقام تک۔ آپ لوگ اس طرح سمجھیں کہ یہاں (گوجرانوالا) سے لے کر کراچی تک جتنی مسافت ہے اتنی اس کی لمبائی چوڑائی ہوگی۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوگا جو ایک دفعہ پی لے گا اس کو حشر کے تمام عرصہ میں پیاس نہیں لگے گی۔ لیکن اگر کوئی بار بار پینا چاہے گا تو وہ پانی فوراً ہضم ہوتا جائے گا۔ یہ حوض کوثر میدان محشر میں ہوگا۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضٌ "ہر نبی کے لیے حوض ہے اس کے امتی اس حوض سے پانی پئیں گے۔" مگر فرمایا سب سے بڑا حوض میرا ہوگا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بہت زیادہ ہوگی۔ حدیث پاک میں آتا ہے جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں اَسی (۸۰) صفیں صرف میری امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی پیغمبروں کی ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو تہائی جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہوگی اور ایک تہائی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام امتیوں کی ہوگی۔ ایسے پیغمبر بھی ہوں گے جن کا ایک امتی ہوگا اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے جن کا کلمہ پڑھنے والے دو ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کے تین امتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کے چار امتی ہوں گے اور ایسے بھی ہوں گے جن کے پانچ امتی ہوں گے۔ بخاری شریف کی روایت ہے وَيَجِيْءُ نَبِيٌّ وَلَيْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ "اور ایسے پیغمبر بھی آئیں گے کہ ایک امتی بھی ساتھ نہ ہوگا۔" یعنی اس نبی کا کلمہ نہ بیوی نے پڑھا، نہ اولاد نے پڑھا نہ کسی بہن بھائی نے پڑھا تنہا پیغمبر میدان میں آئے گا۔ سب سے زیادہ امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "ایسے خاندان کی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہوں، محبت کرنے والی ہوں میں اپنی امت کی کثرت پر قیامت والے دن فخر کروں گا خوش ہوں گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو یہ فرمان ہے اور ایوب خان کا قانون ہے کہ چار سے زیادہ بچے ہوں گے تو

کھائیں گے کہاں سے؟ بھائی! تو تو چلا گیا اور کھانے والے اب تک کھا رہے ہیں۔(استاذ محترم حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ خاندانی منصوبہ بندی کر کے آنے والوں کو روکتے ہیں۔ بھائی! تم آگے جاؤ آنے والوں کو آنے دو، ان کے لیے جگہ چھوڑو۔ مرتب: نواز بلوچ)

اقتصادیات والے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ دار سمجھتے ہیں وہ بڑے پریشان ہیں۔ کہتے ہیں کہ اتنے سال گزرنے کے بعد لوگ کہاں رہیں گے، کیا کھائیں گے؟ بھئی! کھانے پینے کا مسئلہ رب تعالیٰ کے متعلق ہے یا تمھارے متعلق ہے؟ تم نے کھانے کھلانے کا ٹھیکہ کب سے لیا ہے؟ یہ تو رب تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ بارھویں پارے میں ہے ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ "اور کوئی نہیں ہے چلنے پھرنے والا زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اس کی روزی۔" تم کیوں فکر کرتے ہو؟ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے لوگ تھوڑے ہوتے تھے پیداوار بھی کم ہوتی تھی۔ زیر کاشت زمین بھی تھوڑی تھی۔ اب لوگ زیادہ ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدوار زیادہ کر دی ہے۔ بڑھتے جائیں گے اللہ تعالیٰ پیداوار بڑھاتے جائیں گے۔ پھر عجیب بات ہے کہ جس چیز کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اس کے لیے تو ہم ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ ملک، غیر ملک ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ اور مغفرت کی ذمہ داری رب تعالیٰ نے نہیں لی اس کی فکر ہی کسی کو نہیں ہے۔

اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ کمائی کرنا جائز نہیں ہے۔ بالکل کماؤ، ملک میں غیر ملکوں میں جاؤ مگر اس بات کو مدنظر رکھو کہ ملنا وہی ہے جو قسمت میں ہے۔ لہٰذا جتنا آدمی رزق کے لیے گھومتا ہے اس سے زیادہ مغفرت کے لیے کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بخشش فرما دے اور جس کی مغفرت ہو گئی بس اس کی کیا بات ہے؟

تو حوض کوثر میں نہر کوثر کا پانی ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے کنارے پر جو برتن ہوں گے ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہوگی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ اور ترمذی شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر بیٹھا ہوں گا ایک طرف ابوبکر ہوں گے اور دوسری طرف عمر ہوں گے وَصَاحِبَایَ عَلَى الْحَوْضِ "یہ جیسے دنیا میں میرے ساتھی ہیں حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہوں گے۔" ان دونوں کا تعلق تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا تھا کہ دنیا میں بھی ساتھ رہے، وفات کے بعد بھی ساتھی ہیں اور محشر میں بھی ساتھ ہوں گے، حوض کوثر پر بھی ساتھ ہوں گے۔

اہل بدعت حوض کوثر سے محروم رہیں گے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کچھ لوگ حوض کوثر پر پانی پینے کے لیے آئیں گے فرشتے ان کو دھکے ماریں گے، پیچھے ہٹائیں گے۔ میں کہوں گا یہ میرے ساتھی، میرے اُمتی معلوم ہوتے ہیں ان کو پیچھے کیوں دھکیلتے ہو؟ فرشتے کہیں گے حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں گھڑی تھیں فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا "میں فرشتوں سے کہوں گا جلدی سے ان کو میری آنکھوں سے پیچھے ہٹا دو۔" تو اہل بدعت جتنے ہیں وہ حوض کے پانی سے محروم ہو جائیں گے۔ بدعت بڑا

سنگین جرم ہے۔جس طرح شرک سخت ترین جرم ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ میری شفاعت میرے ہر گناہ گار امتی کے لیے ہے مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا" جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا ہوگا" اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ حاضر ناظر ہے قطعاً شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب ماننا، مختار کل ماننا قطعاً شرک ہے۔ اور مشرک کے لیے نہ شفاعت ہے اور نہ وہ حوض کوثر کا حق دار ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والا سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ان مسائل کو چھوٹے مسائل نہ سمجھنا۔ بعض نادان قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اختلافات ایسے ہی ہیں جیسے حنفی، مالکی، شافعی اختلافات ہیں۔ حاشا وکلا یہ ایسے اختلافات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ بنیادی مسائل ہیں۔ شرک و بدعت کے ہوتے ہوئے نہ نمازیں کام آئیں گی، نہ روزے، نہ حج، نہ زکوٰۃ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ہم نے آپ کو کوثر دی یعنی خیر کثیر دی۔ شاگردوں میں سے ایک نے کہا حضرت! آپ اس کا معنیٰ خیر کثیر کرتے ہیں اور ہم نے سنا ہے کہ کوثر سے مراد نہر ہے اور حوض کوثر مراد ہے۔ تو مسکرا کر فرمایا کہ میں نے جو اس کی تفسیر خیر کثیر کی یہ اس کے مخالف نہیں ہے۔ کیوں کہ خیر کثیر جنس ہے حوض کوثر اس کی ایک نوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیر کثیر دی، نبوت دی، رسالت دی، قرآن دیا، یہ امت دی، حوض کوثر دیا۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ پس آپ نماز پڑھیں اپنے رب کے لیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے تو اس کے شکر کے لیے، اس کی رضا کے لیے نماز پڑھو۔ تمام عبادات میں نماز کا بہت بلند مقام ہے۔ قیامت والے دن پہلا پرچہ ہی نماز کا ہوگا۔ لیکن آج ہم نے نماز کو کچھ نہیں سمجھا۔ نماز ایسی شے ہے کہ اگر کوئی تختہ دار پر لٹکا ہوا ہو، بدن میں میخیں ٹھکی ہوئی ہوں پھر بھی معاف نہیں ہے۔ اشارے کے ساتھ پڑھے۔ اگرچہ بظاہر شرم آتی ہے لیکن دین کا مسئلہ ہے فقہاء کرام نے لکھا ہے اس لیے بیان کرتا ہوں کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش ہو رہی ہے بچے کا سر پیٹ سے باہر آ گیا ہے باقی جسم نہیں نکلا اور نماز کا وقت ہو گیا ہے اس حالت میں بھی عورت کو نماز معاف نہیں ہے۔ وہ بچے کا سر ہنڈیا میں کر کے نماز پڑھے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ زمین میں گڑھا کھود کر بچے کا سر اس میں کر کے نماز پڑھے۔ اس وقت جو خون آئے گا بیماری کا ہوگا، نفاس کا نہیں ہوگا۔ اس لیے نماز اس پر فرض ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ نماز کتنی اہم ہے۔

تو فرمایا نماز پڑھیں اپنے رب کے لیے ﴿وَانْحَرْ﴾ اور قربانی کریں۔ بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس کا معنیٰ ہے نماز پڑھتے وقت اپنے ہاتھ سینے پر رکھ۔ لیکن حافظ ابن کثیر (فرماتے ہیں لَا يَصِحُّ" یہ روایت صحیح نہیں ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جب نماز پڑھو تو اپنی چھاتی کو قبلے کی طرف ٹھیک کرو۔ لیکن ﴿وَانْحَرْ﴾ کی صحیح تفسیر وہ ہے جو جمہور نے کی ہے کہ نحر کا معنیٰ قربانی کرنا ہے۔ نحر اونٹ کو کھڑے کر کے قربانی کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ مستحب ہے۔ لٹا کر ذبح کرنا بھی صحیح ہے۔ تو ﴿وَانْحَرْ﴾ میں قربانی کا حکم ہے۔

منکرین قربانی کے اعتراضات اور جواب

قربانی کے منکر کہتے ہیں کہ یہ جو عام لوگ قربانیاں کرتے ہیں یہ قرآن کے خلاف ہیں۔ یہ مولویوں نے کھالیں جمع کرنے کے لیے لوگوں کے ذہن خراب کیے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں قربانی صرف حاجی کو کرنی چاہیے۔ یہ منکرین حدیث کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں بھائی! قربانی ایک ایسی چیز ہے کہ جب سے انسانیت چلی ہے قربانی بھی ساتھ چلی ہے۔ ہابیل قابیل کے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قربانی کا حکم ہوا۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں ہے ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ﴾ (المائدہ:۲۷) "جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی پس ان میں سے ایک سے قبول کی گئی اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی۔" ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کی قربانی قبول ہوگئی اور قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ تو قربانی مولویوں نے نہیں بنائی یہ شروع سے چلی آرہی ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔ یہ نہیں فرمایا کہ حج کر اور قربانی کر۔ اس وقت تو حج نہیں تھا جب یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ یہ مکی سورت ہے اور حج مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا يُضَحِّيْ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت کے بعد دس سال مدینہ طیبہ میں رہے ہر سال قربانی کرتے تھے۔" قربانی نہ حرم کے ساتھ خاص ہے نہ حاجی کے ساتھ خاص ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔ چنانچہ عاص بن وائل کا نام بیٹے کے سامنے آتا تھا تو شرمندہ ہو جاتا تھا اور کہتا تھا اس کا نام نہ لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کا خیال تھا کہ آپ کی نرینہ اولاد نہیں رہی یہ دین بھی نہیں رہے گا لیکن الحمد للہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار امتیوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے اور جانوں کو تکلیفوں میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا اور ان شاء اللہ العزیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک یہ دین، یہ حق باقی رہے گا۔ اس کے بعد کمان وہ خود سنبھال لیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفْسِیْر

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۶ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (۱۰۹) (۱۸) رُکُوْعَاتُھَا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿قُلْ﴾ اے پیغمبر آپ فرما دیں ﴿یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اے کافرو ﴿لَآ اَعْبُدُ﴾ میں نہیں عبادت کرتا ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ﴾ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو ﴿مَآ اَعْبُدُ﴾ اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ﴾ اور نہ میں عبادت کروں گا ﴿مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ جن کی تم عبادت کر چکے ہو ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ﴾ اور نہ تم عبادت کرو گے ﴿مَآ اَعْبُدُ﴾ اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ﴿لَکُمْ دِیْنُکُمْ﴾ تمھارے لیے تمھارا دین ہے ﴿وَلِیَ دِیْنِ﴾ اور میرے لیے میرا دین ہے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الکافرون ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں کافرون کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے سترہ (۱۷) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا اٹھارھواں (۱۸) نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چھ (۶) آیات ہیں۔

شانِ نزول

اس سورت کا شان نزول اس طرح تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت مکہ مکرمہ کی آبادی تھوڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں لوگوں میں پہلے دن ہی پہنچ گئی تھیں۔ جن کو پہلے دن پتا نہیں چلا ان کو دوسرے، تیسرے دن پتا چل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے دار الندوہ میں اجتماع کیا۔ یہ ان کا دارا تھا جس میں مشاورت کے لیے، گپوں کے لیے اکٹھے ہوتے تھے۔ اب وہ مسجد حرام میں شامل ہو چکا ہے۔ قریش مکہ نے مشورہ کیا کہ اس کے دعویٰ نبوت کی وجہ کیا ہے؟ ہر کام کا کوئی مقصد ہوتا ہے، غرض ہوتی ہے۔ آخر اس نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟

کسی نے کہا کہ یہ مالی لحاظ سے کمزور ہے اس کا مقصد ہے کہ لوگ میرے قریب آئیں گے میری امداد کریں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ بات بھی ممکن ہے لیکن ہماری سمجھ میں دوسری بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خوب صورت جوان ہے، صحت مند ہے جس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے، وہ بیوہ ہے اس کا مقصد ہے کہ مجھے کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔ رشتہ حاصل

کرنے کے لیے یہ انداز اختیار کیا ہے۔ کسی نے کوئی رائے دی، کسی نے کوئی رائے دی۔

چنانچہ ایک وفد کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے سنا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کا سردار مجھ پر نازل ہوا ہے اور مجھے قرآن پاک کی یہ سورتیں سکھلائی ہیں اور وعدہ کیا ہے کہ اور بھی قرآن نازل ہوگا۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتا ہوں، قیامت کے مسئلے کی دعوت دیتا ہوں، قرآن پاک کے حق ہونے کی دعوت دیتا ہوں، تمام پیغمبروں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، سچ بولنے، جھوٹ چھوڑنے کا کہتا ہوں، عدل وانصاف کے ساتھ رہنے کا کہتا ہوں، بدامنی پھیلانے سے روکتا ہوں۔

کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جتنا مال آپ چاہتے ہیں ہم آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ آدھا مال میرے ذمہ ہے باقی تم سارے مل کر دینا۔ اتنا مال اس کو دے دیں کہ اس کی سات پشتیں ختم نہ کر سکیں۔ عتبہ نے کہا کہ سارے جانتے ہیں کہ میری لڑکیاں شکل وعقل والی ہیں۔ سب لوگ رشتے کے پیغام بھیجتے ہیں لیکن میں نے کسی کے لیے ہاں نہیں کی۔ آپ جس پر ہاتھ رکھیں میں بغیر مہر کے اس کا آپ سے نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ سلسلہ جو آپ نے شروع کر رکھا ہے اس کو چھوڑ دیں۔ اختلاف بُری چیز ہے یہ گھر گھر میں پھیلے گا، گلی گلی مین پھیلے گا، بازار میں پھیلے گا۔ باپ بیٹے کا جھگڑا ہوگا، میاں بیوی کا جھگڑا ہوگا، بھائی بھائی کا جھگڑا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے میرے سامنے مال کی پیش کش کی ہے مجھے رب تعالیٰ کی قسم ہے اگر تم مجھے ساری دنیا کا بادشاہ بنا دو میں پھر بھی حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مجھے نہ مال کی ضرورت ہے نہ رشتے کی ضرورت ہے۔ رب تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت دی ہے مجھ سے جتنا ہو سکا میں اس کا حق ادا کروں گا۔ پھر کہنے لگے اس میں کچھ ترمیم کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ پھر کہنے لگے چلو اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں ان کو بُرا مت کہیں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے۔ صلح صفائی سے وقت گزارنا چاہیے جھگڑا اچھی چیز نہیں ہے۔ جب اُنھوں نے یہ پیش کش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سورت نازل ہونی شروع ہو گئی تھی۔

احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت وحی نازل ہوتی تھی سخت سردی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی سے پسینا بہتا تھا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہے تو بعض نے یہ خیال کیا کہ اس پر ہماری بات کا اثر ہو گیا ہے۔ جس وقت یہ سورت نازل ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جواب میں تاخیر اس لیے کی ہے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی اور یہ سورت مجھ پر نازل ہوئی ہے جو میں تم کو ابھی پڑھ کر سناؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروقار انداز میں یہ سورت اُن کو سنائی۔

﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اے کافرو! ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ میں

نہیں عبادت کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿وَلَآ اَنْتُمْ﴾ اور نہ تم ﴿عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ مشرک رب تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں تھے رب تعالیٰ کو مانتے تھے اور رب تعالیٰ کی عبادت کے بھی قائل تھے مگر اکیلے رب کی عبادت کے قائل نہیں تھے۔ رب تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ (الاعراف: ۷۰) "کیا تو آیا ہے ہمارے پاس اس مقصد کے لیے کہ ہم عبادت کریں اکیلے خدا کی اور چھوڑ دیں ہم ان کو جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔" ہم اللہ کی بھی عبادت کریں گے اور دوسروں کی بھی عبادت کریں گے۔ مشرک رب تعالیٰ کی بھی عبادت کرتا ہے اور ظاہری طور پر مشرک عام کلمہ گو مسلمانوں سے زیادہ رب تعالیٰ کا عقیدت مند ہوتا ہے۔ آٹھویں پارے میں موجود ہے کہ وہ پیداوار میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالتے تھے اور کہتے تھے ﴿هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ "یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اپنے خیال سے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے۔" دیکھو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کتنی عقیدت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ پہلے نکالتے تھے اور ان کی یہ عقیدت قرآن سے ثابت ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ دانے شریکوں کے مل جاتے تو الگ کر لیتے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے یہ محتاج ہیں۔ اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا تھا اس میں سے کچھ دانے شریکوں کے حصے میں مل جاتے تو الگ نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کوئی بات نہیں رب غنی ہے۔ یہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ تو بہ ظاہر رب تعالیٰ کے ساتھ مشرک کو کتنی عقیدت ہے۔

اور مشرکوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جن کو ہم پکارتے ہیں ان کو ہم الٰہ نہیں سمجھتے۔ ہم تو ان کو صرف اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے ہماری اس تک پہنچ نہیں ہے یہ ہماری سیڑھیاں ہیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (زمر: ۳) "ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں گے۔" اور سورت یونس آیت نمبر ۱۸ میں ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "یہ جن کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں۔" یہ خدا نہیں ہیں خدا کے قریب کرنے والے ہیں۔

پھر مثالیں دیتے کہ بادشاہ یا وزیر اعظم کو ملنا ہو تو براہِ راست آدمی نہیں مل سکتا۔ گورنر، کمشنر، ڈی، سی کے ذریعے ملتا ہے۔ اسی طرح ہم پست ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے یہ ہمارے درمیان واسطہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ۷۴) "پس نہ بیان کرو تم مثالیں اللہ تعالیٰ کے لیے بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔" بادشاہ وزیر اعظم کے لیے تو واسطے اس لیے تلاش کیے جاتے ہیں کہ ان کو حالات کا علم نہیں ہوتا ان سے ملاقات کر کے ان کو حالات سے آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو تو ہر شے کا علم ہے اس کو کس شے سے آگاہ کرنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بلند ذات ہونے کے باوجود تمھارے ساتھ ہے۔ سورۃ الحدید، آیت ۴، پارہ ۲۷ میں ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ "اور وہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔" لہٰذا یہ بادشاہوں والی مثال بیان نہ کرو۔

اور دوسری مثال یہ بیان کرتے ہیں کہ مکان کی چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے چھلانگ لگا کر تو

اوپر نہیں جا سکتا۔ مکان کتنا بلند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے یہ بابے درمیان میں ہماری سیڑھیاں ہیں۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا میرے پاس آنے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت نہیں ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (قٓ:۱۶) "اور ہم زیادہ قریب ہیں انسان کے اس کی دھڑکتی ہوئی رگ سے۔" شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں یہاں کون سی سیڑھی لگانے کی ضرورت ہے۔

تو مشرک رب تعالیٰ کا بڑا عقیدت مند ہوتا ہے لیکن مشرک کو خالص عبادت رب کی نصیب نہیں ہوتی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص:۵) "کیا اس نے کر دیا ہے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بے شک یہ ایک عجیب چیز ہے۔" یہ کہتا ہے کہ ایک ہی دست گیر ہے، ایک ہی فریادرس ہے، ایک ہی حاجت روا ہے، ایک ہی مشکل کشا ہے اور کوئی نہیں ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

آج بھی مسجدوں میں یہ شعر پڑھے جاتے ہیں:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوثِ اعظم دستگیر

ان سے کہو کہ صرف رب سے مانگو تو ان کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اے کافرو! ﴿لَاۤ اَعْبُدُ﴾ میں نہیں عبادت کرتا فی الحال، اس وقت ﴿مَا﴾ ان کی ﴿تَعْبُدُوْنَ﴾ جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ جنوں کی، فرشتوں کی، انسانوں کی، لات، منات، عزّیٰ۔ میں ان کی عبادت کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں نہ ہی وہ عبادت کے مستحق ہیں۔ میں تو وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے والا ہوں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بھی اسی کے لیے، رکوع بھی اسی کے لیے، سجدہ بھی اسی کے لیے۔

بعض قرّاء حضرات دین کی روح سے زیادہ واقف نہیں ہوتے۔ مجمع میں لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر (جیسے نماز میں ہاتھ باندھتے ہیں) قراءت کرتے ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے۔ یہ حالت رب تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی ہے۔ مخلوق کے سامنے، بندوں کے سامنے یہ جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک پوچھنے والے نے پوچھا حضرت! ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ معانقہ کر سکتا ہے؟ فرمایا کر سکتا ہے۔ حضرت! مصافحہ کر سکتا ہے؟ فرمایا کر سکتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے المصافحہ بِالیدین "مصافحہ دو ہاتھوں سے ہوتا ہے۔"

پھر اس پر حدیث پیش کی ہے۔ پھر پوچھا حضرت! اَیَنْحَنِیْ لَهٗ "کیا ایک آدمی دوسرے آدمی کو جھک کر مل سکتا ہے؟" فرمایا نہیں اس لیے کہ جھکنے میں رکوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور رکوع کی حالت صرف رب تعالیٰ کے سامنے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ نہیں ہے تاکہ کم فہم لوگ اور بد باطن لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مردے کو سجدہ کر رہے ہیں۔ ایک ہے امر مجبوری۔ وہ

الگ بات ہے۔ مثلاً: میں بیٹھا ہوا ہوں اگر کوئی آ کر مصافحہ کرے گا تو جھکے گا۔ یا کوئی مریض لیٹا ہوا ہے اس کے ساتھ مصافحہ کرنا ہے تو جھکے گا یہ بامر مجبوری ہے کیوں کہ وہ بے چارہ اُٹھ نہیں سکتا۔ مجبوری کے مسائل الگ ہیں۔ مثلاً: عام حالات میں نماز کھڑے ہو کر پڑھنی ہے مگر جو آدمی کھڑے ہونے پر قادر نہیں ہے تو وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ لیکن جو آدمی سارا دن بازار گھومتا رہے اور نماز بیٹھ کر پڑھے یہ جائز نہیں ہے۔

دیہاتی عورتیں سودا سلف خریدنے کے لیے آتی ہیں بعض ہمارے گھر بھی آجاتی ہیں مسئلہ پوچھنے کے لیے یا تعویذ لینے کے لیے۔ نماز کا وقت ہوتا ہے تو کہتی ہیں مصلّٰی دے دو ہم نے نماز پڑھنی ہے۔ بچیاں مصلّٰی دے دیتی ہیں۔ بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں۔ اے بی بی! سارا دن تو نے گلھڑ میں چکر لگایا ہے، بازار گھوم چکی ہے اور نماز بیٹھ کر پڑھتی ہے۔ یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ بیٹھ کر نماز اس کی ہوتی ہے جو کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو۔ ان کی پڑھی ہوئی نمازیں سب ان کی گردن پر قرض ہیں۔ اور عورتیں یہ مسئلے بھی اچھی طرح سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔ عورتوں کی آستین کلائی تک ہونی چاہیے۔ اگر کلائی تک نہ ہوئی تو نماز قطعاً نہیں ہوگی۔ ناخن پالش کے ساتھ نماز نہیں ہوتی۔ ہونٹوں پر سرخی لگائی ہوئی ہے اور سرخی لیس دار ہے پانی نیچے نہیں جاتا تو بھی نماز نہیں ہوگی۔ یہ معمولی مسائل نہیں ہیں۔

تو فرمایا میں نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ اور نہ تم خالص عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اس کے وہ کافر مخاطب ہیں جن کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ بیشتر وہ ہیں جو بدر کے موقع پر مردار ہوئے جیسے ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ اور نہ میں عبادت کروں گا ان کی جن کی تم عبادت کر چکے ہو ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ میرے سامنے نہ تم مال پیش کرو اور نہ رشتے پیش کرو اور نہ اس طرح کی صلح کی شرائط پیش کرو ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ﴾ تمھارے لیے تمھارا دین ہے ﴿وَلِيَ دِيْنِ﴾ اصل میں دِيْنِيْ تھا ی متکلم کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔ اور میرے لیے میرا دین ہے۔ میں اپنا دین چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ

پارہ ⇐ عَمَّ

(۳۰)

آیاتھا ۳ ﴿۱۱۰﴾ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ﴿۱۱۴﴾ رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے گی ﴿وَالْفَتْحُ﴾ اور مکہ فتح ہو جائے گا ﴿وَرَاَیْتَ النَّاسَ﴾ اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو ﴿یَدْخُلُوْنَ﴾ داخل ہوتے ہیں ﴿فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دین میں ﴿اَفْوَاجًا﴾ فوج درفوج ﴿فَسَبِّحْ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں ﴿بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کی حمد کی ﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ اور اس سے استغفار کریں ﴿اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ النصر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں نصر کا لفظ موجود ہے۔ اسی سے سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا ایک سو چودھواں (۱۱۴) نمبر ہے۔ اس سے پہلے ایک سو تیرہ (۱۱۳) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ

دنیا کے حالات اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے منصوبے بنائے جا رہے تھے اور ایک وہ وقت آیا کہ مکہ مکرمہ کی شاہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھی۔ قریش مکہ نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا کہ ہر ہر خاندان سے ایک ایک آدمی لیا کہ یہ سارے اکٹھے حملہ کریں تاکہ بنو ہاشم ہمارے ساتھ لڑ نہ سکیں۔ زیادہ سے زیادہ دیت کا مطالبہ کریں گے تو سب مل کر ادا کر دیں گے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کر دیں وہ آپ کے ساتھ جائیں گے اور آپ نے جبل ثور کی چوٹی پر غار ثور میں چھپ جانا ہے۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے فوراً یہ لفظ نکلا اَلصُّحْبَةُ الصُّحْبَةُ "حضرت میں بھی ساتھ جاؤں گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر غار ثور میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہ بڑا دشوار گزار پہاڑ ہے۔ میں بڑا ہمت والا آدمی تھا مگر اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے میں میرے پونے دو گھنٹے لگے تھے (اس وقت سیڑھیاں نہیں بنی تھیں اب تو سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں پھر بھی ہم جیسوں

کے ڈیڑھ پونے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مرتب) بہت دشوار گزار اور بلند پہاڑ ہے۔ میں نے غار میں دو نفل بھی پڑھے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گھر سے تشریف لے گئے تو کافر بڑے پریشان ہوئے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ پھر جب یہ اعلان سنا کہ ان کو پکڑنے والے کو دو سو اُونٹ ملیں گے تو اس لالچ میں اور پاگل ہو گئے۔ دو سو اونٹ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ غار ثور میں چھپنے والا راز صرف دو آدمیوں کے پاس تھا۔ ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کہ ان کی ڈیوٹی تھی رات کو غار میں کھانا پہنچانے کی۔ اور دوسرے راز دان عبداللہ بن اُریقط تھے جن سے دس دینار پر طے ہوا تھا کہ تین دن بعد غیر معروف راستے سے یثرب لے جانا ہے۔ کیوں کہ یہ راستوں کا ماہر آدمی تھا۔

یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا اور ان کافروں میں سے تھا جنھوں نے خیفِ بنو کنانہ میں قسمیں اُٹھائی تھیں بائیکاٹ کی کہ بنو ہاشم کے ساتھ اس وقت تک بائیکاٹ جاری رکھنا ہے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق بائیکاٹ تھا اَنْ لَا یُنَاکِحُوْهُمْ وَلَا یُبَایِعُوْهُمْ "نہ ان کے ساتھ رشتہ کرنا ہے اور نہ ان سے خرید و فروخت کرنی ہے۔" لیکن یہ بات کا پکا آدمی تھا سب کچھ اس کے علم میں تھا۔ کیوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے طے کیا تھا کہ تو نے تین دن کے بعد ہمیں فلاں جگہ سے وصول کرنا ہے اور گمنام راستے سے مدینہ طیبہ پہنچانا ہے اس پر تجھے دس دینار ملیں گے۔ اُس وقت دس دینار کا ایک اونٹ آتا تھا۔ پہلے لوگ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ بدر والے راستے سے جاتے تھے مگر وہ لمبا راستہ تھا سعودی حکومت نے آج کل جو سڑک بنائی ہے یہ طریق الهجرة ہے۔ اسی راستے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی۔ آج کل بسیں اسی راستے پر جاتی ہیں۔

تو کافر ہونے کے باوجود یہ بڑا دیانت دار آدمی تھا دس دینار پر راضی رہا اور ایک سو نوّے دینار پر لات ماری۔ اسی اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بعد میں ایمان کی دولت نصیب فرمائی اور وہ رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر غار ثور میں تشریف لے گئے۔ کافروں نے تلاش شروع کی۔ قبیلہ بنو مخزوم کا ایک بڑا ماہر کھوجی تھا۔ وہ پاؤں کے نشانات کے ذریعے غار ثور کے منہ پر جا پہنچا۔ کہنے لگا یہاں تک کھوج پہنچتا ہے اور کہہ بھی صحیح رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بُن دیا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے اور کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ لوگوں نے کھوجی سے کہا کہ تیری عقل ماری گئی ہے اگر وہ اندر جاتے تو مکڑی کا جالا اس طرح رہتا؟ اُلٹا اس پر برس پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کے جالے سے قلعہ کا کام لیا۔ کافر غار کے منہ پر کھڑے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! اگر یہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے لَا تَحْزَنْ آپ پریشان نہ ہوں۔

یہاں پر رافضیوں کی خیانت دیکھو! کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس لیے بولے تھے کہ ان کو پتا چل جائے کہ ہم اندر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیں، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

شہید کر دیتے تو ابوبکر بچ جاتے؟ انعام تو دونوں کے لیے مقرر تھا۔ مگر خبیث آدمی کو خباثت ہی سوجھتی ہے۔

فتح مکہ:

تو خیر ایک وہ وقت تھا کہ مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا۔ پھر آٹھ سال کے بعد وہ وقت آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار نفوس قدسیہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے رضی اللہ عنہم۔ اور تورات کی پیش گوئی پوری ہوئی کہ وہ دنیا کا سردار فاران کی چوٹیوں سے دس ہزار نفوس قدسیہ، پاک باز نفوس کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ اب عیسائیوں نے دس ہزار کا لفظ نکال کر اس کی جگہ دس لاکھ کر دیا ہے تاکہ یہ پیش گوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق نہ آئے۔ ۱۹۰۰ء سے پہلے جو انجیل اور کتاب مقدس طبع ہوئی ہے اس میں دس ہزار کا لفظ موجود ہے۔ ۱۹۸۲ء میں مجھے برطانیہ جانے کا اتفاق ہوا۔ مانچسٹر پہنچے تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ تورات کا کوئی پرانا نسخہ تلاش کرو۔ نسخہ مل گیا، وہ انگریزی میں تھا۔ میں نے کہا فلاں باب نکال کر مجھے اس کا ترجمہ سناؤ۔ اس میں دس ہزار کا لفظ موجود تھا۔ میں نے اس صفحے کی اور پہلے صفحے کی فوٹو کاپی کرالی جو میرے پاس موجود ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر صرف پندرہ جانیں ضائع ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ نے اس گلی سے گزر کر کعبہ پہنچنا ہے۔ مختلف ساتھیوں کے لیے مختلف گلیاں مقرر فرمائیں کہ اس نے اس گلی سے اور اس نے اس گلی سے کعبۃ اللہ پہنچنا ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گزرنے لگے تو قریشی ضد میں آگئے کہ ہم یہاں سے نہیں گزرنے دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ جو تلوار نہ اُٹھائے اسے کچھ نہیں کہنا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو کچھ نہیں کہنا۔ جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی کچھ نہیں کہنا۔ تلوار اس کے خلاف استعمال کرنی ہے جو تمھارے سامنے تلوار اُٹھائے لہٰذا تم ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ بنو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم اس گلی سے نہیں گزرنے دیں گے دوسرا راستہ اختیار کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں حکم ہے اسی گلی سے گزرنا ہے۔ پیش قدمی کی تو اُنھوں نے دو صحابی شہید کر دیئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی حملے کا حکم دیا۔ قریش کے تیرہ آدمی مارے گئے۔ بس یہ نقصان ہوا۔

مکہ مکرمہ جب فتح ہوا تو جتنے نامی گرامی آدمی تھے سب بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں وحشی بن حرب بھی تھا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ ہبار بن اسود بھی بھاگ گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا برادری میں چچا لگتا تھا۔ جس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے جا رہی تھیں تو اس نے روکا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اپنے خاوند کی اجازت سے جا رہی ہوں۔ کہنے لگا کوئی اجازت نہیں ہے۔ اونٹ پر سوار تھیں ٹانگ سے پکڑ کر کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ ان کے پیٹ میں بچہ تھا ضائع ہو گیا اور وہ بیمار ہو گئیں اور اسی بیماری میں فوت ہو گئیں۔ اس ہبار بن اسود نے بھی دوڑ لگا دی۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے بھی دوڑ لگا دی۔ کعبۃ اللہ کے دروازے کی سیدھ میں تیس میل کے فاصلے پر سمندر تھا۔ جدہ شہر اس وقت آباد نہیں ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر یہ کشتی میں سوار ہو گیا حبشہ جانے کے لیے۔

اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر جھنڈا لہرا دیا اور حجون کے مقام پر جھنڈا لہرا دیا۔جہاں کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بائیکاٹ کے لیے قسمیں کھائی تھیں۔اور فرمایا مکے والو! اِدھر آؤ میری بات سنو۔ڈرتے ڈرتے عورتیں، بچے اور بوڑھے آ گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے ان کے جرم دہرائے اور زیادتیاں بتلائیں جو وہ کرتے رہے تھے کہ تم نے فلاں وقت میرے ساتھ یہ زیادتی کی،فلاں وقت یہ کی۔تم نے حارث بن خدیجہ کو شہید کیا،فلاں کو شہید کیا،فلاں کو شہید کیا۔ جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جرائم بتلاتے جاتے تھے اُن کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے اور کئی نے دوڑ لگا دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مکے والو! تم نے اپنے جرائم سن لیے ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ "نہیں ہے ملامت تم پر آج کے دن" میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے کسی کو کچھ نہیں کہوں گا۔

ہبار بن اسود کے عزیز نے کہا کہ حضرت! ہبار کے لیے معافی ہے؟ فرمایا ہاں! معافی ہے۔وحشی بن حرب کو بھی معافی ہے؟ فرمایا ہاں! معافی ہے کچھ نہیں کہنا۔ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے نہ آیا کرے۔کیوں کہ اس نے بڑی بے دردی سے میرے چچا کو شہید کیا ہے۔سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا،دل نکالا،ناک،کان کاٹے۔میرے سامنے نہ آیا کرے مجھے میرا چچا یاد آ جاتا ہے۔یہ مسلمان ہو گیا تھا۔

عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا آئیں۔کہنے لگی! حضرت مجھے جانتے ہیں؟ فرمایا ہاں! ام حکیم ہے۔اس نے کہا میرا خاوند دوڑ گیا ہے اگر وہ آ جائے تو اس کو بھی پناہ مل سکتی ہے؟ فرمایا ہاں! مل جائے گی۔کہنے لگی وہ بغیر کسی نشانی کے مطمئن نہیں ہو گا کوئی نشانی دے دو۔احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کی پگڑی تھی وہ اُتار کر دے دی۔وہ لے کر اس کے پیچھے چلی گئی۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ کشتی طوفان کی وجہ سے واپس آ گئی۔عکرمہ نے دیکھا کہ میری بیوی کنارے پر کھڑی ہے کہنے لگا معاملہ بڑا سخت لگتا ہے اُنھوں نے عورتوں کو بھی معاف نہیں کیا۔پوچھا ام حکیم کیسے آئی ہو؟ تیرے ساتھ کیا ہوا،اوروں کے ساتھ کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ وہاں تو رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔اس نے عام معافی کا اعلان کر دیا ہے۔تجھے بھی معافی مل گئی ہے۔کہنے لگا دیکھنا کہیں مجھے پھنسا نہ دینا۔ام حکیم نے پگڑی مبارک سامنے کی اور کہا کہ یہ انھوں نے نشانی دی ہے کہ واقعتاً میں نے معاف کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے گی ﴿وَالْفَتْحُ﴾ اور مکہ فتح ہو جائے گا ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ﴾ اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ داخل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج۔آپ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد پورا ہو گیا ہے ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ ﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ اور اس سے استغفار کریں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے تھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ یوں ان آیات پر عمل کرتے تھے۔

۹ ہجری میں حج فرض ہوا ہے۔اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف نہیں لے گئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

امیر الحجاج بنا کر بھیجا کہ آپ ان کو لے جا کر حج کرائیں میں نہیں جا سکتا۔ کیوں کہ لوگ دور دراز سے کلمہ پڑھنے کے لیے آ رہے ہیں مجھے نہیں پائیں گے تو پریشان ہوں گے۔ عرب کا بڑا وسیع رقبہ تھا۔ اس وقت سعودیہ کا رقبہ بائیس (۲۲) لاکھ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ایک کروڑ اَسی لاکھ ہے۔ پاکستان کے رقبہ سے تین گنا زیادہ رقبہ ہے۔ پاکستان کی آبادی پندرہ کروڑ ہے۔ تو لوگ دور دراز سے آ رہے ہیں پریشان ہوں گے۔ اس سال کو تاریخ میں عام الوفود، عام الوفادہ، وفدوں والا سال کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر دس سال تھی۔ اڑھائی سال تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً تیرہ، چودہ (۱۳-۱۴) سال تھی۔ مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بھی بٹھاتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اُنھوں نے اعتراض کیا اے امیر المومنین! آپ اس بچے کو شوریٰ میں بٹھاتے ہیں۔ شوریٰ میں بڑی بڑی راز کی باتیں ہوتی ہیں اور یہ بچہ ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر میرا بیٹا بھی آ بیٹھے گا، دوسرے بچے بھی آ بیٹھیں گے۔ شوریٰ پر بچوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ عام بچہ نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے یہ کیا ہے؟

پھر ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ والوں سے سوال کیا کہ سورۃ النصر میں گر کی بات کیا ہے مجھے بتاؤ؟ ترجمہ نہیں پوچھ رہا راز اور گر کی بات پوچھ رہا ہوں۔ کسی نے کچھ بتلایا، کسی نے کچھ بتلایا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا بیٹا! تم بتاؤ اس میں گر کی بات کیا ہے؟ فرمایا فِيهَا اَجَلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ "اس سورت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ دنیا سے جانے والے ہیں۔" مکہ فتح ہو جائے گا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخرت کی تیاری کریں، تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کی اور استغفار کریں۔ فرمایا سمجھ آیا کہ یہ عام بچہ نہیں ہے۔

تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے تسبیح اور استغفار پڑھا کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس سورت کو ایک دفعہ پڑھنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے قرآن کا چوتھائی حصہ پڑھ لیا ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِيۡر

سُوۡرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
٣٠

آیاتھا ۵ سُوْرَۃُ اللَّھَبِ مَکِّیَّۃٌ (۱۱۱) (۲) رکوعاتھا ۱

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ﴾ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں ﴿وَّ تَبَّ﴾ اور وہ خود بھی ہلاک ہو ﴿مَآ اَغْنٰی عَنْهُ﴾ نہیں کام آئے گا اس کے ﴿مَالُهٗ﴾ اس کا مال ﴿وَ مَا کَسَبَ﴾ اور جو اس نے کمایا ﴿سَیَصْلٰی نَارًا﴾ عنقریب داخل ہو گا آگ میں ﴿ذَاتَ لَھَبٍ﴾ جو شعلے مارنے والی ہے ﴿وَّامْرَاَتُهٗ﴾ اور اس کی بیوی بھی ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ جو لکڑیاں اُٹھانے والی ہے ﴿فِیْ جِیْدِھَا﴾ اس کی گردن میں ﴿حَبْلٌ﴾ رسی ہے ﴿مِّنْ مَّسَدٍ﴾ مونج کی۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ اللھب ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں لھب کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا چھٹا نمبر ہے۔ اس سے پہلے پانچ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

شانِ نزول

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ سراقہ بن مالک جو قبیلہ بنو کنانہ کا سردار تھا۔ قبیلہ بنو کنانہ عرب کے قبیلوں میں سے بڑا قبیلہ تھا۔ دوسرے قبائل کے ساتھ بھی اس کا گہرا تعلق تھا۔ چلتا پھرتا پرزہ تھا۔ خاصا بااثر آدمی تھا۔ مکے والوں میں سے کسی کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوا۔ جھگڑے کے بعد انھوں نے اس کو اپنا دشمن سمجھ لیا اور اس نے مکے والوں کو اپنا دشمن سمجھ لیا۔ اُس وقت عربوں کا مزاج تھا کہ جب تک دشمن سے انتقام نہ لے لیتے ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ سراقہ بن مالک مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے والا ہے۔

اُس وقت مکہ مکرمہ کی آبادی مختصر تھی۔ وہ خبر سن کر پریشان ہو گئے۔ اُنھی دنوں میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) "اور آپ ڈرائیں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔" اس وقت یہ بلڈنگیں نہیں تھی۔ صفا پہاڑی دور سے صاف نظر آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر سفید چادر لہرائی۔ یہ سفید چادر لہرانا خطرے کا الارم ہوتا تھا۔ جس طرح آج کل ملکی جنگ شروع ہو جائے تو خطرے کے الارم بج جاتے ہیں۔ لوگ اکٹھے ہو گئے، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان۔ اُنھوں نے سمجھا کہ شاید سراقہ بن مالک نے حملہ کر دیا ہے۔ بڑا مجمع جمع ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور پھوپھیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نو چچا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ نو چچوں میں سے دو کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھ پھوپھیاں تھیں۔ ان میں سے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو رب تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچوں میں سے ایک کا نام عبدالعزیٰ تھا جس کی کنیت ابولہب تھی۔

صفا پہاڑی کا وعظ

جس وقت لوگ اکٹھے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ جبل ابوقبیس کے پیچھے سے دشمن تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم میری بات مان لو گے؟ کہنے لگے مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَطُّ "ہم نے آج تک آپ سے جھوٹ نہیں سنا۔" یہ تقریباً نبوت کا پانچواں سال تھا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ پینتالیس سال ہو گئے ہیں ہم نے آپ سے جھوٹ نہیں سنا۔ اور یہ لفظ بھی آتے ہیں مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا "ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ سچ ہی بولتے ہیں۔" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا "سچے دل سے کلمہ پڑھ لو، محمد رسول اللہ پڑھ لو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے۔" ورنہ معصوم فرشتوں کی فوجیں تمھارے خلاف کارروائی کریں گی۔ سب حیران ہو گئے کہ اس نے ہمیں کس لیے بلایا ہے؟ ابولہب آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ کے قریب کیے جیسے عورتیں لڑتی ہیں تو ہاتھ بڑھاتی ہیں۔ تو اس نے ہاتھ آگے کر کے کہا تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْاَيَّامِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا "ہلاک ہو جائے، ٹوٹ جائے ساری عمر اس لیے ہمیں بلایا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک قبیلے کا نام لے کر فرمایا اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔ اے بنو صہر! اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ "اپنے آپ کو آگ سے بچا لو۔" اے بنو ساعدی، اے بنو مخزوم، اے بنو قارہ، اے بنو ہاشم، اے بنو عبد مناف! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا لو۔ سب خاندانوں سے کہا کہ اتمام حجت ہو جائے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرمایا۔ اے میری پھوپھی! تو میرے واسطے قابل احترام ہے لیکن اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لے۔ اور ایک موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرمایا اے فاطمہ! سَلِيْنِيْ مِنْ مَّالِيْ مَا شِئْتِ "میرے پاس جو مال ہے مانگ میں تجھے دوں گا" لیکن لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا "اللہ تعالیٰ کی گرفت سے میں تجھے نہیں بچا سکوں گا۔" بیٹی ایسا نہ ہو کہ لوگ قیامت والے دن ایمان لے کر آئیں، عمل صالح، اخلاق حسنہ لے کر آئیں اور تو صرف نسبت لے کر آئے کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں۔ صرف نسبت کام نہیں آئے گی۔ قابیل حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا، کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا، آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا؟ کیا یہ نسبتیں کام آئیں؟ محض نسبت سے کچھ نہیں ہوتا۔ نسبت کے ساتھ ساتھ ایمان اور عمل صالح ہوں تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتمام حجت کیا۔ صفا پہاڑی کی چٹان پر دین کا نقشہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا ابولہب بڑے غلط انداز سے پیش آیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ہلاک ہو جائے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا، یہ سبق سنانا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں، ٹوٹ جائیں ﴿وَّتَبَّ﴾ اور وہ خود بھی ہلاک ہو ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ﴾ نہیں کام آئے گا اس کے اس کا مال ﴿وَمَا كَسَبَ﴾ اور جو اس نے کمایا اس کو نہیں بچا سکے گا۔ ابولہب کے بیٹے بھی کافی تھے۔ اس کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں نے کلمہ ظاہر کیا ساس جس کا نام اُرْ وٰی بھی بتاتے ہیں اور عوراء بھی بتاتے ہیں بڑی سخت مزاج عورت تھی۔ یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی سگی ہمشیرہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی پھوپھی تھی۔ قدرتی طور پر یہ خاندان سخت مزاج تھا۔ خاندانی اثرات قوموں میں ہوتے ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے:

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِيْهِ "بیٹے میں باپ کے اثرات ہوتے ہیں۔"

حضرت مجدد الف ثانی (، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھے، فاروقی تھے۔ ایک موقع پر کسی نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا۔ خط کا مضمون پڑھ کر آپ غصے میں آ گئے۔ مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں" بے اختیار رگم فاروقیم درحرکت شد۔" میں نے تمھارا خط پڑھا تو میری فاروقی رگ بے اختیار پھڑک اُٹھی۔ کتنی صدیاں اور کتنی نسلیں گزر چکی تھیں مگر خاندانی اثرات اسی طرح موجود تھے۔

ابولہب کی بیوی اُم جمیل

تو ابولہب کی بیوی جس کی کنیت ام جمیل تھی بڑی سخت عورت تھی۔ پہلے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو روکا کہ کلمہ نہیں پڑھنا۔ مگر وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں تھیں کسی کے دباؤ میں آ کر وہ کلمہ کس طرح چھوڑ سکتی تھیں۔ پھر اس نے اپنے لڑکوں کو اُکسایا کہ ان کو مارو، ڈراؤ کہ یہ کلمہ نہ پڑھیں۔ جب یہ تدبیر بھی نہ چلی تو ابولہب کو کہا کہ گلیوں، بازاروں میں لٹھ لے کر کلمہ روکتا پھرتا ہے تجھے اپنے گھر کی خبر نہیں کہ اس کی یہ لڑکیاں تیرے گھر میں کلمہ پڑھتی ہیں۔ ابولہب نے بھی ڈرایا، دھمکایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا کہ دین حق چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے کوئی اور تکلیف ہے تو بتلاؤ۔ کوئی خدمت میں کمی ہے تو بتلاؤ مگر جہاں تک کلمے کی بات ہے ہمارے بدن کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو ان شاء اللہ! ہماری بوٹیوں سے بھی کلمے کی صدا آئے گی۔ بیٹوں کو بلا کر کہا کہ بتلاؤ ہمارا بن کر رہنا ہے یا محمد کا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ میرے ساتھ فیصلہ کرو میں تمھارا باپ ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ کہنے لگا اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو اس کی بیٹیوں کو لے جاؤ، اس کے گھر چھوڑ دو اور طلاق دے کر آ جاؤ کہ لوگ مجھے طعنے دیتے ہیں کہ گلیوں، بازاروں میں لوگوں کو کلمے سے روکتا پھرتا ہے اور تیرے گھر میں کلمہ پڑھا جا رہا ہے میں اتنا بڑا طعنہ نہیں سن سکتا۔ چنانچہ دونوں بیٹوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے دی۔

دو موذی انسان

ابوجہل اور ابولہب دونوں بڑے موذی آدمی تھے۔ان دونوں نے اپنی ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی کہ یہ جہاں جا کر بیان کرے سارے کام چھوڑ کر اس کی تردید کرنی ہے۔مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حج کرتے تھے۔کیوں کہ حج کا طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلا آرہا تھا۔اگرچہ اس میں خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔منیٰ میں لوگ جمع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بڑے عمدہ پیرائے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریر سے فارغ ہوئے تو ابولہب اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اَيُّهَا النَّاس اے لوگو! میری بھی سن لو۔میرا نام عبدالعزّیٰ ہے۔ابولہب اس لیے کہتے تھے کہ بڑا خوب صورت تھا(حسن کے شعلوں والا۔)اس کا چہرہ حسن کے شعلے مارتا تھا۔کہنے لگا میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یہ میرا بھتیجا ہے اور صابی ہوگیا ہے اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گیا ہے۔اس کے کہنے میں نہ آنا۔پھر موٹی موٹی ریت اور کنکریوں کی مٹھی پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینکی۔اشارہ تھا کہ اس پر تم سنگ باری کرو۔

ابولہب کی عبرت ناک ہلاکت

اس نے پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں گزاری اور ذلیل ہو کر مرا۔اسے طاعون کی بیماری لگی جسے مکے والے عدسہ کہتے تھے۔جسم پر ایک دانہ نکلتا تھا۔یہ متعدی بیماری ہوتی ہے۔اگر طاعون کی بیماری ملک میں ہوجائے تو دوسرے ملک والے اپنے ملک میں ان کے جہاز نہیں آنے دیتے کہ طاعون یہاں نہ لے آئیں۔تو اس کو زہریلا پھوڑا نکلا۔گھر والوں کو علم ہوا تو انھوں نے آپس میں اتفاق کیا کہ اس کے قریب نہ جاؤ ورنہ ہم بھی بیمار ہوجائیں گے۔ایک حبشی غلام سے پوچھا کہ تو جہاں کام کرتا ہے وہاں تجھے کتنی مزدوری ملتی ہے؟ اس نے کہا دس درہم۔انھوں نے کہا کہ ہم تجھے بیس درہم دیں گے اور کھانا بھی دیں گے ہم کاروباری لوگ ہیں، دکانوں میں رہتے ہیں ہمارے بابا جی بیمار ہیں بس تو نے ان کی تیمارداری کرنی ہے، دوائی دینی ہے، خوراک دینی ہے۔بس اتنا ہی کام ہے۔

وہ بڑا خوش ہوا کہ مزدوری بھی ڈبل اور رہوں گا بھی سائے میں۔لیکن جب اس کو پتا چلا کہ اس کو تو طاعون کی بیماری ہے، وہ دودھ دیتے کہ بابے کو پلاؤ وہ غلام دودھ خود پی جاتا اور اس کے قریب نہ جاتا۔جو پھل فروٹ وہ دیتے وہ بھی کھا کر برتن لا کر دے دیتا کہ بابا جی کھا بیٹھے ہیں۔دو تین دن گزرے تو آواز نہ آئی۔غلام سے پوچھا تو اس نے کہا بابا جی آرام کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ مر چکا تھا اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔تین دن تک اس کی لاش کے قریب کوئی نہ گیا۔حبشی غلاموں کو کرائے پر حاصل کیا جو اس کی لاش کو اُٹھا کر لے گئے اور لکڑیوں کے ساتھ دھکیل کر گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر پتھر ڈال دیئے۔اس طرح اس کو موت آئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيَصْلٰى نَارًا﴾ عنقریب داخل ہوگا ایسی آگ میں ﴿ذَاتَ لَهَبٍ﴾ جو شعلے مارنے والی ہے

﴿وَّامْرَاَتُهٗ﴾ اور اس کی بیوی بھی ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ جو لکڑیاں اُٹھانے والی ہے۔ یہ بڑی سخت مزاج اور خسیس عورت تھی۔ باوجود اس کے کہ اس کا گلا سونے سے بھرا ہوا ہوتا تھا جنگل سے جا کر خود لکڑیاں لاتی اور روٹیاں پکاتی تھی۔

اُم جمیلہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت

یہی وہ عورت ہے جو کانٹے لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں بچھاتی تھی۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً سحری کے وقت اُٹھ کر مسجد حرام میں آتے تھے، اندھیرا ہوتا تھا یہ چاہتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کانٹے چبھیں۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سوکھی لکڑیاں کافی مل گئیں۔ ان کا بڑا گٹھا بنایا سر پر رکھ کر لا رہی تھی کہ گٹھا گر گیا اور اس کی رسی گلے میں اٹک گئی جس کی وجہ سے گلا گھٹ کر مر گئی (لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ سامان سر پر رکھ کر اس کی رسی تھوڑی سے نیچے کر کے ہاتھ سے پکڑ لیتے ہیں۔ جب وہ سامان سر سے پیچھے گرے گا تو وہ رسی پھندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مرتب)

یہ سزا تو اس کو دنیا میں ملی اور آخرت کی سزا الگ ہے۔ اور بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ کا معنیٰ کرتے ہیں چغل خور۔ ایک کی بات دوسرے کو بتائی۔ فارسی میں اس کو ہیزم کش کہتے ہیں۔ لکڑیاں اکٹھی کرنے والا، تنکے اکٹھے کرنے والا۔ تنکوں کو اکٹھا کر کے آگ لگائی جائے تو خوب لگتی ہے۔ یہ چغلی کرنے والا بھی آگ لگانے والا ہوتا ہے۔

یہ عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی سخت عداوت رکھتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سن کر دانت پیستی تھی کہ میں اس کو کچا کھا جاؤں ﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ﴾ اس کے گلے میں رسی ہے ﴿مِّنْ مَّسَدٍ﴾ مونج کی۔ اور قیامت والے دن اس کے گلے میں زنجیر ڈالی جائے گی جس کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے ﴿فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا﴾ (الحاقۃ: پارہ ۲۹) "ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے۔" ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں، گلے میں طوق کہ جہنمی نیچے گردن نہیں جھکا سکیں گے۔ اس دن ظالم مشرک کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۷) "کاش کہ میں نے پکڑ لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔" میں اللہ تعالیٰ کے رسول کے راستے پر چلتا۔ مگر اس وقت شرمندگی اور ندامت کسی کام نہیں آئے گی۔ حدیث پاک میں آتا ہے شَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ "قیامت کے دن کی پشیمانی بڑی بُری پشیمانی ہے۔" کہ اس کا علاج کوئی نہیں۔ دنیا میں آدمی اپنی غلطی پر پشیمان ہوتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی علاج نکل آتا ہے۔ وہاں کوئی علاج نہیں نکل سکے گا۔

تو فرمایا اس کی گردن میں مونج کی رسی ہے جس میں پھنس کر وہ مری اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ یہ سورۃ اللھب کا مختصر خلاصہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ الۡاِخۡلَاصِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇐ عَمَّ
(۳۰)

آیاتہا ۴ سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ (۱۱۲) (۲۲) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿قُلْ﴾ (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیں ﴿ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ﴾ وہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ﴿اَللّٰہُ الصَّمَدُ﴾ اللہ بے نیاز ہے ﴿لَمْ یَلِدْ﴾ اس نے نہیں جنا کسی کو ﴿وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے ﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ﴾ اور نہیں ہے اس کا ﴿کُفُوًا اَحَدٌ﴾ ہمسر کوئی بھی۔

نام اور کوائف

اس سورت کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔ یعنی اس میں انتہائی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بائیسواں (۲۲) نمبر ہے۔ اس سے پہلے اکیس (۲۱) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

شانِ نزول

اس کا شانِ نزول تفسیروں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کافروں کے سرداروں کا ایک گروہ حاضر ہوا اور سوال کیا کہ تم ہمارے خداؤں کو بُرا کہتے ہو، ان کی عاجزی اور بے کسی بیان کرتے ہو بھلا بتلاؤ تمھارا خدا کیا کیا صفت رکھتا ہے؟ اور کس چیز سے پیدا ہوا ہے اور اس سے کیا چیز پیدا ہوئی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام یہ سورت لے کر آئے۔

سورۃ اخلاص ثلثِ قرآن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ﴾ قرآن پاک کا تیسرا حصہ ہے۔ اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اصولی طور پر قرآن کریم میں تین عقیدے بیان ہوئے ہیں۔ عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ قیامت۔ باقی جتنے عقیدے ہیں وہ ان کی فرع ہیں۔ توحید چونکہ قرآن پاک کا تیسرا حصہ ہے اور اس سورت میں عقیدۂ توحید بیان ہوا ہے۔ تو یہ قرآن کا تیسرا حصہ ہوئی۔

لیکن اکثر اور جمہور فقہائے کرام، محدثین عظام رحمہم اللہ اس کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ جو آدمی ایک دفعہ سورۃ ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ﴾ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے قرآن پاک کے تیسرے حصے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف میں روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَیَعْجِزُ

اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَءَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ فِیْ لَيْلَةٍ "کیا تم میں سے کوئی عاجز ہے اس بات سے کہ ہر رات قرآن پاک کا ایک ثلث پڑھ کر سوئے قَالُوْا وَمَنْ يُّطِيْقُهٗ ذٰلِكَ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کون اس کی طاقت رکھتا ہے کہ روزانہ قرآن پاک کا تیسرا حصہ پڑھ کر سوئے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک دفعہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھو گے تو تمھیں قرآن پاک کے تیسرے حصے کا ثواب ملے گا۔ ساتھیو! ایک منٹ میں تین دفعہ پڑھی جاسکتی ہے۔

ایک موقع پر ساتھی کام کاج کے لیے جا رہے تھے۔ آخر دنیا کے دھندے بھی ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ، میرے قریب ہو جاؤ اَقْرَاُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ "میں تمھیں تہائی قرآن پڑھ کر سناتا ہوں۔" وہ پریشان ہو گئے کہ ضروری کام کے لیے جلدی جانا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو چھوڑ کر بھی نہیں جاسکتے اور تہائی قرآن پر وقت بھی لگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ فرمایا تم قرآن پاک کا تیسرا حصہ سن چکے ہو، جاؤ۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔

بعض چیزوں کا بطور انعام بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہونا

بعض چیزیں انعام کے طور پر ہوتی ہیں اور بعض محنت کا پھل ہوتی ہیں۔ انعام میں محنت کو نہیں دیکھا جاتا۔ آقا خوش ہو کر انعام دینا چاہے تو تھوڑے کام پر زیادہ دے دیتا ہے۔ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے مسجد قبا کا رقبہ وقف کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں جہاں مسجد قبا ہے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ دن قیام فرمایا۔ ان حضرات نے جتنا ممکن تھا خدمت کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان نظر آتے تھے۔ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان نظر آتے ہیں کیا آپ کو مرضی کی چیزیں نہیں مل رہیں؟ حضرت فرمائیں جو کمی ہے ہم اپنی ہمت کے مطابق پوری کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ اجتماعی طور پر نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ہے۔ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! یہ میری زمین ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ حضرت! جتنا رقبہ آپ فرمائیں میں مسجد کے لیے مختص کر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی قیمت کیا ہے؟ انھوں نے کہا حضرت! میں قیمت نہیں لوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کافی زمین دی ہے اس کا میں واحد مالک ہوں۔ آپ نشاندہی فرمادیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصل مسجد قبا کے لیے لکیر کھینچی اور حد بندی کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں قیام کے دوران ہی مسجد تعمیر کر دی گئی۔ اس مسجد کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ (التوبہ:۱۰۸) "البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔"

مسجد قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم انصاری رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ یہ ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے اور اس کے ساتھ مزید کوئی اور سورت بھی ملاتے تھے۔ سورۃ اخلاص ضرور پڑھتے تھے۔ مقتدی کافی دن

دیکھتے رہے مگر انھوں نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! یہ ایک منفل سورت ہے آپ اسی پر اکتفا کر لیا کریں ساتھ اور سورت ملانے کی کیا ضرورت ہے؟ کہنے لگے تم اگر چاہو تو میں امامت کراؤں گا اگر نہیں چاہتے تو میں امامت نہیں کراؤں گا۔لیکن اگر میں امامت کراؤں گا تو سورۃ اخلاص ضرور پڑھوں گا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس یہ شکایت پہنچی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت! آپ ﷺ نے ان کو امام مقرر کیا ہے نیک آدمی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ ہر رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھتے ہیں اور اس کے ساتھ پھر دوسری سورت ملاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بلایا کہ تمھارے مقتدی یہ شکایت کرتے ہیں۔ کہنے لگے حضرت! فیه صفة الرّحمٰن "اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔" اس لیے میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیری اس محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہر امام کو اجازت ہے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے ساتھ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھے۔ اگر ایسا ہوتا تو دوسرے صحابہ اعتراض نہ کرتے۔ کیوں کہ اعتراض والے مقتدی بھی تو صحابہ ہیں۔ پھر اعتراض بھی بڑی عدالت میں لے گئے آنحضرت ﷺ کے پاس۔ بعض چیزیں خصوصی ہوتی ہیں یعنی بعض آدمیوں کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔ وہ قانون نہیں ہوتا کہ ہر آدمی اس طرح کرے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے قربانی کی فضیلت سنی تو قربانی میں جلدی کی کہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کر دی۔ چونکہ ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ گھر والوں کو کہا جلدی جلدی مجھے گوشت بھون دو میں نے کہا کر عید کی نماز کے لیے جانا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو پتا چلا کہ اس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ جہاں عید کی نماز ہوتی ہے وہاں نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔ ہاں دیہات جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی وہاں صبح کی نماز کے بعد جب چاہے قربانی کر سکتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ "یہ تیری بکری گوشت کی بکری ہے قربانی نہیں ہوئی۔" وہ بے چارہ رونے لگ گیا۔ عرض کی حضرت! میرے پاس تو یہی بکری تھی۔ نہ میرے پاس اور بکری ہے نہ پیسے ہیں کہ خرید کر اور قربانی کر لوں۔ ہاں میرے پاس چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو وہ کر لے وَلَنْ تُجْزِیَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ "تیرے بعد کسی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گا۔" یعنی یہ تیری خصوصیت ہے۔ کوئی اور چھ ماہ کا بکری کا بچہ قربان نہیں کر سکتا۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

تو بعض چیزیں خاص ہوتی ہیں۔ وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہیں۔ ان کا عمومی حکم نہیں ہوتا۔ اسی لیے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ محض حدیث دیکھ کر اس پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب تک حدیث کا علم نہ ہو، ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہو۔ کہ میں جو حدیث پڑھ رہا ہوں منسوخ تو نہیں ہے۔

تو خیر سورۃ اخلاص پڑھنے پر اللہ تعالیٰ دس پاروں کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔ اور سات چکر طواف کے پورے کرنے کے بعد جو دو رکعت مقام ابراہیم کے پاس پڑھنے ہوتے ہیں ان میں بھی آپ ﷺ پہلی

رکعت میں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔

سورۃ کافرون کی فضیلت

سورہ کافرون کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کے پڑھنے پر اللہ تعالیٰ چوتھائی قرآن کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اس کی تفسیر اس طرح ہے کہ قرآن پاک میں اصولی مسئلے یہ ہیں، توحید، رسالت، قیامت اور شرک کا رد۔ جب تک باطل کا رد نہ ہو وہ خلط ملط رہتا ہے۔ ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں کفر کا رد ہے، شرک کا رد ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر کو کافر کہنا گستاخی نہیں ہے۔ ہاں! اگر کوئی اس کا ورد بنالے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ شیعہ پکے کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن گلی محلے میں کافر کافر شیعہ کافر کے ورد کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس سے الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اور فتنہ وفساد بڑھتا ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے۔ اور جس کا کفر ثابت ہو اس کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر ہے۔ لہٰذا کافر کو کافر کہنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا ورد بنانا اور نعرے لگانے کا کوئی فائدہ نہیں، نقصان ہے۔

تو فرمایا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ آپ کہہ دیں وہ اللہ ایک ہے اس کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں بھی اکیلا ہے اور صفات میں بھی اکیلا ہے، اور اپنے افعال میں بھی اکیلا ہے ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ بے نیاز ہے۔ صمد اسے کہتے ہیں کہ جس کے سارے محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ یاد رکھنا! پیر، پیغمبر، ولی، قطب، غوث، شہید، سب اللہ کے محتاج ہیں۔ سورۃ فاطر آیت نمبر ۱۵ میں ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ "اے لوگو تم محتاج ہو اللہ تعالیٰ کی طرف اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے۔" شاعر کہتا ہے:

دینا ہے تو اپنے ہاتھ سے اے بے نیاز دے
کیوں مانگتا پھرے ترا سائل جگہ جگہ

﴿لَمْ یَلِدْ﴾ اس نے نہیں جنا کسی کو۔ اس میں یہودیوں کا رد ہے، عیسائیوں کا رد ہے اور مشرکین کا بھی رد ہے۔ ﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ "اور کہا یہودیوں نے عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔" (سورۃ التوبہ: ۳۰) عرب اور بعض دوسرے علاقوں کے مشرک کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ﴾ (النحل: ۵۷) "اور بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔"

تو ﴿لَمْ یَلِدْ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے سب کا رد فرمادیا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی ہے ﴿وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔ وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا۔ بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَشْتِمُنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ اس کو یہ حق نہیں ہے وَیُکَذِّبُنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ اور ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اس کو اس کا حق نہیں ہے۔" گالیاں کیسے نکالتا ہے؟ یَدْعُوْ اِلَیَّ وَلَدًا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔ جیسے ہماری تمھاری ثابت النسب

اولاد کے بارے میں کوئی کہے کہ یہ تیری نہیں ہے۔ یہ ہمارے حق میں گالی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا گالی ہے۔لیکن دیکھو! جو اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے ہیں، جھٹلاتے ہیں رزق، اولاد اللہ تعالیٰ ان کو بھی دیتا ہے۔ کیوں کہ رزق کا سلسلہ الگ ہے۔ اس کا قانون الگ ہے۔ یہ نیک کو بھی ملتا ہے اور بد کو بھی ملتا ہے۔

امیری، غریبی رب کے راضی اور ناراض ہونے کی دلیل نہیں :

حدیث پاک میں آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَ مَنْ لَّا يُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا دیتا ہے اس کو جس سے راضی ہوتا ہے اور اس کو بھی جس سے راضی نہیں ہوتا۔" دولت کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیارا بن گیا ہوں حاشا وکلاّ۔ اگر دولت کی وجہ سے کوئی پیارا ہوتا تو قارون سب سے زیادہ پیارا ہوتا۔ اس کے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ کافی بڑی جماعت ان کی چابیوں کو اُٹھاتی تھی۔

اور دولت کا نہ ہونا اگر ناراضگی کی علامت ہے تو العیاذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد کہ پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ ناراض تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں چراغ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جو کی روٹی کھاتے تھے وہ بھی سیر ہو کر نہیں۔ دو دن مسلسل گندم کی روٹی نہیں ملتی تھی۔ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے تھے، جوتے کو ہاتھ سے گانٹھ لیتے تھے۔ ساری زندگی میں ایک دو دفعہ گھر میں چراغ جلا ہے۔ نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی ہوتی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں جاتے تو مجھے ہاتھ لگاتے میں پاؤں سمیٹ لیتی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کرتے۔

تو یاد رکھنا! دولت کا مل جانا اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں دو، دو مہینے ہمارے چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی کہ پکانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ کسی نے پوچھا پھر کیا کرتے تھے؟ فرمایا انصارِ مدینہ دودھ بھیج دیتے تھے۔ کسی وقت کھجوریں کھا لیتے تھے اور وقت گزار لیتے تھے۔ ایسا غریب آج دنیا میں کوئی پیدا ہوگا؟

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ اور نہیں ہے اس کا ہمسر کوئی۔ اس کے برابر کوئی نہیں ہے۔ رب تعالیٰ اپنی ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور اپنی صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہ مختصر سی سورت ہے مگر اس کی فضیلت بڑی ہے۔ جو شخص اس کو سوتے وقت تین دفعہ پڑھ لے۔ گویا وہ پورا قرآن پڑھ کر سویا ہے۔ لہٰذا اس کا ورد رکھو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ الۡفَلَقِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ

(۳۰)

آیاتہا ۵ ‏ (۱۱۳) سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَدَنِیَّۃٌ (۲۰) ‏ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿قُلْ﴾ (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیں ﴿اَعُوْذُ﴾ میں پناہ لیتا ہوں ﴿بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ صبح کے رب کی ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ اس مخلوق کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ﴾ اور اندھیرے کے شر سے ﴿اِذَا وَقَبَ﴾ جب وہ چھا جاتا ہے ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے ﴿اِذَا حَسَدَ﴾ جب وہ حسد کرتا ہے۔

نام اور کوائف

یہ جو قرآن ہمارے تمھارے پاس موجود ہیں ان میں بہت بڑی غلطی ہے کہ سورۃ الفلق کو مکیہ لکھا ہے۔ اور اسی طرح سورۃ الناس کو بھی مکیہ لکھا ہے کہ یہ مکے میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں، مدنی ہیں۔ قرآن کریم کے صحیح نسخے بھی موجود ہیں جن میں مدنی لکھا ہوا ہے۔ ان کو مکی لکھنے والی غلطی تاج کمپنی والوں نے کی ہے۔ اس سے ان کو آگاہ بھی کیا گیا ہے مگر اُنھوں نے اصلاح نہیں کی۔ اور نمبر بھی بیس، اکیس لکھا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ ان کا نمبر بہت بعد کا ہے۔ شانِ نزول ان کا تھوڑی سی تمہید کے بعد بتاتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے اور بعد میں مدینہ والوں کے حالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ کے رہائشیوں کی پوزیشن یہ تھی کہ تین خاندان یہود کے تھے۔ بنو نضیر، بنو قریضہ اور بنو قینقاع۔ مدینہ طیبہ کی منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا۔ دانہ منڈی ہو یا کھجور منڈی یا کپڑے کی تجارت ہو سب پر ان کا قبضہ تھا۔ سکول، کالج اور یونیورسٹی بھی ان کی تھی۔ تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ جن کے پاس مال ہو، علم ہو، اثر ورسوخ بھی انھی کا ہوتا ہے۔ ان کے مقابلے میں دو خاندان مشرکوں کے تھے، اوس اور خزرج۔ تعداد ان کی بھی کافی تھی۔ مگر یہ لوگ اَن پڑھ تھے۔ زیادہ تر ان کا پیشہ زراعت تھا، کھیتی باڑی کرنا، باغات لگانا۔ یہودیوں نے بھی ان سے کافی زمینیں خریدی تھیں۔ باغات تھے اور اوس وخزرج کے لوگ ہی ان کے مزارع ہوتے تھے۔ پھر اوس وخزرج کے لوگ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے۔

بخاری شریف میں بُعاث کا لفظ آتا ہے۔ یہ ایک قلعے کا نام تھا۔ اس قلعے پر قبضہ کے لیے اوس وخزرج کی لڑائی ہوئی جو ایک سو بیس سال تک چلتی رہی۔ باپ مرتا تو بیٹوں کو وصیت کر جاتا کہ اگر تم نے بُعاث پر قبضے کی کوشش نہ کی تو میں اپنا حق تمھیں

معاف نہیں کروں گا۔ایک لڑائی ان کی داحس تھی جوتریسٹھ سال تک جاری رہی۔داحس گھوڑے کا نام تھا۔گھوڑ دوڑتھی شرط پر۔ گھوڑے دوڑنے شروع ہوئے تو ایک نے دوسرے کے گھوڑے کے منہ پر تھپڑ مارا کہ اس کا گھوڑا پیچھے رہے۔کیوں کہ بازی لے جانے والے کو انعام ملنا تھا۔اس پر لڑائی ہوئی جو تریسٹھ سال تک جاری رہی۔

ایک لڑائی کا نام حرب بسوس ہے۔یہ کبوتری کے انڈے سے شروع ہوئی۔ایک آدمی کی زمین میں کیکر کا درخت تھا جس پر گھونسلا بنا کر اس میں کبوتری نے انڈے دیئے۔دوسرے کی اُونٹنی آئی اس نے کیکر کی لونگ کھانے کے لیے درخت کو کھینچا تو انڈے نیچے گر کر ٹوٹ گئے۔زمین والا دیکھ رہا تھا اس نے اُونٹنی مار دی کہ کبوتری نے میرے درخت پر پناہ لی ہوئی تھی اس اُونٹنی نے میری پناہ کو خراب کیا ہے۔اُونٹنی والے نے آکر اس کو مار دیا کہ اس نے میری اُونٹنی کو کیوں مارا ہے؟ پھر آپس میں لڑائی شروع ہوگئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد ان کی دشمنیاں ختم ہوگئیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں محبت ڈال دی۔جس کا ذکر سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۳ میں ہے ﴿وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ "اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں محبت ڈال دی۔" اور سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳ میں ہے ﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ "جب کہ تم آپس میں دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں اُلفت ڈال دی پس ہو گئے تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی۔" اب اکٹھے اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ایک دوسرے سے رشتے لیتے دیتے ہیں، اکٹھے تبلیغ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں۔

اس سے پہلے یہ آپس میں لڑائیوں کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اور یہودیوں کے دست نگر بن چکے تھے۔ یہودیوں کا ان پر اتنا اثر تھا کہ اپنی بچیوں کا نکاح یہودیوں کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔محلے کے بڑے یہودی سے پوچھتے تھے سردار جی! فلاں جگہ لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اگر تمھاری اجازت ہو تو کر دوں؟ اگر وہ اجازت دیتا تو شادی کر دیتے ورنہ مجال نہ تھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حالات ہی بدل گئے۔یہودی پاس سے گزرتا تو اب اس کی طرف نگاہ اُٹھا کر کوئی نہ دیکھتا۔پہلے ان کو اُٹھ کر سلام کرتے تھے۔اُن کو بڑا دکھ ہوا کہ یہ لوگ تو ہماری اجازت کے بغیر شادی بیاہ نہیں کرتے تھے، ہماری اجازت کے بغیر سفر پر نہیں جاتے تھے۔حج عمرے پر جاتے تھے تو ہم سے اجازت لے کر جاتے تھے اور اب یہ وقت ہے کہ پاس سے گزرتے ہیں تو ہمیں کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے۔

یہودیوں پر دوسری زَد یہ پڑی کہ مکے والے تجارت میں بھی بڑے تیز تھے کیوں کہ یہ لوگ نسلاً بعد نسلٍ تاجر پیشہ لوگ تھے اور بڑی دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے تھے اور کھرے لوگ تھے۔یہودی ڈنڈی مارتے تھے۔مہاجرین نے جب تجارت شروع کی تو تھوڑے ہی دنوں میں یہودیوں سے آگے نکل گئے۔لوگ کہنے لگے کہ بھئی! یہ پورا تول کر دیتے ہیں۔اگر کسی کا روپیہ پیسہ رہ جاتا تو اس کے پیچھے دوڑ کر جاتے کہ بھائی! تمھارے پیسے رہ گئے ہیں لے کر جاؤ۔یہودیوں کی تجارت بھی ختم اور

علمی برتری بھی ختم کہ اب یہودیوں سے مسئلہ بھی کوئی نہیں پوچھتا کہ بڑے صاحب علم آ گئے ہیں۔

مسجد نبوی کے قریب یہودیوں کے کافی گھر تھے۔ اذان ہوتی تو یہودیوں کے کلیجے پھٹتے۔ جس وقت مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کہتا تو ان کی حالت غیر ہو جاتی کہ یہ ہمیں کیا سننا پڑتا ہے۔ مال دار لوگ تھے دوسرے محلوں میں بھی ان کے مکان تھے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مسجد نبوی کے قریب جو ہمارے مکان ہیں یہ ہم کرائے پر دے دیتے ہیں اور دوسری جگہ چلے جاتے ہیں کہ ہم ان کی اذان نہیں سن سکتے اور نہ ان کو نماز پڑھتے دیکھ سکتے ہیں۔ نہ انھیں اکٹھا بیٹھے دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ مکان خالی کر کے چلے گئے۔

نبی القبلتین ﷺ

قبیلہ بنوسلمہ والے اس محلے میں رہتے تھے جہاں مسجد قبلتین ہے۔ جہاں آپ ﷺ ظہر کی نماز کی دو رکعت پڑھا چکے تھے اور جبرئیل علیہ السلام نے آ کر آپ ﷺ کا رخ مبارک مسجد اقصیٰ سے کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا۔ تو دوسری دو رکعتیں آپ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف چہرہ کر کے پڑھائیں۔ سولہ سترہ مہینے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسجد اقصیٰ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ یہ حکم اس لیے تھا کہ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی تعریف نبی القبلتین آئی ہے۔ اگر آپ ﷺ نبی القبلتین نہ ہوتے تو ان پر حجت پوری نہ ہوتی۔ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ وہ نبی نہیں ہے۔ کیوں کہ ہم نے اس کی صفت پڑھی ہے نبی القبلتین۔

یہ محلہ مسجد نبوی سے ذرا فاصلے پر تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب قبیلہ بنوسلمہ والوں نے سنا کہ یہودی مسجد نبوی کے پاس والے گھر خالی کر گئے ہیں اور وہ کرایہ پر چڑھتے جا رہے ہیں ہمیں مسجد نبوی میں دور سے آنا پڑتا ہے ہم وہ مکان کرایہ پر لے کر وہاں چلے جائیں۔ پھر کہنے لگے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھے بغیر یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ان کا ایک وفد آیا کہ حضرت! ہم بنوسلمہ کے لوگ ہیں ہمارے گھر مسجد نبوی سے دور ہیں وعظ و نصیحت سننے کے لیے بھی آنا ہوتا ہے، کبھی بارش ہو جاتی ہے، کبھی گرمی سخت ہوتی ہے، ہم نے سنا ہے کہ مسجد نبوی کے قریب کے گھر یہودی خالی کر گئے ہیں اور وہ کرائے پر چڑھ رہے ہیں ہم یہاں قریب نہ آ جائیں کہ قریب سے نماز پڑھ لیا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں اجازت نہیں دیتا دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ "اپنے گھروں میں رہو جتنی دور سے آؤ گے اتنے قدم زیادہ ہوں گے اتنا ثواب زیادہ ہوگا۔" ہر قدم پر دس نیکیاں، ایک گناہ مٹے گا، ایک درجہ بلند ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی محلہ مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو اور وہاں صرف یہودی ہی یہودی رہیں۔

یہودی آنحضرت ﷺ کے انتہائی دشمن تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنے محتاط تھے اس کا اندازہ تم اس بات سے لگاؤ کہ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے ناامید ہو گئے۔ کہنے لگے اُوْصِیْکُمْ "میں تمھیں وصیت کرتا ہوں"

اگر میری وفات ہوجائے اور دفنانے کا وقت رات کا ہوتو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز ہرگز نہیں بلانا۔ ساتھی بڑے حیران ہوئے کہ کیسی وصیت کر رہے ہیں؟ اس موقع پر تو یہ وصیت ہونا چاہیے تھی کہ میرا جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائیں کہ ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ شہر میں جو سب سے بہتر آدمی ہے وہ میرا جنازہ پڑھائے۔

آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ کسی نے کہا کہ کلمہ صحیح نہیں ہے منافق ہے، کسی نے کہا نہیں کلمہ تو صحیح ہے اب مرتد ہوگیا ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ کسی نے کہا کہ اس کا دماغ صحیح نہیں ہے۔ بیماری کی وجہ سے بدحواس ہوگیا ہے کہ اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔ انھوں نے سب کی باتیں سنیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا ہے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہوں۔ نہ مرتد ہوں، نہ بدحواس ہوا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میرے محلے میں یہودی زیادہ ہیں میں نے سنا ہے کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں شہید کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازے میں تشریف لائیں اور ان کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ میرے جنازے کی وجہ سے میرے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب ہے حالاتِ صحابہ پر۔ اس میں یہ واقعہ موجود ہے۔

چنانچہ ان کی وفات رات کو ہوئی اور رات ہی کو دفنایا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا: دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِہٖ" مجھے اس کی قبر بتلاؤ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر بتلائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے فَرَفَعَ یَدَیْہِ وَدَعَا لَہٗ "پس آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اس کے لیے دعا کی۔"

اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنی چاہیے یا ہاتھ اُٹھائے بغیر کرنی چاہیے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ اُنھوں نے چھوٹی سی کتاب لکھی ہے "نمازِ حنفی"۔ اس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ ہاتھ نہیں اُٹھانے چاہئیں۔ میں نے "راہِ سنت" میں لکھا ہے ہاتھ اُٹھانے چاہئیں۔ مدرسہ خیر المدارس کے جلسے کے موقع پر کمرے میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے مسئلہ چھیڑ دیا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے لکھا ہے کہ قبروں پر جاؤ تو ہاتھ اُٹھا کر دعا نہ کرو اور "راہِ سنت" میں لکھا ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کرو۔ تو ہم کس بات پر عمل کریں؟ مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان سے دلیل پوچھیں۔ میں نے کہا میرے پاس دو دلیلیں ہیں۔ ایک یہی دلیل جو مسلم صفحہ ۳۱۳ جلد اوّل پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے فَرَفَعَ یَدَیْہِ وَدَعَا لَہٗ "پس آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور ان کے لیے تین مرتبہ دعا کی۔" دوسری روایت میں نے اِصابہ والی بتلائی۔ "راہِ سنت" میں میں نے ان کے باقاعدہ حوالے دیئے ہیں۔ اس کے بعد پھر مولانا خیر محمد صاحب نے کوئی بات نہیں کی۔

یہود کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی اور سورۃ کا شانِ نزول

تو خیر میں نے کہا کہ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے کئی

منصوبے بنائے۔خیبر کے مقام پر زینب نامی یہودیہ نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا کہ اس نے آپ کی دعوت کی اور آنحضرت ﷺ کسی کی دعوت رد نہیں کرتے تھے۔اس دعوت میں آپ ﷺ کے ساتھ بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے جو کھاتے ہی تڑپ کر فوت ہو گئے۔باقی جن ساتھیوں نے کھایا وہ بیمار رہے۔آپ ﷺ نے جب لقمہ منہ مبارک میں ڈالا مسند دارمی کی روایت میں ہے کہ اس لقمے نے کہا حضرت! نہ کھانا مجھ میں زہر ہے لیکن لعاب اندر چلا گیا۔وہ اتنا تیز تھا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کا سبب عالم اسباب میں وہی بنا۔

بخاری شریف میں باب وفات النبی ﷺ میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! جو زہر مجھے کھلایا گیا تھا اس کا اثر مجھے محسوس ہو رہا ہے میری رگیں کٹ رہی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس دفعہ قسم اُٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آپ ﷺ شہید ہیں، شہید ہیں، شہید ہیں۔کیوں کہ آپ ﷺ کی وفات کا ظاہری سبب وہ زہر تھا جو خیبر میں زینب نامی یہودیہ نے آپ کو دیا تھا۔اپنے لیے تو آپ ﷺ نے کوئی انتقام نہیں لیا لیکن بشر بن معرور رضی اللہ عنہ اور جو دوسرے ساتھی شہید ہوئے تھے ان کی وجہ سے دار قطنی کتاب میں روایت ہے کہ زینب نامی عورت کو سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ یہودیوں نے آپ ﷺ پر جادو بھی کیا لیکن اس کا کچھ اثر آپ ﷺ پر نہ ہوا۔خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے انھوں نے بھی جادو کیا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔

مدینہ طیبہ میں ایک یہودی تھا لبید بن اعصم۔یہ جادو کے فن کا امام تھا۔اس کی فیس زیادہ تھی ہر آدمی اس کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔خیبر کے یہودیوں نے اس کو آ کر کہا اَنْتَ اَعْلَمُنَا فِی السِّحْرِ "تو ہم سے جادو کو زیادہ جانتا ہے۔" جادو کا استاد ہے جتنی فیس مانگے ہم دینے کے لیے تیار ہیں محمد (ﷺ) کو راستے سے ہٹا دے۔چنانچہ روایات میں ہے کہ اس نے تین دینار لے کر کارروائی شروع کی۔اس طرح کہ آنحضرت ﷺ کا اس نے مجسمہ بنایا موم کا۔اس میں اس نے گیارہ سوئیاں چبھوئیں۔ اور ایک لمبی رسی لے کر اس پر گیارہ گرہیں لگائیں۔ان گرہوں پر اس نے اور اس کی شاگردات (چیلیوں) نے کچھ پڑھا بھی۔ اس موقع پر یہ آخری دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔یہ سورتیں مدنی ہیں مکی نہیں ہیں۔باقی ان شاء اللہ العزیز کل بیان ہوگا۔

آیاتھا ۵ سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۳) (۲۰) رکوعاتھا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾﴾

ماقبل سے ربط

پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ یہود کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سخت عداوت تھی۔ اس عداوت کی وجہ سے کئی دفعہ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ زہر بھی دیا، اُوپر سے پتھر پھینکنے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام شرور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ مدینہ طیبہ میں ایک بڑا ماہر جادوگر تھا لبید بن اعصم۔ خیبر کے یہودیوں نے آ کر اس کو کہا کہ ہم نے اس پر بڑے جادو کیے ہیں لیکن وہ کارگر ثابت نہیں ہوئے۔ تم اس پر وار کرو۔ اور تین دینار اس کو دیئے۔ تین دینار اس زمانے میں بڑی رقم تھی۔ اس نے ہامی بھر لی۔

یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال اور کنگھی کے دندانے حاصل کرنے کے لیے ایک نوعمر بچہ جس کا نام عبدالقدوس تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے بھیجا بڑی ہوشیاری کے ساتھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرے گا۔ اور اس بچے کو کہا کہ جب تو کنگھی کرے تو ان کے سر (مبارک) کے جو بال کنگھی میں پھنسیں ان کو سنبھال لینا اور جو میل کچیل کنگھی میں ہو اس کو بھی سنبھال لینا اور کنگھی کے جو دندانے گریں وہ بھی رکھ لینا۔ بچہ بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے چند دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی اور یہ ساری چیزیں اکٹھی کر کے لبید بن اعصم کو پہنچا دیں۔

اس نے موم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجسمہ بنایا، اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں اور ایک لمبی ڈوری لی۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال جوڑے، میل کچیل ملی اور نر کھجور کا کھابا بھی تھا۔ کچھ تُسر کے دھاگے تھے۔ اس ڈوری پر اس نے گیارہ گرہیں لگائیں۔ ہر گرہ پر جادو کے کلمات خود بھی پڑھ کر پھونکتا تھا اور شاگردات (چیلیاں) رکھی ہوئی تھیں، وہ بھی پڑھ کر پھونکتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کا اثر

اس جادو کا دینی لحاظ سے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی اثر نہ ہوا، نہ تبلیغ کے سلسلے میں اور نہ نمازوں کے سلسلے میں۔ لیکن دنیاوی

معاملات میں ہوا۔ وہ اس طرح کہ کھانا کھایا یاد نہ رہتا کہ کھایا ہے یا نہیں؟ پانی پیا یاد نہ رہتا پیا ہے کہ نہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے پریشان اور مغموم رہنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر تشریف لاتے تھے تو بڑے ہشاش بشاش اور خوش ہوتے تھے۔ مگر اب آتے تو خاموش ہو کر بیٹھ جاتے، نماز پڑھتے، اللہ اللہ کرتے مگر چہرے پر پہلے کی طرح خوشی نہ ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وزن بھی کچھ کم ہو گیا۔

یہ اثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کتنا عرصہ رہا؟ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں کہ چھ ماہ رہا۔ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں نقل کرتے ہیں کہ ایک سال رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت دعا کی اے پروردگار! مجھے سمجھ نہیں آرہی مجھے کیا ہے؟ میری طبیعت پہلے کی طرح نہیں ہے۔ بار بار دعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عشاء کی نماز کے ساتھ متصل سو جاتے تھے کیوں کہ سحری کے وقت اُٹھنا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سوئے تو خواب میں دو آدمی آئے۔ ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر کی طرف کھڑا ہو گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ جبرئیل سر علیہ السلام کی طرف اور میکائیل علیہ السلام پاؤں کی طرف۔ اور آپس میں گفتگو شروع کی۔ پاؤں کی طرف والے نے کہا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ سر کی طرف والے نے جواب دیا کہ اس پر جادو ہوا ہے۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس پر جادو ہوا ہے۔ کس نے کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن اعصم یہودی نے۔ کس چیز میں کیا ہے؟ فرمایا کچھ سر کے بال ہیں، کنگھی کے دندانے ہیں، نر کھجور کا گھابا ہے۔ کہاں رکھا ہے؟ بئر ذی اروان میں۔ یہ مدینہ طیبہ سے باہر چند میل کے فاصلے پر ایک غیر آباد کنواں تھا۔ پہلے وہاں آبادی تھی پھر ختم ہو گئی۔ اس کنویں میں ایک پتھر کے نیچے لٹکایا ہوا تھا۔ کنویں کے اندر ایک جانب پتھر ہوتا اس پر پاؤں رکھ کر کنواں صاف کرتے تھے، ڈول نکالتے تھے۔ اس پتھر کو عربی میں رعوفہ کہتے تھے۔ اس پتھر کے نیچے اس نے وہ چیزیں لٹکائی ہوئی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صبح کو اُٹھے تو بڑے خوش خوش تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت! آج آپ خلافِ معمول بڑے خوش خوش ہیں۔ فرمایا مجھے جو بیماری تھی وہ مجھے میرے رب نے بتلا دی ہے۔ مجھ پر جادو ہوا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر وہاں گئے۔ بیرِ ذی اروان کے اُوپر کھڑے ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نیچے اُترے اور پتھر کے نیچے سے وہ چیزیں نکالیں۔ یہ دو سورتیں اس موقع پر نازل ہوئیں۔ ان کی گیارہ آیتیں ہیں۔ ایک ایک آیت کریمہ پڑھتے جاتے تھے اور ایک گرہ کھولتے جاتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیال فرمایا کہ ان چیزوں کو اگر ہم مدینہ طیبہ لے کر گئے تو لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل ہوگا کہ ان چیزوں پر جادو کیا جاتا ہے۔ لوگوں میں فتنہ پیدا ہوگا۔ کنواں چوں کہ غیر آباد تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ چیزیں اسی کنوئیں میں دفن کرا دیں اور فرمایا کہ کنویں کو مٹی سے بھر دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے تھے اور ایک ایک گرہ کھولتے تو یوں لگتا تھا کہ بدن سے ایک سوئی نکل گئی ہے، دوسری سوئی نکل گئی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں سورتیں پڑھ لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم مبارک پر سکون ہو گیا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔ اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سوتے تھے تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں

پر پھونک مارتے اور ہاتھ بدن پر مل لیتے تھے۔ جادو سے بچنے کے لیے ان دو سورتوں سے زیادہ مؤثر کوئی علاج نہیں ہے۔ اگر قرآن شریف پڑھنے کے بعد اثر نہ ہو تو سمجھو کہ ہماری زبان میں اثر نہیں ہے، ہماری خوراک میں اثر نہیں ہے، میری نیکی میں کمی ہے، تقوے میں کمی ہے۔ ورنہ قرآن کریم میں آج بھی وہی اثر ہے جو اس وقت تھا۔ ان سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعوذ کے لیے اور کئی کلمات پڑھتے تھے۔ آخر میں یہی دو سورتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اُوپر بھی اور دوسروں پر بھی پڑھ کر پھونکتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے رب کی۔ کیوں کہ بہت ساری چیزیں انسان کو دن میں اذیت اور دکھ پہنچاتی ہیں ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ اور اس مخلوق کے شر سے جو رب نے پیدا کی ہے۔ دن چڑھنے کے بعد جو مخلوق شر پہنچاتی ہے میں اس کے شر سے تیرے سے پناہ لیتا ہوں ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ اور اندھیرے کے شر سے جب اندھیرا چھا جائے۔ رات کے اندھیرے میں جو چیزیں تکلیف پہنچاتی ہیں میں ان کے شر سے بھی پناہ لیتا ہوں ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾ نَفّٰثَات نَفَّاثَةٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے پھونکنے والی۔ تو نَفّٰثَات کا معنیٰ ہوگا پھونکنے والیاں عُقَدْ عُقْدَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے گرہ۔ معنیٰ ہوگا اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔ ان عورتوں کے شر سے جنھوں نے لبید بن اعصم کے ساتھ گرہوں میں جادو کے کلمات پھونکے تھے۔ یہ اس کی شاگردات تھیں۔ اے پروردگار! میں ان کے شر سے بھی پناہ لیتا ہوں ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے بھی پناہ لیتا ہوں جب وہ حسد کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد کتنی بُری چیز ہے کہ اس سے بچنے کا اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں سبق دے رہے ہیں۔

حسد، غبطہ اور وسوسہ

ابو داؤد میں حدیث ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ "بے شک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔" حسد کی ایک شق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی خوبی عطا فرمائی ہے، حسن عطا فرمایا ہے، قد و قامت عطا فرمایا ہے، مال دیا ہے، اولاد دی ہے، عزت دی ہے۔ اس کو دیکھ کر کوئی شخص کہے کہ اس کو یہ کیوں ملی ہے مجھے کیوں نہیں ملی۔ زبان سے نہیں کہتا دل کے اندر کڑھتا ہے۔ اور دوسری شق یہ ہے کہ مجھے یہ خوبی نہیں ملی اس کے پاس بھی نہ رہے۔ یعنی اس سے نعمت کے زوال کی خواہش کرتا ہے۔ یہ بھی حسد ہے۔ حسد گناہِ کبیرہ ہے۔ اور ایک ہوتا ہے غبطہ، رشک۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی خوبی عطا فرمائی ہے دوسرا آدمی اس کو دیکھ کر کہتا ہے اے پروردگار! جیسے اس کو عطا فرمائی ہے مجھے بھی عطا فرما۔ یہ جائز ہے۔ اور ایک خیال اور وسوسہ ہوتا ہے جو خود بہ خود ذہن میں آتا ہے آدمی خود لاتا نہیں ہے۔ اور اس وسوسے کو اچھا بھی نہیں سمجھتا۔ اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ چاہے وہ نماز میں آجائے یا نماز سے باہر آجائے۔

بُرے سے بُرا خیال بھی آجائے تو شریعت اس پر گرفت نہیں کرتی۔

ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! بعض دفعہ ہمیں ایسے بُرے خیالات آتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جائیں مگر ان کو زبان پر نہ لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا خیال آتا ہے؟ کہنے لگے حضرت! مثلاً: یہ خیال آتا ہے کہ ہمیں رب نے پیدا کیا ہے، آسمان، زمین کو رب نے پیدا کیا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو رب نے پیدا کیا ہے، رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اس پر ہم بڑے تنگ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَان "یہ تو ایمان کی واضح علامت ہے۔" ایسے خیال سے نفرت کرنا یہ ایمان کی دلیل ہے۔ تو خیالات پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ عزم اور ارادے پر گرفت ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ النَّاسِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇦ عَمَّ
(۳۰)

آیاتہا ۶ سُوْرَۃُ النَّاسِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۴) (۲۱) رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿قُلْ﴾ (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیں ﴿اَعُوْذُ﴾ میں پناہ لیتا ہوں ﴿بِرَبِّ النَّاسِ﴾ لوگوں کے رب کی ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ جو لوگوں کا بادشاہ ہے ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ لوگوں کا معبود ہے ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾ وسوسے ڈالنے والے کے شر سے ﴿الْخَنَّاسِ﴾ جو وسوسے ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ﴾ جو وسوسے ڈالتا ہے ﴿فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ لوگوں کے سینوں میں ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ جنات میں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں پناہ لیتا ہوں لوگوں کے رب کی ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ جو لوگوں کا بادشاہ ہے ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ لوگوں کا معبود ہے، حاجت روا ہے، مشکل کشا ہے، فریادرس اور دست گیر ہے۔ کس چیز سے پناہ لیتا ہوں؟ ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾ وسوسے ڈالنے والے کے شر سے ﴿الْخَنَّاسِ﴾ جو وسوسے ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انسان کے دل پر ایک طرف فرشتہ بیٹھا ہوتا ہے اور ایک طرف شیطان بیٹھا ہوتا ہے۔ شیطان سے مراد ابلیس نہیں بلکہ عام شیطان۔ یہ عوام جو کہتے ہیں کہ ابلیس ہر جگہ ہوتا ہے۔ حاشا وکلا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ابلیس نے اپنا تخت سمندر پر بچھایا ہوا ہے۔ رات کو ڈیوٹیاں لگاتا ہے، دن کو ڈیوٹیاں لگاتا ہے گمراہ کرنے کی۔ پھر یہ واپس جا کر جب رپورٹ پیش کرتے ہیں تو بٹھاتا جاتا ہے۔ پھر ایک چھوٹے قد کا شیطان آتا ہے اور کہتا ہے لَمْ اَزَلْ بِهٖ حَتّٰى اَشْرَكَ "میں اس کے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ اس کو مشرک بنا کر چھوڑا۔" ابلیس لعین اپنے تخت سے اُٹھ کر اس کو گلے کے ساتھ لگاتا ہے اور کہتا ہے نِعْمَ الْوَلَدُ اَنْتَ "زندہ باد میرا بیٹا تو ہے، تو میرا بہت اچھا بیٹا ہے۔" کیوں کہ شرک کے سوا جتنے گناہ ہیں ان کی سزا خلود فی النار نہیں ہے، دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اور مشرک نے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ابلیس لعین ہر جگہ نہیں ہوتا۔ شیاطین بہت زیادہ ہیں۔ اتنے زیادہ کہ ان کا کوئی حد وحساب ہی نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے ان کی نسل چلی ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ کتنے ہوں گے؟

تو دل کے ایک کنارے پر فرشتہ ہوتا ہے جو اچھی باتوں کا القاء کرتا ہے اگر اچھی بات کا خیال پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو کہ یہ فرشتے کا القاء ہے۔ اگر برا خیال آئے تو بائیں طرف تھوک دو کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ اور شیطان اس وقت

وسوسہ ڈالتا ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کر دیتا ہے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جیسے چوکیدار جاگتا رہے، آواز دیتا رہے تو چوروں کو ہمت نہیں ہوتی اور جب چوکیدار غافل ہو جائے تو چور چوری شروع کر دیتے ہیں تو شیطان ذکر سے غفلت کے وقت حملہ کرتا ہے۔ پچیسویں پارے میں ہے ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (الزخرف: ۳۶) "اور جو شخص اعراض کرتا ہے رحمان کے ذکر سے ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے شیطان پس بے شک وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اگر انسان دل میں رحمان کو جگہ نہیں دے گا تو شیطان آجائے گا۔" جیسے انسان گھر بنا کر خالی چھوڑ دے تو پھر اس میں بلیاں کتے آجاتے ہیں اور بندہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو پھر شیطان کو داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوتی۔

فرمایا ﴿الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ جو وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں یعنی دلوں میں ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ جنات میں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ بعض انسان شیطان صفت ہوتے ہیں۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں۔ قرآن کے خلاف، رسالت کے خلاف، قیامت کے خلاف، توحید کے خلاف۔ اور شیطان تو ہیں ہی شیطان۔ اے پروردگار! چاہے جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ جو بھی غلط خیالات ڈالتے ہیں میں ان سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ تو مجھے ان کے شر سے بچا اور حفاظت فرما۔

اس کے بعد یہ دعا ہے۔

دعائے ختم القرآن

﴿اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ﴾ اے پروردگار! مجھے مانوس رکھ میری تنہائی کے وقت قبر میں۔ قبر میں میرا کوئی ساتھی بنا دینا ﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ﴾ اے اللہ! مجھ پر رحم فرما قرآن پاک کی برکت کے ساتھ ﴿وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا﴾ اور اے پروردگار! اس کو میرے لیے امام بنا دے، رہنمائی کرنے والا بنا دے ﴿وَّنُوْرًا﴾ اور نور بنا دے ﴿وَّهُدًى﴾ اور ہدایت بنا دے ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور رحمت بنا دے ﴿اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ﴾ اے پروردگار! مجھے یاد کرا دے اس سے وہ چیزیں جو میں بھول چکا ہوں ﴿وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ﴾ اور سکھا دے مجھے قرآن پاک کی وہ چیزیں جن سے میں جاہل ہوں، بے خبر ہوں ﴿وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ﴾ اور اے پروردگار! میری قسمت میں کر دے اس کی تلاوت ﴿اٰنَآءَ الَّيْلِ﴾ رات کے اوقات میں پڑھتا رہوں ﴿وَاٰنَآءَ النَّهَارِ﴾ اور دن کے اوقات میں بھی پڑھتا رہوں ﴿وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور بنا دے قرآن پاک کو میرے لیے حجت قیامت والے دن اے رب العالمین! ۔ اٰمِيْن

قرآن بطور سلطانی گواہ

حدیث پاک میں آتا ہے القران حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ یہ قرآن پاک تیرے لیے دلیل اور حجت ہوگا۔ سلطانی

گواہ ہوگا۔ اگر تونے اس کو پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا تو قیامت والے دن پروردگار سے کہے گا اے پروردگار! اس کی غلطیوں سے درگزر فرما۔ یا تیرے خلاف حجت ودلیل بن کر آئے گا، گواہ بن کر آئے گا۔ تیرے خلاف گواہ ہوگا کہ اے پروردگار! اس نے تیرے قرآن پر عمل نہیں کیا۔ اس کے مطابق ان نے عقیدہ نہیں بنایا۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رُبَّ تَالِ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ "بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔" مثلاً: قرآن میں پڑھتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کی پابندی نہیں کرتا۔ یہی آیت اس پر لعنت بھیجتی ہے۔ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ پڑھتا ہے اور زکوۃ نہیں دیتا۔ یہی آیت اس پر لعنت بھیجتی ہے۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ پڑھتا ہے اور خود جھوٹ بولتا ہے۔ یہی آیت اس پر لعنت بھیجتی ہے۔ جب پڑھے گا لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰا "زنا کے قریب نہ جاؤ۔" پھر اس میں آلودہ ہوگا تو یہی آیت اس پر لعنت بھیجے گی۔

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ پڑھے گا اور وراثت پر پورا پورا عمل نہیں کرے گا۔ بیٹی، بہن، پھوپھی کا پورا حق نہیں دے گا تو یہی آیت اس پر لعنت بھیجے گی۔ جب پڑھے گا لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اور یتیم کا مال کھائے گا تو یہی آیت کریمہ اس پر لعنت بھیجے گی۔ ابھی وراثت کا مال تقسیم نہیں ہوا اور لوگ اس میں سے صدقہ خیرات کرتے ہیں، تیجا، ساتواں، دسواں، چالیسواں کرتے ہیں۔ سنت بدعت کا مسئلہ تو علیحدہ ہے۔

پھر اس مال کے وارثوں میں یتیم لڑکا یا لڑکی ہو تو شریعت ان کی اجازت کو بھی معتبر قرار نہیں دیتی۔ ایسے مال کا کھانے والا پیٹ میں خنزیر کا گوشت ڈال رہا ہے۔ یاد رکھنا! یتیم کا مال کھانا قطعاً حرام ہے۔ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اور خیر سے تم نے ناک کی خاطر تیجے، ساتے نہیں چھوڑنے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں سمجھ عطا فرمائے اور آخرت کی فکر عطا فرمائے۔ (آمین)

آج بروز ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ، بتاریخ ۷ر مارچ ۲۰۱۵ء

تیسواں پارہ مکمل ہوا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ، گوجرانوالہ

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

0321 8741292